وجاءك في هذه الحق وموعظة وذكرى للمؤمنين

سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر ۵۹

تاریخ اسلام

سنہ ۱۳۴۳ھ

جلد سوم

مصنفہ

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی

باہتمام

ملک محمد اشرف خان صاحب اعوان

مینجر رسالہ صوفی و صوفی دار الاشاعت بک ڈپو پنڈی بہاؤالدین

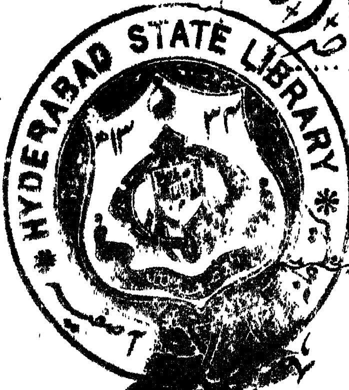
باخذ جملہ حقوق

بزیور انطباع محلی شدہ اشاعت پذیرفت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ اسلام

جلد سوم



گیارھواں باب

مسلمانوں سے پہلے اندلس کی حالت

جغرافیہ اندلس | یورپ کے نقشے میں جنوب و مغرب کی جانب ایک نمایاں جزیرہ نما ہے جس کے ذریعہ یورپ کا براعظم افریقہ کے براعظم سے ملنا یعنی اس جزیرہ نما کا جنوبی گوشہ مراقش کے شمالی گوشہ سے بغلگیر ہو کر ایک خاکنائے بنانا چاہتا تھا کہ بحر روم یا بحر متوسط نے بحر ظلمات یا بحر اٹلانٹک سے مصافحہ کرنے میں سبقت کی اور یورپ وافریقہ کے درمیان قریباً دس میل کا فاصلہ رہگیا بحر متوسط اور خلیج بسکی ایک دوسرے کی طرف بڑھکر یورپ کے اس جزیرہ نما کو جزیرہ بنانا چاہتے تھے مگر جبل البرتات یا کوہ پیری نیز کے سلسلے نے ایک سنگین دیوار اُٹھا کر اس جزیرہ نما کو فرانس سے جُدا تو کر دیا لیکن جزیرہ نہ بننے دیا۔ یورپ کے اس جنوبی و مغربی جزیرہ نما کو آئی بیریا اسپین ہسپانیہ۔ اندلس وغیرہ ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا رقبہ دو لاکھ میل مربع سے زیادہ۔ آب و ہوا یورپ کے تمام ملکوں سے بہتر یعنی معتدل۔ زمین زراعت کے لئے زیادہ موزوں اور زرخیز ہے۔ شادابی و سرسبزی اور کثرت پیداوار میں یہ ملک شام و مصر سے مشابہ ہے۔ چاندی کی کانیں خاص طور پر مشہور اور دوسری

قیمتی دھاتیں بھی اس ملک میں پائی جاتی ہیں۔ وادی الکبیر اور ٹیگس دو مشہور بڑے دریا بہتے ہیں۔ ان دریاؤں اور ان کے معاونوں نے اس جزیرہ نما کو تختۂ گلزار بنانے میں کمی نہیں کی۔ اس جزیرہ نما کی شمالی سرحد پر خلیج بسکی اور جبل البرتات ہے۔ مشرق میں بحر روم یا بحر متوسط ہے جنوب میں بحر متوسط آبنائے جبل الطارق اور بحر ظلمات اور مغرب میں بحر ظلمات ہے۔ اس جزیرہ نما کے مشہور صوبوں اور ولایتوں کی تفصیل اس طرح ہے کوشۂ جنوب و مغرب میں پرتگال۔ شمال و مغرب میں جلیقیہ کا صوبہ ہے۔ شمال میں استوریہ۔ قسطلہ۔ اربونیہ۔ ارغوان کے صوبے ہیں۔ شمال و مشرق میں قطلونیہ۔ مشرق میں بلنسیہ اور جنوب و مشرق میں اندلوسیہ کے صوبے ہیں طلیطلہ اندلس یا ہسپانیہ کے وسط میں ہے۔ قرطبہ اور غرناطہ کے مشہور شہر صوبۂ اندلوسیہ یعنی جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں واقع ہیں۔ اشبیلیہ بھی جنوبی و مغربی علاقہ میں مشہور شہر تھا۔ اس جزیرہ نما کا سب سے زیادہ زرخیز و آباد اور قیمتی علاقہ جنوبی حصہ یعنی صوبہ اندلوسیہ ہے اور یہی جنوبی حصہ زیادہ عرصہ تک مسلمانوں کے قبضے میں رہا جیسا کہ آگے بیان ہونیوالا ہے۔

اہل فونیشیا۔ قرطاجنہ۔ رومی گاتھ کی حکومت اندلس میں۔ نیفیشیا یا فونیشیا یا کنعان اُس ملک کا نام ہے جو ملک شام کا مغربی حصہ کہلاتا ہے اور جو بحر روم کا مشرقی ساحل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئی سو سال پیشتر اس حصہ ملک میں ایک بڑی زبردست اور تجارت پیشہ قوم رہتی تھی جو آجکل مورخین میں اہل فونیشیا کہلاتی ہے۔ اہل فونیشیا کے جہازات تمام بحر روم میں تجارتی مال اِدھر سے اُدھر لیجانے میں مصروف تھے۔ مال و دولت کی فراوانی نے اُن کو ایک خاص تہذیب اور خاص تمدن کا بانی بنایا فلسطین پر قبضہ کر کے اُنہوں نے بحر قلزم کے راستے ہندوستان و چین تک اور اُدھر آبنائے جبل الطارق سے گذر کر انگلستان و بحر شمالی تک اپنی تجارت کا سلسلہ قائم کیا۔ بحر روم کے شمالی اور جنوبی بندرگاہوں پر اُنہیں کا قبضہ تھا اور اُن کی بحری طاقت دُنیا میں سب سے بڑی بحری طاقت تھی اُنہوں نے جا بجا اپنی نوآبادیاں قائم کر لی تھیں انہیں نوآبادیوں میں شمالی افریقہ (ٹیونس) کا شہر قرطاجنہ اُن کا آباد کیا ہوا تھا جو بعد میں ایک مستقل حکومت و سلطنت کا پایۂ تخت بنا۔ انہیں نوآبادیوں میں ملک اندلس کے ساحلی مقامات پر اُن کے آباد کئے ہوئے شہر و قصبے اور بندرگاہ تھے رفتہ رفتہ ملک اندلس اُن کی سلطنت کا ایک صوبہ بنگیا اور اہل فنیشیا یہاں حکومت کرنے لگے۔ جب اہل فنیشیا کی سلطنت و حکومت میں زوال پیدا ہوا تو اُنہیں کے بعض افراد نے قرطاجنہ یعنی ٹیونس میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قائم کی اور اندلس بھی سلطنت قرطاجنہ کا ایک صوبہ بنگیا۔ اہل قرطاجنہ نے سیکڑوں برس کوس انا و لاغیری بجایا۔ یہ لوگ آتش پرست اور ستارہ پرست تھے ان کی تہذیب اپنے زمانے میں لانظیر سمجھی جاتی تھی اہل فنیشیا کے مقابلے میں اندلس پر اہل قرطاجنہ کا زیادہ اثر پڑا اس لئے کہ ساحل شام کی نسبت قرطاجنہ اندلس سے زیادہ قریب تھا۔ جب اٹلی کے شہر روم میں رومتہ الکبریٰ کی سلطنت قائم ہوئی تو اہل قرطاجنہ اور اہل روم کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہوا آخر رومیوں نے سلطنت قرطاجنہ کو برباد کیا اور اندلس میں رومیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ رومیوں نے پانسو سال تک اندلس میں حکومت کی شہر روم سے اندلس کا حاکم بطور وائسرائے مقرر ہو کر آتا تھا اور سالانہ خراج اس ملک سے وصول کر کے دارالسلطنت روم میں بھیجتا تھا جس طرح بحر روم اور اُس کے ساحلی ملکوں کی حکومت اہل فنیشیا کے ہاتھ سے نکل کر اہل قرطاجنہ کے ہاتھ میں آئی تھی اسی طرح اہل قرطاجنہ سے اہل روم کے قبضے میں پہونچی۔ سلطنت روم پر عیسوی مذہب قبول کر لینے کے بعد سنہ ۴۰۰ء کے قریب دو مصیبتیں نازل ہوئیں اوّل یہ کہ قوم گاتھ نے جو مغلوں سے بہت مشابہ تھی وسطی و مشرقی

یورپ سے خروج کرکے حملے شروع کر دیئے رومیوں کی عیش پرستی قوم گاتھ کی جفاکشی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس لٹیرے گروہ نے رومی سلطنت کے چول ڈھیلے کر دیئے۔ انہیں ایام میں رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک دار السلطنت تو شہر روم ہی رہا اور دوسری مشرقی سلطنت کا دار الحکومت قسطنطنیہ مقرر ہوا گاتھوں کے اس لٹیرے گروہ نے دین عیسوی کو اسی طرح قبول کیا جیسے کہ ترکوں کے ایک گروہ بنی سلجوق نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بنی سلجوق جس طرح اسلام قبول کرنیکے بعد ہی بہت جلد اپنی حکومتیں قائم کر سکے تھے اسی طرح قوم گاتھ نے عیسوی مذہب قبول کرنیکے بعد فرانس کی جانب سے کوہ برطات یا کوہ پیری نیز کو عبور کرکے جزیرہ نما ہسپانیہ پر قبضہ کیا۔ گاتھوں کے ایک حصے نے شرق میں اپنی حکومت قائم کی اور ایک حصے کی حکومت مغرب میں اندلس کے اندر قائم ہو گئی۔ جس طرح رومی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو کر مشرقی روم اور مغربی روم کی سلطنتیں قائم ہو گئیں تھیں اسی طرح گاتھوں کی بھی دو سلطنتیں مشرقی گاتھ اور مغربی گاتھ کے نام سے قائم ہوئیں۔ مغربی گاتھ کو چونکہ حکومت اور مذہب ساتھ ہی ساتھ ملے تھے اس لئے انہوں نے عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد ہی اپنے آپ کو روم کے مذہبی پیشوا کا ماتحت و محکوم نہیں رکھا بلکہ اندلس کے عیسائی پوپ روم کی سیادت سے آزاد اور اپنے مذہبی معاملات میں خود مختار رہے۔ حکومت گاتھ مذہب کی کچھ زیادہ پابند نہ تھی اور اس نے عیسویت کو سیاسی مصلحت سے ہی قبول کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ عیسائیت کو جس طرح یورپ کے دوسرے ممالک میں فروغ ہوتا گیا اسی طرح اندلس میں بھی مذہبی پیشواؤں کا اثر واقتدار ترقی پذیر رہا آخر چند روز کے بعد نوبت یہانتک پہونچی کہ پادری لوگ بادشاہ کے انتخاب اور تخت نشینی کے مراسم ادا کرنے میں خوب دخیل ہو گئے اور اُن کی طاقت کا توڑنا بادشاہ کے لئے آسان کام نہ رہا حکومت گاتھ اندلس میں ۵۰۰ء کے قریب مکمل طور پر قائم ہوئی تھی۔ دو سو سال تک گاتھ حکومت اندلس میں قائم رہی اس عرصہ میں اندلس کے اندر گاتھوں کی جنگجوئی و خونخواری عیش و راحت اور زیب و زینت کے شوق سے تبدیل ہو گئی تھی۔ اہل فونیشیا اور قرطاجنہ دونوں آتش پرست اور ستارہ پرست تھے دونوں میں عیش و راحت اور ظاہری زیب و زینت کا شوق موجود تھا لہذا اہل اندلس اپنے حکمرانوں سے متاثر ہوتے اور یہ چیزیں اُن میں موجود ہو گئیں اس کے بعد رومیوں کی حکومت میں عیش و نشاط کے رواج نے خوب ترقی کی۔ گاتھ حکومت اگرچہ خود اپنے ساتھ سپاہیانہ اور جنگجویانہ خصائل لائی تھی لیکن اہل ملک کے اثر نے حاکموں کو چند روز کے بعد اپنے رنگ میں تبدیل کر لیا چونکہ گاتھ خود اپنا کوئی تمدن۔ اخلاق اور اعلیٰ معاشرت نہ رکھتے تھے لہذا وہ جب اہل اندلس سے متاثر ہوتے تو عیش و نشاط سے بھی بے بہرہ نہ رہے بہرحال اندلس بہت سی تہذیبوں کا مجموعہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ہر قسم کی ترقیات اور اس زمانہ کے علوم سے بے بہرہ نہ تھا۔ مذہب عیسوی کے رواج اور نشوونما نے بھی اپنا کافی اثر اس ملک پر ڈالا تھا۔ ۷۰۰ء کے بعد گاتھ حکومت کا بھی اس ملک میں خاتمہ ہو گیا اور ایک مشرقی قوم نے ایرانیوں۔ رومیوں۔ شامیوں۔ مصریوں۔ یونانیوں کی حکومتوں ہی کو نہیں بلکہ ان ملکوں کی مشہور تہذیبوں اور مذہبوں کو بھی پامال کرتے ہوئے اس ملک میں داخل ہو کر بُت پرستی اور عیسویت کی جگہ توحید کا علم بلند کیا اور اسلامی حکومت قائم کی۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

گاتھ سلطنت میں امتداد زمانہ کے ساتھ ہی ساتھ مذہبیت ترقی کرتی گئی وہاں علیحدہ مذہبی مرکز یعنی چرچ قائم تھا۔ قانون سلطنت میں عیسوی تنگدلی خوب داخل ہو گئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اندلس کے یہودی

اُن سے ہر قسم کی خدمت لیجاتی تھیں اور اُن کا مرتبہ حقوق کے اعتبار سے چوپایوں کے قریب پہونچا دیا گیا تھا حالانکہ گاتھوں کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں یہودیوں کی ایسی ذلیل و سقیم حالت نہ تھی۔ بُت پرستی کے تمام اوہام باطلہ اندلس کے عیسائیوں میں موجود تھے۔ تہذیب و شائستگی۔ علوم و فنون اور تجارت کے اعتبار سے یہودیوں کو عیسائیوں پر فضیلت حاصل تھی۔ عیسائی عام طور پر عیش پسند اور تن آسان تھے مگر یہودیوں میں جفاکشی موجود تھی۔ چونکہ یہودی تعداد میں کم تھے اور حکومت بھی عیسائیوں کی تھی لہٰذا وہ اپنی نجات کے لئے کوئی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ پادری لوگ معاملات سلطنت میں اس قدر زیادہ دخیل ہو گئے تھے کہ بادشاہ اُن کے خلاف کوئی کام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ بڑی بڑی جاگیریں اور زرخیز علاقے پادریوں کے قبضے میں تھے۔ خوب پادریوں کے مکان پر سجائے بنے ہوئے تھے عیش و عشرت کے تمام سامان اور بدمستیوں کے تمام نظارے پادریوں کی مجلسوں میں دیکھے جاتے تھے لیکن کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ اُن کے مذہبی اقتدار کا مقابلہ کر سکے۔ پادریوں کے فتوے بڑے بڑے عالیجاہ اور صاحب سطوت لوگوں کو سرنگوں کر سکتے تھے۔ ایک ایک پادری کے پاس سو سو اور دو دو سو بربری غلاموں کا موجود ہونا تو معمولی بات تھی۔ اُن کے احکام کا کہیں اپیل نہ ہو سکتا تھا۔ گاتھ سلطنت کا دارالحکومت طلیطلہ تھا طلیطلہ میں اسقف اعظم یا لاٹ پادری جو چرچ ہسپانیہ کا صدر اعظم تھا رہتا تھا۔ اسقف اعظم کے حقوق میں یہانتک ترقی ہو چکی تھی کہ وہ بادشاہ کی معزولی کا فرمان بھی صادر کر سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اندلس میں خالص عیسوی حکومت قائم تھی۔

ساتویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں اپنی شان و شوکت اور وسعت مملکت کے اعتبار سے گاتھ سلطنت اپنے معراج کمال کو پہونچ چکی تھی تمام بحر روم پر اُن کی سیادت مسلم تھی۔ جزیرہ نمائے ہسپانیہ کے سوا بحر روم کے اکثر جزائر بھی انہیں کے زیر اقتدار اور زیر حکومت تھے۔ افریقہ کے شمالی ساحل پر بھی اُن کا قبضہ بعض مقامات پر قائم تھا۔ بحر روم کے مشرقی حصے پر بازنطین یعنی رومی حکومت بڑے شان و شوکت کے ساتھ قائم تھی۔ جس زمانے میں مسلمانوں نے رومیوں کو ملک شام و فلسطین و مصر سے خارج کر دیا تھا اُس زمانے میں گاتھ قوم کا بادشاہ وٹیزا طلیطلہ میں برسر حکومت تھا۔ وٹیزا نے جب یہ دیکھا کہ پادریوں نے تمام سلطنت پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر کے مخلوق خدا کو ستانے میں بڑی قساوت قلبی کا اظہار کیا ہے اور یہودیوں کے ساتھ اُن کا ظالمانہ برتاؤ انسانیت کے خلاف ہے تو اُس نے عیسائیوں یعنی پادریوں کے اقتدار کو توڑنے اور کم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ پادریوں نے اس بات سے واقف ہو کر وٹیزا کے معزول کرنے کی تجویز کی اور اُس پر یہ الزام لگایا کہ وہ یہودیوں کا خیر خواہ ہے۔ یہودیوں کی خیر خواہی ایسا ناقابل عفو جرم تھا کہ پادریوں کو وٹیزا کے معزول کرنے میں زیادہ دقت پیش نہ آئی۔ انہوں نے وٹیزا کو معزول کر کے ایک فوجی سردار لرزیق نامی کو جو شاہی خاندان سے نہ تھا تخت نشین کیا۔ اس طرح گاتھوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر لرزیق کی حکومت آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں شروع ہوئی۔ لرزیق ایک کار آزمودہ سپہ سالار اور ستر اسی سال کی عمر کا تجربہ کار شخص تھا۔ چونکہ پادریوں کی حمایت بھی اُس کے شامل حال تھی لہٰذا قدیم شاہی خاندان کے محروم کرنے اور لرزیق کی حکومت کے قائم ہونے میں کوئی دقت اور پریشانی بھی رونما نہ ہوئی۔ لرزیق نے تخت نشین ہو کر نہایت اطمینان اور پوری طاقت کے ساتھ حکومت شروع کی اور پادریوں کے اقتدار میں کسی قسم فرق نہ آنے پایا۔

افریقہ (مراکو) کے شمالی ساحل پر قلعہ سبطہ یا سوطا ابھی تک عیسائیوں کے قبضے میں تھا اس قلعہ کا قلعہ دار ایک شخص کونٹ جولین نامی تھا جس کو عربی مورخ بالیان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جولین ایک یونانی سردار تھا اور قیصر قسطنطنیہ کی طرف سے مامور تھا۔ قیصر کے تمام مقبوضات افریقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے صرف یہی ایک قلعہ باقی تھا جو صلح کے ذریعہ جولین کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا تھا جولین نے اندلس کی عیسائی سلطنت سے حسب منشائے قیصر قسطنطنیہ اپنے تعلقات قائم کر لئے تھے کیونکہ قسطنطنیہ کے مقابلے میں اندلس مقام سبطہ سے قریب تھا اور اندلس کی حمایت میں آجانے سے اس عیسائی مقبوضہ کے قیام و بقا کی زیادہ توقع تھی اس طرح کونٹ جولین حکومت اندلس کے گورنروں میں شمار کیا جاتا تھا اور قلعہ سبطہ حکومت اندلس کی ایک ماتحت ریاست بن گیا تھا جس کا تعلق برائے نام حکومت قسطنطنیہ سے بھی باقی تھا۔ اندلس کے آخری گاتھ فرمانروا مسمی وٹیزا نے اپنی بیٹی کی شادی جولین سے کر دی تھی۔ جب وٹیزا تخت سلطنت سے معزول کیا گیا تو جولین کو بالطبع وٹیزا کے معزول اور لرزیق کے تخت نشین ہونے سے ملال ہوا مگر چونکہ لرزیق کی تخت نشینی پادریوں کے حسب منشاء عمل میں آئی تھی لہذا جولین کو بھی مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ جولین کی ایک بیٹی فلورنڈا نامی تھی جو پادشاہ وٹیزا کی نواسی یعنی قدیمی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ گاتھ حکومت کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ امیروں۔ گورنروں۔ سپہ سالاروں اور بلند مرتبہ لوگوں کے چھوٹے لڑکے پادشاہ کے پاس بطور پیش خدمت رہتے آداب دربار سیکھتے اور شائستگی حاصل کرتے تھے پادشاہ بھی مثل اپنی اولاد کے ان کے سکھ و راحت کا خیال رکھتا اور جب وہ جوان ہو جاتے تو اپنے والدین کے پاس واپس جانے کی اجازت پاتے تھے۔ اسی طرح امرا کی لڑکیاں پادشاہ بیگم کے پاس محل میں بھیجی جاتی تھیں اور وہاں محلات شاہی میں پرورش پا کر جوان ہوتی تھیں پادشاہ اور پادشاہ بیگم ان لڑکیوں کو مثل اپنی بیٹیوں کے سمجھتے تھے اسی رسم قدیم کے موافق کونٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا بھی شاہی محلات میں موجود تھی۔ یہ لڑکی جوان ہو گئی تھی اور اس کو اب اس کے والدین کے پاس واپس ہونا چاہئے تھا مگر اندلس کے پادشاہ لرزیق نے باوجود اس کے کہ وہ بوڑھا شخص تھا اس لڑکی کی جبریہ طور پر عصمت دری کی لڑکی نے بمشکل اپنی اس بے عزتی کے حال سے اپنے باپ کو اطلاع دی۔ اس خبر کو سن کر جولین کے دل میں طیش و غضب کی آگ مشتعل ہوئی اور گاتھ قوم کے جس شخص کو بھی اس کا حال معلوم ہوا اس نے اپنی قوم اور قدیمی شاہی خاندان کی اس بے حرمتی کو گراں محسوس کیا۔ کونٹ جولین نے اپنی ناراضی کو پوشیدہ رکھا اور فوراً سبطہ سے روانہ ہو کر طلیطلہ (ٹالیڈو) میں پہونچا۔ شاہی دربار میں حاضر ہو کر اپنی بیوی یعنی فلورنڈا کی ماں کے بیمار ہونے اور مرنے سے پہلے بیٹی کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے کا حال بیان کر کے فلورنڈا کے لیجانے کی اجازت چاہی یہ ایک ایسا بہانہ تھا کہ لرزیق کسی طرح اس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ جولین اپنی بیٹی کو لیکر سبطہ میں واپس آگیا۔ قدیمی شاہی خاندان کے حامیوں میں سے اشبیلیہ کا اسقف بھی جولین کے پاس آیا اور لرزیق کی حکومت کے درہم برہم کرنیکی تدابیر سوچنے میں یہ دونوں مصروف ہوئے۔ اس زمانے میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی جانب سے شہر قیروان میں موسیٰ بن نصیر خلیفہ کے مقبوضات غربی کا وائسرائے تھا۔ موسیٰ بن نصیر کی طرف سے طارق بن زیاد اس کا ایک بربری النسل غلام شہر طنجہ کی حکومت پر مامور اور ملک مراقش کی افواج اسلامیہ کا سپہ سالار تھا طارق اگرچہ جولین سے قریب تھا لیکن جولین نے بجائے طارق سے گفتگو کرنیکے موسیٰ بن نصیر سے اپنا مقصود ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہ اشبیلیہ کے اسقف اعظم اور چند عیسائی سرداروں کو ہمراہ لیکر قیروان پہنچا اور موسیٰ بن نصیر کی خدمت میں اپنے آنیکی اطلاع پہنچائی۔ موسیٰ بن نصیر اس عیسائی وفد سے

یقیناً آپ کے شامل حال ہوگی۔ موسیٰ یہ سنکر متامل ہوا اور کوئی تسکین بخش جواب نہ دے سکا۔ تب جولین اور
سقف اشبیلیہ نے کہا کہ آجکل اندلس میں ایک شخص غاصبانہ طور پر متسلط ہے۔ موجودہ حکومت
ندلس کی رعایا کے لئے ایک قہر الٰہی ہے۔ بنی نوع انسان کے حقوق جو محض انسان ہونے کی وجہ سے
پ پر عائد ہوتے ہیں آپ اُن کو ادا کریں اور اہل اندلس کو اس جہنم سے جس میں وہ آجکل مبتلا ہیں نجات
لائیں۔ نیز آپ کے اور کوئی طاقت دُنیا میں ایسی نہیں ہے جس کے پاس ہم اپنی فریاد لیکر جائیں اور اس کے
ذریعہ اس مصیبت سے آزادی پائیں۔ موسیٰ بن نصیر نے جولین کے اس اصرار کے بعد اندلس کے حالات اور
حکومت اندلس کی فوجی طاقت کے متعلق سوالات کئے اور خلیفۂ دمشق ولید بن عبدالملک سے اجازت طلب کرنا
ضروری سمجھکر ایک عریضہ دمشق کی جانب روانہ کیا اور جولین کے ہمراہ اپنے ایک سردار طریف یا طارف کو
نسو آدمیوں کے ساتھ بھیجا کہ جولین کے جہازوں میں سوار ہوکر ساحل اندلس پر اُتریں اور وہاں کے حالات سے
ود واقفیت حاصل کرکے واپس آئیں۔ چنانچہ طریف اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ۹۲ھ میں اندلس کے ساحل پر
جنی اندلس کی جنوبی راس کے مشرقی کنارے بندرگاہ جزیرہ پر اُترا اور معمولی لوٹ مار کے بعد سالماً غانماً واپس
یا۔ ادھر خلیفہ کے دربار سے اجازت آگئی جس میں کمال حزم و احتیاط کے ملحوظ رکھنے کی تاکید تھی۔ جب موسیٰ
ن نصیر کو جولین اور اُن کے ہمراہیوں کے بیان کی تصدیق طریف کی زبانی ہوگئی تو اُس نے طنجہ کے گورنر طارق
ن زیاد کے نام حکم بھیجا کہ تم اپنی فوج لے کر اندلس پر چڑھائی کرو۔ طارق اپنا سات ہزار لشکر کشتیوں میں
سوار کرکے آبنائے جبل الطارق کے پار اندلس کی جنوبی راس پر جا اُترا۔ طارق اپنی اس سات ہزار فوج کو
چار کشتیوں میں سوار کرکے لیگیا تھا۔ اس سے اُس زمانے کے جہازوں کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتنے بڑے
تھے۔ طارق کی فوج میں زیادہ تر بربری نومسلم اور کمتر عربی لوگ تھے۔ مغیث الرومی نامی ایک مشہور
فوجی افسر بھی اس فوج میں شامل تھا جو طارق کا ماتحت اور اُس کا نائب سمجھا جاتا تھا۔ طارق ابھی آبنائے
کے وسط میں تھا اور ساحل اندلس تک نہیں پہونچا تھا کہ اُس پر غنودگی طاری ہوتی اور اُس نے خواب میں
دیکھا کہ آنحضرت صلعم اُس سے فرماتے ہیں تمہارے ہاتھ پر اندلس فتح ہوجائیگا۔ اس کے بعد فوراً طارق کی
آنکھ کھُل گئی اور اُس کو اپنی فتح کا کامل یقین ہوگیا۔

اسلامی حکومت اندلس میں

طارق اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اندلس کے ساحل پر اُترا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن جہازوں میں
سوار ہوکر آئے تھے اُن کو آگ لگاکر سمندر میں غرق کردیا۔ طارق کی یہ حرکت بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے
لیکن اگر ذرا غور و تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو طارق کی انتہائی بہادری اور قابلیتِ سپہ سالاری
کی ایک زبردست دلیل ہے طارق اس بات سے واقف تھا کہ یہ مٹھی بھر فوج ایک عظیم الشان سلطنت کی
افواج گراں کے مقابلے میں بے حقیقت نظر آئے گی۔ ممکن ہے بربری نومسلموں کو گھر یاد آنے لگے اور
ماتحت فوجی افسر اس بات پر زور دینے لگیں کہ جبتک بڑی اور زبردست فوجیں نہ آئیں اُسوقت تک
لڑائی کا چھیڑنا مناسب نہیں ہے اور بہتر یہی ہے کہ طنجہ کو واپس چلیں۔ ایسی حالت میں یہ پہلی مہم ناکام رہیگی
اور طارق کے خواب کی تعبیر مشتبہ ہوجائیگی۔ طارق کو اپنے خواب پر ایسا کامل یقین تھا کہ وہ اندلس کا اسی

فوج سے فتح کر لینا یقینی سمجھتا تھا اُس نے جہازوں کو غرق کر کے اپنے ہمراہیوں کو بتا دیا کہ واپس جانے کا اَب کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا ہمارے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن کا وسیع ملک ہے۔ بجز اس کے اور کوئی صورت نجات کی باقی نہیں رہی کہ ہم دشمن کے ملک پر قبضہ کرتے اور اُس کی فوجوں کو پیچھے دھکیلتے چلے جائیں۔ اس کام میں ہم جس قدر زیادہ چستی۔ ہمت اور جفاکشی سے کام لیں گے ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ سستی۔ پست ہمتی اور تن آسانی کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ طارق جس مقام پر اُترا تھا اُس کا نام لائنز راک یا قلعۃ الاسد تھا اس کے بعد سے اُس کا نام جبل الطارق مشہور ہوا اور آجتک جبل الطارق یا جبرالٹر ہی کہلاتا ہے۔ شاہ لرزیق کا سپہ سالار تدمیر ایک زبردست فوج لئے ہوئے اُسی نواح میں اتفاقاً موجود تھا طارق کے ہمراہی ابھی پورے طور پر اپنے حواس بجا کرنے بھی نہ پاتے تھے کہ تدمیر نے ان نو واردوں کی خبر سُن کر اُن پر حملہ کیا تدمیر ایک نہایت تجربہ کار اور مشہور سپہ سالار تھا وہ بہت سے معرکوں میں ناموری حاصل کر چکا تھا۔ تدمیر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا مگر طارق نے اُس کو شکست فاش دیکر بھگا دیا تدمیر نے طارق سے شکست کھا کر اور ایک محفوظ مقام میں پہونچکر بادشاہ لرزیق کو اطلاع دی کہ

"اے شہنشاہ! ہمارے مُلک پر ایک غیر قوم نے حملہ کیا ہے میں نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور پوری ہمت و شجاعت سے کام لیا لیکن مجھ کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی اور میری فوج ان لوگوں کے مقابلہ میں قائم نہ رہ سکی۔ ضرورت ہے کہ آپ بنفس نفیس زبردست فوج اور پوری طاقت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ حملہ آور لوگ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں آیا آسمان سے اُترے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں"

اس وحشت انگیز خبر کو سُن کر لرزیق نے تمامتر توجہ فوجوں کے فراہم کرنے میں صرف کر دی۔ لرزیق طلیطلہ سے روانہ ہوکر قرطبہ میں آیا اور یہیں مُلک کے ہر حصے سے فوجیں آ آ کر فراہم ہونے لگیں۔ لرزیق نے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور بڑی مستعدی و ہمت کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب فوج لے کر قرطبہ سے طارق کی طرف روانہ ہوا تدمیر بھی اپنی فوج لے کر ہمراہ رکاب ہوا۔ اس عرصہ میں طارق بیکار نہیں رہا اُس نے شہروں اور قصبوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور الجزائر وشدونہ کے علاقوں کو فتح کر کے وادی لکتہ تک پہونچ گیا تھا لرزیق کی فوج میں ایک لاکھ سپاہیوں کے علاوہ مُلک اندلس کے تمام بڑے بڑے تجربہ کار سپہ سالار اور ہر صوبے کے نامور سردار موجود تھے۔ شہر شدونہ کے متصل لاجنڈا کی جھیل کے قریب ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے ۲۸ رمضان المبارک ۹۲ھ مطابق ماہ جولائی ۷۱۱ء کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا موسیٰ بن نصیر نے طارق کے روانہ ہونے کے بعد افریقہ سے پانچہزار فوج بغرض کمک اور روانہ کر دی تھی یہ پانچہزار فوج بھی طارق کے پاس اس مقابلے سے پہلے پہونچ چکی تھی لہٰذا طارق کی فوج اَب بارہ ہزار ہوگئی تھی ایک طرف بارہ ہزار مُسلمان تھے دوسری طرف ایک لاکھ عیسائی تھے۔ مسلمان اس مُلک کے حالات سے ناواقف اور بالکل اجنبی تھے۔ عیسائی لشکر اسی مُلک کا رہنے والا تھا اور اپنے مُلک و سلطنت کے بچاتے کو میدان میں آیا تھا۔ اِدھر اسلامی لشکر کا سردار گورنر افریقہ موسیٰ بن نصیر کا آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد تھا جو کوئی غیر معمولی قدر دانی نہیں کرسکتا تھا اُدھر مُلک اندلس کا شہنشاہ عیسائی لشکر کی سپہ سالاری کر رہا تھا جس کے قبضے میں مُلک کے تمام خزانے اور ہر قسم کی عزت افزائی و قدر دانی کے سامان تھے۔ ادھر فوج میں

بلکہ نومسلم بربری تھے ادھر عقیدتمند عیسائیوں کی فوج تھی جن کو لڑائی پر ابھارنے اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنیکی ترغیب دینے کے لئے تمام بڑے بڑے اور نامور پادری اور بشپ موجود تھے اس معرکہ میں طارق کی مٹھی بھر فوج جو اپنے حریف کی فوجِ گراں کا بمشکل آٹھواں حصہ تھی اگر شکست کھا جاتی تو یہ معرکہ بہت ہی معمولی اور ناقابل تذکرہ معرکہ ہوتا لیکن چونکہ بارہ ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ باساز وسامان عیسائیوں کے لشکر جرار کو شکست فاش دی لہٰذا یہ لڑائی دنیا کی عظیم الشان لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے ایسے عظیم الشان معرکہ کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت ہی کم اور صرف چند دستیاب ہوسکتی ہیں۔ ایک ہفتہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہیں۔ طارق نے جس وقت لزریق شہنشاہ ہسپانیہ کے لشکر عظیم کے مقابل اپنی مٹھی بھر فوج کی صفیں درست کیں تو اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کرکے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جو ایمان باللہ کو استوار اور پائے استقلال کو مضبوط کرنے والی تھی۔ طارق کی اس تقریر نے مسلمان بہادروں کے دورانِ خون کو بڑھادیا اور شوقِ شہادت نے اُلفتِ دنیا اور محبتِ زن وفرزند کو دلوں سے مٹادیا۔ اس کے بعد معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اُدھر سے ہائے وہو کا شور وغل تھا ادھر سے تکبیر کی آواز تھی جو دشمنوں کے دلوں کو دہلاتی اور مسلمانوں کے دلوں کو بڑھاتی تھی ؎

بہ پیکار کاریکہ تکبیر کرد ۔۔۔ نہ شمشیر کرد و نہ تیر کرد

عیسائی لشکر کا بڑا حصہ زرہ پوش سواروں پر مشتمل تھا لیکن اسلامی فوج سب پیدل تھی۔ عیسائی سواروں کی صفیں طوفانی سمندر کی لہروں کی طرح جب حملہ آور ہوتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ فیل پیکر گھوڑوں اور دیو نژاد سواروں کے پرے مسلمانوں کو کچلتے اور اُن کی لاشوں کو سموں کی ضربوں سے قیمہ بناتے ہوئے گذر جائیں گے اور نیزہ وشمشیر کے استعمال کا موقع نہ پائیں گے۔ لیکن جس وقت یہ آہن پوش متلاطم سمندر جمعیت اسلامی کے پہاڑ سے ٹکرایا ہے تو معلوم ہوا کہ بھیڑوں کی کثرت شیروں کی قلت پر غلبہ پانے کے لئے حملہ آور ہوتی تھی۔ اسلامی تلواروں کی بجلیاں چمکیں اور عیسائی افواج کی گھٹائیں کچھ تو خاک وخون میں لتھڑی ہوئی لاشوں کی شکل میں تبدیل ہوگئیں اور اکثر گھٹائے ابر کی طرح پاش پاش ہوکر متحرک ومفرور نظر آنے لگیں۔ تکبیر کے پرہیبت نعرے دمبدم میدان کے شور وغل پر غالب ہوتے جاتے تھے کہ شمشیر زنوں کی تیز دستی اور نیزہ بازوں کی چستی نے اس معرکہ کی عظمت کو مورخین عالم کے لئے ایسے بلند مقام پر پہونچادیا کہ ربع مسکوں کے ہر حصے اور دنیا کی ہر ایک قوم نے حیرت کی نگاہوں سے اسلامی جوش کے اس نظارے کو دیکھا۔ شہنشاہ لزریق یعنی عیسائی افواج کا سپہ سالار اعظم اپنی تمام تجربہ کاری۔ بہادری اور شہرت کو عیسائی مقتولوں کے ساتھ خاک وخون میں ملاکر اور اپنی جان کو عزت سے زیادہ قیمتی سمجھ کر طارق کے مقابلے پر اپنے دیوہیکل سبزے گھوڑے کو قائم نہ رکھ سکا بلکہ پیٹھ پھیر کر سراسیمگی کے عالم میں بھاگا۔ چند ساعت پیشتر جو شخص جزیرہ نما ہسپانیہ کا شہنشاہ۔ ایک لاکھ جرار فوج کا سپہ سالار اور تمام پادریوں کا محبوب تھا وہ سراسیمگی کی حالت میں اس طرح بھاگتا ہوا نظر آیا کہ دوسرے فراریوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا اور اس آپا دھاپ میں کسی کو اتنا ہوش نہ تھا کہ اپنے شہنشاہ کے لئے راہِ فرار میں سہولت پیدا کردے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ عیسائی لشکر کو شکست اور قلیل التعداد مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ عیسائیوں کی اس شکستِ فاش کا سبب عیسائی لشکر کی بزدلی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ مسلمانوں کی غیر معمولی اور حیرت انگیز بہادری وجفاکشی اصل سبب تھا۔ اگر عیسائی لشکر کی بزدلی اس شکست کا سبب ہوتا تو بڑے بڑے سردار۔ شہزادے اور

پادری کثیر التعداد مقتولوں کی لاشوں میں شامل نظر نہ آتے۔ ہنگامۂ جنگ کی زد و خورد کے فرو ہونے کے بعد تمام میدانِ جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ عیسائی مقتولوں کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس لڑائی کے ختم ہوتے ہی تمام اسلامی لشکر جس کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا سواروں کے رسالوں کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا۔ یہ گھوڑے جو تمام مُسلمانوں کے لئے کافی ہوئے انہیں عیسائی سواروں کے تھے جو میدان جنگ میں مُسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوتے۔ اگر یہ سوار چاہتے تو مقتول ہونے سے پیشتر فرار ہو سکتے تھے۔ ایک ہفتہ تک میدان جنگ میں مُسلمانوں کی قلت تعداد عیسائی لشکر سے پوشیدہ نہ تھی اس عرصہ میں عیسائیوں کو ہر قسم کا سامان بھی پہونچ رہا تھا اُن کی تعداد بھی ترقی کر رہی تھی لیکن مُسلمانوں کی حالت اس اجنبی مُلک میں اس کے بالکل خلاف تھی)۔ عیسائیوں کی ہمتوں اور حوصلوں میں یقیناً مُسلمانوں کی قلتِ تعداد نے اضافہ کیا ہوگا۔ یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی تھی اس عرصہ میں طرفین کو اپنے حوصلے پورے کرنے اور پورا پورا زور صرف کر دینے کا بخوبی موقع ملا تھا مگر نتیجہ نے بتا دیا کہ جس طرح مُسلمانوں نے آٹھ گنی تعداد کے دُشمنوں کو نیچا دکھایا اسی طرح وہ دس گُنی تعداد کو بھی شکست فاش دے سکتے ہیں۔ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَہُوۡنَ ○ (انفال) ہسپانیہ کی گاتھ سلطنت ایک طرف فرانس اور دوسری طرف اٹلی کی رومی سلطنت کو جنگ آزمائی میں نیچا دکھاتی رہتی تھی۔ برِ اعظم یورپ پر اُس کا رُعب طاری تھا ہسپانیہ کے سپہ سالاروں نے ہمیشہ میدانوں میں بہادری و فتحمندی کے گھوڑے دوڑائے تھے لیکن غازیانِ اسلام کے مقابلے میں وہ اُسی طرح مغلوب و کمزور ثابت ہوئے جس طرح یرموک کے میدان میں اُن کے ہم مذہب قلیل التعداد مُسلمانوں سے شکست یاب ہو کر مفرور و مغلوب ہوئے تھے مُسلمانوں کو یہ فتح مبین ۵ رشوال ۹۲ھ مطابق ۷۱۱ء میں حاصل ہوتی اسی تاریخ سے اندلس میں اسلامی حکومت کی ابتدا سمجھنی چاہئے۔ طارق نے اسی روز فتح کی خوشخبری پہونچانے کے لئے امیر موسیٰ بن نصیر کے پاس قاصد روانہ کیا اور خود لشکر اسلام کے دستوں کو ادھر اُدھر روانہ کر کے صوبۂ اندلسیہ کی فتح کے تکمل کرنے میں مصروف ہوا۔ موسیٰ بن نصیر اس فتح عظیم کا حال سُنکر بہت خوش ہوا اور خلیفہ کی خدمت میں بشارت نامہ دمشق کی جانب بھیجکر خود اندلس کی جانب روانہ ہونے کا تہیہ کیا۔ ایک خط طارق بن زیاد کے نام روانہ کیا کہ تم جس قدر حصۂ ملک کو فتح کر چکے ہو اُسی پر قابض رہو اور پیشقدمی ترک کر دو۔ اس کے بعد موسیٰ بن نصیر اٹھارہ ہزار کا لشکر لے کر قیروان سے روانہ ہوا۔ قیروان میں اپنی جگہ اپنے بیٹے کو حاکم مقرر کیا۔ جب امیر موسیٰ کا خط طارق کے پاس پہونچا ہے تو وہ جزیرہ نما کا جنوبی صوبہ یعنی صوبۂ اندلسیہ فتح کر چکا تھا لیکن جزیرہ نما کے بڑے بڑے مرکزی شہر اور دار السلطنت طلیطلہ عیسائی افواج کی چھاؤنیاں بنے ہوئے تھے اور اندیشہ تھا کہ عیسائی سردار متحد ہو کر اپنی پوری طاقت سے طارق پر حملہ آور ہونیوالے ہیں۔ طارق کے لئے اب سب سے زیادہ ضروری کام یہ تھا کہ وہ بلا تامل شمال کی جانب پیشقدمی کرے اور یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح کر کے اُس رُعب و ہیبت کو جو جنگ وادی لکہ کے بعد عیسائیوں کے دلوں پر طاری ہے کم نہ ہونے دے۔ طارق نے سردارانِ لشکر کو جمع کر کے امیر موسیٰ کا حکم سُنایا سب نے یہی رائے دی کہ اگر امیر موسیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی گئی تو اندیشہ ہے کہ عیسائی ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہو کر فتح اندلس کے کام کو بیحد دُشوار بنا دیں۔ کونٹ جولین بھی طارق کے ہمراہ موجود تھا اُس نے بھی یہی مشورہ دیا کہ

اس وقت ملک کے فتح کرنے میں تامل نہ کیا جائے ورنہ پھر کام دشوار ہوجائیگا چنانچہ طارق نے قرطبہ کی جانب پیشقدمی کی قرطبہ کا حاکم اندلس کے شاہی خاندان کا ایک شخص تھا اُس کے پاس وادی لکتہ کی لڑائی کے مفرورین بھی آکر جمع ہوگئے تھے اس شہر کا قلعہ بہت زبردست تھا اور اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا طارق نے آکر اول شہر والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ تم صلح کے ساتھ ہمارا قبضہ شہر پر تسلیم کرلو جب جواب انکار میں ملا تو شہر کا محاصرہ کیا گیا۔ اس محاصرہ میں زیادہ وقت صرف کردینے کو مناسب نہ سمجھکر طارق نے مغیث الرومی کو قرطبہ کے محاصرہ پر چھوڑا اور خود طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔ طلیطلہ کو طارق نے بڑی آسانی سے ربیع الثانی ۹۳ھ میں فتح کرلیا۔ طلیطلہ کے شاہی خزانہ میں شاہان گاتھ کے پچیس عدد تاج طارق کو ملے ہر ایک تاج پر بادشاہ کا نام اور مدت سلطنت لکھی ہوئی تھی۔ یعنی اس وقت تک پچیس بادشاہ یکے بعد دیگرے گاتھ خاندان کے حکومت کرچکے تھے ہر ایک بادشاہ کے لئے نیا تاج بنایا جاتا تھا اور فوت شدہ بادشاہ کا تاج خزانہ میں رکھدیا جاتا تھا۔ طلیطلہ میں بھی طارق نے قیام نہیں کیا بلکہ وہ اندلس کے انتہائی شمالی صوبہ تک شہروں کو فتح کرتا ہوا چلا گیا اُدھر مغیث الرومی نے چندروزہ محاصرہ کے بعد قرطبہ اور اس کے نواح کو فتح کرلیا اس طرح طارق نے جنوب سے لیکر شمال تک جزیرہ نما اندلس کا درمیانی حصہ فتح کرلیا مشرق اور مغرب کی جانب کے صوبے باقی رہ گئے تھے کہ اسی اثنا میں امیر موسیٰ بن نصیر اندلس میں معہ اپنی فوج کے داخل ہوا۔ کونٹ جولین کو طارق صوبہ اندلوسیہ کے انتظام پر چھوڑ گیا تھا سب سے پہلے کونٹ جولین نے امیر موسیٰ کا استقبال کیا اور اُس کو طارق سے اس لئے ناراض دیکھکر کہ طارق نے حکم کے خلاف پیشقدمی کیوں کی مودبانہ عرض کیا کہ ابھی بہت سے ضروری شہر اور مغربی صوبے باقی رہ گئے ہیں آپ طلیطلہ جانے کے لئے مغربی جانب کا رستہ اختیار کریں اور راستے کے تمام شہروں کو فتح کرتے ہوئے جائیں تو خطرہ بالکل دُور ہوجائیگا موسیٰ بن نصیر نے اسی رائے پر عمل کیا اور طلیطلہ تک شہروں کو فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ امیر موسیٰ کے وارد اندلس ہونے کی خبر سُنکر طارق بھی طلیطلہ کی جانب واپس ہوا اور طلیطلہ میں موسیٰ و طارق کی ملاقات ہوئی۔ موسیٰ نے طارق کو حکم کی تعمیل نہ کرنے پر زجر و توبیخ کیا اور چند روز کے لئے طارق کو قید بھی کردیا مدعا یہ تھا کہ نہ صرف طارق بلکہ دوسرے سرداروں کو بھی یہ معلوم ہوجائے کہ ماتحت کے لئے افسر کے حکم کی تعمیل کرنا کس قدر ضروری ہے۔ اس تنبیہ کے بعد موسیٰ نے طارق کو قید سے آزاد کرکے اپنی تمام فوج کا سپہ سالار اعظم بنادیا۔ اس کے بعد امیر موسیٰ بن نصیر نے طارق کو ایک زبردست فوج دیکر آگے روانہ کیا اور خود طارق کے پیچھے روانہ ہوا طارق اندلس کے بقیہ شہروں کو فتح کرتا اور اہل شہر سے معاہدے کرتا ہوا روانہ ہوا امیر موسیٰ ان معاہدوں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔ طارق و موسیٰ اندلس کے شمالی اور شمالی و مشرقی اور شمالی و مغربی شہروں کے فتح کرنے میں مصروف ہوئے۔ اور موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز بن موسیٰ نے جنوبی و مشرقی علاقے کو فتح کرنا شروع کیا۔ شاہ لزریق کا سپہ سالار تدمیر جنوبی و مشرقی علاقے میں فوج جمع کرکے عبدالعزیز کے مقابلے پر آیا۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر تدمیر کھلے میدان میں عبدالعزیز کا مقابلہ نہ کرسکا وہ پہاڑوں میں چھپتا پھرتا تھا اور موقع پاکر کمینگاہ سے حملہ آور ہوتا تھا۔ آخر عبدالعزیز اور تدمیر کے درمیان صلح ہوگئی۔ عبدالعزیز نے ایک چھوٹا سا علاقہ تدمیر کو دیدیا جس پر وہ حکومت کرنے لگا یہ شرط قرار پائی تھی کہ تدمیر حکومت اسلامیہ کے دشمنوں کو اپنے ہاں پناہ نہ دیگا اور [illegible]

موسیٰ نے بھی ہر ایک شہر سے نہایت آسان شرائط پر معاہدے کئے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ عیسائیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہیگی اُن کے گرجاؤں کو کوئی نقصان نہ پہونچایا جائیگا عیسائیوں اور یہودیوں کے تمام معاملات اُنہیں کی مذہبی کتابوں اور مذہبی عدالتوں کے ذریعہ طے ہونگے جو شخص اسلام کو قبول کرنا چاہیے اُس کو کوئی عیسائی منع نہ کرسکیگا۔ عیسائیوں کے جان ومال اور املاک کی حفاظت کیجائیگی۔ طارق و موسیٰ نے اپنے لشکریوں کو یہ بھی تاکیدی حکم دے رکھا تھا کہ غیر مصافی لوگوں سے قطعًا تعرض نہ کریں۔ بوڑھوں عورتوں اور بچوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے صرف اُن لوگوں کو قتل کیا جائے جو مسلح ہو کر میدان جنگ میں آجائیں اور مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔

طارق اور موسیٰ شمالی و مغربی صوبوں کو فتح کرتے ہوئے جبل البرتات تک پہونچے جبل البرتات کو عبور کرکے ملک فرانس میں داخل ہوئے فرانس کا جنوبی علاقہ فتح کرنے کے بعد لشکر اسلام موسم سرما کی شدت اور سامان رسد کی نایابی کے سبب واپس جبل البرتات پر آیا اور موسیٰ بن نصیر نے ارادہ کیا کہ سال آئندہ میں ملک فرانس کو فتح کرکے آسٹریا و اٹلی و بلقان کو فتح کرتا ہوا قسطنطنیہ پہونچوں گا۔ واپس آکر شمالی و مغربی صوبہ جلیقیہ یا گلیشیا جو ابھی تک مفروروں کے لئے جائے امن تھا فتح کیا۔

موسیٰ بن نصیر نے اندلس میں وارد ہو کر اور دار السلطنت طلیطلہ سے شمال کی جانب روانہ ہونے سے پہلے مغیث الرومی کو معہ تحفہ وہدایا اور ملک اندلس پر قبضہ ہونے کی خوشخبری دیکر دار الخلافہ دمشق کی جانب روانہ کیا تھا۔ مغیث الرومی دار الخلافہ سے اُس وقت واپس آیا جبکہ صوبہ جلیقیہ کو موسیٰ بن نصیر فتح کرچکا تھا اور ملک اندلس کے قبضہ کو مکمل کرکے یورپ کے بقیہ ملکوں کو فتح کرنیکی تدابیر میں مصروف تھا مغیث الرومی خلیفہ کے پاس سے موسیٰ کے نام جو حکم لے کر آیا اُس نے موسیٰ بن نصیر کی اولوالعزمیوں کو افسردگی سے تبدیل کردیا۔ خلیفہ نے موسیٰ بن نصیر کو فتح یورپ سے روکدیا اور بلا توقف حاضر دربار خلافت ہونے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں امیر موسیٰ بن نصیر طارق و مغیث کو ہمراہ لیکر اور اندلس کی حکومت اپنے بیٹے عبدالعزیز کو سپرد کرکے اندلس سے معہ ساز و سامان روانہ ہوا۔ موسیٰ کے ساتھ اندلس کے خزانے۔ طلائی ظروف و زیورات یعنی مال غنیمت کا خمس اور بہت سے لونڈی غلام بھی تھے۔ اندلس سے موسیٰ مراقش ہوتا ہوا قیروان پہونچا اور قیروان سے مصر ہوتا ہوا دار الخلافہ دمشق کے قریب پہونچا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک مرض الموت میں گرفتار ہوگیا۔ موسیٰ بن نصیر دو برس اندلس میں رہا اور شروع ماہ جمادی الآخر ۹۶ھ میں ملک شام کی حدود میں داخل ہوا۔ ولید بن عبدالملک کے بعد اُس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہونیوالا تھا۔ سلیمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولید کی اس مرض سے جانبری دشوار ہے اور موسیٰ بن نصیر قریب پہونچگیا ہے تو اُس نے موسیٰ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم ابھی دار الخلافہ میں داخل ہونیکی عجلت نہ کرو۔ غالبًا سلیمان بن عبدالملک ولیعہد خلافت کا یہ منشا ہوگا کہ اگر خلیفہ ولید فوت ہونے والا ہے تو میری تخت نشینی کے وقت موسیٰ بن نصیر معہ مال غنیمت میرے دربار میں حاضر ہو اور اس طرح میری تخت نشینی کی ابتدا شاندار سمجھی جائے۔ ولیعہد خلافت کی اس خواہش کا پورا کرنا موسیٰ بن نصیر کے لئے بھی کچھ مضر نہ تھا کیونکہ اگر موسیٰ کے انتظار اور تامل کرنے میں خلیفہ کی بیماری دُور ہو جاتی تو حالت صحت و تندرستی میں ولید کی خدمت میں حاضر ہونا زیادہ اچھا تھا اور اگر خلیفہ فوت ہو جاتا تو سلیمان بن عبدالملک موسیٰ بن نصیر سے خوش ہوتا کہ اُس کے منشا کو موسیٰ نے پورا کیا

اس طرح نئے خلیفہ سے عنایت و مہربانی کے سوا اور کسی چیز کی توقع نہ تھی مگر موسیٰ بن نصیر نے ولیعہد خلافت کے پیغام پر مطلق توجہ نہ کی اور دمشق میں جلد از جلد داخل ہو کر اپنے آپ کو خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفہ ولید نے حالت بیماری میں موسیٰ کے تحف و ہدایا اور مال غنیمت سے وہ مسرت حاصل نہ کی جس کی موسیٰ کو توقع تھی۔ موجودہ خلیفہ کی علالت کو خطرناک دیکھ کر امرا و وزرا ولیعہد خلافت کی نگاہ میں اپنے آپ کو محبوب بنانیکی عام طور پر کوشش کیا کرتے ہیں لہٰذا موسیٰ بن نصیر کی اس حرکت کو موسیٰ کے مخالفوں یا حاسدوں نے اور بھی محل اعتراض بنایا ہوگا اور موسیٰ کی مخالفت میں لوگوں کی زبانیں ضرور تیز ہو گئی ہونگی اور سلیمان بن عبدالملک کے روبرو موسیٰ بن نصیر کی ایک ایک غلطی بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی ہو گی اور اُس کے طیش و غضب کو اور بھی زیادہ بھڑکا دیا ہو گا۔

آخر اُسی ہفتے ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اور ۱۶ ماہ جمادی الثانی ۹۶ھ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ سلیمان بن عبدالملک نے تخت نشین ہو کر موسیٰ بن نصیر سے سختی کے ساتھ محاسبہ کیا اور جب ممالک مغربیہ کے خراج کی بقایا جو موسیٰ بن نصیر کے ذمے واجب الادا تھی موسیٰ ادا نہ کر سکا تو خلیفہ نے اُس کو معتوب بنا کر اُس کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور دو لاکھ اشرفیاں جو اُس کے ذمے باقی رہ گئی تھیں اُن کے عوض موسیٰ کو قید کر دیا۔ طارق اور مغیث الرومی بھی موسیٰ بن نصیر کے مشہور سردار اور فتح اندلس میں سب سے زیادہ کارہائے نمایاں انجام دینے والے تھے۔ اندلس پر فوجکشی کا حکم دربار خلافت سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ موسیٰ کی درخواست فوجکشی کو دربار خلافت نے صرف منظور کیا تھا لہٰذا فتح اندلس کا کارنامہ موسیٰ بن نصیر ہی سے زیادہ تعلق رکھتا تھا اور موسیٰ و طارق ہی شہرت کا باعث ہوا تھا۔ خلیفہ سلیمان نے جب موسیٰ سے ناراض ہو کر اُس کو قید کر دیا تو طارق پر بھی جو موسیٰ کا آزاد کردہ غلام اور موسیٰ ہی کا تربیت کردہ تھا اس کا اثر پڑا اور کوئی غیر معمولی قدر دانی طارق کی نہیں کی گئی نہ اُس کو اندلس یا مراقش کی حکومت پر واپس بھیجا گیا کیونکہ تمام ممالک مغربیہ موسیٰ بن نصیر کے بیٹوں کے قبضے میں تھے یعنی اندلس میں عبدالعزیز بن موسیٰ اور قیروان میں عبداللہ بن موسیٰ اور مراقش میں مروان بن موسیٰ حکمران تھا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے لئے ضروری تھا کہ وہ موسیٰ کے خاندان کی طرف سے غافل نہ ہو اور طارق کو جو موسیٰ ہی کے خاندان کا ایک شخص سمجھا جاتا تھا کوئی ذمہ داری کا عہدہ نہ دے چنانچہ طارق کو ایک معقول پنشن دیکر ملک شام کے کسی شہر میں قیام پذیر ہونے کی پروانگی عطا ہوئی اور موسیٰ کو قید کر دیا گیا۔ امیر ابن المہلب نے موسیٰ کی سفارش کی تو سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ کو قید سے آزاد کر دیا اور جسقدر روپیہ اُس سے وصول ہو سکتا تھا وصول کر کے وادی القریٰ میں سکونت پذیر ہونیکا حکم دیا۔ موسیٰ بن نصیر اس ناکامی و نامرادی کے عالم میں اگلے ہی سال یعنی ۹۷ھ میں اٹھتر سال کی عمر پاکر فوت ہوا۔ موسیٰ بن نصیر ۷۹ھ میں افریقہ کا گورنر مقرر ہوا تھا۔

مؤرخین نے اس موقع پر موسیٰ و طارق کے اس مجہول انجام کو دیکھ کر سلیمان بن عبدالملک کو نشانۂ اعتراض بنایا ہے کہ اُس نے ان ملک گیر و فتحمند سپہ سالاروں کی قدر دانی نہیں کی۔ لیکن اگر غور و تأمل کی نگاہ سے دیکھا جاتے تو اس معاملہ میں سلیمان بن عبدالملک اس قدر خطاوار ہرگز نہیں ہے جس قدر ظاہر کیا گیا ہے۔ . . . . . جس طرح ملک گیری ایک قابل قدر اور موجب عزت چیز ہے اُس سے بڑھ کر ملکداری کا مرتبہ ہے۔ ضرورت ملکداری کا یہی تقاضا تھا جو سلیمان بن

عبدالملک سے ظہور میں آیا۔ دُنیا میں عام طور پر بہادر سپہ سالار اور ملک گیر فتحمند مالی معاملات میں بہت کمزور اور بے پرواہ ثابت ہوئے ہیں۔ اسی بے پروائی کا نتیجہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا۔ فاروق اعظم کا یہ فعل ہرگز ہرگز محل اعتراض نہیں بن سکتا بلکہ عین صواب اور راستی پر مبنی تھا۔ بالکل یہی صورت موسیٰ بن نصیر کے معاملہ کی ہے موسیٰ بن نصیر سولہ سترہ سال سے افریقہ کی گورنری پر مامور تھا۔ موسیٰ بن نصیر کے ذمہ جو ملک افریقہ کے خراج کی بقایا تھی اور وہ بیت المال کا جس قدر مقروض تھا اگر اُس کو محض اس لئے چھوڑ دیا جاتا کہ موسیٰ کے زیر اہتمام ملک اندلس فتح ہوا ہے تو یہ بات دوسرے گورنروں کے لئے بدنما مثال ہوتی اور موسیٰ بن نصیر کی جرأت ایک غلطی یا غفلت یا خیانت میں اور بھی زیادہ ترقی کر جاتی۔ پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ موسیٰ بن نصیر اور طارق کے معاملے میں سلیمان بن عبدالملک کے زیریں مشیروں۔ درباریوں میں سے کسی نے سلیمان بن عبدالملک کے متعلق سلیمان کی وفات کے بعد کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔ مُسلمان مؤرخین نے اس معاملے میں کسی حیرت اور افسوس کا اظہار نہیں کیا جو دلیل اس بات کی ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ کوئی غیر معمولی برتاؤ نہیں ہوا۔ جو کچھ ہوا وہ عدل و انصاف کے خلاف نہ تھا۔ خلفائے بنو اُمیہ کے معائب بیان کرنے والے اور اُن کی ہر ایک بات کو ناروا ثابت کرنے میں مستعدی دکھانیوالے سب سے زیادہ بنو عباس تھے لیکن بنو عباس نے بھی اس خاص معاملے میں سلیمان کو بدنام نہیں کیا۔ اور سلیمان کی اس ناقدرشناسی کا تذکرہ زبان پر نہیں لاتے۔

ہمارے زمانے میں جبکہ یورپی مؤرخین کی تصانیف بھی مُسلمانوں کے مطالع میں آئیں اور بھی زیادہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ یورپی مؤرخین فتح اندلس کے حالات لکھتے ہوئے۔ ایک تو اس بات کے ثابت کرنیکی بڑی کوشش کرتے ہیں کہ لزریق کی سلطنت غیر معمولی طور پر کمزور ہوگئی تھی۔ پھر بلادلیل یہ کہتے ہیں کہ لزریق کی رعایا اُس سے باغی ہو کر مُسلمانوں سے مل گئی تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مُسلمانوں کی حکومت کو دیکھ کر اندلس کی رعایا ضرور مسلم فاتحین کو قدر و محبت کی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی لیکن رعایائے اندلس نے لڑائی اور مُسلمانوں کی چڑھائی میں بجز اس کے کہ کونٹ جولین نے ذاتی طور پر انتقام لینے کے لئے مُسلمانوں کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اور ایک پادری نے اس معاملے میں جولین کی تائید کی اور کوئی امداد مُسلمانوں کو نہیں پہونچائی نیز یہ کہ مُسلمان اپنی ایمانی طاقت اور اپنے قلب کی قوت کے ہوتے ہوئے ایسی سازشوں اور باغیوں کی امداد کے محتاج بھی نہ تھے۔ عیسائی مؤرخ مُسلمانوں کی اس غیر معمولی شجاعت و بہادری کے مرتبے کو کم کرنے کے لئے عجیب عجیب باتیں اور عجیب درعجیب افسانے تراشتے ہیں لیکن آخر میں مجبور ہو کر طارق و موسیٰ اور اُن کی فوج کی اولوالعزمی اور شرافت کا اقرار کر لینے میں مجبور ہو جاتے ہیں تو پھر طارق و موسیٰ اور سلیمان تینوں کی اخلاقی صفات پر حملہ آور ہو کر اپنے دل کا بُخار نکال لیتے ہیں چنانچہ اُنہوں نے ایک جھوٹی کہانی تصنیف کر کے اُس کو خوب فروغ دیا ہے۔ وہ کہانی یہ ہے کہ طارق جب طلیطلہ سے شمال کی جانب روانہ ہوا ہے تو اُس کو طلیطلہ کے مفروریں کی ایک جماعت ملی جن کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک میز یا چوکی تھی وہ زر و جواہر سے مرصع اور کروڑوں روپیہ کی قیمتی تھی۔ طارق نے اُس کو چھین لیا۔ جب موسیٰ اندلس پہونچا تو موسیٰ نے طارق سے اُس چوکی کو طلب کیا طارق نے اُس چوکی کا ایک پایہ اُکھیڑ کر چھپا لیا اور تین ٹانگ کی چوکی موسیٰ کو دی تھیں

پیش کر کے کہا کہ یہ اسی حالت میں ملی تھی۔ موسیٰ نے چوتھا پایہ سونے کا بنوا کر نصب کرا لیا مگر وہ ویسا نہ بن سکے جیسے باقی تین پائے تھے۔ جب موسیٰ نے خلیفہ ولید یا سلیمان کی خدمت میں اُس چوکی کو پیش کیا تو عرض کیا کہ یہ چوکی میں نے مالِ غنیمت میں حاصل کی تھی۔ خلیفہ نے اُس کے ایک پائے کو ناقص دیکھ کر پوچھا کہ یہ پایہ باقی پایوں کی مانند کیوں نہیں ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ یہ مجھ کو عیسائیوں سے اسی حالت میں ملی تھی۔ طارق بھی اُس وقت موجود تھا اُس نے فوراً اپنی بغل میں سے وہ چوتھا پایہ نکال کر خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا کہ چوتھا پایہ یہ موجود ہے۔ خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ بن نصیر نے طارق کی کارگزاری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے تو وہ سخت برہم ہوا اور اُس نے موسیٰ کو قید بھی کیا اور جرمانہ بھی اتنا سخت کیا جو موسیٰ سے ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی کہانیاں عیسائی مورخوں نے تراشی ہیں۔ افسوس ہوتا ہے کہ اُن مؤرخین نے جو ہمارے زمانے میں اندلس کی تاریخیں لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے ایسی لغو اور بیہودہ کہانیوں کی لغویت کا پردہ فاش نہیں کیا۔ طارق کا اپنے افسر اور آقا سے اس طرح چالاکی اور دھوکہ بازی کے ساتھ پیش آنا اور برسوں پہلے سے موسیٰ کو زک دینے کے لئے یہ منصوبہ گانٹھنا کسی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا پھر تعجب یہ ہے کہ موسیٰ کو چوکی یا میز کا چوتھا پایہ بنوانا پڑا اور موسیٰ سے کسی ایک شخص نے بھی یہ نہ کہا کہ میز جب ہم نے عیسائی مفرورین سے چھینی ہے تو اس کے چاروں پائے سالم تھے آپ اُس چوتھے پائے کو تلاش کریں مگر یہ طارق کی ایسی سازش تھی کہ ہزار ہا آدمی اس سے واقف تھے اور موسیٰ تین سال تک بے خبر رہ کر یہی سمجھتا رہا کہ چوکی اسی حالت میں عیسائیوں سے چھینی گئی تھی۔ موسیٰ جیسا اولوالعزم شخص جو تمام یورپ کو فتح کرتا ہوا قسطنطنیہ پہونچنے کا عزم رکھتا تھا تعجب ہے کہ ایسی دناءت اور پست ہمتی پر کیسے آمادہ ہو سکتا تھا کہ دوسرے کی کارگزاری کو دربارِ خلافت میں جھوٹ بول کر اپنی طرف منسوب کرے پھر لطف یہ کہ عیسائی مفرورین سے اس میز یا چوکی کا چھین لینا کوئی بہادری کی بات نہ تھی خواہ کوئی شخص اس میز کو حاصل کرتا وہ بہرحال خلیفہ کی خدمت میں پیش ہونی چاہئے تھی۔ پھر خلیفہ دمشق کے دربار میں طارق کا اس طرح حاضر ہونا کہ اُس کی بغل میں میز کا پایہ دبا ہوا ہے اور بھی حیرت انگیز ہے۔ طارق و موسیٰ کی ان مضحکہ انگیز حرکات پر خلیفہ سلیمان کا اس قسم کی سزائیں تجویز کرنا بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اندلس اور ممالک مغربیہ کی تاریخ لکھنے والوں میں ہم کو سب سے زیادہ اعتماد ابن خلدون پر کرنا چاہئے مگر وہ اس کہانی کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے ابن خلدون کا بیان یہ ہے کہ جب موسیٰ بن نصیر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے موسیٰ کے اس ارادے پر اظہار ناراضی کیا کہ وہ یورپ کے ملکوں کو فتح کرتا ہوا قسطنطنیہ پہونچنا چاہتا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کو وہ خطرہ اور ہلاکت میں ڈالنے کی جرأت کرتا نیز یہ کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے موسیٰ کو اندلس سے یہی خبر سُنکر طلب کیا تھا کہ وہ بلا اجازت یورپ کے ملکوں پر حملہ آور ہونے کا قصد کر چکا ہے۔ اسی لئے خلیفہ سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کو زجر و توبیخ کیا کہ تو نے خود رائی اور خودسری کی راہ سے مسلمانوں کی فوج کو کیوں خطرہ میں مبتلا کرنا چاہا تھا۔ ابن خلدون کا یہ بیان بالکل قرینِ قیاس ہے اس میں اُس میز والی کہانی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

موسیٰ بن نصیر اندلس کی حکومت اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اور افریقیہ و مراقش کی حکومت بھی اپنے بیٹوں عبداللہ و مروان کو سپرد کر آیا تھا یعنی ممالک مغربیہ سب موسیٰ کی اولاد کے تصرف و قبضہ میں تھے اس لئے موسیٰ بن نصیر سے سختی کے ساتھ خلیفہ کا پیش آنا خطرے سے خالی نہ تھا اور اسی لئے ممالک

مغربیہ میں بھی کسی قسم کی برہمی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ خلیفہ سلیمان نے ایک طرف موسیٰ کو ایسی سخت تنبیہہ کی دوسری طرف موسیٰ کے بیٹوں کی معزولی کو ضروری نہ سمجھا۔ ہاں چند روز کے بعد خلیفہ سلیمان نے محمد بن یزید کو تمام ممالک مغربیہ کا وائسرائے مقرر کر کے قیروان بھیج دیا تھا کہ وہ ممالک مغربیہ کی نگرانی کرے مگر اندلس کی حکومت بدستور عبدالعزیز بن موسیٰ کے قبضے میں رکھی۔

طارق و موسیٰ دونوں ملک اندلس کے فتح کرنیوالے تھے اور یہ دونوں سردار جتنے اندلس میں رہے ملکوں۔ شہروں اور قلعوں کے فتح کرنے اور عیسائی اُمراسے عہدنامے لکھوانے اور اسلامی حکومت کے تسلیم کرانے میں مصروف رہے ان دونوں کو فاتح اندلس کہا جا سکتا ہے اندلس کا پہلا حکمران موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کو سمجھنا چاہیئے اس کے بعد اندلس کے حاکم یا گورنر یکے بعد دیگرے کبھی دربار خلافت سے کبھی ممالک مغربیہ کے وائسرائے حاکم قیروان کے دربار سے اور کبھی مسلمانانِ اندلس کے انتخاب سے مقرر ہوتے رہے۔ اندلس کے ان حاکموں کو امیران اندلس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

امیرانِ اندلس

عبدالعزیز بن موسیٰ موسیٰ بن نصیر کے اندلس سے رخصت ہونیکے بعد اندلس کے اکثر اُن شہروں نے جو اطاعت کا اظہار کر چکے تھے بغاوت کی۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے اور دوبارہ عیسائیوں کو مطیع و منقاد بنانے میں امیر عبدالعزیز نے پوری مستعدی اور ہوشیاری کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں کی فوج اتنے بڑے ملک میں بہت ہی تھوڑی تھی اس لئے صوبوں اور شہروں کی حکومت پر جن افسروں کو مقرر کیا گیا تھا اُن کے پاس امن و امان قائم رکھنے کے لئے حسب ضرورت فوج نہیں رکھی جا سکتی تھی اسی لئے عیسائیوں کو جرأت ہو گئی تھی کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں مگر اُن کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کو اندلس سے نکالنا آسان کام نہیں ہے ساتھ ہی اُن کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ نئی اسلامی حکومت پرانی گاتھ حکومت سے بدرجہا بہتر اور اُس کے مقابلے میں خدا تعالیٰ کی ایک رحمت ہے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے مذہبی آزادی کا اعلان کیا تھا اور عیسائیوں کو اپنے معاملات مذہبی و دنیوی ہر قسم کی آزادی عطا کر دی تھی بشرطیکہ وہ اسلام اور حکومت اسلامیہ سے متعارض نہ ہوں۔ اب امیر عبدالعزیز نے اسی سلسلہ میں اعلان کیا کہ جو غلام اسلام قبول کر لے گا وہ مسلمان ہوتے ہی اپنے غیر مسلم آقا کی غلامی و قید سے آزاد سمجھا جائیگا۔ عیسائیوں کے پاس غلاموں کی بڑی تعداد تھی اور وہ ان غلاموں سے اس طرح خدمات لیتے تھے جیسے چوپایوں سے خدمات لیجاتی ہیں۔ امیر عبدالعزیز کے اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزارہا غلاموں نے آزادی حاصل کرنی شروع کی اور انسانی حریت سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ اس طرح نوع انسان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی گئی اور ساتھ ہی قلت تعداد کی شکایت بھی مسلمانوں کو نہ رہی۔

امیر عبدالعزیز نے شاہ لزریق کی بیوہ ایجیلونا سے خود شادی کی اور اُس کو اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہنے دیا۔ امیر کی تقلید میں دوسرے مسلمانوں نے بھی عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کر دیں شہروں کے اُن مکانات میں جو لڑائیوں میں عیسائیوں کے مفرور و مقتول ہونے سے خالی اور ویران ہو گئے تھے مسلمانوں نے اقامت اختیار کی اور عیسائیوں کے ساتھ مل کر شہروں اور قصبوں میں رہنے

رہنے لگے۔ امیر عبدالعزیز نے یہی نہیں کہ عیسائیوں کو مذہبی آزادی عطا کی بلکہ عیسائیوں کو شہروں اور قصبوں کا ناظم بھی مقرر کیا۔ تدمیر سابق سپہ سالار لزریق کو صوبہ مرسیہ حکومت میں پہلے ہی دیدیا تھا۔ عبدالعزیز کی عیسائی بیوی ایجیلونا نے جو ام عاصم بھی کہلاتی تھی بہت جلد امیر عبدالعزیز کے مزاج پر حاوی ہو کر امور سلطنت میں دخل دینا شروع کر دیا۔ یہ بات عربی سرداروں کو گراں گذرتی تھی مگر وہ اپنے امیر کی اطاعت کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور مغلوب و محکوم عیسائیوں کو اپنا ہمرتبہ اور ہمسر دیکھ کر کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ انہیں حالات میں خبر پہونچی کہ نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے موسیٰ بن نصیر کو خراج کی بقایا بقایا کے مطالبے میں ماخوذ کیا ہے اور ان جدید مُلکی فتوحات کی کوئی قدر نہیں کی۔ اس خبر کا اثر عبدالعزیز کے دل پر جو کچھ ہوا ہوگا ظاہر ہے مگر وہ خلیفہ کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ایجیلونا اور دوسرے عیسائی اہلکاروں نے اس حالت سے فائدہ اُٹھانے میں کمی نہیں کی اور عبدالعزیز کی ذات کے ساتھ اُن کی محبت و ہمدردی نے ترقی کی۔ عبدالعزیز کو چونکہ اپنے باپ کی خبر سُنکر سخت صدمہ پہونچا تھا لہٰذا وہ ایجیلونا کے ذریعہ عیسائیوں کے طاقتور بنانے اور خلیفہ دمشق کی حکومت سے اندلس کو آزاد کرنے کی تدابیر میں مصروف ہو گیا۔ امیر عبدالعزیز نے خلیفہ سلیمان کو اپنی طرف سے غافل رکھنے کے لئے اندلس کے خراج کی ایک معقول رقم اور تحف و ہدایا دمشق کی جانب روانہ کئے۔ خلیفہ کو امیر عبدالعزیز کے منصوبوں کا علم اپنے پرچہ نویسوں کے ذریعہ ہو چکا تھا اب جو لوگ اندلس سے یہ خراج اور ہدایا لے کر گئے اُنہوں نے بھی خلیفہ کو امیر عبدالعزیز کے خطرناک عزایم اور نامناسب طرز عمل سے آگاہ کیا۔ اس جرم بغاوت کی تصدیق کے بعد دربار خلافت سے جو مناسب حکم جاری ہوسکتا تھا وہی جاری ہوا۔ یعنی خلیفہ سلیمان نے انہیں لوگوں کے ہاتھ جو خزانہ اور تحفے لیکر آئے تھے اندلس کے پانچ مسلمان سرداروں کے نام حکم بھیجا کہ اگر عبدالعزیز کی نیت بد ہے تو اُس کو بلا توقف قتل کر دو۔ امیر عبدالعزیز نے اپنا دارالحکومت اشبیلیہ میں قائم کیا تھا جس وقت خلیفہ کا یہ حکم سب سے پہلے حبیب بن عبیدہ کے پاس پہونچا ہے تو اُس نے باقی چار شخصوں کو بھی بغرض مشورہ دعوت دی۔ آخر پانچوں سرداروں کا یہی مشورہ ہوا کہ امیر عبدالعزیز کو ضرور قتل کر دیا جائے چنانچہ ان سرداروں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں عبدالعزیز کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اُس کا جسم اشبیلیہ میں دفن کر کے سر دمشق کی جانب بھیجدیا اور موسیٰ بن نصیر کے ہمشیر زادے یعنی امیر عبدالعزیز کے پھوپھی زاد بھائی ایوب بن حبیب لخمی کو اندلس کا امیر بنایا۔ خلیفہ سلیمان نے چونکہ عبدالعزیز کے مجرم یا بیگناہ ہونے کی تحقیق اندلس ہی کے پانچ سرداروں کو سپرد کر دی تھی لہٰذا خلیفہ کے نزدیک ابھی تک یہ امر مشتبہ تھا کہ عبدالعزیز قتل ہوگا یا نہیں اسی لئے کوئی امیر عبدالعزیز کی جگہ خلیفہ نے مقرر کر کے نہیں روانہ کیا بلکہ انہیں سرداروں کو اجازت دیدی تھی کہ وہ جس کو مناسب سمجھیں اپنا امیر مقرر کر لیں چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اندلس کے مذکورہ پانچ سردار اگر عبدالعزیز کو مجرم نہ پاتے تو ہرگز قتل نہ کرتے خلیفہ نے عبدالعزیز کے قتل میں جس حزم و احتیاط سے کام لیا اس سے زیادہ احتیاط ممکن نہ تھی۔ ان معزز سرداروں کی تعداد بھی اس قدر کافی تھی کہ ان سب کے متفقہ طور پر غلطی کرنے کا امکان نہ تھا۔ ان سے زیادہ اور کوئی ذریعہ تحقیق بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ سردار کس قدر بے نفس اور منصف مزاج تھے اس کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے عبدالعزیز کو قتل کرنے کے بعد اُسی کے خاندان کا ایک شخص امارت اندلس کے لئے منتخب کیا جو عبدالعزیز کا نہ صرف پھوپھی زاد بھائی تھا بلکہ وہ رشتہ میں

اُس کا چچازاد بھائی بھی تھا یعنی ایوب بن حبیب کا باپ موسیٰ بن نصیر کا چچازاد بھائی تھا۔ اگر یہ لوگ کسی ذاتی عداوت کی بنا پر عبدالعزیز کو قتل کرتے تو اُسی کے خاندان میں حکومت اندلس کو باقی نہ رہنے دیتے اس واقعہ کو یورپی مورخین نے کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے جس سے خلیفہ سلیمان کی انتہائی ناانصافی اور ظلم کا تصور ہوتا ہے وہ عبدالعزیز بن موسیٰ کی تعریف و توصیف میں خوب مبالغہ کرتے ہیں جس کو پڑھکر مسلمان بہت خوش ہوتے ہیں پھر جب اُس کے مظلوم و بیگناہ مقتول ہونے کا حال پڑھتے ہیں تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی نفرت سے قلب لبریز ہوجاتا ہے اور یہی عیسائی مورخوں کا منشا ہوتا ہے۔

عبدالعزیز بن موسیٰ ۹۸ھ میں مقتول ہوا۔

ایوب بن حبیب خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرنیوالے پانچوں سرداروں نے عبدالعزیز کے قتل سے فارغ ہوکر تمام فوجی و ملکی سرداروں کو جمع کرکے ایک مجلس انتخاب منعقد کی اور ایوب بن حبیب کا نام پیش کرکے سب سے منظوری حاصل کی چنانچہ ایوب بن حبیب اس شرط کے ساتھ امیر تسلیم کیا گیا کہ محمد بن یزید حکمران قیروان اور خلیفۃ المسلمین سے منظوری حاصل کی جائے اگر اس انتخاب کو خلیفہ یا وائسرائے نے منظور نہ کیا تو پھر امیر وہ ہوگا جس کو خلیفہ یا وائسرائے مقرر کریں گے۔ امیر ایوب بن حبیب نے یہ دیکھ کر کہ اشبیلیہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کی بڑی آبادی ہے اور وہ امیر عبدالعزیز کے مخصوص طرز عمل سے زیادہ قابو یافتہ ہوچکے ہیں اشبیلیہ کو ترک کرکے قرطبہ کو دارالامارت بنایا۔ امیر ایوب کے کارناموں میں قرطبہ کو دارالسلطنت بنانا بھی ایک عظیم الشان اور قابل تذکرہ کارنامہ اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے بعد عرصہ دراز تک قرطبہ ہی مسلمانوں کا دارالحکومت اور پھر دارالخلافہ رہا۔ اور قرطبہ کی شہرت نے تمام دُنیا کا احاطہ کرلیا۔ اس کے بعد امیر ایوب نے افریقہ و مراقش سے بربری اور عربی قبائل کو اندلس میں آکر آباد ہونے کی دعوت دی چنانچہ بہت سے مسلمان اندلس میں آئے اور امیر ایوب نے اُن کو اندلس کے مختلف شہروں اور قصبوں میں آباد کیا اس طرح عیسائیوں کی بغاوت کا اندیشہ ایک حد تک دُور ہوگیا۔ سرحدوں پر قلعے بنائے گئے وہاں حفاظتی فوج رکھی گئی۔ امیر ایوب نے ملک کا دورہ کرکے حالات سے واقفیت حاصل کی اور جہاں جس قسم کی ضرورت دیکھی اُس کا انتظام کیا۔ امیر ایوب اپنی امارت کے صرف چھ ہی مہینے پورے کرنے پایا تھا کہ اُس کی معزولی کا حکم لے کر حر بن عبدالرحمٰن ثقفی پہونچ گیا۔ بات یہ تھی کہ امیر ایوب بن حبیب کی مستعدی و جفاکشی کا حال سنکر محمد بن یزید حاکم قیروان کو شبہ پیدا ہوا کہ چونکہ ایوب بھی عبدالعزیز و موسیٰ ہی کے خاندان کا شخص ہے ممکن ہے کہ وہ کسی وقت موجب تکلیف ثابت ہو لہٰذا اُس نے باختیار خود حر بن عبدالرحمٰن بن عثمان کو سند حکومت دیکر اندلس روانہ کیا کہ ایوب کو معزول کرکے خود اندلس پر قبضہ و حکومت کرو۔ اپنے اس انتظام کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجکر منظوری حاصل کرلی۔

حر بن عبدالرحمٰن ثقفی حر بن عبدالرحمٰن نے اندلس میں پہونچکر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور موسیٰ و عبدالعزیز و ایوب کے زمانے کے تمام اہلکاروں کو بدگمانی کی نظر سے دیکھ کر اُن پر سختی و تشدد شروع کیا نیز عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سخت برتاؤ کیا عیسائی اور یہودی اس سے پیشتر اپنے لئے مسلمان حکمرانوں کو بہت ہی رحیم و کریم دیکھ چکے تھے انہوں نے اپنا ایک وفد قیروان روانہ کیا کہ محمد بن یزید سے گذارش کرکے اس امیر کو تبدیل کرائے۔ محمد بن یزید نے اس طرف توجہ کی

کیونکہ حرب بن عبدالرحمٰن کو اُسی نے مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اس وفد نے ہمت سے کام لے کر دمشق کا راستہ لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر متمکن تھے۔ چنانچہ یہ وفد خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حرب بن عبدالرحمٰن کو اندلس کی حکومت سے تبدیل کر دیجئے اور کسی رحمدل حاکم کو مقرر کیجئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حرب بن عبدالرحمٰن کو حکومت اندلس سے معزول کر کے سمح بن مالک خولانی کو جو صوبہ افریقیہ کی افواج کا سپہ سالار تھا اندلس کی حکومت پر مامور فرمایا سمح بن مالک نے اندلس پہونچکر حرب بن عبدالرحمٰن کو معزول کیا اور خود زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ حرب بن عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی نے اندلس میں دو برس آٹھ مہینے حکومت کی۔

سمح بن مالک

امیر سمح بن مالک خولانی اگرچہ ایک فوجی آدمی اور طارق بن زیاد کے ہمراہیوں میں سے تھا لیکن اُس نے اندلس کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے عدل و داد اور رعایا کی خوشحالی کے سامانوں کی فراہمی شروع کی۔ امیر سمح کی حکومت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کا عکس تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے اس امیر نے ملک اندلس کی مردم شماری کرائی جس سے ہر قوم ہر قبیلے اور ہر ایک مذہب کے لوگوں کی الگ الگ تعداد معلوم ہوگئی۔ بربری لوگوں کو امیر سمح نے غیر آباد علاقوں میں آباد کر کے زراعت و حرفت کی طرف رغبت دلائی جس میں اُن کو کامیابی حاصل ہوتی۔ ملک اندلس کا ایک جغرافیہ تیار کرایا جس میں ہر شہر و قصبے کی آبادی اُس کا محل وقوع اور ضروری حالات درج تھے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ۔ دریا اور پہاڑ وغیرہ سب حالات درج کئے۔ ملک کی تجارتی اشیاء کی فہرست۔ بنادر کے حالات معدنی اشیاء کی کیفیت غرض نہایت مکمل و مشرح جغرافیہ ملک اندلس کا تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ایک نقشہ بھی ملک اندلس کا تیار کرا کر بھیجا۔ تجارت و زراعت میں سہولت پیدا کی۔ جزیہ و عشر و خمس و خراج وغیرہ کے پختہ قانون رائج کئے۔ پھر شہر سرقسطہ میں ایک مسجد اور قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر کا مشہور و معروف پُل تیار کرایا اس کے علاوہ جا بجا اور بھی مسجدیں اور پُل تیار کرائے غرض چند روز میں اس امیر نے اندلس کو امن و امان اور عدل و انصاف سے پُر کر دیا۔ امیر سمح کو امرائے اندلس میں وہی مرتبہ اور وہی نسبت حاصل ہے جو تمام خلفائے بنو اُمیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حاصل تھی۔ اس امیر کے ابتدائی عہد حکومت کو دیکھ کر یہ خیال بھی نہیں آتا تھا کہ وہ کوئی جنگجو اور شمشیر زن سپہ سالار بھی بن سکتا ہے لیکن ملک اندلس کے اندرونی انتظام و استحکام سے فارغ ہو کر خلیفہ کی اجازت کے موافق امیر سمح نے فوج لیکر جبل البرتات کی طرف توجہ کی اس پہاڑ کی گھاٹیوں کو طے کر کے وہ اُس ملک میں داخل ہوا جو آجکل جنوبی فرانس کہلاتا ہے۔ فرانس کے اس جنوبی حصے میں دو زبردست حکومتیں قائم تھیں ایک سلطنت یا ریاست وہ تھی جو اندلس کے گاتھ لوگوں نے فرار ہو کر اور یہاں آکر قائم کر لی تھی اس ریاست کا دارالحکومت شہر ناربون تھا اور چونکہ تمام ملک اندلس کے خزائن جسقدر گاتھ لوگ لا سکتے تھے یہیں لے آئے تھے اور تمام وہ لوگ بھی یہیں آکر جمع ہو گئے تھے جو مسلمانو کے دشمن تھے لہذا یہ حکومت خوب طاقتور اور اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ناقابل تسخیر سمجھی جاتی تھی۔ دوسری زبردست سلطنت قوم گال کی تھی جس کا دارالسلطنت طولوز تھا۔ امیر سمح نے جبل البرتات سے گذر کر ناربون پر حملہ کر کے اس شہر کو فتح کر لیا اور تمام ریاست مسلمانوں کے قبضے میں آگئی اسلامی لشکر کو یہاں سے بہت کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ناربون سے آگے بڑھ کر طولوز پر حملہ کیا گیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی آخر اس شہر کا محاصرہ

مسلمانوں نے کرلیا۔ مسلمانوں کی فوج بہت تھوڑی تھی اور عیسائیوں کا لشکر ہر ایک آئندہ لڑائی میں زیادہ ہی برسر مقابلہ آتا تھا۔ شہر طولوز فتح ہی ہونے والا تھا کہ ایک فرمانروا ڈیوک آف ایکویٹین ایک عظیم الشان فوج لیکر پہونچگیا۔ امیر سمح کے ساتھ جس قدر فوج آئی تھی اُس کا ایک حصہ اُن کو ناربون وغیرہ مفتوحہ علاقہ میں چھوڑنا پڑا تھا اس لئے اُن کے ہمراہ بہت تھوڑے آدمی تھے صحیح تعداد تو اسلامی لشکر کی نہیں بتائی جا سکتی مگر یہ بات یقینی ہے کہ جب فرانسیسیوں کا لشکر عظیم میدان میں آکر صف آرا ہوا ہے تو امیر سمح نے بجائے اس کے کہ وہ حواس باختہ ہوجاتے اپنی صفوں کو درست کرکے ایک ہمت بڑھانے اور جوش دلانیوالی تقریر کی اُدھر پادریوں نے فرانسیسی لشکر کو قتال پر آمادہ کرنیوالی تقریریں سنائیں لڑائی شروع ہوئی اور طارق و لذریق کی لڑائی کا نقشہ ایک مرتبہ پھر جنوبی فرانس میں نمودار ہوا کئی گھنٹے تک تیر و شمشیر اور برچھیوں کی بجلیاں چمکتی رہیں قریب تھا کہ فرانسیسیوں کا لشکر عظیم ان مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور تمام ملک فرانس اسلامی لشکر کے پاؤں سے روندا جاتے مگر عین اُس وقت جبکہ مسلمان عیسائیوں کو پیچھے دھکیل کر آگے بڑھ رہے تھے ایک تیر امیر سمح کے گلے میں آکر ترازو ہوگیا اپنے امیر کو اس طرح جام شہادت نوش کرتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے اور جوش شمشیر زنی سرد پڑگیا مگر پھر بھی وہ اس طرح حواس باختہ نہیں ہوئے جیسی کہ ایسے نازک موقع پر توقع ہوسکتی تھی۔ مسلمانوں کی پیشقدمی رک گئی عیسائی یکلخت چیرہ دست ہوگئے مسلمانوں نے فوراً امیر سمح کی جگہ عبدالرحمن غافقی کو اپنا سپالار اور امیر منتخب کرلیا۔ عبدالرحمن غافقی نہایت ہوشیاری اور استقلال کے ساتھ اسلامی لشکر کو لے کر پیچھے ہٹا۔ عیسائیوں کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ اسلامی لشکر کا تعاقب کریں میدان جنگ میں ایک تہائی مسلمان شہید ہوچکے تھے باقی دو تہائی کو لیکر عبدالرحمن غافقی پسپا ہوا۔

عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی

عبدالرحمن غافقی جس شجاعت و بہادری اور احتیاط کے ساتھ اپنے لشکر کو قتل و برباد ہونے سے بچا کر شہر ناربون تک لایا ہے اس کی تعریف عام طور پر مورخین نے لکھی ہے جنگ طولوز جس میں امیر سمح شہید ہوئے ۱۰۲ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔ میدان طولوز سے ناربون تک آتے ہوئے راستے میں عیسائی آبادیوں نے جابجا اس لشکر کو لوٹنا اور قتل کرنا چاہا۔ ان عیسائیوں کا خیال تھا کہ جس طرح ہزیمت خوردہ لشکر کو گنوار لوٹ لیا کرتے ہیں اسی طرح ہم اس کے تباہ کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے مگر اُن کو یہ معلوم نہ تھا فرانسیسیوں کی دس گُنی جرار فوج بھی اس پر حملہ آور ہونے اور تعاقب کرنیکی جرأت نہ کرسکی تھی چنانچہ راستے میں کئی جگہ لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ عیسائیوں کو فرار ہونا پڑا۔ شہر ناربون میں پہونچکر امیر عبدالرحمن غافقی نے اپنی حالت کو درست کیا اور اس صوبہ سے خراج اور مال غنیمت لیکر جبل البرتات کے اُن کوہی قبائل کی سرکوبی کی جو امیر سمح کے شہید ہونے اور طولوز سے مسلمانوں کے واپس ہونیکی خبر سنکر بغاوت و شرارت پر آمادہ ہوگئے تھے ان کوہی قبائل کو درست کرکے امیر عبدالرحمن اندلس میں واپس آئے۔ جس وقت امیر سمح ملک فرانس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اپنی جگہ عنبسہ بن سحیم کلبی اندلس کا حاکم مقرر کر گئے تھے۔ عنبسہ نے یہ سنکر کہ عبدالرحمن غافقی کو کوہی قبائل سے جنگ کرنی پڑی ہے فوراً اندلس سے کمک روانہ کی مگر اس کمک کے پہونچنے سے پہلے ہی عبدالرحمن فارغ ہوچکے تھے۔ اندلس میں واپس آکر فوجی انتخاب کی موافق عبدالرحمن غافقی ہی کو امیر اندلس تسلیم کیا گیا مگر چند ہی روز کے بعد

بشر بن حنظلہ بن صفوان کلبی حاکم افریقہ نے عبدالرحمن غافقی کی یہ شکایت سُنکر کہ انہوں نے فوجیوں کے اقتدار و اختیار کو بڑھا دیا ہے عبدالرحمن کو معزول کر کے عنبسہ بن سحیم کلبی کو امیر اندلس بنایا۔ عنبسہ بن سحیم کی امارت کو عبدالرحمن نے بخوشی تسلیم کر کے بیعت کی اور امیر عنبسہ نے عبدالرحمن کو مشرقی اندلس کا عامل بنایا جہاں وہ پہلے بھی عامل تھے۔

عنبسہ بن سحیم کلبی عنبسہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی نہایت قابلیت کے ساتھ ملک کا انتظام کیا اور رعایا کو انواع و اقسام کے فائدے پہونچائے۔ امیر عنبسہ کے ابتدائی عہد حکومت میں بلائی نامی ایک عیسائی نے جس کو انگریزی میں پلیو کہتے ہیں ایک پہاڑی علاقہ میں بغاوت کی اور بہت سے عیسائیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ سُنکر اسلامی لشکر نے اُس طرف توجہ کی اور تمام عیسائیوں کو قتل و گرفتار کر کے اس فتنے کو فرو کر دیا پلیو فرار ہو کر تیس آدمیوں کے ساتھ پہاڑوں میں جا چھپا۔ مُسلمانوں نے ان تیس آدمیوں کی قلیل جماعت کو بے حقیقت سمجھکر کوئی التفات نہ کیا۔ اگر مُسلمان چاہتے تو ان کا تعاقب کر کے جہاں کہیں بھی وہ جاتے گرفتار کر کے قتل کر دیتے مگر انہوں نے اُن کے استیصال کو مطلق ضروری نہ سمجھا۔ یہ تیس آدمی لُوٹ مار پر آمادہ ہو کر پہاڑوں میں سکونت رکھتے اور ڈاکہ زنی سے بعض مواضعات کو نقصان پہونچاتے۔ مُسلمانوں نے چونکہ انکی طرف توجہ ہی نہیں کی اور نہ کبھی کوئی دستہ فوج ان کے استیصال پر مامور ہوا اس لئے یہ آیندہ زمانے میں اپنے اس جتھے کو مضبوط کرتے گئے اور عیسائی آ آکر ان میں شریک ہوتے گئے۔ اس طرح اندلس میں ایک عیسائی ریاست کی بنیاد قائم ہوئی جس کا ذکر آگے انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا۔

امیر عنبسہ نے ملک کے انتظام سے فارغ ہو کر ملک فرانس پر چڑھائی کی علاقہ ناربون مُسلمانوں کے قبضے میں موجود تھا اس لئے جبل البرتات سے گذرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ امیر عنبسہ نے تمام جنوبی فرانس کو فتح کر لیا اور فرانس کے وسط میں پہونچکر مشرق و مغرب کی جانب فوجیں پھیلا دیں۔ اس وقت مال غنیمت کی کثرت سے مُسلمان بہت بوجھل ہو گئے تھے فرانسیسیوں نے اپنی تمام فوجوں کو فراہم کر کے اپنے نصف سے زیادہ ملک کی پامالی کا تماشا دیکھا آخر ایک مناسب اور موزوں وقت و مقام پر انہوں نے اپنی پوری طاقت سے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ بھی مُسلمانوں نے اپنی انتہائی بہادری کا ثبوت دیا اور فرانسیسیوں کے دانت کھٹے کر دیئے مگر امیر عنبسہ نے بد احتیاطی سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالدیا یعنی صفِ قتال میں سب سے آگے بڑھکر عیسائیوں پر بذات خود حملہ کیا اور عیسائی صفوف کو چیرتے ہوئے اندر گھُس کر جام شہادت نوش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ طولوز کی طرح اس مرتبہ بھی مُسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ امیر عنبسہ نے اپنی شہادت سے پہلے ہی عروہ بن عبداللہ فہری کو اپنا قائم مقام تجویز کر دیا تھا لہذا جس طرح امیر سمح کی شہادت کے بعد عبدالرحمن غافقی مُسلمانوں کو لیکر واپس آئے تھے اسی طرح عروہ بن عبداللہ فہری لشکر اسلام کو واپس اندلس میں لایا۔ یہ واقعہ ۱۰۷ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

عروہ بن عبداللہ فہری عروہ بن عبداللہ اندلس کے نامور سرداروں میں سے تھا۔ اس کی قوم اور خاندان کے لوگ اندلس میں بتعداد کثیر موجود تھے۔ یہ نہایت دیانتدار اور بہادر و سنجیدہ مزاج شخص تھا مگر اندلس کے بعض لوگ اُس سے ناراض ہو گئے اور حاکم افریقہ بشیر بن حنظلہ بن صفوان سے شکایت کی بشیر بن حنظلہ بن صفوان نے بجائے اُس کے یحییٰ بن سلمہ کو اندلس کی امارت پر مامور فرمایا۔ عروہ صرف چند مہینے اندلس کا امیر رہا۔

یحییٰ بن سلمہ یحییٰ بن سلمہ کلبی نے ۱۰۷ھ کے آخر میں اندلس کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی یحییٰ بن سلمہ کے

مزاج میں تشدد اور ضد کا مادہ تھا اس لئے رعایائے اندلس اُس سے بھی ناراض ہو گئی اور والی افریقہ کی خدمت میں شکایتیں پہونچیں نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس چند ماہ کے بعد یحییٰ بن سلمہ بھی معزول کیا گیا اُس کی جگہ امیر عثمان بن ابی عبیدہ لخمی حاکم اندلس مقرر ہو کر آیا۔

عثمان لخمی امیر عثمان کو ۱۱۰ھ میں عبیدہ بن عبدالرحمٰن والیٔ افریقہ نے مقرر کرکے بھیجا تھا بشیر بن حنظلہ کے بعد عبیدہ بن عبدالرحمٰن والی افریقہ مقرر ہو چکا تھا۔ امیر عثمان نے صرف پانچ ہی مہینے حکومت کی اُس کے بعد حذیفہ بن الاحوص قیسی کو امیر اندلس مقرر کرکے بھیجا گیا۔

حذیفہ بن احوص امیر حذیفہ بن الاحوص نے ۱۱۰ھ کے آخر تک اندلس میں حکومت کی اس کے بعد محرم ۱۱۱ھ میں گورنر افریقہ نے بجائے حذیفہ کے ہثیم بن عبید کلابی کو اندلس کا حاکم مقرر کرکے بھیجا۔ بعض روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۂ دمشق نے خود ہثیم کو مقرر کرکے بھیجا تھا۔

ہثیم بن عبید ہثیم بن عبید کلابی شامی الاصل تھا اور اُس میں سخت گیری و تشدد کا مادہ زیادہ تھا ہثیم کا طرز عمل اہل اندلس کو ناگوار گذرا اندلس کے مسلمان اور عیسائی دونوں ہثیم سے ناخوش ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورانے تجربہ کی موافق اندلس سے ایک وفد شکایت لیکر افریقہ پہونچا۔ گورنر افریقہ نے اس وفد کی شکایت پر کوئی توجہ نہیں کی اور امیر اندلس کو معزول نہ کیا۔ ممکن ہے کہ گورنر افریقہ نے ہثیم کو اس لئے معزول کرنے کی جرأت نہ کی ہو کہ اُس کو خود امیر المومنین نے دمشق سے مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ بہر حال افریقہ یعنی قیروان میں یہ وفد ناکام رہا تو وہاں سے شام کی طرف روانہ ہو کر دمشق پہونچا اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دربار میں حاضر ہو کر تظلم کناں ہوا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے محمد بن عبداللہ اشجعی کو اندلس کی طرف روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ اندلس جا کر ہثیم کے افعال و اعمال کی تحقیق و تفتیش کرو اور اول اپنے آپ کو بھیس بدل کر چھپائے رہو اور تحقیق حالات میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھو اگر عندالتحقیق یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی ہثیم خطاکار ہے اور اُس کے طرز عمل سے خلافت اسلامیہ اور ملت مسلمہ کو نقصان پہونچ رہا ہے تو فوراً معزول کر دو اور خود حکومت اندلس کا چارج لے لو ورنہ ہثیم کو بدستور حکومت اندلس پر قائم چھوڑ کر واپس چلے آؤ۔ ہثیم بن عبید نے سرزمین مقرشہ پر جہاد کیا اور اس علاقے کو فتح کرکے دس مہینے وہاں ٹھہرا رہا اپنی حکومت کے دو برس بعد ہثیم معزول ہوا۔

محمد بن عبداللہ اشجعی محمد بن عبداللہ اشجعی نے وارد اندلس ہو کر بہت جلد ہثیم کے خلاف حالات تحقیق کر لئے اور ہثیم کی خطاکاری کا مکمل ثبوت بہم پہونچ جانے کے بعد اپنے آپ کو اور خلیفہ کے حکم لوگوں پر ظاہر کرکے ہثیم کو معزول اور گرفتار کرا کر پابجولاں خلیفہ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور خود کئی مہینے اندلس میں قیام کرکے وہاں کے انتظامات اور بگڑے ہوئے حالات کو درست کرکے عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کو اندلس کا امیر بنا کر دمشق کی جانب روانہ ہو گیا یہ واقعہ ۱۱۳ھ کا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی بار دوم عبدالرحمٰن غافقی نے اندلس کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر اول ملک کے اندرونی انتظام کو درست اور مکمل کیا۔ اکثر شہروں اور قصبوں میں مدرسے، مسجدیں اور پل تعمیر کرائے اس کے بعد فوجی تیاری کرکے ملک فرانس پر حملہ کرنے اور گذشتہ مہموں کی ناکامی کی تلافی کے لئے تیاری شروع کی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عثمان لخمی نے بھی پانچ مہینے اندلس کی حکومت کی تھی۔ حکومت و امارت اندلس سے معزول ہو کر عثمان کو اندلس کے ایک شمالی صوبہ کی حکومت مل گئی تھی۔ یہ صوبہ وہی تھا جس میں

جبل البرتات اور اُس کے شمال کا وہ حصہ ملک جو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا شامل تھا۔ عثمان چونکہ تمام ملک اندلس کا حاکم ہو کر اب ایک چھوٹے سے حصہ ملک کا عامل اور حاکم اندلس کا ماتحت تھا لہٰذا وہ اپنی اس حالت میں قانع نہ تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اپنی خود مختاری حکومت قائم کروں۔ عثمان چونکہ بربری قبائل سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا اُس کو عربوں اور شامیوں سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ اُن کو رقابت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ڈیوک آف ایکیوٹین جو ملک فرانس کے ایک بڑے حصے پر قابض و متصرف اور گاتھ قوم کا بادشاہ تھا جنگ طولون کے بعد ملک فرانس کے شمالی بادشاہ چارلس مارٹل سے برسرِ پرخاش رہا اور اپنے آپ کو چارلس مارٹل کے مقابلے میں طاقتور بنانے کے لئے اس بات کا خواہشمند ہوا کہ اپنے ہمسایہ مسلمان عامل کو اپنا ہمدرد بنا کر اپنے رقیب مارٹل کو نیچا دکھائے چنانچہ ڈیوک آف ایکیوٹین نے عثمان سے خط و کتابت اور تحائف کے ذریعہ صلح و دوستی کی بنیاد قائم کی اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ ڈیوک آف ایکیوٹین نے اپنی نہایت حسین و جمیل اور شہرۂ آفاق لڑکی کی شادی عثمان کے ساتھ اس شرط پر کر دی کہ لڑکی اپنے آبائی دین عیسوی پر قائم رہیگی اور عثمان اُس کو مسلمان ہونے پر مجبور نہ کریگا۔ اس لڑکی کے معاوضہ میں ڈیوک آف ایکیوٹین نے عثمان سے یہ عہد نامہ بھی لکھوا لیا کہ عثمان اپنی فوجوں کو کبھی ڈیوک کے خلاف استعمال نہ کرے گا۔ اب جبکہ امیر اندلس عبدالرحمٰن غافقی نے فرانس پر حملہ آور ہونے کے لئے فوجی تیاری کر کے جبل البرتات کو عبور کرنا چاہا تو عثمان کے پاس حکم بھیجا کہ اپنی متعلقہ فوج کو ہماری رکاب میں شامل ہونے اور اپنے علاقہ میں سامان رسد کی فراہمی کے کام کے لئے مستعد رکھو۔ عثمان نے اس حکم کی تعمیل میں عذر کیا اور اول حیلے بہانے کرتا رہا لیکن جب عبدالرحمٰن غافقی قریب پہونچا تو عثمان جبل البرتات کے دروں میں اسلامی لشکر کے روکنے اور مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالرحمٰن نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دیکر آگے روانہ کیا عثمان شکست کھا کر بھاگا اور پہاڑ کے دشوار گذار مقامات میں جا چھپا اس سردار نے تعاقب جاری رکھکر عثمان کو قتل کیا اور اُس کی عیسائی بیوی کو گرفتار کر کے عبدالرحمٰن کے پاس لے آیا۔ اس طرح جبل البرتات کی اُس رکاوٹ کو دور کر کے اسلامی لشکر فرانس کے ہموار میدان میں داخل ہوا شہر ناربون تک اسلامی حکومت کی سرحد تھی۔ اس شہر سے آگے بڑھکر اسلامی لشکر نے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ فرانس کا مشہور بندرگاہ اور نامور شہر بورڈیو بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس زمانے میں ڈیوک آف ایکیوٹین مجبور ہو کر چارلس مارٹل کی سیادت کو تسلیم کر چکا تھا وہ اپنی تمام فوجوں کو لئے ہوئے چارلس مارٹل کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلامی لشکر کے اس سیلاب کی روک تھام کے لئے اُس کو آمادہ کیا۔ چارلس مارٹل نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جس قدر افواج اور سامان جنگ فراہم کر سکتا تھا فراہم کیا۔ عیسائیوں کا جم غفیر اور یورپ کے نامور شجیع و بہادر لوگ اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور اس جنگ کو مذہبی جنگ سمجھکر پادریوں نے عیسائیوں کو خوب پُر جوش تقریروں کے ذریعہ اُبھارا۔ مسلمانوں نے دریائے گرون کو عبور کیا اور دریائے داردون کے کنارے پہونچے یہاں عیسائی لشکر نے مقابلہ کیا مگر مسلمانوں کے مقابلے میں اُس کو شکست فاش حاصل ہوئی اور مسلمانوں نے شہر پائی ٹیرس پر قبضہ کیا۔ پائی ٹیرس پر قبضہ کر کے مسلمان شہر ٹورس کی طرف بڑھے جو ملک فرانس کے مرکز میں واقع ہے شہر ٹورس کے قریب ایک میدان میں عیسائیوں کی مجموعی تعداد اور پورے لشکر نے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس میدان میں پہونچکر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل سات روز تک خیمہ زن رہیں اور ایک کو دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی مسلمانوں کی فوج بالکل غیر اور اجنبی ملک میں

تھی۔ عیسائی اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جمع ہوئے تھے چارلس مارٹل اور ڈیوک آف ایکوٹین جیسے نامور اور تجربہ کار سپہ سالاروں کے علاوہ اسی حیثیت کے اور بھی کئی سردار عیسائیوں کی افواج کے مختلف حصوں کی سپہ سالاری کر رہے تھے۔ ہر طرف سے عیسائیوں کی فوجیں اُمڈی چلی آ رہی تھیں اور دمبدم اُن کی جمعیت بڑھ رہی تھی پادریوں کی پُرجوش مذہبی تقریروں سے عیسائیوں کا جوش بھی ترقی کر رہا تھا۔ اس مرتبہ مسلمانوں کی فوج تعداد میں پہلے کی نسبت شاید زیادہ ہوگی لیکن چونکہ عیسائی لشکر بھی بہت زیادہ تھا اور تمام ملک فرانس مدافعت پر مستعد ہوگیا تھا لہٰذا مسلمانوں کی نسبت اس مرتبہ بھی وہی تھی جو پہلی لڑائیوں میں ہوتی تھی یعنی مسلمان عیسائیوں سے دسواں حصہ بھی نہ تھے۔ اس مرتبہ مسلمان مال غنیمت کے سبب پہلے سے زیادہ بوجھل تھے اپنے ملک سے بہت دُور نکل آتے تھے اور چاروں طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ آخر آٹھویں روز مسلمانوں کے امیر عبدالرحمٰن غافقی نے زیادہ انتظار کو مناسب نہ سمجھ کر اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا لڑائی شروع ہوئی۔ اور شام تک میدان کارزار گرم رہا۔ رات کی تاریکی نے حائل ہو کر فیصلہ جنگ کو کل پر ملتوی کر دیا۔ رات کو مسلمان اپنی قلت تعداد کے سبب اور عیسائی مسلمانوں کی شجاعت و بہادری کا تجربہ کر کے بہت متفکر رہے۔ اگلے دن صبح سے ہنگامہ دار و گیر پھر گرم ہوا۔ اس روز ڈیوک آف ایکوٹین نے جو اس سے پہلے بھی مسلمانوں کی لڑائی کا تجربہ کر چکا تھا یہ چالاکی کی کہ اپنی فوج کو لیکر رات ہی سے ایک کمینگاہ میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ ٹھیک اُس وقت جبکہ عیسائی مسلمانوں کے مقابلے میں میدان چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے ڈیوک آف ایکوٹین نے عقب سے آکر اسلامی لشکر پر حملہ کیا۔ اس غیر متوقع حملہ کا اثر یہ ہوا کہ اگلی صفیں پیچھے سے آنیوالے دشمن کی طرف متوجہ ہوگئیں اور عیسائیوں کا لشکر عظیم جو فرار پر آمادہ تھا یکلخت اپنے آپ کو سنبھال کر حملہ آور ہوا مٹھی بھر مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ مجتمع نہ رہ سکا اس دار و گیر میں امیر عبدالرحمٰن غافقی نے اپنے پیشروؤں کی سنت پر عمل کیا اور شمشیر بکف دشمنوں میں گھس کر سیکڑوں کو تہ تیغ کیا اور جسم پر سیکڑوں زخم کھا کر جام شہادت نوش کیا۔ اس روز بھی صبح سے شام تک ہنگامہ کارزار گرم رہا تھا اور عبدالرحمٰن غافقی کی شہادت کے بعد ہی رات کی تاریکی نے لڑائی کو روک دیا تھا۔ بظاہر آج بھی عیسائی فتحمند نہ تھے اور باوجود اس کے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا تھا مگر شام تک کی شمشیر زنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ہی سمٹ کر پھر ایک طرف ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو اُن کی جگہ سے نہ ہٹا سکے تھے۔ مگر خاتمہ جنگ مسلمانوں کے لئے سخت اندوہناک اور عیسائیوں کے لئے بیحد مسرت انگیز تھا۔ مسلمانوں نے اپنے سپہ سالار اور امیر کے شہید ہو جانیکے بعد اپنے آپ کو میدان جنگ میں قائم رکھنا مناسب نہ سمجھا اور وہ رات ہی کو وہاں سے کوچ کر گئے۔ صبح کو جب عیسائیوں نے مسلمانوں سے میدان کو خالی دیکھا تو اُنھوں نے وہاں قیام مناسب نہ سمجھا مسلمانوں کا تعاقب کرنا تو بڑی بات تھی چارلس مارٹل نے اپنے دارالحکومت کی طرف واپس جانے میں اس لئے زیادہ عجلت سے کام لیا کہ کہیں مسلمان کمینگاہ میں نہ چھپے بیٹھے ہوں اور ایسا نہ ہو کہ پھر حملہ آور ہو کر قیامت برپا کر دیں اس لڑائی میں عیسائیوں کے لاتعداد آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اُن کا سپہ سالار کام آیا بہرحال اس لڑائی کے بعد اس مہم کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمان زیادہ ملک فتح نہ کر سکے۔ اب چاہو تو اس کو مسلمانوں کی شکست سمجھ لو چاہو برابر کی زور آزمائی قرار دے لو اور چاہو تو عیسائیوں کی شکست تصور کر لو۔ یہ لڑائی ۱۱۴ھ میں واقع ہوئی۔

عبدالملک بن قطن فہری | اس لڑائی کے انجام اور عبدالرحمٰن کی شہادت کا حال جب گورنر افریقہ عبیدہ ابن عبدالرحمٰن کو

معلوم ہوا تو اُس نے عبدالملک بن قطن فہری کو اندلس کا امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ فرانسیسیوں سے عبدالرحمٰن غافقی کا انتقام ضرور لینا چاہیئے۔ عبدالملک بن قطن فہری نے اندلس میں داخل ہو کر ۱۱۵ھ میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور مُلک کے اندرونی انتظامات سے فارغ ہو کر فرانس کے ملک پر حملہ کی تیاری کی۔ عبدالملک بن قطن ایک مُسن تجربہ کار اور ہوشیار شخص تھا اس لئے اُس سے بڑی بڑی توقعات تھیں۔ وہ اپنے ساتھ کچھ فوج افریقہ سے بھی لایا تھا۔ مگر عبدالملک سے غلطی یہ ہوئی کہ اُس نے موسم برشگال میں فرانس کی جانب کوچ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبل البرتات سے گذرتے ہی ندی نالوں اور دریاؤں نے فوج کے عبور کو دشوار کر دیا۔ اس حالت کو دیکھ کر عیسائی قزاقوں نے چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ فوج کو دریاؤں اور ندی نالوں میں گھرا ہوا دیکھ کر عبدالملک نے واپسی کا ارادہ کیا اور بمشکل نقصان اُٹھا کر فوج کو واپس لایا۔ اس ایاب و ذہاب میں وقت بھی ضائع ہوا آدمیوں کا بھی نقصان ہوا اور کام بھی کچھ نہ ہوا۔ گورنر افریقہ نے ناخوش ہو کر عبدالملک کو امارت اندلس سے معزول کر دیا اور اُسکی جگہ عقبہ بن حجاج سلولی کو امیر اندلس بنا کر بھیجا۔

عقبہ بن حجاج سلولی

عقبہ بن حجاج نے ۱۱۷ھ میں وارد اندلس ہو کر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور عبدالملک بن قطن فہری کو کسی چھوٹے سے علاقے کا عامل مقرر کر دیا۔ یہ عقبہ کی غلطی تھی کہ اُس نے ایک ایسے شخص کو جو تمام ملک اندلس کا فرمانروا تھا ایک چھوٹے سے عامل کی حیثیت سے اپنی ماتحتی میں رکھا۔ اسی قسم کی غلطی عثمان لخمی کے متعلق اس سے پہلے سرزد ہو چکی تھی۔ مناسب یہ تھا کہ بعد میں آنیوالے امیر عثمان لخمی کو یا تو بالکل بے دست و پا کر کے رکھتے یا اُس کو اندلس میں نہ رہنے دیتے بلکہ افریقہ واپس بھیج دیتے اسی طرح عقبہ کو چاہیئے تھا کہ عبدالملک کو واپس افریقہ بھیج دیتا اور کم سے کم کسی حصہ ملک کی حکومت ہرگز سپرد نہ کرتا۔ بہرحال عقبہ نے ایک سیاسی غلطی ضرور کی۔ عقبہ بہت ہوشیار اور منصف مزاج شخص تھا۔ عقبہ کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے اندلس میں امن و امان کے قائم رکھنے کی غرض سے بڑے بڑے معقول انتظامات کئے۔ پولس کا ایک خاص اور الگ محکمہ راستوں کی حفاظت اور امن و امان کے لئے قائم کیا۔ اس محکمہ میں سوار بھرتی کئے گئے تھے جو گشت و گرداوری کر کے رستوں کی حفاظت کرتے تھے یہی گویا جنڈرمہ پولس کی ایجاد تھی۔ عقبہ نے ہر ایک گاؤں اور ہر ایک بستی میں ایک ایک عدالت قائم کر دی تاکہ مرکزی عدالتوں میں کام کی کثرت نہ ہو اور لوگوں کو انفصال خصومات میں سہولت رہے عقبہ نے یہ بھی انتظام کیا کہ ہر ایک گاؤں اور ہر ایک بستی میں کم از کم ایک ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ ان مدارس کے مصارف کو پورا کرنے کے لئے ملک کے خراج کا ایک حصہ مخصوص کر دیا۔ جہاں جہاں مساجد کی ضرورت تھی وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں اور ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی لازمی طور پر قائم کیا گیا۔ اندلس میں بربریوں کی کثرت ہو گئی تھی اور اُن میں اُن کی جبلی وحشت و بربریت کے علامات مشاہدہ ہوتے رہتے تھے عقبہ نے ان سب کو اس طرح مصروف کر دیا کہ اُن میں شائستگی و تہذیب نے ترقی کی۔ ممالک کے محاصل اور خراج میں بھی ایسی نرمی اور رعایت مرعی رکھی کہ عام طور پر تمام طبقات ملک خوش اور مسرور نظر آنے لگے۔ ملک کے عاملوں اور والیوں کو عدل و دیانت پر قائم کر کے اندلس کو بہترین ممالک بنا دیا اس کے بعد ملک فرانس کے اُس حصہ پر جس کو مسلمان فتح کر چکے تھے اور وہاں برائے نام مسلمانوں کی حکومت یا سیادت تسلیم کی جاتی تھی توجہ مبذول کی۔ شہر اربونیہ کو مضبوط کیا دریائے رون کے کنارے متعدد قلعے تیار کرا لئے تاکہ موجودہ مقبوضہ ملک کی سرحد مضبوط رہے اور آئندہ پیشقدمی اور فتوحات میں آسانی ہو۔ فرانسیسیوں سے کئی مرتبہ مقابلہ ہوا اور ہر مرتبہ اُن کو مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ ۱۲۱ھ میں

افریقہ کے اندر بربریوں نے بغاوت کی اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے امیر عقبہ سے بہتر اور کوئی آدمی نہ تھا
چنانچہ گورنر افریقہ نے اندلس سے امیر عقبہ کو طلب کیا عقبہ نے افریقہ پہونچکر بربریوں کو خوب اچھی طرح سزا دی
اور یہ بغاوت فرو ہو گئی۔ امیر عقبہ کی غیر موجودگی میں اندلس کے اندر بدنظمی پیدا ہو گئی اور جابجا سازشیں اور
قومی رقابتیں بیدار ہو گئیں۔ اُدھر جبل البرتات سے شمال کی جانب کا صوبہ دار جس کا دار الحکومت شہر ناربون
تھا اُس زمانے میں یوسف بن عبدالرحمٰن تھا۔ مارسیلس فرانس کا ایک مشہور شہر تھا وہ ایک زبردست ریاست کا
دار الحکومت تھا ڈیوک آف مارسیلس جو مشرقی فرانس یعنی اس ریاست کا فرمانروا تھا اور جس کا نام مورونتی
تھا یوسف بن عبدالرحمٰن والی ناربون سے خواہانِ امداد ہوا چونکہ چارلس مارٹل سے اُس کو خوف تھا لہٰذا اُس نے
یوسف بن عبدالرحمٰن کی اطاعت قبول کر لی اور مسلمانوں کا باجگذار ہو گیا۔ چارلس مارٹل نے یہ سن کر اس پر
حملہ کیا۔ مسلمانوں کی فوج نے مورونتی اس کی مدد کی لڑائیاں ہوئیں چونکہ امیر عقبہ اندلس میں موجود نہ تھا
لہٰذا والی ناربون کو کسی قسم کی کمک نہ پہونچائی گئی۔ چارلس مارٹل نے مارسیلس کو لوٹ کر اور جلا کر خاکستر کر دیا
لیکن جس وقت وہ شہر ناربون پر حملہ آور ہوا تو یہاں سے ناکام و نامراد اُس کو واپس جانا پڑا۔ امیر عقبہ افریقہ
کے کاموں سے فارغ ہو کر ۱۲۲ھ میں اندلس واپس آیا تو یہاں اُس کے خلاف بغاوت کا مادہ پختہ ہو چکا تھا۔
عبدالملک بن قطن کی نسبت اوپر تحریر ہو چکا ہے کہ اُس کو عقبہ نے کسی علاقے کا عامل بنا دیا تھا۔ عقبہ کی
غیر موجودگی میں عبدالملک نے رعایائے اندلس کے ایک بڑے حصے کو اپنے ساتھ بغاوت میں شامل کر لیا۔
اور خود حکومت اندلس کا مدعی ہوا۔ امیر عقبہ نے آکر اس بغاوت و سرکشی کے مٹانے کی تدابیر شروع کیں مگر اُس کی
موت نے زیادہ مہلت نہ دی ماہ صفر ۱۲۳ھ میں امیر عقبہ نے دار السلطنت قرطبہ میں انتقال کیا اور عبدالملک
بن قطن بڑی آسانی سے تمام ملک اندلس پر قابض و متصرف ہو گیا۔

عبدالملک بن قطن بار دوم

عبدالملک بن قطن فہری سو برس کی عمر کا بوڑھا شخص تھا لیکن اُس کا جسم جوانوں کی طرح
چست اور اُس کی عقل ہر طرح سالم اور ہمت نوجوانوں کی طرح بلند تھی۔ عبدالملک مدینہ کا باشندہ اور واقعہ حرہ
میں شریک تھا اُس نے مدینہ۔ شام۔ مصر۔ عراق۔ افریقیہ اور اندلس کی بہت سی لڑائیوں میں شرکت کی تھی
اُس کا جسم اپنے اندر زخموں کے سیکڑوں نشان رکھتا تھا۔ شامیوں اور حجازیوں میں جو منافرت چلی آتی
تھی عبدالملک جنگ حرہ کے سبب اور بھی زیادہ اس منافرت میں حصہ رکھتا تھا۔ اُدھر افریقیہ و مراقش میں
بربریوں کو اُن کی بربریت کے سبب عرب لوگ جو اُن کے فاتح تھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بنو اُمیہ کی
خلافت و سلطنت خالص عربی حکومت و سلطنت تھی۔ بربری لوگ عربوں کو اپنا حاکم و فاتح تو سمجھتے تھے لیکن
اصول اسلام سے واقف ہونیکے بعد جب وہ عربوں میں قومی غرور و علو کے حرکات معائنہ کرتے تھے تو
اُن کے دل میں انقباض پیدا ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اُن کے اندر بنو اُمیہ یعنی موجودہ خلافت کے خلاف
کوئی تحریک شروع کی جاتی تھی تو وہ فوراً متاثر ہوتے اور بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اور یہی سبب تھا کہ
حکومت عبیدیین کی بنیاد اسی بربری قوم میں بڑی آسانی سے رکھی جا سکی اور اسی وجہ سے عربی حکومت کے
خلاف ہر ایک سازشی شخص بربری قوم کو نہایت موزوں قوم سمجھتا رہا۔ بربری لوگوں کو اپنی شجاعت پر ناز تھا
اور وہ عربوں کی رقابت پر ہمیشہ کمربستہ رہے جس زمانے میں عبدالملک بن قطن نے اندلس پر قبضہ کیا ہے
اور عقبہ قرطبہ میں فوت ہوا ہے اُس زمانے میں افریقہ کے اندر بربریوں کی بغاوت پھر از سر نو برپا ہو گئی
تھی گورنر افریقہ بربریوں کی اس بغاوت کے سبب بہت فکرمند اور مصروف و منہمک تھا اُس نے عبدالملک

بن قطن کی حکومت پر اعتراض نہیں کیا۔ دربارِ خلافت سے ایک شامی سردار کلثوم بن عیاض عبید بن عبد الرحمٰن کی جگہ گورنر افریقہ مقرر ہو کر آیا۔ یہاں بربریوں کے سردار میسرہ نامی نے مغرب الاقصیٰ میں لوٹ مار سے سخت بدامنی پیدا کر رکھی تھی کلثوم بن عیاض نے بربریوں کو ایک حقیر قوم سمجھ کر بے پروائی سے مقابلہ کیا مگر بربری لوگ جو شروع میں بھی بلاجنگ و جدل عربوں کے محکوم نہ ہوئے تھے اب تو سو برس کے عرصہ میں اسلام کی بدولت بہت کچھ ترقی کر چکے تھے اُن کی شجاعت اور تہذیب میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ عربوں کے ساتھ بہت سی لڑائیوں میں شریک ہو ہو کر عربوں کی ہمسری کرنے لگے تھے۔ بربریوں نے شامیوں کو شکست دی اور کلثوم بن عیاض اپنی بہت سی فوج کو کٹوا کر دس ہزار شامیوں کے ساتھ قلعہ سبطہ میں محصور ہو گیا۔ یہ قلعہ جیسے کہ پہلے ذکر آچکا ہے آبنائے جبل الطارق کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ اہل اندلس اگر چاہتے تو کلثوم بن عیاض کو امداد پہونچا سکتے تھے۔ اس قلعہ کا فتح کرنا بربریوں کی طاقت سے باہر تھا لیکن چونکہ قلعہ میں سامان رسد نہ تھا اس لئے محصورین کو فاقہ کی مصیبت کا مقابلہ کرنا پڑا اور سب سے بڑی امداد اُن کی یہی تھی کہ کھانے پینے کا سامان اُن کو پہونچایا جاتا۔ کلثوم بن عیاض نے عبدالملک بن قطن حاکم اندلس سے سامان رسد کی امداد طلب کی اپنی حالت زار سے مطلع کیا۔ عبدالملک نے بوجہ اُس نفرت کے جو اُس کو شامیوں سے تھی عبدالملک اور اُس کے ہمراہیوں کو کسی قسم کی امداد نہ پہونچائی۔ اندلس کے ایک امیر سوداگر زید بن عمرو کو جب سبطہ کی محصور فوج کا یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے کئی جہازوں میں سامان رسد بار کرا کر قلعہ سبطہ کی طرف روانہ کیا اس کا حال جب عبدالملک کو معلوم ہوا تو اُس نے زید بن عمرو کو گرفتار کرا کر نہایت ذلت کے ساتھ قتل کرا دیا۔ خلیفہ دمشق یعنی ہشام بن عبدالملک کو جب لشکر شام کی اس تباہ حالی کا علم ہوا تو اُس نے فوراً امیر حنظلہ کو ایک زبردست فوج دیکر مغرب الاقصیٰ کی جانب روانہ کیا حنظلہ نے یہاں پہونچکر بربریوں کو شکستیں دیکر درست کر دیا اور محصور فوج کو قلعہ سبطہ سے آزاد کیا۔ انہیں ایام میں کلثوم بن عیاض کا انتقال ہو گیا اور حنظلہ نے افریقہ کی حکومت و گورنری اپنے ہاتھ میں لی۔ اُدھر اندلس میں جب یہ خبر پہونچی کہ افریقہ میں بربریوں کو خوب قتل کیا گیا ہے تو اندلس کے بربریوں نے متفق و متحد ہو کر عبدالملک بن قطن پر حملہ کیا۔ بربری لوگ صوبہ جلیقیہ اور اراگون میں بکثرت آباد تھے صوبہ جلیقیہ شمال و مغرب میں تھا اور اراگون یا ارغون شمال و مشرق میں دونوں طرف سے بربریوں نے قرطبہ پر حملہ کیا اور عبدالملک بن قطن کو کئی شکستیں دیں۔ بربریوں کے اس فتنہ کا فرو کرنا جب امیر عبدالملک بن قطن نے اپنی طاقت سے باہر دیکھا تو مجبوراً بلج بن بشر بن عیاض قشیری سے جو کلثوم بن عیاض کا بھتیجا اور کلثوم کے بعد مذکورہ دس ہزار شامی فوج کا افسر تھا امداد طلب کی اور لکھا کہ اندلس آکر ان بربریوں کے فتنے کو فرو کرنے میں ہماری امداد کرو تو ہم اس کا کافی صلہ تم کو دیں گے بلج بن بشر نے افریقہ کے جدید گورنر حنظلہ کے پاس رہنے کی نسبت اندلس میں جانا مناسب سمجھا وہاں پہونچکر بربری لشکروں کو شکستیں دیکر چند روز میں اس فتنے کو فرو کر دیا۔ اب اس شامی لشکر نے جب اندلس کے عربوں سے قلعہ سبطہ میں اپنی فاقہ کشی اور عبدالملک بن قطن کی سنگدلی کا حال سُنایا تو عام طور پر لوگ عبدالملک کے خلاف ہو گئے۔ بلج بن بشر نے اہل اندلس کو اپنے موافق دیکھ کر عبدالملک بن قطن کو گرفتار کر لیا۔ بلج عبدالملک کو قید رکھنا چاہتا تھا مگر اُس کے ہمراہیوں اور عبدالملک کے دشمنوں نے بلج کو دھمکیاں دیکر مجبور کر دیا اور یہ سو برس کا بوڑھا شخص قتل کیا گیا یہ واقعہ ۱۲۳ھ کے آخر ایام کا ہے۔

بلج بن بشری یا بلج بن بشر کے اندلس پر قابض ہونیکے بعد عبدالملک بن قطن فہری کے دو بیٹوں اُمیہ

بن عبدالملک اور قطن بن عبدالملک نے خفیہ طور پر اپنی قوم کے لوگوں کو بلج بن بشر کے خلاف مجتمع کرنا شروع کیا یوسف بن عبدالرحمن عامل ناربون بھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے عبدالملک کے بیٹوں کا شریک ہو گیا یوسف بن عبدالرحمن کی شرکت اور شامیوں کی حکومت کے آئندہ خطرناک تصور کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے بربری لوگ بھی جو چند روز پہلے عبدالملک کی مخالفت پر آمادہ ہوئے تھے عبدالملک کے بیٹوں اور فہریوں کے ساتھ آکر شامل ہو گئے۔ غرض شمالی اندلس میں بلج بن بشر اور شامیوں کے خلاف ایک لاکھ کا لشکر مرتب ہو کر قرطبہ کی طرف متحرک ہوا۔ ادھر بلج بن بشر بھی اپنی فوج کو فراہم کر کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ بلج کی فوج میں بارہ ہزار شامی اور ملک اندلس کے اکثر عرب شامل تھے۔ دونوں فوجوں کا سخت مقابلہ ہوا یہاں مسلمانوں کی دو زبردست فوجیں وسط اندلس میں ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں وہاں عیسائی لوگ ملک فرانس میں یہ تدبیریں سوچ رہے تھے کہ مسلمانوں سے اپنے ملک کو آزاد کرایا جائے۔ غرض لڑائی میں امیر بلج خطرناک طور پر زخمی ہوا۔ اور گھوڑے سے گر کر بیہوش ہو گیا۔ مگر شامیوں کی اس بے سردار فوج نے آخر دشمنوں کو شکست دیکر بھگا دیا اگلے روز امیر بلج نے زخموں کی اذیت سے وفات پائی یہ واقعہ سنہ ۱۲۴ھ کا ہے امیر بلج نے اندلس میں گیارہ مہینے حکومت کی۔ امیر بلج کے بعد شامیوں اور عربوں نے ملکر ثعلبہ بن سلامہ کو امارت اندلس کے لئے منتخب کیا۔

ثعلبہ بن سلامہ

ثعلبہ بن سلامہ چونکہ یمنی تھا اس لئے اُس نے اندلس پر قابض و متصرف ہو کر اہل یمن کی طرفداری میں مُبالغہ کیا۔ پسران عبدالملک بن قطن جو شکست کھا کر فرار ہو گئے تھے وہ ابن سلامہ کے مطیع نہ ہوئے اور ملک میں اِدھر اُدھر لوٹ مار مچاتے پھرنے لگے۔ ادھر اہل یمن پر بیجا احسانات اور دوسرے عربوں پر تشدد کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عربی قبائل ابن ثعلبہ سے ناراض ہو گئے اور مجبوراً حنظلہ بن صفوان گورنر افریقہ سے ابن سلامہ کی شکایت اور کسی نئے امیر کے بھیجنے کی درخواست کی حنظلہ بن صفوان نے ابوالخطاب حسام بن ضرار کلبی کو سند امارت دیکر اندلس بھیجا۔ اہل اندلس نے ابوالخطاب حسام کا استقبال کر کے اطاعت قبول کی حسام نے ابن سلامہ کو معزول کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی یہ واقعہ ۱۲۵ھ کا ہے۔

ابوالخطاب حسام بن ضرار کلبی

ابوالخطاب ہر طرح حکومت کی قابلیت رکھتا تھا ادھر اندلس کی تمام رعایا خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی روز روز کی خانہ جنگی سے تنگ آ گئی تھی سب نے اس نئے امیر کا بڑی دھوم دھام سے قرطبہ کے باہر استقبال کیا اور اطاعت پر مستعد ہو گئے پسرانِ عبدالملک نے بھی حاضر ہو کر بیعت اطاعت کی۔ حسام نے نہایت عدل وداد اور محبت وسخاوت کے ساتھ اپنی حکومت کو شروع کیا۔ اس امیر نے اسباب خانہ جنگی کو نہایت غور و فکر کے ساتھ تحقیق و متعین کیا اور پھر ہر ایک قوم اور ہر ایک قبیلے کے لئے اندلس میں جُدا جُدا مقام سکونت کے لئے تجویز کئے اور اس طرح تمام اہل شام کو جو قرطبہ میں بہ تعداد کثیر جمع ہو کر موجب مشکلات ہو سکتے تھے منتشر کر دیا گیا۔ اور دارالحکومت میں امیر کے لئے انتظام میں آسانیاں پیدا ہو گئیں لیکن اس امیر سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے اپنے ہموطن اور ہمقوم یمنیوں کی زیادہ رعایت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ قوم یمانیہ کی طرفداری نے ابوالخطاب کو قبائل مضریہ کی نگاہ میں دشمن بنا دیا قبیلہ قیس بھی اس سے برہم ہو گیا۔ ایک روز امیر ابوالخطاب کے چچازاد بھائی اور ایک کنعانی عرب میں لڑائی ہوئی مقدمہ امیر کی عدالت میں گیا امیر نے باوجود اس کے کہ اس کا چچازاد بھائی خطاوار تھا اس کی رعایت کی اور فیصلہ اسی کے حق میں صادر کیا۔ اس فیصلے سے ناراض ہو کر کنعانی بحرد

صمیل بن حاتم بن شمر ذی الجوشن سردار قبیلہ قیس کے پاس گیا اور امیر کی شکایت کی۔ صمیل بن حاتم ایک زبردست سردار اور عربوں کے اندر معزز و سر دلعزیز تھا وہ امیر ابوالخطاب کی خدمت میں آیا اور اُس کے نامناسب طرز عمل کی شکایت کی امیر نے اُس کو کچھ جواب دیا جس کے جواب میں صمیل بن حاتم نے کوئی سخت و نامناسب لفظ کہا امیر نے حکم دیا کہ اس کو نکال دو دربانوں نے قصر امارت سے نکالتے ہوئے اُس کے سر و گردن پر چند دھولیں بھی رسید کیں جس سے صمیل کا عمامہ ایک طرف کو لٹک گیا وہ اسی حالت میں قصر سے باہر آیا تو ایک شخص نے کہا آپ اپنا عمامہ تو درست کر لیجئے اُس نے جواب دیا کہ میری قوم اگر چاہیگی تو میرے عمامہ کو درست کر دیگی۔ صمیل بن حاتم نے مکان پر پہونچکر اپنی قوم کے سرداروں اور دوسرے عرب لوگوں کو بلایا اور تمام واقعہ سُنایا۔ سب نے صمیل بن حاتم کی حمایت کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد صمیل بن حاتم قرطبہ سے چلدیا اور ملک کے مختلف صوبوں میں جا کر وہاں کے اُمرا سے ملا اور سب کو اپنا حال سُنایا چونکہ عربوں میں عام طور پر ابوالخطاب سے نفرت پیدا ہوچکی تھی سب نے صمیل کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی۔ جب صمیل کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابوالخطاب سے عام طور پر رؤساء اندلس ناخوش ہیں تو اُس نے شہر شدونہ کو اپنا مستقر بنا کر اپنی قوم اور دوستوں کو وہاں بلایا۔ جب سب شہر شدونہ میں فراہم ہوگئے تو اُن کو لے کر قرطبہ کی جانب بڑھا۔ ثعلبہ بن سلامہ جو پہلے امیر اندلس بھی رہ چکا تھا اور یمنی تھا وہ بھی صمیل بن حاتم کے ساتھ آملا دریائے الکتہ کے کنارے امیر اندلس نے اس فوج کا مقابلہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوالخطاب کی فوج نے شکست کھائی اور وہ گرفتار ہوگیا۔ صمیل نے ابوالخطاب کو قرطبہ میں لیجا کر ایک مضبوط قلعہ میں پابزنجیر قید کر دیا اور ثعلبہ و صمیل دونوں اندلس پر قابض ہوگئے۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۱۲۷ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ ابوالخطاب دو سال حکومت کرنیکے بعد گرفتار ہوا مگر گرفتار و مقید ہونیکے چند ہی روز بعد عبدالرحمٰن بن حسن کلبی کی سعی و کوشش سے ابوالخطاب حسام بن ضرار کلبی قید سے رہا ہوگیا۔ اُس نے قید سے آزاد ہوکر اور قرطبہ سے نکلکر اپنے ہموطن یمنی قبائل کو اپنے گرد فراہم کرنا شروع کیا چنانچہ یمنی قبائل بتعداد کثیر ابوالخطاب کے گرد جمع ہوگئے ادھر صمیل اور ثعلبہ بن سلامہ بھی مقابلہ پر مستعد ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ خلافت دمشق عباسیوں کی سازش کا شکار بنکر درہم برہم ہورہی تھی۔ آخری اموی خلیفہ مروان الحمار عباسی لشکر کے مقابلہ میں شکست کھا کر آوارہ ہوچکا تھا۔ اندلس کی طرف توجہ کرنے کا کسی کو ہوش ہی نہ تھا۔ افریقیہ و مصر وغیرہ بھی خاندان خلافت کی اس بربادی کے سلسلے میں نقش حیرت بنے ہوئے تھے۔ اندلس میں ۱۲۷ھ سے ۱۲۹ھ تک صمیل و ابوالخطاب دشمنوں کے ہاتھ میں دوبارہ گرفتار ہوکر مقتول ہوا ۱۲۸ھ میں ثعلبہ بن سلامہ اندلس سے افریقہ عبدالرحمٰن بن حبیب والی افریقہ کی خدمت میں چلا گیا تھا ابوالخطاب کے مقتول ہونیکی خبر سُن کر گورنر افریقہ نے ثعلبہ بن سلامہ کو اندلس کا امیر بنا کر روانہ کیا ۱۲۹ھ میں ثعلبہ بن سلامہ اندلس میں آیا اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

ثعلبہ بن سلامہ بار دوم ماہ رجب ۱۲۹ھ میں ثعلبہ بن سلامہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور صمیل بن حاتم چونکہ اُس کا دوست اور قابو یافتہ تھا وہ مہمات امارت کے انجام دینے میں سب سے زیادہ دخیل اور بطور وزیر رہا۔ ثعلبہ بھی چونکہ یمنی تھا اس لئے صمیل بن حاتم نے کوشش کرکے یمنی اور دوسرے عرب قبائل میں صلح کرادی۔ چند ہی روز کے بعد ثعلبہ بن سلامہ کا انتقال ہوگیا۔ اہل اندلس چونکہ پہلے ہی سے اپنے لئے خود امیر منتخب کر لینے کے عادی تھے جیسا کہ چند امیروں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ آجکل چونکہ مرکز خلافت میں بدنظمی تھی اس لئے انہوں نے اپنی امارت کے لئے خود کسی شخص کا انتخاب کر لینے میں تامل نہیں کیا اور یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کو جس کا اوپر

ذکر آچکا ہے اپنا امیر بنا لیا۔ یوسف کی پرانی خدمات اور شہرت نے اُس کی سفارش کی اور کسی کو اس انتخاب میں تامل نہ ہوا۔

یوسف بن عبدالرحمٰن فہری چونکہ ملک اندلس کو مرکز خلافت سے آجکل کوئی خصوصی تعلق نہ رہا تھا نیز یہاں ہر قوم اور ہر قبیلے کے مسلمان آباد تھے اس لئے چند ہی روز کے بعد اندلس میں کشمکش اور ہلچل سی پیدا ہونے لگی۔ یوسف بن عبدالرحمٰن نے صمیل بن حاتم کو جو سب سے زیادہ طاقتور شخص تھا اور یوسف کے انتخاب پر دل ہی دل میں کبیدہ خاطر معلوم ہوتا تھا صوبہ طلیطلہ کا حاکم بنا دیا۔ عیسائیوں نے صوبہ اربونیہ کے حاکم عبدالرحمٰن بن علقمہ کو بغاوت پر اُبھار دیا مگر عبدالرحمٰن بن علقمہ قبل اس کے کہ مخالفت کے لئے نکلے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے صوبہ دار ابن الولید کو عیسائیوں نے ابھارا اور ایک بڑی تعداد عیسائیوں کی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی چنانچہ اُس نے شہر اشبیلیہ کو فتح کرکے قرطبہ کا رُخ کیا امیر یوسف نے مقابلہ کرکے اُس کو شکست دی اور گرفتار کرکے قتل کر ڈالا اس کے بعد ایک اور سردار عمرو بن عمرو نے علم بغاوت بلند کیا وہ بھی ناکام رہا۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے کے بعد یوسف نے ملک کا اندرونی انتظام درست کیا۔ خاص ملک اندلس کو چار صوبوں میں تقسیم کیا اور پانچواں صوبہ اُس حصہ ملک کو قرار دیا جو سرزمین فرانس میں مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ صوبوں کے نام یہ تھے :-

نمبر	صوبہ کا نام	صوبہ کے مشہور شہر
۱	اندلوسیہ	قرطبہ۔ قرمونہ۔ اشبیلیہ۔ شدونہ۔ ملقون۔ البیرۃ۔ جیان۔
۲	طلیطلہ	عبیدہ۔ بیسہ۔ مرسیہ۔ ونیہ۔ بلنسیہ۔
۳	مریدہ (جلیقیہ)	مریدہ۔ لشبونہ۔ بجیتہ۔ سالا مینکا۔
۴	سرقسطہ	سرقسطہ۔ ترکونہ۔ برشلونہ۔ لریدہ۔
۵	اربونیہ (جنوبی فرانس)	ناربون۔ طلوس۔ بن بلونہ۔ لیوگو۔ ٹوئی۔

امیر یوسف بن عبدالرحمٰن فہری اگرچہ خود کسی فریق میں شامل نہ تھا لیکن اندلس کے اندر جب بنو اُمیہ کی خلافت کے ختم ہونے اور عباسیوں کی خلافت کے قائم ہونے کی خبر پہنچی تو جا بجا شامیوں اور ان امیروں کے خلاف ہوا خواہان بنو عباس مستعد ہو گئے جو بنو اُمیہ کے خیر خواہ تھے صمیل بن حاتم کو بنو اُمیہ کا خیر خواہ سمجھ کر چاروں طرف سے گھیر لیا آخر قبیلہ قیس کے لوگوں نے ابن حاتم کی مدد کی صمیل بن حاتم نے جب امیر یوسف بن عبدالرحمٰن سے امداد طلب کی تو اُس نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔ بہر حال ابن حاتم نے اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجہ سے بچا لیا۔ اسی طرح جا بجا ملک میں ہنگامہ آرائیاں شروع ہوگئیں ملک اندلس میں جو لوگ بنو اُمیہ کے ہوا خواہ تھے اُن میں دو شخص ابو عثمان عبیداللہ بن عثمان۔ عبداللہ بن خالد خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں یہ دونوں آپس میں رشتہ دار بھی تھے یعنی ابو عثمان خسر اور عبداللہ بن خالد اُس کا داماد تھا یہ دونوں صوبہ اندلوسیہ کے شہر البیرۃ میں حکمران تھے اس شہر میں اہل شام کی زیادہ آبادی تھی۔ ان کے علاوہ یوسف بن بخت اور حسین بن مالک کلبی وغیرہ بھی مشہور سردار تھے۔ صمیل بن حاتم کو جب امیر یوسف بن عبدالرحمٰن نے مدد نہ دی تو ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد اُس کی مدد کیلئے گئے ان دونوں کی روانگی سے پہلے عبدالرحمٰن الداخل (جس کا حال آگے آئیگا) کا غلام بدر ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے صمیل بن حاتم کو عبدالرحمٰن الداخل کے اندلس بلانے کے خیال میں شریک کر لیا صمیل نے یوسف بن عبدالرحمٰن سے بظاہر بگاڑ کرنا مناسب نہ سمجھ کر

یوسف کی رفاقت و ہمدردی کے اظہار میں کوتاہی نہیں کی ضمیل سے رخصت ہو کر ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد دونوں البیرہ میں واپس آئے اور بتدریج اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں میں اس خیال وارادے کی اشاعت خفیہ طور پر شروع کر دی۔ بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ ضمیل بن حاتم اپنے وعدے اور ارادے پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ یوسف بن عبدالرحمن ہی کی حکومت کو پسند کرتا ہے۔ اس طرح قبیلہ قیس اور قبیلہ فہر کے آدمیوں سے اُمید حمایت منقطع ہو گئی مگر ابو عثمان نے یہ ہوشیاری کی کہ ان دونوں قبیلوں کے خلاف یمنی قبائل میں مخالفت کا جوش پیدا کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ یمنی سرداروں نے جا بجا علم بغاوت بلند کئے اور امیر یوسف بن عبدالرحمن اور ضمیل بن حاتم دونوں اُن کی سرکوبی اور مدافعت میں مصروف ہو گئے جب ابو عثمان نے یہ دیکھا کہ یمنی قبائل مصروف قتال وجدال ہو گئے تو فوراً عبدالرحمن الداخل کے غلام بدر کو گیارہ آدمیوں کے ساتھ ایک جہاز میں سوار کر کے افریقہ کی جانب روانہ کیا کہ بلا توقف عبدالرحمن الداخل کو جو افریقہ میں مقیم ہے اپنے ہمراہ لے آؤ۔ چنانچہ عبدالرحمن الداخل ربیع الثانی ۱۳۸ھ میں اندلس پہونچا اور بندر متعلقات علاقہ البیرہ میں جہاز سے اُترا اُس کے استقبال کو ابو عثمان اور تمام ہوا خواہان بنو اُمیہ موجود تھے۔ ابو عثمان عبدالرحمن الداخل کو البیرہ میں اپنے مکان پر لے گیا اور لوگوں کو فراہم کر کے ایک معقول جمعیت بہم پہونچالی۔ یوسف بن عبدالرحمن اُس وقت صوبہ سرقسطہ کی جانب باغیوں سے نبرد آزما تھا۔ عبدالرحمن الداخل کے داخل اندلس ہونیکی خبر سُن کر اور باغیوں کو شکست دیکر طلیطلہ کی جانب آیا۔ یہاں آکر ضمیل بن حاتم سے ملا اور غلطی یہ کی کہ اُن تمام قیدیوں کو جن کو جان کی امان دیچکا تھا قتل کرادیا اس سے اُس کی فوج کے بہت سے سردار برہم ہوئے اور یوسف کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر البیرہ کی جانب جہاں عبدالرحمن الداخل مقیم تھا روانہ ہو گئے۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی جا بجا سے عرب سردار بالخصوص یمنی قبائل جو یوسف کے خلاف تھے عبدالرحمن الداخل کے جھنڈے کے نیچے آ گئے۔ اب یوسف اور ابن حاتم صرف فہری اور قیسی لوگوں کے ساتھ باقی رہ گئے۔ شامی لوگوں کی ہمدردی تو عبدالرحمن الداخل کے ساتھ ہونی ہی چاہئے تھی مگر یمنی لوگ جو شامیوں کے حریف اور مخالف تھے اس لئے شامل ہو گئے کہ وہ یوسف کے مخالف تھے اور عبدالرحمن الداخل یوسف سے اندلس کی حکومت چھیننے آیا تھا اس طرح فہری اور قیسی لوگوں کے سوا تمام عرب قبائل عبدالرحمن الداخل کے ہمدرد بنگئے فہری اور قیسی بھی صرف یوسف اور ابن حاتم کی زبردست شخصیتوں کے سبب اُن کے ساتھ تھے ورنہ وہ بھی خاندان بنی اُمیہ کے اس شہزادے کو پسند کرتے تھے۔ ایک یہ سبب بھی عبدالرحمن الداخل کی قبولیت کا ہوا کہ اُس کے اعلیٰ اخلاق کی شہرت پہلے سے اندلس میں ہو چکی تھی اور عبدالملک بن قطن کے عہد امارت میں بعض شخصوں نے دمشق سے آکر وہاں کے جو حالات بیان کئے تھے اُن میں عبدالرحمن کو بنو اُمیہ کے اندر سب سے بہتر نوجوان بتایا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ اُس کو حجازی اور یمنی عربوں سے بہت ہمدردی اور محبت ہے۔ اس شہرت نے اس وقت بڑا کام دیا اور اُن لوگوں نے بھی جو بنو اُمیہ کے مخالف تھے عبدالرحمن الداخل کو محبت کی نگاہوں سے دیکھا۔ آخر ابن حاتم اور یوسف دونوں طلیطلہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہوئے ادہر سے عبدالرحمن الداخل اپنی جمعیت کو لے کر قرطبہ کی جانب بڑھا دریائے وادی الکبیر کے کنارے قرطبہ کے متصل میدان مصارت میں دونوں فوجوں کا مقابلہ عید اضحیٰ کے روز یعنی ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۷۵۶ء کو ہوا۔ بڑی خونریز جنگ صبح سے شام تک رہی آخر عبدالرحمن الداخل کو فتح ہوئی امیر یوسف بن عبدالرحمن کا بیٹا عبدالرحمن اور دوسرے سردار گرفتار ہوئے مگر ابن حاتم

اور یوسف دونوں بچکر نکل گئے۔ ابن حاتم نے مریدہ میں اور یوسف نے جیان میں پناہ لی۔ عبدالرحمٰن الداخل اس میدان سے روانہ ہوکر قرطبہ میں داخل ہوا اور اعلان کیا کہ جو شخص اطاعت کا اقرار کریگا اُس کو کوئی آزار نہ پہونچایا جائیگا۔ لوگوں نے بطیب خاطر اطاعت قبول کی ابن حاتم اور یوسف نے پھر فوجیں فراہم کیں مگر آخر اطاعت ہی پر رضامند ہوگئے عبدالرحمٰن الداخل نے اُن کو اس شرط سے امان دی کہ وہ قرطبہ ہی میں سکونت اختیار کریں اور روزانہ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن الداخل کے دربار میں حاضر ہوکر اپنی صورت دکھایا کریں۔ بس اس کے بعد سے عبدالرحمٰن الداخل اور اُس کی اولاد کی حکومت اندلس میں شروع ہوئی اور عہد امارت یعنی اندلس کی اسلامی حکومت کا پہلا دور ختم ہوگیا۔

اسلامی حکومت کے دورِ اوّل پر ایک نظر۔ اندلس کا ملک مرکز خلافت یعنی دمشق سے بہت زیادہ فاصلہ پر واقع تھا۔ اندلس تک پہونچنے کے لئے مسلمانوں کو قبطیوں، بربریوں وغیرہ کی کئی قوموں کو زیر کرنا پڑا تھا۔ مہینوں میں دربارِ خلافت کا کوئی حکم اندلس پہونچتا اور اندلس کا کوئی پیغام دربار خلافت تک آتا تھا۔ اندلس جس زمانے میں فتح ہوا ہے اُس زمانے میں دربار خلافت اور مسلمانوں کے نامور سپہ سالاروں اور مدبروں کی توجہ خانگی جھگڑوں میں بہت کچھ صرف ہو رہی تھی۔ عراق و شام و ایران کے صوبوں نے مرکز خلافت کی توجہ کو اپنی طرف زیادہ مبذول کر رکھا تھا اس لئے اندلس کی طرف کوئی خصوصی توجہ کبھی مبذول نہ ہوسکی اندلس عام طور پر گورنر افریقہ ہی کے ماتحت رہا مگر چونکہ اندلس کی سرسبزی و شادابی اور خوش سوادی کی شہرت عام طور پر ممالک اسلامیہ میں ہوگئی تھی اس لئے فتح اندلس کے بعد اندلس میں وہ لوگ جن کو حجاز و شام و عراق میں کوئی اہم خدمت سپرد نہ تھی اندلس چلے گئے اور برابر جاکر وہاں آباد ہوتے گئے۔ ان نو وارد عربوں کو اندلس میں ایک فاتح قوم کی حیثیت سے عزت و تکریم کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور ان کو معزز عہدے بھی بآسانی ملجاتے تھے اس لئے جو گیا وہیں کا ہو رہا۔ افریقہ کے بربری قبائل شروع ہی میں زیادہ پہونچ گئے تھے اور بعد میں بھی وہاں جاتے اور آباد ہوتے رہے لہٰذا اندلس چند روز میں مسلمانوں کی ایک نو آبادی بن گیا عیسائی لوگ جنہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اس ملک کے قدیم باشندے تھے جن میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی اس طرح اندلس کی مخلوط آبادی میں مختلف عناصر شامل تھے۔ پچاس سال کے عرصہ میں بیسیوں حاکم تبدیل ہوتے۔ حکام کے اس جلد جلد تغیر و تبدل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانانِ اندلس کے دلوں میں آزادی و خودسری بھی قائم رہی اور شانِ جمہوریت برابر ترقی کرتی ہوئی نظر آئی۔ عیسائی آبادی کو کسی وقت بھی کوئی آزار نہیں پہونچا اُن کے لئے صرف اقرار اطاعت ہی ہر قسم کے مصائب سے نجات کا باعث ہوگیا۔ اور اُن کو اقتصادی و علمی ترقیات کا خوب موقع ملتا رہا۔ اول اول مسلمانوں میں فتوحات کا جوش غالب رہا اور وہ ملک فرانس کے مرکز تک فاتحانہ پہونچ گئے۔ ابھی اسلامی حکومت کو قائم ہوئے کچھ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان خانہ جنگیوں نے مسلمانوں کی فتوحات کو روکدیا اور فرانس کے اُن عیسائیوں کو جو مسلمانوں کی حملہ آوری کے خوف سے ترساں و لرزاں تھے سوچنے سمجھنے اور اپنی حالت پر غور کرنے کا موقع مل گیا۔ اس پچاس سالہ دور حکومت میں مختلف قبیلوں، مختلف قابلیتوں اور مختلف دل و دماغ کے لوگ اندلس کے امیر و فرمانروا ہوتے رہے تاہم اندلس کی آبادی، سرسبزی اور علوم و فنون میں بہت کچھ ترقیات ہوئیں۔ سب سے بڑھکر مسلمانوں کا وجود اور اُن کا اعلیٰ نمونہ ہی یا شندگانِ اندلس کے لئے کافی تھا مگر اس سے بھی بڑھکر

رعایائے اندلس کو یہ فائدہ پہونچا کہ فاتحین نے مفتوحین کی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کر دیں۔ جب مسلمانوں کے گھر عیسائی عورتوں سے آباد ہو گئے تو وہ ذلت وحقارت کا خیال جو عیسائی مفتوحین کی نسبت مسلم فاتحین کے دلوں میں پیدا ہونا چاہئے تھا خود بخود معدوم ہو گیا مسلمانوں کو عیسائیوں سے ہمدردی پیدا ہو گئی اور وہ ان کو تعلیم وتربیت اور اعلیٰ اخلاق کی ترغیب دینے لگے یہاں تک کہ ملک فرانس کے بعض عیسائی حکمراں جب آپس میں لڑتے تو اپنے مسلمان ہمسایوں سے فوجی امداد حاصل کر سکتے تھے۔

جب اوّل اوّل مسلمان اندلس میں داخل ہوئے اور عیسائیوں کی گاتھ سلطنت کا چراغ گل ہوا تو بہت سے پادری اور پادری مزاج عیسائی اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے والے فوجی سپہ سالار بھاگ بھاگ کر شمال کی طرف چلے گئے۔ اندلس کا جنوبی حصہ گرم۔ زرخیز اور خوش سواد زیادہ تھا مسلمان جنوب ہی کی طرف سے اس ملک میں داخل ہوئے تھے لہٰذا وہ جنوبی صوبوں میں کثرت سے آباد ہو گئے۔ شمالی حصہ پہاڑی اور سرد زیادہ تھا عربوں کو یہ شمالی حصہ پسند نہ آیا اور بہت ہی کم مسلمان شمالی شہروں میں سکونت پذیر ہوئے۔ پہاڑی علاقہ زیادہ قیمتی اور زرخیز بھی نہ تھا مسلمانوں نے اس کو فتح کر کے اپنی حکومت تو قائم کی مگر اس کو زیادہ محبوب اور قیمتی نہ سمجھا۔ جبل البرتات کے دروں میں وہ مفرورین کا تعاقب کرتے ہوئے پہونچے تھے لیکن جب گاتھ فراروں کی جمعیت اور مفرورین کے اجتماع نے جبل البرتات کے شمالی میدان یعنی فرانس کے جنوبی حصہ میں مسلمانوں کو دعوت دی تو ایک اور نئے ملک میں سلسلہ جنگ جاری ہوا جس کا نتیجہ ابھی اسی قدر ظاہر ہونے پایا تھا کہ صوبہ اربونیہ اور شہر ناربون اور اس کے شمالی میدانوں پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی لیکن اس کے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی نے اس کام کو آگے ترقی نہ کرنے دی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اسی حملہ آوری اور پیشقدمی کے سلسلے میں ایک معمولی سی فروگذاشت نے مسلمانوں کو انجام کار سخت نقصان پہونچایا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امیر عنبسہ نے پلیو نامی ایک عیسائی لوٹیرے کو جبل البرتات کے دروں میں ناقابل التفات سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ پلیو نامی غارتگر نے جب جبل البرتات میں اپنا قیام گاہ قائم کر لیا تو وہ عیسائی جو مسلمانوں کے خوف سے آوارہ پھر رہے تھے اور وہ پادری جو اپنے ساتھ اندلس کے گرجاؤں سے تبرکات لیکر بھاگتے تھے پلیو کے پاس آ آ کر فراہم ہونے لگے اس طرح پلیو کی جمعیت نے ترقی کی اور وہ پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت سخت دشوار گذار مقام میں مضبوط ہو کر بیٹھ گیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ پہاڑ کے جس چند میل مربع رقبہ میں پلیو مقیم تھا اس کے چاروں طرف اسلامی حکومت تھی شمال کی جانب فرانس کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ جنوب و مشرق کی جانب بھی اسلامی حکومت قائم تھی مغرب کی جانب بھی اسلامی علاقہ تھا۔ پہاڑ کے اس جزیرے میں ان عیسائی متمردین کا استیصال کر دینا کوئی بھی بڑی بات اور دشوار کام نہ تھا مگر مسلمانوں کے ہر ایک سردار اور ہر ایک سپہ سالار نے اس موش کوہی پر فوج لیجانا اور حملہ آور ہونا اپنی بے عزتی بھی اور اس کو اس کے حال پر یہ سمجھ کر رہنے دیا کہ اس سے کوئی نقصان کسی مسلمان کو کبھی نہیں پہونچ سکتا۔ حقیقت بھی یہ تھی کہ پلیو کو پہاڑ سے نیچے اترنے اور میدانی علاقے میں نکلنے کی کبھی جرأت بھی نہیں ہوئی اور نہ ایسی جرأت عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہو سکتی تھی۔ مگر ان پادریوں نے جو اپنے مذہبی تبرکات لے کر پلیو کے پاس پہونچ گئے تھے پلیو کو ایک مذہبی سردار اور عیسوی تبرکات کا محافظ قرار دیا بارہ تیرہ سال تک وہ اسی چھوٹے سے پہاڑی علاقہ میں رہا اور اطراف وجوانب کے عیسائیوں سے اس کو سامان رسد کی امداد پہونچتی رہی۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا عیسائیوں میں پلیو کی عظمت ومحبت وشہرت ترقی کرتی گئی اور بہت سے عیسائی تکالیف برداشت

کرکے بھی پلیو کے پاس پہونچنے اور تبرکات کی زیارت کرنے کو ضروری سمجھتے رہے۔ مسلمان ہمیشہ یہ سمجھتے رہے کہ چند عیسائی وحشی پہاڑ کی کھوہ میں ہمارے خوف سے اپنی جان بچا کر چھپ گئے ہیں۔ ہماری صورت دیکھ کر فرار ہوتے اور خوف کے مارے ہمارے سایہ سے بھاگتے ہیں ان کو پڑا رہنے دو۔ اس بے پروائی اور کم التفاتی نے ان عیسائیوں میں بتدریج جرأت پیدا کر دی اور وہ اپنی چھوٹی سی پہاڑی جائے پناہ کو ایک سلطنت سمجھنے لگے پلیو کو اپنا بادشاہ اور محافظ دین عیسوی قرار دیا پلیو کے انتقال پر اس کے بیٹے کو اپنا بادشاہ بنایا اور دو تین سال کے بعد وہ بھی فوت ہو گیا تو پلیو کے داماد الفانسو نامی کو عیسائیوں نے اپنا افسر اور بادشاہ قرار دیا ادھر مسلمانوں کی خانہ جنگی اور آپس کے کشت و خون نے مسلمانوں کو شمالی صوبوں اور جبل البرتات کے متصلہ علاقوں کی طرف مطلق توجہ نہ کرنے دی۔ اس فرصت میں الفانسو نے جلیقیہ۔ اراگون۔ اربونیہ کے علاقوں سے عیسائیوں کو اس پہاڑی علاقہ میں آنے اور آباد ہونے کی دعوت دی۔ جب عیسائیوں نے اپنے سرسبز کھیتوں اور میدانی علاقوں کو چھوڑنا اور زاہدانہ زندگی بسر کرنا پسند نہ کیا تو الفانسو نے ارد گرد کے علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کئے ان ڈاکہ زنیوں میں وہ صرف لوٹ مار ہی پر اکتفا نہ کرتا تھا بلکہ عیسائی آبادیوں پر چھاپہ مار کر عیسائیوں کو پکڑ پکڑ کر لے جاتا اور اپنے پہاڑی علاقہ میں سکونت پذیر کرتا تھا۔ ان عیسائیوں کی نظر بندوں کی طرح نگرانی بھی ہوتی تھی اور وہ کسی طرح اس پہاڑ سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے اس طرح جبریہ طور پر ایک آبادی پہاڑ کے اندر قائم کی گئی جو الیسٹریاس کے نام سے موسوم ہوئی اور یہی الفانسو کا دارالحکومت بنا۔ یہاں پادریوں کے رات دن کے وعظ و تقریر نے ان گرفتار شدہ عیسائیوں کو بتدریج اس پہاڑی زندگی پر رضامند کر دیا اور رفتہ رفتہ اس قدر آدمی جمع ہو گئے کہ وہ تنگ دامن ان کے لئے کافی نہ رہا۔ اب الفانسو نے جبل البرتات کے شمالی دامن کی طرف اس علاقے میں لوٹ مار مچائی جو مسلمانوں کے قبضے میں تھا مگر وہ میدان میں جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا تاہم اس نے بتدریج جبل البرتات کے جنوبی دامن سے شمالی دامن تک کا پہاڑی علاقہ سب اپنے قبضے میں کر لیا اور ایک چھوٹی ریاست قائم کر کے عیسائیوں کا امید گاہ بن گیا۔ مسلمان اگرچہ آپس میں چھری کٹاری ہو رہے تھے لیکن ان کا کوئی ایک سردار اگر چاہتا تو جبل البرتات کے پہاڑی سلسلہ میں سے اس کانٹے کو بڑی آسانی سے نکال کر پھینک سکتا تھا مگر وہ اس حالت میں بھی اگر عزم و ارادہ کرتے تو صوبہ اربونیہ سے آگے ملک فرانس کی فتح کا ارادہ کرتے تھے درمیان کے اس عیسائی کو ہی جتھے کو قابل التفات ہی نہیں جانتے تھے جس میں مذہبی تعصب کے دریا موجزن تھے اور جس کو عیسائیوں کے پادریوں نے مسلمانوں کی نفرت سے مخمور و مدہوش بنانے میں انتہائی جوش و سرگرمی سے کام لیا تھا۔ اس طرح اندلس کے دور امارت ہی میں اندلس کے شمالی کوہی سلسلہ میں عیسائیوں کی ایک خود مختار ریاست کی بنیاد قائم ہو گئی جس کا دارالحکومت الیسٹریاس تھا۔ اس عیسائی ریاست کو نہ فرانس کی عیسائی سلطنت سے کوئی تعلق تھا نہ اٹلی کے پوپ سے مگر اس کا مذہبی تعصب سب سے بڑھا ہوا تھا اور آئین حکمرانی پادریوں کے ہاتھ میں اور پادریوں کا مرتب کردہ تھا۔ ۱۳۸ھ میں عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس میں داخل ہو کر اندلس کے دور امارت کا خاتمہ کیا اور اسی سال ریاست الیسٹریا کا بادشاہ الفانسو اول فوت ہوا۔

خلفاء اندلس

عبدالرحمٰن بن اُمیہ

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم ۱۱۳ھ میں پیدا ہوا تھا عبدالرحمٰن کا باپ معاویہ عین عالم نوجوانی میں بعمر ۲۱ سال ۱۱۸ھ میں جبکہ عبدالرحمٰن کی عمر پانچ سال کی تھی فوت ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں عبدالرحمٰن کا دادا ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا۔ خلیفہ ہشام نے اپنے اس پوتے کی تعلیم و تربیت کی جانب خصوصی توجہ مبذول رکھی۔ ہشام بن عبدالملک کا ارادہ تھا کہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ کو اپنا ولیعہد بناؤں گا اسی لئے وہ چاہتا تھا کہ عبدالرحمٰن میں ہر قسم کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ عبدالرحمٰن کی عمر صرف بارہ سال کی ہونے پائی تھی کہ ہشام بن عبدالملک فوت ہوا اور اُس کے بعد ہشام بن عبدالملک کا بھتیجا ولید بن یزید تخت خلافت پر بیٹھا۔ عبدالرحمٰن کے اندر ابتدا ہی سے علامات سروری موجود تھے وہ عاداتِ بد اور خصائلِ رذیلہ سے بالکل پاک و بے تعلق رہا۔ علاوہ علوم مروجہ کے دربارداری اور آئین جہانبانی سے اُس کو پوری واقفیت حاصل تھی۔ علما اور اُمرائے سلطنت کی صحبتیں اُس کو میسر رہی تھیں۔ جوان ہونیکے بعد فنون سپہ گری اور جنگی قابلیت سے بھی وہ بے بہرہ نہ رہا تھا بُری صحبتوں سے اُس کو ہمیشہ نفرت اور اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے کا ہمیشہ شوق رہا۔ اراکین سلطنت اور علمائے دمشق اُس کی عزت و حُرمت کو ملحوظ رکھتے اور اُس کو خاندانِ خلافت میں ایک بہترین شخص تصور کرتے تھے۔ ۱۳۲ھ میں جب خلافت بنواُمیہ کا خاتمہ ہو کر خلافت عباسیہ شروع ہوئی تو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ دریائے فرات کے کنارے عبدالرحمٰن کی ایک جاگیر تھی جب عباسی لشکر ملک شام میں داخل ہو کر دمشق پر قابض و متصرف ہوا اور بنواُمیہ کا قتل عام ہونے لگا تو اُس زمانے میں عبدالرحمٰن بن معاویہ دمشق میں موجود نہ تھا بلکہ اپنی جاگیر کے گاؤں میں آیا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بنواُمیہ اور انکے ہمدرد لوگ کو چُن چُن کر قتل کیا جا رہا ہے تو وہ احتیاط کی نظر سے گاؤں کے باہر درختوں کے کنج میں خیمہ نصب کر کے رہنے لگا کیونکہ گاؤں پر اگر کوئی آفت آئے تو وہ خطرہ سے واقف ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر کرسکے۔ ایک روز وہ اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا کہ اُس کا تین چار سال کا لڑکا جو باہر کھیل رہا تھا خوف زدہ ہو کر خیمہ کے اندر آیا عبدالرحمٰن اُس کے خوف زدہ ہونیکا سبب معلوم کرنے کے لئے خیمہ سے باہر نکلا تو اُس نے دیکھا کہ عباسیوں کا سیاہ جھنڈا ہوا میں لہرا رہا اور اُسکی جانب آرہا ہے۔ تمام گاؤں میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ یہ دیکھکر کہ عباسی لشکر بنواُمیہ کے قتل کرنے کو پہونچ گیا ہے وہ اپنے بیٹے کو گود میں اُٹھا کر دریا کی طرف بھاگا۔ ابھی وہ دریا تک نہ پہونچنے پایا تھا کہ دشمنوں نے اُس کا تعاقب کیا اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ تم بھاگو مت ہم تم کو کوئی آزار نہ پہونچائیں گے اور ہر طرح تمہاری امداد و اعانت بجا لائیں گے۔ عبدالرحمٰن کے پیچھے پیچھے اُس کا بھائی بھی تھا عبدالرحمٰن نے دشمنوں کی ان باتوں کی جانب مطلق التفات نہ کیا اور دریا کے کنارے پہونچتے ہی دریا میں کود پڑا عبدالرحمٰن کا بھائی دشمنوں کی تشفی آمیز باتوں سے فریب کھا کر دریا کے کنارے کھڑا ہو کر اور رُک کر کچھ سوچنے اور پیچھے کو دیکھنے لگا دشمنوں نے فوراً پہونچتے ہی اُس کا سر تلوار سے اُڑا دیا۔ عبدالرحمٰن نے مطلق پس و پیش نہ کیا اور دریا میں تیرتا ہوا اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر پہونچ گیا۔ دشمنوں نے دریا میں تیرنے کی جُرأت نہ کی بلکہ اسی کنارے پر کھڑے ہوئے تماشہ

دیکھتے رہے۔ عبدالرحمٰن یہاں سے چھپتا چھپاتا چل کھڑا ہوا۔ کبھی کسی گاؤں میں مسافر بن کر ٹھہر جاتا
کبھی جنگل میں کسی درخت کے نیچے پڑا رہتا۔ غرض بھیس بدلے اور بیٹے کو لئے ہوئے بڑی بڑی منزلیں
طے کرتا ہوا فلسطین کے علاقہ میں پہونچگیا وہاں اُس کو اتفاقاً اُس کے باپ کا غلام بدر نامی ملگیا۔ وہ بھی
اسی حالت میں اپنی جان بچاتا اور چھپتا ہوا مصر کی طرف جارہا تھا۔ بدر کے پاس عبدالرحمٰن کی ہمشیرہ کے
کچھ زیورات اور روپیہ بھی تھا جو اُس نے عبدالرحمٰن کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح عبدالرحمٰن کی
عسرت اور خرچ کی تکلیف رفع ہو گئی اب اُس نے اپنا بھیس بدلکر اور معمولی سوداگروں کی حالت بنا کر
بدر کی معیت میں سفر شروع کیا۔ مصر میں پہونچکر بنو امیہ کے ہمدردوں سے ملاقات کی یہاں کے چند روزہ
قیام کے بعد افریقیہ کا قصد کیا۔ گورنر افریقیہ کو عبدالرحمٰن کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ عزت و محبت
کے ساتھ پیش آیا لیکن اُس کو چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنیکی
فکر میں مصروف رہے اُدھر اُس نے عباسیوں کی خلافت کے مستحکم ہوجانے کا حال سنا اور عبدالرحمٰن کو
گرفتار کر کے عباسی خلیفہ سفاح کے پاس بھیجدینے کا ارادہ کیا۔ عبدالرحمٰن کو عین وقت پر اسکی اطلاع ہوگئی
اور وہ اپنے غلام بدر اور اپنے بیٹے کو لے کر فوراً روپوش ادبھر وہاں سے فرار ہوا۔ گورنر افریقہ نے
عبدالرحمٰن کی گرفتاری کے لئے ایک گراں سنگ انعام مشتہر کیا۔ جابجا عبدالرحمٰن کی تلاش شروع ہوگئی
لہذا عبدالرحمٰن کو اپنی جان بچانے کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ وہ کئی کئی روز تک بھوکا
رہا صحرا کے گوشوں میں ہفتوں اور مہینوں روپوش رہنا پڑا۔ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن نے کسی بربری
عورت کی کٹی میں پناہ لی اور گرفتار کرنیوالے متلاشی پہونچے تو بوڑھی عورت نے ایک کونے میں
عبدالرحمٰن کو بٹھا کر اُس کے اوپر اپنے بہت سے کپڑے ڈالدیئے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کونے میں
پورانے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اس طرح متلاشی لوگ دیکھ بھال کر چلے گئے۔ نوبت یہانتک پہونچگئی
کہ کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا دستیاب ہونا دشوار ہوگیا غرض اسی پریشانی اور تباہ حالی میں چار
پانچ سال تک عبدالرحمٰن افریقہ میں رہا آخر وہ بربری قوم کے قبیلہ زناتہ کی ایک شاخ بنو نفوسہ میں
پہونچا ان لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن کی ماں ہمارے ہی قبیلہ کی ایک عورت تھی تو انہوں نے
عبدالرحمٰن کو مثل اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں کے اپنے یہاں مہمان رکھا اور اُس کو اطمینان دلایا
کہ ہم تمہاری ہر طرح اعانت و حفاظت کے لئے تیار ہیں۔ عبدالرحمٰن نے سبطہ میں جہاں قبیلہ بنو نفوسہ
کی آبادی زیادہ تھی قیام کیا۔ اس چار پانچ سال کے تجربے سے عبدالرحمٰن کو معلوم ہوگیا تھا کہ گورنر
افریقہ سے ملک افریقہ کا چھیننا اور یہاں کوئی حکومت قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ سبطہ میں آکر اُس کو
اندلس کے حالات سے زیادہ واقفیت حاصل ہوئی کیونکہ یہ مقام جزیرہ نمائے اندلس سے بہت ہی
قریب اور قوی تعلقات رکھتا تھا۔ جب عبدالرحمٰن کو یہ معلوم ہوا کہ اندلس میں بدامنی اور خانہ جنگی موجود
ہے اور وہاں کا حاکم یوسف باغیوں کی سرکوبی میں مصروف و پریشان ہے تو اُسکی اولوالعزم طبیعت
اور ہمت بلند میں ایک تحریک پیدا ہوئی اُس نے فوراً اپنے غلام بدر کو اندلس روانہ کیا اور اُن لوگوں
کے نام جو خلافت بنو امیہ میں سرداری اور عزت کا مرتبہ رکھتے اور بنو امیہ کے ہمدرد تھے خطوط لکھکر
دیئے۔ بدر نے اندلس میں پہونچکر ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کیساتھ
ان لوگوں کو اپنی خواہش کی موافق آمادہ کرلیا ابو عثمان نے شامی اور عربی سرداروں کو جمع کر کے یہ مسئلہ

اُن کے سامنے پیش کیا اور وہ سب شہزادہ عبدالرحمٰن کو اندلس بلانے اور اُس کی مدد کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے بدر کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اپنے گیارہ آدمیوں کے ہمراہ ایک کرایہ کا جہاز لیکر سبطہ کیجانب روانہ کیا کہ شہزادہ عبدالرحمٰن کو ہماری طرف سے اطمینان دلاؤ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں لے آؤ یہ بھی ایک خوش قسمتی کی بات تھی کہ یہ لوگ جو بنو اُمیہ کے ہمدرد ہو سکتے تھے زیادہ تر اندلس کے جنوبی و مشرقی ساحل کے قریب آباد تھے اس لئے عبدالرحمٰن کو اندلس پہونچنے میں اور بھی آسانی ہوئی۔ اندلس سے آنیوالا یہ جہاز جس میں بدر معہ اندلس کے آدمیوں کے آرہا تھا جب ساحل سبطہ کے قریب پہونچا ہے تو اُس وقت عبدالرحمٰن نماز پڑھ رہا تھا یہ لوگ جہاز سے اُتر کر بدر کی رہبری میں عبدالرحمٰن کے سامنے گئے سب سے پہلے اندلس کے گیارہ آدمیوں کے امیر وفد ابو غالب التمام نے آگے بڑھکر عبدالرحمٰن کو سلام کیا اور کہا کہ اہل اندلس آپ کے منتظر ہیں۔ عبدالرحمٰن نے اُس کا نام دریافت کیا جب نام سُنا تو عبدالرحمٰن خوش ہو گیا اور جوش مُسرت میں بے اختیار کہہ اُٹھا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہونگے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے مطلق تامل نہیں کیا فوراً جہاز میں سوار ہو گیا اپنے چند جان نثاروں کو جو سبطہ میں موجود اور اُس سے محبت و ہمدردی کا تعلق رکھتے تھے ہمراہ لیا اور اندلس کے ساحل پر جا اُترا وہاں پہلے سے ہزارہا لوگ استقبال کے لئے موجود تھے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ عبدالرحمٰن کے اندلس میں پہونچتے ہی ہوا خواہان بنی اُمیہ اور اہل شام سُن سُن کر دوڑے اور عبدالرحمٰن کی اطاعت و فرمانبرداری کے حلف اُٹھائے۔ اسکے بعد اردگرد کے شہروں اور قصبوں پر قبضہ شروع ہوا۔ موسم برسات کے آجانے کے سبب یوسف جلد قرطبہ کی طرف نہ آسکا اس لئے عبدالرحمٰن کو یوسف کی فیصلہ کن جنگ کے لئے سات مہینے کی مہلت مل گئی آخر عید اضحیٰ کے روز لڑائی ہوئی اور دارالسلطنت قرطبہ پر عبدالرحمٰن کا قبضہ ہوا۔ جب اس لڑائی میں فتح حاصل ہوئی تو یمنی لوگوں کے ایک سردار ابو الصباح نامی نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یوسف سے ہم بدلہ لیچکے ہیں اب موقع ہے کہ اس آدمی نوجوان یعنی عبدالرحمٰن کو قتل کر دو اور بجائے اس کے کہ یہاں امویوں کی حکومت قائم ہو اپنی قوم کی حکومت قائم کرو مگر چونکہ عبدالرحمٰن کے لشکر میں شامیوں اور بربریوں کی تعداد کافی تھی اس لئے یہ یمنی لوگ کوئی مخالفت یا بغاوت نہ کر سکے اور خاموش ہو کر خفیہ طور پر عبدالرحمٰن کی ذات پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ اتفاق سے عبدالرحمٰن کو بھی ان لوگوں کے ارادے کا حال معلوم ہو گیا۔ اُس نے صرف یہ کیا کہ اپنا ایک باڈی گارڈ یعنی محافظ دستہ قائم کر لیا اور بظاہر چشم پوشی اور درگذر سے کام لیا اور مہینے کے بعد ابو الصباح کو اُس کی کسی غلطی کی سزا میں قتل کرا دیا۔ عبدالرحمٰن بن اُمیہ چونکہ نو عمر اور اس ملک میں ایک اجنبی شخص تھا لہذا یہاں کے اُمرا۔ یہاں کے عمال۔ یہاں کی رعایا۔ یہاں کے قبائل اور ان کی خصوصیات سے اُس کو پوری پوری واقفیت اور آگاہی نہ تھی۔ عبدالرحمٰن کی حکومت کے شروع ہوتے ہی حکومت و سرداری کے عہدوں پر جو لوگ مقرر و مامور ہوئے اُن میں بعض ایسے بھی تھے جو اہل اندلس کی ناراضی کا باعث ہوئے۔ بعض ایسے اشخاص تھے جن کو توقع تھی کہ ہم کو بڑے بڑے عہدے ملیں گے لیکن ان کو اُن کی توقع کے موافق وہ عہدے نہیں ملے۔ اس طرح ایک بڑی تعداد ملک میں ایسی پیدا ہو گئی جو عبدالرحمٰن کی حکومت سے بھی کبیدہ خاطر اور ملول ہوئی۔ علاوہ ازیں یوسف فہری سابق امیر اندلس اور ضمیل بن حاتم کے دوست احباب اور متعلقین تو ناخوش تھے ہی۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ اگرچہ کسی گروہ اور کسی فریق سے خصوصی تعلق نہ رکھتا تھا اور وہ سب سے یکساں برتاؤ کرنا چاہتا تھا مگر جو حالات پہلے سے اندلس میں رونما تھے

اُن کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمٰن کو اپنی حکومت کے شروع میں بغاوتوں اور سرکشیوں کا مقابلہ کرنا پڑا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یوسف فہری سابق امیر اندلس معاہدہ کی موافق قرطبہ میں مقیم یا یوں کہئے کہ نظر بند تھا۔ قرطبہ پر قابض ہونیکے بعد عبدالرحمٰن کو دو سال تک ملک کے صوبوں پر تسلط قائم کرنے اور سرکشوں کو اطاعت پر مجبور کرنے میں صرف کرنے پڑے اسی دوران میں عبدالرحمٰن کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے ہمقوموں کو جہاں کہیں وہ بنو عباس کی تلوار سے بچ گئے ہوں اپنے پاس بلوائے اور بربریوں کی ایک فوج مرتب کرے جن سے حمایت وہمدردی کی اُس کو توقع تھی۔ خاندان بنو اُمیہ کا ایک شخص عبدالملک بن عمر بن مروان بن حکم اور اُس کا بیٹا عمر بن عبدالملک عباسیوں کی تلوار سے بچے ہوئے ابھی تک مصر میں موجود تھے اُنہوں نے جب عبدالرحمٰن کے اندلس پر قابض ہونے کا حال سُنا تو مصر سے روانہ ہوئے اور بنو اُمیہ کے دنٗس اور آدمی بھی جو اِدھر اُدھر چھپے ہوتے تھے اُن کے ساتھ شامل ہوگئے اس طرح یہ بارہ آدمیوں کا قافلہ اندلس میں عبدالرحمٰن کے پاس پہونچگیا۔ عبدالرحمٰن اپنے ان رشتہ داروں کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ عبدالملک بن عمر کو اشبیلیہ کی اور عمر بن عبدالملک کو مورور کی حکومت پر مامور کیا۔ اس اجنبی مُلک میں عبدالرحمٰن بالکل تنہا تھا اور مسلمانانِ اندلس کے مختلف فرقوں اور گروہوں سے اُس کو یہ توقع نہ تھی کہ وہ سب کے سب عباسیوں کی مخالفت پر آمادہ ہو سکتے ہیں اس لئے اُس نے اوّل اوّل اپنے آپ کو اُسی طرح ایک امیر اندلس کی حیثیت میں رکھا جیسا کہ اُس سے پہلے بھی اندلس کے امیر ہوتے رہے تھے خطبہ میں وہ خلیفہ عباسی ہی کا نام لیتا تھا حالانکہ دل سے وہ عباسیوں کا دشمن تھا اور اُن کو اپنا دشمن جانتا تھا۔ ان ہم قوم اور ہم قبیلہ بلکہ قریبی رشتہ داروں کو اُس نے اپنے لئے بہت ہی غنیمت سمجھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے جو وہ بلا تامل دے سکتا تھا دیئے۔ اندلس کے اندر عبدالرحمٰن کی حکومت قائم ہونیکے بعد ہی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو چکے تھے جو بدل عبدالرحمٰن کی حکومت سے خوش نہ تھے۔ اب جبکہ عبدالرحمٰن نے ۱۴۱ھ میں عبدالملک اور اُس کے بیٹے عمر کو اشبیلیہ وغیرہ کی حکومت عطا کی تو ان لوگوں کو آزادانہ اور پہلے سے زیادہ چہ میگوئیوں کا موقع مل گیا اور غدر وبغاوت کی تحریک جلد جلد نشو ونما پاکر خطرناک صورت اختیار کرگئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یوسف بن عبدالرحمٰن سابق امیر اندلس کو لوگوں نے اُبھارا وہ قرطبہ سے چھپ کر بھاگ نکلا مگر اُس کے دونوں بیٹے ابوزید عبدالرحمٰن اور ابوالاسود قرطبہ سے نہ نکل سکے وہ قرطبہ ہی میں رہ گئے۔ ضمیل بن حاتم یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کا وزیر بھی قرطبہ سے نہ نکل سکا تینوں نظر بند اور قید کرلئے گئے۔ یوسف فہری قرطبہ سے بھاگ کر طلیطلہ پہونچا قرارداد کی موافق ہر طرف سے لوگ آ آکر اُس کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے اور بہت جلد بیس ہزار آدمیوں کا لشکر اُس کے جھنڈے کے نیچے طلیطلہ میں مرتب ہوگیا۔ یوسف بن عبدالرحمٰن اس لشکر کو لیکر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا اور عبدالملک بن عمر کا محاصرہ کرلیا عبدالملک مدافعت پر آمادہ ہوگیا۔ یوسف نے اشبیلیہ کی فتح میں زیادہ وقت صرف کرنا مناسب نہ سمجھکر محاصرہ اُٹھالیا اور قرطبہ کی جانب روانہ ہوا ادھر عبدالملک کا بیٹا عمر اپنے باپ کے محصور ہونے کی خبر سُنکر اشبیلیہ کی جانب روانہ ہوگیا تھا دونوں باپ بیٹوں نے مل کر یوسف بن عبدالرحمٰن کی فوج کا تعاقب کیا ادھر امیر عبدالرحمٰن کو جب یہ معلوم ہوا کہ یوسف بیس ہزار فوج لئے ہوئے قرطبہ کی جانب آرہا ہے تو وہ قرطبہ سے نکلکر خود یوسف کی طرف بڑھا راستے میں مقابلہ ہوا سامنے سے عبدالرحمٰن نے حملہ کیا پیچھے سے عبدالملک اور عمر آگئے یوسف کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور یوسف شکست کھاکر بے سرو سامانی کے ساتھ طلیطلہ کی جانب

بھاگا۔ طلیطلہ کے قریب پہونچا تھا کہ اُس کی فوج کے یمنی لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر یوسف کو ہم قتل کر دیں اور اس کا سر امیر عبدالرحمٰن کے پاس لیجائیں تو وہ اس خدمت کے صلے میں ہم سے خوش ہوجائیگا اور ہماری اس خطا کو کہ ہم نے بغاوت میں شرکت کی ہے معاف کر دیگا چنانچہ یمنیوں نے یوسف کو طلیطلہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا اور اُس کا سر لے کر عبدالرحمٰن کی خدمت میں پہونچ گئے یوسف فہری بڑا بہادر اور نامور سپہ سالار تھا وہ اندلس کا امیر رہ چکا تھا اُس میں سخاوت و مروت کا مادہ بھی بہت تھا مگر لوگوں کے دھوکا دینے سے دھوکا کھا جاتا تھا اس مرتبہ بھی یوسف نے فریب کھایا اور لوگوں کی باتوں میں آکر اس طرح اپنی جان کو گنوایا۔ اس تلخ تجربہ کے بعد امیر عبدالرحمٰن کے لئے یہ جائز ہوگیا تھا کہ وہ صمیل بن حاتم اور یوسف کے بیٹوں کو قتل کرا دے چنانچہ ابن حاتم اور ابوزید بن یوسف تو قتل کئے گئے مگر ابوالاسود کو بوجہ اس کے کہ اُس کی عمر تھوڑی تھی قرطبہ کے متصل ایک پہاڑی قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ فتنۂ یوسف کے فرو ہوجانے کے بعد باغیوں اور سرکشوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور بظاہر امیر عبدالرحمٰن کا تسلط پورے طور پر قائم ہوگیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے فہری خاندان کے سرکشوں کی لاشوں کو جو اس بغاوت میں مقتول ہوئے تھے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے قرطبہ کے باہر صلیب پر لٹکوادیا تھا۔ بظاہر تو لوگوں پر ہیبت طاری ہوئی لیکن اندر ہی اندر فہریوں کی ہمدردی کا جذبہ بھی ترقی کرتا رہا۔ ابوالاسود بن یوسف فہری جو قرطبہ کے باہر ایک قلعہ میں قید تھا اُس نے ایک عرصہ کے بعد اپنے آپ کو نابینا ظاہر کیا اور کہا کہ میری بصارت جاتی رہی ہے۔ محافظوں نے اُس کو اندھا سمجھکر نگرانی میں احتیاط برتنی ترک کر دی وہ صبح کو قلعہ سے باہر ندی کے کنارے پیشاب پاخانے کے لئے لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا اور وہاں سے فارغ ہوکر کہتا کہ کوئی خدا کا بندہ اندھے کو رستہ بتا دے اور قلعہ تک پہونچا دے اُسی وقت اُس طرف بہت سے فوج کے سپاہی بھی حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے لئے جایا کرتے تھے اُن میں سے کوئی شخص اس مصنوعی اندھے کا ہاتھ پکڑ کر قلعہ کے دروازے تک پہونچا دیا کرتا تھا۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی نگرانی کرنے والے بالکل بے فکر اور مطمئن ہوگئے کہ یہ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا ابوالاسود کے پاس اُس کا ایک غلام ندی کے کنارے آنے لگا اُس کی معرفت ابوالاسود نے اپنے ہمدردوں کو سلام پیام بھیجنے شروع کر دیئے اور ایک روز گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر ۱۶۴ھ میں اس قید سے آزاد ہوکر نکل بھاگا۔ اس کا ذکر آگے انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا یوسف فہری سے فارغ ہوکر امیر عبدالرحمٰن نے ملک کے اندرونی انتظام کی طرف توجہ کی اور ہر قسم کی شاہانہ علامات فراہم کرنے کے بعد ۱۴۶ھ اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے عباسی خلیفہ کا نام خطبہ سے خارج کر دیا عباسیوں کی خلافت مشرق میں ابھی نئی نئی قائم ہوئی تھی اور وہ ابھی تک مشرق کے جھگڑوں اور فتنوں سے پورے طور پر فارغ و مطمئن نہ ہوئے تھے اس لئے عبدالرحمٰن کے اندلس پر قابض و متصرف ہونے کا حال سُن کر وہ رنجیدہ تو ضرور ہوئے لیکن اس قدر دور و دراز علاقے میں وہ کوئی مہم نہیں بھیج سکے اور یہ سمجھکر کہ عبدالرحمٰن کا اندلس سے بیدخل کرنا آسان کام نہیں ہے اسی کو غنیمت سمجھتے رہے کہ ہمارے نام کا خطبہ وہاں پڑھا جاتا ہے۔ اب جبکہ یہ معلوم ہوا کہ امیر عبدالرحمٰن نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے خطبہ سے خلیفہ کا نام خارج کر دیا ہے تو عباسی خلیفہ منصور کو سخت صدمہ ہوا اُس نے علاء بن مغیث یحصبی سپہ سالار افریقہ کو ایک خط لکھا اور ایک سیاہ جھنڈا بھی اُس کے پاس بھیجا کہ وہ فوج لے کر اندلس پر چڑھائی کرے۔ چنانچہ علاء بن مغیث نے افریقہ سے اندلس کا قصد کیا

اُدھر اندلس میں یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کا ایک رشتہ دار ہاشم بن عبد ربہ فہری جو شہر طلیطلہ کا رئیس سمجھا جاتا تھا فہریوں کی اس تباہی سے بیحد افسردہ خاطر تھا اُس نے بہت سے بربریوں کو جو اُس کے قریب آباد تھے لالچ دیکر اپنے ساتھ شریک کر لیا اور وہ لوگ جو فہریوں کی عبرتناک تباہی سے زیادہ متاثر تھے خود بخود آ آکر ہاشم کے پاس جمع ہونے لگے۔ ہاشم الفہری نے علاء بن مغیث کے پاس افریقہ میں پیغام بھیجا کہ آپ فوراً اندلس پر حملہ کریں ادھر ہم پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ پر نکلتے ہیں۔ اس پیام نے علاء بن مغیث کے حوصلے اور بھی بلند کر دیئے۔ عبدالرحمٰن افریقہ کی جانب سے ہونے والے حملہ کی مطلق اطلاع نہ رکھتا تھا سنہ ۱۴۶ھ میں ہاشم نے علم بغاوت بلند کیا اور شمالی اندلس پر قابض و متصرف ہو کر طلیطلہ کو خوب مضبوط کر لیا۔ امیر عبدالرحمٰن قرطبہ سے فوج لے کر اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا اور جا کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ طلیطلہ کے باغیوں نے خوب مستعدی سے مقابلہ کیا اس محاصرہ نے کئی مہینے تک طول کھینچا اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ادھر علاء بن مغیث اپنی فوجوں کو لیکر براہ دریا علاقہ باجہ میں آ اترا اُس کے پاس خلیفہ منصور عباسی کا بھیجا ہوا سیاہ جھنڈا اور فرمان موجود تھا۔ رعایائے اندلس علاء بن مغیث کو خلیفۃ المسلمین کا قائمقام سمجھ کر اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے اور عبدالرحمٰن کو باغی سمجھنے لگی امیر عبدالرحمٰن نے جب یہ خبر سُنی تو سخت پریشان ہوا۔ یہ نہایت ہی نازک موقع تھا کیونکہ شمالی اندلس کے باغی ابھی تک قابو میں نہ آئے تھے کہ جنوبی اندلس میں ایک ایسا طاقتور دشمن داخل ہو گیا اور رعایا اُس کی طرف متوجہ ہونے لگی۔ امیر عبدالرحمٰن نے طلیطلہ سے محاصرہ اُٹھایا اور نوارد دشمن کی طرف متوجہ ہوا۔ اشبیلیہ کے قریب مقام قرمونہ میں پہونچا تھا کہ علاء بن مغیث اپنی افواج جرار لئے ہوئے مقابلہ پر آ پہونچا۔ علاء کے قریب پہونچنے پر خود عبدالرحمٰن کی فوج کے بہت سے آدمی علاء بن مغیث کی فوج میں جا کر شامل ہو گئے اُدھر باغیان طلیطلہ نے محاصرہ سے آزاد ہوتے ہی علاء بن مغیث کی فوج میں شامل ہونے کے لئے ایک حصہ فوج بھیجدیا اور اس طرح اپنی ہوا خواہی کا یقین دلایا عبدالرحمٰن کو مجبوراً قلعہ قرمونہ میں محصور ہونا پڑا۔ علاء بن مغیث نے قرمونہ کا محاصرہ کر لیا اور اپنی فوج کے دستوں کو لوٹ مار کے لئے اِدھر اُدھر بھیجنا شروع کر دیا۔ اندلس کے بربری اور دوسرے لوگ یہ رنگ دیکھ کر لوٹ مار پر جا بجا پل پڑے تمام ملک اندلس میں قتل و غارت اور بدامنی کا ہنگامہ برپا ہو گیا امیر عبدالرحمٰن دو مہینے تک قلعہ قرمونہ میں محصور رہا۔ سامان رسد کے ختم ہو جانے سے لوگ بھوک کے مارے مرنے لگے اور کشود کار کی کوئی صورت باقی نہ رہی اس حالت یاس و نا اُمیدی میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم لوگ بجائے اس کے کہ بھوک کی شدت سے مریں یا زندہ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں لڑ کر مر جائیں اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیں چنانچہ اُسی وقت ایک بڑا الاؤ آگ کا روشن کر کے سات سو آدمیوں نے اپنی تلواروں کے میان اُسمیں ڈال کر جلا دیئے جو اس بات کی علامت تھی کہ دشمن سے لڑتے لڑتے مر جائیں گے یا فتح حاصل کرینگے اس کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول کر یکایک دشمن پر جا پڑے۔ محاصر فوج دو مہینے سے قلعہ کو گھیرے ہوئے پڑی تھی اُس کو یہ معلوم تھا کہ محصورین کی تعداد بہت قلیل ہے اس لئے وہ غافل اور بیفکر تھی یکایک ان سات سو بھوکے شیروں نے نکل کر اس طرح قتل کا بازار گرم کیا کہ محاصر دشمن اپنی سات ہزار لاشیں قلعہ کے سامنے چھوڑ کر میدان خالی کر گئے اور ذرا سی دیر میں ملک اندلس کی سلطنت جو امیر عبدالرحمٰن کے

قبضے سے نکل چکی تھی پھر اُس کے قبضے میں آگئی۔ اس موقع پر امیر عبدالرحمٰن نے منصور عباسی کے ساتھ عجیب قسم کی دل لگی کی یعنی علاء بن مغیث اور لشکر عباسی کے تمام بڑے بڑے سرداروں کے سر کاٹ کر ہر ایک کے کان میں سوراخ کر کے ایک ایک پرچہ باندھ دیا جس میں اُس سردار کا نام مع عہدہ درج تھا۔ پھر ان سروں کو کئی صندوقوں میں بڑی احتیاط کے ساتھ بند کرا کر حاجیوں کے قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا اس طرح یہ صندوق مکہ معظمہ پہونچے اور وہاں سے ایک حجازی نے ان کو خلیفہ منصور کی خدمت میں پیش کر دیا خلیفہ منصور نے جب ان صندوقوں کو کھولا تو جس صندوق میں علاء بن مغیث کا سر تھا اُسی میں وہ خط بھی تھا جو منصور نے علاء بن مغیث کے نام اندلس پر حملہ کرنے کے لئے لکھا تھا ساتھ ہی اُس سیاہ علم کے پُرزے اور دھجیاں بھی تھیں جو منصور نے ابن مغیث کے پاس بھیجا تھا منصور نے اِن سروں کو دیکھا اور صرف یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے اور عبدالرحمٰن کے درمیان سمندر حائل ہے پھر ایک روز کہا کہ مجھ کو عبدالرحمٰن کی جرأت۔ دانائی اور حسن تدبیر پر حیرت ہے کہ اُس نے کس بے سروسامانی کے عالم میں اتنے دور و دراز اور دشوار گذار ملک میں جا کر اپنی حکومت و سلطنت قائم کر لی جنگ قرمونہ ۱۴۶ھ کے آخری حصہ میں ہوئی۔

فتح قرمونہ کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے اپنے خادم بدر اور تمام بن عقلمہ کو فوج دیکر طلیطلہ کی جانب روانہ کیا ان دونوں سرداروں نے جا کر طلیطلہ کا محاصرہ کیا اور امیر عبدالرحمٰن قرمونہ سے قرطبہ کی جانب آیا۔ ایک سخت اور خونریز جنگ کے بعد بدر اور تمام کو باغیان طلیطلہ پر فتح مبین حاصل ہوئی۔ ہشام بن عبدربہ فہری۔ حیوۃ بن ولید یحصبی۔ عثمان بن حمزہ بن عبیداللہ بن عمر بن خطاب وغیرہ باغیوں کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے۔ ان سرداروں کو لیکر جب بدر اور تمام قرطبہ کے قریب پہونچے تو شہر سے باہر ہی ان باغی سرداروں کو سر و ریش مونڈا کر اور ذلت کے ساتھ گدھوں پر سوار کرا کر شہر کے اندر لیگئے جہاں امیر عبدالرحمٰن کے حکم سے اُن کو قتل کر دیا گیا۔

علاء بن مغیث کے ساتھ بہت سے یمنی قبائل شامل ہو گئے تھے اور اُن میں سے اکثر آدمی جنگ قرمونہ میں عبدالرحمٰن اور اُس کے ہمراہیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوتے تھے یمنی لوگوں کو اپنے ان مقتولین کا قصاص لینے کی خواہش تھی چنانچہ اسی سال یعنی ۱۴۷ھ میں سعید یحصبی نے جو مطری کے نام سے مشہور تھا خروج کیا اور شہر لبلہ میں فوجیں فراہم کر کے اشبیلیہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ امیر عبدالرحمٰن یہ خبر پاکر قرطبہ سے فوج لے کر مطری کی سرکوبی کے لئے اشبیلیہ کی جانب روانہ ہوا۔ مطری نے اشبیلیہ کے ایک قلعہ میں قلعہ بند ہو کر مدافعت شروع کی اور عبدالرحمٰن نے اشبیلیہ کا محاصرہ کر لیا۔ عتاب بن علقمی شہر شدونہ میں تھا وہ مطری کے ساتھ اس بغاوت میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا چنانچہ مطری کے محصور ہونے کی خبر سنکر عتاب بن علقمی شدونہ سے فوج لے کر روانہ ہوا۔ . . . .

. . . . امیر عبدالرحمٰن نے یہ خبر سنکر اپنے خادم بدر کو ایک حصہ فوج دیکر روانہ کیا کہ عتاب کو مطری تک نہ پہونچنے دیا اور دونوں کے درمیان خود حائل رہا۔ ادھر سعید معروف بہ مطری مارا گیا۔ اہل قلعہ نے ایک شخص خلیفہ بن مروان کو اپنا سردار بنالیا مگر آخر مجبور ہو کر امن کی درخواست کی عبدالرحمٰن نے اس درخواست کو منظور کر کے قلعہ کو مسمار کرا دیا اور خود قرطبہ کی جانب واپس آیا اس کے بعد ہی علاقہ جیان میں عبداللہ بن خراشہ اسدی نے علم بغاوت بلند کیا اور امیر عبدالرحمٰن کے مقابلہ کو فوجیں جمع کیں امیر عبدالرحمٰن نے فوراً ایک فوج اس طرف روانہ کی۔ عبداللہ کے ہمراہیوں نے یہ سنکر کہ عبدالرحمٰن کی

فوج آرہی ہے عبداللہ کا ساتھ چھوڑ دیا عبداللہ اسدی نے امیر عبدالرحمٰن سے معافی کی درخواست کی امیر نے اُس کو معافی دیدی۔ ۱۵۰ھ میں غیاث بن میسر اسدی نے علم بغاوت بلند کیا۔ ولایت باجہ کے عامل نے فوجیں فراہم کر کے اُس کا مقابلہ کیا معرکہ کارزار میں غیاث مارا گیا اُس کی فوج شکست کھا کر منتشر ہو گئی۔ عامل باجہ نے غیاث کا سر کاٹ کر بشارت نامہ کے ساتھ امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں بھیجدیا۔ اسی سال یعنی ۱۵۰ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے شہر قرطبہ کی شہر پناہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

۱۵۱ھ میں ایک شخص شقنہ بن عبدالواحد نے جو بربر کے قبیلہ مکناسہ سے تعلق رکھتا تھا اور تعلیم یافتہ ہونیکی وجہ سے معلمی کا پیشہ کرتا تھا یہ دعویٰ کیا کہ میں حضرت امام حسینؓ بن علیؓ کی اولاد سے ہوں اور میرا نام عبداللہ بن محمد ہے۔ اس شخص کو عباسیوں کی سازشی کارروائیوں اور کامیابیوں کا علم تھا نیز علویوں کے دعاۃ مکناسہ اور علاقہ بربر میں آتے رہتے تھے جن کا اس کو علم تھا لہٰذا اس نے اندلس کی حکومت کو درہم برہم کرنے کی جرأت و جسارت کی۔ اُس کی یہ اولوالعزمی کچھ زیادہ عجیب بھی نہ تھی کیونکہ بہت جلد بربریوں کی ضعیف الاعتقاد قوم اُس کے گرد جمع ہو گئی بربریوں کے علاوہ بعض اور لوگ بھی اُس کے معتقد ہو گئے۔

ابن عبدالواحد نے اپنی کرامت اور خرق عادت باتوں کا بھی ان لوگوں کو یقین دلا دیا۔ ایک مجمع کثیر جب اُس کے معتقدین کا فراہم ہو گیا تو اُس نے علم بغاوت بلند کیا اور اندلس کے مشرقی صوبہ بلنسیہ کے مقام شیطران پر قابض و متصرف ہو گیا۔ امیر عبدالرحمٰن یہ خبر سنکر اُس کی سرکوبی کے لئے قرطبہ سے روانہ ہوا۔ ابن عبدالواحد امیر عبدالرحمٰن کی آمد کا حال سُن کر اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑوں میں جا چھپا اور مقابلہ نہیں کیا امیر عبدالرحمٰن قرطبہ کی جانب واپس لوٹ آیا اور طلیطلہ کی حکومت پر حبیب بن عبدالملک کو مامور کر کے ابن عبدالواحد کی سرکوبی کی ہدایت کی۔ حبیب بن عبدالملک نے اپنی طرف سے سلیمان بن عثمان بن مروان بن عثمان بن ابان بن عثمانؓ بن عفان کو ابن عبدالواحد کی گرفتاری و سزادہی پر مامور کیا۔ سلیمان فوج لے کر ابن عبدالواحد کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ابن عبدالواحد نے مقابلہ کیا اور سلیمان کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ اور اطراف قورپر قابض و متصرف ہو گیا۔ یہ حالات سُن کر ۱۵۲ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے قرطبہ سے پھر کوچ کیا ابن عبدالواحد امیر کی خبر سُن کر فوراً پہاڑوں میں بھاگ گیا اور امیر عبدالرحمٰن پریشان ہو کر پھر واپس چلا آیا ۱۵۳ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے خادم بدر کو ایک فوج دیکر روانہ کیا بدر جب قلعہ شیطران کے قریب پہونچا تو ابن عبدالواحد شیطران کو خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ ۱۵۴ھ میں پھر امیر عبدالرحمٰن خود گیا مگر حسب سابق شقنہ بن عبدالواحد ہاتھ نہ آیا ۱۵۵ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے ابوعثمان عبیداللہ بن عثمان کو ایک زبردست فوج دیکر روانہ کیا لیکن اس مرتبہ بھی کوئی نتیجہ حسب مراد پیدا نہ ہوا بلکہ ابن عبدالواحد نے ابوعثمان کی فوج کے ایک بڑے حصے کو دھوکہ دیکر قتل کر ڈالا۔ اور کئی شہروں کو لوٹ لیا۔ مجبور ہو کر امیر عبدالرحمٰن ۱۵۶ھ میں پھر قرطبہ سے خود ہی فوج لے کر روانہ ہوا اور قرطبہ میں اپنے بیٹے سلیمان کو بجائے اپنے حاکم بنا گیا۔ جب قلعہ شیطران کے قریب پہونچا تو خبر پہونچی کہ یمنی قبائل اور اہل اشبیلیہ نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے مجبوراً امیر عبدالرحمٰن شیطران اور ابن عبدالواحد کو اُن کے حال پر چھوڑ کر اشبیلیہ کی طرف متوجہ ہوا اور عبدالملک بن عمر کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر اشبیلیہ پر حملہ کرے عبدالملک نے اشبیلیہ کے قریب پہونچکر اپنے بیٹے اُمیہ بن عبدالملک کو اہل اشبیلیہ پر شبخون

[illegible]

پاس واپس آیا عبدالملک نے واپسی کی وجہ پوچھی تو اُمیہ نے کہا کہ اہل اشبیلیہ ہوشیار تھے اور حملہ کرنے کا موقع نہ تھا عبدالملک نے کہا تو نے موت سے ڈر کر حملہ نہیں کیا تو بڑا بزدل ہے میں بزدل کو محبوب نہیں رکھتا یہ کہہ کر اُس نے اُسی وقت اپنے بیٹے اُمیہ کی گردن اُڑا دی اور اپنے ہمراہیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم جانتے ہو ہم لوگ کس طرح قتل کئے گئے اور اپنے وطن سے بے وطن ہوتے اتفاق سے اس قدر دور دراز فاصلہ پر زمین کا یہ ٹکڑا یعنی ملک اندلس ہمارے ہاتھ آ گیا ہے جو بمشکل ہماری گذران کے لئے کافی ہے بزدلی کے ساتھ اس کو بھی ہاتھ سے دینا اور ضائع کرنا کسی طرح شایاں نہیں ہے مناسب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو موت پر ترجیح نہ دیں اور بہادری کے ساتھ لڑ کر مارے جائیں۔ سب نے اس کی تائید کی اور مارنے مرنے کی قسمیں کھائیں۔ اشبیلیہ میں یمنی قبائل کی نہایت زبردست جمعیت اور پوری طاقت فراہم تھی اور یہ اُن کی طاقت و قوت کی گویا آخری نمائش تھی لہٰذا اشبیلیہ کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا عبدالملک بن عمر نے حملہ کیا اور اُس کی فوج نے اس حملہ میں متفقہ طور پر اُس کا ساتھ دیا بڑی خونریز جنگ ہوئی آخر اہل اشبیلیہ کو ہزیمت ہوئی عبدالملک کے جسم پر کئی زخم آئے مگر اُس نے دشمنوں کے قتل کرنے میں حیرت انگیز طور پر تیز دستی اور بہادری دکھائی لڑائی کے خاتمہ پر جب عبدالملک نے تلوار ہاتھ سے رکھنی چاہی تو اُس کی انگلیاں نہیں کھل سکیں اور تلوار ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ اسی حالت میں امیر عبدالرحمٰن بھی پہنچ گیا اس نے عبدالملک کے ہاتھ میں خون آلود تلوار دیکھ کر اور لڑائی کی روئداد سن کر کہا کہ بھائی عبدالملک میں اپنے لڑکے ہشام کی شادی آپ کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے عبدالملک بن عمر کو اپنا وزیر بنا لیا۔ یمنی قبائل یعنی اہل اشبیلیہ کے دو سردار عبدالغفار بن حامد حاکم شہر نبلہ اور حیوۃ بن ملامس حاکم اشبیلیہ اور عمرو حاکم بجہ اس معرکہ سے بچ کر فرار ہو گئے تھے انہوں نے پھر اپنے گرد عربی قبائل کو جمع کیا۔ ۱۵۷ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے ان پر حملہ کیا اور شکست دے کر ان کو اور ان کے ہوا خواہوں کو قتل کر ڈالا۔ ان واقعات سے امیر عبدالرحمٰن کو عرب قبائل کی طرف سے بڑی ہی بدگمانی اور بے اعتباری ہو گئی چنانچہ اُس نے عجمیوں اور غلاموں کو بھرتی کرنا شروع کیا تا کہ ان لوگوں یعنی عرب قبائل کی بغاوتوں اور سرکشیوں سے امن مل سکے۔ یہی مجبوریاں غالباً خلفائے عباسیہ کو بھی پیش آئی ہوں گی جن کی وجہ سے انہوں نے باوجود اس کے کہ وہ خود عرب تھے عربوں پر دوسری قوموں کو ترجیح دی اور عربوں کی غداری سے ہمیشہ ڈرتے ہی رہے۔ ۱۶۰ھ میں عبدالرحمٰن نے ایک لشکر ابن عبدالواحد کی طرف روانہ کیا اس لشکر نے جا کر قلعہ شیطران کا محاصرہ کیا اور ایک مہینے تک محاصرہ کئے رہنے کے بعد ناکام و نامراد واپس آیا۔ آخر ۱۶۲ھ میں ابن عبدالواحد قلعہ شیطران سے نکل کر علاقہ شنت بریہ کے ایک گاؤں میں آیا اُس کے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں ابومعین اور ابوحریم نے اس کو قتل کر ڈالا اور اُس کا سر لے کر امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس طرح اس فتنہ کا عرصہ دراز کے بعد خاتمہ ہوا۔

ابھی ابن عبدالواحد قتل نہ ہوا تھا کہ ۱۶۱ھ میں عبدالرحمٰن بن حبیب فہری معروف بہ صقلبی نے افریقہ میں فوجیں آراستہ کر کے اندلس پر قبضہ کرنے کے ارادے سے چڑھائی کی اور تدمیر کے میدان میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں اندلس کے بہت سے بربری آ کر اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن حبیب نے سلیمان بن یقظان والی برشلونہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم خلافت عباسیہ کی اطاعت قبول کر لو

ورنہ مجھ کو اپنے سر پر پہونچا ہوا سمجھو۔ سُلیمان نے انکار کیا اور عبدالرحمن بن حبیب نے سلیمان پر حملہ کیا مقابلہ ہوا اور سلیمان نے عبدالرحمن بن حبیب فہری کو شکست دیکر بھگا دیا۔ عبدالرحمن بن حبیب نے میدان تدمیر میں آکر دم لیا امیر عبدالرحمن بن معاویہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ قرطبہ سے فوج لے کر میدان تدمیر کی طرف روانہ ہوا۔ عبدالرحمن بن حبیب امیر عبدالرحمن کے آنیکی خبر سُن کر کوہ بنسیہ میں جاکر پناہ گزین ہوا۔ امیر عبدالرحمن بن معاویہ نے اشتہار دیدیا کہ جو شخص عبدالرحمن بن حبیب کا سر کاٹ کر لائیگا اُس کو اس قدر انعام دیا جائیگا۔ اس انعام کے مشتہر ہوتے ہی ایک بربری کی جو عبدالرحمن بن حبیب کے ہمراہیوں میں تھا نیت بگڑی اُس نے موقع پاکر عبدالرحمن بن حبیب کا سر کاٹ لیا اور امیر عبدالرحمن کی خدمت میں لاکر پیش کیا۔ پھر انعام وصول کرکے چل دیا۔ اس طرح ۱۶۲ھ میں عبدالرحمن بن حبیب کے مارے جانے پر اس مہم کا خاتمہ ہوگیا۔ اور امیر عبدالرحمن اطمینان سے اپنے دارالسلطنت قرطبہ کی طرف واپس آیا۔ چند ہی روز کے بعد ۱۶۲ھ میں دحیہ غسانی نے علاقہ البیرہ کے ایک قلعہ میں جا گزیں ہو کر علم بغاوت بلند کیا امیر عبدالرحمن نے شہید بن عیسٰی کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ شہید بن عیسٰی نے اس باغی سردار کو شکست دیکر قتل کر ڈالا۔ اس کے چند روز بعد بربریوں نے سر اُٹھایا اور ابراہیم بن شجرہ کی سرکردگی میں علم بغاوت بلند کیا امیر عبدالرحمن نے ابراہیم بن شجرہ کی سرکوبی پر بدر کو مامور کیا۔ بدر نے ابراہیم کو قتل کرکے بربریوں کی جمعیت کو منتشر کردیا۔ انہیں دنوں سلمٰی نامی ایک سپہ سالار نے قرطبہ سے فرار ہو کر طلیطلہ کا رخ کیا اور طلیطلہ پر قبضہ کرکے علم بغاوت بلند کیا۔ امیر عبدالرحمن نے حبیب بن عبدالملک کو سلمٰی کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حبیب نے جاکر طلیطلہ کا محاصرہ کیا اور عرصہ دراز تک یہ محاصرہ جاری رہا آخر سلمٰی کا بحالت محاصرہ انتقال ہوگیا اور اُس کے ہمراہی منتشر ہوگئے۔

اندلس کی ان پیہم اور مسلسل بغاوتوں کا کوئی خاص سبب ہم کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے جنہوں نے امیر عبدالرحمن کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اندلس میں کچھ اسی قسم کے لوگ جمع ہوگئے تھے اور اندلس کی تمام اسلامی آبادی کا مزاج کچھ ایسا واقع ہوا تھا کہ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے رقیب تھے اور ساتھ ہی کسی کے زیر حکومت رہنا نہیں چاہتے تھے۔ موجودہ حاکم چونکہ ایک غریب الوطن شخص تھا جس کے خاندان کی حکومت و عظمت مشرق میں تباہ ہوچکی تھی لہٰذا وہ امیر عبدالرحمن کی حکومت کو بھی دیر تک رکھنے کے خلاف تھے یہ تو وہ اسباب ہیں جن کا اس سے پہلے بھی ذکر ہوچکا ہے اور بالکل پیش پا افتادہ ہیں لیکن ان کے سوا ایک اور سبب خاص بھی ہے اور درحقیقت عبدالرحمن کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا اصلی سبب وہی ہے۔ عباسی خلفا جنہوں نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا تھا امیر عبدالرحمن سے بہت فاصلے پر تھے اُن کی حدود حکومت اور ملک اندلس کے درمیان سمندر حائل تھا۔ وہ عبدالرحمن کی حکومت اور طاقت کے حالات تو سنتے تھے لیکن دور دراز فاصلے پر اُس کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے عباسیوں نے دو مرتبہ فوج کشیاں بھی کرائیں اور دونوں مرتبہ اُن کے سپہ سالاروں کو موت کے گھاٹ اُترنا اور عباسی مہم کو ذلت کے ساتھ ناکام رہنا نصیب ہوا۔ علویوں کی سازشوں اور ممالک مشرقیہ کی پیچیدگیوں نے اُن کو فوجی مہم کے اور زیادہ تجربہ کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس معاملہ میں اُن کی ہمت پست ہوگئی لیکن اُنہوں نے عبدالرحمن بن معاویہ کی مخالفت میں اُسی سازشی طریقہ کو استعمال کیا جس کو وہ بنو امیہ کی بربادی اور خلافت دمشق کا تختہ اُلٹنے میں استعمال کرچکے تھے اُنہوں نے خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ

ملک اندلس کے عرب قبائل اور غدارانہ خصائل رکھنے والے بربریوں میں عباسیوں کی حمایت اور خلافت عباسیہ کی اعانت کرنے پر آمادہ کرنے کا اشاعتی سلسلہ جاری کیا۔ غیر معلوم اور غیر محسوس طریقہ پر عباسی مناد اندلس میں آنے جانے اور انواع واقسام طریقوں سے اپنا کام کرنے لگے۔ اس طرح اکثر عرب سردار اور بربری و مسلم امیر عبدالرحمٰن کی حکومت مٹانے اور عباسی خلیفہ کی نگاہ میں اپنی عزت بڑھانے کے لئے مستعد ہو گئے ان لوگوں نے بار بار بغاوتیں کیں اور خود ہی نقصانات اُٹھائے کیونکہ دربار بغداد سے کوئی فوجی امداد اندلس کے باغیوں کو نہیں بھیجی جا سکتی تھی۔ اندلس کے ان ناعاقبت اندیش باغیوں اور سرکش سرداروں نے ایک طرف امیر عبدالرحمٰن کو ملک کی بغاوتیں فرو کرنے کے کام میں اُلجھائے رکھا اور دوسری طرف ایسٹریاس کے عیسائیوں کو جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور جو جبل البرتات میں اپنی ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم کر چکے تھے اس وسیع فرصت میں اپنی طاقت بڑھانے اور دامن کوہ اور پہاڑ کے علاقے میں اپنے حدود حکومت وسیع کرنے کا موقع مل گیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جس سال عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اندلس میں قدم رکھا ہے اُسی سال اس عیسائی ریاست کے حاکم الفانسو کا انتقال ہو گیا تھا۔ الفانسو کی جگہ اُس کا بیٹا فرڈیلنڈ یا فرڈیلنڈ علی رائی ریاست کا حاکم بن گیا تھا فرڈیلنڈ نے اپنی ریاست کے حدود بڑھانے عیسائیوں کو اپنے گرد جمع کرنے اور اپنا ہمدرد بنانے اور آئندہ کے لئے ترقیات کے منصوبے سوچنے کا خوب موقع پایا۔ اُدھر جنوبی فرانس کا صوبہ جو مسلمانوں کے قبضے میں تھا اُس کی طرف متوجہ ہونے اور وہاں کے مسلمانوں کو امداد پہنچانے کا دربار قرطبہ کو موقع ہی نہیں ملا۔ کیونکہ اگر اُس طرف فوجیں بھیجی جاتیں اور فرانسیسیوں سے سلسلۂ جنگ شروع کر دیا جاتا تھا تو ملک اندلس کا بچانا امیر عبدالرحمٰن کے لئے محال تھا۔ اب جبکہ عباسیوں کے ہمدردوں نے آئے دن بغاوتیں شروع کر دیں تو فرانسیسیوں نے شہر ناربون پر حملہ کر کے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ چھ سال تک بلا امداد غیرے شہر ناربون کے مسلمانوں نے فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ جاری رکھا اور آخر نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس سال سے زیادہ جنوبی فرانس مسلمانوں کے قبضے میں رہنے کے بعد پھر فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ خلیفہ بغداد کے سپہ سالار عبدالرحمٰن بن حبیب کے مارے جانے کے بعد ملک اندلس میں جو لوگ عباسی سازش کے موئید ہمدرد تھے اُن میں حسین بن عاصی اور سلیمان بن یقظان خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں یہ دونوں سرقسطہ اور اُس کے نواح میں عامل وحکمران تھے شہر سرقسطہ جبل البرتات کے جنوبی دامن میں تھا ان دونوں نے خلیفہ مہدی عباسی سے خط وکتابت کی۔ خلیفہ مہدی بڑا نیک اور باتدبیر خلیفہ تھا مگر یہ انسانی فطرت کا تقاضا تھا کہ اُس کو بنو اُمیہ سے نفرت اور عبدالرحمٰن کے اندلس میں برسر اقتدار ہونے سے ملال تھا۔ دربار بغداد سے ان لوگوں کی ہمت افزائی ہوئی اور ان دونوں نے فرانس کے بادشاہ شارلیمین سے خط وکتابت کر کے اُس کو ملک اندلس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اور یہ بھی بتایا کہ خلیفۃ المسلمین مہدی عباسی جو تمام عالم اسلام کے دینی و دنیوی پیشوا ہیں اُن کا بھی یہی منشا ہے کہ عبدالرحمٰن اور اُس کی حکومت کو مٹا دیا جائے لہٰذا ہم اور اکثر مسلمانان اندلس آپ کے شریک حال اور ہر طرح معاون و مددگار ہوں گے۔ شارلیمین کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی زرین موقع اندلس کی فتح کا نہ ہو سکتا تھا اور اندلس کی فتح سے بڑھ کر کوئی دوسرا کارنامہ اُس کی شہرت وعظمت کے لئے ممکن نہ تھا مگر وہ صوبہ اربونیہ اور شہر ناربون کے مٹھی بھر بے یار ومددگار مسلمانوں کی ہمت واستقلال اور شجاعت و بہادری سے خوب واقف تھا اس لئے اُس نے اندلس پر حملہ کرنے میں عجلت وشتاب زدگی سے

کام نہیں لیا بلکہ اچھی طرح اپنی فوجی تیاریاں کیں اور ساتھ ہی اندلس کے ان باغیوں اور غداروں سے خط و
کتابت جاری رکھکر ہر قسم کی واقفیت بہم پہونچائی۔ اسی سلسلہ میں مناسب سمجھا گیا کہ اندلس کے سابق امیر
یوسف فہری کے بیٹے ابوالاسود کو جو قرطبہ کے متصل ایک قلعہ میں نظر بند ہے آزاد کرایا جائے تاکہ
اُس کی وجہ سے مسلمانانِ اندلس کی توجہ امیر عبدالرحمٰن کی مخالفت میں زیادہ کام آسکے۔ ابوالاسود کی
رہائی کا حال اوپر تحریر ہو چکا ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو نابینا ظاہر کر کے قید سے رہائی حاصل کی تھی۔
ابوالاسود بھی ۱۶۴ھ میں آزاد اور فرار ہو کر باغیان سرقسطہ میں جا کر شامل ہو گیا۔ اُدھر شاہ فرانس شارلیمین
لاکھوں کی تعداد میں فوج فراہم کر کے کیل کانٹے سے درست ہو گیا اور اپنی اس فوج کشی کا مقصد اندلس سے
مسلمانوں کا اخراج اور عیسائیوں کی حکومت کا قائم کرنا قرار دیا جس سے اُس کو ہر قسم کی امداد حاصل
ہو سکی اور عیسائیوں میں امیر عبدالرحمٰن کے خلاف بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ شارلیمین نے خود حملہ کرنے سے
پہلے باغیان سرقسطہ کو علم بغاوت بلند کرنے کی تحریک کی چنانچہ ۱۶۴ھ میں سرقسطہ میں مسلمانوں کی
افواج کثیرہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے لئے یہ سب سے زیادہ نازک اور خطرناک موقع تھا
کہ اُس کی بربادی کے لئے دربار بغداد کا اخلاقی اثر، مسلمانان اندلس کی عظیم ترین سازش و بغاوت اور
عیسائیوں کی عظیم الشان فوجی تیاریاں سب متحد و متفق تھیں اور عبدالرحمٰن اس خطرہ کی پوری پوری کیفیت سے
ناواقف و بے خبر تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ایک سپہ سالار ثعلبہ بن علبیہ کو سرقسطہ کے باغیوں کی
سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ متعدد لڑائیاں ہونے کے بعد ثعلبہ کو سلیمان بن یقظان نے گرفتار کر لیا
اور اس بات کے ثبوت میں کہ ہم کس قدر طاقتور اور کس قدر آپ کے ہوا خواہ ہیں ثعلبہ کو شارلیمین
کے پاس بھجوا دیا۔ ثعلبہ کی گرفتاری کے بعد اُس کی بقیۃ السیف فوج بھاگ کر قرطبہ میں عبدالرحمٰن کے
پاس پہونچی اور باغیوں کی قوت و طاقت سے اُس کو مطلع کیا۔ ثعلبہ کی گرفتاری کے بعد ہی شاہ فرانس
جو اپنی لاتعداد فوج لئے ہوئے جبل البرتات کے اُس طرف جنوبی فرانس میں پڑا ہوا تھا روانہ ہوا۔ فوج
اس قدر زیادہ تھی کہ جبل البرتات کے ایک درہ میں ہو کر نہیں گذر سکتی تھی لہٰذا اُس کے دو حصے کئے گئے
اور پہاڑ کے دو مختلف رستوں سے عبور کر کے شہر سرقسطہ کی فصیل کے نیچے دونوں طرف سے آکر جمع ہو گئی
اس عیسائی لشکر کی کثرت اور اندلس سے اسلامی اثر کے محو کر دینے کے ارادے کی شہرت جب سرقسطہ
کے مسلمانوں نے سنی تو انہوں نے سلیمان بن یقظان کو ملامت کی بالخصوص حسین بن عاصی نے بھی
اس انجام کو بہت ہی گراں محسوس کیا۔ اور شہر سرقسطہ کے دروازے بند کر لئے۔ شارلیمین کو جب یہ
محسوس ہوا کہ مسلمانان سرقسطہ میری امداد و اعانت میں پہلو تہی کریں گے اور امیر عبدالرحمٰن کے آنے پر ممکن ہے
کہ اُس کے ساتھ شامل ہو جائیں تو وہ سرقسطہ سے بلا نیل مرام فرانس کی جانب واپس ہوا۔ شارلیمین کے آنیکے
وقت الیسٹریاس کی عیسائی ریاست بھی اُس کی حامی و معاون بن گئی تھی اور ان پہاڑی عیسائیوں نے
شارلیمین کو عیسائیوں کا نجات دہندہ سمجھ کر اُس کی فوج کے گذارنے میں مدد کی تھی لیکن جب وہ خوف
زدہ ہو کر فرانس کی جانب واپس ہونے لگا تو ان پہاڑی عیسائیوں نے اُس کی فوج کے پچھلے حصے پر
چھاپے مارنے شروع کئے اور شمالی میدانوں میں پہونچنے تک اُس کے کئی مشہور و معروف سپہ سالاروں
اور فوج کے ایک بڑے حصے کو قتل کر دیا۔ گویا ان پہاڑی عیسائیوں نے جو پہاڑوں کے اندر خود مختارانہ
زندگی بسر کر رہے اور اپنی طاقت کو دمبدم بڑھا رہے تھے شارلیمین کو اس بات کی سزا دی کہ وہ کیوں

مسلمانوں سے ڈر کر واپس ہوا۔ جب شارلیمین واپس ہوا تو حسین بن عاصی نے سلیمان بن یقظان کو قتل کر کے خود سرقسطہ کی حکومت اور باغی افواج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے بعد ہی امیر عبدالرحمن بھی قرطبہ سے فوجیں لئے ہوئے سرقسطہ کے سامنے آ پہونچا اور فوراً سرقسطہ پر محاصرہ ڈال دیا۔ حسین بن عاصی نے اظہار اطاعت اور صلح کی درخواست کی امیر عبدالرحمن نے اُس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ سرقسطہ سے فارغ ہو کر امیر عبدالرحمن نے شاہ فرانس کے اندلس کی طرف آنے کے جواب میں فرانس کا قصد کیا اور پہاڑی دروں کو باسانی عبور کر کے فرانس کے میدان میں پہونچ گیا۔ اس موقع پر الیسٹر یاس والے عیسائی اپنے پہاڑوں کے گوشوں میں چھپے اور سمٹے ہوئے بیٹھے رہے اور انہوں نے اسی کو بہت غنیمت سمجھا کہ امیر عبدالرحمن ہماری طرف ملتفت ہی نہ ہو جیسا کہ پہلے بھی کوئی امیر ان کی طرف ملتفت نہ ہوا تھا۔ چونکہ اس مرتبہ ان پہاڑی عیسائیوں نے جن کو پہاڑی قزاق سمجھا جاتا تھا شارلیمین کا بہت سامان لوٹ لیا اور اُس کی فوج کو نقصان پہونچایا تھا اس لئے امیر عبدالرحمن نے ان کی طرف متوجہ ہونے یا ان کو نقصان پہونچانے کا مطلق خیال نہیں کیا بلکہ ان کے وجود کو جو اندلس کے شاہی لشکر کے لئے ابتک موجب تکلیف نہ ہوا تھا غنیمت سمجھا۔ فرانس کے میدانوں میں پہونچکر امیر عبدالرحمن نے فرانس کے نصف جنوبی حصے کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ بہت سے قلعوں کو مسمار کر ڈالا بہت سے شہروں کی شہر پناہیں ڈھادیں اور نہایت عجلت کے ساتھ بہت بڑے رقبے میں تاخت و تاراج کر کے واپس چلا آیا۔ شارلیمین فرانس کی شمالی حدود کی طرف بھاگ گیا تھا وہ اپنے مُلک کے اس جنوبی حصے کو حریف کی تاخت و تاراج سے مطلق نہ بچا سکا۔ امیر عبدالرحمن فرانس میں زیادہ دنوں نہیں ٹھہر سکتا تھا کیونکہ اُس کو اپنے مُلک کا حال معلوم تھا کہ وہاں بغاوت و سرکشی کا کس قدر سامان موجود ہے لہٰذا وہ فوراً ہی مُلک فرانس سے واپس چلا آیا اور قرطبہ میں پہونچکر مشکل سے چند مہینے گذرے ہونگے کہ ۱۶۵ھ میں سرقسطہ سے حسین بن عاصی کے باغی ہونیکی خبر آئی۔ عبدالرحمن نے غالب بن تمامہ بن علقمہ کو اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے روانہ کیا غالب اور حسین میں قریباً ایک سال تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا اور یہ ہنگامہ فرو نہ ہوا تب مجبوراً امیر عبدالرحمن نے ۱۶۶ھ میں خود قرطبہ سے سرقسطہ کی جانب کوچ کیا اور حسین بن عاصی کو گرفتار کر کے قتل کیا اور سرقسطہ کے باغیوں میں سے بہت سوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر بظاہر اس بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔ ان ہنگاموں میں جو کئی سال سے برپا تھے ابوالاسود بوجہ اپنی ناتجربہ کاری کے امارت و سرداری کا مرتبہ باغیوں میں حاصل نہ کر سکا تھا۔ وہ بچ بچا کر کہیں چھپ رہا اور سیاست شاہی سے محفوظ رہا۔ اگرچہ بظاہر باغی سرداروں میں سے اب کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جو علم بغاوت بلند کر سکتا اور عباسی سازشوں کو بھی پورے طور پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا تاہم وہ لوگ جن کے عزیز و اقارب جرم بغاوت اور عبدالرحمن کے مقابلے میں مقتول ہو چکے تھے اپنے سینوں کے اندر اپنے مقتول عزیزوں کی یاد اور عداوت کا جوش ضرور چھپائے ہوئے تھے۔ بعض واقعہ پسند لوگوں نے ابوالاسود کو جو مقام قسطلونہ میں روپوش تھا خروج پر آمادہ کیا اور ۱۶۸ھ میں اُس کے گرد اسی قسم کے ہنگامہ پسند لوگوں کا ایک جم غفیر فراہم ہو گیا۔ عبدالرحمن نے اُس کو وادی احمر میں شکست دیکر بھگا دیا اور وہ پہاڑوں میں جا چھپا ۱۶۹ھ میں ابوالاسود پھر میدان میں نکلا اور عبدالرحمن کے مقابلے میں چار ہزار ہمراہیوں کو قتل کرا کر بھاگ گیا۔ اگلے سال ۱۷۰ھ میں ابوالاسود فوت ہو گیا اور اُس کے ہمراہیوں نے جو لٹیرے اور

اور ڈاکہ زنوں کی حالت میں تھے اُس کے بھائی قاسم بن یوسف کو اپنا سردار بنایا اور بہت جلد ایک عظیم الشان فوج اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اُس پر چڑھائی کی اور سخت پریشانی اور معرکہ آرائی کے بعد قاسم بن یوسف کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ اسی سال یعنی ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید تخت نشین ہوا۔ شارلیمین نے امیر عبدالرحمٰن کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے امیر عبدالرحمٰن کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی اور اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کرنی چاہی امیر عبدالرحمٰن نے شارلیمین کی درخواست صلح کو تو منظور کر لیا مگر اُس کی بیٹی کو اپنی محلسرا میں داخل کرنے سے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ شارلیمین کی بیٹی حسن و جمال میں بے نظیر اور شہرۂ آفاق تھی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اُس کو اپنی بیوی بنانے سے غالباً اس لئے انکار کر دیا ہوگا کہ جس طرح شاہ لزریق کی بیوی ایجیلونا نے امیر عبدالعزیز کی حرم سرا میں داخل ہو کر حکومت اسلامیہ کو نقصان پہونچایا تھا کہیں یہ عیسائی شہزادی بھی حرم سرائے میں داخل ہو کر موجب خطر ثابت نہ ہو۔ امیر عبدالرحمٰن کی عمر بھی اب ۵۷ برس کے قریب تھی اس عمر میں نئی شادیاں کرنے کا شوق عبدالرحمٰن جیسے ملک گیر و ملک دار اور مصروف الاوقات سلطان کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ بعض مؤرخین کا یہ خیال بھی صحیح ہو کہ عبدالرحمٰن کی ران میں جنگ سرقسطہ کے موقع پر ایک ایسا زخم لگا تھا جس سے وہ عورت کی مقاربت کے قابل نہ رہا تھا۔ بہرحال عبدالرحمٰن نے شارلیمین کی خطا معاف کر دی اور اُس سے صلح کر لی۔ لیکن شارلیمین کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ خلیفۂ بغداد عبدالرحمٰن کا دشمن ہے اس لئے باوجود اس کے کہ اُس کو خلیفۂ بغداد سے کسی امداد کی توقع نہیں ہو سکتی تھی تاہم وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ خلیفۂ بغداد عبدالرحمٰن کے سر پر فوجی مہم بھیج سکتا ہے لہٰذا اُس نے بغداد کے نئے خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں ایک سفارت روانہ کر کے تعلقات پیدا کرنا چاہے ان دوستانہ تعلقات کے پیدا ہو جانے کی اُس کو اس لئے بھی توقع تھی کہ وہ اس سے پہلے ہارون الرشید کے باپ مہدی کی منشاء کے موافق ایک مرتبہ اندلس میں فوج لیکر جا چکا تھا اور اس بات کو جانتا تھا کہ ہارون الرشید ضرور میری دوستی کے لئے محبت کا ہاتھ بڑھائیگا چنانچہ شارلیمین کا خیال صحیح ثابت ہوا اور خلیفہ ہارون الرشید نے شارلیمین کے سفیروں کی بڑی آؤ بھگت کی اور ایک گھڑی شارلیمین کے پاس ہدیۃً بھجوائی۔ شارلیمین کے تعلقات اپنے پڑوسیوں یعنی یورپ کے عیسائی بادشاہوں سے زیادہ گہرے نہ تھے اگر وہ ایسا ہی صلح جو اور الفت پرست ہوتا تو سب سے پہلے یورپ کے عیسائی سلاطین سے محبت و دوستی کے تعلقات بڑھاتا لیکن اتنے دور و دراز یعنی بغداد میں سفارت بھیجنے سے اُس کی غرض صرف یہ تھی کہ کسی طرح اندلس کی اسلامی سلطنت کے خلاف کوئی تدبیر کارگر ہو سکے۔ اسی طرح ہارون الرشید نے بھی شارلیمین سے دوستی کے تعلقات پیدا کرنے میں سلطنت اندلس کی مخالفت مدنظر رکھی تھی مگر ان دونوں کے مقاصد پورے نہ ہوئے اور عبدالرحمٰن یا اُس کی اولاد کو نہ ہارون الرشید کوئی نقصان پہونچا سکا نہ شارلیمین سے کچھ ہو سکا۔ شارلیمین سے صلح ہو جانے کے بعد امیر عبدالرحمٰن کے لئے اب کوئی کام باقی نہ رہا تھا کیونکہ بظاہر ملک میں اُس کا رعب و اقتدار بخوبی قائم ہو چکا تھا اور سرکشوں کو اچھی طرح مسل دیا گیا تھا لیکن پھر بھی امیر عبدالرحمٰن کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا ۱۷۱ھ میں اُس کے خادم بدر اور اُس کے بعض رشتہ داروں اور ہمقوموں نے اُسکے خلاف ایک سازش کی اور تخت اندلس پر خود قبضہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے ممکن ہے کہ خلافت عباسیہ کی

کسی خفیہ تحریک کا یہ اثر ہو یا اندلس کی روایات قدیمہ نے ان مخلصین کو غداری پر آمادہ کیا ہو بہر حال امیر عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو یہی سزا دینی مناسب سمجھی کہ ان کو اندلس سے خارج کرکے افریقہ کی طرف بھیجدیا۔ اسکے بعد عبدالرحمٰن تمام اُن کاموں سے جو اُس کے ہاتھ سے ہونے والے تھے فارغ ہو چکا تھا ربیع الثانی ۱۷۲ھ میں تینتیس ۳۳ سال چار مہینے حکومت کرنے کے بعد ۵۸ یا ۵۹ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اور اُس کی وصیت کی موافق اُس کا بیٹا ہشام تخت نشین ہوا۔

عبدالرحمٰن بن اُمیہ کی زندگی کے حالات نہایت مختصر اور مجمل طور پر بیان ہو چکے ہیں لیکن اس عجیب و غریب اور دُنیا کے عظیم الشان شخص کی زندگی کا صحیح تصوّر کرنے کے لئے یہ حالات کافی نہیں ہیں بیس سال کی عمر تک اُس کا غالب شغل کتب بینی اور علمی مجالس کی شرکت تھی فنون سپہ گری سے واقف ہونا ضروری و لازمی سمجھا جاتا تھا بیس سال کی پُر راحت زندگی کے بعد اُس پر زندگی کا ایک ایسا دور آیا کہ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح اپنے آپ کو چُھپاتا ہوا پھرتا تھا اور روئے زمین کا ہر ایک انسان جو اُس کو نظر آتا تھا اپنا قاتل اور خون کا پیاسا جلاد ہی معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے پاس کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تک نہ تھا۔ چند سال اس حالت میں گذارنے اور جنگلوں صحراؤں اور ملکوں میں آوارہ رہنے کے بعد وہ ایک ملک کا مالک اور بادشاہ بنجاتا ہے لیکن یہ بادشاہت کوئی تر لقمہ یا شربت کا گھونٹ نہ تھا۔ بلکہ مصیبتوں اور محنتوں کی ایک پوٹ تھی جو اُس کے سر پر رکھدی گئی تھی۔ اگر عبدالرحمٰن کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ شروع ہی میں ناکام ہو کر برباد ہو جاتا مگر عبدالرحمٰن نے عجیب طاقتور دل اور عجیب پست نہ ہونیوالی ہمت پائی تھی۔ وہ اندلس میں ایک تنہا اجنبی شخص تھا۔ اُس کے ساتھ کسی قوم کو کوئی خصوصی محبت نہ ہو سکتی تھی لیکن اُس نے جس دانائی۔ مآل اندیشی۔ دور بینی اور ہوشیاری سے کام لیا ہے یہ اُسی کا حصّہ تھا۔ ساتھ ہی وہ اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار اور شمشیر زن سپاہی ثابت ہوا حالانکہ اندلس میں داخل ہونے سے پہلے اُس کو سپہ سالاری اور تیغ زنی کا کوئی تجربہ نہ تھا اُس نے کسی میدان اور کسی لڑائی میں کوئی بھی ایسی غلطی نہیں کی جس پر کوئی تجربہ کار سپہ سالار اعتراض یا نکتہ چینی کر سکے۔ جن لڑائیوں یا جن مہموں میں اُس کے بڑے بڑے تجربہ کار سپہ سالار ناکام رہ جاتے تھے اُن مہموں کو عبدالرحمٰن جاکر فوراً سر کر لیتا تھا کسی موقع پر اُس کے ہاتھ پاؤں نہیں پھولے اور وہ حواس باختہ نہیں ہوا حالانکہ بارہا اُس پر ایسی مصیبتیں نازل ہوئیں اور اُس کے خلاف ایسی بغاوتیں مسلسل ہوئیں کہ دوسرا شخص اُس کی جگہ ہوتا تو عقل و مذہب کی پابندی میں نہ رہ سکتا۔ یا تو احمقوں کی طرح اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا یا بزدلوں کی طرح ذلیل ہو کر بھاگ جاتا مگر حقیقت یہ ہے کہ عبدالرحمٰن نے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا کہ اُس کی ہمت کی انتہا اور اُس کے استقلال کی آخری سرحد کا کسی کو اندازہ ہو سکے اُس نے بڑی سے بڑی ہمت دکھائی لیکن اُس کے معتدل انداز اور متانت آمیز طرز عمل سے ہمیشہ یہی ظاہر ہوا کہ وہ اس سے بھی بہت بڑھکر ہمت دکھا سکتا ہے۔ اُس نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے اُس کی بیوقوفی ثابت ہو سکے بلکہ اُس کے ہر ایک کام میں اس قدر دانائی اور دُوراندیشی پائی گئی کہ اُس سے بڑھکر دانائی و دُوراندیشی کی کسی سے توقع ہی نہیں کیجا سکتی تھی۔ اُس کی تمام زندگی یعنی مدتِ حکمرانی ہم کو جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے پُر نظر آتی ہے اور کسی کا خیال بھی اس طرف نہیں جا سکتا کہ امیر عبدالرحمٰن نے ملک اندلس میں کوئی ایسا کام بھی کیا ہوگا جس کی ایک پُرامن و امان سلطنت کے سلطان سے توقع ہو سکتی ہے مگر جب یہ معلوم ہوتا ہے

کہ امیر عبد الرحمٰن نے اندلس میں علوم وفنون کے رواج دینے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی اور اس ملک کے اندر اپنے خاندان کی حکومت کو مستقل بنانے کے لئے علم کے رواج دینے اور تمام ملک میں مدارس قائم کرنے کو سب سے زیادہ ضروری چیز سمجھا تو انسان حیران رہ جاتا ہے اور اس مدبر و آل اندیش شخص کی فہم و فراست پر عش عش کرنے لگتا ہے۔ امیر عبد الرحمٰن نے شہر قرطبہ اور اکثر شہروں کی شہر پناہیں تعمیر کرائیں اندلس کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں جہاں ضرورتیں تھیں مسجدیں بنوائیں اور شہر قرطبہ میں ایک ایسی مسجد بنوائی جس کا جواب روئے زمین پر دستیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر اگرچہ امیر عبد الرحمٰن اپنی زندگی میں پوری نہیں کر سکا اور ناتمام ہی چھوڑ کر فوت ہوا مگر اس کی بنیاد جس وسیع پیمانے اور خوبصورت طریقے پر اس نے رکھوائی تھی ختم ہونے کے بعد اس کے بانی ہی کی علو ہمت اور بلند نظری پر دلیل ہوئی۔ مسجد قرطبہ کی خوبصورتی اور حسن تعمیر نے بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کی نگاہ میں اس مسجد کو خانۂ کعبہ کی طرح باعظمت و مقدس بنا دیا تھا حالانکہ تمام مسجدیں ایک ہی مرتبہ رکھتی ہیں۔ شوق عمارات میں امیر عبد الرحمٰن کا مرتبہ ہندوستان کے شاہجہان سے بڑھ کر ہے تو رائے و تدبیر میں وہ ارسطو کا ہمسر نظر آتا ہے۔ ملک اندلس میں اپنی سلطنت قائم کر لینا تیمور و نپولین کی فتوحات سے بہت بڑھ چڑھ کر مرتبہ رکھتا ہے علوم و فنون کی سرپرستی میں وہ ہارون الرشید و مامون الرشید سے کم نہ تھا بلکہ ہارون و مامون کے بعد خاندان عباسیہ میں علوم و فنون کے ایسے قدرداں پیدا نہ ہو سکے لیکن عبد الرحمٰن کی اولاد میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو ہارون و مامون سے بہت بڑھ کر علوم و فنون کے خادم ہوئے اور اسی لئے قرطبہ نے بغداد سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ابن حیان لکھتا ہے کہ عبد الرحمٰن بڑا رحمدل اور شائستہ مزاج شخص تھا اس کی تقریر نہایت فصیح و بلیغ۔ اس کی قوت مدرکہ نہایت تیز اور نکتہ رس تھی۔ معاملات میں اپنی رائے جلدی قائم نہ کرتا تھا مگر قائم کر لینے کے بعد پورے استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اس کی تکمیل و تعمیل کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ وہ عموماً چست و چالاک اور زندہ دل نظر آتا تھا۔ عیش و عشرت سے اس کو سخت نفرت تھی۔ امور مملکت کو دوسروں پر منحصر رکھنے کی بجائے خود سر انجام دیتا تھا مگر اہم معاملات درپیش ہونے پر سلطنت کے تجربہ کار اہلکاروں اور مشیروں سے مشورہ کرتا تھا۔ عبد الرحمٰن جانباز دلاور اور صف شکن بہادر تھا میدان جنگ میں سب پہلے خود حملہ آور ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ دوست اور دشمن دونوں کے لئے یکساں ہیبت و جلال ظاہر کرتا تھا۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں خطبہ پڑھتا بیماروں کی عیادت کو جاتا اور عام خوشی کے جلسوں اور شادیوں میں شوق سے شریک ہوتا تھا (تم کلامہ)

امیر عبد الرحمٰن کے عہد حکومت میں حسب ذیل اشخاص یکے بعد دیگرے حاجب مقرر ہوئے تھے تمام بن علقمہ۔ یوسف بن بخت۔ عبد الکریم بن مہران۔ عبد الرحمٰن بن مغیث۔ منصور خواجہ سرا۔ امیر عبد الرحمٰن نے اگرچہ بعض اشخاص کو وزارت پر نامزد کیا مگر اس کا کوئی ایک وزیر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس نے اسی کے مشوروں پر عمل کیا ہو اس نے ایک مجلس امرا مقرر کر رکھی تھی جس سے انتظام ملکی میں مشورے لیتا تھا اس مجلس مشورت کے ارکان یہ تھے۔ ابو عثمان۔ عبد اللہ بن خالد۔ ابو عبیدہ۔ شہید بن عیسیٰ۔ ثعلبہ بن عبید۔ آثم بن مسلم۔ عبد الرحمٰن نہایت خوبصورت کشیدہ قامت اور چھریرے بدن کا آدمی تھا رنگ بہت صاف اور بال بھورے رنگ کے تھے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس کی قوت شامہ کمزور تھی۔ مرتے وقت اس نے نو بیٹیاں اور گیارہ بیٹے چھوڑے جن میں سلیمان سب سے بڑا تھا مگر اس نے ولیعہد اپنے دوسرے بیٹے ہشام کو بنایا تھا۔ سلیمان وہی بیٹا تھا جس کو فرات کے کنارے سے بغل میں لے کر بھاگا تھا مگر بعض مورخین نے

لکھا ہے کہ وہ اندلس میں آنے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا بہر حال مرتے وقت جو بیٹے موجود تھے اُن میں
سلیمان سب سے بڑا تھا۔ ہشام اپنے بھائی سلیمان سے زیادہ لائق اور تاج و تخت سلطنت کے سنبھالنے
کی زیادہ قابلیت رکھتا تھا اسی لیے عبدالرحمٰن نے اُس کو اپنا ولیعہد بنایا تھا۔
ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن کی طبیعت میں مروت و فیاضی کا جوہر تھا لیکن غداروں
اور باغیوں نے اُس کو سختی و سزادہی پہ مجبور کیا۔ اُس کا طبعی میلان علم و ادب کی طرف تھا مگر ضرورت نے
اُس کو نہایت محتاط اور تجربہ کار سپہ سالار بنا دیا تھا۔ عبدالرحمٰن کی ابتدائی عمر دمشق کے انتہائی تکلفات میں
گذری تھی مگر مصیبت آئی اور افلاس و غریبی سے پالا پڑا تو اُس نے نہایت خوشی اور بلند ہمتی سے سب کچھ
برداشت کیا۔ ابھی پوری طرح اُس کی سلطنت قائم بھی نہ ہوئی تھی کہ اُس نے مشرق کے دور و دراز علاقوں سے
بنو اُمیہ اور اُن کے متوسلین کو اپنے خرچ سے اندلس بلوایا اور اُن میں سے ہر ایک کو اُس کے مرتبہ کی موافق عہدے
اور عزتیں عطا کیں۔ عبدالرحمٰن کی ذکاوت و مآل اندیشی کے دشمن بھی مداح تھے۔ عبدالرحمٰن تمام مصائب و آلام کو
خاموشی سے برداشت کر لیتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اپنے ملک مقبوضہ کو چھ صوبوں میں تقسیم کیا تھا ہر ایک صوبہ
میں ایک فوجی سپہ سالار رہتا تھا۔ اس سپہ سالار کے ماتحت دو عامل اور چھ وزیر ہوتے تھے ان حکام کے
مددگار قاضی اور دیگر حکام ہوتے تھے۔ صدر دفتر قرطبہ کو یہ لوگ تمام ضروری اطلاعات بھیجتے رہتے تھے۔
عبدالرحمٰن ہمیشہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبودی کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا اُس نے ایسے قوانین جاری کئے تھے کہ
رعایا خوشحال ہو اور اپنے املاک پر آزادی کے ساتھ بلا مداخلت غیرے قابض و متصرف رہے۔ عبدالرحمٰن کو تعلیم
و تعلم اور علم ادب کی اشاعت کا خاص طور پر شوق تھا۔ تمام ملک اندلس میں عبدالرحمٰن نے سڑکیں بنوائیں ڈاک کا
انتظام کیا ہر پڑاؤ پر گھوڑے رکھے تاکہ جلد از جلد ملک کے ہر حصے سے دارالخلافہ قرطبہ میں اطلاعات پہنچ سکیں
عبدالرحمٰن نے لٹیروں اور ڈاکوؤں کا طاقت و سطوت کے ساتھ بکلی انسداد کر دیا تھا۔ بربری لوگ جو اپنی
عادت گری سے کبھی باز نہ آئے تھے پہلی مرتبہ امیر عبدالرحمٰن ہی کے زمانے میں وہ خاموش ہو کر بیٹھے عبدالرحمٰن
اپنے ممالک محروسہ کا ہمیشہ دورہ کرتا رہتا تھا تاکہ اپنے عاملوں کا اندازہ کرے کہ وہ اُس کی رعایا پر کس طرح
حکومت کرتے ہیں۔ جہاں جہاں امیر کا گذر ہوتا وہاں کے محتاجوں اور غریب الحال لوگوں کی دستگیری کرتا اور لوگوں کی
اصلاح اور فائدے کے کام جاری کرتا۔ امیر عبدالرحمٰن کی فیاضیاں عام تھیں اور سب اُن سے مستفیض ہوتے
تھے۔ اگرچہ عبدالرحمٰن نے ہر جگہ مسجدیں اور رفاہ عام کی عمارتیں بنوائیں لیکن دارالحکومت قرطبہ کی شان و شوکت
بڑھانے کے لئے اُس نے خوبصورت عمارتیں بنانے میں زیادہ ہمت و توجہ صرف کی۔ محل شاہی کے صحن میں
عبدالرحمٰن نے خرما کا ایک درخت نصب کرایا چونکہ اندلس میں خرما کا پہلا درخت تھا۔ قرطبہ کے قریب ایک باغ
رصافہ کے نام سے لگایا جو اپنے دادا ہشام کے باغ رصافہ کے نمونہ پر تھا۔ قرطبہ میں ایک ٹکسال قائم کی جس میں
دینار و درہم اُسی نمونہ کے مسکوک کرائے جیسے کہ شام میں رائج اور دمشق میں مسکوک ہوتے تھے۔ دنیا کے
ہر حصے سے علماء و فضلاء کو بلوایا اور اُن کی خوب قدر دانی کی علمی تحقیقات اور فلسفیانہ موشگافیوں کے لئے مجلسیں
مقرر کیں۔ اپنے بیٹوں کو بہترین طریقہ پر تعلیم دلائی اور اُن کو حکم دیا کہ وہ دفتر شاہی اور قاضیوں کی کچہریوں میں
حاضر ہو کر معاملات کو دیکھا کریں۔ اہم مقدمات اور سرکاری معاملات کے فیصلے بھی ان شہزادوں کے سپرد
کئے جاتے تھے۔ عام لوگوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کے لئے مشاعرے اور مناظرے کی مجلسیں مقرر ہوتی تھیں
اچھی نظموں اور علمی مناظروں کی کامیابی پر انعامات دیئے جاتے تھے امیر عبدالرحمٰن ان تمام علمی مجلسوں میں خود بھی

شریک ہوتا تھا۔ اندلس کی عیش پسند آب و ہوا اور مال و دولت کی فراوانی نے امیر عبدالرحمٰن کے سپاہیانہ اخلاق میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا تھا اُس کے اتقا اور پرہیزگاری میں کسی وقت تغیر اور کمی محسوس نہیں ہوئی۔ قرطبہ کی شہرہ آفاق مسجد کے لئے جو مقام سب سے زیادہ موزوں اور مناسب تھا وہ عیسائیوں کے قبضے میں تھا امیر عبدالرحمٰن نے اُس پر زبردستی قبضہ مناسب نہیں سمجھا جب خود ہی عیسائیوں نے اُس کو فروخت کرنا چاہا تو امیر نے اُس کو قیمت دیکر خریدا اور شہر کے متعدد مقامات میں اُن کو گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دی امیر عبدالرحمٰن میں تمام وہ صفات موجود تھیں جو ایک عقلمند۔ سیاست دان اور روشن دماغ بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔

جس تاریخ سے امیر عبدالرحمٰن نے تخت اندلس پر قدم رکھا اُسی تاریخ سے ملک اندلس خلافت مشرقیہ اسلامیہ کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا لیکن امیر عبدالرحمٰن نے نہایت دانائی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے آپ کو امیر ہی کہلایا اور خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ دس برس کے بعد خطبہ میں اپنا نام داخل کیا عبدالرحمٰن اس بات کو جانتا تھا کہ ملک اندلس میں بہت سے ایسے مُسلمان موجود ہیں جو بنو اُمیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور عباسیوں سے محبت رکھتے ہیں اور عام طور پر مُسلمان اسلامی سلطنت کا ایک ہی مرکز سمجھتے ہیں جو مشرق میں موجود ہے اگر امیر عبدالرحمٰن اپنے آپ کو خلیفہ کہلاتا تو یقیناً اُس کے خلاف تمام مُسلمانان شمشیر بدست ہو جاتے اور عبدالرحمٰن کو گستاخ و بےادب قرار دیتے۔ اندلسی مُسلمانوں کی اس حالت کو بتدریج اصلاح پذیر کیا گیا اور عبدالرحمٰن ثالث نے مناسب وقت پر اپنے آپ کو امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین کہلایا۔

ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ عبدالرحمٰن کی تقریر نہایت شستہ اور دل آویز تھی نہایت سنجیدہ معاملہ فہم اور منتظم شخص تھا کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرتا تھا لیکن جس کام کا ارادہ کر لیتا پھر اُس کو بغیر ختم کئے نہیں چھوڑتا تھا۔ لہو و لعب اور ضرورت سے زیادہ آرام کو اپنے پاس تک نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔ سفید لباس اکثر پہنتا تھا۔ حاجتمندوں کو اپنے پاس پہونچنے کے لئے آسانی بہم پہونچانے کی غرض سے دربانوں کو موقوف کر دیا تھا۔ کوئی حاجتمند اگر کھانے کے وقت اپنی درخواست لیکر آجاتا تو اپنے ساتھ ہی دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ دُنیا کے اُن عظیم الشان انسانوں میں سے ہے جنہوں نے قوموں کے زندہ کرنے سلطنتوں کے بنانے اور روئے زمین کے حالات میں تغیر عظیم پیدا کرنے میں ایسی محیر العقول طاقتوں کا اظہار کیا ہے کہ آسمان شُہرت پر اُن کے نام ستارہ بنکر چمک رہے اور زندہ جاوید بن گئے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے حالات پر جو اوپر مذکور ہوئے ہیں پھر ایک مرتبہ غور کرو اور سوچو کہ اُس نے کیسا غیر معمولی دل و دماغ پایا تھا۔ سب سے بڑھکر قابل تعریف چیز امیر عبدالرحمٰن کی سپاہیانہ زندگی تھی کہ مسجد قرطبہ کی تعمیر کے وقت وہ اندلس ہونے پر بھی معمولی مزدوروں کی طرح اُن کے ساتھ کام کرنے اور پتھر ڈھونے کو عیب نہیں جانتا تھا

ہشام بن عبدالرحمٰن

امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ المعروف بہ عبدالرحمٰن الداخل اگرچہ اپنے آپ کو امیر ہی کہلاتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اندلس کا پہلا خلیفہ تھا معنوی طور پر اُس کے اندر تمام وہ صفات و شرائط موجود تھے جو ایک خلیفہ کی ذات میں ہونے چاہئیں۔ اُس کی اولاد میں عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا تھا مگر ہم کو چاہئے کہ ہم اب ہشام اور اُس کے جانشینوں کو سلطان یا خلیفہ کے لقب سے یاد کریں سلطان ہشام بن عبدالرحمٰن اپنے باپ کے اندلس میں داخل ہونے کے بعد ۱۳۹ھ میں شوال کے مہینے پیدا ہوا تھا ہشام کی ماں حلل نامی ایک ام ولد کو اندلس کے سابق امیر یوسف فہری نے عارضی صلح کے وقت امیر عبدالرحمٰن کو

خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس کو آزاد کر کے نکاح کیا تھا اور اس کو بہت ہی محبوب رکھتا تھا ۳۲ یا ۳۴ سال کی عمر میں اپنے باپ کی وصیت کے موافق ۱۷۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ جس وقت عبدالرحمٰن بن معاویہ کا انتقال ہوا ہے تو ہشام شہر مریدہ میں بطور گورنر موجود تھا۔ وہیں اپنے باپ کی وفات کا حال سن کر تخت نشین ہوا اور عام طور پر ملک اندلس میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ قرطبہ میں اس کا بھائی عبداللہ موجود تھا اس نے باپ کے بعد محلسرائے شاہی اور دارالسلطنت قرطبہ پر ہشام کے خلاف قبضہ کر لیا۔ ادھر صوبہ طلیطلہ کا گورنر اس کا بھائی سلیمان تھا۔ ہشام مریدہ سے قرطبہ کی جانب متوجہ ہوا اور معمولی سے مقابلہ کے بعد عبداللہ کو گرفتار کر کے قرطبہ پر قابض ہوا اور دوبارہ رسم تخت نشینی ادا کی۔ اس موقع پر اس نے اپنے بھائی عبداللہ کی خطا معاف کر کے اس کو اپنے مشیروں اور وزیروں میں شامل کر لیا اور اس کی بڑی جاگیر مقرر کر دی۔

ملک اندلس میں اگرچہ متضاد عناصر کے لوگ آباد تھے اور اس موقع پر کہ امیر عبدالرحمٰن فوت ہو گیا تھا ملک کے اندر بغاوتیں پیدا ہو سکتی تھیں مگر امیر عبدالرحمٰن نے اپنی زندگی ہی میں سرکشوں کو اس طرح زیر کر دیا تھا کہ وہ اب اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ سر اٹھائیں۔ مگر بجائے ان غیر کفو باغیوں کے خود ہشام کے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کر کے سلطان ہشام کے عنوان سلطنت ہی میں مشکلات پیدا کر دیں۔ اور بہت جلد لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ولیعہد کے انتخاب میں مطلق غلطی نہیں کی تھی۔ سلیمان نے جو طلیطلہ کا گورنر تھا بغاوت اور اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ ادھر عبداللہ بھی قرطبہ سے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس پہونچ گیا۔ سلطان ہشام نے ان دونوں بھائیوں کی سرکشی کا حال سنکر درگذر سے کام لیا اور سمجھا کہ چند روز کے بعد یہ خود ہی راہ راست پر آجائیں گے۔ طلیطلہ میں سلیمان کا وزیر غالب ثقفی تھا جو امیر عبدالرحمٰن کا وفادار رہ چکا تھا اس نے ان دونوں بھائیوں کو سمجھایا اور بغاوت سے باز رکھنا چاہا۔ سلیمان و عبداللہ نے غالب ثقفی کو عہدہ وزارت سے معزول کر کے قید کر دیا۔ غالب ثقفی کے قید ہونے کی خبر سن کر سلطان ہشام نے قرطبہ سے ایک اپنے سفیر کے ہاتھ طلیطلہ کی جانب ان بھائیوں کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ایسے قدیمی وفادار اور نمک حلال شخص کو قید کرنا مناسب نہ تھا۔ سلیمان و عبداللہ نے اس سفیر کے سامنے غالب ثقفی کو قید خانہ سے بلوا کر قتل کر دیا اور کہا کہ جاؤ اس خط کا یہی جواب ہے۔ سلطان ہشام اس جواب کو سن کر قرطبہ سے بیس ہزار فوج لیکر طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔ ادھر سے سلیمان و عبداللہ دونوں ایک زبردست فوج لے کر طلیطلہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہوئے طلیطلہ سے تھوڑے فاصلے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا سلیمان و عبداللہ شکست کھا کر طلیطلہ میں واپس ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھے۔ قلعہ طلیطلہ اپنی مضبوطی کے لئے مشہور تھا اس کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا ہشام نے طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلیمان نے اپنے بیٹے اور عبداللہ دونوں کو طلیطلہ میں چھوڑ کر اور ایک حصہ فوج لے کر قرطبہ کا رخ کیا۔ قرطبہ میں عبدالملک بطور گورنر مقیم تھا عبدالملک نے سلیمان کے آنے کی خبر سن کر قرطبہ سے کچھ فاصلہ پر سلیمان کا استقبال تیر و شمشیر سے کیا۔ سلیمان شکست کھا کر مرسیہ کی طرف بھاگ گیا اور ملک میں جا بجا لوٹ مار مچاتا ہوا پھرنے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان ہشام نے طلیطلہ کے محاصرہ پر ایک سردار کو چھوڑ کر دارالسلطنت قرطبہ کا عزم کیا قرطبہ میں بیٹھ کر سلیمان کی نقل و حرکت کی نگرانی اور اس کا بندوبست بآسانی کیا جا سکے۔ عبداللہ جب طول محاصرہ سے تنگ آگیا تو اس نے بلا شرط اور بلا امان کی امان طلب کئے ہوئے اپنے آپ کو سلطان ہشام کے قبضے میں

دیدینا گوارا کرلیا۔ چنانچہ وہ محاصرین کے ایک معتمد کی نگرانی میں قرطبہ آکر دربار سلطانی میں حاضر ہوا سلطان ہشام نے خطا معاف کردی اور بڑی عزت ومحبت کا برتاؤ کیا اور اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ عبداللہ کی طرف سے سلطان کا دل صاف ہے اُس کو طلیطلہ ہی میں جاگیر دیکر رخصت کردیا۔ سلیمان نے مرسیہ میں بہت سے آدمیوں کو جمع کرلیا۔ سلطان نے اپنے نوعمر بیٹے حکم کو فوج کا سردار بنا کر مقابلہ پر بھیجا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو سلیمان حکم سے شکست کھا کر بھاگا اس کی تمام جمعیت مقتول ومنتشر ہوگئی۔ آخر مجبور ہوکر دو برس تک آوارہ وسرگرداں رہنے کے بعد ۱۷۴ھ میں سلیمان نے سلطان ہشام سے معافی کی درخواست کی سلطان ہشام نے فوراً اُس کی درخواست منظور کی اور بھائی کو اپنے دربار میں نہایت عزت وتکریم کے مقام پر جگہ دی۔ سلیمان نے کہا کہ میں ملک اندلس میں اب رہنا پسند نہیں کرتا مجھ کو افریقہ جانے کی اجازت دیجائے ہشام نے بخوشی اُس کو اجازت دیدی اور اُس کی جاگیر جو اندلس میں تھی ستر ہزار مثقال سونے کے عوض خریدلی۔ سلیمان افریقہ میں پہونچکر مقیم ہوا اور وہاں عباسیوں کا ایجنٹ بنکر مسلمانانِ اندلس کو ہمیشہ خطوکتابت کے ذریعہ بغاوت پر آمادہ کرتا رہا۔ بھائیوں کے فتنے سے فراغت پاکر سلطان ہشام نے چالیس ہزار فوج مرتب کرکے ملک فرانس پر حملہ کیا اور تمام جنوبی فرانس اور شہر ناربون کو جو عرصہ تک صوبہ اربونیہ کے مسلمان گورنر کا دارالحکومت رہ چکا تھا اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے امیر عبدالرحمٰن کے زمانے میں فرانسیسیوں کے قبضے میں تھا پھر فتح کرلیا۔ یہاں سے بیقیاس مال ودولت ہاتھ آئی۔ واپسی میں جبل البرتات کے عیسائیوں سے گستاخانہ حرکات معائنہ ہوئیں۔ یہ عیسائی ریاست مسلمانوں کی کم التفاتی اور عیسائیوں کی چالاکی کے سبب پہاڑ کے گوشہ میں قائم ہوگئی تھی آجتک اس عیسائی ریاست نے کبھی اسلامی لشکر کا مقابلہ نہیں کیا تھا۔ اسی لئے مسلمانوں نے بھی اس کے وجود کو اپنے لئے مضر نہ سمجھ کر اس کو باقی رکھا تھا۔ اب جبکہ اسلامی لشکر ملک فرانس کو فتح کرکے اور شارلیمین کو مقابلہ سے بھگا کر معہ مال غنیمت واپس ہورہا تھا تو الیسٹریاس کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی فوج کے عقبی حصہ کو اسی طرح چھیڑنا اور لوٹنا چاہا جس طرح انہوں نے شارلیمین کی فوج کو جبل البرتات میں لوٹ کر اُس کے ایک بڑے حصے کو برباد کردیا تھا مگر شارلیمین اور ہشام کی فوجوں میں بہت فرق تھا۔

سلطان ہشام نے قرطبہ پہونچکر ۱۷۵ھ میں اپنے وزیر یوسف بن بخت کو ان پہاڑی عیسائیوں کی سرکوبی پر مامور کیا یوسف بن بخت نے ریاست ایسٹریاس پر حملہ کرکے تمام ریاست کو تہ وبالا کرڈالا یہ پہلا موقع تھا کہ ایسٹریاس کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابل ہونا پڑا مگر وہ بہت بُری طرح ہلاک وبرباد کیے گئے اور اُن کا حاکم برمیوڈ گرفتار کرلیا گیا۔ فتح کے بعد اس پہاڑی علاقے کو مسلمانوں نے اپنی سکونت کے ناقابل پاکر پھر اُسی حاکم کو دیدیا اور اُس سے اطاعت وفرمانبرداری اور ادائے خراج کا اقرار لے لیا۔ چند روز کے بعد صوبہ اربونیہ میں پھر کچھ بغاوت وسرکشی کے علامات کی خبر لگی چنانچہ سلطان ہشام نے اپنے دوسرے وزیر عبدالملک بن عبدالواحد بن مغیث کو اُس طرف بھیجا۔ عبدالملک نے صوبہ اربونیہ اور صوبہ جلیقیہ کے عیسائی سرکشوں کو قرار واقعی سزائیں دیں اور عیسائی رئیسوں سے خراج وصول کرکے اُن سے ازسرنو اطاعت وفرمانبرداری کے اقراروں کی تجدید کرائی جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اُس کا خمس جو سلطان ہشام کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ ۴۵ ہزار اشرفیاں تھیں سلطان ہشام نے یہ تمام روپیہ مسجد قرطبہ کی تعمیر وتکمیل میں خرچ کیا۔ عبدالملک نے

اس مہم میں ایک اور عجیب حرکت کی کہ جلیقیہ۔ ایسٹریاس۔ اربونیہ اور جنوبی فرانس کے سرکش عیسائیوں کو جو میدان جنگ میں مسلمانوں نے گرفتار کئے تھے شہر ناربون میں یہ حکم سنایا کہ تمہاری رہائی اس طرح ہو سکتی ہے کہ شہر ناربون کی شہر پناہ کو گرا کر اس کے پتھر شہر قرطبہ میں پہونچاؤ۔ چنانچہ ان عیسائیوں نے اس شہر کی فصیل کے پتھروں کو قرطبہ پہونچایا۔ قرطبہ اور ناربون کے درمیان کئی سو کوس کا فاصلہ تھا۔ راستے میں بہت سے دریاؤں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ ایک ایک قیدی نے ایک ایک چھوٹا پتھر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ جو بڑے تھے ان کو گاڑیوں میں لاد کر گاڑیوں کو قیدیوں نے کھینچا بعض متوسط درجہ کے پتھروں کو دو دو آدمیوں نے ڈولی کی طرح باندھ کر اور ایک بانس یا لکڑی میں لٹکا کر اٹھایا۔ اس طرح شہر ناربون کی فصیل کے جس قدر پتھر یہ قیدی اٹھا سکتے تھے اٹھاتے اور کوچ و مقام کرتے ہوئے شاہی دستہ فوج کی نگرانی میں قرطبہ تک لائے ان پتھروں سے مسجد قرطبہ کی مشرقی دیوار یا مشرقی دیوار کا ایک حصہ تعمیر ہوا۔ عبدالملک نے ان قیدیوں سے یہ مشقت لے کر ان کو حسب وعدہ رہا کر دیا۔ اور عیسائی ریاستیں سزا دہی کے بعد اقرار اطاعت لے کر پھر عیسائیوں کے سپرد کر دی گئیں۔ کیونکہ ان شمالی اور پہاڑی علاقوں کو عرب سرد اور سرد آب و ہوا کے سبب پسند نہ کرتے اور زیادہ قیمتی نہ جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان شمالی صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی بہت ہی کم تھی جنوبی اندلس میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اور یہیں کے عیسائی باشندے بھی زیادہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

سلطان ہشام نے اپنے باپ عبدالرحمٰن بن معاویہ کی مسجد قرطبہ کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے خصوصی توجہ صرف کی۔ سنہ ۱۷۵ھ میں سلطان ہشام نے اپنے بیٹے حکم کو صوبہ طلیطلہ کا گورنر مقرر کیا۔ سنہ ۱۷۶ھ میں قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر کا پل از سر نو تعمیر کرایا۔ یہ پل امیر سمح نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں تعمیر کرایا تھا اب سلطان ہشام نے اس کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط اور خوبصورت بنوا دیا جب یہ پل بن کر تیار ہوا تو سلطان کے کان میں کسی شخص کی یہ آواز پہونچی کہ سلطان نے یہ پل اس لئے بنوایا ہے کہ اس کو شکار میں جانے آنے کے لئے آسانی ہو۔ یہ سن کر سلطان نے مرتے وقت تک اس پل پر قدم نہیں رکھا چونکہ عباسی ایجنٹ پوشیدہ طور پر اندلس میں اپنا کام کرتے ہی رہتے تھے ادھر سلطان ہشام کا بھائی سلیمان افریقہ (مراقش) میں بیٹھا ہوا مسلمانوں اور عیسائیوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا شمال کی جانب شارلیمین جو ہارون الرشید سے دوستی پیدا کر چکا تھا اسی قسم کی کوششوں میں لگا رہتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ جلیقیہ کی نوزائیدہ عیسائی ریاست نے فرانسیسیوں اور اندلسی واقعہ پسندوں کی پشت گرمی پر علامات سرکشی ظاہر کرنا شروع کئے۔ سلطان ہشام نے بلا توقف عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو بلاد جلیقیہ کی جانب روانہ کیا۔ لشکر اسلام نے جلیقیہ میں پہونچ کر سرکشوں کو نیچا دکھایا اور ان سے اقرار اطاعت لیکر واپس آیا۔ ابھی یہ بغاوت فرو نہ ہوئی تھی کہ بربریوں نے متفق ہو کر علم بغاوت بلند کیا سلطان ہشام نے ان کی سرکوبی پر عبدالقادر بن ابان بن عبداللہ خادم امیر معاویہ کو روانہ کیا عبدالقادر نے سخت معرکہ کے بعد بربری جمعیت کو منتشر اور ہزارہا کو خاک و خون میں ملایا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۸ھ کا ہے۔ سنہ ۱۷۹ھ میں اہل جلیقیہ نے فرانسیسوں کے ابھارنے سے پھر سرکشی کا اظہار کیا سلطان نے عبدالملک بن عبدالواحد بن مغیث کو معہ فوج اس طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ علاقہ جلیقیہ میں ہوتے ہوئے ملک فرانس کے اندر داخل ہو کر اس اسلامی لشکر سے جو دوسری طرف سے فرانس میں داخل ہو گا چنانچہ ایک لشکر دوسرے راستے سے

فرانس میں بھیجا گیا۔ جلیقیہ کے عیسائی رئیس اوفونش نے اسلامی لشکر کی آمد کا حال سن کر تمام راستے اور شہر خالی کر دیئے اور خود اسلامی لشکر کے آگے آگے پہاڑوں میں بھاگتا اور چھپتا پھرا۔ چونکہ عبدالملک جلیقیہ میں زیادہ دنوں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا لہٰذا وہ باغی سردار کو مفرور دیکھ کر فرانس کی حدود میں داخل ہوا اور دوسرے اسلامی لشکر سے مل کر ملک فرانس کے اکثر شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے مسمار کیا اور فتح و فیروزی کے ساتھ قرطبہ کی جانب واپس آیا۔ ماہ صفر ۱۸۰ھ میں سلطان ہشام بن عبدالرحمٰن نے سات سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد چالیس سال چار ماہ کی عمر میں وفات پائی۔

مسجد قرطبہ کی تعمیر میں اسی ہزار دینار امیر عبدالرحمٰن نے صرف کئے تھے اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار سلطان ہشام نے اس مسجد کی تعمیر و تکمیل میں خرچ کئے۔ سلطان ہشام اپنے باپ کی طرح سفید مگر نہایت سادہ اور کم قیمت لباس پہنتا تھا۔ اس کو شکار کا شوق تھا لیکن نہ ایسا کہ امور سلطنت اور دین و ملت کے کاموں میں ہارج ہو آخر ایام حیات میں اس کو بھی ترک کر دیا تھا۔ حاجتمندوں کے لئے اس کا در بار ہمیشہ کھلا ہوا تھا مظلوموں کو اپنی داد رسی میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ کبھی پیش نہیں آتی تھی محتاجوں کی خبر گیری میں وہ خود اوقات کو اپنا آرام ترک کر دیتا تھا۔ مسافروں کو خود لیجا کر کھانا کھلاتا۔ اندھیری راتوں میں شہر کے گلی کوچوں میں گشت کرتا اور محتاجوں، بیواؤں، مسکینوں کی دستگیری میں بڑا لطف پاتا۔ چوروں ڈاکوؤں اور مجرموں سے جو زر جرمانہ وصول ہوتا وہ سرکاری خزانہ میں داخل نہ ہوتا بلکہ رعایا ہی کے سود و بہبود میں صرف کیا جاتا۔ لڑائیوں میں جو لوگ اتفاقاً عیسائیوں کی قید میں چلے جاتے ان کو سرکاری خزانہ سے فدیہ دیکر آزاد کرا دیا جاتا۔ سلطان ہشام نے قسم کھانے کو ایک بھی مسلمان عیسائیوں کی قید میں باقی نہ چھوڑا سب کو آزاد کرا لیا تھا۔ اندلس میں ایک مسلمان نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے ترکہ سے ایک مسلمان قیدی عیسائیوں کی قید سے آزاد کرایا جائے چنانچہ تمام عیسائی ممالک کو چھان مارا مگر کوئی مسلمان عیسائیوں کی قید میں نہ ملا کیونکہ سلطان ہشام نے تمام مسلمانوں کو پہلے ہی آزاد کرا دیا تھا۔ سلطان ہشام ایک مکان خریدنا چاہتا تھا اور اس مکان کے مالک سے گفتگو ہو رہی تھی اسی اثناء میں سلطان کو معلوم ہوا کہ اس مکان کے قریب رہنے والا ایک شخص اس مکان کو خریدنا چاہتا ہے مگر وہ سلطان کی وجہ سے اس مکان کی خریداری کے ارادے کو ترک کر چکا ہے۔ یہ سن کر سلطان ہشام نے ایسے تجربہ کار اور دیندار لوگ مقرر کئے تھے جو صوبوں کے عاملوں کے طرز حکومت۔ عدل و انصاف اور دفاتر کی جانچ پڑتال کرتے اور ہر ایک صوبہ میں جا کر وہاں کی رعایا سے وہاں کے حاکموں کے متعلق شکایات سنتے تھے۔ سلطان ہشام کے عہد حکومت میں قرطبہ کے اندر وہاں کے امیروں اور مالدار لوگوں نے بڑی بڑی خوبصورت اور عظیم الشان عمارتیں بنوائیں جس سے شہر کی رونق اور خوبصورتی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ مدارس اور علمی مجالس کا سلسلہ تو امیر عبدالرحمٰن ہی کے زمانے سے خوب زور شور کے ساتھ اندلس میں جاری تھا لیکن سلطان ہشام نے اس علمی ترقیات کے سلسلہ کو ترقی دینے کے علاوہ سب سے بڑا کام یہ کیا کہ مدارس میں عربی زبان کو لازمی قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں اندلس کے عیسائی عربی زبان سے واقف ہو کر قرآن مجید اور دین اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے قابل ہوئے اور بڑی کثرت سے بطیب خاطر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور عیسائیوں کی وہ وحشت اور نفرت جو مسلمانوں سے تھی یکسر دور ہو کر اس کی جگہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں تعلقات محبت و مودت قائم ہونے لگے۔ عربی زبان کے لازمی قرار دینے کا اثر اشاعت اسلام کے لئے بیحد مفید

ثابت ہوا۔ عیسائیوں کے اندر مسلمانوں کا احترام پیدا ہوا اور وہ اپنے عقائد و خیالات کی نادرستی و غلطی سے واقف ہونے لگے۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کی رعایت کرنے لگیں اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ مسلمان عام طور پر عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنے لگے۔ عیسائیوں نے خود ہی اسلامی لباس پہننا شروع کر دیا۔ سلطان ہشام کے عادات و خصائل اور طرز زندگی میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھ بہت مشابہت تھی اندلس کی تمام رعایا نے ہشام کو "سلطانِ عادل" کا خطاب دیا تھا۔ اور اسی نام سے اس کا ہر جگہ ذکر کیا جاتا تھا۔

سلطان ہشام اپنے باپ عبد الرحمٰن سے زیادہ عابد۔ زاہد اور مذہبی شخص تھا امیر عبد الرحمٰن کی سطوت اور بانی سلطنت ہونیکی حیثیت نے مولوں اور مولوی مزاج لوگوں کو دربار شاہی میں ایک مناسب درجہ تک اقتدار حاصل کرنے کا موقع دیا تھا لیکن سلطان ہشام کے عہد حکومت میں فقہا کا اقتدار سب پر فائق تھا۔ اسی زمانہ میں فقہا کے الگ مذاہب کی بنیاد رکھی جا رہی تھی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ میں بڑی شہرت تھی اور حجاز میں فقہ مالکی کی پیروی عام طور پر لوگ کرنے لگے تھے۔ حضرت مالکؒ کی خدمت میں اندلس کے بعض مسلمان آتے اور کچھ عرصہ رہکر اندلس واپس گئے۔ حضرت امام مالکؒ نے سلطان ہشام کے حالات سن کر بڑی محبت و عقیدت کا اظہار کیا چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی شخص اگر خلیفۃ المسلمین ہونے کا مستحق ہے تو وہ صرف ہشام بن عبد الرحمٰن ہے امام صاحب کا یہ خیال بالکل درست اور سچا تھا کیونکہ ہشام علاوہ عابد زاہد ہونیکے عقلمند و مدبر اور بہادر بھی تھا وہ بہادری اور قابلیت سپہ سالاری میں اپنے باپ کا ہمسر اور زہد و عبادت میں اپنے باپ سے بڑھکر تھا۔ امام مالکؒ کے یہ کلمات عباسیوں کو سخت ناگوار گذرتے تھے اور اسی لئے عباسیوں کے ہاتھوں سے انہوں نے اذیتیں برداشت کیں۔ ہشام کے ابتدائی عہد حکومت میں فرعون بن عباس۔ عیسٰی بن دینار۔ اور سعید بن ابی ہند جو ملک اندلس کے مشہور فقہا اور علما میں سے تھے حج کے ارادے سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ اور بھی علماء اور اکابر تھے۔ ان لوگوں کی جب حضرت مالک بن انسؒ سے ملاقات ہوئی تو وہ بہت متاثر ہوتے چند روز انکی صحبت سے مستفیض ہوکر اندلس واپس گئے اور حضرت امام مالک کے خیالات و عقاید کی اشاعت کرنے لگے۔ انکی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ اندلس کے قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ زید نے بھی مالکی مسلک کو پسند کر لیا۔ سلطان ہشام انہیں لوگوں کو سب سے زیادہ قدر و منزلت کرتا اور انہیں لوگوں کو زیادہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا لہذا سلطان نے بھی حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو قبول کر کے حکم دیا کہ ہر سال سرکاری خزانہ سے ان لوگوں کے مصارف برداشت کئے جائیں جو حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنیکے لئے جائیں چنانچہ نومسلم عیسائیوں اور نومسلموں کی اولاد نے اس طرف زیادہ توجہ کی اور حقیقت یہ ہے کہ ان نومسلموں میں دینی احکام کی پابندی اور عبادات کا زیادہ شوق تھا۔ سلطان ہشام اور شیخ الاسلام ابو عبد اللہ کے مالکی مسلک اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کا مذہب مالکی ہو گیا۔ اور تمام ملک میں مالکی فقہ کی موافق قاضیوں کے فیصلے صادر ہونے لگے۔ ہشام کے عہد حکومت میں صدقات و زکوٰۃ کتاب و سنت کے بالکل موافق وصول کئے جاتے تھے۔

سلطان ہشام نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے حکم کو اپنا ولیعہد بنایا اور ارکین سلطنت سے حکم کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ اس موقع پر حکم کو مخاطب کر کے سلطان ہشام نے مندرجہ ذیل کلمات بطور وصیت فرمائے:۔

"تم عدل و انصاف کے قائم رکھنے میں امیر و غریب کا مطلق امتیاز نہ کرنا۔ اپنے ماتحتوں سے مہربانی اور رعایت کا برتاؤ کرنا۔ اپنے صوبوں اور شہروں کی حفاظت و حکومت پر وفادار اور تجربہ کار لوگوں کو مامور کرنا۔ جو عامل رعایا کو بلاوجہ ستائے اس کو سخت سزا دینا۔ فوج پر اپنا اقتدار مضبوطی اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھنا اور اس بات کا بھی لحاظ رکھنا کہ فوج کا کام ملک کی حفاظت کرنا ہے ملک کو تباہ کرنا نہیں۔ فوج کو تنخواہ ہمیشہ وقت پر دینا اور جو وعدہ کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرنا کہ رعایا تم کو محبت کی نگاہ سے دیکھے۔ رعایا کو زیادہ ڈرانا اور خوف زدہ بنا کر رکھنا استحکام سلطنت کے لئے مضر ہے اسی طرح رعایا کا بادشاہ سے متنفر ہونا نقصان رساں ہے۔ کاشتکاروں کے حال سے کبھی بے خبر نہ ہونا اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ فصلیں تباہ اور خراب نہ ہونے پائیں اور چراگاہیں برباد نہ ہو جائیں۔ تمہارا مجموعی طرز عمل ایسا ہو کہ تمہاری رعایا تم کو دعائیں دے اور تمہارے زیر سایہ خوشی و خورمی سے اپنی عمر گذارے۔ اگر تم نے ان باتوں کو ملحوظ رکھا تو تم شاندار بادشاہوں کی فہرست میں شامل ہو سکو گے"

سلطان ہشام کا تمام عہد حکومت لڑائیوں اور چڑھائیوں میں گذرا لیکن جب اس کے مذہبی، علمی، اخلاقی، معاشرتی کارناموں پر غور کیا جاتا ہے تو اس بات کا تصور دشوار ہو جاتا ہے کہ سلطان ہشام نے جنگی کارنامے بھی کئے ہونگے اور بڑے بڑے بادشاہوں کو نیچا دکھایا۔ کثیر التعداد بغاوتوں کو فرو کیا اور ہر ایک میدان میں فتح پائی ہوگی۔ بہرحال ملک اندلس میں خاندان بنو امیہ کی حکومت و سلطنت و خلافت کے قائم ہونے اور قائم ہو کر تین سو برس تک باقی رہنے کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ امیر عبدالرحمن بانی حکومت اندلس کے بعد ہشام جیسا ہمہ صفت موصوف سلطان تخت اندلس کا وارث و مالک ہوا۔ اگر سلطان ہشام کی جگہ کوئی دوسرا کم قابلیت والا سلطان ہوتا تو خاندان عبدالرحمن بن امیہ میں سلسلہ سلطنت کا قائم ہونا بعید دشوار تھا۔ افسوس ہے کہ سلطان ہشام کی مدت سلطنت بہت تھوڑی رہی یعنی صرف سات برس اور آٹھ مہینے اس نے حکومت کی تاہم اس کی تلافی اس طرح ہو گئی کہ ہشام کے بعد حکم بن ہشام بھی ایک نہایت موزوں شخص تھا جو تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔

حکم بن ہشام | حکم بن ہشام اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۸۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی ایک بہت بڑی بغاوت نے سر ابھارا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلطان ہشام کا بھائی سلیمان افریقہ (مراقش) میں مقیم تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سلیمان خط و کتابت کے ذریعہ اندلس کے اندر بھی مادہ بغاوت پیدا کرنے میں مصروف تھا۔ ہشام کا دوسرا بھائی عبداللہ طلیطلہ کے متصل اپنی جاگیر میں مقیم تھا۔ سلطان ہشام کی وفات کا حال سن کر عبداللہ فوراً طلیطلہ سے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس گیا جو مراقش سے شہر تنجیر میں مقیم تھا اور اس کے پاس بربریوں اور ڈاکہ زنوں کی ایک کافی تعداد موجود تھی۔ وہاں کے علاقے کو ان لوگوں نے وہیں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا جولانگاہ بنا رکھا تھا تنجیر میں دونوں بھائیوں نے سلطنت اندلس قبضہ کرنے کا مشورہ کیا۔ شاہ سپین یا بادشاہ فرانس اور فرانس کے دیگر سرحدی رئیسوں سے پہلے ہی سلسلہ وابستہ سازباز کر رکھا تھا۔ اب یہ تجویز قرار پائی کہ عبداللہ خود شاہ سپین کی خدمت میں فرانس جائے اور ادھر سے اندلس پر حملہ کرنے کی غرض سے یعنی بادشاہ فرانس کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اندلس پر

تو علحدگی کرکے اس بغاوت کو جو ہم اندرون ملک برپا کریں گے کامیاب بنادے عبداللہ شارلیمین کے پاس گیا وہاں شارلیمین نے وعدہ کیا اور ایک جرار فوج مرتب کرکے اپنے بیٹے کی سپہ سالاری میں سرحد اندلس پر روانہ کردی۔ عبداللہ نے واپس آکر طلیطلہ کے عامل کو اپنے حسب منشا بغاوت پر آمادہ کرکے طلیطلہ پر خود قبضہ کرلیا۔ طلیطلہ اندلس کا قدیمی دار السلطنت یعنی شاہان وزیگاتھ کا دار الحکومت تھا یہاں عیسائیوں کی آبادی بہت زیادہ تھی اور مسلمان بھی وہ نو مسلم تھے جو اپنے عیسائی بزرگوں اور قدیمی عیسائی بادشاہوں کے افسانوں کو فخریہ بیان کرنے اور یاد رکھنے کے عادی تھے اس لئے طلیطلہ کے عیسائیوں اور عیسائیوں کے ہم قوم نو مسلموں کو بڑی آسانی سے بغاوت پر آمادہ کیا جاسکتا تھا۔ یہاں امیر عبدالرحمن کو بھی بہت عزت و محبت کے ساتھ یاد کیا جاتا اور عبدالرحمن کے بیٹے عبداللہ کو بمقابلہ عبدالرحمن کے پوتے حکم کے زیادہ مستحق تکریم سمجھا جاتا تھا غرض بکثرت ایسے اسباب موجود تھے کہ عبداللہ کو طلیطلہ پر قبضہ کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ ادھر سلیمان بن عبدالرحمن نے مراقش سے اندلس کے صوبہ بلنسیہ میں پہونچکر اپنے آپ کو خاندان سلطنت میں سب سے زیادہ مسن اور بڑی عمر کا شخص ہونیکی وجہ سے مستحق سلطنت بتاکر اپنی امارت و سلطنت کا اعلان کردیا اور اس صوبہ میں اپنا عمل دخل بٹھایا۔

سلیمان و عبداللہ کے اعلان بغاوت کے متصل ہی حسب قرار داد شارلیمین کے بیٹے نے جبل البرتات سے گذر کر اندلس کے میدان میں قدم رکھا اور کئی شہروں کو فتح کرنے کے بعد برشلونہ کا محاصرہ کرلیا۔ برشلونہ کے عامل زید نے شارلیمین کے بیٹے کی اطاعت قبول کرلی مگر قلعہ کے اندر فرانسیسی فوج کو داخل نہیں ہونے دیا۔ ادھر ایکوٹین کی ریاست کے فرمانروا لوئی نے جبل البرتات کے مغربی حصہ کو عبور کرکے اندلس کے شمالی و مغربی علاقے کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور لاردہ و وشقہ پر قابض و متصرف ہوگیا۔ اندرون ملک میں سلیمان و عبداللہ نے ملک کے نہایت اہم اور مرکزی شہروں اور صوبوں پر قبضہ کرلیا اور شمال کی جانب سے عیسائیوں نے زبردست حملہ کرکے شمالی اندلس کو تہ وبالا کردیا۔ یہ خطرات معمولی نہ تھے اور اندلس کے ہاتھ سے نکل جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ سلطان حکم بن ہشام نے سب سے پہلے طلیطلہ کی بغاوت کا حال سنا اور فوراً فوج لے کر طلیطلہ کا محاصرہ کیا وہاں عبداللہ نے مدافعت میں مستعدی دکھائی ابھی اس محاصرہ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ شمالی اندلس کے قبضے سے نکلجانے اور عیسائیوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع پہونچی۔ سلطان حکم نے عیسائی حملہ کو اپنے چچاؤں کی بغاوت سے زیادہ اہم اور خطرناک سمجھکر طلیطلہ سے محاصرہ اٹھاکر فوراً شمال کی جانب کوچ کردیا۔ حکم کے قریب پہونچنے کی خبر سُن کر شارلیمین کی افواج برشلونہ اور نواح برشلونہ نہایت عجلت کے ساتھ فرار ہوگئیں اور اس طرح فرار ہوئیں کہ راستے میں کسی جگہ انہوں نے ٹھہرنا اور دم لینا مناسب نہیں سمجھا یا کہ فرانس ہی میں جاکر دم لیا۔ اس کے بعد سلطان حکم وشقہ اور لاردہ کی جانب متوجہ ہوا۔ وہاں کی عیسائی افواج بھی قتل و غارت کے ہنگامے برپا کرنیکے بعد سلطان حکم کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر بھاگ گئی اور ایکوٹین میں جاکر دم لیا۔ سلطان نے اندلس کا علاقہ عیسائیوں سے خالی کراکر کوہ پیرنیز یعنی جبل البرتات کے شمال میں پہونچکر فرانس کے جنوبی حصے کو تاخت و تاراج کیا اور شہر اربونہ کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ ادھر حکم عیسائیوں کے تعاقب میں فرانس تک پہونچ گیا ادھر عبداللہ اور سلیمان نے موقع پاکر اندلس کے شہروں پر قبضہ کرنا اور سلطان حکم کے عاملوں کو بیدخل کرنا شروع کیا۔ یہ دونوں بھائی فتوحات کرتے ہوئے دریائے ٹیگس پر ایک دوسرے سے آملے مگر اس کے بعد

انہوں نے اپنی فتوحات کو جاری نہیں رکھا بلکہ دونوں اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ فرانس میں حکم کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ یہ دونوں اس بات کے خواہشمند تھے کہ فرانسیسی حکم پر غالب آجائیں اور حکم کا وہیں خاتمہ ہو جائے تو ہم تمام ملک اندلس پر قابض و متصرف ہو کر اپنی حکومت شروع کریں۔ اسی طرح حکم کے عامل بھی اسی انتظار میں اپنی اپنی جگہ خاموش اور متامل تھے کہ دیکھئے حکم کے اس عاجلانہ حملہ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر خدانخواستہ حکم فرانس میں مارا جاتا تو تمام عامل بخوشی سلیمان و عبداللہ کی اطاعت قبول کر لیتے کیونکہ یہ دونوں امیر عبدالرحمٰن کے بیٹے تھے۔ مگر فرانس میں جب حکم داخل ہوا تو وہاں کی افواج پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اس کے آگے ہر مقام پر بھاگتی ہوئی نظر آئیں۔ ممکن تھا کہ حکم اس ملک کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کرنے اور اپنے عامل مقرر کرنے کی کوشش کرتا اور کچھ روز فرانس میں گذارتا لیکن اس کو معلوم تھا کہ اندلس کے اندر کیسے طاقتور دشمن موجود ہیں اور وہاں اس کی غیر موجودگی کس قدر مضر ثابت ہو سکے گی چنانچہ وہ عیسائیوں کو خوف زدہ بنا کر فوراً ہی اندلس کی جانب لوٹا۔ سلیمان و عبداللہ نے اپنی طرف سے عبیدہ بن عمیر کو طلیطلہ کا گورنر مقرر کر کے اور خود فوجیں لے کر حکم کو آگے بڑھ کر روکا۔ حکم کے فتح مند واپس آنے سے ان دونوں کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں مقابلہ ہونے پر دونوں نے شکست کھائی اور فرار ہو کر اندلس کے مشرقی کوہستان میں جا کر پناہ لی۔ سلطان حکم نے عمرو بن یوسف اپنے ایک سردار کو تو طلیطلہ کے محاصرہ پر مامور کیا اور خود سلیمان و عبداللہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ کئی مہینے تک سلیمان و عبداللہ پہاڑوں میں حکم کو پریشان کرتے ہوئے پھرا اور کہیں مقابلہ نہ ہوا آخر وہ مرسیہ کے اسی میدان میں نکلے جہاں چند روز پہلے بحالت شہزادگی حکم نے سلیمان کو شکست دی تھی۔ ادھر سلطان حکم بھی مقابلہ پر پہونچ گیا دونوں فوجوں نے خوب جم کر اور جی توڑ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ آخر ایک تیر سلیمان کے آکر لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا سلیمان کے مارے جاتے ہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے عبداللہ نے فرار ہو کر بلنسیہ میں جا کر قیام کیا اور سلطان حکم کے پاس عفو تقصیرات کی درخواست بھیجی۔ حکم نے چچا کی اس درخواست کو فوراً منظور کر کے یہ شرط پیش کی کہ آپ اپنے دونوں بیٹوں اصبغ اور قاسم کو میرے پاس بطور یرغمال چھوڑ دیں اور اندلس سے روانہ ہو کر مراقش کے مقام تنجیر میں جائیں اور وہیں قیام کریں۔ عبداللہ نے فوراً اس کی تعمیل کی اور تنجیر میں جا کر مستقل سکونت اختیار کی۔ حکم اپنے ان دونوں چچا زاد بھائیوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتا رہا۔ اور چھوٹے بھائی کو شہر مریدہ کا عامل مقرر کر کے بڑے کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ ادھر سلطان حکم سلیمان و عبداللہ کے تعاقب میں مصروف تھا ادھر عمر بن یوسف نے شہر طلیطلہ کو فتح کر کے عبیدہ بن عمیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور اپنے بیٹے یوسف بن عمر کو طلیطلہ کا حاکم مقرر کر کے خود عبیدہ کا سر لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد سرقسطہ میں بغاوت نمودار ہوئی عمر بن یوسف اس طرف گیا اور وہاں کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر اس بغاوت کو فرو کر دیا۔ ان تمام خطرناک بغاوتوں کا سلسلہ ۱۸۱ھ میں شروع ہوا تھا اب تین برس کے بعد ۱۸۴ھ میں فرو ہوا اور تمام ملک اندلس میں امن و اطمینان اور سکون نظر آنے لگا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان بغاوتوں کے شروع میں امیر حکم عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے فرانس میں داخل ہوا تھا اور عیسائی افواج اس کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکی تھیں۔ اس تین سال کے عرصہ میں عیسائیوں نے اپنی یتیم و زبون حالت کو محسوس کر کے مسلمانوں کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے نہایت موزوں اور صحیح تدابیر سوچیں تفصیل اس

اجمال کی یہ ہے کہ سلسلۂ جبل البرتات کے مغربی حصہ میں جہاں خلیج بسکی صوبہ جلیقیہ اور فرانس کی حدود ملتی ہیں
ایک ریاست عیسائیوں کی ریاست ایسٹریاس کے نام سے قائم ہو چکی تھی یہ ریاست پہلے کی نسبت صوبہ جلیقیہ
کے میدانوں تک وسیع ہو چکی تھی۔ ایک زبردست ریاست جبل البرتات کے مشرقی حصے کے شمال اور فرانس
کے جنوب میں گاتھ قوم کے سرداروں نے اندلس سے خارج ہو کر قائم کر لی تھی یہ ریاست خوب طاقتور تھی اور
ریاست ایکوٹین کے نام سے مشہور تھی۔ ادھر ملک فرانس میں سب سے زیادہ وسیع ملک پر ایک قدیمی سلطنت
قائم تھی جس کا بادشاہ شارلیمین تھا۔ اس کے علاوہ صوبہ برشلونہ۔ اراگون۔ اربونیہ اور خلیج بسکی کے جنوبی
ساحل یعنی جلیقیہ وغیرہ میں سرکش عیسائیوں کی غالب آبادی تھی۔ مسلمان برائے نام اس طرف کہیں کہیں
آباد نظر آتے تھے ان شمالی علاقوں کی حکومت ہمیشہ معرض خطر میں رہتی تھی اور عیسائی قبائل جب کبھی
اپنے مسلمان حاکموں کو کمزور دیکھتے تھے تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے یا آمادہ کئے جا سکتے تھے۔ سلطان حکم کو
اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے میں مصروف دیکھ کر عیسائیوں نے ایک زبردست کونسل یا مجلس مشورت
شہر ٹولوز میں منعقد کی۔ اس مجلس میں مذکورہ بالا تمام عیسائی ریاستوں اور حکومتوں کے سردار۔ اندلس کے
شمالی حصوں کے عیسائیوں کے امراء سب جمع ہوتے اور ایک زبردست عیسائی اتحاد مسلمانوں کے خلاف
قائم کیا گیا۔ ایکوٹین اور فرانس کے بادشاہوں میں صلح قائم ہوئی اسی طرح ایسٹریاس کی ریاست نے جو
اب تک سب سے الگ اور بے تعلق تھی اس اتحاد میں شرکت کی اور جبل البرتات کے جنوب اور اندلس کے
شمال میں جہاں سرکش اور جنگجو عیسائیوں کی غالب آبادی تھی عیسائی ریاستیں قائم کرنے کی تجاویز سوچی
گئیں مسلمانوں نے بار بار جبل البرتات کو طے کیا اور فرانس کے میدانوں میں اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن
فرانسیسیوں کو جبل البرتات کا عبور کرنا ہمیشہ دشوار اور نقصان رساں ثابت ہوا۔ شارلیمین شہنشاہ فرانس نے
جنوبی فرانس کا ایک ٹکڑا جو جبل البرتات کے دامن میں تھا الگ کر کے ایک چھوٹی سی جدید ریاست قائم
کی اور وہاں کا حاکم فرانس کا ایک رئیس بوریل نامی مقرر کیا گیا۔ اس ریاست کا نام "گاتھک مارچ" رکھا گیا
اور اس کے رئیس کو خود مختار حاکم قرار دے کر اس امر کی ہدایت کی گئی کہ وہ مسلمانوں کے لئے جبل البرتات کو
ناقابل گذر بنائے اور ان کے روکنے کے لئے ہمیشہ مستعد و تیار رہے۔ اس ریاست کو بادشاہ ایکوٹین
کی سرپرستی میں دے دیا گیا جبل البرتات کے دامن میں جا بجا مناسب موقعوں پر زبردست قلعے تعمیر کئے
گئے اور اندلس کے شمالی عاملوں کے ساتھ تعلقات اور دوستی پیدا کرنے کے ذرائع اس امید پر سوچے گئے
کہ ان کو بغاوت پر بآسانی آمادہ کیا جا سکے۔ ان تمام عزائم اور تیاریوں کی اطلاع خلیفہ بغداد کو بھی دی گئی
اور ہارون الرشید کی طرف سے دوستی بڑھانے اور تحف و ہدایا بھیجنے کے ذریعہ ہمت افزائی ہوئی
اس نئی ریاست گاتھک مارچ نے جبل البرتات کے مشرقی و جنوبی حصے پر بھی قبضہ جمایا اور شمالی اندلس کے
عیسائیوں نے اس کے لئے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی۔ غرض یہ نئی ریاست ایسٹریاس کی ریاست کے
نمونہ پر ایک پہاڑی ریاست بن گئی اور جس طرح ایسٹریاس کی ترقی و طاقت میں پادریوں نے خاص طور پر
اضافہ کی کوشش کی تھی اسی طرح اس ریاست کے طاقتور بنانے کو بھی مذہبی کام قرار دیا گیا۔ وہ عیسائی
جو ایکوٹین۔ ایسٹریاس یا فرانس کی حکومتوں اور حاکموں سے کسی سبب سے ناراض و ناخوش تھے وہ
بجائے اس کے کہ مسلمانوں کی حکومت میں آکر آباد ہوتے اس نئی ریاست میں آ آ کر آباد ہونے لگے
اور یہ کوہی علاقہ جو بالکل ویران و غیر آباد پڑا ہوا تھا آباد اور پر رونق ہونے کے علاوہ طاقتور بھی

خوب ہو گیا۔

۱۸۴ھ کے آخر میں حکم کو مشکل سے اطمینان حاصل ہوا تھا کہ چند ہی روز کے بعد ۱۸۵ھ میں عیسائیوں نے شمالی اندلس میں پھر ہلچل پیدا کر دی اور بعض شمالی شہروں کے عاملوں نے شارلیمین کو خلیفہ بغداد کا دوست اور ایجنٹ سمجھ کر اور اُس کی حمایت و اعانت کو جائز جان کر سلطان حکم کے خلاف آمادہ ہو جانا ہی ثواب کا کام سمجھا۔ کیونکہ سلطان حکم کی مذہبیت اور دینداری پر عام لوگوں کو شک تھا اور اکثر اُس پر اعتراضات ہوتے رہتے تھے اس موقع پر اُن جاسوسوں نے بھی جو خلیفہ بغداد کی طرف سے اندلس میں مامور تھے کام کرنے کا خوب موقع پایا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ وشقہ۔ گیرون۔ لوق۔ لریدہ اور ترکونہ وغیرہ شمالی شہروں کے عاملوں نے شاہ فرانس کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر کے سلطان حکم کی فرمانبرداری سے انکار اور شارلیمین کے احکام کی اطاعت کا اقرار کیا اس طرح یکایک ریاست گاتھ مارچ اندلس کے شمالی میدانوں میں وسیع ہو کر اور ان مسلمان عاملوں کو مطیع پا کر خوب طاقتور اور مضبوط ہو گئی۔ اسی طرح جلیقیہ اور ساحل بسکی کے عاملوں نے جس میں حاکم سرقسطہ بھی شامل تھا عیسائی سلاطین کی اطاعت کا اعلان اور حکم سے بغاوت کا اظہار کیا۔ اس نئی مصیبت کے مقابلے کو سلطان حکم خود اس لئے قرطبہ سے حرکت نہ کر سکا کہ یہاں دار الحکومت کی بھی ہوا خراب ہو رہی تھی اور ضرورت تھی کہ سلطان دار الحکومت میں مقیم رہ کر بغاوت و سرکشی کے اُن جراثیم کا علاج کرے جو ملک کے گوشہ گوشہ میں سرایت کر گئے تھے اور جن کو خود سلطان کے رشتہ داروں اور مسلمانوں نے تقویت پہونچائی تھی۔ شمالی حصہ ملک کے بچانے اور عیسائیوں کے قبضے سے نکالنے کے لئے اپنے سپہ سالار ابراہیم کو روانہ کیا۔ ابراہیم نے اوّل جلیقیہ و سرقسطہ کی جانب فوجکشی کی اور اُس علاقے کو بہت سی لڑائیوں اور خونریزیوں کے بعد عیسائیوں سے واپس چھینا۔ باغی عامل عیسائی فوج اور عیسائی باشندوں کے ساتھ بھاگ کر شارلیمین کے پاس فرانس پہونچے اور اُس کو اندلس پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ ابراہیم بھی جلیقیہ و سرقسطہ وغیرہ کی طرف اس طرح مصروف ہوا کہ اندلس کے شمالی و مغربی حصے کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ ان مسلمان عاملوں نے جو شارلیمین کے پاس پہونچ گئے تھے اُس کو مشورہ دیا کہ اندلس کے قدیمی گاتھک دار السلطنت طلیطلہ کو آپ باسانی قبضہ میں لا سکتے ہیں اور ہم اس کام میں آپ کی قیمتی رہنمائی اور امداد کرنے کو موجود ہیں۔ مسلمان عاملوں کی اس ہمت افزائی نے عیسائیوں کے حوصلوں کو بہت بلند کر دیا چنانچہ ایک مجلس مشورت فرانس میں منعقد ہو کر یہ قرار پایا کہ ریاست گاتھک مارچ کی حدود میں برشلونہ کے بندرگاہ کو بھی ضرور شامل کر لیا جائے۔ برشلونہ کا عامل زید بھی شارلیمین اور کونٹ لوئی سے خط و کتابت رکھتا اور اُن کی طرفداری کا اقرار کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۸۸ھ کے آخر ایام میں عیسائی فوجیں گاتھک مارچ کی فوجوں کے ساتھ شامل ہو کر اندلس کے مشرقی و شمالی صوبہ کو پامال کرتی ہوئی برشلونہ تک پہونچیں یہاں کے عامل زید نے ان فوجوں کے آنے پر برشلونہ کے دروازوں کو بند کر لیا اور عیسائیوں کے قبضے میں دینے سے صاف انکار کر دیا۔ عیسائی افواج نے برشلونہ کا محاصرہ کر لیا عیسائیوں نے برشلونہ کے مضافات کو تباہ و برباد کر کے محاصرہ میں سختی سے کام لیا۔ زید کو کوئی امداد کسی طرف سے نہیں پہونچی آخر برشلونہ پر عیسائیوں نے اس شرط کے ساتھ قبضہ پالیا کہ وہ مسلمانوں کو وہاں سے اپنے اسباب منقولہ کے ساتھ نکل جانے دینگے۔ مسلمانوں نے برشلونہ کو خالی کر دیا عیسائی فوجیں اُس میں داخل ہو گئیں اور شاہ اکیوٹین نے قلعہ برشلونہ کو خوب مضبوط کر کے وہاں ایک گورنر مقرر کر دیا یہ نو مفتوحہ تمام علاقہ

گاتھک مارچ کی ریاست میں شامل ہو گیا۔ اسلامی فوجوں کے لئے شمالی اندلس میں اب دو محاذ جنگ قائم ہو گئے
ایک ریاست الیسٹریاس اور صوبہ جلیقیہ کی سرکش عیسائی آبادی کا جن کو فرانس کی جانب سے برابر امداد پہونچتی
رہتی تھی دوسرا گاتھک مارچ اور برشلونہ کے علاقے کی باغی عیسائی رعایا کا جن کو بھی فرانس کی جانب سے
امداد پہونچ رہی تھی۔ ادھر جنوب میں سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا اور مسلمان مولویوں نے نہایت
سخت مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ فوجیں جو عیسائیوں کی مدافعت کے لئے روانہ کی گئیں وہ کسی ایک ہی محاذ
پر عیسائیوں کے مقابلہ میں مصروف رہ سکتی تھیں چنانچہ صوبہ جلیقیہ کی طرف جا کر انہوں نے عیسائیوں کو
ہزیمت دی تو دوسرا محاذ خالی رہا اور برشلونہ قبضہ سے نکل گیا اسی طرح اگر وہ برشلونہ کی طرف متوجہ ہوتیں
تو سرقسطہ و جلیقیہ وغیرہ پر عیسائیوں کا قبضہ قائم رہتا اور وہ مزید پیشقدمی کرتے۔
سنہ ۱۸۹ھ میں اندلس کے مسلمان باغی عاملوں نے عیسائیوں کو ترغیب دیکر طلیطلہ پر حملہ کرایا
عیسائیوں نے برشلونہ اور شمالی شہروں سے طلیطلہ کی طرف حرکت کی ادھر یوسف بن عمر نے مدافعت پر
مستعدی ظاہر کی آخر عیسائیوں نے طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا اور شہر طلیطلہ اور اس کے نواح کی عیسائی آبادی
نے حملہ آوروں کے لئے ہر قسم کی سہولت بہم پہونچا کر یوسف بن عمر عامل طلیطلہ کو عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار
اور عیسائیوں کا طلیطلہ پر قبضہ کرا دیا۔ عیسائیوں نے یوسف بن عمر کو صخرہ قیس میں قید کر دیا اور ملک
اندلس کے قدیمی دار السلطنت پر قابض ہو کر بیحد مسرور ہوئے۔ طلیطلہ کی خبر یوسف بن عمر کے باپ
عمر بن یوسف کو پہونچی تو وہ سرقسطہ کی جانب سے ایک جرار فوج لے کر طلیطلہ کی جانب چلا۔ یہاں آکر
معرکہ عظیم کے بعد طلیطلہ کو فتح کیا یوسف بن عمر کو آزاد کرایا اور عیسائیوں کو وہاں سے مار کر بھگایا طلیطلہ
عیسائیوں کا قبضہ کرانے میں باشندگان طلیطلہ نے جن میں زیادہ تر عیسائی ہی تھے زیادہ موثر کوشش کی تھی
لہذا سب سے زیادہ عتاب و عذاب کے مستحق عیسائیان طلیطلہ ہی تھے جنہوں نے طلیطلہ کی حکومت
بیحد مخدوش بنا رکھا تھا۔ مگر عمر بن یوسف نے نہایت دور اندیشی اور ہوشیاری سے کام لیکر ان غداروں
کچھ نہیں کہا اور جو جو عذرات بار دہ پیش کئے سب کو منظور کر کے ان کو مطمئن بنایا۔ ||

۴۴ سلطان حکم اگرچہ بہادر شخص تھا مگر جب سے اس کی حکومت شروع ہوئی تھی لڑائیوں کا سلسلہ
برابر جاری تھا اور اندلس کی اسلامی سلطنت کے بعض حصے کٹ کٹ کر عیسائیوں کے قبضہ و تصرف میں
جا رہے تھے۔ عیسائی طاقتور اور مسلمان کمزور ہوتے جاتے تھے اس کا سب سے بڑا سبب خود مسلمانوں
خانہ جنگی اور ناعاقبت اندیشی تھی۔ حکم کے رشتہ داروں نے حکم کی مخالفت اور خود حکومت حاصل کرنے
کوشش میں تیغ و تیر سے کام لینے میں جس طرح تامل نہیں کیا تھا اسی طرح انہوں نے خفیہ سازشوں ا
بغاوتوں کے برپا کرانے کی کوشش میں بھی دریغ نہیں کیا۔ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ عیسائیوں کو ہر قسم
امداد بہم پہونچائی۔ دوسرے دشمن عیسائی تھے جو مسلمانوں کو نقصان پہونچانے اور اندلس کی اسلامی
سلطنت کو کمزور کرنے کے لئے آپس میں متحد و متفق ہو چکے تھے۔ تیسرے دشمن عباسی تھے جن کی طرف
حکم کے رشتہ داروں اور عیسائیوں دونوں کی ہمت افزائی ہوتی رہتی تھی خود اندلس کے اندر ان
حامی موجود تھے جو حکم کو نقصان پہونچانے اور اس کی حکومت کے مٹانے کی تدبیروں میں مصروف رہتے
تھے۔ ان تینوں دشمنوں کے علاوہ ایک چوتھا زبردست دشمن اور پیدا ہو گیا تھا یہ مالکی گروہ کے فقہا
و علماء تھے جن کا سلطان ہشام کے زمانے میں سلطنت و حکومت میں بڑا اثر و اقتدار تھا وہی سلطنت

ہشام کے مشیر و وزیر اور وہی تمام محکموں کے مالک و مہتمم تھے۔ مذہبی پیشوا ہونے کے سبب عوام اور بھی زیادہ اُن کے زیر اثر تھے۔ سلطان حکم نے تخت نشین ہو کر ان مولویوں کے بڑھے ہوئے اقتدار کو کم کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کی صحبت کو اپنے لئے زیادہ ضروری نہ سمجھا۔ سلطان کی یہ خود رائی یا خود آرائی اُن کو سخت ناگوار گذری وہ سلطان کے خلاف نکتہ چینی اور عیب شماری میں مصروف ہوگئے یحییٰ بن یحییٰ قرطبہ کے قاضی القضاۃ اور اندلس کے شیخ الاسلام بنا دیئے گئے تھے وہ اپنے اثر و اقتدار اور احترام و اختیار کو کم دیکھ کر اور بھی زیادہ سلطان کے اعمال و افعال پر رائے زنی کرنے میں مصروف ہوئے۔ اس قسم کے تمام مشہور علماء جو مالکی مذہب میں داخل اور سلطان ہشام کے عہد میں حکومت و سلطنت میں دخیل تھے فتویٰ بازی پر اُتر آئے۔ اندلس میں یہ فقہی مذہب نیا نیا جاری ہوا تھا۔ اس سے پیشتر کوئی مسلمان ان فقہی مذاہب کی تخصیص و تفریق سے واقف نہ تھا لہٰذا تمام وہ لوگ جو مالکی مذہب میں داخل تھے خاص طور پر سلطان حکم کے دُشمن اور مخالف ہوگئے۔ اس چوتھے دشمن کی مخالفت کے نتائج سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے اور اسی کی وجہ سے سلطان حکم باقی تینوں دشمنوں کا قرار واقعی انسداد نہ کر سکا اور عیسائیوں کو طاقتور بننے اور اسلامی حکومت کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ بہرحال سلطان حکم کے زمانے میں مذکورہ بالا چاروں مخالف طاقتوں نے ملکر عیسائیوں کو طاقتور ہونے کا خوب آزاد موقع دیا۔ اس معاملے میں سلطان حکم کی بداحتیاطی اور آزادمزاجی کو بھی ملزم قرار دیا جا سکتا ہے مگر نہ اتنا کہ جس قدر کہ عام طور پر مورخ اس سلطان کو مجرم اور ملزم قرار دیتے ہیں۔

۱۹۰ھ میں مولویوں کے گروہ نے اپنی سازشوں اور کوششوں کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کیا قاضی القضاۃ یحییٰ بن یحییٰ اور فقیہ طالوت وغیرہ علمائے قرطبہ نے اپنے ہمخیال علماء و اُمرا کو مجتمع کر کے حکم کی معزولی کا مشورہ کیا اور یحییٰ کی سرکردگی میں ایک وفد قاسم بن عبداللہ سلطان حکم کے چچیرے بھائی اور داماد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس سے کہا کہ آپ کو ہم تختِ اندلس پر بٹھانا اور بادشاہ بنانا چاہتے ہیں قاسم نے کہا کہ پہلے مجھ کو یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ کون کون لوگ ہیں جو اس کام پر آمادہ ہیں اگر اُن کی جمعیت اور طاقت اس قابل ہے کہ وہ سلطان حکم کو معزول کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو میں بخوشی آپ کے مشورہ میں شریک ہو سکتا ہوں لہٰذا کل آپ اُن لوگوں کے ناموں کی ایک فہرست میرے سامنے لائیں قاضی یحییٰ اس فہرست کا وعدہ کر کے واپس آئے اگلے دن جب فہرست لے کر پہونچے تو قاسم بن عبداللہ نے سلطان حکم کو پہلے ہی اپنے مکان میں بلا کر اور پس پردہ چھپا کر بٹھا لیا تھا۔ قاضی یحییٰ نے ان لوگوں کے نام قاسم کے منشی کو لکھوانے شروع کئے اُدھر پس پردہ سلطان حکم کا منشی بھی سلطان حکم کے پاس بیٹھا ہوا ان لوگوں کے نام لکھ رہا تھا حکم کے منشی کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا بھی نام نہ لے دیا جائے اس لئے اس نے قلم کو کاغذ پر اس طرح چلانا شروع کیا جس سے صریر قلم یعنی قلم کی آواز نکلنے لگی۔ پس پردہ لکھنے کی آواز سن کر قاضی صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کو شبہ ہوا کہ کوئی چھپا ہوا بیٹھا ہے اور ان ناموں کو لکھ رہا ہے اس شبہ کے پیدا ہوتے ہی یہ لوگ وہاں سے اُٹھ اُٹھ کر بھاگے۔ کچھ تو نکل گئے باقی اسی مکان میں گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے جن کی تعداد ۷۲ تھی۔ اس کے بعد بغاوت کا علم علانیہ بلند کر دیا گیا۔ قرطبہ کے جنوب کی جانب دریائے وادی الکبیر کے پار ایک محلہ آباد تھا اس محلہ میں عام طور پر یہی لوگ بستے تھے جو ان مولویوں کے زیر اثر اور زیادہ عیسائی قوم سے نومسلم تھے۔ ان لوگوں نے ہجوم کر کے سلطان حکم کے محل پر حملہ کر کے محاصرہ کر لیا مگر حکم نے سب کو منتشر کر دیا

اور معمولی کشت و خون کے بعد یہ ہنگامہ فرو ہوگیا۔

اسی سال یعنی سنہ ۱۹۰ھ میں سلطان حکم نے مراقش کی نئی خود مختار حکومت ادریسیہ سے مصالحت اور دوستانہ تعلق پیدا کیا۔ مراقش میں سلطنت ادریسیہ کا خلافت بغداد سے آزاد ہوجانا حکومت اندلس کے لئے بیحد مفید ثابت ہوا اور ملک اندلس عباسیوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے اثر سے بہت کچھ محفوظ ہوگیا سلطنت اندلس کے لئے مراقش کی خود مختاری ایک تائید غیبی تھی اور سلطان حکم نے مراقش کی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ سلطان حکم نے سنہ ۱۹۱ھ تک علمائے قرطبہ کا زور کم کرنے اور حکومت مراقش کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے سے فارغ ہوکر کسیقدر اطمینان حاصل کیا اور شمالی صوبوں کی جانب متوجہ ہوکر اُس کے تدارک میں مصروف ہوا۔

سنہ ۱۹۱ھ میں حکم نے حالات و واقعات پیش آمدہ کا بغور مطالعہ کرنیکے بعد یہ رائے قائم کی کہ عیسائی سازشوں کو کامیاب بنانے کا سب سے زیادہ سامان طلیطلہ میں موجود ہے اور وہاں کے عیسائی زیادہ ہنگامہ پسند اور طاقتور ہونے کی وجہ سے مسلمان اور عیسائی دونوں قسم کے سازش کنندوں کا ملجا و ماویٰ بنے رہتے ہیں اگر طلیطلہ کو اس کثافت سے پاک کردیا جائے اور بغاوت و سرکشی کے اس مرکز کو توڑ دیا جائے تو پھر شمالی صوبوں کے انتظام میں آسانی پیدا ہوسکیگی۔ اس سازشی مرکز کو توڑنے کے لئے ایک سازش کی گئی کہ آہن باہن تواں کوفتن۔ حکم نے عمر بن یوسف کو بلاکر مشورہ کیا اور اُس کے مشورہ کی موافق اُس کے بیٹے یوسف بن عمر کی جگہ اُس کو طلیطلہ کی سندِ حکومت عطا کی گئی۔ عمر بن یوسف نے طلیطلہ پہونچکر اہل طلیطلہ سے رعایت و مروت کا برتاؤ شروع کیا اور وہاں کے بعض اُمرا سے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ موجودہ خاندانِ سلطنت یعنی بنو اُمیہ کو تختِ حکومت سے معزول کردینا چاہئے یہ سنتے ہی طلیطلہ والے بیحد خوش ہوتے اور بہت جلد تمام باشندگانِ طلیطلہ نے عمر بن یوسف کو اپنی جان نثاری اور حمایت کا یقین دلایا۔ اس طرح اہل طلیطلہ کے اصلی خیالات سے واقف ہونیکے بعد عمر بن یوسف نے اُن سے کہا کہ موجودہ سلطنت کے مٹانے اور درہم برہم کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہم طلیطلہ کے متصل ایک اور قلعہ تعمیر کریں تاکہ طلیطلہ کا محاصرہ کرنا آسان کام نہ رہے اہل طلیطلہ نے کہا کہ اس قلعہ کی تعمیر کے تمام مصارف ہم خود ادا کریں گے چنانچہ باشندوں نے خود ہی چندہ کرکے کافی روپیہ عمر بن یوسف کی خدمت میں حاضر کردیا اور بہت جلد ایک مختصر و مضبوط قلعہ بن کر تیار ہوگیا۔ اس کے بعد سرحدی عامل نے قرارداد کی موافق سلطان حکم سے فوجی امداد طلب کی کہ ادھر عیسائی حملہ کا خطرہ ہے۔ سلطان حکم نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کی سرداری میں ایک زبردست فوج اُس طرف روانہ کی۔ یہ فوج رستہ میں طلیطلہ ہوکر گذری جب طلیطلہ کے قریب پہونچی تو عمر بن یوسف عامل طلیطلہ نے استقبال کیا اور مراسم مہمانی بجالایا۔ اُس جدید قلعہ میں ٹھہرایا اور اہل طلیطلہ سے کہا کہ شہزادہ عبدالرحمٰن یعنی ولیعہدِ سلطنت چونکہ تمہارے شہر میں آیا ہے لہٰذا تم اس کی مہمانی اور مدارات میں خوب شوق اور جوش کا اظہار کرو تاکہ اُس کے دل میں تمہاری وفاداری اور محبت کا نقش بیٹھ جائے اور وہ تمہاری طرف سے غافل اور مطمئن ہو۔ اہل طلیطلہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اُن تمام لوگوں نے جو فساد و بغاوت کے ممبر اور انقلابِ حکومت کے خواہاں تھے شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور سلام کرنے کی اجازت چاہی شہزادہ نے بخوشی اُن کو اجازت دی اور وقت مقررہ پر سب کو طلب فرمایا۔ اس طرح طلیطلہ کے [illegible] تو سب کو گرفتار کرکے قتل کرڈالا گیا اور ایک خندق میں جو قلعہ کے [illegible] سب کی لاشوں کو

ڈال کر مٹی سے برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد طلیطلہ سے شر و بغاوت کا استیصال ہو گیا باقی لوگ انقلابی لوگوں کے
اس انجام کو دیکھ کر سہم گئے اور پھر کسی کو بغاوت سرکشی کی جرأت نہ ہوئی۔

آئے دن کی اس بغاوت و سرکشی اور ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر اور باغیانِ طلیطلہ کی اس سزا دہی سے فارغ
ہو کر سلطان حکم نے عیسائیوں کے خلاف جو شمالی اندلس پر قابض اور دامن جبل البرتات پر بے شلونہ تک
متصرف ہو چکے تھے معمولی فوجی دستے بھیجے لیکن پوری طاقت سے اُس طرف متوجہ ہونا مناسب نہ سمجھا
نتیجہ یہ ہوا کہ شمال میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا کبھی مسلمان عیسائیوں کو شکست دیتے اور کبھی خود
اُن سے شکست کھا جاتے سات آٹھ برس تک یہی سلسلہ جاری رہا چونکہ مسلمانوں کی پوری اور بڑی
طاقت عیسائیوں کے مقابلے پر نہیں بھیجی گئی تھی بلکہ صرف عیسائیوں کی پیشقدمی کا روکنا مدنظر تھا لہذا
ان معرکہ آرائیوں کا نتیجہ عیسائیوں کے حق میں بہت ہی مفید ثابت ہوا اُن کے دلوں سے مسلمانوں کا
رُعب جاتا رہا۔ عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ مسلسل مصروف جنگ رہکر لڑائیوں میں خوب
مشاق اور چست ہو گئے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ سلطان حکم کے فوجی دستوں نے
عیسائیوں کی ریاست گاتھک مارچ۔ ریاست ایسٹریاس اور سرکشان جلیقیہ کو نہایت شوق و تندہی کیساتھ
فوجی مشق کرائی اور اُن کو میدان جنگ میں لڑنے کی تعلیم دیکر زبردست سپاہی بنا دیا۔ مگر سلطان حکم اس کے سوا
کوئی دوسرا راستہ اختیار بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس کو باشندگان اندلس کی نسبت سخت بدظنی پیدا ہو گئی تھی
اس عرصہ میں اُس نے دار السلطنت قرطبہ میں رہکر ایک جدید فوج کے مرتب کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے بڑی
احتیاط کے ساتھ ان عیسائیوں کو فوج میں بھرتی کیا جو اندلس کے جنوبی علاقے میں سکونت پذیر اور شمالی سرکش
عیسائیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے نیز اسلامی حکومت سے بہت خوش اور با فراغت زندگی بسر
کرتے تھے گویا ان عیسائیوں کو مشتبہ مسلمانوں کے مقابلے میں حکومت وقت کا زیادہ وفادار اور معتمد سمجھا
گیا۔ عیسائیوں کی یہ فوج تمام ملک اندلس کو قبضے میں رکھنے اور ہر قسم کے باغیوں کا سر کچلنے کے لئے کافی نہ تھی لہذا
سلطان نے ملک حبش، وسط افریقہ، ایشیائے کوچک، اور ممالک ایشیا کے غلاموں اور حربی قیدیوں کی
خریداری شروع کی اور اپنے اہلکاروں کے ذریعے دور دور سے غلاموں کو خرید کر منگایا ان غلاموں کی
ایک زبردست فوج تیار ہو گئی یہ لوگ چونکہ عربی زبان سے ناواقف تھے لہذا عجمی کہلاتے اور اپنے آقا
یعنی حکم کی حفاظت کرنے اور میدان جنگ میں لڑنے کے سوا اور کچھ نہ جانتے تھے نہ وہ کسی سازش میں
شریک ہو سکتے تھے نہ کسی سے تعلقات محبت قائم کر سکتے تھے۔ ان غلاموں کو اعلیٰ درجہ کی فوجی قواعد
سکھائی گئی اور حکم نے بذات خود ان کی تعلیم و تربیت کی جانب اپنی توجہ مبذول رکھی۔ حکم درحقیقت
غلاموں کی ایسی فوج مرتب کرنے اور اُس کے ذریعہ سلطنت کے قائم رکھنے کی تدبیر کا موجد ہے
اسی کی تقلید مصر کے خاندان ایوبی نے کی تھی اور مملوکوں کی فوج مصر میں قائم ہو کر آخر میں سلطنت کی مالک
بنی تھی۔ جب سلطان حکم کو اس عیسائی اور عجمی فوج کی ترتیب و تکمیل سے اطمینان حاصل ہوا تو اب وقت
آگیا تھا کہ وہ شمال کی طرف عیسائی سرکشوں کی سرکوبی اور فرانسیسیوں پر فوج کشی کرنے کے لئے روانہ ہو
مگر قضا و قدر نے ابھی اُس کے لئے اندرونی بغاوتوں کے سلسلہ کو ختم نہیں کیا تھا۔

اصبغ بن عبداللہ حاکم مریدہ نے ایک غلط فہمی کی وجہ سے علم بغاوت بلند کیا سلطان کو اس طرف
خود متوجہ ہونا پڑا۔ اصبغ بن عبداللہ سلطان حکم کا چچا زاد بھائی بھی تھا اور بہنوئی بھی۔ آخر اصبغ محصور و گرفتار ہوا

مگر سلطان کی بہن نے درمیان میں پڑ کر غلط فہمی کو رفع کرا دیا اور سلطان نے اصبغ کو آزاد کر کے اُس کی خطا کو معاف
اور دار السلطنت قرطبہ میں رہنے کا حکم دیا۔ اس بغاوت سے سلطان ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ ایک اور
عظیم الشان خطرہ رونما ہوا جس سے یکایک قصر حکومت منہدم ہی ہوا چاہتا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے
سنہ ۱۹۸ھ میں مالکی گروہ نے پھر سر اُٹھایا۔ ایک مرتبہ پہلے ان لوگوں کی کوششوں اور سازشوں کا قلع قمع
کر دیا گیا تھا مگر اب جبکہ عیسائی اور عجمی لوگوں کی فوج تیار ہونے لگی تو مولویوں نے سلطان کے خلاف پھر فتویٰ
بازی شروع کر دی اور عجمیوں کے وجود کو شہر قرطبہ کے لئے ایک لعنت قرار دیا گیا۔ پچھلی سازش میں قاضی
یحییٰ پیش پیش تھے اور اُن کی نسبت اہل اندلس بہت عقیدت رکھتے اور اُن کو ولی کامل بھی جانتے تھے اسی لئے
حکم نے قاضی یحییٰ کو ماخوذ نہیں کیا تھا اور اُن کی ہر ایک مخالفِ سلطنت کوشش سے چشم پوشی اور درگذر کا
سلوک ہوا تھا اس مرتبہ بھی اُنہیں کے ذریعہ طبقۂ علماء اور اُن کے معتقدین میں جذبات نفرت نے ترقی کی
اور قرطبہ والوں نے یہاں تک مبادرت کی کہ جہاں کہیں کوئی اکیلا عجمی مل جاتا اُس کو قتل کر دیتے اس لئے عجمی
لوگ شہر میں اور شہر کے بازاروں میں جب کبھی نکلتے تو کئی کئی مل کر نکلتے ورنہ اپنے فوجی کیمپ ہی میں رہتے
ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ایک عجمی اور ایک مالکی صیقل گر میں کسی بات پر ہشت مشت کی نوبت پہونچ گئی
شہر والے بالخصوص شہر کے جنوبی محلہ والے جو وادی الکبیر کے دوسری جانب آباد تھے اور سب کے سب
مالکی مذہب کے پیرو تھے اُٹھ کھڑے ہوئے سب نے مل کر قصر سلطانی پر حملہ کیا اور سلطان حکم کی معزولی کا
اعلان کر دیا اور بھی واقعہ پسند لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ سرائے سلطانی کے
دروازے کو توڑ کر اندر گھس گئے اور قصر سلطانی کے محافظ دستے کو قتل کرتے اور پیچھے ہٹاتے ہوئے
دوسری ڈیوڑھی پر پہونچ گئے تمام قصر سلطانی میں ایک تلاطم اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی سلطان حکم نے اپنے
خدمتگار حسن نامی کو آواز دی اور کہا کہ سر میں لگانے کا خوشبودار تیل لاؤ۔ خدمتگار نے تیل حاضر کیا سلطان
نے سر میں لگایا۔ حسن نے جرأت کر کے پوچھا کہ اس وقت سخت خطرہ کا مقام ہے باغیوں نے سرائے سلطانی
کے کواڑوں کو آگ لگا دی ہے اور لوگوں کو قتل کرتے اور مارتے ہوئے بڑھے چلے آتے ہیں اور آپ کو
تیل لگانے اور اپنی زینت کرنے کی سوجھی ہے سلطان نے جواب دیا کہ احمق اگر میں اپنے بالوں میں خوشبودار
تیل نہ لگاؤں تو باغیوں کو میرا سر کاٹتے وقت یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ یہ بادشاہ کا سر ہے۔ اس حکایت کو
مورخین نے اس بات کے ثبوت میں نقل کیا ہے کہ سلطان حکم سخت سے سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے
موقع پر بھی مستقل مزاج رہتا اور حواس باختہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے چچا زاد بھائی
اصبغ کو بلا کر حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو تم اپنے آپ کو باغیوں کے اس محاصرے سے باہر نکالو اور فوراً
وادی الکبیر کے اُس طرف جا کر جنوبی محلہ میں آگ لگا دو۔ اصبغ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ایک چور دروازہ
کے ذریعے اپنے آپ کو باغیوں کے محاصرے سے باہر نکال لینے میں کامیاب ہو کر اور چند ہمراہیوں کو ساتھ
لے کر قرطبہ کی ایک نواحی چھاؤنی میں خبر بھیجی کہ فوراً مسلح ہو کر جنوبی محلہ میں پہونچو اور خود وہاں پہونچ کر متعدد
مکانات میں آگ لگا دی اتنے میں چھاؤنی سے فوج بھی وہاں پہونچ گئی۔ قصر سلطانی کا محاصرہ کرنے والے
باغیوں نے جب آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل جنوبی محلہ سے اُٹھتے ہوئے دیکھے تو وہ لوگ جو اُس
محلہ میں رہتے تھے اور وہی زیادہ تعداد میں اور اس بغاوت کے سرغنہ بھی تھے اپنے مکانوں کو بچانے کیلئے
اُس طرف دوڑے اور فوراً قصر سلطانی باغیوں سے خالی ہو گیا۔ سلطان حکم نے اس مناسب موقع سے

فائدہ اٹھانے میں مطلق کوتاہی نہیں کی فوراً اپنے محافظ دستے کو لے کر ان باغیوں کے پیچھے قصر سے روانہ ہوا ادھر سے اصبغ بن عبداللہ نے اِدھر سے سلطان حکم نے حملہ کر کے ان باغیوں کو خوب قتل کیا او پھر قتل کی ممانعت کا حکم دیکر باغیوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ بہت جلد چھاؤنیوں سے فوجیں بھی آگئیں اور ہزار ہا باغی گرفتار کر لئے گئے۔ اب مجبو ہوکر سلطان حکم نے حکم دیا کہ مالکی مذہب کے جس قدر پیرو قرطبہ اور اس کے نواح میں موجود ہیں سب کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ جلاوطنی کا حکم صرف اُن لوگوں کے لئے تھا جو علم و فضل سے بہرہ نہ رکھتے تھے ان میں اکثر نو مسلم عیسائی شامل تھے۔ قاضی یحییٰ اور دوسرے علما کو بوجہ اُن کے علم و فضل کے معاف کیا گیا اور باوجود اس کے کہ اصل موجب فساد انہیں لوگوں کا وجود ہوا تھا سلطان حکم نے یہی کافی سمجھا کہ ان کے معتقدین کو جلاوطن کر کے ان کی طاقت کو توڑا اور ان کے علم و فضل سے خود فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ معلوم ہوکر تعجب ہوتا ہے کہ یہی قاضی یحییٰ چند سال کے بعد سلطان حکم کے مصاحب اور بے تکلف مشیر خاص تھے۔ ان مالکی لوگوں کی جلاوطنی کے حکم کی تعمیل بڑی سرگرمی سے عمل میں لائی گئی یہ لوگ جب ساحل اندلس پر پہونچے تو ان میں سے آٹھ ہزار آدمی جو اپنے ساتھ زن و فرزند بھی رکھتے تھے مراقش میں جانے پر آمادہ ہوئے اور وہاں کے حاکم ادریس نے ان کے آنے کو اس لئے غنیمت سمجھا کہ اس کے دارالسلطنت شہر فیض یا تنجیر کی آبادی اور رونق میں اضافہ ہوگا جہاں یہ بڑے شوق سے آباد ہو گئے۔ اور پندرہ ہزار مالکی جہازوں میں سوار ہوکر اسکندریہ (مصر) پہونچے اور اسکندریہ پر قابض ہو گئے آخر وہاں سے بھی نکالے گئے اور جزیرہ اقریطش (کریٹ) پر قابض ہوئے وہاں انہوں نے اپنی حکومت قایم کی جو سو برس تک ان کی اولاد کے قبضے میں رہی جیسا کہ جلد دوم میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

اس کے بعد ہی خرم بن وہب نے مقام باجہ میں علم بغاوت بلند کیا اس بغاوت کا انجام یہ ہوا کہ خرم نے سلطانی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی اور عفو تقصیرات کا خواہاں ہوا۔ سلطان نے اس کی خطا معاف کر دی اب اور بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ ملک کی حالت ابھی تک قابل اطمینان نہیں اور بغاوت کے جراثیم جا بجا موجود ہیں۔

سلطان حکم کو تخت نشین ہوئے قریباً بیس سال ہو گئے تھے اس بیس سال کے عرصے میں اس کو مسلسل ملک کی اندرونی بغاوتوں اور عیسائیوں کے بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ زیادہ وقت اس کا بغاوتوں ہی کے فرو کرنے میں صرف ہوا عیسائیوں پر حملہ آور ہونے کی فرصت و مہلت نہ پا سکا۔ اب بظاہر ملک میں خموشی دیکھ کر حکم نے ایک جرار فوج تیار کی اور اپنے حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد کی سرداری میں شمالی سمت کو عیسائیوں کے مقابلے کے لئے روانہ کی حاجب عبدالکریم نے ریاست ایسٹریاس سے صرف اظہار فرمانبرداری ہی کو غنیمت سمجھا اور سیدھا ملک فرانس میں جبل البرتات کے اس طرف پہونچکر قتل و غارت اور فتوحات میں مصروف ہوا۔ یہ مہم ۲۰۰ھ میں ملک فرانس کی طرف روانہ ہوئی تھی ۲۰۳ھ تک عبدالکریم نے ملک فرانس میں جنگ و پیکار کے سلسلے کو جاری رکھا۔ سلطان حکم اور اس کے سپہ سالاروں کی یہ غلطی تھی کہ وہ صرف شارلیمین کی سلطنت کو اپنا حریف سمجھتے اور اسی کے حدود حکومت میں پہونچکر وہاں کے شہروں کو فتح کرتے تھے۔ گاتھک مارچ کی ریاست جو جبل البرتات سے برشلونہ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایسٹریاس کی ریاست جو جبل البرتات سے اس کے جنوبی و مغربی میدانوں تک وسیع ہو چکی تھی اُن کے لئے ناقابل التفات تھی۔ ان ریاستوں کو نہ انہوں نے مٹانا چاہا نہ اُنکے رقبہ کو کم کرنا ضروری سمجھا۔ وہ صرف اسی بات کو کافی

سمجھتے تھے کہ یہ عیسائی ریاستیں ہماری فرمانبرداری کا اقرار کرتی رہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی پر خود حکومت کریں۔ فرانس کے ملک پر وہ اس لئے حملہ آور ہوتے تھے کہ اگر فرانس کی سلطنت کو مٹا دیا گیا تو خطرہ کا وجود باقی نہ رہیگا اور یہ پہاڑی عیسائی ریاستیں شاہِ فرانس سے ملکر اور اُس کی سازش میں شریک ہوکر ہمارے لئے مشکلات پیدا کرنے کا موقع نہ پاسکیں گی۔ لیکن سلطان حکم ان دونوں سرحدی ریاستوں کو بالکل مٹا کر جبل البرتات پر زبردست فوجی چوکیاں قائم کر دیتا تو آیندہ کے لئے ملک اندلس خطرات سے محفوظ ہوسکتا اور ممکن تھا کہ کسی وقت ملک فرانس اور یورپ کے دوسرے ممالک بھی مستقل طور پر مسلمان فتح کر لیتے۔ ان پہاڑی سرحدی ریاستوں نے اندلس کی اسلامی سلطنت کو جو نقصانات پہونچائے اس کا تذکرہ آیندہ آنے والا ہے

سلطان حکم ہی کے عہدِ حکومت میں ایسٹریاس کے ایک پادری نے ریاست ایسٹریاس اور صوبہ جلیقیہ کی سرحد کے ایک جنگل میں بتایا کہ یہاں سینٹ جیمس رسول کی قبر ہے اور مجھ کو خواب میں فرشتے نے اس قبر کا پتہ بتایا ہے۔ چنانچہ وہاں حاکم ایسٹریاس نے ایک گرجا تعمیر کرا دیا یہ گرجا نہ صرف ایسٹریاس اور صوبہ جلیقیہ کے عیسائیوں کی زیارت گاہ بنا بلکہ یورپ کے دور دراز مقامات تک اس کی شہرت ہوگئی اور عیسائی لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہاں آبادی قائم ہوگئی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ ریاست ایسٹریاس کا حاکم نشین شہر اور دارالسلطنت بن گیا اور اپنے محل وقوع کے اعتبار سے تمام صوبہ جلیقیہ کو بھی قدرتاً اپنے ہی زیر اثر لے آیا۔

سپہ سالار عبدالکریم کئی سال کے بعد سنہ ۲۰۳ھ میں سالماً غانماً ملک فرانس سے واپس ہوا اور یہ مہم بڑی کامیاب سمجھی گئی کہ فرانسیسیوں کو ان کی گستاخی کی اچھی طرح سزا دیدی گئی مگر افسوس ہے کہ اس طرف مطلق توجہ نہ ہوئی کہ ریاست نوار اور ایسٹریاس کا نام ونشان مٹایا جاتا بلکہ ان دونوں عیسائی ریاستوں کے وجود کو بہت ہی غنیمت سمجھا گیا کہ ان کے ذریعہ باقاعدہ حکومت اُس علاقے میں قائم ہے جہاں مسلمان جانا اور رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ملک فرانس میں رہنے کے لئے بھی کوئی عرب سردار رضامند نہ تھا اور اسی خیال سے مسلمانوں نے بار بار فرانس کو فتح کیا مگر اُس کی قدر وقیمت اُس کی سرد آب وہوا کے سبب کچھ نہ سمجھی۔ وہاں سے مال غنیمت کے حاصل ہونے اور وہاں کے رئیسوں سے خراج وصول کر لینے ہی کو کافی سمجھتے رہے۔ ہر ایک عربی نژاد سردار جب ناربون، جلیقیہ اور جبل البرتات کے متصل سرد علاقے میں عامل مقرر کر کے بھیجا جاتا تو وہ کبیدہ خاطر ہوتا اور جنوبی گرم ومعتدل اور میدانی علاقوں میں رہنے اور جنوبی شہروں کا عامل مقرر ہونے کو اپنی خوش نصیبی جانتا۔

سنہ ۲۰۳ھ کے بعد اندلس میں حکم کے لئے امن وامان اور اطمینان کا زمانہ شروع ہوا تھا کیونکہ اب ملک میں نہ کوئی بغاوت تھی نہ کسی عیسائی حملہ آور کو روکنا تھا۔ نہ اور کسی حملہ کا اندیشہ تھا لیکن قضا وقدر نے یہ تجویز کر دیا تھا کہ حکم کا تمام عہدِ حکومت مصروفیت اور ہنگامہ آرائی میں بسر ہو چنانچہ اب جبکہ ہر ایک قسم کے حملے ختم ہو چکے تو اندلس پر قحط وخشک سالی کا حملہ ہوا۔ یہ قحط نہایت عظیم الشان تھا اور قحط کی وجہ سے ملک میں چوری وڈاکہ زنی کی وارداتیں بھی بڑی کثرت سے ہونے لگیں حکم نے جس طرح ابتک اپنے آپ کو ہر ایک موقع پر مستقل مزاج اور باحوصلہ ظاہر کیا تھا اسی طرح اُس نے اس مصیبت میں بھی اپنی شاہانہ ہمت کا اظہار کیا۔ قحط زدہ لوگوں کی پرورش کے لئے اُس نے ہر شہر وقصبے میں محتاج خانے کھلوا دیئے۔

غلہ کے باہر سے منگوانے کا اہتمام کیا۔ جا بجا راستوں اور آبادی کی حفاظت کے لئے زاید پولس اور فوجی دستے مقرر کئے۔ اس حالت میں جہاں کہیں کسی اہم بدامنی کی خبر پہونچی خود معہ فوج اُس طرف پہونچا اور امن و امان قائم کیا۔ غرض اُس نے اپنی رعایا کی اس قحط کے زمانے میں ایسی دستگیری اور مدد کی کہ رعیت کا ہر ایک طبقہ اُس سے محبت کرنے لگا اور وہ نفرت بھی جو مولویوں اور مولوی مزاج لوگوں نے اُس کے متعلق پھیلا دی تھی دُور ہو گئی جو لوگ اُس پر اُس کی آزاد مزاجی کی وجہ سے زبان طعن دراز کرتے تھے اُس کے مداح نظر آنے لگے۔

سلطان حکم کی نسبت خونخواری اور قتل کے عیب و الزام کو خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے مگر اگر بنظر غور سے دیکھا جاتے تو اس میں شک نہیں کہ حکم نے بہت سے لوگوں کو قتل کرایا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں کو قتل کرایا گیا وہ مستحق قتل تھے یا نہیں اور سلطان حکم نے مجبوراً اُن کو قتل کرایا یا صرف تفریح طبع کے لئے سلطان حکم نے ۲۵ ذیقعدہ ۲۰۶ھ بروز پنجشنبہ بعمر ۵۲ سال چند ماہ وفات پائی اور ۱۹ لڑکے ۲۱ لڑکیاں چھوڑیں۔ سلطان حکم کے بعد اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی یا عبدالرحمٰن اوسط تخت نشین ہوا۔

سلطان حکم بہادر۔ فیاض اور عاقبت اندیش شخص تھا۔ مکاروں اور خفیہ سازشیں کرنیوالوں کا دشمن اور اپنے دوستوں کے لئے بہت با مروت اور ہمدرد تھا علماء و فضلا کا قدردان اور شعراء کا مربی تھا۔ میدان جنگ میں مستقل مزاج اور جہاں کہیں معاف کرنے سے اصلاح کی توقع ہو فوراً خطا کار معاف کر دیتا تھا۔ وہ اندلس کا ایک جلیل القدر اور عظیم الشان بادشاہ تھا۔ سلطان حکم کے دیندار اور باخدا ہونے کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اُس نے ایک روز اپنے کسی خادم پر ناراض ہو کر حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے اتفاقاً اُس وقت زیاد بن عبدالرحمٰن جو ایک عالم شخص تھے آپہونچے اور سلطان حکم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "مالک بن انس نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو شخص اپنے غیظ و غضب کو باوجود قدرت ضبط کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے قلب کو امن و اطمینان سے پُر کر دیگا"۔ اس کلام کے ختم ہوتے ہی سلطان حکم کا غیظ و غضب کافور ہو گیا اور خادم کی خطا معاف کر دی۔

سلطان حکم کا ۲۷ سالہ عہد حکومت ہنگامہ آرائی اور بے اطمینانی کے عالم میں گذرا۔ اس بے اطمینانی اور بدامنی کے اسباب حکم کے پیدا کئے ہوئے نہ تھے بلکہ قدرتی وارد ہونیوالی آفتایں تھیں۔ اس زمانے میں اگر حکم سے کسی قدر کم مستقل مزاج شخص تخت اندلس پر ہوتا تو یقیناً بنو اُمیہ کی حکومت اندلس سے مٹ جاتی اور وہاں کے مسلمانوں کا انجام خطرناک ہوتا۔ سلطان حکم کا نہایت سخت امتحان قدرت نے لیا اور وہ اس امتحان میں بظاہر کامیاب ہوا۔

عبدالرحمٰن ثانی سلطان عبدالرحمٰن ثانی ماہ شعبان ۱۷۶ھ میں بمقام طلیطلہ پیدا ہوا اور ۲۰۶ھ میں اپنے باپ سلطان حکم کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ سلطان عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی کے وقت بظاہر مُلک میں امن و امان تھا اور اندرونی و بیرونی فتنوں کو فرو کیا جا چکا تھا۔ مگر اس سلطان کو تخت نشین ہوتے ہی اپنے خاندان والوں کی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سلطان حکم کا چچا عبداللہ اندلس سے مراقش کے شہر تنجیر میں جا کر سکونت پذیر ہو گیا تھا عبداللہ اس وقت بہت بوڑھا اور ضعیف ہو چکا تھا مگر اپنے بھتیجے سلطان حکم کی وفات کا حال سُنکر وہ تنجیر سے چلا اور اندلس میں وارد ہو کر اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ عبداللہ کے تین بیٹے اُس وقت اندلس میں موجود اور صوبوں کی گورنری پر مامور تھے عبداللہ کو توقع تھی کہ میرے بیٹے ضرور میری بادشاہت کے قائم کرانے میں مددگار ہونگے مگر یہ عبداللہ کی حماقت تھی

اور کہا جاسکتا ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کی عقل کمزور ہوگئی تھی۔ شاہی فوجوں نے فوراً عبداللہ کا مقابلہ کیا اور وہ شکست کھا کر کوہستان بلنسیہ میں پناہ گزین ہوا۔ اُس کے بیٹے بجائے اس کے کہ باپ کی مدد کرتے اور اس بغاوت میں اُس کے شریک ہوتے انہوں نے عقل و دانائی اور مآل اندیشی سے کام لے کر عبدالرحمٰن ثانی کی حمایت کی اور باپ کو سمجھایا کہ اس خیالِ خام سے باز رہو اور آتش فساد کو مشتعل نہ کرو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ نے اپنے پوتے عبدالرحمٰن ثانی سے عفو تقصیرات کی درخواست کی اور عبدالرحمٰن نے اس درخواست کو منظور ہی نہیں کیا بلکہ عبداللہ کو صوبہ مرسیہ کا والی بنادیا۔ جہاں وہ دو تین سال یعنی مرتے دم تک برسرِ حکومت رہا۔

تخت نشینی کے پہلے ہی سال یعنی ۲۰۶ھ میں ابراہیم موصلی کا شاگرد علی بن نافع معروف بہ فاریاب وارد اندلس ہوا۔ علی بن نافع موسیقی میں اُستاد کامل تھا نیز علوم مروجہ اور بعض دوسرے علوم غریبہ میں ماہر یکتا تھا۔ سلطان حکم نے یہ سُن کر کہ ملک عراق و شام میں اس کی اُس کے مرتبہ کی موافق قدر دانی نہیں ہوئی اُس کو اندلس میں اپنے پاس طلب کیا تھا۔ مگر اُس کے پہونچنے سے پہلے ہی سلطان حکم فوت ہوچکا تھا۔ جب سلطان عبدالرحمٰن کو اس حکیم و فلسفی کے وارد اندلس ہونے کا حال معلوم ہوا تو اس نے شہروں کے عاملوں کے نام احکام جاری کردیئے کہ قرطبہ تک پہونچنے میں علی بن نافع کو جس جس شہر میں ہوکر گزرنا پڑے اُس شہر کا حاکم اُس کا شاہانہ استقبال کرے اور متعدد غلام اور گھوڑے اور ہدیئے پیش کرے غرض بڑی عزت و احترام سے یہ شخص قرطبہ تک پہونچا اور بادشاہ کا مقرب خاص اور ندیم با اختصاص بن گیا۔ اس نے اندلس میں بڑی بڑی اہم معاشرتی اصلاحیں کیں اور تکلفات و زینت کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کئے جو بہت جلد مقبول عوام ہوئے۔ اسکی کوششوں سے قرطبہ کے اندر آب رسانی کے نل لگائے گئے اور پھر بہت جلد اندلس کے دوسرے شہروں میں بھی نلوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ نئے نئے پُرتکلف اور لذیذ و مقوی کھانے اور خوبصورت لباس اسکی ایجاد ہیں۔ غرض اس ایک شخص کی کوششوں اور ایجادوں نے نہ صرف تمام ملک اندلس بلکہ تمام یورپ پر اپنا اثر ڈالا چھری کانٹے کے ساتھ کھانا کھانا بھی اسی کی ایجاد ہے اور یورپ والوں نے اندلس کے مُسلمانوں ہی سے چھری کانٹے کے استعمال کو سیکھا تھا۔ علی بن نافع کو سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے مزاج میں بخوبی رسوخ حاصل تھا اور سلطان اُس کی بڑی عزت کرتا تھا مگر اُس نے کبھی کسی سیاسی معاملہ میں دخل نہیں دیا بلکہ اپنی تمامتر توجہ کو اصلاح معاشرت ہی کی جانب مبذول رکھا اسی لئے وہ تمام ملک میں ہر دلعزیز و محبوب تھا اور کوئی اُس کا دشمن و مخالف کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اندلس والوں نے جہاں اس شخص کی وجہ سے لباس و غذا و مکان کے تکلفات سیکھے وہاں انہوں نے موسیقی کا شوق بھی اس سے حاصل کیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ علی بن نافع نے اندلس پہونچ کر وہاں کے سپاہی پیشہ مُسلمانوں کو عیش پسند اور نازک مزاج بنانے کی موثر کوشش کی۔

قاضی یحییٰ بن یحییٰ مالکی کا اوپر ذکر آچکا ہے انہیں قاضی صاحب کی کوششوں سے سلطان حکم کے زمانے میں قرطبہ کے اندر ایک خطرناک بغاوت ہوئی جس کے نتیجے میں قرطبہ کی آبادی کا پانچواں حصہ یعنی ایک دریا پار کا جنوبی محلہ بالکل ویران ہوگیا اور بیس پچیس ہزار آدمیوں کو اندلس سے جلاوطن ہونا پڑا تھا مگر قاضی صاحب آخر میں سلطان حکم کے مصاحبوں اور مشیروں میں داخل تھے۔ اب سلطان عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی کے بعد وہ سلطان عبدالرحمٰن کے مزاج میں بہت کچھ دخیل تھے۔ اُن کو قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام کا عہدہ سلطان عبدالرحمٰن نے دینا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا اور

انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قاضی القضاۃ کے بھی افسر سمجھے جانے لگے۔ عوام اُن کے بیحد معتقد تھے اور مذہبی معاملات میں اُن کا فیصلہ سب سے آخری سمجھا جاتا تھا۔ قاضی صاحب بہت بڑے کثیر التصانیف شخص تھے وہ امام مالکؒ کے شاگرد رشید تھے اُنہوں نے کئی سال تک حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں رہ کر علم دین کو حاصل کیا تھا۔ اب سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے عہد حکومت میں اُنہوں نے اپنے طرز عمل کے اندر بہت بڑی تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ اب وہ اپنے اثر اور رسوخ سے نہایت قابلیت کے ساتھ کام لے رہے تھے۔ وہ جس کسی شخص کی سفارش محکمہ قضا میں کر دیتے تھے وہ کبھی رد نہ ہوتی تھی لہٰذا اُن تمام علماء نے جو کسی شہر یا قصبے کے قاضی بننا چاہتے تھے مالکی مذہب اختیار کیا اور اس طرح قاضی یحیٰی کی نگاہوں میں عزت و محبت کا مقام حاصل کر کے کہیں نہ کہیں کے قاضی بن گئے۔ اس غیر محسوس طرز عمل نے چند روز میں تمام ملک اندلس کو مالکی مذہب کا پیرو بنا دیا۔ سلطان عبدالرحمٰن ثانی اپنے باپ کے زمانے سے امور سلطنت میں دخیل اور تمام حالات سے خوب واقف تجربہ کار تھا لہٰذا اُس نے احتیاط سے کام لیا اور اس بات کی کوشش کی کہ مولویوں اور مولوی مزاج لوگوں کو اُس کے خلاف لوگوں کے برانگیختہ کرنے کا کوئی موقع نہ ملے۔

عبدالرحمٰن ثانی کی تخت نشینی کے وقت اندلس کا تمام شمالی حصہ جس میں خلیج بسکی کا جنوبی ساحل اور جبل البرتات کا جنوبی دامن شامل تھا عیسائیوں کے قبضے میں تھا مگر یہ تمام عیسائی رؤسا سلطنت اسلامیہ کے باجگزار اور دربار قرطبہ کی سیادت کو تسلیم کرتے تھے۔ دربار قرطبہ بھی اندلس کے اس شمالی حصے سے اس کے سوا اور کچھ نہ چاہتا تھا۔ برشلونہ کا علاقہ بھی عیسائیوں کے قبضے میں عرصہ سے پہنچ چکا تھا اور وہاں ریاست نگاتھک مارچ کے فرمانروا کی طرف سے ایک نائب الریاست مامور تھا۔ اس طرح اندلس کے مشرقی و شمالی ساحل کا بھی ایک حصہ عیسائیوں کے تصرف میں تھا۔ ریاست ایسٹریاس لیون و جلیقیہ تک وسیع ہو گئی تھی اور اُس کا جدید شہر کیسٹل یا قسطلہ دارالریاست یا دارالسلطنت بن چکا تھا۔ مسلمان ان شمالی عیسائی ریاستوں کو مٹانا ہرگز نہ چاہتے تھے مگر اُن کو اپنی طاقت سے محض اس لئے مرعوب رکھنا ضروری جانتے تھے کہ وہ فرانس کے عیسائیوں یعنی سلطنت فرانس وغیرہ سے ساز باز کر کے اندلس کے ملک پر کوئی چڑھائی نہ ہونے دیں۔ اسی غرض کے لئے وہ خلیج بسکی کو عبور کر کے اور کبھی جبل البرتات کو طے کر کے فرانس کے ملک پر حملے کرتے تھے کہ شمالی ملکوں کے عیسائی اندلس کی جانب اقدام نہ کر سکیں۔ اندلس کی شمالی سرحد پر شہر البیرۃ تھا جہاں دربار قرطبہ سے سرحدی عامل مقرر کیا جاتا تھا۔

البیرۃ کے اس سرحدی عامل نے وہاں کی رعایا پر ظلم کیا اور عیسائیوں سے ساز باز رکھا اس کی پاداش میں سلطان حکم نے اُس کو قتل کرا کر اُس کا تمام مال و اسباب ضبط کرا لیا تھا۔ اس کے چند ہی روز بعد سلطان حکم کا انتقال ہو گیا تھا۔ جدید سلطان کی تخت نشینی پر سرحدی عیسائیوں نے موقع پایا اور البیرۃ کی فوج اور رعایا کو بہکا کر قرطبہ میں بھیجا کہ وہ اُس مال کا مطالبہ کریں جو مقتول عامل کا سرکاری خزانہ کے حق میں ضبط ہوا ہے کیونکہ وہ مال درحقیقت رعایا کا مال ہے جو عامل نے زبردستی چھین لیا تھا یہ احتجاجی لوگ قرطبہ میں ۲۰۶ھ میں پہنچ کر قصر سلطانی کے دروازے پر گستاخانہ حرکات کے عامل ہوئے انکی تادیب کے لئے شاہی محافظ دستے کو حکم ہوا ان لوگوں نے مقابلہ کیا بہت سے مارے گئے بہت سے بھاگ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرحد پر عیسائیوں کو اور بھی زیادہ شورش پھیلانے کا موقع مل گیا۔

اسی سال یعنی ۲۰۶ھ میں علاقہ تدمیر کے اندر عربوں کے قبائل مضریہ اور قبائل یمانیہ میں

جنگ چھڑی اس خانہ جنگی کو فرو کرنے کے لئے شاہی فوج بھیجی گئی اور آتش فساد فرو ہوئی مگر جب شاہی فوج
واپس ہوئی تو یہ قبائل پھر آپس میں لڑنے لگے۔ پھر شاہی فوج گئی۔ غرضکہ قبائل کی اس خونریزی کا سلسلہ
قریباً سات سال تک جاری رہا اور ملک اندلس کے اندر قبائل عرب نے عرب جاہلیت کی سیرت خونخواری
کی خوب نمائش کی۔

۲۰۸ھ میں عیسائی ریاست ایسٹریاس یا ریاست جلیقیہ نے باج وخراج کی ادائیگی سے انکار
کر کے علم بغاوت بلند کیا اور سلطنت اسلامیہ کی حدود میں داخل ہو کر شہروں کو لوٹا۔ اس خبر کو سن کر
سلطان عبدالرحمن ثانی نے اپنے مشہور سپہ سالار عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو معہ فوج اس طرف
روانہ کیا۔ اس بہادر سپہ سالار نے وہاں پہونچکر ماہ جمادی الآخر ۲۰۸ھ میں عیسائیوں کو شکست فاش
دیکر بھگایا اور ان کی فوجیں بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپیں۔ عبدالکریم نے عیسائیوں کے سرحدی قلعوں کو
مسمار کر کے عیسائی فرمانروا کو مجبور کیا کہ وہ خراج ادا کرے اور آئندہ فرمانبرداری کا اقرار کر کے موافق
چاہیے۔ اس کامیابی کے بعد عبدالکریم واپس آیا۔ اور فوراً یہ فوج اسی سپہ سالار کی سرکردگی میں برشلونہ
کی طرف روانہ کی گئی جہاں سے بغاوت اور جنگی تیاریوں کی خبر پہونچی تھی۔ شاہی فوج نے جاتے ہی
برشلونہ کا تمام علاقہ فتح کر کے عیسائیوں کو بھگا کر پہاڑوں کے اندر چھپنے پر مجبور کر دیا اور جلیقیہ والوں کی
طرح ان سے بھی اقرار اطاعت لیکر تمام ملک مفتوحہ کو پھر انہیں کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا۔

۲۰۹ھ میں قیصر قسطنطنیہ کی طرف سے عبدالرحمن ثانی کی خدمت میں ایک سفارت حاضر ہوئی اس
سفارت کے ذریعہ قیصر نے سلطان اندلس سے محبت و دوستی کے تعلقات پیدا کرنے چاہے۔ دربار بغداد نے
فرانس کے بادشاہ سے تعلقات محبت قائم کر لئے تھے قیمتی تحفے وہاں فرانسیسیوں کے لئے بھیجتے رہتے تھے
اور دربار بغداد سے ہمیشہ اس بات کی کوشش ہوتی رہتی تھی کہ فرانسیسی ملک اندلس پر حملہ آور ہوں
ان باتوں سے دربار قرطبہ واقف تھا۔ ادھر قیصر قسطنطنیہ پر ہمیشہ حملہ آور ہوتے رہتے تھے اور دربار
قسطنطنیہ اپنے آپ کو معرض خطر میں پاتا تھا۔ اب قیصر قسطنطنیہ نے سلطان اندلس کی بہادری اور مسلمانان
اندلس کی شہرت سن کر دربار قرطبہ کو اپنا ہمدرد بنانا چاہا۔ سلطان اندلس کو قدرتی طور پر قیصر قسطنطنیہ
سے ہمدردی ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ دربار بغداد کا دشمن تھا۔ قیصر قسطنطنیہ کے اس سفیر کی عبدالرحمن
نے بڑی آؤ بھگت کی۔ سفیر نے بڑے بڑے قیمتی تحفے پیش کئے۔ اور قیصر قسطنطنیہ کی عظیم الشان طاقت اور
زبردست افواج کے حالات مبالغہ کے ساتھ سنا کر اس بات کا یقین دلایا کہ اگر آپ قیصر قسطنطنیہ سے
دوستی کے تعلقات پیدا کر لیں گے تو بڑی آسانی سے آپ اپنی آبائی خلافت اور شام و عراق و عرب وغیرہ
حکومت عباسیوں سے واپس لے سکیں گے۔ عبدالرحمن نے اس موقع پر بڑی دانائی اور مآل اندیشی سے
کام لے کر صرف اس قدر وعدہ کیا کہ اگر مجھ کو اپنے ملک کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو میں قیصر کی
امداد کر سکتا ہوں لیکن فی الحال مجھ کو اپنے ہی ملک میں بہت سے ضروری اور اہم کام درپیش ہیں۔ پھر
بہت سے قیمتی تحفے اس سفیر کے ہمراہ اپنے ایلچی یحییٰ غزال کے ہاتھ قیصر کے لئے روانہ کئے۔ یحییٰ الغزال
قسطنطنیہ میں وارد ہو کر نہایت غور و تعمق کی نگاہ سے وہاں کے حالات کا معائنہ کیا اور اپنے سلطان
کی دوستی کا یقین قیصر کو دلا کر واپس ہوا۔ سلطان عبدالرحمن نے [illegible] تو وہ عبدالرحمن
دشمن عباسی خلیفہ ہی کیوں نہ ہو ایک عیسائی بادشاہ کی رعایا باتوں سے مدد کرنی کسی طرح مناسب

اور زبانی وعدہ وعید پر ہی ٹال دیا ورنہ عبدالرحمٰن قیصر کی درخواست کو پورا کرنے کی طاقت ضرور رکھتا تھا کیونکہ قیصر نے عبدالرحمٰن ثانی سلطان اندلس سے فوج اور روپیہ مانگا تھا۔ ایک یا چند ہزار فوج اور ایک یا چند لاکھ دینار کا بھیج دینا عبدالرحمٰن ثانی کے لئے بالکل معمولی بات تھی اور اندلس کی فوج یا خزانہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا مگر عبدالرحمٰن کو حمیتِ اسلامی نے اُس کو اس کام سے باز رکھا۔

اسی سال اندلس کے جنوب و مغرب میں اُس علاقے کے اندر جس کو آجکل ملک پرتگال کہا جاتا ہے اور جہاں عیسائیوں کی آبادی زیادہ تھی شہر مریدہ والوں کی سرداری میں بغاوت کا فتنہ پیدا ہوا اس فتنے کو فرو کرنے کے لئے عبید اللہ بن عبد اللہ کو بھیجا گیا۔ سخت معرکوں کے بعد باغیوں کو شکست ہوئی اور شہر مریدہ کی شہر پناہ کو منہدم کر کے عبید اللہ سنہ ۲۱۰ھ میں واپس آ گیا۔ چند روز کے بعد باغیوں نے پھر سر اُٹھایا اور عبید اللہ کو پھر اُس طرف جانا پڑا۔ اس مرتبہ بھی بغاوت فرو ہو گئی۔ اس بغاوت کا سبب وہ پادری تھے جو جلیقیہ اور قسطہ سے یہاں آکر بغاوت کی ترغیب دینے میں مصروف تھے کیونکہ شمالی عیسائیوں بالخصوص جلیقیہ والوں کو یہ محسوس ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا اندرونی بغاوتوں اور آپس کی لڑائیوں میں مصروف رہنا ہی ہماری ترقی اور کامیابی کا باعث ہے اور جب تک ہم جنوبی علاقوں میں ہنگامے برپا نہ کرید، اُس وقت تک ہم کو مسلمانوں کیخلاف کوئی کوشش اور بغاوت نہیں کرنی چاہئے۔ اہل مریدہ کی سرکشیوں اور گستاخیوں کی آب کوئی انتہا نہیں رہی تھی کیونکہ انہوں نے اپنے عامل کو بغاوت کر کے اپنے شہر سے نکال دیا تھا اور شاہی فوجوں کا دو مرتبہ مقابلہ کر چکے تھے لہٰذا سنہ ۲۱۳ھ میں سلطان عبدالرحمٰن نے حکم دیا کہ شہر مریدہ کی منہدم شدہ فصیل کے پتھروں کو دریا میں ڈال دو۔ جب اس حکم کی تعمیل عامل مریدہ نے کرنی چاہی تو وہاں کے لوگ پھر باغی ہو گئے انہوں نے اس مرتبہ پھر شہر پر قبضہ کر لیا اور عامل کو وہاں سے خارج ہونا پڑا۔ اہل شہر نے شہر کی منہدم شدہ فصیل کو پھر تعمیر کر لیا۔ اور مقابلہ کے لئے مضبوط ہو بیٹھے۔ یہ سُن کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ بغاوت صرف عیسائیوں تک محدود نہیں تھی بلکہ بڑا حصہ مسلمانوں کا اس میں شریک تھا اور باغیوں کی سرداری محمود بن عبدالجبار کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مسلمان عیسائیوں کے ترغیب دینے سے کیوں بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تھے اس کا سبب آگے بیان ہونے والا ہے۔ بہرحال سنہ ۲۱۷ھ تک مریدہ کے مقابل شاہی سپہ سالار مصروف جنگ رہے اور کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ آخر سنہ ۲۱۸ھ کے ابتدا میں سلطان عبدالرحمٰن نے خود مریدہ پر فوجکشی کی مگر اس مرتبہ ابھی شہر فتح نہ ہونے پایا تھا کہ سلطان کو محاصرہ اٹھا کر فوراً کسی ضرورت سے قرطبہ کی جانب واپس آنا پڑا۔ سنہ ۲۲۰ھ میں پھر خاص اہتمام سے حملہ کیا گیا اور یہ شہر سات سال تک ملک اندلس کے درمیانی علاقہ میں خود مختار رہنے کے بعد مفتوح ہوا اور سلطان کی طرف سے یہاں عامل مقرر ہوا۔ اہل مریدہ کی اس بغاوت سے بڑھ کر خطرناک بغاوت ابتک ملک اندلس میں نہ ہوئی تھی۔ چالیس ہزار جنگجو پورے طور پر مسلح اہل شہر کے پاس موجود تھے۔ ان باغیوں کو ہر قسم کی امداد ریاست ایسٹریاس و جلیقیہ سے خفیہ طور پر پہونچ رہی تھی۔ آخر سنہ ۲۲۰ھ میں جب یہ شہر فتح ہوا اور اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا تو محمود بن عبدالجبار مریدہ سے فرار ہو کر سیدھا ریاست ایسٹریاس ہی میں پہونچا اور وہاں اُس کو ایک قلعہ کا قلعہ دار بنا دیا گیا جہاں وہ پانچ سال تک زندہ رہا۔ عیسائیوں کو مسلمانوں کے باغی بنانے میں دو وجہ سے آسانی ہوئی اوّل تو یہ کہ اندلس میں عیسائی عورتیں عام طور پر مسلمانوں کے گھروں میں تھیں مسلمان مذہبی آزادی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی ان عیسائی بیویوں کو تبدیل مذہب کے لئے مجبور نہیں کرتے تھے۔ شمالی عیسائی

ریاستوں کو چھوڑ کر کہ اُن عیسائیوں کو مسلمانوں سے عداوت و نفرت تھی باقی تمام اندلس کے عیسائی مسلمانوں کے ساتھ نہایت گہرے اور ہمدردانہ تعلقات رکھتے تھے۔ ان عیسائیوں کے ذریعہ شمالی ریاستوں کے عیسائی مسلمانوں میں ہر ایک خیال کی بآسانی اشاعت کر سکتے تھے۔ اس مرتبہ یہ مشہور کیا گیا تھا کہ سلطان عبدالرحمن نے زکوٰۃ کے علاوہ جو اور کوئی ٹیکس لگایا ہے یہ ابتدا ہے اس ظلم و ستم کی جو سلطان اپنی رعایا کے تمام اموال پر قبضہ کرنے کے ذریعہ کرنیوالا ہے۔ یہ ایک ایسی بات تھی کہ سب سے پہلے اس پر مسلمانوں ہی کو غصہ آتا تھا بڑھتے بڑھتے اس معمولی سی بات نے وہ صورت اختیار کر لی جس کا ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

مریدہ کی بغاوت چونکہ جلدی فرو نہ ہو سکی تھی اور مسلمان باغیوں کی پامردی نے لشکر شاہی کے لئے مشکلات پیدا کر دی تھیں لہٰذا ملک کے اندر سرکش لوگوں کی ہمتیں پھر چست اور بلند ہونے لگیں اور طلیطلہ میں جہاں عیسائی آبادی زیادہ تھی عیسائیوں اور مسلمانوں نے ملکر ھاشم ضراب نامی ایک شخص کی سرداری میں علم بغاوت بلند کر کے وہاں کے عامل کو خارج کر دیا اور خود طلیطلہ میں ہر قسم کی مضبوطی کر لی۔ عیسائی ریاست گاتھک مارچ اور اردگرد کے لوگوں نے ہر قسم کی امداد ھاشم ضراب کو پہونچانی شروع کر دی۔ واقعہ پسند اور بدچلن لوگ جوق در جوق آکر طلیطلہ میں داخل اور باغی فوج میں شامل ہونے لگے۔

طلیطلہ پہلے ہی نہایت مضبوط اور ناقابل فتح شہر تھا اب ھاشم نے سامان مدافعت اور افواج کی فراہمی سے اس کو خوب ہی مضبوط بنا لیا۔ یہ دیکھ کر سرحدی عامل محمد بن وسیم بھی ہاشم کا شریک ہو گیا ادھر سلطان عبدالرحمن ثانی نے اپنے بیٹے اُمیہ کو ایک زبردست فوج دیکر طلیطلہ کی جانب روانہ کیا۔ اُمیہ نے ہر چند کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا آخر اُمیہ اپنی فوج لے کر واپس ہوا اور ھاشم نے طلیطلہ سے نکل کر شاہی فوج کا تعاقب کیا۔ شاہی فوج ایک جگہ کمینگاہ میں چھپ کر بیٹھ گئی جب اہل طلیطلہ زد پر پہونچ گئے تو ان پر حملہ کیا اس حملہ میں طلیطلہ والوں کا بڑا نقصان ہوا مگر وہ بھاگ کر پھر طلیطلہ میں واپس چلے گئے اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ بار بار اس شہر کے محاصرہ کو شاہی فوجیں بھیجی گئیں مگر یہ شہر فتح نہ ہوا۔ ایک مرتبہ ہاشم نے طلیطلہ سے نکلکر شنت بریہ کو خوب لوٹا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ آخر سلطان عبدالرحمن نے اپنے بھائی ولید کو ۲۲۲ھ میں ایک زبردست فوج دیکر طلیطلہ کی مہم پر روانہ کیا ولید نے طلیطلہ کے چاروں طرف فوجیں متعین کر کے ہر طرف سامان رسد کی آمد کو بند کرنے میں مبالغہ سے کام لیا اور اپنی اس کوشش کو استقلال کے ساتھ جاری رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل طلیطلہ سخت مجبور ہوئے اور ولید نے ۲۲۳ھ میں طلیطلہ کو فتح کیا ہاشم ضراب لڑائی میں مارا گیا اور محمد بن وسیم وہاں سے بھاگ کر شہر سبرہ میں چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے گرد باغیوں کی ایک جمعیت فراہم کی اور چند روز کے بعد طلیطلہ میں اچانک پہونچکر قابض و متصرف ہو گیا۔ ۲۲۴ھ میں سلطان عبدالرحمن نے خود چالیس ہزار فوج لے کر طلیطلہ پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کیا اور باغیوں کو قرار واقعی سزا دیکر امن و امان قائم کیا اور یہیں سے ایک فوج عبید اللہ بن عبداللہ کو دیکر مقام آلبہ اور قلاع کی جانب روانہ کیا عبید اللہ نے اس نواح میں پہونچکر عیسائیوں جنھوں نے بغاوت و سرکشی شروع کر دی تھی متعدد شکستیں دیکر مطیع و منقاد بنایا۔ ابھی یہ لشکر شمالی حدود میں اپنا کام پورے طور پر ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ فرانسیسیوں کی فوجوں نے جو سرحد پر عرصہ سے جمع ہو رہی تھیں اور ممالک اسلامیہ کی اندرونی بغاوتوں سے فائدہ اُٹھانے کی خواہاں تھیں سرحد پر

حملہ کیا اور حدودِ سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو کر شہر سالم کو لوٹ کر برباد کیا عبید اللہ نے اس طرف کے عامل ابن موسیٰ کو ہمراہ لے کر عیسائی فوجوں پر حملہ کیا اور ان کے سپہ سالار لذریق نامی شاہ فرانس کو شکست دیکر بھگا دیا۔

۲۲۵ھ میں سلطان عبد الرحمٰن ثانی نے خود بلاد جلیقیہ پر حملہ کر کے وہاں کے عیسائیوں کو سزائیں دیکر مطیع و منقاد بنایا۔ ریاست الیسٹریاس کے حاکم سے باج و خراج وصول کر کے اس سے اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار لیا اور اسی کی ریاست میں اپنا فوجی کیمپ قائم کر کے ملک فرانس پر خشکی کے راستے بھی اور سمندر کے راستے بھی فوجیں روانہ کیں ان فوجی مہموں کا نتیجہ مال غنیمت اور کثیر التعداد قیدیوں کی شکل میں ظاہر ہوا اور سلطان عبد الرحمٰن سالماً غانماً قرطبہ کی جانب واپس آیا۔ اسی سال طوفیلس قیصر قسطنطنیہ کی جانب سے قرطبہ میں ایک سفارت اسی طرح وارد ہوئے جیسا کہ اس سے پہلے قیصر میکائیل کی جانب سے سفارت آئی تھی۔ عبد الرحمٰن نے اس سفیر کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو پہلے سفیر سے کر چکا تھا۔ اس مرتبہ قیصر قسطنطنیہ خلیفۂ بغداد سے بہت مجبور ہو گیا تھا اور اس نے پہلے قیصر سے زیادہ الحاح و اصرار کے ساتھ عبد الرحمٰن سے مدد طلب کی تھی اور پہلے سے زیادہ توقعات دلائی تھیں ممکن تھا کہ خلیفۂ بغداد کی مخالفت کو مدنظر رکھ کر اس نے فرانسیسیوں کے پاس بڑے بڑے قیمتی تحفے اور ہدیئے بھیجنے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور فرانسیسیوں کو اپنی ہر ایک حملہ آوری پر جو وہ اندلس پر کرتے تھے دربار بغداد سے داد ملتی تھی اس مرتبہ عبد الرحمٰن قیصر قسطنطنیہ کی مدد کو فوج روانہ کر دیتا مگر اتفاق کی بات کہ انہیں ایام میں یورپ کے شمالی علاقے کی قوم نارمن نے جو ابھی تک عیسائیت سے متنفر اور آتش پرستی و بت پرستی میں مبتلا تھی جرمن و سکینڈی نیویا سے اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر اور انگلش چینل میں سے گذر کر اندلس کے جنوبی و مغربی ساحل پر اتر کر یکایک قصبوں اور شہروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ شہر قادس کو خوب لوٹا اور پھر مضافات اشبیلیہ تک پہونچ گئے۔ یہ حملہ ایک غیر معروف اور اجنبی قوم نے اندلس پر اسی طرح کیا تھا جس طرح مسلمانوں کا ابتدائی حملہ طارق بن زیاد کی سرداری میں ہوا تھا۔ اس وحشت انگیز خبر کو سن کر امیر عبد الرحمٰن نے خشکی کے راستے ان کے مقابلے کو فوجیں روانہ کیں اور دوسری طرف اندلس کے مشرقی ساحل کے بندرگاہوں میں حکم بھیجا کہ جہازوں کو آبنائے جبل الطارق کی طرف بھیجدو . . . . . .

. . . . تاکہ ان حملہ آوروں کے جہازوں پر قبضہ کر کے ان کیلئے راہ فرار کو مسدود کر دیں۔ نارمنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ پندرہ جہاز مسلح سپاہیوں سے بھرے ہوئے ہمارا راستہ روکنے کے لئے آرہے ہیں تو وہ اندرون ملک سے بے تحاشا ساحل کی جانب بھاگے اور اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر غائب ہو گئے۔ اور پھر عرصہ دراز تک ان کو اندلس پر چھاپہ مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ابھی یہ فتنہ فرو ہی ہوا تھا کہ شمال کی جانب سے خبر پہونچی کہ موسیٰ بن موسیٰ جو عبد الرحمٰن ثانی کا مشہور سپہ سالار اور حد شمالی کا محافظ مقرر کیا گیا تھا باغی ہو کر عیسائیوں سے مل گیا ہے اس کی سرکوبی کے لئے حرث بن بلیغ کو بھیجا گیا موسیٰ معہ عیسائی لشکر کے مقابلہ پر آیا مگر حرث نے شکست دیکر بھگا دیا موسیٰ نے مقام تطیلہ میں قیام کیا اور حرث سرقسطہ میں واپس ہو کر مقیم ہوا۔ عرصہ تک لڑائیاں ہوتی رہیں آخر موسیٰ تطیلہ چھوڑ کر مقام اربط میں چلا گیا اور تطیلہ پر حرث نے قبضہ کیا۔ آخر عیسائی بادشاہ غرسیہ فوج لے کر موسیٰ کی کمک کو پہونچا اور جنگ و جدل کا ہنگامہ خوب زور شور سے جاری ہوا۔ ان ہنگامہ آرائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقام البیہ میں ایک لڑائی کے اندر موسیٰ نے حرث کو گرفتار کر دیا اور بادشاہ فرانس کے پاس ۲۲۸ھ میں بھیجدیا۔ عبد الرحمٰن ثانی کو

اس خبر کے سننے سے سخت صدمہ ہوا اُس نے اپنے بیٹے منذر کو ایک زبردست فوج دیکر موسیٰ کی طرف روانہ کیا اس عرصہ میں موسیٰ نے تطیلہ پر پھر قبضہ کر لیا تھا۔ منذر نے ۲۲۹ھ میں غرسیہ نامی سردار والی بنبلونہ کو جو موسیٰ کی حمایت و امداد کے لئے آیا تھا ایک لڑائی میں قتل کر دیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے کو بطور یرغمال منذر کے پاس بھیجکر صلح کی درخواست کی منذر نے اُس کی درخواست منظور کر لی اور موسیٰ کو تطیلہ کی حکومت پر مامور کر دیا۔

ادھر شمالی سرحد پر یہ ہنگامہ برپا تھا اُدھر شمال و مشرق کی جانب عیسائیوں نے بغاوت و سرکشی کی تیاریاں بڑے زور شور سے شروع کر دی تھیں چنانچہ ۲۳۱ھ میں اہل برشلونہ نے اسلامی حدود میں لوٹ مار شروع کر دی اور وہاں کی اسلامی فوج کو قتل کر کے جنوب و مغرب کی جانب پیشقدمی کی سلطان عبدالرحمن نے اپنے مشہور سپہ سالار عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث کو ۲۳۱ھ میں برشلونہ کی جانب روانہ کیا۔ عبدالکریم نے برشلونہ اور اُس کے نواح کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دیکر تمام ریاست کا تھک مارچ کو تہ و بالا کر ڈالا مگر پھر اقرار اطاعت لیکر یہ ریاست اُس کے والی کو سپرد کر دی اور فرانس کی حدود میں داخل ہو کر فرانس کے شہر جرندہ تک برابر تاخت و تاراج کرتا ہوا چلا گیا۔ اسلامی فوج ملک فرانس میں دیر تک نہیں رہی بلکہ فرانسیسیوں کو اپنی طاقت و صولت دکھا کر جلد واپس چلی آئی۔

عیسائیوں اور بنو اُمیہ کے دُشمنوں کو اب تک اپنی ہر ایک تدبیر اور ہر ایک سازش میں بظاہر ناکامی ہی حاصل ہوتی رہی تھی اب جبکہ تمام ہنگامے فرو ہو گئے اور تمام باغی تھک کر بیٹھ رہے تو فرانس اور اندلس کی شمالی سرحدی ریاستوں کے عیسائیوں نے ملکر ایک مجلس مشورۃ منعقد کی اور ایک عرصۂ دراز تک دربار قرطبہ کو سرحدات کی طرف توجہ کرنے سے باز رکھنے کا ذمہ جلیقیہ کے پادریوں نے لیا کہ اس عرصہ میں عیسائی طاقتیں متحدہ طور پر فوجی تیاریاں کر سکیں۔ نئے قلعے بنا سکیں۔ شمالی عاملوں کو اپنے ساتھ ملا سکیں اور حکومت اسلامیہ پر ایک ایسی ضرب لگانے کے لئے تیار ہو جائیں کہ اُس کا نام و نشان باقی نہ رہے پھر وہی گاتھک سلطنت کا زمانہ واپس آجائے۔ اس کوشش کو خالص مذہبی عبادت قرار دیا گیا پادریانِ جلیقیہ نے ایک نہایت پُر جوش پادری کو قرطبہ میں اس لئے مامور کیا کہ وہ خاص دارالسلطنت قرطبہ اور دوسرے شہروں میں پادریوں اور عیسائیوں کو دین عیسوی کی خدمت کے لئے قربان ہونے اور جان دینے پر آمادہ کرے۔ اندلس میں مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنے گرجوں میں گھنٹے بجاتے اور اطمینان سے عبادت بجا لاتے تھے۔ مذہبی معاملات اور مقدمات کو عام طور پر عیسائی جج فیصلہ کرتے اور گرجوں کے مصارف شاہی خزانے سے عطا ہوتے تھے۔ مسلمان عیسائیوں کے تیوہاروں میں اور عیسائی مسلمانوں کے تیوہاروں میں شریک ہوتے اور تجارت زراعت وغیرہ میں دونوں قومیں بلا امتیاز یکساں حقوق رکھتی تھیں۔ کوئی ایسی وجہ پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ عیسائیوں میں مسلمانوں کے خلاف مذہبی جوش پیدا کیا جا سکے۔ مگر جلیقیہ اور شمالی سرحد کے عیسائیوں اور پادریوں میں مسلمانوں کے خلاف بہت جوش تھا۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق کا معائنہ کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کیونکہ اُن اطراف میں زیادہ تر وہی لوگ سمٹ کر جمع ہو گئے تھے جو گاتھک سلطنت کے ارکان اور مسلمانوں کی آمد کو اپنی ذلت کا موجب جانتے تھے۔ یہیں پادریوں کے وعظ و تقریر کے ذریعہ مخالفت کے شعلے بلند ہوتے رہتے تھے اور مسلمان بھی اسی نواح میں بار بار حملہ آور ہوتے اور قتل و

غارت کے ہنگامے برپا کرنے کا موقع پاتے رہتے تھے تاہم جنوبی اندلس میں شمالی اندلس کے فدائی عیسائی آ آکر منتشر ہو گئے۔ انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ علانیہ بازاروں اور مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے۔ قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے اور مسلمانوں کو جوش دلاتے تھے۔ ان عیسائی بدزبانوں کو اول گرفتار کر کے قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا وہاں بھی انہوں نے بدزبانی کا اعادہ کیا قاضی نے قتل کا حکم دیا جب اس طرح ایک شخص قتل ہوا تو دوسرے نے خود قاضی کے دربار میں پہنچکر علانیہ آنحضرت صلعم کو گالیاں دیں قاضی نے اُس کو بھی قتل کرا دیا۔ ان عیسائیوں نے جو اپنے آپ کو قتل ہی کرانے کے لئے مستعد ہو کر آئے تھے یکے بادیگرے اپنے آپ کو مستحق قتل قرار دینا اور قتل ہونا شروع کیا تو قاضی اور سلطان کی طرف سے درگذر اور چشم پوشی کا برتاؤ شروع ہوا۔ عام عیسائیوں میں یہ خیال بڑی آسانی سے یہ لوگ پھیلا سکے کہ جو لوگ اس طرح مقتول ہوتے ہیں وہ ولی کامل اور شاہ ولایت بنجاتے ہیں۔ چنانچہ ان مقتولوں کی قبروں کو زیارتگاہ بنایا گیا اور قرطبہ اور دوسرے مقامات کے جاہل عیسائیوں کی ایک تعداد ان قتل ہونے والے عیسائیوں کی قبروں کو عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھنے اور ان کی زیارت کرنے کو ثواب سمجھنے لگی۔ شمالی ریاستوں کے عیسائی ان شہیدوں کے مزاروں کی زیارت کو آتے اور خود بھی اسی نامعقول حرکت کا ارتکاب کر کے گرفتار ہو جاتے جب ان شریروں کو مقتل میں لیجایا جاتا تو ہزارہا آدمی ان کو ولی کامل سمجھکر ان کا آخری دیدار دیکھنے کو جمع ہو جاتے۔ اس طرح یہ سلسلہ کئی برس تک جاری رہا اور سلطان سخت شش و پنج میں مبتلا رہا کہ اس طوفان بے تمیزی کو کس طرح فرو کیا جائے۔ آخر قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کے بڑے بڑے سنجیدہ مزاج پادریوں اور اسقفوں نے ایک عظیم الشان مذہبی مجلس منعقد کی اور ملک اندلس کے تمام بڑے بڑے پادریوں کو اُس میں بُلا کر یہ مسئلہ پیش کیا کہ آیا مذہب عیسوی کی رُو سے مسلمانوں کے پیغمبر صلعم اور انکی مذہبی کتاب قرآن مجید کو گالیاں دینا ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس طرح مقتول ہو رہے ہیں وہ شہید اور شاہ ولایت کہلانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اس پر پادریوں نے خوب تقریریں کیں اور اس حرکت کو مذہب عیسوی کے بالکل خلاف قرار دیکر ان لوگوں کو جو اس طرح اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتے اور مقتول ہوتے تھے گناہ کا مرتکب قرار دیا اور یہ عجیب فیصلہ کیا کہ جو لوگ اب تک مقتول ہو چکے ہیں وہ تو شہید اور شاہ ولایت سمجھے جائیں گے لیکن جو عیسائی اس کے بعد اس حرکت ناشائستہ کا مرتکب ہو گا وہ بدمعاش سمجھا جائیگا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ پادریوں کی کونسل کے اس فیصلے نے اندلسی عیسائیوں کو متاثر کیا لیکن شمالی ریاستوں کے پادری جو اسی غرض کے لئے اپنے آپ کو ایک ولی کامل کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اپنی ان حرکات سے باز نہ آئے۔ ایک طرف مسلمانوں کو شکایت تھی کہ سلطان ان عیسائی بدزبانوں کو سزا دینے میں لیت و لعل اور غفلت کرتا ہے اسی لئے ان کے حوصلے بڑھتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں کا جاہل طبقہ اپنے ان پادریوں کو بُرا کہنے لگا جنہوں نے ان مذہبی شہیدوں کو بدمعاش قرار دیا تھا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے جو خوشگوار تعلقات ملک میں قائم تھے اور اُن میں کوئی مذہبی منافرت نہیں پائی جاتی تھی وہ کمزور ہونے لگے اور عیسائی مسلم نااتفاقی پیدا ہونے لگی۔

عیسائیوں کے اس فتنے نے سلطان عبدالرحمٰن کو اُس کی عمر کے آخری پانچ چھ سال میں بہت پریشان اور غمگین رکھا۔ اور اُس کی زندگی میں اس عجیب و غریب قسم کے فتنے کا بلکلی سدباب نہ ہو سکا بلکہ اس کا کم و بیش سلسلہ جاری رہا۔ آخر ماہ ربیع الآخر ۲۳۸ھ میں اکتیس ۳۱ سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد عبدالرحمٰن ثانی نے

وفات پائی اور اُس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔

سلطان عبدالرحمٰن ثانی کا عہد حکومت اگرچہ لڑائی جھگڑوں سے خالی نہیں رہا تاہم اس سلطان نے رفاہِ رعایا اور علوم و فنون کی طرف سے غفلت نہیں برتی۔ عبدالرحمٰن خود نہایت اعلیٰ درجہ کا عالم اور فلسفہ و شریعت سے خوب ماہر تھا۔ جامع مسجد قرطبہ میں متعدد کمرے تعمیر کرا کر اس میں اضافہ کیا۔ بہت سی مسجدیں، پل اور قلعے تعمیر کرائے۔ نئی سڑکیں نکالیں مسافروں اور تاجروں کی سہولت کے سامان بہم پہونچائے۔ سررشتہ تعلیم کی طرف اُس کی توجہ ہمیشہ مبذول رہی۔ کسی قصبے اور گاؤں کو بلا مدرسہ نہیں چھوڑا۔ ہر ایک شہر اور قصبے میں اپنے عاملوں اور مجسٹریٹوں کے لئے دفتروں اور کچہریوں کے شاندار مکانات تعمیر کرائے۔ ہر ایک شہر اور قصبے میں حمام بھی تعمیر کرائے۔ عبدالرحمٰن ثانی کو آرائش اور شان و شکوہ کا بڑا شوق تھا۔ رعایا کے سامنے عام منظروں میں کم نکلتا اور اکثر رعایا کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا تھا۔ اُس کی طبیعت میں رحم و کرم کا مادہ زیادہ تھا۔ سخت سزائیں دینے اور قتل کرانے میں ہمیشہ تامل کرتا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کا خزانہ بہت ترقی کر گیا تھا۔ اس نے پہلے سے زیادہ خوبصورت سکے مسکوک کرائے۔ دریائے وادی الکبیر کے دونوں کناروں پر قرطبہ کے متصل متعدد باغات میووں کے لگائے اور اُن کو عوام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ یونانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمہ کرائے۔ علمی مجالس مقرر کیں۔ ایک مرتبہ ٹڈی دل کی کثرت نے کھیتیوں کو کھا کر صفاچٹ کر دیا اور امساکِ باراں کے سبب مُلک میں عام طور پر قحط پڑ گیا۔ سلطان نے اس موقع پر رعایا کی بڑی مدد کی اور پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ غلہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ شاہی خزانہ سے خرید کر مہیا رکھا جائے تاکہ کسی ایسے ہی قحط کے موقعہ پر رعایا کے کام آسکے۔

سلطان عبدالرحمٰن کی ایک بیوی طروب نامی تھی جس کے ساتھ اُس کو محبت تھی اس کے پیٹ سے عبدالرحمٰن کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا تھا طروب کی یہ خواہش تھی کہ سلطان اپنے بعد عبداللہ کو تخت و تاج کا مالک قرار دے لیکن سلطان کا بیٹا محمد اپنے بھائی عبداللہ سے زیادہ قابل اور مستحق سلطنت تھا۔ طروب نے ایک مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ محمد کو زہر دے کر قتل کرا دیا جائے اس کام کے لئے نصر نامی خواجہ سرا کو راز دار بنایا گیا نصر نے ایک شاہی طبیب کو بڑا بھاری لالچ دیکر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دواؤں میں زہر ہلاہل ملا کر محمد کو پلا دے جوان دنوں اُس طبیب کے زیر علاج اور کسی معمولی مرض میں مبتلا تھا۔ شاہی طبیب نے نصر کی اس فرمائش کو منظور کر لیا مگر پوشیدہ طور پر سلطان کو بھی اطلاع دیدی کہ آج دوا کا پیالہ شہزادے کے لئے آئیگا اُس میں زہر ہلاہل شامل ہوگا۔ چنانچہ زہر آلود پیالہ آیا بادشاہ نے نصر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس دوا کو آج تم ہی پی جاؤ۔ نصر کو دوا پینی پڑی اور پیتے ہی فوراً مر گیا جو گڑھا اُس نے شہزادہ محمد کے لئے کھودا تھا خود ہی اُس میں گرا۔ اس کے چند روز بعد ہی سلطان عبدالرحمٰن کا انتقال ہوا۔ اور شاہی محافظ فوج کی مدد سے جو سلطان حکم کے زمانے سے قائم تھی شہزادہ محمد تخت نشین ہوا اور عبداللہ معہ اپنی والدہ طروب کے ناکام رہا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ یعنی عبدالرحمٰن اوّل یا عبدالرحمٰن الداخل کے زمانے میں محاصلِ مُلکی کی تعداد تین لاکھ دینار تھی۔ سلطان حکم کے زمانے میں یہ تعداد چھ لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔ عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں محاصلِ ملکی جو خزانہ شاہی میں داخل ہوتے تھے دس لاکھ دینار سالانہ تھے۔ کل آمدنی کے تین حصے کئے جاتے تھے ایک حصہ فوج کی تنخواہوں میں ایک حصہ حکام اور عہدہ دارانِ سلطنت کی

تنخواہوں میں صرف ہوتا تھا۔ ایک حصہ خزانہ عامرہ میں غیر مترقبہ ضرورتوں کے لئے محفوظ رکھا جاتا تھا اسی میں سے رفاہ رعایا کے کام اور تعمیرات وغیرہ کے مصارف پورے کیے جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن ثانی نے بعض تجارتی سامان اور دوسری چیزوں پر محصول لگا کر آمدنی کو بڑھایا تھا اسی لئے اُس کے خلاف ملک میں مخالفت کا جذبہ بآسانی پیدا کیا جاسکا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن کی اولاد سیکڑوں تک پہونچگئی تھی یعنی سو سے زیادہ بیٹے اور پچاس کے قریب بیٹیاں تھیں۔ عبدالرحمٰن بہت قیافہ شناس شخص تھا۔ اُس کو اُس کی رعایا نے المظفر کا خطاب دیا تھا۔ اُس کا سجع اور نقش خاتم "راضی برضا" تھا اُس کا رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں گہری، دراز ریش لحیم وشحیم آدمی تھا۔ داڑھی میں حنا کا خضاب کرتا تھا۔ وفات کے وقت ۴۵ لڑکے زندہ تھے۔

عبدالرحمٰن ثانی کے عہد حکومت میں عیسائیوں کو سلطنت کے بڑے بڑے ذمہ داری کے عہدے دیئے جاتے تھے اور عیسائی جو عام طور پر عربی زبان بولتے اور لکھتے تھے دفتروں پر قابض ومتصرف ہوگئے تھے مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر فوجی خدمات کی طرف تھی۔ دفتری اہلکاریوں کو انہوں نے عیسائیوں کے لئے چھوڑ دیا تھا۔

محمد بن عبدالرحمٰن سلطان عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں عیسائیوں کا اثر واقتدار دفاتر شاہی میں بہت بڑھ گیا تھا مسلمان فقہا اس حالت کو خاموشی کے ساتھ معائنہ کر رہے تھے اور سلطان حکم کے زمانے کا تجربہ کرنے کے بعد اب خاموش تھے مگر عیسائیوں کے اس رسوخ واقتدار نیز اُن کی اُن شرارتوں اور گستاخیوں کو دیکھ دیکھ کر کبیدہ خاطر ضرور تھے۔ سلطان محمد نے جو ربیع الآخر ۲۳۸ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا تھا تخت نشین ہوتے ہی ذمہ داری کے عہدوں پر مسلمانوں کو مامور کیا اور اُن عمال وحکام کو جو اسلامی احکام واعمال کی پابندی میں ناقص تھے معزول کیا سلطان محمد کی یہ پہلی کارروائی علمائے اسلام کو بہت ہی پسند آئی اسی عرصہ میں اندلس کے اندر بعض علماء کے ذریعہ جو حج کی غرض سے عرب وشام کے ملکوں میں آئے تھے حنبلی مذہب داخل ہوا۔ قرطبہ کے اندر حنبلی اور مالکی مولویوں کے مباحثے اور مناظرے شروع ہوتے اور مسلمانوں کے دو گروہ ہو کر آپس میں چھُری کٹاری ہونے پر مستعد ہوگئے سلطان محمد بن عبدالرحمٰن نے اس مباحثے اور مناظرے میں خود دخل دیکر فیصلہ کیا اور اس برپا ہونے والے فتنے کو فرو کیا۔ اس خیال سے کہ مسلمانوں کی توجہ کو دوسری جانب منعطف کردینے سے آپس کی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں کا خطرہ دور ہوجائیگا جہاد کے لئے فوجی بھرتی شروع کی گئی اور ایک زبردست فوجی بھرتی شروع کی گئی اور ایک زبردست فوج تیار کرکے شمالی عیسائی ریاستوں کے خلاف مہم روانہ ہوئی اس زمانے میں ریاست ایسٹریاس یعنی سلطنت قسطلہ کے حاکم نے اسلامی علاقے کے متعدد شہروں پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور ہر طرف سے ہر ایک عیسائی رئیس اسلامی رقبہ کو دباتا چلا جاتا تھا۔ اس فوج نے اوّل شاہ اردونی والی قسطلہ کے خلاف پیشقدمی کی۔ اس فوج کی سرداری سلطان محمد نے موسیٰ بن موسیٰ کو سپرد فرمائی۔ یہ موسیٰ بن موسیٰ گاتھ قوم سے تعلق رکھتا تھا اور نومسلم تھا مثل اس کے اور بھی کئی نومسلم شاہی فوجوں کی سرداریوں اور صوبوں کی گورنریوں پر مامور تھے۔ آخر نتیجہ اس مہم کا کچھ زیادہ مفید نہ نکلا اور معمولی معرکہ آرائیوں کے بعد اُس طرف سے فوج واپس آگئی۔ اب اس فوج کو برشلونہ کی جانب بھیجا گیا کیونکہ وہاں بھی عیسائیوں نے جادۂ اطاعت سے قدم باہر رکھا تھا۔ وہاں سے

بھی معمولی مالِ غنیمت لے کر یہ فوج واپس آگئی۔

۲۳۹ھ میں باشندگانِ طلیطلہ نے یہ محسوس کرکے کہ دربار قرطبہ پر فقہا کا قبضہ دا شدہ زیادہ ہو گیا ہے اور عیسائی فدائیوں کو بلا تامل قتل کئے جانے لگا ہے اپنے آپ کو خطرہ میں محسوس کرکے یا شمالی عیسائیوں کی قرارداد کے موافق سلطنت اسلامیہ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی غرض سے بغاوت کی تیاری کی۔ تاریخ سے واضح ہے کہ سلطان محمد نے تخت نشین ہو کر جب عیسائی شہداء کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ کرنا شروع کر دیا تو عیسائیوں نے اپنی اس حرکت ناشائستہ کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس کے عوض اب طلیطلہ کی بغاوت کا اہتمام ہونے لگا۔ اہل طلیطلہ نے اپنے عربی النسل گورنر کو گرفتار کرکے دربار قرطبہ میں پیغام بھیجا کہ سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے ہمارے جن لوگوں کو بطور یرغمال قرطبہ میں لیجا کر زیر نگرانی رکھا تھا ان کو واپس کر دو ورنہ ہم تمہارے گورنر کو قتل کرکے خود مختاری کا اعلان کر دینگے۔ سلطان محمد نے اہل طلیطلہ کی درخواست کو منظور کرکے ان لوگوں کو جو بطور یرغمال قرطبہ میں موجود تھے طلیطلہ بھیجدیا۔ اہل طلیطلہ نے بجائے اس کے کہ وہ اب راہِ راست پر آجاتے سلطان محمد کی کمزوری کا یقین کرکے علانیہ علم بغاوت بلند کر دیا اور طلیطلہ کو ہر طرح مضبوط کرکے شمالی عیسائی سلاطین سے امداد طلب کی۔ اہل طلیطلہ بار بار بغاوت کر چکے تھے مگر تعجب ہے کہ ابتک کسی بادشاہ نے بھی طلیطلہ کے قلعہ اور شہر پناہ کو منہدم کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس کا سبب بھی مسلمانوں کی وہی بلند نظری ہے جس نے ان کو شمالی سرحدی ریاستوں کے استیصال سے باز رکھا ورنہ یہ کام اس سے پہلے ان کے لئے نہایت ہی آسان اور معمولی تھے۔ سلطان محمد خود فوج لے کر ۲۴۰ھ میں قرطبہ سے طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی سلطان محمد طلیطلہ تک نہیں پہونچنے پایا تھا کہ ریاست ایسٹریاس کی فوج اور پہاڑی جنگجو اہل طلیطلہ کی امداد کے لئے طلیطلہ میں داخل ہو گئے سلطان نے طلیطلہ کی فتح کو دشوار دیکھ کر یہ ترکیب کی کہ اپنی فوج کے بڑے حصے کو پہاڑیوں ٹیلوں اور جھاڑیوں میں چھپا کر ایک چھوٹے سے حصے کو میدان سلیط میں جو ان ٹیلوں اور جھاڑیوں کے درمیان تھا خیمہ زن کیا۔ اہل طلیطلہ نے جب یہ دیکھا کہ سلطان کے ساتھ بہت ہی تھوڑی سی فوج ہے اور اسی لئے وہ طلیطلہ کے محاصرے کی جرأت نہیں کر سکا تو وہ خود طلیطلہ سے نکلکر سلطانی لشکر پر حملہ آور ہوئے جب لڑائی شروع ہو گئی تو چاروں طرف سے سلطانی لشکر نکل کر حملہ آور ہوا اس غیر مترقبہ آفت سے پہاڑی عیسائی اور اہل طلیطلہ حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگے مگر سلطانی لشکر نے اس میدان میں بیس ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا اس شکست سے اہل طلیطلہ کی ہمت پست ہو گئی اور سلطان محمد نے بآسانی طلیطلہ پر قبضہ کرکے وہاں ایک معمولی دستہ فوج متعین کیا۔ اس لڑائی میں اس قدر عظیم الشان کشت وخون ہوا تھا کہ اب اہل طلیطلہ کے باغی ہونے اور سرکشی اختیار کرنے کی توقع نہ رہی تھی لیکن اہل طلیطلہ کے تعلقات اب شمالی عیسائی سلاطین سے قائم ہو چکے تھے ادھر لشکر شاہی میں بہت سے سردار اور صوبوں کے عامل ایسے تھے جو شاہ ایسٹریاس۔ شاہ گاتھک مارچ۔ شاہ جلیقیہ۔ شاہ نوار۔ شاہ ایکیوٹین شہنشاہ فرانس سے در پردہ خط وکتابت رکھتے اور سازش کر چکے تھے۔ جس طرح ہر ملک میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کا سبب آپس کی نااتفاقی ہوا ہے اسی طرح اندلس میں بھی مسلمانوں کی اسی آپس کی نااتفاقی اور خانہ جنگی نے روز بد دکھایا۔ اندلس میں اس نااتفاقی وخانہ جنگی کی مثالیں دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ اور غیر معمولی نظر آتی ہیں اندلس کی اسلامی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا دستیاب نہیں ہوتا جس میں مسلمان

اس مہلک مرض سے محفوظ و مامون نظر آتے ہوں۔ بہر حال عیسائیوں کے اتحاد اور مسلمانوں کی غداری نے اہل طلیطلہ کو ۲۴۲ھ کے آخر میں پھر بغاوت و سرکشی پر آمادہ کر دیا۔ اس مرتبہ سلطان محمد نے پھر طلیطلہ پر چڑھائی کی اور دوبارہ ان کو مطیع و منقاد بنا کر اور باغیوں کو سزائیں دیکر واپس ہوا۔ مگر سلطان محمد کے واپس ہوتے ہی اہل طلیطلہ نے ایک عیسائی سردار کے زیر قیادت پھر علم بغاوت بلند کیا۔ غرض اہل طلیطلہ اپنی حرارتوں سے باز نہ آئے اور سلطان محمد کو بار بار ان پر چڑھائی کرنے میں مصروف رہنا پڑا۔ آخر ۲۴۸ھ میں سلطان محمد اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اہل طلیطلہ کو اقرار اطاعت لے کر حکومت خود اختیاری عطا کر دے یعنی اہل طلیطلہ کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ اپنا گورنر خود منتخب کر لیں اور وہ گورنر ایک مقررہ سالانہ رقم دار السلطنت قرطبہ میں بھیجا کرے باقی اندرونی انتظام میں وہ خود مختار ہو گا۔ سلطان محمد نے اہل طلیطلہ کی اس شرط کو منظور کر کے نہ صرف اپنی کمزوری کا اظہار کیا بلکہ یوں کہئے کہ عیسائیوں کے اس قدیمی دار السلطنت کو خود اختیاری حکومت عطا کر کے اندلس میں دوبارہ عیسائی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھ دیا اور اسلامی سلطنت اندلس کے ایوان کی بنیاد میں سرنگ لگا دی جس سے ایک عرصہ کے بعد مسلمانوں کا نام و نشان ملک اندلس سے گم ہو گیا۔
طلیطلہ والوں نے موسیٰ بن موسیٰ نو مسلم کے بیٹے لوپ کو گورنر بنانا چاہا۔ سلطان محمد نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے بعد طلیطلہ میں شمالی علاقے کی عیسائی حکومتوں سے پہاڑی اور جنگجو عیسائی آ آ کر بکثرت آباد ہونے شروع ہوئے اور مسلمانوں کو جو طلیطلہ میں آباد تھے بتدریج وہاں سے خارج اور بیدخل کرنا شروع کیا۔ نہ صرف شہر طلیطلہ بلکہ اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ ریاست الیسٹریاس کا نمونہ بن گیا۔ ادھر موسیٰ بن موسیٰ گورنر سرقسطہ نے عیسائی سلاطین سے خفیہ معاہدے کر لئے تھے۔ غرض اس غدار خاندان نے سلطنت اسلامیہ کو کمزور کرنے میں خوب حصہ لیا جو بظاہر مسلمان کہلاتا تھا۔

اسی سال نارمن قوم نے اندلس کے مغربی ساحل پر اپنی کشتیاں لا کر اس طرف کے ساحلی علاقے پر چھاپہ مارا مگر سلطان محمد کے جہازوں نے جو اس ساحل پر موجود تھے نارمنوں کی پچاس کشتیاں گرفتار کر لیں اور وہ بلا سخت نقصان پہونچاتے ہوئے اندلس سے بھاگ گئے۔

رجب ۲۵۱ھ میں سلطان محمد نے اپنے بیٹے منذر کو سرحد شمال کی جانب البہ اور قلاع کے عیسائی سرکشوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اور اس کے پیچھے خود فوج لے کر جلیقیہ کے قصد سے روانہ ہوا یہاں باپ بیٹوں کو فتوحات حاصل ہوئیں لیکن عیسائی لوگ اب مسلمانوں کے ان حملوں اور شمالی علاقے پر چڑھائیوں کو خوب پہچان گئے تھے۔ جب کوئی نہایت زبردست فوج حملہ آور ہوتی تو وہ معمولی مقابلہ کر کے پہاڑوں میں جا چھپتے اور معافی کی درخواستیں بھیجتے اطاعت کا اقرار کرتے اور اس طرح ان حملہ آوروں کو واپس کر کے پھر اپنے مقبوضہ ملک پر قابض و متصرف ہو کر حکومت کرنے لگتے۔ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا اسلامی فوجیں قرطبہ کی جانب واپس ہوئیں اور عیسائیوں نے اپنی پیشقدمی شروع کی۔ اس سے پیشتر عیسائیوں کے حملے اسلامی شہروں پر لوٹ مار کی غرض سے ہوتے تھے لیکن اب وہ مسلمانوں کی کمزوری کو بخوبی محسوس کر چکے تھے اب انہوں نے جس شہر پر قبضہ کیا اپنا عامل مقرر کیا اور وہاں باقاعدہ حکومت قائم کر کے جلد جلد اپنے رقبہ حکومت کو وسیع کرنے لگے چنانچہ جس طرح مشرقی ساحل پر برشلونہ کے لینے کے بعد عیسائی مشرقی ساحل پر پہنچ آنے کی فکر میں تھے اسی طرح انہوں نے مغربی ساحل پر قبضہ کرنا شروع کیا اور پرتگال کے علاقے کو زیر تصرف لے آئے۔ سلطان محمد نے ایک جنگی بیڑہ ترتیب دے کر

بحری راستے سے فوج بھیجی کہ وہ خلیج بسکی میں پہونچکر جلیقیہ کے شمالی جانب سے حملہ آور ہو لیکن اتفاق سے سمندر میں طوفان آیا اور یہ بیڑا طوفان میں سخت نقصان اٹھا کر بلا نیل مرام واپس آیا۔ اس کے بعد بحری مہم کا خیال ترک کر دیا گیا۔

اہل طلیطلہ کی مثال دیکھکر جا بجا شہروں میں بغاوتیں شروع ہوئیں اور ہر ایک اس شہر نے جہاں عیسائیوں کی آبادی زیادہ تھی حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کیا۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں سلطان محمد کو مطلق اطمینان میسر نہ ہوا ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ۲۶۳ھ میں عبدالرحمٰن بن مروان نے جو اس سے پہلے بھی بغاوتوں میں حصہ لے چکا تھا اور سلطان محمد کی بیجا رعایت کے سبب نواح مرید میں ایک ذمہ داری کے عہدے پر مامور تھا اعلان بغاوت کیا۔ سلطان محمد نے اس طرف فوجکشی کی تین مہینے کے جنگ وپیکار کے بعد عبدالرحمٰن بن مروان نے سلطان محمد سے [illegible] دینے کی اجازت چاہی اور اسی شرط پر اس لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ مگر عبدالرحمٰن بن مروان نے بجائے اس کے کہ اپنے وعدے اور ارادے کی موافق بغداد کی جانب روانہ ہوتا اندلس ہی میں رہکر ایک نئے مذہب کی ایجاد کی۔ اس مذہب میں عیسائیت اور اسلام کے اصولوں کو جمع کرکے ترکیب دیا گیا تھا۔ اس جدید مذہب میں بہت سے آوارہ مزاج مسلمان اور عیسائی شامل ہونے شروع ہوتے چونکہ تمام ملک میں خود سری کی ہوا چل رہی تھی لہذا بہت سے واقع پسند لوگ بلا لحاظ مذہب بھی اس کے گرد آآکر جمع ہونے شروع ہو گئے اس طرح صوبہ جلیقیہ وصوبہ پرتگال کی حدود میں ایک خطرناک لشکر حکومت وقت کے خلاف عبدالرحمٰن بن مروان کی سرداری میں فراہم ہو گیا۔ سلطان محمد نے اس خطرے سے آگاہ ہو کر اپنے وزیر ہاشم بن عبدالعزیز کو ایک فوج دیکر اس طرف روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن نے ہاشم کو دھوکا دیا اور اس کے سامنے سے فرار ہوتا ہوا اپنے تعاقب میں ایسی جگہ ہاشم کو لے گیا جہاں کمینگاہ میں فوج چھپی ہوئی بیٹھی تھی اس فوج نے چاروں طرف سے یکایک حملہ آور ہو کر ہاشم کی تمام فوج کو کاٹ ڈالا اور ہاشم گرفتار کر لیا گیا اس سے پہلے عبدالرحمٰن بن مروان نے الفانسو حاکم ایسٹریاس سے خط وکتابت کرکے دوستی ومحبت کا عہد لکھ دیا تھا اب اندلس کے وزیر اعظم کو گرفتار کرکے اس نے اپنے دوست الفانسو کے پاس بھیجدیا تھا تاکہ اس کو عبدالرحمٰن کی طاقت وقوت کا اندازہ ہو سکے اور محبت ودوستی کے تعلقات استوار ہو جائیں سلطان محمد کو جب اپنے وزیر کے گرفتار ہونے کا حال معلوم ہوا تو اس نے عبدالرحمٰن بن مروان کو ہاشم کی رہائی کی نسبت لکھا ابن مروان نے ایک لاکھ دینار فدیہ طلب کیا چند مہینے تک ہاشم قید میں رہا اور عبدالرحمٰن بن مروان وسلطان محمد کے درمیان خط وکتابت ہوتی رہی آخر سلطان محمد نے اس بات کو منظور کر لیا کہ عبدالرحمٰن شہر بطلیوس اور اس کے نواحی علاقے پر قابض ومتصرف رہے اور اس پر کوئی خراج بھی عاید نہ کیا جائے۔ ساتھ ہی زر فدیہ ادا کرکے ہاشم کو چھڑایا جائے۔ چنانچہ ہاشم جب چھوٹ کر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا حریف جس نے اس کو قید کر لیا تھا ایک نہایت مضبوط علاقہ پر خود مختار حاکم ہو گیا ہے اور باج وخراج سے بھی بالکل آزاد ہے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ وزیر ہشام کی رہائی ڈھائی برس کے بعد ۲۶۵ھ میں ہوئی تھی۔ غرض عبدالرحمٰن بن مروان جو ایک معمولی باغی سردار تھا اب اپنے آپ کو سلطان محمد کا ہمسر سمجھنے لگا اس نے سلطنت ایسٹریاس سے اپنے تعلقات دوستی کو خوب بڑھایا یہ رنگ دیکھکر ملک کے ہر حصے میں سرداروں نے بغاوت وسرکشی پر کمر باندھی اور

رُعب سلطنت خاک میں مل گیا۔ موسیٰ بن ذی النون گورنر شنت بریہ نے بغاوت اختیار کرکے طلیطلہ پر حملہ کیا کہ اُس کو اپنے قبضے میں لائے اہل طلیطلہ نے مقابلہ کرکے اُس کو شکست دی اُس نے پھر حملہ کیا اور اس طرح ان کی زور آزمائی کا سلسلہ جاری ہوا۔ اُدھر اسد بن حرث بن بدیع نے علم بغاوت بلند کر دیا سلطان محمد نے شہزادہ منذر کو فوج دیکر موسیٰ بن ذی النون کی طرف بھیجا۔ منذر کئی شہروں اور قلعوں کو فتح کرکے قرطبہ میں واپس آگیا۔ غرض سلطان محمد کو بغاوتوں کے فرو کرنے اور فوجیں بھیجنے سے ایک روز بھی فرصت نہیں ملی۔ اسی نازک زمانے میں عمر بن حفصون نامی ایک عیسائی نے خاص صوبہ اندلسیہ یعنی جزیرہ نمائے اندلس کے جنوبی و مشرقی علاقے کے پہاڑوں میں ڈاکوؤں کی ایک جمعیت اپنے گرد فراہم کی۔ عمر بن حفصون گاتھک خاندان کے سر برآوردہ اشخاص میں سے تھا اس لئے بڑی آسانی سے وہ عیسائیوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو جمع کر سکا۔ نواح مالقہ میں پہاڑ کے ایک دشوار گذار مقام پر قلعہ بنا ہوا تھا اس قلعہ کو عمر بن حفصون نے اپنا قرار گاہ بنایا اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا۔ ادگرد کے شہروں اور قصبوں کے عاملوں نے بار بار اُس پر چڑھائیاں کیں مگر ہر مرتبہ شکست یاب ہوئے۔ آخر سنہ ۲۶۷ھ میں دارالسلطنت قرطبہ سے ایک زبردست فوج اُس کی سرکوبی کو روانہ ہوئی عمر بن حفصون نے براہ چالاکی اس فوج کی آمد پر درخواست صلح بھیجی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ آئندہ لوٹ مار کرنے سے باز رہکر علاقے میں امن و امان قائم رکھیگا چنانچہ اسی شرط پر وہ پہاڑی قلعہ اُس کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا اور امن و امان قائم ہو گیا۔

سنہ ۲۶۸ھ میں سلطان محمد نے شہزادہ منذر کو ایک زبردست فوج دیکر شمال کی جانب بھیجا کہ اُس طرف کے عیسائی سرکشوں کو سزا دیجائے۔ شمالی ریاستوں اور باغیوں کی حالت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے یہ تھی کہ جب کوئی زبردست فوج اُس طرف جاتی تھی تو اظہار اطاعت کرنے لگتے تھے جب یہ فوج واپس ہوتی پھر تمرد و سرکشی پر قائم ہو گئے چنانچہ شہزادہ منذر نے اول سرقسطہ پہونچکر وہاں کے باغیوں کو درست کیا پھر البہ و قلاع وغیرہ کا رُخ کیا اُس کے بعد لریدہ کی بدنظمی کو دُور کرکے وہاں اسمٰعیل بن موسیٰ کو ناظم مقرر کیا اور واپس چلا آیا۔ منذر کے واپس ہوتے ہی حاکم برشلونہ نے اسمٰعیل پر حملہ کیا اسمٰعیل نے کمال مردانگی سے مقابلہ کرکے اہل برشلونہ کو شکست دیکر بھگا دیا۔ سنہ ۲۷۰ھ میں عمر بن حفصون نے پھر بغاوت اختیار کی اور پہلے سے زیادہ طاقت بہم پہنچا کر علاقہ مالقہ کے امن و امان کو برباد کر دیا۔ قرطبہ سے ہاشم بن عبدالعزیز وزیر اعظم ایک فوج لیکر عمر بن حفصون کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ کئی معرکے ہوئے آخر ہاشم نے سلام و پیام کے ذریعہ عمر بن حفصون کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور اُس کو معافی کا وعدہ دیکر اپنے ساتھ قرطبہ چلنے پر رضامند کر لیا۔ عمر بن حفصون وزیر ہاشم کے ساتھ قرطبہ چلا آیا وزیر ہاشم اُس کی بہادری دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا اُس نے سلطان محمد سے کہکر عمر بن حفصون کو افواج سلطانی کا سپہ سالار اعظم مقرر کرا دیا۔ اس کے بعد سنہ ۲۷۱ھ میں وزیر ہشام عمر بن حفصون کو ایک زبردست فوج کے ساتھ ہمراہ لے کر شمال کی جانب متوجہ ہوا وہاں اہل سرقسطہ پھر باغی ہو گئے تھے اور ریاست الیسٹریاس کی جانب سے خطرات پیدا ہو رہے تھے۔ عمر بن حفصون نے ان لڑائیوں میں بڑی شہرت و ناموری حاصل کی اہل سرقسطہ اور عیسائیان الیسٹریاس کو پیہم شکستیں دیکر اور خراج وصول کرکے یہ دونوں واپس ہوتے۔ عمر بن حفصون کو حکومت اسلامیہ کی سپہ سالاری کچھ پسند نہ آئی کیونکہ اس طرح وہ اپنی اُن اُمیدوں کو کہ دوبارہ گاتھک حکومت قائم ہو جائے پورا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ راستے ہی سے

فرار اور وزیر ہاشم سے جُدا ہو کر بھاگا اور سیدھا اپنے اُسی پورانے قلعے میں پہونچکر مضبوط ہو بیٹھا اُسکے بہی دوست اور پورانے رفیق پھر آ آکر اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ ادہر عمر بن حفصون نے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر نواح مالقہ میں خود مختارانہ حکومت شروع کی اُدھر عبدالرحمن بن مروان نے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اشبیلیہ اور اُس کے نواحی علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ سلطان محمد نے اشبیلیہ کی طرف اپنے بیٹے منذر اور وزیر ہاشم کو فوج دیکر بھیجا اور عمر بن حفصون کو اپنی حکومت و ریاست قائم کر لینے کے لئے نہایت قیمتی فرصت مل گئی۔ وہاں اشبیلیہ کے نواح میں دو سال تک جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر ۲۷۲ھ میں عبدالرحمن بن مروان کو تھوڑا سا علاقہ اور دیکر صلح کر لی گئی اور اُس طرف کی ہنگامہ آرائی ختم ہوئی۔ اس کے بعد شہزادہ منذر کو عمر بن حفصون کی طرف بھیجا گیا عمر بن حفصون جب سے سپہ سالاری چھوڑ کر بھاگا تھا پہلے کی نسبت زیادہ شائستہ اور مآل اندیش بن گیا تھا۔ اُس نے دربار قرطبہ اور وزیر ہاشم کی صحبت سے بہت فائدہ اُٹھایا اور اس مرتبہ آکر بجائے ایک ڈاکو اور رہزن کے وہ ایک فرمانروا اور والیٔ ملک کی حیثیت میں نمودار ہوا اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر حصہ ملک پر اُس کا قبضہ تھا اُس میں چوری اور ڈاکہ زنی کا بالکل انسداد کر دیا وہ رہزنوں اور چوروں اور ظالموں کو نہایت عبرتناک سزائیں دیتا اور بالخصوص اپنے سپاہیوں اور فوجی سرداروں کو قطعاً رعایا پر ظلم نہ کرنے دیتا اس کا اثر اُس کی حکومت و طاقت کے بڑھانے کا موجب ہوا اور یہی وہ گر تھا جو عمر بن حفصون دربار قرطبہ سے یاد کر کے آیا تھا۔ آجکل رعب سلطنت کے باقی نہ رہنے سے ملک میں ہر طرف بدامنی کا دور دورا تھا اور ایسی حالت میں رعایا کے جان و مال کا محفوظ نہ ہونا یقینی بات تھی لیکن بخلاف اس کے عمر بن حفصون نے اپنے چھوٹے سے مقبوضے میں جس پر وہ غاصبانہ اور باغیانہ طور پر قابض و متصرف تھا قابل رشک امن و امان قائم کر رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی آبادی کو اُس کے ساتھ محبت اور ارد گرد کے علاقوں کو بھی اُس سے ہمدردی پیدا ہو گئی ۲۷۲ھ کے آخر اور ۲۷۳ھ کے شروع میں منذر بن محمد ولیعہد سلطنت فوج لے کر عمر بن حفصون کے مقابلہ کو آیا۔ ابتداءً چند چھوٹی چھوٹی معرکہ آرائیاں ہوئیں اس کے بعد بہت زیادہ ممکن تھا کہ عمر بن حفصون کو مغلوب یا مقتول یا گرفتار کر لیا جائے عمر بن حفصون زخمی ہو چکا تھا اُس کو اور اُس کی فوج کو منذر بن محمد نے محصور کر کے اس قدر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو منذر کے سپرد کر دینے والا تھا کہ اسی اثنا میں منذر کے پاس سلطان محمد کے فوت ہونے کی خبر پہونچی۔ منذر اس خبر کو سُنتے ہی بلا توقف قرطبہ کی جانب روانہ ہو گیا اور عمر بن حفصون اس طرح معہ اپنی جماعت کے برباد ہونے سے بچ گیا۔

سلطان محمد ۲۰۷ھ میں پیدا ہوا تھا قریباً ۶۶ سال کی عمر پاکر ماہ صفر ۲۷۳ھ میں ۳۴ سال چند ماہ حکومت کرنیکے بعد فوت ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا منذر تخت نشین ہوا۔

سلطان محمد کے عہد حکومت میں اندلس پر بدامنی طاری رہی۔ اُس کو ایک روز بھی مطمئن ہو کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اندرونی بغاوتوں اور بیرونی سازشوں کے ختم نہ ہونیوالے سلسلے نے سلطان محمد کو ہمیشہ مصروف و پریشان رکھا۔ سلطان محمد کے زمانے میں خاندان بنو امیہ کی حکومت بہت ہی کمزور اور بے وقار ہو گئی تھی معمولی اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی بغاوت و سرکشی کی جرأت ہو گئی تھی۔ سلطنت اموی کے اس ضعف و اختلال سے عیسائیوں کو بہت فائدہ پہونچایا۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو خوب طاقتور بنا کر

اِس بات کو ممکن سمجھا کہ ہم اندلس میں پھر عیسائی حکومت قائم کرسکیں گے۔ سلطان محمد ذاتی طور پر بہادر اور مستعد پادشاہ تھا مگر اندرونی بغاوتوں اور خود مسلمان سرداروں کی غداریوں نے ملک کی حالت کو اس قدر نازک بنا دیا تھا کہ . . .

یہاں سے کچھ عبارت

کاتب کی غلطی سے

ضائع ہوگئی ہے

طوفان سلطان محمّد کے زمانے میں سلطنت اسلامیہ کی خرابی و بے عزتی کا باعث ہُوا۔ اِس کے علاوہ عیسائی سلاطین اور عباسی خلفا واندلسی مُسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا کرانے میں کوشاں تھے۔ لیکن اب عباسیوں کا جوش مخالفت تو سرد ہو چکا تھا۔ اور اُن کو اِس قدر ہوش ہی نہ رہا کہ وہ سلطنت اُندلس کی طرف توجہ کرتے عیسائیوں کی مخالفت کوئی پوشیدہ چیز نہ تھی۔ اب جو مسلمانوں میں نا اتفاقی اور عداوتیں پیدا ہوئی تھیں۔ یہ فقہا کی کوتہ اندیشیوں کا نتیجہ تھا۔ اُندلس کے قاضیوں اور عالموں کو عام طور پر بمقابلہ دیگر ممالک اسلامیہ کے ہمیشہ زیادہ اقتدار حاصل رہا ہے اور اسی مناسبت سے اُندلس کے مسلمانوں میں ہمیشہ زیادہ نا اتفاقی پائی گئی ہے

جس کا پہلا قابل تذکرہ اور اہم منظہر سُلطان محمدؒ کا زمانہ تھا۔ اِس زمانے میں جو سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اُندلس میں پہونچا وہ یہ تھا۔ کہ اِس سے پہلے تک عیسائی برابر اسلام میں داخل ہوتے رہتے تھے اور باوجودیکہ شمالی پہاڑی عیسائیوں کی طرف سے طرح طرح کی کوششیں مُسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام سے عیسائیوں کو متنفر بنانے کے لئے ہوتی رہتی تھیں۔ تاہم سمجھدار شخص عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ اور اِس طرح نو مسلموں کی ایک بڑی تعداد ہر زمانے میں موجود ہوتی تھی۔ سُلطان محمدؒ کے زمانے میں علماء و فقہا نے ایسے فتوے اور ایسے قوانین جاری کئے جس سے نہ صرف عیسائیوں کے قدیمی حاصل شدہ حقوق کو صدمہ پہونچا بلکہ نو مُسلموں کے متعلق بھی بے اعتمادی اور بے اعتباری پیدا ہوئی اور اِس کے نتیجے میں ارتداد کا سلسلہ جاری ہُوا۔ نو مسلم لوگ اسلام کو چھوڑ چھوڑ کر پھر عیسائیت اختیار کرنے لگے مُسلمانوں کے لئے اِس سے بڑھ کر کوئی عبرت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ کہ مولویوں کی تنگ نظری و سخت گیری نے قابو یافتہ ہو کر سُلطان محمدؒ کے آخری عہد حکومت میں مرتدین کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا کر دیا جو شمالی اُندلس میں نہیں بلکہ دارالسلطنت قرطبہ کے نواح میں پیدا ہو کر شمالی عیسائیوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہُوا ؎

من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم ۔۔۔ کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

سُلطان محمدؒ کے آخر عہد حکومت میں اُندلس کے اندر مختلف جماعتیں اور مختلف گروہ جن میں سے ہر ایک کے مقاصد الگ الگ تھے۔ (۱) خالص عربی النسل لوگ۔ اِن کے اندر بھی آپس میں اتفاق نہ تھا۔ اور کئی گروہ تھے مثلاً شامی۔ یمنی۔ حجازی۔ حضرمی وغیرہ (۲) مولدین یعنی وہ لوگ جن کے باپ عرب اور مائیں عیسائیاں اُندلس سے تھیں اِن کو دوغلے عرب کہنا چاہئے۔ مگر یہ سب کے سب اپنے اندر عربی خون نہ رکھتے تھے۔ بلکہ اِن کا زیادہ حصّہ بربری باپ اور اُندلسی ماؤں کی اولاد پر مشتمل تھا (۳) نو مسلم یعنی وہ لوگ جو پہلے عیسائی تھے اور اب مُسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی اولاد بھی نو مسلم ہی کہلاتی تھی اور یہ مذہب اسلام کے زیادہ پابند نظر آتے تھے (۴) خالص بربری لوگ۔ اِن کی تعداد بھی کافی تھی (۵) مجوسی یہ اُن لوگوں کی اولاد تھی۔ جن کو بطور غلام مختلف مُلکوں سے خرید کر منگوایا گیا تھا۔ اِن کی تعداد زیادہ نہ تھی (۶) یہودی یہ بھی اُندلس کے قدیم باشندے تھے۔ اِن کا پیشہ زیادہ تر تجارت تھا اور فساد و بغاوت سے الگ رہنا چاہتے تھے (۷) عیسائی۔ یہ اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ عامل تھے۔ اِن کی تعداد بھی مُلک میں زیادہ تھی۔ (۸) مرتدین یہ وہ لوگ تھے جو سلطان محمدؒ کے زمانے میں اسلام سے روگرداں ہو کر پھر حالت کفر میں واپس چلے گئے تھے۔ ان مرتدین کے ساتھ ہی ایک ایسا فرقہ بھی شامل تھا۔ جو کسی مذہب کی قید میں نہ تھا۔ اور اُس کا پیشہ لوٹ مار اور غارت گری ہی تھا۔ اوّل الذکر چاروں گروہ مسلمان اور اصل اسلامی طاقت سمجھے جاتے تھے۔ پادشاہ اور علماء کا اوّلین فرض یہ تھا کہ اُن کی نگاہ میں اِن چاروں کا مرتبہ مساوی ہوتا مگر سُلطان محمدؒ سے اِس معاملے میں سخت غلطی اور کمزوری کا اظہار ہُوا اور مولدین کو جن کی تعداد اور طاقت بڑی ہوتی تھی۔ شکایتیں پیدا ہوئیں۔ علماء کی گروہ بندی اور مالکی حنفی کی تفریق نے نو مسلموں کے جوش کو سرد کر دیا۔ بربری لوگ بھی اِس سے متاثر ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمانوں کے اندر سے ہیئت مجموعی رُوحانیت جاتی رہی اخلاق فاضلہ ضعیف ہو گئے دینی جہاد کا شوق سرد پڑ گیا۔ وہ تلواریں جو خدا کی راہ میں بے نیام ہوتی تھیں اب نفسانی اغراض و خواہشات کے لیے بے نیام ہونے میں چمکنے لگیں۔ ہر ایک گروہ کی تفریق نمایاں ہو کر نمایاں تر ہوتی گئی۔ سلطان نے جس قدر فقہا کے اقتدا

کو بڑھایا اُسی قدر عوام کا اعتقاد فقہا کی نسبت کمزور ہوتا گیا۔ اس بے اعتمادی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلام کی محبت دلوں سے جاتی رہی اور دُنیا دین پر مقدم ہو گئی۔

مُسلمانوں اور مسلمانوں کی سلطنت کا یہ حال تھا۔ اُدھر عیسائیوں کی ریاستیں جو وسیع ہوتے ہوتے اسلامی سلطنت کی ہمسر بن گئی تھیں۔ روز افزوں ترقی پر تھیں الفانسو سوم شاہ الیسٹریاس مُسلمانوں سے اُندلس کے خالی کرانے کا پروگرام تیار کر رہا تھا۔ پرتگال کے عیسائی اپنی الگ ریاست قائم کرنے کی تیاری کر چکے تھے۔ اشبیلیہ پر ابن مروان اور مالقہ وغیرہ پر ابن حفصون خود مختارانہ حکمران تھے۔ طلیطلہ نے خود مختار ہو کر عیسائی مقبوضہ کو قرطبہ کے قریب تک وسیع کر دیا تھا۔ جلیقیہ و اراگون وغیرہ نے جبل البرقات سے اُندلس کے مغربی ساحل یعنی پرتگال وا شبیلیہ تک عیسائیوں کا ڈنکا بجوا دیا تھا۔ اس سلسلہ میں کہیں کہیں کسی شہر کا کوئی مُسلمان عامل موجود تھا۔ تو وہ عیسائیوں کی ہمدردی کا دم بھر رہا تھا۔ غرض سلطان منذر نے نہایت خطرناک زمانے میں تخت سلطنت پر قدم رکھا۔

منذر بن محمد: سُلطان منذر بن محمد ۲۲۹ھ میں پیدا ہُوا تھا۔ ۴۴ سال کی عمر میں اپنے باپ کی وفات کے بعد ماہ صفر ۲۷۳ھ میں تخت نشین ہُوا۔ اس کی تمام عمر لڑائیوں اور زور آزمائیوں میں گذری تھی۔ اپنے باپ کے عہدِ حکومت میں وہ بار بار سپہ سالاری کی خدمات انجام دے چکا تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ کے وزیر اعظم ہاشم بن عبدالعزیز کے قتل کا فتویٰ جو علماء نے لگایا تھا نافذ کیا اور اُس کو دوسرے جہاں میں پہونچایا۔ عمر بن حفصون نہ صرف مالقہ بلکہ اور بھی متعدد شہروں پر قابض و متصرف ہو چکا تھا۔ سلطان منذر نے ہاشم بن عبدالعزیز کے قتل سے فارغ ہو کر عمر بن حفصون پر چڑھائی کی ابن حفصون اگرچہ نہایت تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار تھا۔ مگر سُلطان منذر بھی کچھ اُس سے کم نہ تھا۔ یکے بعد دیگرے قلعوں کو فتح کرتا ابن حفصون کی فوجوں کو پیچھے ہٹاتا ہُوا آگے بڑھتا۔ اور ایک قلعہ میں اُس کا محاصرہ کر لیا۔ عمر بن حفصون نے مصلحتِ وقت دیکھ کر سلطان کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجکر اطاعت کا اقرار کیا۔ سلطان نے اس درخواست کو غنیمت سمجھا اس لئے کہ وہ اس خطرناک دشمن کے ساتھ دیر تک اُلجھے رہنے کی نسبت دوسرے باغیوں کی سرکوبی کو ضروری جانتا تھا۔ سلطان ابھی واپس ہو کر قرطبہ تک نہیں پہنچنے پایا تھا کہ اس کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ سُلطان نے پھر واپس ہو کر اُس کا محاصرہ کر لیا۔ اب کی مرتبہ ابن حفصون نے پھر نہایت ندامت و شرمندگی اور عجز و الحاح کے ساتھ اپنی خطا کی معافی چاہی اور خود سُلطان کے ساتھ قرطبہ جانے پر رضامند ہو گیا۔ سلطان اس بات کو بہت غنیمت سمجھا۔ نہایت عزت و تکریم کے ساتھ اس باغی سردار کو اپنے ہمراہ لیکر قرطبہ کی طرف چلا۔ سلطان کا ارادہ تھا کہ قرطبہ پہنچکر فوراً طلیطلہ پر چڑھائی کرے اور اس مرکزی شہر کو اوّل قبضے میں لا کر پھر کسی دوسری طرف متوجہ ہو۔ یہ سلطان منذر کی کمال بیدار مغزی اور ہوشیاری کی دلیل تھی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ شروع ہی میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی تھی کہ اُنھوں نے طلیطلہ کی اہمیت اور اُس کے محل وقوع کے اعتبار سے اُس کے دار السلطنت ہونے کی موزونیت کو محسوس نہیں کیا۔ اگر مسلمان طلیطلہ کو دار السلطنت بنا لیتے تو یقیناً مُسلمانوں کو اس قدر مشکلات مُلک اُندلس میں پیش نہ آتے جو قرطبہ کے دار السلطنت ہونے کی وجہ سے پیش آئے۔ طلیطلہ مُلک اُندلس کے وسط میں واقع تھا اور بہت مضبوط مقام تھا۔ شمالی عیسائی ریاستوں کو طاقتور ہونے اور پھیلنے کا موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔

بہر حال سلطان منذر طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ اور بظاہر عمر بن حفصون کی طرف سے اُس کو کامل اطمینان ہو چکا تھا۔ راستے میں عمر بن حفصون کو کسی نے اُس کا وہ انجام یاد دلایا جو فقہا کے فتوے کی تعمیل میں ہونے والا ہے۔ حالانکہ سلطان منذر اُس کی دلدہی پر آمادہ اور اُس سے اہم خدماتِ سلطنت لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر جب عمر بن حفصون کو اپنا وہ واقعہ یاد آیا کہ محض فقہا کی مخالفت نے اُس کو ہشام بن عبدالعزیز کے لشکر سے جُدا ہو کر بھاگنے اور اپنے ارتداد کے اعلان پر مجبور کیا تھا۔ نیز جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ ہشام بن عبدالعزیز بھی انہیں حضرات کے فتووں کی بنا پر قتل ہو چکا ہے تو وہ اپنے قتل ہونے کو یقینی سمجھنے لگا۔ اور قرطبہ تک پہونچنے سے پہلے ہی وہ لوگوں کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلا اور سیدھا اپنے قلعہ میں پہنچکر قلعہ بند ہو بیٹھا اور ارد گرد سے اپنے تمام آدمیوں کو جمع کرلیا۔ سلطان منذر پھر اُس کی طرف لوٹا۔ اب کی مرتبہ بڑی سختی سے قلعہ کا محاصرہ شروع کیا۔ عمر بن حفصون نے بھی بڑی ہمت کے ساتھ مدافعت جاری رکھی اِس محاصرے نے طول کھینچا اور قلعہ ابھی فتح ہونے نہ پایا تھا کہ سلطان منذر نے ۲۷۵ھ میں بحالت محاصرہ دو برس سے بھی کم حکومت کر کے قریباً ۴۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ سلطان منذر کے کوئی بیٹا نہ تھا اِس لئے امراء لشکر نے منذر کے بھائی عبداللہ کے ہاتھ پر قلعہ کی دیوار کے نیچے بیعت کی۔ عبداللہ نے عمر بن حفصون کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو تم سے کوئی مخالفت و پرخاش نہیں ہے۔ اب تم اپنے قلعہ میں اطمینان سے رہو ہم قرطبہ کو واپس جاتے ہیں۔ گویا سلطان عبداللہ نے اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی عمر بن حفصون کی ریاست و حکومت کو بھی باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیا۔ عمر بن حفصون نے اس کو بہت غنیمت سمجھا اور سلطان عبداللہ اپنے بھائی منذر کے جنازے کو لیکر قرطبہ پہنچا۔ راستے میں عرب سرداروں کی چہ میگوئیاں حد سے بڑھ گئیں اور سلطان عبداللہ کو متہم کرنے میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیا گیا کہ قرطبہ تک پہنچتے پہنچتے تمام فوج اِدھر اُدھر منتشر ہوگئی اور سو آدمیوں سے بھی کم آدمی سلطان عبداللہ کے ساتھ سلطان منذر کا جنازہ لئے ہوئے قرطبہ میں داخل ہوئے۔

عبداللہ بن محمد

سلطان عبداللہ بن محمد نے تخت نشین ہوتے ہی یہ کمزوری دکھائی کہ عمر بن حفصون کی حکومت تسلیم کر کے محاصرہ اُٹھا لیا۔ حالانکہ اُس کے لئے قدرتی طور پر اپنے خاندان سلطنت کو شاندار بنانے کا موقع تھا کہ وہ قلعہ کو فتح کر کے واپس ہوتا اور عمر بن حفصون کو جو طول اور شدتِ محاصرہ سے تنگ آچکا تھا۔ گرفتار یا مقتول کر کے قرطبہ کی جانب لوٹتا۔ سلطان عبداللہ کی تخت نشینی کے وقت یعنی ۲۷۵ھ میں حکومت اندلس یعنی سلطنت بنو امیہ کی حالت اس قدر سقیم ہو چکی تھی کہ خزانہ تمام خالی ہو گیا تھا آمدنی جو کسی زمانے میں دس لاکھ دینار سالانہ تھی۔ اب ایک لاکھ دینار سالانہ پہنچ گئی تھی۔ عیسائی ریاستوں سے قطع نظر کیجائے تو دار السلطنت قرطبہ کے دونوں پہلوؤں پر دو ایسے زبردست رقیب پیدا ہو چکے تھے جن کی طاقت سلطنت قرطبہ سے کم نہ تھی۔ ایک طرف ابن حفصون تھا اور دوسری طرف ابن مروان ابن حفصون زیادہ عقلمند اور مدبر شخص تھا اس کا طرز حکومت ایسا تھا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اُس کے زیر حکومت رہنے کو پسند کرتے تھے۔ مگر چونکہ اُس کے ارتداد کا اعلان ہو چکا تھا اِس لئے بہت سے مسلمان اُس کی مدد کرنے کو گناہ سمجھکر بجائے اُس کے سلطنت کے دوسرے رقیب ابن مروان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابن حفصون باوجود اعلانِ ارتداد عیسائی ریاستوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔

مگر ابن مروان باوجود مسلمان ہونے کے الفانسو سوم بادشاہ الیسٹریاس اور دوسرے عیسائیوں کا ہم عہد اور رفیق تھا۔ نواح اشبیلیہ میں بعض عرب سرداروں کی جاگیریں تھیں۔ اور وہ وہیں اقامت گزیں تھے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے یہ رنگ دیکھ کر علم بغاوت بلند کیا۔ اور اشبیلیہ پر قابض و متصرف ہو گئے۔ اُدھر اسی قسم کے جاگیردار عربوں نے غرناطہ کے نواح میں علم بغاوت بلند کر کے غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ ابن حفصون اور ابن مروان کے مقابل دو اور طاقتیں پیدا ہو گئیں۔ اور ان چاروں طاقتوں میں جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری ہوا۔ دربار قرطبہ میں اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ وہ ان سب کو زیر کرتا۔ بلکہ اب سلطان عبداللہ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ صرف نواح قرطبہ پر حکومت رکھتا اور ان لڑنے والی چاروں طاقتوں کے درمیان کبھی کبھی دخل دے کر ان کی لڑائی کو صلح سے تبدیل کرا دیتا تھا۔ چونکہ چاروں رقیب ایک دوسرے کے مقابل تھے اس لئے ان میں سے ہر ایک دربار قرطبہ کی سیادت کو تسلیم کرتا اور سلطان قرطبہ کو اپنا بادشاہ کہتا۔ لیکن عملی طور پر وہ بالکل خود مختار تھے۔ اور کسی قسم کا باج و خراج سلطان عبداللہ کے پاس نہیں بھیجتے تھے۔ مذکورہ عرب سرداروں کا طرز عمل مولدین اور نو مسلموں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اس لئے مولدین اور نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ ابن مروان کے پاس چلا گیا تھا۔ انہیں ایام میں شمالی شہروں کے دو مسلمان عاملوں نے سرقسطہ و شذت بریہ کے نواح میں عیسائیوں کے اس منصوبہ کو کہ اندلس کو مسلمانوں سے خالی کرا لیا جائے سخت صدمہ پہنچایا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب بادشاہ الیسٹریاس اپنی فوجیں لیکر جنوب کی طرف بڑھا ہے تو مقام طرسونہ کے عامل لب بن محمد نے اپنی نہایت قلیل جمعیت سے عیسائی فوجوں کو شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ اُدھر عبدالرحمٰن بن مروان نے اپنے دوست شاہ الیسٹریاس کو اطلاع دی کہ اگر اپنی حدود سلطنت سے آگے قدم بڑھایا تو میں سب سے پہلے مقابلہ کے لئے تیار رہوں۔ اس تنبیہ و تہدید کا یہ اثر ہوا کہ عیسائیوں نے چند روز کے لئے اور خاموش رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری حملہ آوری سے مسلمانوں کی خانہ جنگی موقوف ہو کر ان میں اتفاق پیدا ہو جائے گا اور آپس میں چھری کٹاری رہ کر ان کے کمزور ہونے کا سلسلہ رک جائیگا۔ اُدھر ابن حفصون نے یہ ہوشیاری کی کہ افریقہ کے خاندان اغالبہ سے خط و کتابت کر کے اس بات کی استدعا کی کہ عباسی خلیفہ سے میرے نام کی سند حکومت اندلس منگا دی جائے۔ اس کوشش میں اگرچہ عمر بن حفصون کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر اس خبر کے سننے سے دربار قرطبہ میں ہلچل پیدا ہو گئی اور سلطان عبداللہ نے جس قدر فوج وہ فراہم کر سکتا تھا فراہم کر کے ابن حفصون پر فوراً چڑھائی کر دی۔ سلطان عبداللہ اس بات سے واقف تھا کہ اگر عمر بن حفصون کے پاس خلیفۂ عباسی کی سند آ گئی تو عام طور پر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اور پھر اندلس میں بنو امیہ کا وجود باقی نہ رکھا جائے گا۔ سلطان عبداللہ چودہ ہزار سے زیادہ فوج جمع نہ کر سکا۔ ابن حفصون کے پاس تیس ہزار فوج تھی۔ آخر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں سلطان عبداللہ اور اس کے ہمراہیوں نے غیر معمولی بہادری کا اظہار کیا۔ اور ابن حفصون کو شکست فاش دیکر پہاڑوں میں بھگا دیا۔ باغی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور سلطان عبداللہ کی حدود مملکت کسی قدر وسیع ہو گئی۔ اس فتح کا اثر حکومت قرطبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ سلطنت کا اعتبار و اعتماد جو بالکل ضائع ہو چکا تھا۔ اب کسی قدر پھر قائم ہونے لگا۔ اُدھر عبداللہ بن مروان نے انہیں ایام میں اشبیلیہ کے خود مختار رئیس ابراہیم بن حجاج سے صلح کر کے اپنی طاقت کو بڑھانے کی کوشش کی۔ سلطان عبداللہ نے اس فتح کے نتائج دیکھ کر ابن مروان کا زور توڑنا اور اس پر حملہ کرنا ضروری سمجھا۔ وزیر السلطنت احمد بن ابی عبیدہ کو

فوج خیلہ ابن مروان کی طرف بھیجا گیا ۔ ابن مروان [illegible]
ابراہیم بن حجاج بھی ابن مروان کی کمک پر تیار ہو گیا دونوں نے ملکر احمد بن ابی عبیدہ کا مقابلہ کیا اس معرکہ میں
بھی رعب سلطنت نے اپنا کام کیا اور باغیوں کو شکست ہوئی ۔ اس شکست کے بعد ابراہیم بن حجاج نے
اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا اور سلطان عبداللہ نے اُس کو اشبیلیہ کا عامل مقرر کر دیا ۔ اس لڑائی کا نتیجہ
پہلی لڑائی سے بھی زیادہ مفید برآمد ہوا اور حدود سلطنت کے ساتھ ہی وقار سلطنت نے بھی پہلے سے زیادہ
ترقی کی ۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد عبدالرحمٰن بن مروان کا انتقال ہو گیا اور اُس کے بیٹوں نے تطیلہ وغیرہ
میں حکومت شروع کی اِدھر ابراہیم بن حجاج حاکم اشبیلیہ نے اُس کے ملک کا اکثر حصہ اپنی حکومت میں شامل
کر لیا ۔ عمر بن حفصون نے سلطان عبداللہ سے شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ لی تھی ۔ جب سلطان دارالسلطنت
کی طرف واپس ہوا ۔ عمر بن حفصون نے بتدریج اپنی طاقت کو بڑھانا اور اپنی حالت کو سدھارنا شروع کیا ۔
بادشاہ ایسٹریاس مسمی الفانسو اور اُس کے بھائی میں لڑائی شروع ہوئی ۔ الفانسو نے اپنی تسکین خاطر کے لئے
سلطان عبداللہ سے خط و کتابت کر کے تجدید صلح کی خواہش ظاہر کی سلطان نے فوراً رضامندی ظاہر کر کے
ان شرائط پر صلح کر لی کہ نہ بادشاہ ایسٹریاس اپنی موجودہ حدود سلطنت سے باہر قدم رکھے نہ اسلامی فوجیں اُس
کی حدود میں داخل ہوں ۔ یہ صلح الفانسو کے لئے بہر نہج مفید اور نفع رساں تھی ۔ کیونکہ مسلمان اُس تمام ملک کو
جو اُس کے قبضے میں تھا ۔ اپنا ملک سمجھتے اور اُس پر قبضہ کرنے کا دعویٰ رکھتے تھے ۔ لیکن اب سلطان عبداللہ
نے اس کی حکومت کو تسلیم کر کے اُس کی اولوالعزمی کو تقویت پہنچا دی ۔ اِدھر آئے دن کی لڑائیوں اور بغاوتوں
سے رعایا تنگ آ چکی تھی ۔ اور یہ بدامنی کا سلسلہ بہت ہی طویل ہو گیا تھا ۔ لہٰذا خود بخود لوگوں کی توجہ اس طرف
مائل ہوئی کہ دربار قرطبہ کے خلاف بغاوت کرنا کسی طرح مفید نہیں ہے اور ایسے باغیوں کا ساتھ دینا اور اُن
کی مدد کرنا گناہ عظیم ہے ۔ لہٰذا یہ صورت جو پیدا ہو چکی تھی دیر تک قائم رہی ۔ اشبیلیہ ایک خود مختار اور
طاقتور ریاست بن گئی جس کو دربار قرطبہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار تھا ۔ عمر بن حفصون کی ایک
مستقل ریاست مشرق میں قائم تھی ۔ اِن کے علاوہ باقی اکثر حصہ ملک کا اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں
میں تقسیم تھا ۔ اور سب اپنی اپنی جگہ حکومت کرتے اور دربار قرطبہ کی ظاہری تکریم بجا لاتے تھے ۔ عیسائی
ریاستوں میں جانشینیوں کے متعلق اتفاقاً سخت پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں ۔ اور اُن کے اپنے اندرونی
جھگڑوں سے اتنی فرصت ہی نہ تھی ۔ کہ حکومت اسلامیہ پر حملہ آور ہوتے ۔ ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

سلطان عبداللہ کے گیارہ بیٹے تھے ۔ جن میں دو بڑے بیٹے مطرف اور محمدؒ زیادہ لائق اور امور
سلطنت میں دخیل تھے ۔ اِن دونوں کے درمیان رقابت و عداوت پیدا ہو گئی تھی ۔ زیادہ لائق اور قابل
آدمی ریاست اشبیلیہ میں چلے گئے تھے کیونکہ وہاں علما اور باکمال لوگوں کی خوب قدردانی ہوتی تھی ۔ قرطبہ
کا خزانہ خالی تھا ۔ اشبیلیہ کی نوخیز اور جدید ریاست کا دربار ابراہیم بن حجاج کی قدردانیوں کے سبب قرطبہ
کے لئے موجب رشک بن گیا تھا ۔ یہاں کے موجودہ پست ہمت اراکین دربار نے دونوں بھائیوں کی رقابتوں
کے ترقی دینے میں خوب کوشش کی ۔ مطرف کو اپنے بھائی محمدؒ کی شکایت کا موقع مل گیا اور اُس نے باپ کے
کان اچھی طرح بھرنے شروع کئے اُس کے ہمساز امرا نے تائید کی سلطان عبداللہ اپنے بیٹے محمدؒ کو غضب آلود
نگاہوں سے دیکھنے لگا ۔ محمدؒ نے مجبور ہو کر راہ فرار اختیار کی اور قرطبہ سے بھاگ عمر بن حفصون کے پاس

چلا گیا۔ چند روز وہاں رہکر اور اپنی حرکت پر پشیمان ہو کر باپ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو جان کی امان دیجائے تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں عبداللہ نے اُس کو جان کی امان دیکر بُلوالیا۔ اب مطرف کو شکایت کرنے کا اور بھی زیادہ موقع مل گیا تھا۔ چند روز کے بعد عبداللہ نے اپنے بیٹے محمدؒ کو محلسرائے کے ایک حصے میں قید کر دیا۔ سلطان عبداللہ کو کسی مہم کی وجہ سے چند روز کے لئے قرطبہ سے باہر جانا پڑا اپنی غیر موجودگی میں مطرف کو قرطبہ کا حاکم مقرر کر گیا تھا۔ مطرف نے اس موقع پر بھائی کو جو محلسرائے میں قید تھا قتل کر دیا۔ عبداللہ کو محمدؒ کے قتل ہونے کا سخت صدمہ ہُوا۔ محمدؒ کے بیٹے عبدالرحمٰن کو بڑی محبت کے ساتھ پرورش کرنے لگا۔ اس کے بعد سنہ ۲۸۳ھ میں مطرف نے کسی کاوش کی بنا پر وزیر السلطنت عبدالملک بن امیہ کو قتل کر دیا۔ سلطان عبداللہ نے محمدؒ اور عبدالملک کے قصاص میں مطرف کو قتل کرا دیا۔

سُلطان عبداللہ یکم ماہ ربیع الاول سنہ ۳۰۰ھ میں پچیس سال سے کچھ زیادہ دنوں سلطنت کرنے کے بعد بیالیس سال کی عمر میں فوت ہُوا۔ سُلطان عبداللہ کا تمام زمانہ فتنہ و فساد یا سلطنت کے ضعف و ناتوانی کے عالم میں بسر ہُوا۔ اِس کے زمانے میں بھی فقہا اکثر ایک دوسرے سے گلتھپ رہتے مباحثوں، مناظروں اور روزانہ کار مسائل کی تحقیق میں مشغول نظر آتے تھے۔ بظاہر کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی کہ مُسلمانوں کا ابتدائی رُعب و جلال اور حکومت اسلامیہ کا اثر و اقتدار پھر واپس آ سکے گا۔ اِن حالات میں سُلطان عبداللہ کے بعد اُس کا نوجوان پوتا عبدالرحمٰن بن محمدؒ بن عبداللہ بن محمدؒ بن عبدالرحمٰن ثانی تخت نشین ہُوا۔

بارہواں باب

عبدالرحمٰن ثالث

عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن محمدؒ بن عبدالرحمٰن ثانی اپنے دادا عبداللہ کے بعد اکیس سال کی عمر میں بتاریخ یکم ربیع الاول سنہ ۳۰۰ھ تخت نشین ہُوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ طارق و موسیٰ کا فتح کیا ہُوا ملک، اور عبدالرحمٰن الداخل کی قائم کی ہوئی سلطنت پاش پاش اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بظاہر عیسائیوں کے قبضہ میں جانے کے لئے ہر قسم کی استعداد پیدا کر چکی تھی۔ لیکن قضا و قدر کو یہ صورت ابھی پیدا کرنی منظور نہ تھی۔ اِس نوجوان سُلطان کی تخت نشینی کے وقت اس کے بہت سے چچا جو اس سے عمر و استحقاق میں بڑھے ہوئے تھے موجود تھے۔ لیکن یا تو اُن کی پاک باطنی اور نیک نفسی تھی، یا اُنہوں نے ایسی قریب المرگ سلطنت کا بادشاہ بن کر اپنے آپ کو خطرات میں مبتلا کرنا مناسب نہ سمجھا کہ سب نے بخوشی اس نوجوان کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اور تخت نشینی کے وقت کسی قسم کا فتنہ و فساد برپا نہ ہُوا۔

سُلطان عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی کے وقت اس لئے بھی امن و سکون رہا کہ یہ نوجوان سلطان تھوڑی سی عمر میں اپنے دادا کی زیر نگرانی ایسی اچھی اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ اور ایسی عقل و دہانت رکھتا تھا کہ بڑے بڑے علماء و فقہا اُس پر رشک کرتے تھے۔ اُس کے

طرح فیکرابن مروان کی طرف بھیجا گیا۔ ابن مروان نے ابراہیم بن حجاج والیٔ اشبیلیہ سے امداد طلب کی۔ چنانچہ ابراہیم بن حجاج بھی ابن مروان کی کمک پر تیار ہوگیا دونوں نے ملکر احمد بن ابی عبدہ کا مقابلہ کیا اس معرکہ میں بھی رعب سلطنت نے اپنا کام کیا اور باغیوں کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد ابراہیم بن حجاج نے اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار کیا اور سلطان عبداللہ نے اُس کو اشبیلیہ کا عامل مقرر کردیا۔ اس لڑائی کا نتیجہ پہلی لڑائی سے بھی زیادہ مفید برآمد ہُوا اور حدود سلطنت کے ساتھ ہی وقار سلطنت نے بھی پہلے سے زیادہ ترقی کی۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد عبدالرحمٰن بن مروان کا انتقال ہوگیا اور اُس کے بیٹوں نے بطلیوس وغیرہ میں حکومت شروع کی ادھر ابراہیم بن حجاج حاکم اشبیلیہ نے اُس کے ملک کا اکثر حصہ اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ عمر بن حفصون نے سلطان عبداللہ سے شکست کھاکر پہاڑوں میں پناہ لی تھی۔ جب سلطان دارالسلطنت کی طرف واپس ہُوا۔ عمر بن حفصون نے بتدریج اپنی طاقت کو بڑھانا اور اپنی حالت کو سدھارنا شروع کیا۔ بادشاہ الیسٹریاس مسمّی الفانسو اور اُس کے بھائی میں لڑائی شروع ہوئی۔ الفانسو نے اپنی تسکین خاطر کے لئے سلطان عبداللہ سے خط وکتابت کرکے تجدید صلح کی خواہش ظاہر کی سُلطان نے فوراً رضامندی ظاہر کرکے ان شرائط پر صلح کرلی کہ نہ بادشاہ الیسٹریاس اپنی موجودہ حدود سلطنت سے باہر قدم رکھے نہ اسلامی فوجیں اُس کی حدود میں داخل ہوں۔ یہ صلح الفانسو کے لئے بہرنہج مفید اور نفع رساں تھی۔ کیونکہ مُسلمان اُس تمام ملک کو جو اُس کے قبضے میں تھا۔ اپنا ملک سمجھتے اور اُس پر قبضہ کرنے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ لیکن اب سُلطان عبداللہ نے اس کی حکومت کو تسلیم کرکے اُس کی اولوالعزمی کو تقویت پُہنچادی۔ اِدھر آئے دن کی لڑائیوں اور بغاوتوں سے رعایا تنگ آچکی تھی۔ اور یہ بدامنی کا سلسلہ بہت ہی طویل ہوگیا تھا۔ لہٰذا خود بخود لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی کہ دربار قرطبہ کے خلاف بغاوت کرنا کسی طرح مفید نہیں ہے اور ایسے باغیوں کا ساتھ دینا اور اُن کی مدد کرنا گناہ عظیم ہے۔ لہٰذا یہ صورت جو پیدا ہوچکی تھی دیر تک قائم رہی۔ اشبیلیہ ایک خودمختار اور طاقتور ریاست بن گئی جس کو دربار قرطبہ کی اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار تھا۔ عمر بن حفصون کی ایک مستقل ریاست مشرق میں قائم تھی۔ اِن کے علاوہ باقی اکثر حصہ ملک کا اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ اور سب اپنی اپنی جگہ حکومت کرتے اور دربار قرطبہ کی ظاہری تکریم بجا لاتے تھے۔ عیسائی ریاستوں میں جانشینیوں کے متعلق اتفاقاً سخت پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ اور اُن کے اپنے اندرونی جھگڑوں سے اتنی فرصت ہی نہ تھی۔ کہ حکومت اسلامیہ پر حملہ آور ہوتے۔ ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد۔

سُلطان عبداللہ کے گیارہ بیٹے تھے۔ جن میں دو بڑے بیٹے مطرف اور محمدؔ زیادہ لائق اور امور سلطنت میں دخیل تھے۔ اِن دونوں کے درمیان رقابت وعداوت پیدا ہوگئی تھی۔ زیادہ لائق اور قابل آدمی ریاست اشبیلیہ میں چلے گئے تھے کیونکہ وہاں علما اور باکمال لوگوں کی خوب قدردانی ہوتی تھی۔ قرطبہ کا خزانہ خالی تھا۔ اشبیلیہ کی ذرخیز اور جدید ریاست کا دربار ابراہیم بن حجاج کی قدردانیوں کے سبب سب کے لئے موجب رشک بن گیا تھا۔ یہاں کے موجودہ پست ہمت اراکین دربار نے دونوں بھائیوں کی ناچاقی کے ترقی دینے میں خوب کوشش کی۔ مطرف کو اپنے بھائی محمدؔ کی شکایت کا موقع مل گیا اور اُس نے باپ کے کان اچھی طرح بھرنے شروع کئے اُس کے ہمساز امرا نے تائید کی سلطان عبداللہ اپنے بیٹے محمدؔ کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ محمدؔ نے مجبور ہوکر راہ فرار اختیار کی اور قرطبہ سے بھاگ عمر بن حفصون کے

چلا گیا۔ چند روز وہاں رہکر اور اپنی حرکت پر پشیمان ہوکر باپ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو جان کی امان دیجائے تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں عبداللہ نے اُس کو جان کی امان دیکر بُلا لیا۔ اب مطرف کو شکایت کرنے کا اور بھی زیادہ موقع مل گیا تھا۔ چند روز کے بعد عبداللہ نے اپنے بیٹے محمدؒ کو محلسرائے کے ایک حصے میں قید کردیا۔ سلطان عبداللہ کو کسی مہم کی وجہ سے چند روز کے لئے قرطبہ سے باہر جانا پڑا اپنی غیر موجودگی میں مطرف کو قرطبہ کا حاکم مقرر کرگیا تھا۔ مطرف نے اس موقع پر بھائی کو جو محلسرائے میں قید تھا قتل کر دیا۔ عبداللہ کو محمدؒ کے قتل ہونے کا سخت صدمہ ہُوا۔ محمدؒ کے بیٹے عبدالرحمٰن کو بڑی محبت کے ساتھ پرورش کرنے لگا۔ اس کے بعد سنہ ۲۸۳ھ میں مطرف نے کسی کاوش کی بنا پر وزیر السلطنت عبدالملک بن امیہ کو قتل کر دیا۔ سلطان عبداللہ نے محمدؒ اور عبدالملک کے قصاص میں مطرف کو قتل کرادیا۔

سلطان عبداللہ یکم ماہ ربیع الاول سنہ ۳۰۰ھ یعنی پچیس سال سے کچھ زیادہ دنوں سلطنت کرنے کے بعد بیالیس سال کی عمر میں فوت ہُوا۔ سلطان عبداللہ کا تمام زمانہ فتنہ و فساد یا سلطنت کے ضعف و ناتوانی کے عالم میں بسر ہُوا۔ اس کے زمانے میں بھی فقہا اکثر ایک دوسرے سے گلخپ رہتے مباحثوں۔ مناظروں اور دور از کار مسائل کی تحقیق میں مشغول نظر آتے تھے۔ بظاہر کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی کہ مسلمانوں کا ابتدائی رعب و جلال اور حکومت اسلامیہ کا اثر و اقتدار پھر واپس آسکے گا۔ ان حالات میں سلطان عبداللہ کے بعد اُس کا نوجوان پوتا عبدالرحمٰن بن محمدؒ بن عبداللہ بن محمدؒ بن عبدالرحمٰن ثانی تخت نشین ہُوا۔

بارہواں باب

عبدالرحمٰن ثالث

عبدالرحمٰن بن محمدؒ بن عبداللہ بن محمدؒ بن عبدالرحمٰن ثانی اپنے دادا عبداللہ کے بعد اکیس سال کی عمر میں بتاریخ یکم ربیع الاول سنہ ۳۰۰ھ تخت نشین ہُوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ طارق و موسیٰ کا فتح کیا ہُوا ملک اور عبدالرحمٰن الداخل کی قائم کی ہوئی سلطنت پاش پاش اور ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بظاہر عیسائیوں کے قبضہ میں جانے کے لئے ہر قسم کی استعداد پیدا کرچکی تھی۔ لیکن قضا و قدر کو یہ صورت ابھی پیدا کرنی منظور نہ تھی۔ اس نوجوان سلطان کی تخت نشینی کے وقت اس کے بہت سے چچا جو اس سے عمر و استحقاق میں بڑھے ہوئے تھے موجود تھے۔ لیکن یا تو اُن کی پاک باطنی اور نیک نفسی تھی۔ یا اُنھوں نے ایسی قریب المرگ سلطنت کا بادشاہ بن کر اپنے آپ کو خطرات میں مبتلا کرنا مناسب نہ سمجھا کہ سب نے بخوشی اس نوجوان کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اور تخت نشینی کے وقت کسی قسم کا فتنہ و فساد برپا نہ ہُوا۔

سلطان عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی کے وقت اس لئے بھی امن و سکون رہا کہ یہ نوجوان سلطان تھوڑی سی عمر میں اپنے دادا کی زیر نگرانی ایسی اچھی ادبی علمی اور جنگی تعلیم حاصل کرچکا تھا۔

اخلاق فاضلہ اور حسن خصائل نے اعیان و ارکان قرطبہ کو اپنا گرویدہ اور رشتہ داروں کو اپنا ہمدرد و بہی خواہ بنا لیا تھا۔ وہ نہ صرف مجالس علمیہ میں عزت کا مقام رکھتا۔ بلکہ اُس زمانے کے رسم کی موافق فنون سپہ گری سے بھی خوب واقف و ماہر تھا۔ تخت سلطنت پر جلوس فرماتے ہی اس نوجوان سُلطان نے حکم جاری کیا کہ وہ تمام محصُولات جو اُس کے پیشرو سلاطین بالخصوص سُلطان عبداللہ نے خزانۂ سُلطانی کو پُر کرنے کے لئے رعایا پر لگائے تھے۔ اور جو احکام شرع کے خلاف تھے معاف و موقوف کردیئے گئے۔ اس اعلان کا اثر نہایت ہی مفید ثابت ہُوا۔ رعایا میں اُس کی طرح شناسا ہونے لگی۔ اور دلوں میں اُس کی نسبت بہترین توقعات پیدا ہوگئیں۔ اس کے بعد سُلطان ثالث نے اعلان شائع کیا کہ جو شخص حکومت کا فرمانبردار بن کر آئے گا اور آیندہ اطاعت پر قائم رہنے کا وعدہ کرے گا اُس کی تمام سابقہ خطائیں معاف کردی جائیں گی۔ اور گذشتہ بدعنوانیوں پر مطلق توجہ نہ کی جائے گی اور اس معاملہ میں مذہب و عقائد پر کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔ یعنی دربار سُلطان سے عیسائی۔ یہودی۔ مُسلمان سب کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کا برتاؤ ہوگا۔ چونکہ لوگ طائف الملوکی اور خانہ جنگی سے تنگ آچکے تھے۔ لہٰذا وہ تمام چھوٹے چھوٹے سردار جو قرطبہ سے قریب تھے اور اپنے آپ کو سلطان قرطبہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے آزاد کر چکے اس اعلان کو سُن کر بلا تامل سُلطان عبدالرحمٰن کی خدمت میں فرمانبرداری کا اقرار کرنے لگے۔ اِس طرح لگان سرکاری شاہی خزانہ میں داخل ہونا شروع ہُوا اور اُس کی کمی جو ناواجب محصُولات کے معاف کرنے سے خزانہ میں ہوئی تھی۔ بخوبی تلافی ہوگئی۔ اب صرف دو زبردست اور رقیب طاقتیں باقی رہ گئیں۔ جو نسبتاً قرطبہ سے قریب اور موجب خطر تھیں۔ ایک عمر بن حفصون جو مالقہ۔ ریہ بشتر وغیرہ پر قابض و متصرف تھا اور عبیدیین سے سازباز کرکے قرطبہ کی سلطنت کو درہم برہم کرنا چاہتا تھا عمر بن حفصون اس لئے بھی زیادہ خطرناک تھا کہ اُس کو ایک طرف عبیدیین سے اور دوسری طرف شمالی عیسائی بادشاہوں سے مدد پہنچ سکتی تھی۔ عبیدیین قدرتی طور پر بنوامیہ کے دشمن تھے جس طرح کہ وہ بنو عباس کے بھی دشمن تھے۔ اور عیسائی اس لئے اُس کو محبوب سمجھتے تھے کہ وہ مرتد ہوکر پھر عیسائی بن گیا تھا۔ دوسری طاقت ریاست اشبیلیہ کی تھی۔ جہاں عربوں کی حکومت تھی اور شان و شکوہ میں اشبیلیہ کا دربار قرطبہ کے دربار سے فائق نظر آتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے سب سے پہلے اشبیلیہ کے دربار سے فرمانبرداری و اطاعت کا اقرار لینا اور شرائط اطاعت کا ادا کرانا چاہا۔ اشبیلیہ کا حاکم ابراہیم بن حجاج فوت ہوکر اُس کی جگہ حجاج بن مسلمہ تخت نشین ہوچکا تھا۔ اشبیلیہ کے بہت سے سرداروں نے سُلطان عبدالرحمٰن ثالث کے ساتھ اظہار عقیدت کیا اور دربار اشبیلیہ نے بھی اس موقع پر خرخشہ پیدا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اشبیلیہ کی جانب سے جب سُلطان ناصر کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اُدھر سے کوئی مخالفانہ فوجی کارروائی نہیں ہوگی تو اُس نے ایک فوج مرتب کرکے اپنے آزاد غلام بدر نامی کو دیکر عمر بن حفصون کی جانب روانہ کیا۔ یہ مہم عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے جلوس کے پہلے ہی سال یعنی ۳۰۰ھ میں روانہ کی بدر نے عمر بن حفصون کے قلعوں کو یکے بادیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ عمر بن حفصون اپنا بہت سا میدانی علاقہ فتح کراکر پہاڑی قلعوں میں جا چھپا۔ بدر اس طرف سے سالماً غانماً واپس آیا اور لوگ بخوشی آآکر سُلطانی فوج میں داخل ہونے لگے۔ ۳۰۱ھ میں سُلطان عبدالرحمٰن ثالث نے ابن مسلمہ کی طرف سے ناشائستہ حرکات دیکھ کر اور بعض امیران اشبیلیہ کی شکایات سُن کر اشبیلیہ پر فوج کشی کی۔ ابن مسلمہ نے عمر بن حفصون سے مدد طلب کی۔ عمر بن حفصون نے اس موقع کو مناسب سمجھ کر ابن مسلمہ

کی مدد اس طرح کی جب سُلطانی فوج اشبیلیہ کی طرف گئی تو ابن حفصون کی فوج پیچھے سے سُلطانی فوج کی طرف بڑھی۔ سُلطان عبدالرحمٰن نے عمر بن حفصون کی فوج کو بھی شکست دے کر بھگایا اور ابن مسلمہ کو بھی شکست فاش ہوئی۔ ابن مسلمہ گرفتار ہُوا۔ اور سُلطان نے اپنا ایک گورنر اشبیلیہ میں مقرر کر دیا۔ اس کام میں سُلطان کو زیادہ وقت نہیں اُٹھانی پڑی کیونکہ ابن مسلمہ کے رشتہ دار اور اراکین دربار اشبیلیہ خود اس بات کے خواہاں تھے۔ کہ اشبیلیہ عبدالرحمٰن ثالث کے حدود سلطنت میں براہِ راست شامل ہو جائے دربار اشبیلیہ کے مشہور سرداروں میں ایک شخص اسحاق بن محمدؒ تھا۔ جو اشبیلیہ کے فتح ہونے کے بعد قرطبہ میں چلا آیا۔ اُس کو سُلطان عبدالرحمٰن ثالث نے جوہر قابل پا کر اپنا وزیر بنایا۔ جب وہ فوت ہُوا تو اُس کے بیٹے احمد بن اسحاق کو وزارت کا عہدہ عطا کیا۔

اس طرح جب سلطنت کے وقار و عظمت میں ترقی ہوگئی تو سُلطان عبدالرحمٰن نے فوجیں آراستہ کر کے عمر بن حفصون کے استیصال کو ضروری سمجھا اور سنہ ۳۰۳ھ میں اُس طرف فوج کشی کی عمر بن حفصون نے اس موقع پر عبیدیین کی سلطنت سے امداد طلب کی وہاں سے جو جہاز آئے اُن کو سُلطان عبدالرحمٰن نے اپنے جہازوں کے ذریعہ ابن حفصون تک نہ پہنچنے دیا اور سمندر ہی میں سب کو گرفتار کر لیا۔ ابن حفصون پر مایوسی چھا گئی۔ اور وہ جب پہاڑوں میں محصور ہو کر سخت مجبور ہو گیا تو اُس نے یحییٰ بن اسحاق کے ذریعہ اپنی درخواست سُلطان کی خدمت میں پہنچوائی اور آئندہ مطیع و فرمانبردار رہنے کا اقرار کر کے صلح چاہی۔ سُلطان نے اُس کے تمام سیر حاصل اور زرخیز علاقے پر قبضہ کر کے بہت تھوڑا سا پہاڑی علاقہ اُس کے پاس چھوڑ دیا۔ اور اس طرف سے مطمئن ہو کر قرطبہ کو واپس آیا۔ اس کے بعد ایک فوج اپنے وزیر اسحاق بن محمدؒ کو دیکر مرسیہ و بلنسیہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ اسحاق بن محمدؒ نے اس طرف کے باغیوں کو مطیع کر کے قرمونہ پر چڑھائی کی اور اُسکو حبیب بن سوادہ کے قبضے سے نکال کر سُلطانی مملکت میں شامل کیا۔ اسی سال سُلطان کے آزاد کردہ غلام بدر نے لبلہ پر چڑھائی کر کے وہاں کے باغی سردار عثمان بن نصر کو گرفتار کر کے قرطبہ کی جانب بھیج دیا۔ سنہ ۳۰۶ھ میں اسحاق بن محمدؒ نے قلعہ شمبرنہ کو فتح کر کے وہاں کے باغیوں کو مطیع و فرمانبردار بنایا۔ سنہ ۳۰۸ھ میں محمدؒ بن عبدالجبار بن سُلطان محمدؒ اور قاضی بن سلطان محمدؒ نے سُلطان عبدالرحمٰن ثالث کے خلاف ایک سازش کی اور تخت سلطنت حاصل کرنے کے لئے سُلطان کے قتل کے تدبیروں میں مصروف ہوئے اتفاقاً اس سازش کے شرکاء میں سے ایک شخص نے تمام حالات کی سُلطان کو خبر کر دی۔ سُلطان نے عجلت اور شتاب زدگی سے کام نہیں لیا بلکہ اوّل خوب اچھی طرح سے تحقیق و تفتیش کے سلسلے کو جاری رکھا اور جب اِن دونوں پر جرم ثابت ہو گیا۔ تو دونوں کو قتل کرا دیا۔ چونکہ یہ دونوں مجرم ثابت ہو چکے تھے۔ لہٰذا لوگوں نے اس سزا پر کسی بے چینی یا ناراضی کا مطلق اظہار نہیں کیا۔ سنہ ۳۰۹ھ میں قلعہ طرسوی فتح ہُوا۔ اسی سال احمد بن اضحیٰ ہمدانی نے جو قلعہ [illegible] پر قابض اور اطاعت سے منحرف تھا۔ خود ہی اطاعت قبول کر کے اپنے بیٹے کو بطور [illegible] قرطبہ بھیج دیا۔ غرض چھوٹے چھوٹے سردار جا بجا خود مختار ہو گئے تھے۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے سب یا تو مطیع و فرمانبردار بنائے گئے یا مقتول ہوئے۔ اور سلطنت قرطبہ کا [illegible] وسیع ہو کر وہ حالت جو سُلطان عبداللہ کے زمانہ میں تھی دُور ہو گئی۔ یا یوں سمجھنا چاہئے کہ جس قدر ملک بیسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ وہ سب ایک اسلامی سلطنت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

اب عیسائی مقبوضات کا حال سنو۔ سب سے قریب جنوبی مشرقی ساحل کے متصل ایک پہاڑی علاقہ ابن حفصون کے قبضے میں تھا۔ جو عیسائی ہو گیا تھا۔ اور اُس کے رفیق سب عیسائی لوگ ہی باقی رہ گئے تھے لہٰذا یہ ایک عیسائی ریاست تھی۔ جو ابن حفصون کی تجربہ کاری کے سبب ایک زبردست عیسائی طاقت سمجھی جاتی تھی۔ مگر اس سے صلح ہو گئی تھی۔ طلیطلہ ایک نہایت مضبوط مقام تھا جس کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہاں سلطان عبداللہ کے زمانے میں خودمختار ریاست قائم ہو گئی تھی۔ اور اب اس کا دربار قرطبہ سے کوئی رسمی تعلق بھی باقی نہ رہا تھا۔ یہ ریاست ملک اندلس کے وسط میں واقع تھی۔ اور ایک زبردست عیسائی طاقت تھی۔ برشلونہ۔ یہاں عرصہ دراز سے عیسائی حکومت قائم تھی۔ ارگونیہ میں بھی ایک مستقل عیسائی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ نوار۔ ارگونیہ کے متصل ہی ایک زبردست ریاست فرانسیسیوں نے قائم کر لی تھی۔ الیسٹریاس کی ریاست اب ایک زبردست سلطنت کی شکل میں تبدیل ہو کر اندلس کے میدانوں میں دور دور تک پھیل گئی تھی۔ جس کے ماتحت جلیقیہ۔ لیون اور قسطلہ کی تین زبردست عیسائی ریاستیں تھیں۔ ان کے علاوہ ساحل بحر ظلمات پر پرتگال کے علاقہ میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں عیسائیوں نے قائم کر لی تھیں۔ جو ریاست جلیقیہ کے ماتحت سمجھی جاتی تھیں۔ یہ وہ عیسائی مقبوضات تھے۔ جو جزیرہ نمائے اندلس کی حدود میں تھے۔ باقی جنوبی و مشرقی فرانس اور مغربی فرانس اور شمالی فرانس کی عیسائی سلطنتیں ان کے علاوہ تھیں۔ جو سلطنت اسلامیہ اندلس کی مخالفت پر کمربستہ تھیں۔ سلطنت اسلامیہ کی حدود کا ایک کونہ جو شمال کی جانب نکلا ہوا تھا۔ وہ صرف سرقسطہ کا ضلع تھا۔ جہاں مسلمان عامل حکمران تھا۔ مگر اُس کے تعلقات عیسائیوں سے دوستانہ تھے اور اس لئے قابل اعتراض نہ تھے۔ کہ سلطان عبداللہ اور الفانسو سوم بادشاہ الیسٹریاس سے دوستانہ صلحنامہ ہو گیا تھا۔ جو ابتک قائم تھا۔ اور ابتک کسی فریق نے اس کی خلاف ورزی میں اقدام نہیں کیا تھا۔

سُلطان عبدالرحمٰن ثالث نے چند ہی سال میں تمام باغیوں سے فراغت حاصل کر کے طلیطلہ پر فوجکشی کی۔ فوج کشی سے پہلے سلطان نے اہل طلیطلہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے لئے اب مناسب یہی ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری سے انحراف نہ کرو اور ہوا خواہان سلطنت کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ۔ اہل طلیطلہ نے اس پیغام سلطان کا سختی کے ساتھ انکاری جواب دیا۔ اور جس قدر وہ مقابلہ کے لئے تیاری کر سکتے تھے کی۔ اور ارد گرد سے عیسائی فوجوں کو بلایا۔ برشلونہ نوار اور الیسٹریاس سے امداد طلب کی۔ پادری لوگوں نے ہر جگہ عیسائیوں کو طلیطلہ کے بچانے کے لئے جوش دلایا۔ آخر سلطان عبدالرحمٰن ثالث بڑی احتیاط اور مآل اندیشی کے ساتھ طلیطلہ کی جانب بڑھا۔ جنگ و پیکار اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ قریباً سال بھر کی کوشش و کشمکش کے بعد سلطان نے طلیطلہ کو فتح کر لیا۔ مفتوحین کے ساتھ نرمی و ملاطفت اور عفو و درگذر کا برتاؤ کیا اور چند مہینے طلیطلہ اور نواح طلیطلہ میں رہ کر اور وہاں کے تمام ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر قرطبہ کی جانب واپس آیا۔

فتح طلیطلہ کا اثر عیسائی سلاطین پر یہ ہوا کہ اُنھوں نے اسلامی مقبوضات پر حملہ کر کے کئی شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ سلطان نے احمد بن اسحٰق وزیر السلطنت کو فوج دیکر اُس طرف روانہ کیا۔ اُس نے ریاست لیون پر حملہ کیا اور عیسائیوں کو متعدد شکستیں دیکر پیچھے ہٹایا۔ آخر ایک لڑائی میں وزیر السلطنت احمد بن اسحٰق شہید ہوا۔ سلطان نے اپنے خادم بدر کو بھیجا۔ بدر کے مقابلے پر ریاست نوار۔ لیون وغیرہ کی متفقہ فوجیں آئیں اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ بدر نے شکست دیکر سب کو بھگا دیا۔ اس کے بعد

ہی سلطان عبدالرحمٰن ثالث خود فوج لیکر عیسائیوں کی بدعہدی اور سرکشی کی سزا دینے کو پہنچا - اور فتح کرتا ہوا حدود فرانس میں داخل ہوا - نوار و اربونیہ کی ریاستوں نے اظہار اطاعت کر کے سلطان کو واپس کیا - اور سلطان کے واپس ہوتے ہی تمام شمالی عیسائیوں نے آپس میں مسلم کشی کے لئے اتحاد و اتفاق کے عہود کی تجدید کی - یہ ۳۱۲ھ کے واقعات ہیں - ابھی سلطان عبدالرحمٰن بلاد شمالی ہی میں مصروف قتال تھا - کہ اُس کے پاس عمر بن حفصون کے مرنے کی خبر پہنچی - عمر بن حفصون اپنی تجربہ کاری و ہوشیاری کے اعتبار سے بہت بڑا آدمی بن گیا تھا - اُس کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا تھا - سلطان نے واپس قرطبہ میں پہنچکر اُس کی ریاست کو ضبط کرنا اور براہ راست مقبوضات سلطانی میں شامل کرنا مناسب نہ سمجھکر عمر بن حفصون کے بیٹے جعفر کو والی ریاست بنا دیا - آخر ۳۱۵ھ میں یہ ریاست معدوم ہوکر تمام علاقہ مقبوضات سلطانی میں شامل ہوا -

اِدھر سلطان عبدالرحمٰن ثالث اپنے آبائی ملک کو باغیوں کے قبضے سے واپس لینے میں کامیاب ہوا - اُدھر شمال اور جنوب دونوں جانب اُس کے لئے قدرتی طور پر بہتری کے سامان پیدا ہوئے - عبدالرحمٰن ثالث کو شمال کی جانب عیسائیوں کے حملے کا اندیشہ تھا - کیونکہ وہ بحر روم سے بحر ظلمات تک جزیرہ نما کے تمام شمالی حصے پر قابض و متصرف تھے - اور اب بجائے عباسیوں کے عبیدیین کی طرف سے اُن کی ہمت افزائی ہو رہی تھی - اُن کے دلوں پر مسلمانوں کی وہ ہیبت اب طاری نہ رہی تھی - جو طارق و موسیٰ کی آمد کے وقت طاری ہوئی تھی - اور حقیقت یہ ہے - کہ مسلمان اب پہلے کی طرح بہادر و باہمت نہ رہے تھے - اور عیسائیوں نے بہت کچھ بہادری و جفاکشی میں ترقی کر لی تھی - لہٰذا شمالی خطرہ نہ تھا - جنوب کی جانب عبیدیین کی طاقت بہت زبردست ہو گئی تھی - اور وہ براعظم افریقہ کے تمام شمالی حصے پر مستولی ہوکر مراقش کی حکومت اور لیسیہ کا نام و نشان گم کرنے اور اندلس کی فتح کا عزم رکھتے تھے - سلطان عبدالرحمٰن ثالث کو بیک وقت دونوں جانب سے اطمینان حاصل ہو گیا - تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ -

الفانسو سوم بادشاہ ایسٹریاس نے اپنی سلطنت کو اپنی اولاد میں اس طرح تقسیم کیا تھا کہ لیون کا علاقہ غرسیہ کو دیا - جلیقیہ کی حکومت اردونی کے حصے میں آئی - اور اویڈو کا علاقہ فرویلہ کو ملا غرسیہ کی شادی شاہ نوار کی بیٹی سے ہوئی تھی - اس لئے ریاست نوار کو لیون کی ریاست سے خصوصی تعلق تھا چنانچہ لیون اور نوار کی ریاستوں نے مل کر کئی مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا - تین سال حکومت کرنے کے بعد غرسیہ ۳۱۶ھ میں فوت ہوا - اُس کے بعد شانجہ ریاست لیون کا فرمانروا ہوا - مگر اردونی حاکم جلیقیہ نے اپنے بھتیجے شانجہ کو بیدخل کر کے خود ریاست لیون کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا - اُدھر بادشاہ نوار کا انتقال ہوا تو شانجہ بھاگ کر اپنے ننھیال میں چلا گیا - وہاں اُس کی نانی طوطہ نامی حکمران نوار تھی - اِدھر قسطلہ کی ریاست نے بادشاہ جلیقیہ و لیون کی فرمانبرداری سے آزاد و خود مختار ہونے کی کوشش شروع کی اور فردی نند حاکم قسطلہ اپنی خود مختاری کی تدابیر میں مصروف ہوا - غرض ان عیسائی فرمانرواؤں کے اندر کچھ ایسے خرخشے اور اندرونی جھگڑے پیدا ہوئے - کہ وہ کئی سال تک اسلامی علاقے کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے - سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے عیسائیوں کے ان خانگی نزاعات کی خبریں سُن کر عقلمندی اور ہوشیاری کی راہ سے اُس طرف مطلق کوئی فوج نہیں بھیجی اور موقع دیا کہ وہ آپس ہی میں

بجز کر اپنے معاملات کو طے کریں ۔ اگر ان ایام میں سُلطان عبدالرحمٰن شمال کی جانب فوج کشی کرتا تو یقیناً عیسائیوں کے اندر فوراً اتفاق و اتحاد ہو جاتا اور اُن کی آپس کی لڑائیاں یک لخت بند ہو جاتیں ۔ اسی فرصت میں جنوب کی جانب سے یہ خوشخبری پہنچی کہ عبیدیین جو مراقش کے خاندان ادریسیہ کو مٹا کر تمام مُلک مراقش پر قابض و متصرف ہونا چاہتے ہیں ۔ اُن کے مقابلے سے تنگ آکر ابراہیم بن محمد ادریسی بجائے اس کے کہ عبیدیین کی فرمانبرداری و اطاعت قبول کرے ۔ سُلطان عبدالرحمٰن ثالث کی اطاعت اختیار کرنا چاہتا ہے ۔ ابتک دربار قرطبہ اور حکومت مراقش کے تعلقات دوستانہ و ہمسرانہ تھے ۔ سلطان عبدالرحمٰن نے اس کو ایک تائید غیبی سمجھکر فوراً اپنی فوج جہازوں میں سوار کراکر ساحل مراقش میں اُتار دی ۔ مراقش ان دنوں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا ۔ مراقش کے ہر ایک رئیس نے سُلطان عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول و تسلیم کرکے اپنے اپنے ایلچی معہ تحف و ہدایا قرطبہ میں بھیجے اور بعض روساء خود ہی حاضر قرطبہ ہو گئے ۔ سلطان عبدالرحمٰن کی فوجوں نے عبیدیین کی فوجوں کو مار کر بھگا دیا ۔ اور اپنی طرف سے سند امارت دیکر وہاں کے رئیسوں کو مامور کیا ۔ اس طرح مُلک مراقش بھی دربار قرطبہ کا ایک صوبہ بن گیا ۔

جس زمانے میں سُلطان عبدالرحمٰن مراقش کی جانب متوجہ تھا ۔ اُس زمانے میں شمالی عیسائیوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا ۔ کیونکہ وہ اپنے خانگی جھگڑوں میں مبتلا تھے ۔ عبیدیین کا خطرہ بالکل جاتا رہا کیونکہ مُلک مراقش اب سُلطان عبدالرحمٰن کے قبضے میں آگیا ۔ اور اندلس کا ملک بہت محفوظ ہو گیا ۔

۳۲۲ھ میں عیسائی سلاطین کے اندرونی جھگڑے ختم ہوئے ۔ اور اسی زمانے میں سُلطان عبدالرحمٰن مراقش کو اپنی حدود سلطنت میں شامل کرنے سے فارغ ہو چکا تھا ۔ اب عیسائیوں نے محمد بن ہشام گورنر سرقسطہ کو بغاوت پر آمادہ کرکے اُس کی حمایت کا پختہ وعدہ کیا ۔ اور برشلونہ سے لیکر جلیقیہ تک کا تمام علاقہ سلطان عبدالرحمٰن کے مقابلے پر آمادہ و مستور ہو گیا ۔ سرقسطہ کے مسلمان عامل کی بغاوت کو کامیاب بنانے اور اُس کی حمایت پر سب کے آمادہ ہو جانے کا سبب یہ تھا ۔ کہ مراقش کے شامل اندلس ہو جانے کی خبر نے عیسائیوں کو یکایک بیدار کر دیا ۔ اور اُنہوں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے عبدالرحمٰن کی طاقت کو توڑ دینا چاہئے ۔ اور اب تامل کرنا اپنے لئے خطرات کو بڑھانا ہے ۔ اسی لئے اُنہوں نے صوبہ سرقسطہ کے عامل کو جو نسبتاً قرطبہ سے دُور اور عیسائی مقبوضات کے جوار میں تھا ۔ باغی بنانے اور بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تاکہ عبدالرحمٰن کی طاقت مقابلے میں کمزور ثابت ہو ۔ عبدالرحمٰن عامل سرقسطہ کی بغاوت کا حال سُن کر اُس کی سزا دہی کے لئے شمال کی جانب متوجہ ہوا تو تمام عیسائی افواج کو مستور پیکار پایا ۔ مقام وتشمہ پر سخت خونریز و فیصلہ کن جنگ ہوئی ۔ محمد بن ہشام گرفتار ہوا ۔ اور عیسائی افواج اپنے اپنے علاقوں کی جانب فرار ہوئیں ۔ اس کے بعد ۔ سلطان عبدالرحمٰن نے ہر ایک عیسائی ریاست پر الگ الگ حملہ کرکے ہر ایک کو شکست دے کر مغلوب و مجبور کیا ۔ سب نے اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا ۔ ملکہ طوطہ فرمانروائے نوار نے سخت مقابلہ کے بعد شکست یاب ہو کر اظہار اطاعت کیا ۔ اور اپنے پوتا سے شانجہ کو تخت نوار پر بٹھا کر خود اُس کی سرپرستی و نگرانی اپنے ہاتھ میں رکھی ۔ عیسائیوں کی تنبیہہ اور محمد بن ہاشم کی سرکوبی سے فارغ ہو کر اور سرقسطہ میں امیہ بن اسحٰق کو گورنر مقرر کرکے سلطان قرطبہ میں واپس آیا ۔ ۳۲۷ھ کے ابتدائی مہینوں میں امیہ بن اسحٰق کے کسی بھائی سے غداری و سازش کا جرم

سرزد ہُوا جس کی سزا میں اُس کو سُلطان نے قتل کرا دیا۔ امیہ بن اسحٰق گورنر سرقسطہ نے جب اپنے بھائی کے قتل کیئے جانے کا حال سُنا تو اُس کو سخت صدمہ ہُوا۔ عیسائی سلاطین نے اس موقع کو تائید غیبی سمجھکر امیہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اُس کو بڑی آسانی سے بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ جلیقیہ کا عیسائی بادشاہ اِن دنوں رذمیر نامی بڑا ہوشیار اور تجربہ کار شخص تھا۔ امیہ باغی ہو کر اور سرقسطہ کی فوج اور خزانہ جس قدر ہمراہ لیجا سکتا تھا۔ ہمراہ لیکر رذمیر کے پاس مقام سمورہ دارالسلطنت جلیقیہ میں چلا گیا اور اسی جگہ نوار ولیون اور قسطلہ وغیرہ کی فوجیں بھی آکر فراہم ہونے لگیں۔ برشلونہ و طرکونہ تک کی فوجیں بھی یہاں پہنچ گئیں۔ فرانس سے بھی عیسائی مجاہدین اس طرف آ آکر فراہم ہونے لگے۔

اندلس میں عیسائی طاقت کا یہ سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جس میں ایک مُسلمان گورنر بھی معہ اپنی زبردست طاقت کے شامل اور انتہائی جوش کے ساتھ سلطان عبدالرحمٰن کو شکست دینے اور نقصان پہنچانے پر آمادہ تھا۔ اس مسلمان گورنر نے عیسائیوں کو بڑی بڑی قیمتی معلومات بہم پہنچائیں۔ اور نہایت معقول و مفید مشورے دیئے۔ امیہ بن اسحٰق کی موجودگی عیسائیوں کے لئے بیحد ہمت افزائی اور جرأت کا موجب تھی۔ اِدھر سلطان عبدالرحمٰن نے جب اس فسادِ عظیم کا حال سُنا تو اُس نے فوراً اعلانِ جہاد کیا۔ باقاعدہ فوج کے علاوہ بہت سے رضا کار اور غیر مصافی لوگ بھی شوقِ شہادت میں آ آکر شریک لشکر ہوگئے۔ اس لشکر کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی۔ جس کو ہمراہ لیکر سُلطان عبدالرحمٰن نے قرطبہ سے شمال کی جانب کوچ کیا مگر ان پچاس ہزار سے زیادہ آدمیوں میں بڑا حصّہ اُن لوگوں کا تھا۔ جو تجربہ کار و ستیز آزمودہ نہ تھے۔ جون جون سُلطانی فوج شمال کی جانب بڑھتی گئی۔ عیسائی فوجیں سمٹ سمٹ کر سمورہ میں جمع ہوتی گئیں۔ عیسائیوں کو اپنی تعداد اور قوت کی زیادتی کے علاوہ ایک یہ مضبوطی حاصل تھی کہ سمورہ کے گرد سات مضبوط دیواریں شہر پناہ کی تھیں۔ اور ہر دیوار کے بعد ایک نہایت عمیق خندق کھُدی ہوئی تھی۔ اُن کا سپہ سالارِ اعظم رذمیر تھا۔ اور امیہ بن اسحٰق اُس کا مشیر و معاون تھا۔ اسلامی فوج نے جاکر معرکۂ کارزار گرم کیا۔ عیسائی لشکر نے میدان میں نکلکر مقابلہ کیا۔ ہر ایک میدانی جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اور عیسائیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ کئی روز کی معرکہ آرائی کے بعد عیسائی لشکر سمورہ کی شہر پناہ میں محصور ہوگیا۔ ۳۰؍ شوال ۳۲۷ھ کو مسلمان سخت حملہ کر کے دو دیواروں کے اندر گھس گئے تیسری دیوار کو بھی اُنھوں نے فتح کیا۔ لیکن اس دیوار کے اندر پہنچتے ہی عیسائیوں کے لشکر نے جو کمین گاہوں میں پوشیدہ تھا نکل کر ہر طرف سے حملہ شروع کر دیا۔ اور مُسلمانوں کی بڑی تعداد بوجہ اس کے کہ نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی۔ خندق میں گر گر کر ڈوب گئی۔ غرض مُسلمان ایسے تنگ مقام میں اور ایسی بُری طرح پھنسے کہ صرف ۴۹ آدمی زندہ بچ کر باہر نکل سکے اور اپنے بادشاہ عبدالرحمٰن ثالث کو جو پچاسواں شخص تھا بمشکل اس سرغنہ سے بچا کر نکال لائے۔ باقی سب کے سب سمورہ کی خندق میں شہید ہوگئے۔ ان پچاس آدمیوں کے تعاقب میں رذمیر نے ایک رسالہ بھیجنا چاہا تو امیہ بن اسحٰق نے اُس کو یہ کہکر روک دیا کہ بہت زیادہ ممکن ہے کہ اسلامی لشکر کی کوئی بڑی تعداد باہر جھاڑیوں میں چھپی ہوئی موجود ہو اور وہ ہر طرف سے گھیر کر آپ کے لشکر کو تباہ کر دے۔ غرض عبدالرحمٰن ثالث کو اس لڑائی میں بڑی ناکامی ہوئی۔ اور جب سے مسلمانوں نے اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا آجتک کسی معرکہ میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد شہید نہیں ہوئی تھی۔ یہ لڑائی یوم الخندق یا جنگ خندق کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد امیہ بن اسحٰق کو

پچاس ہزار مسلمانوں کی لاشیں دیکھ کر اپنی بداعمالی پر غور کرنے کا موقع ملا۔ اور اُس کے ضمیر نے اُس کو ملامت کی کہ تو نے مسلمانوں کا اس قدر عظیم الشان کشت و خون کرا کر بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اُس نے سلطان کے پاس ایک درخواست بھیجکر اپنی خطا کی معافی چاہی۔ اور عیسائیوں کا ساتھ چھوڑ کر قرطبہ میں چلا آیا۔ سلطان عبدالرحمن نے قرطبہ میں واپس پہنچکر زبردست فوجیں عیسائی ممالک کی طرف بھیجیں۔ ان اسلامی فوجوں نے پہنچکر ہر جگہ عیسائیوں کو شکست فاش دی اور ان کو جنگ خندق کی فتح عظیم سے فائدہ اُٹھانے کا مطلق موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ حدود فرانس تک فاتحانہ پہنچکر اور بہت کچھ مال غنیمت لیکر واپس آئیں۔ اسی سال یعنی ۳۲۷ھ میں سلطان کے پاس عباسی خلیفہ مقتدر کے مقتول ہونے خلافت عباسی کے برائے نام باقی رہنے اور عبیدیین کے دعوئ خلافت کی خبریں پہنچیں۔ سلطان عبدالرحمن ثالث نے یہ دیکھ کر کہ اب خاندان عباسیہ کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا اور عبیدیین سے اندلس کے مسلمانوں کے کو بوجہ ان کے شیعہ ہونے کے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ مناسب سمجھا کہ امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین کا خطاب اختیار کرے۔ چنانچہ اُس نے اپنے امیرالمومنین ہونے کا اعلان کیا اور ناصرالدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔ اس خطاب اور لقب کی کسی نے مخالفت نہیں کی اور حقیقت بھی یہ تھی۔ کہ اُس زمانے میں وہی عالم اسلام کے اندر سب سے زیادہ خلیفۃ المسلمین کہلائے جانے کا مستحق بھی تھا۔ اس کے بعد امیرالمومنین عبدالرحمن نے قرطبہ کی رونق و شان بڑھانے اور خوبصورت عمارات بنانے کی طرف توجہ مبذول کی اور آٹھ دس سال تک برابر ہر سال شمالی عیسائی ریاستوں کی سرکوبی کے لئے افواج بھیجتا رہا۔ عیسائیوں کو اس قدر مجبور و مغلوب کیا گیا کہ ہر ایک نے اظہار عجز و انکساری کو اپنی حفاظت کا ذریعہ بنایا۔ اور شمالی عیسائیوں کی سرکشی و بغاوت کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ اندلس کے واقعات جو اب تک بیان ہو چکے ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے خلیفہ عبدالرحمن کی یہ غلطی بالکل صاف نظر آتی ہے کہ اُس نے باوجود اس کے کہ ان شمالی عیسائی ریاستوں کے حالات دیکھے سُنے تھے۔ مگر پھر بھی موقع پا کر ان کو وجود کو بکلی مستاصل کرنا نہ چاہا اور اُن کو اپنا مغلوب دیکھ کر باقی رہنے دیا۔ خلیفہ عبدالرحمن ۳۳۰ھ کے بعد بڑی آسانی سے ان تمام عیسائی ریاستوں کو جو مسلمانوں کے مفتوحہ ملک میں مسلمانوں کی غفلت کے سبب پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک ایک کر کے مٹا سکتا اور اپنے مسلمان عامل مقرر کر سکتا تھا۔ لیکن اُس نے بھی جزیرہ نما کے اندر ان عیسائی ریاستوں کے وجود کو باقی رکھا۔ جس کا نتیجہ مسلمانوں کے لئے سخت مضر ثابت ہوا۔ اُس زمانے میں غالباً یہ تصور بھی نہ ہو سکتا ہوگا کہ کسی دن مسلمانوں کی اولاد ایسی ضعیف و ناتوان ہو جائیگی۔ کہ یہ عیسائی نواب جو آج فرمانبرداری کا اقرار کر رہے ہیں۔ اندلس سے اسلام کا نام و نشان مٹا سکیں گے امیرالمومنین بننے کے بعد عبدالرحمن ثالث نے دارالخلافہ قرطبہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اور جب کبھی ضرورت ہوئی اپنے سرداروں کو فوجیں دیکر لڑائیوں پر بھیجا۔ ۳۳۸ھ سے بحیثیت مجموعی خلیفہ ناصر کے لئے اطمینان و فراغت کا زمانہ شروع ہوا۔ کوئی پریشان کرنے والی بات بظاہر باقی نہ تھی۔ اسی فرصت میں خلیفہ ناصرالدین اللہ یعنی عبدالرحمن ثالث نے بحری قوت کے بڑھانے اور ساتھ ہی بری فوجوں کے باترتیب بنانے کی طرف توجہ کی۔ بہت سے جنگی جہاز بنوائے گئے۔ اور اندلس کا بیڑا اُس زمانے کے تمام جنگی بیڑوں سے طاقتور ہو گیا۔ بحر روم پر خلیفہ ناصر کی سیادت مسلم ہو گئی۔ خلیفہ نے قدیمی شاہی محل کے متصل ایک عظیم الشان قصر دارالروضہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ مسجد قرطبہ کی زیب و زینت

اور وسعت میں اضافہ کیا گیا۔ علمی مجالس اور مذاکرات علمیہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ تجارتوں میں سہولتیں پیدا ہوئیں۔ اور اندلس کے تاجر دور و دراز مقامات تک مال تجارت لیکر پہنچنے لگے۔

خلیفہ عبدالرحمن ناصر کی عظمت و شہرت نے بہت جلد دنیا کا محاصرہ کر لیا۔ ۳۳۶ھ میں قسطنطین بن الیون شہنشاہ قسطنطنیہ نے اپنے سفیر نہایت شاندار اور قیمتی تحائف کے ساتھ خلیفہ ناصر کی خدمت میں قرطبہ کی طرف روانہ کئے۔ قسطنطین نے ان شاندار تحائف کو بھیجکر ایک طرف اپنی شان و عظمت اور مال و دولت کی نمائش کرنی چاہی تھی۔ اور دوسری طرف وہ خلیفہ ناصر کی دوستی سے فائدہ اٹھانے کا خواہاں تھا۔ خلیفہ ناصر نے اس سفارت کے قریب پہنچنے کا حال سن کر شہر قرطبہ کی آراستگی کا حکم دیا۔ فوجیں زرق برق وردیوں میں دو رویہ استادہ ہوئیں۔ دروازوں اور دیواروں پر زردوزی کے پردے۔ ریشمیں منگیرے خوبصورت قناتیں۔ اور انواع و اقسام کی زینت اور صنعت کاری دیکھ کر قسطنطنیہ کے ایلچی حیران و ششدر رہ گئے اور اپنے لائے ہوئے ہدیوں کو حقیر دیکھنے لگے۔ سنگ مرمر کے خوبصورت ستونوں اور پچی کاری کے سنگین و رنگین فرشوں پر سے گذرتے ہوئے یہ ایلچی دربار کے ایوان عالیشان میں پہنچے جہاں خلیفہ ناصر تخت خلافت پر جلوہ افگن اور امرا و وزرا و علما و شعرا و سرداران فوج اپنے اپنے قرینے اور مرتبے پر ایستادہ تھے۔ ان سفیروں پر یہ پُرہیبت و عظیم الشان نظارہ دیکھ کر عجیب کیفیت طاری ہوئی بہرحال وہ سنبھلے اور نہایت ادب و تپاک سے کورنش بجالائے اور تخت کے قریب جاکر اپنے بادشاہ کا خط پیش کیا۔ ایک آسمانی رنگ کا غلاف تھا جس پر سونے کے حروف سے کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس غلاف کے اندر ایک صندوقچہ تھا جو نہایت خوبصورت اور مرصع کار تھا۔ اس صندوقچہ پر ایک سونے کی مہر لگی ہوئی تھی۔ جس کا وزن چار مثقال تھا۔ اس مہر کے ایک طرف مسیحؑ کی اور دوسری طرف شاہ قسطنطین کی تصویر کندہ تھی۔ اس صندوقچہ کے اندر ایک اور صندوقچہ بلور کا تھا۔ جس پر طلائی و نقرئی مینا کار بیل بوٹے منقوش تھے۔ اس کے اندر ایک نہایت خوبصورت ریشمین لفافہ تھا۔ جس کے اندر نہایت خوبصورت آسمانی رنگ جھلی پر طلائی حروف میں لکھا ہوا خط رکھا تھا۔ عنوان خط میں خلیفہ عبدالرحمن ناصر لدین اللہ کو نہایت شاندار القاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا تھا۔ خلیفہ نے خط پڑھوا کر سنا اس کے بعد محمد بن عبدالبر کی طرف اشارہ کیا کہ وہ حسب حال تقریر کریں۔ ان فقیہ صاحب کو برجستہ تقریر کرنے میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ مگر اس وقت اس دربار کی عظمت اور مجلس کے رعب کا یہ عالم تھا کہ فقیہ مذکور کھڑے ہوئے اور چند الفاظ ادا کرنے کے بعد بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ان کے بعد ابوعلی اسمٰعیل بن قاسم کھڑے ہوئے اور حمد و نعت کے بعد کوئی لفظ زبان سے نہ نکال سکے یہ معلوم ہوتا تھا کہ فکر و اندیشہ میں مستغرق ہیں یہ رنگ دیکھ کر منذر بن سعید۔ جو معمولی درجہ کے علماء میں شامل تھے۔ کھڑے ہوئے اور بلا تامل تقریر شروع کر دی یہ تقریر اس قدر لطیف و پرجوش اور حسب موقع تھی۔ کہ بے اختیار تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خلیفہ نے اس حسن خدمت کے صلہ میں منذر بن سعید کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کر دیا۔ معمولی مراسم کے بعد دربار برخاست ہوا سفیروں کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا گیا۔ اور بڑی شاندار مہمانی کی گئی۔ چند روز کے بعد قسطنطنیہ کی سفارت کو واپسی کی اجازت دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے ہشام بن ہذیل کو اپنی طرف سے

بطور سفیر شاہ قسطنطین کے پاس روانہ کیا اور اُس کو ہدایت کردی کہ قسطنطین سے ایک دوستانہ معاہدہ لکھوا لائے۔ چنانچہ ہشام بن ہذیل کامیابی کے ساتھ ۳۳۵ھ میں شاہ قسطنطنیہ سے ایک دوستانہ عہدنامہ لکھوا کر واپس قرطبہ میں آیا۔ اس کے بعد بادشاہ اٹلی۔ بادشاہ جرمن۔ بادشاہ فرانس۔ بادشاہ صقالیہ کے سفیر یکے بعد دیگرے دربار قرطبہ میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے اپنے بادشاہوں کی طرف سے اظہار عقیدت بجا لائے اور محبت و ہمدردی کے تعلقات پیدا کرنے کی درخواست کی۔ اور ہر ایک بادشاہ نے خلیفہ عبدالرحمن ناصر کی چشم عنایت اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے منت و سماجت اور خوشامد میں کوتاہی نہیں کی۔ یورپ کا ہر ایک بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ خلیفہ عبدالرحمن میرا حامی و مددگار بنجائے تاکہ میں دشمنوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاؤں۔

خلیفہ عبدالرحمن نے اپنے بیٹے حکم کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ دوسرا بیٹا عبداللہ نماز روزہ کی طرف زیادہ مائل اور الزاہد کے نام سے مشہور تھا۔ عبداللہ کو قرطبہ کے ایک فقیہ نے جن کا نام عبدالباری تھا بہکایا اور حکومت کی طمع دلا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ خلیفہ عبدالرحمن اور حکم کو قتل کرنے کی ایک زبردست کوشش کیجائے۔ چنانچہ فقیہ عبدالباری اور عبداللہ نے ملکر خلیفہ اور ولی عہد کے قتل کرنے کی تیاری کی اس سازش میں اَور لوگوں کو بھی شریک کیا گیا ۱۰ ذیحجہ ۳۳۹ھ یعنی بروز عید اضحیٰ اس سازش کا انکشاف ہوگیا اور خلیفہ معہ ولی عہد قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ خلیفہ نے اپنے بیٹے عبداللہ اور فقیہ عبدالباری دونوں کو گرفتار کرکے جیلخانے بھجوادیا۔ پھر اسی روز اول اپنے بیٹے عبداللہ کو جیلخانے سے نکال کر قتل کرایا۔ فقیہ صاحب نے جب عبداللہ کے قتل ہونے کا حال سُنا تو خود ہی جیلخانے میں خودکشی کرکے ہلاک ہوگئے۔

۳۴۴ھ میں رذمیر بادشاہ جلیقیہ کے فوت ہونے پر اُس کا بیٹا اردونی چہارم تخت نشین ہوا اور خلیفہ عبدالرحمن ناصر کی خدمت میں سفیر بھیجکر اپنی حکومت اور باپ کی جانشینی کی اجازت چاہی۔ خلیفہ نے اُس کی تخت نشینی کو منظور کرکے اجازت نامہ بھیجا۔ ۳۴۵ھ میں فردی نند سردار قسطلہ نے اردونی چہارم کو اپنا سفارشی بنا کر خلیفہ کی خدمت میں اپنی مستقل ریاست وحکومت کے تسلیم کیئے جانے کی درخواست بھیجی۔ خلیفہ نے فردی نند کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور اُس کو ریاست قسطلہ کا مستقل حاکم و فرمانروا بنا دیا۔ فردی نند ابتک ریاست جلیقیہ یعنی رذمیر کا ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ اردونی چہارم کو تخت نشین کرانے میں فردی نند نے خاص طور پر خدمات انجام دی تھیں۔ اس لئے اردونی چہارم نے سفارش کرکے اُس کو بھی مستقل فرمانروا اور خودمختار رئیس بنوادیا۔ اس سے قبل یہ صورت پیش آچکی تھی۔ کہ شانجہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اپنی آبائی ریاست لیون پر قابض ہو چکا تھا۔ اور کئی برس سے ریاست لیون ریاست جلیقیہ سے جدا شانجہ کے تصرف میں تھی۔ ریاست نوار میں اُس کی نانی طوطہ حکمران تھی۔ شانجہ مٹاپے کے مرض میں مبتلا ہوکر اس قدر موٹا ہوگیا تھا کہ گھوڑے پر چڑھنا تو بڑی بات ہے پیدل بھی دو قدم نہیں چل سکتا تھا۔ ۳۴۷ھ میں فردی نند اور اردونی چہارم نے ملکر شانجہ کو ریاست لیون سے بیدخل کردیا۔ شانجہ اپنی نانی طوطہ کے پاس ریاست نوار میں چلا گیا۔ ریاست نوار میں شانجہ کا ایک ماموں بادشاہ تھا

شاہ نوار کی سرپرست و اتالیق بھی تھی۔ ملکہ طوطہ نے خلیفہ کی خدمت میں بہت سے تحفے اور ہدیے بھیجکر درخواست کی کہ خلیفہ شانجہ کا ملک اردونی سے واپس دلادے۔ اور ایک طبیب طرقبہ سے بھیجدے۔ جو شانجہ کے مرض کا علاج کرے۔ خلیفہ نے ایک شاہی طبیب کو نوار کی طرف فوراً روانہ کردیا۔ اور ملک کے واپس دلانے کا مسئلہ غور و تامل کے لئے دوسرے وقت پر ٹال دیا۔ طبیب کے علاج سے شانجہ کو آرام ہوگیا اور اُس کی پہلی چستی و چالاکی پھر واپس آگئی۔ اس کے بعد ۳۴۷ھ میں ملکہ طوطہ نے یہی مناسب سمجھا کہ میں خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض معروض کروں۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے شاہ نوار اور اپنے نواسے شاہ لیون کو لیکر قرطبہ کی جانب روانہ ہوئی۔ گویا تین عیسائی بادشاہ حدود فرانس سے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ ایک نہایت جاذب توجہ نظارہ تھا۔ راستے کے جن جن شہروں یا قصبوں میں یہ لوگ قیام کرتے تھے۔ لوگ اِن کے دیکھنے کو جمع ہوجاتے تھے۔ کہ کئی بادشاہ فریادی بن کر دربار قرطبہ کی طرف جارہے ہیں۔ قرطبہ کے قریب پہنچے تو اِن کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ دربار میں خلیفہ کے سامنے حاضر ہوئے تو دربار کی شان اور خلیفہ کے رُعب و جلال نے اِن کو مبہوت اور بسر بسجود کردیا۔ خلیفہ نے اِن کی دلدہی اور تشفی کی اور اِن لوگوں کے اتنی دُور چل کر آنے اور فریاد کرنے کا یہ اثر ہُوا کہ خلیفہ نے اِن ساتھ اپنے فوجی دستوں کو روانہ کیا کہ ریاست لیون و جلیقیہ کی حکومت شانجہ کو دلادیں۔ چنانچہ امیر المومنین عبدالرحمٰن ثالث کی فوجوں نے اردونی چہارم کو بیدخل کرکے شانجہ کو جلیقیہ و لیون کا بادشاہ بنادیا۔ اور اردونی بھاگ کر قسطلہ میں فردی نند کے پاس چلا گیا۔ اور سلطانی فوجوں نے اس سے زیادہ تعرض نہیں کیا۔ اردونی کے انجام کو دیکھ کر شاہ برشلونہ اور رئیس طرکونہ نے اپنے سفیر دربار قرطبہ میں بھیجکر التجا کی کہ ہم دربار خلافت کے غلام ہیں۔ اور اپنی اپنی ریاست کو عطیۂ سُلطانی سمجھتے ہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری کے شرائط بجالانے میں مطلق انکار و تامل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم کو ہماری ریاستوں کی سندیں پھر عطا ہوں اور ہمارے اظہار اطاعت کی تجدید کو شرف قبولیت عطا فرمایا جائے۔ خلیفہ ناصر نے اِن عیسائی بادشاہوں کے نام اپنی رضامندی و خوشنودی کے احکام روانہ کرکے اُن کو مطمئن کیا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے جہاں کہیں کسی علم و فن کے باکمال کا نام سُنا اُس کو بُلوایا اور بڑی قدردانی کے ساتھ پیش آیا اُس کی اس قدردانی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بغداد۔ قسطنطنیہ۔ قاہرہ۔ قیروان۔ دمشق۔ مدینہ مکہ۔ یمن۔ ایران۔ خراسان تک سے باکمال لوگ کھنچ کھنچ کر قرطبہ جمع ہوگئے۔ اِن باکمالوں میں ہر علم و فن اور ہر ملت و مذہب کے لوگ شامل تھے۔ اور دربار خلافت سے سب کی عزت افزائی اور ترتیب و پرورش ہوتی تھی۔

خلیفہ عبدالرحمٰن کو سلاطین اندلس میں وہی مرتبہ حاصل تھا۔ جو ہندوستان کے شاہان مغلیہ میں شاہجہان کو۔ مسجد قرطبہ کی تعمیر کا کام عبدالرحمٰن اوّل کے زمانہ میں شروع ہوکر اُس کے بیٹے ہشام کے زمانے میں ختم ہوچکا تھا۔ مگر اُس کے بعد بھی ہر ایک فرمانروائے اندلس نے اس مسجد کی شان و شوکت اور زیب و زینت کے بڑھانے میں ہمیشہ خزانوں کا مُنہ کھلا رکھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے بھی اس مسجد کی تعمیر و تکمیل میں چالیس اور پچاس لاکھ کے درمیان روپیہ خرچ کیا۔ اس مسجد کا طول شرق سے غرب تک پانسو فٹ تھا۔ اس کی خوبصورت محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم

تھیں۔ محراب کے قریب ایک بلند ممبر خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا اور ہر قسم کے جواہرات سے جڑا ہوا رکھا تھا۔ یہ ممبر سات برس کے عرصہ میں تیار ہوا تھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن نے اس مسجد کے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایکسو آٹھ فٹ بلند تیار کرایا تھا۔ جس میں چڑھنے اور اترنے کے دو زینے میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں۔ اس مسجد میں چھوٹے بڑے دس ہزار جھاڑ روشنی کے جلا کرتے تھے۔ جن میں سے تین سب میں بڑے جھاڑ خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے۔ بڑے بڑے جھاڑوں میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے۔ اور ان تین چاندی کے جھاڑوں میں چھتیس [۳۶] سیر تیل جلا کرتا تھا۔ تین سو ملازم اور خدام اس مسجد کے لئے متعین تھے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن نے اپنی عیسائی بیوی زہرہ کے لئے قرطبہ سے چار میل کے فاصلے پر جبل العروس کے پُرفضا دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا یہ اِس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو بجائے قصر الزہرہ کے مدینۃ الزہرہ کہتے تھے۔ اس قصر کی وسعت کا اس طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے احاطے کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور شاندار دروازے تھے یہ قصر ہمارے زمانے کے موجودہ رائج الوقت سکے کے اعتبار سے بیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کی لاگت میں بن کر تیار ہوا تھا۔ لیکن اگر اس زمانے میں روپیہ کی ارزانی اور ضروریات کی زندگی کی گرانی کا لحاظ کیا جاوے۔ تو قصر الزہرہ کی لاگت ہم کو ایک ارب روپیہ سے کم نہیں بتلانی چاہیئے۔ اس قصر کا طول چار میل اور عرض قریباً تین میل تھا ۳۲۵ھ سے اِس قصر کی تعمیر شروع ہو کر ۳۵۰ھ میں پچیس سال کے اندر ختم ہوئی۔ دس ہزار معمار۔ چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا۔ یہ قصر چار ہزار تین سو سولہ برجوں اور ستونوں پر جو سنگ مرمر وغیرہ قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے تھے قائم تھا۔ ان ستونوں میں سے بعض ستون فرانس و قسطنطنیہ وغیرہ کے بادشاہوں نے ہدیتہً عبدالرحمٰن ناصر کی خدمت میں بھیجے تھے۔ عبداللہ۔ حسن بن محمد۔ علی بن جعفر وغیرہ انجینیروں کو بھیجکر سنگ مرمر کی ایک مقدار افریقہ سے منگوائی گئی تھی۔ ایک سب سے بڑا فوارہ جو سونے کا معلوم ہوتا تھا۔ اور اس پر نہایت خوشنما نقش و نگار تھے۔ احمد یونانی اور ربیع پادری قسطنطنیہ سے لائے تھے۔ ایک فوارہ سنگ سبز کا ملک شام سے منگوایا گیا تھا۔ بارہ پرندا اور چرند جانوروں کی صورتیں مختلف جواہرات اور سونے کی بنی ہوئی اس میں لگائی گئی تھیں۔ ہر جانور کے منہ اور چونچ میں سے پانی کا فوارہ بلند ہوتا تھا۔ اس فوارے میں کاریگر نے وہ دستکاری ظاہر کی تھی۔ کہ یورپ کے جن سیاحوں نے اِن کو دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا اور سُننا تو بڑی بات ہے۔ خواب اور خیال کو بھی یہاں مجال دخل نہ تھی۔ اِس قصر کا ایک حِصّہ قصر الخلفاء بھی قابل دید تھا۔ اس کی چھت خالص سونے اور ایسے شفاف سنگ مرمر سے بنی ہوئی تھی۔ کہ دوسری طرف کی چیز مثل آئینہ کے نظر آتی تھی۔ یہ چھت باہر کی جانب سونے چاندی کے سفالوں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت مرصع فوارہ نصب تھا۔ جس کے سر پر وہ مشہور موتی جڑا ہوا تھا۔ جس کو شہنشاہ یونان نے بطور تحفہ عبدالرحمٰن ثالث کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اِس فوارہ کے علاوہ قصر کے بیچ میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا تھا۔ اس قصر کے گرد نہایت خوشنما آئینے ہاتھی کے دانت کے چوکٹوں میں جڑے ہوئے تھے۔ مختلف اقسام کی لکڑیوں کے مرصع دروازے سنگ مرمر اور بلوری چوکٹوں پر نصب تھے۔ جس وقت یہ دروازے کھول دیئے جاتے اور آفتاب کی شعاع سے مکان روشن و منور ہوتا تو کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ وہ اُس کی چھت اور دیواروں کی طرف نظر بھر کے دیکھ سکے۔ اس حالت میں اگر پارہ ہلا دیا جاتا تو یہ معلوم

ہوتا تھا کہ تمام مکان جنبش میں ہے۔ جو لوگ اس راز سے واقف نہ تھے۔ وہ مکان کو فی الحقیقت جنبش میں سمجھ کر بے حد خائف ہوتے۔ اس قصر کے انتظام اور نگرانی کے لئے تیرہ ہزار سات سو پچاس ملازم اور تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام جو نصاریٰ قوم کے تھے متعین تھے۔ حرم سرا کے اندر چھ ہزار عورتیں خدمتگزاری کے لئے حاضر رہا کرتی تھیں۔ حوضوں میں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں علاوہ اور چیزوں کے مچھلیوں کی خورش کے لئے ڈالی جاتی تھیں۔ مدینۃ الزہرا وہ نادر الوجود قصر تھا۔ جس کی وسیع سنگ مرمر کی عمارات۔ دربار خاص و عام کی شان و شوکت۔ اُس کے باغات کا پُر فضا سماں جہاں ہزارہا فوارے اُچھلتے نہریں اور حوض پانی سے چھلکتے تھے۔ دیکھنے کے لئے دُور دُور سے سیاح آتے تھے۔ عربوں نے اس قصر کو اپنی صنعت و حرفت و سنگکاری کی نمائش گاہ بنادیا تھا۔ افسوس کہ عیسائی وحشیوں نے آئندہ زمانے میں جب قرطبہ پر قبضہ کیا تو قصر الزہرا کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ مسجدوں کو ڈھایا۔ مقبروں کو مسمار کر کے قبروں تک کو اُدھیڑ ڈالا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قاضی القضاۃ منذر بن سعید بلوطی کا ذکر اوپر آچکا ہے اُن کا ایک واقعہ جو عبدالرحمٰن ناصر کے ساتھ ہُوا ذکر کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ عبدالرحمٰن نے قرطبہ میں ایک مکان کو اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے خریدنا چاہا۔ وہ مکان یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ اور وہ یتیم بچے قاضی منذر کی نگرانی میں تھے۔ جب قاضی کے پاس اُس مکان کی خریداری کا پیغام پہنچا تو قاضی صاحب نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور خلیفہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ یتیموں کی جائداد اُسی وقت منتقل ہو سکتی ہے۔ جبکہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری ہو۔ (۱) کوئی سخت ضرورت لاحق ہو (۲) جائداد کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ (۳) ایسی قیمت ملتی ہو کہ جس کے لینے میں یتیموں کا آئندہ فائدہ متصور ہو۔ فی الحال ان تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں۔ اور ملازمین سرکار نے جو قیمت اس مکان کی تجویز کی ہے وہ بہت کم ہے۔ خلیفہ یہ پیغام سن کر خاموش ہو گیا۔ اور اُس نے سمجھا کہ قاضی بغیر قیمت بڑھائے نہ مانے گا۔ اُدھر قاضی منذر کو اندیشہ ہُوا کہ کہیں خلیفہ اس مکان کو زبردستی نہ چھین لے۔ چنانچہ قاضی نے فوراً مکان کو منہدم کرا دیا اس کے بعد ملازمین شاہی نے دُگنی قیمت دیکر اُس زمین کو خریدا۔ خلیفہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے قاضی کو بلا کر مکان کے منہدم کرانے کا سبب دریافت کیا۔ قاضی منذر نے کہا۔ جس وقت میں نے مکان کے منہدم کرنے کا حکم دیا ہے اُس وقت میرے زیر نظر قرآن مجید کی یہ آیت تھی۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ٥ خلیفہ یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ اور اُس روز سے قاضی منذر کی اُور زیادہ عزت کرنے لگا۔ اس واقعہ سے قاضی اور خلیفہ دونوں کی پاک باطنی کا ثبوت ملتا ہے۔ قاضی منذر ۳۵۵ھ میں خلیفہ ناصر سے پانچ سال بعد فوت ہوئے تھے۔

امیر المومنین خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث ناصر الدین اللہ نے ۲ رمضان المبارک ۳۵۰ھ کو ۷۰ سال چند ماہ کی عمر میں بمقام قصر الزہرہ وفات پائی۔

اس خلیفہ کے عہد میں دو کروڑ چون لاکھ اسی ہزار دینار سالانہ مالگزاری داخل خزانہ عامرہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ سات لاکھ ۶۵ ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام آمدنی ملک اور رعایا پر ہی خرچ کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ جو روپیہ بطور خراج و جزیہ عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتا تھا۔ وہ خاص خزانہ شاہی میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس آمدنی کی کوئی تعداد معین نہ تھی۔ اس میں سے

ایک ثلث فوج اور اہلکاران سلطنت کی تنخواہوں میں خرچ ہوتا تھا۔ ایک ثلث خاص سلطان کی جیب خاص کے لئے مقرر تھا۔ باقی کل رقم عمارتوں۔ پلوں اور سڑکوں وغیرہ پر خرچ کی جاتی تھی۔
اس خلیفہ کی وفات کے بعد اس کے کاغذات میں سے خلیفہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک یادداشت نکلی جس میں خلیفہ نے اپنے پچاس سالہ عہد حکومت کے ان دنوں کا حال لکھا تھا۔ جن میں خلیفہ کو کوئی فکر نہ تھا۔ اور ایسے دنوں کی تعداد جو افکار سے خالی تھے صرف چودہ[1] تھی۔ وفات کے وقت خلیفہ کے گیارہ لڑکے موجود تھے۔ جن میں حکم بن عبدالرحمٰن ولی عہد تھا۔
خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا زمانہ اندلس کی حکومت اسلامیہ کا نہایت شاندار زمانہ تھا۔ ملک میں ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا۔ تجارت کی بہت بڑی ترقی تھی۔ اہل اندلس نے افریقہ و ایشیا کے دور دراز مقامات پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرلی تھیں۔ بحری طاقت میں کوئی ملک اور کوئی قوم اندلس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ تمام سمندروں پر گویا اندلسی مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس خلیفہ نے اپنے سرداروں اور اہلکاروں کو شاہی اختیارات نہیں دیئے بلکہ وہ خود ہر ایک اہم اور ضروری معاملہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اہلکاروں پر کاموں کو چھوڑ کر بے فکر نہیں ہوجاتا تھا۔ اس نے ان عرب سرداروں اور فقیہوں کی طاقت کو جو حکومت وسلطنت پر حاوی تھے۔ بتدریج کم کرکے ان لوگوں کو جو خلیفہ کے ہمدرد وخیر اندیش تھے بڑھایا۔ اور اپنے ذاتی غلاموں کا ایک حفاظتی دستۂ فوج بنایا۔ خلیفہ کی نگاہ سے سلطنت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام پوشیدہ نہیں رہتا تھا۔ تمام جزئیات تک خلیفہ کی نظر پہنچ جاتی تھی۔ اس خلیفہ نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور گروہوں میں جو مخالفت اور خانہ جنگی برپا رہتی تھی اس کو بالکل مٹا دیا۔ ہر ایک جماعت اور ہر ایک گروہ کو اس کے مرتبہ کی موافق سلطنت کی طرف سے حقوق حاصل تھے۔ اور کوئی گروہ نہ سلطنت کا دشمن تھا۔ نہ آپس میں ایک دوسرے سے چھری کٹاری ہونا چاہتے تھے۔ اسی میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی کامیابیوں کا راز مضمر تھا۔ اور یہی وہ چیز تھی۔ جس کے سبب اندلسی مسلمانوں کی عظمت تمام دنیا کی نگاہوں میں پیدا ہوگئی تھی۔ اس خلیفہ کے زمانے میں غیر مسلم لوگوں یعنی عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کے ساتھ نہایت مروّت اور نرمی کا برتاؤ ہوتا تھا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن کی حدودِ حکومت میں رہنے والے تمام عیسائی خلیفہ عبدالرحمٰن کو اس قدر محبوب رکھتے تھے کہ اس معاملہ میں وہ مسلمانوں سے ہرگز کم نہ تھے۔ مسلمان مولویوں کے تنگ دل اور سخت گیر طبقہ کو اس خلیفہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رعایتوں کی طرف توجہ دلائی جو وہ غیر مسلم لوگوں کے ساتھ روا رکھتے تھے اور ان کو مجبور کیا کہ وہ قرآن وحدیث کی اصل روح سے واقف ہوں اور حقیقت شریعت سے آگاہ ہوکر تنگ چشمی کو چھوڑ دیں۔ اس کام میں اس خلیفہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اس کا زمانہ خیر وبرکت کا زمانہ سمجھا گیا۔ جہاد کرنے اور کفار سے بذات خود لڑنے میں یہ خلیفہ کسی سے کم نہ تھا۔ اور اس کی فوجی کارروائیاں بہت ہی عظیم الشان تھیں۔ ساتھ ہی جب خلیفہ کے رفاہ رعایا۔ خدمتِ علوم وفنون اصلاح معاشرت۔ ترقی تمدن۔ شوق عمارات۔ ترقی ومالی ودولت۔ ترقی زراعت وغیرہ کارناموں پر غور کیا جاتا ہے۔ تو اس کا مرتبہ ہی بلند ثابت ہوتا ہے اور عبدالرحمٰن ثالث عبدالرحمٰن اول سے ہرگز کم ثابت نہیں ہوتا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں نہ صرف قرطبہ بلکہ تمام ملک اندلس جنت کا نمونہ بن گیا تھا۔ کہیں چپہ بھر زمین ایسی نہ تھی جس میں کاشت نہ ہوتی ہو۔ خوبصورت

باغات کی افراط و کثرت سے تمام ملک گلزار نظر آتا تھا۔ کوئی شہر و قصبہ اور گاؤں ایسا نہ تھا۔ جس میں خوبصورت اور سر بفلک عمارات کی کثرت نہ ہو۔ وہ اندلس جو اس خلیفہ کی تخت نشینی سے پہلے بدامنی اور فتنہ و فساد کا گھر بنا ہوا تھا۔ اس کے عہد سلطنت میں امن و امان اور فارغ البالی کا مسکن بن گیا تھا۔ قرطبہ اور دوسرے شہروں کی عمارات اور رونق و سلیقہ شعاری بغداد و دمشق وغیرہ سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر تھی۔ اندلس کی آبادی کے مقابلے میں تمام براعظم یورپ ایک بیابان نظر آتا تھا۔ جہاں تہذیب و شائستگی کا نام و نشان نہ تھا۔ یورپ کے تمام بادشاہوں کی آمدنی مل کر بھی تنہا خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی آمدنی کے برابر نہ تھی۔ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی باقاعدہ فوج جن کے نام رجسٹروں میں درج تھے۔ ڈیڑھ لاکھ تھی۔ مگر بے قاعدہ فوج یعنی ضرورت کے وقت رضاکاروں وغیرہ کی تعداد جو فراہم ہو سکتی تھی اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ بارہ ہزار آدمیوں کی فوج جن میں آٹھ ہزار سوار اور چار ہزار پیدل تھے خلیفہ کی محافظ فوج تھی۔

تمام جزیرہ نمائے اندلس میں سڑکوں اور شاہراہوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ مسافروں کی حفاظت کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں قائم تھیں۔ اور سپاہی گشت کرتے اور پہرہ دیتے رہتے تھے۔ ڈاک کا انتظام بذریعہ قاصدوں کے تھا۔ جو ڈاک لیکر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جاتے تھے ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر اتنی جلدی پہنچ جاتی تھی۔ کہ دوسرے ملکوں کے لوگ اس کو جادو سمجھتے تھے۔ لاتعداد برج پہرہ چوکی کے لئے بنے ہوئے تھے۔ یہ برج ساحل بحر پر بھی بنے ہوئے تھے۔ ان برجوں کی چوٹیوں پر سے دارالخلافہ میں جہازوں کی نقل و حرکت کی خبر بلا توقف پہنچ جاتی تھی۔ بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم ایسی عمارتوں کے لئے ہمیشہ ملا کرتی تھی۔ جو رفاہ عام کے لئے بنوائی جاتی تھیں۔ ان عمارتوں کے بنوانے سے یہ بھی غرض تھی کہ کاریگروں اور مزدوروں کے لئے کام ہمیشہ مہیا رہے اس کا یہ اثر ہے کہ اس تمام ملک میں جو مسلمانوں کے قبضہ میں رہ چکا ہے غیر معمولی تعداد قلعوں اور پلوں کی پائی جاتی ہے بیمار اور محتاج آدمیوں کے لئے سرکاری مکانات تھے۔ وہاں سرکاری خرچ سے ان کی ہر قسم کی خبر گیری کی جاتی تھی۔ تمام ممالک محروسہ میں دارالیتامیٰ قائم تھے۔ ان میں یتیموں کی پرورش اور تعلیم کا انتظام خلیفہ کے صرف خاص سے ہوتا تھا۔

قرطبہ کی آبادی دس لاکھ تھی۔ سڑکیں نہایت صاف و پختہ۔ مکانات عموماً سنگ مرمر کے اور نہایت خوبصورت۔ پانی کے نکاس کی موریوں کا نہایت عمدہ اور قابل تعریف انتظام تھا۔ صفائی کے لئے ایک محکمہ قائم تھا۔ جو ہمہ اوقات شہر کی صفائی کی نگرانی میں مصروف تھا۔ جابجا شہر کے اندر بھی نفیس و دلکشا باغیچے تھے۔ اور نواح شہر میں تو ایسے جنت نظیر باغیچوں کی بڑی ہی کثرت تھی۔ شہر میں مکانات کی تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار تھی۔ ان میں وزرا و امرا اور خلیفہ کے محلات و قصور شامل نہیں ہیں۔ اسی ہزار چار سو دوکانیں سات سو مسجدیں۔ نو سو حمام۔ اور چار ہزار تین سو مکانات تھے۔ جن میں مال تجارت رکھا رہتا تھا۔ ان کو گودام کہنا چاہیئے۔ دنیا کے ہر ملک و شہر کے آدمی۔ ہر ملک کا لباس اور ہر ملک و سلطنت کے سکے قرطبہ میں نظر آتے تھے۔ اس شہر کا طول چوبیس میل اور عرض چھ میل تھا۔ جو وادی الکبیر کے کنارے کنارے پھیلا چلا گیا تھا۔ خاص شہر جس کے گرد پختہ فصیل تھی۔ چودہ میل کے محیط میں تھا۔ رات کے وقت قرطبہ کے بازار میں اگر کوئی شخص پیدل مستقیم سفر کرے تو دس میل تک وہ بازار کے چراغوں کی روشنی میں چل سکتا تھا۔ روئے زمین کا کوئی شہر قرطبہ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا کے کسی شہر میں اس قدر

قلمی کتابیں نہیں تھیں۔ جس قدر قرطبہ میں موجود تھیں۔ پہاڑ کا پانی ڈھائی میل کے فاصلے سے بذریعہ نل شہر کے اندر آتا تھا۔ شہر میں نلوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ہر مدرسے ہر سرائے۔ ہر مسجد کے دروازے لازماً نل لگا ہوتا تھا۔ باغوں میں اسی نل کے ذریعہ فوارے چھوٹتے تھے۔ شہر کے سات بڑے بڑے دروازے تھے جنکے پھاٹکوں میں تانبا جڑا ہوا تھا۔ شہر پناہ کے اندر شہر پانچ حصوں میں منقسم تھا۔ ہر ایک حصے کی شہر پناہ الگ الگ تھی۔ شہر کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ قصر شاہی تھا۔ اس کا قلعہ الگ تھا اور ارا کین سلطنت اسی میں رہتے تھے۔ شہر قرطبہ ہی میں نہیں تمام ملک اندلس میں کوئی فقیر بھیک مانگنے والا نظر نہ آتا تھا۔ سلطان عبدالرحمٰن ثالث اپنے آخر ایام حکومت میں مدینۃ الزہرا میں چلا گیا تھا۔ جو قرطبہ کے قریب ایک دوسرا چھوٹا سا شہر بن گیا تھا۔ اور رونق و خوبصورتی میں قرطبہ سے بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ اندلس میں ہر قسم کے میوے بافراط پیدا ہونے لگے تھے۔ اور بازوں میں بہت ارزاں فروخت ہوتے تھے۔

دارالخلافہ قرطبہ میں بکثرت مدارس اور دارالعلوم جاری تھے۔ جا بجا مشاعرے۔ مناظرے اور علمی تحقیقاتوں کے جلسے منعقد ہوتے تھے۔ شہزادے۔ امرا اور خود خلیفہ ان جلسوں کی شرکت اور سرپرستی کرتے۔ علماء کو انعام و وظائف عطا کرتے تھے۔ ہیئت۔ طب۔ فلسفہ۔ فقہ۔ حدیث اور تفسیر کے بے نظیر عالم قرطبہ میں موجود تھے۔ طلبا کے مصارف اور رہنے سہنے کا انتظام سب شاہی خزانہ کے ذمہ تھا۔ آخر ایام حیات میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے ولی عہد حکم کو بار رو بار سلطنت بہت کچھ سپرد کر دیا تھا۔ اور خود اپنا وقت عبادت الٰہی میں زیادہ بسر کرنے لگا تھا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الملقب بہ ناصر لدین اللہ نے مرتے وقت سلطنت اندلس کو اس حالت میں چھوڑا کہ عیسائی سلاطین جو سر حد پر تھے اپنی سینکڑوں برس کی جد و جہد کے بعد مایوس و ناکام ہو کر سلطنت اسلامیہ اندلس کی غلامی و فرمانبرداری کا اقرار کرنے پر مجبور ہو کر اطاعت گذاری پر ہمہ وقت مستعد نظر آتے تھے۔ اور غلاموں کی طرح دربار قرطبہ میں عرضیاں بھیجتے اور التجائیں کرتے تھے۔ جو عیسائی بادشاہ دور و دراز کے ملکوں پر قابض و فرمانروا تھے۔ وہ بھی خلیفہ اندلس کو رضامند رکھنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے اور دربار قرطبہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا ہونے پر فخر کرتے تھے۔ مراقش کا ملک اندلس کی حکومت میں شامل تھا۔ تمام بحر روم اور دوسرے سمندروں پر بھی اندلس کے بیڑہ کی حکومت تھی۔ اور سمندروں میں کوئی طاقت اندلس کے جہاز کو نہیں ٹوک سکتی تھی۔ کوئی اندرونی خطرہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

خلیفہ حکم بن عبدالرحمٰن ثالث

اپنے باپ کی وفات کے تیسرے روز خلیفہ حکم ۵ رمضان المبارک ۳۵۰ھ کو بعمر ۴۸ سال قصر الزہرا میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ وزرا۔ سپہ سالاران فوج۔ امرا۔ علما اور ارا کین سلطنت بیعت کے لئے حاضر دربار ہوئے۔ قاضی القضاۃ اور دوسرے قاضیوں نے اول بیعت کی اس کے بعد خلیفہ کے بھائیوں اور شہزادوں نے رسم بیعت ادا کی۔ اس کے بعد وزرا و امرا ارا کین سلطنت نے اقرار اطاعت کیا۔ صوبوں کے عامل جو قرطبہ میں حاضر ہو سکے تھے۔ انہوں نے اصالتاً شریف بیعت حاصل کیا۔ باقی لوگوں کے پاس ملک کے صوبوں اور بڑے بڑے شہروں میں بیعت لینے کے لئے خلیفہ نے وکلا روانہ کئے۔ قصر شاہی کے خادموں اور غلاموں نے بھی بیعت کی۔ تخت نشینی

کی رسم بڑی دھوم دھام اور شان و شکوہ کے ساتھ ادا ہوئی۔ خلیفہ حکمؔ ثانی نے اپنا لقب مستنصر باللہ تجویز کیا۔ جعفر مصحفی کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ اس کے بعد خلیفہ حکمؔ نے سلطنت کے تمام صیغوں اور محکموں کا جائزہ خصوصی توجہ کے ساتھ لیا۔ ہر ایک وزیر کے دفتر کا معائنہ کیا۔ فوج کے رجسٹروں کو جانچا اور افواج شاہی کی موجودات لی۔ غرض نہایت احتیاط کے ساتھ سلطنت کی جزئیات تک سے اپنے آپ کو واقف و آگاہ بنایا۔ حالانکہ وہ پہلے سے بھی سلطنت کے کاموں سے ناآشنا نہ تھا۔ اور ہر صیغہ کی نگرانی کر چکا تھا۔ اپنے علم و واقفیت کی تجدید کر لینے کے بعد اس نے ہر ایک اہلکار کے پاس اس کے مامور و مستقل ہونے کے پروانے روانہ کئے۔ گویا ہر ایک اہلکار کو اس نئے خلیفہ نے از سر نو اس کی خدمت پر مامور کیا۔ اس طرزِ عمل سے نئے خلیفہ کی بیدار مغزی اور مستعدی کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔

خلیفہ حکمؔ کو بچپن سے کتابیں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر کا ایک بڑا حصہ گذر چکا تھا۔ بڑے بڑے علما و فضلا اس کے سامنے کوئی علمی تقریر کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ دنیا کے کسی ملک اور کسی تخت سلطنت پر غالباً ایسا ذی علم اور متبحر بادشاہ نہیں بیٹھا۔ حکم ثانی کے علم و فضل اور مطالعہ کتب کی حکایتیں چونکہ پہلے ہی سے دور دور تک مشہور تھیں۔ اس لئے اس کے تخت نشین ہونے کی خبر سن کر عیسائی سرحدی سلاطین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے باپ کی طرح ایک بہادر صعوبت کش سپہ سالار ثابت نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے سرکشی اور طغیان کا اظہار کیا۔ بادشاہ قسطلہ نے اسلامی سرحدی شہروں پر دست درازی و حملہ آوری شروع کر دی۔ خلیفہ حکمؔ نے یہ حال سن کر اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں بذات خود قسطلہ کی جانب فوج کشی کی اور عیسائیوں کو شکست فاش دیکر جلیقیہ کے ملک میں دور تک داخل ہو کر اور اقرار اطاعت لیکر واپس آیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ جلیقیہ کے سرکش عیسائی اس تنبیہہ کو کافی نہ سمجھ کر شورش و فساد پر پھر آمادہ ہیں۔ چنانچہ خلیفہ حکمؔ نے اپنے آزاد کردہ غلام غالب کو سپہ سالار افواج سرحد بنا کر روانہ کیا۔ اور جلیقیہ والوں کی سرکوبی کے لئے تاکید کر دی۔ غالب نے پہنچکر عیسائی افواج کو اپنی فوج سے کئی گنا زیادہ دیکھا۔ مگر اس نے خدا پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔ سب کو شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ اور حکومت قسطلہ کے ایک بڑے حصے کو تاراج اور قلعوں کو منہدم کر کے قرطبہ کی جانب واپس ہوا۔ ابھی چند ہی روز گذرے ہوں گے کہ شانجہ کی باغی ہونے کی خبر پہنچی اس کی مدد کے لئے لیون۔ نوار۔ قسطلہ وغیرہ کئی عیسائی حکومتوں کی فوجیں مجتمع ہو گئیں۔ خلیفہ حکمؔ نے یعلی بن محمدؒ حاکم سرقسطہ کو لکھا کہ تم ان باغیوں کی سرکوبی کا کام انجام دو۔ چنانچہ یعلی بن محمدؒ نے تنہا ان افواج گران کا مقابلہ بڑی بہادری اور قابلیت کے ساتھ کیا۔ اور سب کو شکست دے کر خلیفہ حکمؔ کی خدمت میں مع مال غنیمت حاضر ہوا۔ یعلی بن محمدؒ ابھی قرطبہ ہی میں فروکش تھا کہ حاکم برشلونہ کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ اور ساتھ ہی معلوم ہوا کہ حاکم قسطلہ بھی پھر سامان بغاوت فراہم کر رہا ہے۔ خلیفہ حکمؔ نے یعلی بن محمدؒ کو تو برشلونہ کی جانب روانہ کیا اور غالب و ہذیل بن ہاشم کو حاکم قسطلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ دونوں فوجیں برشلونہ و قسطلہ کی جانب روانہ ہوئیں اور دونوں جگہ عیسائیوں کو سخت نقصان اٹھا کر اقرار اطاعت پر مجبور ہونا پڑا۔ خلیفہ حکمؔ کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں جب عیسائیوں کو پیہم ناکامیاں ہوئیں تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں

اور اُن کو یقین ہو گیا۔ کہ خلیفہ حکم ثانی اپنے باپ سے کسی طرح عزم و قوت میں کم نہیں ہے ۳۵۵ھ میں ایک مرتبہ پھر سرحدی عیسائیوں میں کشمکش اور سرکشی کے علامات نمایاں ہوئے۔ مگر یعلی بن محمد اور قاسم بن مطرف نے سب کو سیدھا کر دیا۔ اسی سال نارمن لوگوں نے جزیرہ نمائے اندلس کے مغربی ساحل پر حملہ کر کے شہر لشبونہ (لسبن) کے نواح تاخت و تاراج شروع کی۔ خلیفہ کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنے امیر البحر عبدالرحمٰن بن رماحس کو حکم دیا کہ ان قزاقوں کو بھاگنے نہ دے اور خود فوج لیکر قرطبہ سے لسبن کی جانب روانہ ہوا۔ مگر خلیفہ اور امیر البحر عبدالرحمٰن کے پہنچنے سے پہلے ہی ان قزاقوں کو خشکی اور سمندر سے وہاں کے باشندوں نے مقابلہ کر کے بھگا دیا تھا۔ نہ خشکی میں کوئی شخص نظر آیا نہ اُن کا کوئی جہاز ساحل پر موجود پایا گیا۔

شانجہ کا چچا زاد بھائی اردونی جو فردی نند حاکم قسطلہ کا داماد بھی تھا۔ ریاست لیون کا فرمانروا تھا۔ جب شانجہ کو خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی فوجوں نے لیون کا حاکم بنا دیا تو اردونی اپنے خسر فردی نند کے پاس چلا گیا تھا۔ اب اردونی نے جلیقیہ سے اپنے بیس ہمراہیوں کے ساتھ خلیفہ حکم کی خدمت میں حاضر ہونے اور فریاد کرنے کا قصد کیا۔ چنانچہ ۳۵۵ھ میں اردونی شاہ لیون شہر سالم میں معہ اپنے ہمراہیوں کے پہنچا تو امیر غالب محافظ حدود شمالی نے اُس کو روکا اور کہا کہ تم ممالک محروسہ اسلامیہ میں بلا اطلاع و اجازت کیسے داخل ہوئے۔ اردونی سابق بادشاہ لیون نے کہا کہ میں امیر المومنین کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ میں اپنے آقا کے پاس جاتا ہوں میں نے کسی اجازت اور اطلاع کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ تاہم غالب نے اُس کو وہیں شہر سالم میں روک کر دربار خلافت کو اطلاع دی۔ یہاں سے اردونی کے آنے کی اجازت مرحمت ہوئی اور ساتھ ہی اُس کے استقبال کے لئے ایک سردار کو روانہ کر دیا گیا۔ جب اردونی شہر قرطبہ کے قریب پہنچ گیا اور شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کی قبر کے سامنے پہنچا تو خود بخود فوراً گھوڑے سے اُتر کر قبر کے قریب پہنچا۔ اور دیر تک دعا کرتا رہا۔ اور قبر کو سجدہ کر کے آگے روانہ ہوا۔ خلیفہ حکم نے اردونی کو اجازت دی کہ وہ سفید لباس پہن کر جو بنو امیہ میں عزت کا لباس سمجھا جاتا تھا داخل دربار ہو۔ شہر طلیطلہ کا اُسقف عبداللہ بن قاسم اور قرطبہ کے عیسائیوں کا مجسٹریٹ ولید بن خیرون اُس کے ہمراہ برائے ادب آموزی و رہبری موجود تھے۔ اردونی جب دربار میں حاضر ہوا تو خلیفہ کے سامنے پہنچنے سے پہلے ہی اُس مکان کی عظمت و ہیبت سے مرعوب ہو کر اور ٹوپی اُتار کر دیر تک ششدر کھڑا رہا۔ ہمراہیوں نے آگے بڑھنے کے لئے اشارہ کیا۔ جب تخت کے سامنے پہنچا تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑا پھر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کسی قدر آگے بڑھا اور پھر سجدہ میں گر پڑا۔ اسی طرح سجدے کرتا ہوا اُس مقام تک پہنچا جو اُس کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں اُس نے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر اسی طرح سجدے کرتا ہوا اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اُس کرسی پر جو اُس کے لئے بچھائی گئی تھی بیٹھا۔ اب اُس نے ولید بن خیرون کے اشارہ پر کچھ مدعا بولنے کی کوشش کی اُس پر اس قدر رعب تھا۔ کہ کچھ نہ بول سکا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر خلیفہ حکم کچھ دیر خاموش رہا تاکہ اُس کو اپنے حواس بجا کرنے کا موقع ملے پھر اُسکے بعد خلیفہ نے کہا کہ۔

"اے اردونی ہم تیرے یہاں آنے سے بہت خوش ہوئے۔ ہمارے الطاف خسروانہ سے تیری خواہشات پوری ہوں گی"

اردونی نے خلیفہ کا یہ کلام سُن کر فرط مسرت سے جھک کر تخت کے سامنے سجدہ کیا۔ اور نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ "اے میرے آقا میں حضور کا ادنیٰ غلام ہوں" - خلیفہ نے فرمایا کہ "ہم تجھ کو خیر خواہان دولت میں شمار کرتے ہیں اور تیری درخواستوں کو منظور کرتے ہیں۔ اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کر۔" اردونی یہ سُن کر پھر دیر تک تخت کے سامنے سجدہ میں پڑا رہا اور اُس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا۔ کہ شانجہ میرا چچا زاد بھائی اس سے پہلے سابق خلیفہ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا تھا کہ اُس کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ اور رعایا اُس سے خوش نہ تھی۔ خلیفہ مرحوم نے اس کی التجا سُنی اور اس کو بادشاہ بنا دیا۔ میں نے خلیفہ مرحوم کے حکم اور فیصلے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی اور ملک چھوڑ دیا۔ حالانکہ رعایا مجھ سے خوش تھی۔ میں اس وقت اپنے دلی جوش اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ خلیفہ وقت میرے استحقاق پر نظر کر کے میرا ملک مجھ کو مرحمت فرمائیں گے۔ خلیفہ نے یہ سُن کر فرمایا کہ ہم تیرا مدعا سمجھ گئے ہیں۔ اگر شانجہ کے مقابلے میں تیرا استحقاق فائق ہے تو ضرور ملک تجھ کو ملے گا یہ سُن کر اردونی نے پھر سجدہ کیا۔ خلیفہ نے دربار برخاست کیا اور اردونی کو اُس کے قیامگاہ پر عزت و آرام کے ساتھ پہنچایا گیا تھا۔ اردونی کو قصر سُلطان کے ایک مغربی حصّے کے بالا خانے پر ٹھہرایا گیا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے راستے میں اردونی نے ایک تخت بچھا ہوا دیکھا۔ جس پر خلیفہ کبھی کبھی بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اس خالی تخت کو دیکھ کر اردونی نے اُسی طرح سجدہ کیا کہ گویا خلیفہ اُس پر بیٹھا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ کے وزیر اعظم جعفر نے آکر اردونی کو خلیفہ کی طرف سے ایک مکلف خلعت دیا۔ اس طرح چند روز مہمان رکھ کر اپنے چند سرداروں کے ساتھ روانہ کیا کہ اُس کو اُس کی آبائی ریاست میں تخت نشین کرائیں۔ اس کے بعد شانجہ اور سمورہ و جلیقیہ کے رئیسوں نے بھی عرضیاں اظہار فرمانبرداری کے لئے روانہ کیں۔ اور بیش بہا تحفے بطور نذرانہ روانہ کئے۔ برشلونہ و طرکونہ کے حاکموں نے بھی قیمتی نذرانے اور خراج روانہ کر کے اظہار عقیدت کیا۔

اس کے بعد فرانس و اٹلی اور یورپ کے دوسرے عیسائی سلاطین نے جس طرح خلیفہ عبدالرحمن ثالث کی خدمت میں اپنے سفیر اور تحائف بھیجے تھے بھیجے اور خلیفہ الحکم کا رُعب بھی اپنے باپ کی طرح قائم ہو گیا۔ مغربی جلیقیہ کے عیسائی فرمانروا نے جو ان دنوں بہت طاقتور تھا۔ اور جس کا نام لذریق تھا۔ اپنی ماں کو خلیفہ حکم کی خدمت میں روانہ کیا۔ خلیفہ نے مادر لذریق کو عزت کے ساتھ دربار میں باریاب کیا۔ اور اُس کی خواہش کے موافق اُس کے بیٹے کے لئے سند امارت و حکومت لکھ دی۔

سنہ ۳۶۱ھ میں مراقش کے ادریسی حاکم نے جو خلیفہ قرطبہ کی طرف سے وہاں مامور تھا۔ بربریوں کی جمعیت کثیر فراہم کر کے سرکشی و خود مختاری کا اعلان کیا۔ خلیفہ نے سرقسطہ کے حاکم یعلیٰ بن امیہ کو مراقش کی جانب روانہ کیا۔ اندلسی فوج کشی کا حال سُن کر حاکم مراقش نے معز عبیدی سے اعانت طلب کی اور اس کی فرمانبرداری و اطاعت کو قبول کر لیا۔ اُدھر سے امیر جوہر فوج لیکر مراقش پہنچ گیا۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ یعلیٰ بن محمد اس معرکہ میں کام آیا اور یہ مہم ناکام رہی۔ اس خبر کو سُن کر دربار قرطبہ میں فکر و ملال کے آثار نمایاں ہوئے خلیفہ نے اپنے آزاد کردہ غلام امیر غالب کو مراقش روانہ کیا۔ غالب کے پہنچنے پر جوہر تو مصر کی طرف چل دیا اور حسن حاکم مراقش مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ کئی معرکوں کے بعد غالب نے حسن کو ایک قلعہ میں محصور کر کے اس بات پر مجبور کر لیا کہ وہ بلا شرط اپنے آپ کو غالب کے سپرد کر دے چنانچہ غالب نے حاکم مراقش کو قرطبہ روانہ کیا۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ عزت و محبت کا برتاؤ کیا۔ اور

بطور مہمان قرطبہ میں مقیم کر کے روزینہ مقرر کر دیا۔ چند روز کے بعد اُس کی خواہش کی موافق اُسے اسکندریہ کی جانب بھیج دیا۔ غالب نے ایک سال مراقش میں قیام کر کے وہاں کے تمام انتظام کو مضبوط و مکمل کیا اور ۳۶۵ھ میں مراقش کے بہت سے قیدیوں کو ہمراہ لئے ہوئے قرطبہ واپس آیا۔ جہاں اُس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔

اس کے بعد خلیفہ حکم کو کوئی فوجی مہم کسی طرف بھیجنے کی ضرورت پیش نہ آئی ملک میں ہر طرح امن و امان قائم تھا۔ مراقش میں پہلے سے زیادہ مستحکم طور پر براہ راست خلیفہ حکم کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ شمالی سرحدوں پر عیسائیوں کے قلعے ڈھا دیئے گئے تھے۔ اور اُدھر سے کسی فوج کشی یا فتنہ کی توقع نہ تھی۔ اس خلیفہ کی تمام تر توجہ علمی مشاغل میں صرف ہوئی۔ مسجد قرطبہ کی زیب و زینت اور توسیع میں ہر ایک خلیفہ اپنی ہمت صرف کرتا تھا حکم ثانی نے بھی اس نادر روزگار مسجد میں اضافہ کیا۔ راستوں کا امن و امان اور تجارت کی گرم بازاری خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث ہی کے زمانے سے معراج کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس خلیفہ کے زمانے میں اُور بھی ترقی ہوئی۔ جابجا سرائیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سڑکوں کے کنارے بنا دی گئیں اور اُن میں مسافروں کو سرکاری طور پر کھانے پینے کا سب سامان ملتا تھا۔

۳۶۵ھ میں اس خلیفہ نے اپنے بیٹے ہشام کو ولی عہد خلافت بنا کر امرا و وزرا اور اراکین سلطنت سے بیعت لی۔ اور تمام ممالک محروسہ میں عاملوں سے بیعت ولی عہدی و کالتاً لی گئی۔

۲ ماہ صفر ۳۶۶ھ کو سولہ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۴ سال کی عمر میں خلیفہ ثانی نے بعارضہ فالج قرطبہ میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے وقت اس کے بیٹے ہشام کی عمر گیارہ سال کے قریب تھی۔ خلیفہ حکم ہی نے ولی عہدی کے وقت اس کا وزیر محمد ابن ابی عامر کو تجویز کر دیا تھا۔ اگلے روز ہشام تخت نشین ہوا۔

خلیفہ حکم ثانی اندلس کے نہایت نامور اور مشہور خلفا میں شمار ہوتا ہے۔ اگر اس خلیفہ کے زمانے میں لڑائیوں اور چڑھائیوں کا زیادہ موقع ہوتا تو وہ یقیناً اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار ثابت ہوتا۔ مگر اُس کے عہد حکومت میں بہت ہی کم مگر بہت اہم ہنگامے جنگ و جدل کے برپا ہوئے۔ جن میں عموماً لشکر اندلس کو کامیابی اور فتح مندی حاصل ہوئی۔ زیادہ وقت اس خلیفہ کا علمی مشاغل میں صرف ہوا۔ اس خلیفہ کا وزیر جعفر بھی ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی سے کم لائق نہ تھا۔ خلیفہ نے انتظام ملکی کے متعلق اُمور کے اختیارات کو وسیع کر کے اپنے لئے علمی مشاغل کا وقت بہت کچھ نکال لیا تھا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں مذہبی بیجا تعصب بالکل نہ رہا تھا۔ ہر قوم و مذہب کے آدمی کو اندلس میں کامل آزادی حاصل تھی۔ تنگی اور پست خیالی کا نام و نشان دربار قرطبہ میں نہیں پایا جاتا تھا۔ عدل و انصاف کے قائم رکھنے کا امر خلیفہ کو بہت زیادہ خیال تھا۔ تمام رعایا خلیفہ سے خوش اور ہر طبقہ میں اُس کی محبت و عزت بے شائبہ موجود تھی۔ خلیفہ احکام قرآنی کا سختی سے پابند تھا۔ اور مسلمانوں سے اس کی پابندی کراتا تھا۔ اس سے پہلے اندلس کے فوجی لوگوں میں شراب خوری کا عیب بھی پایا جانے لگا تھا۔ اس خلیفہ نے شراب کا بیچنا۔ استعمال کرنا قطعاً ممنوع اور جرم عظیم قرار دیکر اس پلیدی سے اپنے ملک کو پاک کیا۔ خلیفہ کی طرف سے ایک بڑی رقم روزانہ خیرات کی جاتی تھی۔ جابجا ملک کے بڑے بڑے شہروں میں کالج اور دارالعلوم قائم کئے۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات میں بھی مدرسے قائم تھے۔ طلباء کے اکثر مصارف شاہی

خزانہ سے ادا ہوتے تھے۔ جو طالب علم باہر سے آتے تھے وہ جب تک اندلس کے اندر تحصیل علم میں مصروف رہیں خلیفہ کے مہمان سمجھے جاتے تھے۔ سررشتہ تعلیم کا اعلیٰ افسر خلیفہ نے اپنے بھائی منذر کو مقرر کیا تھا۔

خلیفہ حکم ثانی کو تمام علوم مروجہ میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ کتابوں سے اُس کو عشق تھا۔ دمشق بغداد۔ قسطنطنیہ۔ قاہرہ۔ قیروان۔ مکہ۔ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ وغیرہ تمام اُن مقامات میں جہاں علم کا چرچا تھا۔ خلیفہ حکم کے گماشتے موجود رہتے تھے۔ اِن کا کام یہ تھا کہ جو اچھی یا نایاب کتاب پائیں اُس کو خریدیں۔ اور خلیفہ حکم کے پاس بھیجدیں۔ مصنفین کو ترغیب دیں کہ وہ اپنی تصنیف کی پہلی کتاب خلیفہ حکم کے پاس بھیجیں۔ علما کو قرطبہ جانے کی ترغیب دیں۔ جہاں اُن کی نہایت فراخ دلی کے ساتھ قدر و منزلت بڑھائی جاتی تھی۔ اور مال و دولت سے بے نیاز ہو جاتے تھے کسی کتاب کے حاصل کرنے میں چاہے کتنی ہی مصیبت برداشت کرنی پڑے اور اشرفیوں کی چاہے کتنی ہی تھیلیاں خالی کرنی پڑیں حکم کے کتب خانے کے لئے وہ کتاب ضرور ہی خریدی جاتی تھی۔ ہر ایک شہر میں خلیفہ حکم کی طرف سے بہت سے لوگ صرف اسی کام پر متعین تھے۔ کہ وہ کتابوں کی نقلیں کر کے قرطبہ میں بھیجیں۔ دُنیا کے تمام بادشاہوں سے خلیفہ حکم کے مراسم تھے۔ اور اُن سب کے شاہی کتب خانوں میں نقل کرنیوالے لوگ خلیفہ حکم کی طرف سے موجود رہتے تھے کہ تمام نایاب کتابوں کی نقلیں حاصل کریں۔ روئے زمین کے ہر ایک ملک اور ہر ایک شہر میں اس بات کی شہرت ہو گئی تھی کہ قرطبہ کا خلیفہ سب سے زیادہ مصنفین کا قدردان ہے۔ اس لئے بہت سے ایسے مصنفین تھے جو بغداد یا بصرہ وغیرہ میں رہتے تھے۔ مگر اپنی کتابیں خلیفہ حکم کے نام سے معنون کر کے دربار قرطبہ میں بھیجتے تھے۔ یونانی اور عبرانی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرانے کے لئے سینکڑوں ہزاروں علماء کا ایک زبردست محکمہ بنا دیا تھا۔ اندلس بالخصوص قرطبہ کے ہر ایک شریف آدمی کو کتاب کا شوق ہو گیا تھا۔ اور ہر گھر میں ایک کتب خانہ موجود ملتا تھا۔ صرف قرطبہ ہی میں نہیں۔ بلکہ اندلس کے ہر ایک بڑے شہر میں ایک بڑا کتب خانہ سرکاری اہتمام سے موجود و مہیا تھا۔ ہر ایک شخص جو امیر المومنین کی خدمت میں عزت و رسوخ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ کوئی نایاب اور مفید کتاب بطور ہدیہ لیکر حاضر ہوتا تھا۔ خلیفہ حکم کا ذاتی کتب خانہ اس قدر شاندار تھا کہ اُس کی عمارت قصر شاہی سے کم وسیع و شاندار نہ تھی۔ اِس کتب خانے کی عمارت کو سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا۔ سنگ مرمر ہی کا خوبصورت فرش تھا۔ جس پر سنگ سبز اور سنگ موسیٰ کی پچی کاری تھی۔ صندل۔ آبنوس اور اسی قسم کی قیمتی لکڑیوں کی الماریاں تھیں۔ ہر ایک الماری پر سنہرے حروف سے لکھا ہوا تھا۔ کہ اس الماری میں کس علم و فن کی کتابیں ہیں۔ اس دارالکتب میں ہزارہا جلد ساز اور کاتب مصروف کار رہتے تھے۔ کتابوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔ فہرست کتب چوالیس[۴۴] جلدوں میں تھی۔ اس فہرست میں صرف کتاب اور مصنف کا نام درج تھا۔ اِن کتابوں میں بہت ہی کم ایسی کتابیں ہونگی جن کو خلیفہ حکم نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ قریباً ہر ایک پر خلیفہ کے قلم سے لکھے ہوئے حواشی تھے۔ ہر ایک کتاب کے پہلے ورق پر خلیفہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصنف اور کتاب کا نام اور مصنف کا شجرۂ نسب درج ہوتا تھا۔ خلیفہ حکم کی قوت حافظہ بہت زبردست تھی۔ ساتھ ہی وہ اعلیٰ درجہ کا ذہین و نقاد بھی تھا۔ ہر قسم کی نظم و نثر بلا تکلف لکھتا تھا۔ فن تاریخ سے اس خلیفہ کو بہت شوق تھا۔ اندلس کی ایک تاریخ اس خلیفہ نے خود لکھی تھی۔ مگر وہ زمانہ کی دست برد سے ضائع ہو گئی۔ روئے زمین کے علماء

خواہ وہ کسی قوم اور کسی مذہب اور کسی علم وفن سے تعلق رکھتے ہوں۔ قرطبہ کی طرف کھچ کھچ کر چلے آتے تھے۔
غرض کہ خلیفہ حکمؒ کے زمانے میں قرطبہ تمام علوم وفنون کا ایک ہی لانظیر مرکز تھا۔ ابو علی قالی بغدادی مصنف
کتاب الامالی عبدالرحمٰن ثالث کے عہد میں وارد اندلس ہوا تھا۔ سلطان حکمؒ اس بے نظیر عالم کو ایک دم
کے لئے اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ابوبکر الازرق جو اپنے زمانے کا مشہور عالم اور مسلمہ بن عبدالملک
بن مروان کے خاندان سے تھا ۳۴۹ھ میں قرطبہ پہنچا اور ۸۵ سال کی عمر میں بماہ ذیقعد ۳۸۵ھ میں
فوت ہو کر قرطبہ میں مدفون ہوا خلیفہ حکمؒ اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن علی جو ابن مع
کے خاندان سے تھا۔ قاہرہ سے اندلس آیا اور خلیفہ حکمؒ کے علمائے دربار میں شامل ہوا۔ ابن الفرا بغدادی
اور قیاس بن عمرو وغیرہ مشہور خوشنویس تھے۔ جن کی خلیفہ حکمؒ بڑی قدر کرتا تھا۔ ابو الفرج اصفہانی اور
ابوبکر مالکی کے پاس ایک ایک ہزار دینار سرخ خلیفہ نے بھیجے۔ ابو عبداللہ محمد بن عبدون غدری دربار
قرطبہ کا اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا۔ محمد بن مفرج فقہ اور حدیث کا مشہور عالم تھا۔ ابن مغیث۔ احمد بن
عبدالملک۔ ابن ہشام القومی۔ یوسف بن ہارون۔ ابو الولید یونس اور احمد بن سعید ہمدانی مشہور
شعراء تھے۔ محمد بن یوسف وراق نے خلیفہ حکمؒ کے حکم سے افریقہ کی تاریخ مع جغرافیہ لکھی تھی۔ یحییٰ
بن محمد۔ ابو عمر احمد بن فرج۔ یعیش بن سعید خلیفہ حکمؒ کے عہد میں مشہور مورخ اور زبردست عالم تھے
جو دربار قرطبہ کی رونق تھے۔

خلیفہ حکمؒ کی علم دوستی اور عالم نوازی کی ایک حکایت قابل تذکرہ ہے کہ ایک روز ابو ابراہیم نامی
ایک فقیہ مسجد ابو عثمان میں وعظ بیان کر رہا تھا۔ اسی حالت میں شاہی چوبدار آیا اور اس نے ابو ابراہیم
سے کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو اسی وقت بلایا ہے اور وہ باہر انتظار کر رہے ہیں ابو ابراہیم نے کہا کہ
تم امیر المومنین کہہ دو کہ میں اس وقت خدا کے کام میں مصروف ہوں۔ جب تک اس کام سے فارغ نہ ہو
لوں نہیں آسکتا۔ چوبدار اس جواب کو سن کر حیران رہ گیا۔ اور ڈرتے ڈرتے جا کر خلیفہ کی خدمت میں
ابو ابراہیم کا جواب عرض کیا۔ خلیفہ حکمؒ نے سن کر چوبدار سے کہا کہ تم جا کر ابو ابراہیم سے کہہ دو کہ
میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا کہ آپ خدا کے کام میں مصروف ہیں۔ جب اس کام سے فارغ
ہو جائیں تو تشریف لائیں۔ میں اس وقت تک دربار میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ چوبدار نے یہ پیغام
آکر ابو ابراہیم کو سنایا۔ ابو ابراہیم نے کہا کہ تم جا کر امیر المومنین سے کہہ دو کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے
گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں نہ پیدل چل سکتا ہوں۔ باب السدہ یہاں سے زیادہ دور ہے مگر
باب الصنع یہاں سے قریب ہے اگر باب الصنع کے کھول دینے کی اجازت دیں تو میں اس دروازے
سے بآسانی حاضر دربار ہو سکوں گا۔ باب الصنع ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اور کسی خاص موقع پر ہی اس کے
کھولنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ابو ابراہیم اس کے بعد پھر اپنے وعظ میں مصروف ہو گیا۔ اور چوبدار
یہ پیغام بھی خلیفہ تک پہنچا کر خلیفہ کے حکم سے آکر مسجد میں بیٹھ گیا۔ جب ابو ابراہیم اپنا وعظ ختم
کر چکا تو چوبدار نے عرض کیا کہ باب الصنع آپ کے لئے کھول دیا گیا ہے اور امیر المومنین آپ کے
منتظر ہیں۔ ابو ابراہیم جب باب الصنع پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں امراء و وزراء اس کے
استقبال کے لئے موجود ہیں۔ دربار میں گیا اور خلیفہ سے باتیں کر کے اسی دروازے سے
عزت و احترام کے ساتھ واپس آیا۔

خلیفہ حکم ثانی کو بجا طور پر اندلس کا سب سے بڑا خلیفہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کے زمانے میں رُعب و وقارِ سلطنت۔ امن و امانِ مُلک۔ وسعت سلطنت۔ سرسبزی و شادابی۔ مال و دولت۔ تجارت وغیرہ چیزیں اپنے معراج کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اور سب سے زیادہ قابل تعریف اور قابل توجہ چیز علم و تعلم کی گرم بازاری تھی۔ علم کا آفتاب قرطبہ کے آسمان پر نصف النہار کو پہنچا ہوا تھا اور یہ وہ فخر ہے کہ خلیفہ حکم ثانی کے مقابلہ میں ہارون و مامون و منصور بھی پیش نہیں کر سکتے۔ خلیفہ حکم عالم بادشاہوں اور علم پرور سلاطین انجمن کا صدر اعظم ہونے کی وجہ سے فرمانروایانِ عالم میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا باقی نہیں رہتی۔ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ ایسے ذی علم۔ ایسے ذی ہوش۔ ایسے عقلمند خلیفہ کے تمام علم و عقل کو محبت پدری نے مغلوب کر لیا۔ اور اس نے اپنے ایسے بیٹے کو اپنا جانشین تجویز کیا جو اُس کی وفات کے وقت صرف گیارہ سال کی عمر رکھتا تھا۔ خلافت و سلطنت میں وراثت کو دخل دینے کی لعنت سے محفوظ رہنے کی توقع اگر ہو سکتی تھی۔ تو حکم ثانی جیسے سمجھدار خلیفہ ہی سے ہو سکتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اس معاملہ میں وہ کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ اور مامون الرشید عباسی اُس سے بازی لے گیا۔ اُس نے اوّل تو اپنے خاندان کی بھی پروا نہیں کی۔ اور ایک علوی کو اپنا ولی عہد بنایا۔ لیکن جب وہ ولی عہدِ خلافت مامون کے سامنے ہی فوت ہو گیا تو اُس کے بعد اُس کا بھائی معتصم اسکا جانشین ہوا۔ خلیفہ حکم ثانی کا بھائی مغیرہ ہر ایک اعتبار سے حکومت و سلطنت کی قابلیت رکھتا اور حکم ثانی کا بجا طور پر جانشین ہو سکتا تھا۔ مگر حکم ثانی نے مغیرہ کو محروم رکھ کر اپنے نابالغ بیٹے کو ولی عہد بنا کر اپنے آپ کو خلفائے اندلس کا آخری خلیفہ بنایا۔ حکم کے بعد بھی برائے نام خاندانِ بنو امیہ میں چند روز خلافت و حکومت رہی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حکم ثانی کے فوت ہوتے ہی بنو امیہ کی حکومت و خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ خلیفہ حکم نے اپنے بیٹے کو ولی عہد خلافت بناتے ہوئے محمد بن ابی عامر کو اُس کا اتالیق تجویز کر دیا تھا لیکن اس اتالیقی یا وزارت کا تعلق شہزادہ ہشام کی جاگیر اور اُس کے عہد ولی عہدی ہی سے تھا۔ یہ مطلب نہ تھا کہ ہشام بن حکم تخت نشین خلافت ہونے کے بعد بھی محمد بن ابی عامر کو اپنا وزیر بنائے۔ اور عہدہ حجابت عطا کرے۔ کیونکہ ایک خلیفہ کے فوت ہونے سے اُس کے حاجب کا معزول ہونا ضروری نہ تھا۔ جب تک نیا خلیفہ اُس کو خود معزول نہ کر دے۔

ہشام ثانی بن حکم ثانی اور منصور محمد بن ابی عامر

۳۶۶ھ میں جبکہ خلیفہ حکم ثانی فوت ہوا اور اُس کا بیٹا ہشام ثانی گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا ہے۔ تو خلافت اسلامیہ اندلس میں مندرجہ ذیل اشخاص سب سے زیادہ طاقتور اور قابو یافتہ تھے۔ (۱) جعفر بن عثمان مصحفی حاجب السلطنت یا وزیر اعظم یہ خلیفہ حکم کے عہدِ حکومت سے وزارت عظمیٰ کے اعلیٰ عہدہ پر مامور چلا آتا تھا۔ ذی علم۔ ذی عقل و ثروت اور سب سے زیادہ معزز شخص سمجھا جاتا تھا۔ (۲) ملکہ صبح۔ یہ حکم ثانی کی عیسائی بیوی اور ہشام بن حکم کی ماں تھی۔ خلیفہ حکم ثانی کے عہد حکومت میں بھی یہ اکثر امور سلطنت کے اندر دخیل اور قابو یافتہ تھی۔ خلیفہ حکم کو اس کی خاطر بہت عزیز تھی۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ وہ ولی عہد خلافت کی ماں تھی ساتھ ہی بہت عقلمند اور چالاک عورت تھی۔ (۳) غالب۔ یہ سپہ سالار اعظم افواج اسلامیہ اندلس تھا خلیفہ حکم ثانی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس کے ساتھ فوج کے سپاہیوں اور شہروں کے باشندوں کو محبت تھی۔ (۴) محمد بن ابی عامر بن محمد بن عبداللہ بن عامر بن محمد ولید بن یزید بن عبدالملک معافری

اس کا جدِ اعلیٰ عبدالملک معافری طارق بن زیاد فاتح اوّل کے ہمراہ وارد اندلس ہُوا تھا۔ محمد بن ابی عامر ہشام بن حکم کا اتالیق اور ملکہ صبح کی حمایت و اعانت حاصل رکھتا تھا۔ (۵) فائق خواجہ سرا۔ یہ قصر سلطانی کے محافظ دستہ کا افسر اور توشہ خانہ کا داروغہ تھا۔ (۶) جوذر خواجہ سرا۔ یہ شہر قرطبہ کے تمام بازاروں کا نگران یا کوتوال شہر تھا۔ موخر الذکر دونوں خواجہ سرا اِس قدر قابو یافتہ تھے کہ بڑے بڑے امرا اِن سے ڈرتے اور اِن کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

جب خلیفہ حکم ثانی کا انتقال ہُوا ہے۔ تو فائق و جوذر کے سوا اور کوئی اُس وقت موجود نہ تھا۔ اِن دونوں نے خلیفہ کے انتقال کے بعد مشورہ کیا کہ شہزادہ ہشام کی تخت نشینی حکومت اسلامیہ کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ خلیفہ حکم کے بھائی مغیرہ کو تخت نشین کیا جائے۔ کیونکہ وہ بارِ خلافت کے تحمل کی قوت و قابلیت رکھتا ہے۔ جوذر کی رائے یہ تھی کہ وزیر اعظم جعفر مصحفی کو سب سے پہلے قتل کر دیا جائے تاکہ مغیرہ کی تخت نشینی میں کوئی دقت پیش نہ آئے مگر فائق نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم وزیر مصحفی کے سامنے اپنا خیال بیان کریں اور اُس کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ بہت زیادہ ممکن ہے کہ جعفر ہمارا ہم خیال ہو جائے مگر وہ ہم خیال نہ ہُوا تو پھر اُس کو قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی تجویز کی موافق وزیر جعفر کو طلب کیا گیا۔ جب وزیر آ گیا تو اُس کو خلیفہ کے فوت ہونے کی اطلاع دیکر ان دونوں نے اپنی رائے ظاہر کی وزیر فوراً موقع کی نزاکت کو تاڑ گیا۔ اور اُس نے کہا کہ میں آپ دونوں کی رائے کے موافق ہی عمل کروں گا۔ مگر دوسرے اراکین سلطنت کو بھی اس مشورہ میں شریک کر لینا ضروری ہے۔ اِس طرح اِن دونوں کو دھوکا دیکر وزیر وہاں سے نکل آیا اور اپنے مکان پر آتے ہی اُس نے ارکان و اعیان سلطنت کو طلب کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو خلیفہ کی وفات کا حال سُنا کر فائق و جوذر کی رائے کا اظہار کیا اور کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اِسی وقت مغیرہ برادرِ حکم کو قتل کر دیا جائے۔ تاکہ ہر ایک فتنہ کا سدباب ہو جائے۔ اس کو سُن کر سب نے پسند کیا مگر اُس بے گناہ کے قتل کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر محمد بن ابی عامر اُٹھا اور اُس نے کہا کہ میں اِس کام کو انجام دیتا ہوں۔ جب محمد بن ابی عامر مغیرہ کے مکان پر پہنچا تو وہ سو رہا تھا۔ اس کو ابھی تک اپنے بھائی کے فوت ہونے کا حال معلوم نہ ہُوا تھا۔ بیدار ہو کر جب اُس نے محمد بن ابی عامر سے اِس حادثہ کا سُنا تو بہت غمگین ہُوا اور اپنے بھتیجے ہشام کی اطاعت کا اقرار اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ محمد بن ابی عامر نے یہ رنگ دیکھ کر اور مغیرہ کو بالکل بے ضرر محسوس کر کے جعفر مصحفی کے پاس خبر بھیجی کہ مغیرہ ہر طرح ہشام کی فرمانبرداری پر آمادہ اور بغاوت و سرکشی کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں زیادہ سے زیادہ اس قدر احتیاط کافی ہے کہ مغیرہ کو قید کر دیا جائے اُس کی جان لینے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر وزیر جعفر نے فوراً پیغام بھیجا کہ اگر تم اِس کام کو نہیں کر سکتے تو میں کسی دوسرے شخص کو بھیجتا ہوں تاکہ وہ بلا توقف مغیرہ کا کام تمام کر دے۔ یہ سُن کر محمد بن ابی عامر نے مغیرہ کو بے گناہ قتل کر دیا۔ اور جس کمرہ میں اُس کو قتل کیا تھا اُس کمرہ کو اُسی وقت تیغہ کرا دیا۔ اس کے بعد خلیفہ ہشام کی رسم تخت نشینی ادا ہوئی۔ فائق و جوذر کو اپنے منصوبے میں ناکامی ہوئی۔ انہوں نے اِس کے بعد نو عمر خلیفہ کے خلاف لوگوں میں ہلچل پیدا کرنے کی کوشش کی اور مغیرہ کے بے گناہ مارے جانے کی طرف توجہ دلائی اس سے ایک عجیب قسم کی برہمی اور ناراضی لوگوں میں پیدا ہوئی اور چند ہی روز کے بعد دارالسلطنت قرطبہ میں خبر پہنچی۔ کہ

شمالی سرحد کے عیسائی باجگزار حکمرانوں نے اسلامی علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا ہے۔ اور نو عمر خلیفہ کے تخت نشین ہونے سے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ ان حالات میں وزیر اعظم جعفر نے اپنی قابلیت کا کوئی بہترین نمونہ نہیں دکھایا اور آپس کی مخالفتوں اور رقابتوں نے بھی اس کو بدحواس اور مجبور سا کر دیا۔ آخر ملکہ صبح کے حکم و اشارے سے محمد بن ابی عامر کو وزیر جعفر کے کاموں میں اس کا شریک مقرر کیا گیا۔ چند ہی روز کے اندر محمد بن ابی عامر نے جعفر کو طاق میں بٹھا دیا۔ اور تمام امور سلطنت پر خود حاوی ہو گیا۔ اب اس کے بعد اندلس کی حکومت اسلامیہ کے جو حالات بیان ہونے والے ہیں۔ وہ درحقیقت ابن ابی عامر ہی کے کارنامے ہیں۔ اور اس لئے عنوان میں ہشام کے ساتھ ابن عامر کا بھی نام درج کیا گیا ہے۔

محمد بن ابی عامر ۳۲۵ھ میں اندلس کے مقام طرکش میں جہاں اس کا خاندان سکونت پذیر تھا۔ پیدا ہوا اگرچہ اس کا مورث اعلیٰ عبدالملک معافری ایک یمنی سپاہی پیشہ شخص تھا۔ مگر اس کے بعد اس کی اولاد میں زیادہ تر پڑھے لکھے اور ذی علم لوگ ہوتے رہے اور سپہ گری کی طرف اس خاندان کی توجہ کم رہی۔ محمد بن ابی عامر ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھا۔ کہ اس کا باپ حج سے واپس آتا ہوا علاقہ طرابلس الغرب میں فوت ہو گیا تھا۔ محمد بن ابی عامر بہت تھوڑی عمر میں قرطبہ آ کر سرکاری مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ فارغ التحصیل ہو کر اس نے ایوان شاہی کے متصل ایک دکان کرایہ پر لی اور اس میں بیٹھ کر عرائض نویسی کا پیشہ اختیار کیا۔ اجرت لیکر لوگوں کے خطوط کچہریوں میں پیش ہونے والی عرضیاں لکھ دیا کرتا تھا۔ یہی اس کا ذریعہ معاش تھا۔ اتفاقاً ملکہ صبح یعنی مادر ہشام کو ایک محرر کی ضرورت ہوئی۔ جو اس کی ذاتی جائداد کا حساب کتاب لکھا کرے کسی خواجہ سرا نے محمد بن ابی عامر کی ملکہ سے سفارش کر دی۔ چنانچہ محمد بن ابی عامر ملکہ کے یہاں محرروں میں نوکر ہو گیا۔ اس کی حسن کارگذاری کی شہرت اور ملکہ کی سفارش نے اس کو چند روز کے بعد اشبیلیہ کے محصولات کی وصولی کا افسر مقرر کر دیا۔ اس عہدے پر فائز ہو کر چونکہ اس کو قرطبہ سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ لہٰذا اس نے ملکہ صبح کی خدمت میں عرض معروض کر کے ملکہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ خلیفہ حکم کی خدمت میں سفارش کر کے اس کو قرطبہ ہی میں کوئی عہدہ دلادے چنانچہ اس کو محکمۂ دارالضرب کا افسر و مہتمم بنا دیا گیا۔ اس عہدۂ جلیلہ پر پہنچکر محمد بن ابی عامر نے اپنی قابلیت کا خوب اظہار کیا۔ ملکہ صبح کو بھی قیمتی تحائف کے ذریعہ خوش رکھا۔ وزیر مصحفی اور دوسرے امرا کو بھی اپنا ہمدرد و خیر خواہ بنا لیا۔ اور بہت جلد اس قدر اعتبار پیدا کر لیا کہ خلیفہ حکم نے مرنے سے پہلے اس کو شہزادہ ہشام کا اتالیق مقرر کر دیا۔ خلیفہ حکم کی وفات اور مغیرہ کے قتل کے بعد جب ہشام تخت نشین ہوا تو تمام کاروبار سلطنت وزیر جعفر مصحفی کے ہاتھ میں آگیا۔ سپہ سالار غالب بظاہر وزیر جعفر کا رقیب سمجھا جاتا تھا۔ ملکہ صبح پہلے سے زیادہ امور سلطنت میں دخیل اور حاوی ہو گئی تھی۔ اس کی سب عزت کرتے تھے۔ اور وہ محمد بن ابی عامر پر زیادہ مہربان تھی۔ محمد بن ابی عامر نے وزیر جعفر اور سپہ سالار غالب کو مشورے دیکر سب سے پہلے خواجہ سراؤں کے زور کو توڑ دیا۔ فائق کو میورقہ میں جلا وطن کر دیا۔ جہاں وہ گمنامی کے عالم میں فوت ہوا۔ جوذر کو استعفا دینے پر مجبور کیا گیا۔ ان کی جماعت کے لوگوں کو منتشر کر دیا گیا۔ اسی حالت میں شمالی عیسائیوں کے حملہ آور ہونے اور خراج کی ادائگی سے انکار کرنے کی خبریں پہنچیں۔ وزیر جعفر نے محمد بن ابی عامر کو فوج دیکر عیسائیوں کے مقابلہ اور سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔

بن ابی عامر نے شمالی حدود میں پہنچکر عیسائیوں کو پیہم اور عبرت آموز شکستیں دیں اور وہاں سے سالماً غانماً
واپس آیا۔ ان فتوحات کی خبریں پہلے ہی قرطبہ میں پہنچ چکی تھیں۔ اور محمد بن ابی عامر کی قبولیت اور عظمت لوگوں
میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اہل قرطبہ نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ اور دربار میں قدرتی طور پر اس کا اثر اور اختیار
پہلے سے دوچند ہو گیا۔ اب محمد بن ابی عامر نے غالب کو اپنا شریک و ہم خیال بنا کر مصحفی کو وزارت سے
معزول اور ذلیل کرا دیا۔ یہاں تک کہ اس کو قید کر دیا۔ اسی حالت میں وہ فوت ہوا۔ غالب چونکہ تمام
افواج اندلس میں محبوب و ہر دلعزیز تھا۔ لہذا اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ تھا۔ محمد بن ابی عامر نے فوجی
بھرتی جاری کی۔ جس میں شمال کے پہاڑی عیسائیوں اور مراقش و طرابلس الغرب کے بربریوں کو بھرتی کیا
ابن ابی عامر اب تنہا وزیر اعظم تھا۔ غالب کی خاطر مدارات اور تعظیم و تکریم حد سے زیادہ کرتا تھا۔ غالب
کی بیٹی سے اس نے شادی کر لی تھی۔ اس لئے غالب کی طرف سے اس کو کوئی خطرہ نہ تھا مگر چونکہ ابن ابی عامر
میں اولوالعزمی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور وہ مطلق العنان فرمانروا کی حیثیت سے اندلس میں حکومت
نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اس نے پرانی فوج کے ایک حصہ کو موقوف کر دیا۔ باقی کو غیر اہم اور مناسب موقع پر
مامور کر کے فوج کی قومی جماعت بندیوں کو درہم برہم کر دیا۔ نئی فوج کی تعداد کو بتدریج بڑھا کر زیادہ
قواعد دان اور مضبوط بنا لیا۔ اس طرح بڑی ہوشیاری کے ساتھ غالب کی قوت کو کمزور کر دیا۔ اس کے بعد
غالب کو بھی اس نے بآسانی اپنے راستے سے ہٹا دیا اور کسی قسم کا کوئی فتنہ برپا نہ ہوا۔ غالب اور
ابن ابی عامر کی کسی موقع پر تیز گفتگو ہوئی۔ سخت کلامی کے بعد زبان تیغ سے کام لینے تک نوبت
نچی نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ابی عامر کسی قدر زخمی ہوا اور غالب بھاگ کر عیسائی بادشاہوں کے پاس
لا گیا۔ اسی طرح حریفوں سے میدان خالی کرا کر ابن ابی عامر نے ملکہ صبح کے اقتدار کو امور سلطنت
سے بالکل خارج کر دیا۔ اور ہشام ثانی کو قصر خلافت کے اندر اپنے مقرر کردہ خدام میں گویا نظر
ند کر کے بٹھا دیا۔ ہشام قصر خلافت سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ محل کے اندر عیش و عشرت اور
ر لہو و لعب کے تمام سامان اس کے لئے فراہم تھے۔ اور وہ اپنی اسی حالت پر قانع اور مطمئن تھا۔
ابن ابی عامر کی پروانگی کے کوئی شخص ہشام سے مل بھی نہیں سکتا تھا۔ ابن ابی عامر نے ہر طرح
ضبوط و مطمئن ہو کر۔ فوجی اصلاح و ترتیب کی طرف توجہ کی اور بہت جلد وہ اپنی بہادر اور جرار
ج میں محبوب و ہر دلعزیز بن گیا۔ اس کے بعد اس نے عیسائیوں پر جہاد کئے اور کئی عیسائی
استوں کو ممالک محروسہ میں شامل کر کے باقیوں کو ایسی سخت سزائیں دیں کہ عیسائی سلاطین اُن کے
م سے لرزنے اور کانپنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود عیسائی سلاطین اور عیسائی سرداروں
نے اس کی فوج میں شریک ہو کر عیسائی ملکوں کو پامال کیا۔ اور خود عیسائیوں نے اپنے ہاتھ سے
نے گرجوں کو ڈھانے اور مسمار کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر ابن ابی عامر نے انکو معبدوں کی بے حرمتی
تباہی سے روک دیا۔ پھر اس نے افریقہ کی طرف توجہ کی ادھر بھی سلطنت اندلس کی
ود کو وسیع کیا۔ غرض اس نے اپنے عہد حکومت میں چھپن جہاد کئے۔ اور ہر ایک لڑائی میں
ند ہوا۔ آخری ایام حکومت میں اس نے اپنا خطاب منصور تجویز کیا۔ چنانچہ وہ نہ صرف
صور بلکہ منصور اعظم کے خطاب سے مشہور ہے سنہ ۳۹۲ھ میں ۲۷ سال کی حکومت کے
قسطلہ کے آخری جہاد سے واپس آتا ہوا مدینہ سالم میں جس کو میڈینا سلی کہتے ہیں۔

فوت ہوکر مدفون ہُوا۔

منصور اعظم کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے جیسے خلافت بغداد میں دیلمی و سلجوقی وغیرہ سلاطین کی حالت تھی۔ کہ خلیفہ برائے نام ہوتا تھا۔ اور اصل حکومت ان سلاطین کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ منصور اعظم نے اپنے آپ کو حاجب یعنی وزیر اعظم ہی کے نام سے موسوم رکھا۔ لیکن باقی تمام امور میں وہ مطلق العنان فرمانروا تھا۔ اُس نے مدینۃ الزاہرہ کے نام سے ایک قصر قرطبہ کے قریب چھ میل کے فاصلے پر تعمیر کرایا تھا۔ جو قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا اسی میں وہ تمام دفاتر اور خزائن کو لے گیا تھا۔ خطبہ میں خلیفہ ہشام کے ساتھ اُس کا بھی نام لیا جاتا تھا۔ سکہ میں بھی اُس کا نام درج ہوتا تھا۔ امراء اور ارکین سلطنت اُس کی ایسی ہی تکریم کرتے اور تمام آداب دربار اسی طرح بجا لاتے جس طرح وہ خلفائے بنو امیہ کے لئے بجالاتے تھے۔ ابن ابی عامر یعنی منصور اعظم کا وجود اندلس اور اندلس کی اسلامی حکومت و سلطنت کے لئے بہت ہی مبارک و مسعود تھا۔ اس نے لیون اور اس کی ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو خلافت قرطبہ کا براہ راست ایک صوبہ بنا لیا تھا۔ برشلونہ۔ قسطلہ اور نوار کو اُس نے خراج گذار اور پورے طور پر فرمانبردار بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ایک مرتبہ غرسیہ والی ریاست بشکنس کے پاس منصور اعظم کا کوئی ایلچی کسی ضرورت سے گیا۔ غرسیہ نے اُس کا نہایت شاندار استقبال کیا اور اپنے تمام ملک کی اُس کو سیر کرائی۔ اس سیر و سیاحت میں اس ایلچی کو معلوم ہُوا کہ کسی کلیسہ میں کوئی مسلمان عورت قید ہے جس کو راہبوں نے قید کر رکھا ہے۔ ایلچی نے واپس آکر حالات سنائے اور اس مسلمان عورت کا بھی تذکرہ کیا۔ منصور اعظم اسی وقت فوج لیکر ریاست بشکنس پر حملہ آور ہوا۔ جب حدود بشکنس کے قریب پہنچا تو غرسیہ حاضر خدمت ہُوا اور عرض کیا کہ مجھ سے کوئی حرکت گستاخانہ سرزد نہیں ہوئی۔ منصور نے کہا کہ تو نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے ملک میں کوئی مسلمان قیدی نہ رکھے گا۔ پھر فلاں گرجا میں ایک مسلمان عورت کیوں قید میں باقی ہے۔ غرسیہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کر کے قسم کھائی اور کفارہ میں اس مسلمان عورت کو منصور کے حوالے کر کے اُس گرجا کو منصور کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے مسمار کرا دیا۔ ۲۴ ماہ جمادی الاول ۳۸۷ھ کو منصور نے قرطبہ سے شہر قوریہ کی جانب کوچ کیا۔ قوریہ کو فتح کر کے جلیقیہ میں داخل ہُوا۔ یہاں عیسائی سرداروں نے آ آکر ملازمت و شرکت اختیار کی ان سب کو لیکر منصور اعظم سمندر کے کنارے تک تمام علاقے کے سرکش لوگوں کو سزا دیکر اور اُس طرف کے قلعوں کو جو سامان بغاوت تھے مسمار کرا کر بحر اطلانٹک کے چھوٹے چھوٹے جزیروں کو فتح کیا اور مفرورین کو جو وہاں جا کر پناہ گزیں ہوئے تھے گرفتار کیا۔ ساحل فرانس کے شہروں کو فتح کر کے اور اُن عمارتوں کو جو سازش خانے بنائے گئے مسمار کرنے کے بعد واپس ہُوا۔ یہ منصور اعظم کا اڑتالیسواں جہاد تھا۔

منصور اعظم علم و فضل کا ایسا ہی قدردان تھا۔ جیسا کہ خلیفہ حکم ثانی۔ وہ خود بھی عالم تھا۔ اور عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ مگر وہ لوگ جو لڑکپن میں اُس کے ہم سبق رہ چکے تھے۔ منصور اعظم کی اس عظمت و شوکت کو دیکھ دل ہی دل میں حسد کے مارے جلے بُھنے جاتے تھے۔ اُنھوں نے موقع پا کر منصور کے خلاف ایک سازش مرتب و برپا کی اور یہ الزام لگایا کہ منصور فلسفہ کی جانب زیادہ مائل ہے اور اُس پر دہریت غالب ہے مگر منصور نے اپنے خلاف اس قسم کی شہرت سن کر فوراً اس کی تلافی کی اور خود مذہبی علماء کی ایک بڑی مجلس منعقد کر کے اس قسم کی باتوں کا سدباب کر دیا۔ منصور نے

بہت سے پُل بنائے۔ جامع مسجد قرطبہ کی اس نے بھی توسیع کی۔ امن وامان اور رعایا کی خوشحالی اس کے زمانے میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ وہ ایسے مقامات پر بھی اپنی فوجیں لے گیا۔ جہاں اس سے پہلے کوئی مسلمان نہ پہنچا تھا۔ غرض منصور کا عہد حکومت ہر ایک اعتبار سے حکومت اندلس کا نہایت شاندار زمانہ تھا۔ منصور اعظم کے نام سے عیسائی سلاطین کے دل میں اس قدر خوف طاری ہوتا تھا۔ کہ اس سے زیادہ کسی اموی خلیفہ سے بھی وہ نہ ڈرتے تھے۔ منصور نے نہایت ادنیٰ درجہ کی حالت سے ترقی کرکے اپنے آپ کو حکومت و سلطنت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہونچایا اس لئے وہ دنیا کے باحوصلہ اور قابل تکریم لوگوں کی صف میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے ۳۹۲ھ میں جب وہ فوت ہوا تو اگرچہ خلافت بنوامیہ ہشام ثانی کی بے بسی و نالائقی کے سبب اپنے آخری سانس پورے کر رہی تھی۔ مگر اسلامی عظمت و شوکت اپنے معراج کمال کو پہونچی ہوئی تھی۔

منصور اعظم کے فوت ہونے کی خبر قرطبہ میں پہنچی تو بہوا خواہان خاندان بنوامیہ کو اس لئے خوشی ہوئی کہ اب ہشام ثانی جو شاہ شطرنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ آزادانہ و خود مختارانہ فرمانروائی کر سکے گا۔ چنانچہ بعض خیر خواہوں نے خلیفہ ہشام تک پہونچنے اور یہ خوشخبری سُنانے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی مگر ہشام نے منصور کے فوت ہونے کی خبر سُن کر بے حد رنج و ملال کا اظہار کیا۔ اور منصور کے بڑے بیٹے عبدالملک کے آنے تک کوئی خیال ظاہر نہیں کیا۔ جب عبدالملک شہر سالم میں اپنے باپ کو دفن کرنے کے بعد قرطبہ میں وارد ہوا تو خلیفہ ہشام ثانی نے اس کو فوراً طلب کرکے اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اور اب منصور کی مانند عبدالملک تمام سلطنت اندلس کے سیاہ و سفید کا مالک و مختار ہوا۔ خلیفہ ہشام نے اس کو سیف الدولہ اور "مظفر" کا خطاب دیا۔ مظفر نے اپنے باپ کی روش پر عمل کیا۔ اور چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۹۹ھ میں فوت ہوا۔ مظفر نے اپنے عہد حکومت میں آٹھ مرتبہ عیسائی ملکوں پر چڑھائیاں کیں اور ہر مرتبہ فتح مند ہوا۔ اس کے زمانے میں بھی علم و فن کی خوب ترقی رہی اور حکومت اسلامیہ کے اُس رُعب میں جو منصور کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا۔ کسی قسم کی نہیں آئی مظفر کے فوت ہونے پر اُس کا بھائی عبدالرحمٰن بن منصور وزارت عظمیٰ یا تخت سلطانی پر فائز ہوا۔ عبدالرحمٰن نے اپنا لقب ناصر تجویز کیا۔ ناصر کا بھائی مظفر اور اُس کا باپ منصور دونوں اگرچہ سلطنت اندلس کے خود مختار فرمانروا تھے۔ مگر وہ اپنے آپ کو وزیر اعظم یا حاجب السلطنت ہی کہتے رہے عبدالرحمٰن ناصر نے یہ دیکھ کر کہ اراکین دربار اور سرداران لشکر اور عمال و حکام سب اُسی کے خیر خواہ اور اُسی کے باپ کے ترتیب کردہ و دست گرفتہ ہیں، بلاخوف وخطر اپنے آپ کو خود مختار بنایا۔ اور خلیفہ ہشام کی ظاہری تعظیم و تکریم میں بھی قصور کرنے لگا۔ اس کے بعد ناصر نے ہشام کو مجبور کیا۔ وہ ناصر کو اپنا ولی عہد خلافت تجویز کرے۔ چنانچہ ہشام نے مجبوراً ایک فرمان کے مضمون پر جو ناصر نے لکھوا کر پیش کیا دستخط کردیئے اور ممالک محروسہ کے تمام عمال کے نام وہ فرمان بھیجا گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہمارے بعد عبدالرحمٰن ناصر کو خلیفہ بنایا جائے اور ہر خرد و بشر اس کو ولی عہد خلافت تصور کرے۔ اس فرمان میں ناصر کی عالی نسبی اور قابلیت ملک داری کی بہت تعریف کی گئی تھی۔ اس فرمان یا سند ولی عہدی کی تمام ارکان و اعیان سلطنت نے تائید و تصدیق کی اور جامع مسجد قرطبہ میں بھی اس کا اعلان کیا گیا۔ ناصر اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوا۔ مگر یہی سند ولی عہدی اور سلطانی اس کے لئے

موجب ہلاکت ثابت ہوئے۔ ناصر اپنی حکومت کے پہلے ہی سال اپنے بھائی اور باپ کی سنت کے موافق فوج لیکر سرحد کی طرف عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ قرطبہ میں قریشیوں اور مولویوں کو یہ دیکھ کر کہ حکومت و خلافت خاندان بنو امیہ سے نکل کر ایک اور خاندان میں جا رہی ہے۔ سخت ملال ہوا تھا۔ اُنہوں نے خاندان خلافت کی حمایت کے لئے لوگوں کو خفیہ طور پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ اب جبکہ ناصر معہ فوج شمالی سرحد پر گیا ہوا تھا۔ قرطبہ والوں نے قرطبہ کی موجودہ فوج کے اُن افسروں کو جو ناصر کے ہمدرد ہوا خواہ تھے قتل کر کے خلیفہ ہشام ثانی کو معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے پرپوتے محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کو تخت نشین کر کے "مہدی باللہ" کا لقب دیا۔ ناصر عبدالرحمٰن نے اس طرح ہشام کے معزول اور مہدی کے تخت نشین ہونے کی خبر سُن کر فوراً قرطبہ کی جانب کوچ کیا۔ جب قرطبہ کے قریب پہنچا تو اس کی فوج کے اکثر سردار اور بربری سپاہی خلیفہ مہدی کی خدمت میں چلے آئے۔ ناصر جب بہت ہی تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان رہ گیا تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے ناصر کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر اُتار کر قرطبہ میں خلیفہ مہدی کے پاس لے آیا۔ اس طرح حکومت بنی عامر کا خاتمہ ہوا۔ اور ساتھ ہی اندلس میں طائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوا۔

مہدی بن ہشام بن عبدالجبار ہشام نے لوگوں کی خواہش معلوم کر کے بلا توقف بذریعہ تحریر تخت خلافت سے دست برداری اختیار کی محمد بن ہشام المخاطب بہ مہدی نے اس کو قصر خلافت کے ایک حصے میں نظر بند کر دیا۔ اور اپنے ایک چچازاد بھائی محمد بن مغیرہ کو حاجب السلطنت اور دوسرے چچازاد بھائی امیہ بن الحاف کو کوتوال قرطبہ مقرر کیا۔ اس کے بعد منصور اعظم کے شہر و قصر زاہرہ کی طرف فوج بھیجی۔ وہاں کے رہنے والوں نے بلا مقابلہ و مقاتلہ دروازے کھول دیئے۔ خلیفہ مہدی کی فوج نے تمام قصر اور عمارت کو منہدم کر کے زمین کی برابر کر دیا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ کر زاہرہ کا نام نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ حادثہ ۳۹۹ھ یا ۴۰۰ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد ناصر کے قتل اور خاندان ابن ابی عامر کی حکومت کے ختم ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ اور چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ پر اندلس کی حکومت اسلامیہ کی عظمت و شان ختم ہو کر طائف الملوکی کا دروازہ کھلا۔ خلیفہ ہشام ثانی کو معزول اور خلیفہ مہدی کو تخت نشین کرنے اور سلطان ناصر کی مخالفت میں فوراً قریشیوں اور امویوں کے شریک حال بن جانے میں بربری افواج نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ لہٰذا اب خلیفہ مہدی کی حکومت و خلافت میں بربریوں اور فوجی آدمیوں کا اقتدار حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ اور خلافت کی باگ یک لخت فوجی لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ ان لوگوں نے رعایا پر تشدد شروع کیا۔ رعایا نے تنگ آ کر خلیفہ مہدی سے شکایت کی مہدی نے رعایا کی فریاد کو اس لئے نہ سُنا کہ بربریوں کو ناراض کرنا خلاف مصلحت سمجھتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل قرطبہ میں جو لوگ مہدی کے طرفدار اور اس کو تخت خلافت پر بٹھانے میں سرگرم رہے تھے سب ناراض ہو گئے اور اس تکلیف دہ حکومت سے آزاد ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ بربریوں کی زیادتیوں سے تنگ آ کر اہل شہر نے بربریوں کے چند شخصوں کو قتل کر دیا۔ خلیفہ مہدی نے ان قاتلوں کو قصاص میں قتل کیا۔ اس طرح رعایا کی ناراضی دن بدن ترقی کرتی گئی اُدھر خلیفہ مہدی بربریوں سے بھی بدل ناخوش اور فوجیوں کے اس اقتدار کو مضر سلطنت سمجھ کر

خفیہ طور پر ان کا زور توڑنے کی تدبیروں میں مصروف تھا اتفاقاً اہل لشکر یعنی بربریوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ خلیفہ ہماری تباہی و بربادی کی فکر میں ہے۔ انہوں نے یہ سنتے ہی خاندان خلافت کے ایک شہزادے ہشام بن سلیمان بن عبدالرحمٰن ثالث کو تخت خلافت پر بٹھانے اور مہدی کے معزول کرنے کی سازش کی۔ اس سازش کا حال مہدی کو معلوم ہوا تو اس نے فتنے کے برپا ہونے سے پہلے ہی ہشام بن سلیمان اور اس کے بھائی ابوبکر دونوں کو گرفتار کر کے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ ان دونوں کے مقتول ہونے کی خبر سن کر ایک اموی شہزادہ سلیمان بن حکم اپنی جان بچا کر قرطبہ سے بھاگا۔ قرطبہ سے باہر بربری لوگ جمع ہو رہے تھے۔ اور اس فکر میں تھے کہ اب کس کو تخت خلافت کے لئے منتخب کیا جائے۔ سلیمان بن حکم کو آتا ہوا دیکھ کر سب خوش ہو گئے۔ اور اس کو خلیفہ بنا کر "مستعین باللہ" کا خطاب دیا۔ اور قرطبہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ سلیمان بن حکم نے کہا کہ ہماری طاقت ابھی اس قابل نہیں ہے کہ قرطبہ کو فتح کر سکیں۔ مناسب یہ ہے کہ طاقت کو اول بڑھایا جائے یہ سوچ کر سلیمان بن حکم المخاطب بہ مستعین باللہ بربریوں کو لئے ہوئے طلیطلہ پہنچا اور احمد بن نصیب کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اس کے بعد مستعین نے مدینہ سالم کے حاکم واضح عامری سے خط و کتابت کر کے اس کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا۔ لیکن واضح عامری اس سے پیشتر خلیفہ مہدی کی بیعت کر چکا تھا۔ لہٰذا اس نے صاف انکار کیا۔ مستعین طلیطلہ سے بربریوں کی فوج لیکر مدینہ سالم کی طرف چلا۔ مہدی نے یہ سن کر کہ سلیمان نے مدینہ سالم پر حملہ کیا ہے۔ اپنے غلام قیصر کو سواروں کا ایک دستہ دیکر واضح عامری کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ مدینہ سالم کے قریب لڑائی ہوئی۔ قیصر مارا گیا۔ واضح مدینہ سالم میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ مستعین نے جب دیکھا کہ اس شہر کا فتح ہونا دشوار ہے۔ اور فوج کے لئے سامان رسد حسب ضرورت فراہم نہیں ہو سکتا ہے۔ تو اس نے ابن ادفونش عیسائی بادشاہ کے پاس سفیر بھیجکر درخواست کی کہ تم ہماری مدد کرو۔ اور حسب ضرورت سامان رسد اور فوج بھیجو تاکہ ہم قرطبہ پر حملہ آور ہو کر تخت خلافت حاصل کر لیں۔ اس پیام سلام کی خبر قرطبہ میں مہدی کے پاس پہنچی تو اس نے بھی عیسائی بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا۔ اور اپنی طرف مائل کرنے کے لئے وعدہ کیا کہ ہم تمام سرحدی قلعے اور شہر تمہارے سپرد کر دیں گے۔ دونوں کے پیغامات سن کر عیسائی بادشاہ نے مستعین کی امداد کرنی مناسب سمجھی اور ایک ہزار بیل پندرہ ہزار بکرے اور ضروری سامان مستعین کے پاس بھیجا۔ اس کے بعد فوج بھی امداد کے لئے روانہ کی۔

اب مستعین واضح کو مدینہ سالم میں علی حالہ چھوڑ کر قرطبہ کی جانب چلا اس کی فوج میں بربری اور عیسائی دونوں موجود تھے۔ مستعین کو قرطبہ کی طرف جاتا ہوا دیکھ کر واضح بھی اپنی فوج لیکر اس کے پیچھے پیچھے چلا مگر اس سے غلطی یہ ہوئی کہ قرطبہ پہونچنے سے پہلے ہی راستے میں مستعین پر حملہ آور ہوا۔ اس لڑائی میں اس کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اور بہت سے ہمراہیوں کو قتل کرا کر صرف چار سو آدمیوں کے ساتھ قرطبہ کی جانب بھاگا۔ واضح جب قرطبہ میں پہنچا اور مستعین کے حملہ آور ہونے کا حال مہدی کو معلوم ہوا تو وہ فوج لیکر مستعین کے مقابلہ کو قرطبہ سے باہر نکلا اور میدان سرادق میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سخت خونریزی کے بعد مہدی کو شکست ہوئی بیس ہزار اہل قرطبہ میدان سرادق میں مقتول ہوئے۔ بقیۃ السیف کو لئے ہوئے مہدی طلیطلہ کی جانب بھاگا۔ اور مستعین فتح مند ہو کر قرطبہ میں داخل ہوا اور تخت خلافت پر جلوس کیا۔ یہ فتح چونکہ عیسائیوں کی مدد سے مستعین کو حاصل

ہوئی تھی۔ لہذا عیسائیوں کی خوب خاطر مدارات ہوئی۔ اور قرطبہ کے علما و فضلا کا بہت بڑا حصّہ ان
عیسائی وحشیوں کے ہاتھوں شہید ہُوا۔ خلیفہ مہدی نے طلیطلہ میں پہنچکر عیسائی بادشاہ اذفونش
سے پھر خط و کتابت کی اور اُس کو اپنی مدد پر آمادہ کیا۔ عیسائی بادشاہ اس موقع کی اہمیت کو خوب پہچانتا
تھا۔ اور وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ کہ اس وقت مسلمانوں کو آپس میں لڑا لڑا کر کمزور کر دینے کا نہایت
ہی اچھا موقع حاصل ہے۔ چنانچہ اُس نے مہدی سے فوراً عہد نامہ لکھا کر جس قدر فوج اُس کی مدد کو
بھیج سکتا تھا۔ بھیجدی۔ اور اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کی کہ جو فوج مستعین کے ہمراہ گئی تھی۔ وہ ابھی
تک واپس نہیں آئی ہے۔ مہدی عیسائیوں کی امداد لیکر قرطبہ پر حملہ آور ہُوا۔ مقام عقبۃ البقر میں نہایت
خونریز جنگ کے بعد مستعین کو شکست حاصل ہوئی اور مہدی دوبارہ فاتحانہ قرطبہ میں داخل ہو کر
تخت خلافت پر متمکن ہُوا۔ عیسائیوں کی وہ فوج جو مستعین کے ساتھ تھی۔ مہدی کے لشکر میں شامل
ہوگئی۔ اور اس لڑائی میں بھی زیادہ تر مسلمان اور اہل قرطبہ ہی مارے گئے۔ مستعین نے قرطبہ سے
نکل کر تمام ملک میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اِدھر مہدی کے قرطبہ میں داخل
ہونے کے بعد عیسائی لشکر نے باشندگان دارالخلافہ کا اپنی لوٹ گھسوٹ اور قتل و غارت سے
ناک میں دم کر دیا۔ مہدی قرطبہ میں داخل ہوتے ہی عیش و عشرت میں مصروف ہوگیا۔ اس طرح تمام
ملک اندلس جو امن و امان کا گہوارہ تھا۔ بدامنی کا گھر بن گیا اور ہر ایک وضیع و شریف کو اپنی جان و
مال کا بچانا دشوار ہوگیا۔ واضح عامری مہدی کے ساتھ تھا۔ اُس نے جب ملک کو اس طرح تباہ
اور حکومت اسلامیہ کو برباد ہوتے دیکھا تو شہر قرطبہ کے باا ثر لوگوں سے مشورہ کرکے مہدی کے
معزول اور خلیفہ ہشام ثانی کے دوبارہ تخت نشین کرنے کی تیاری کی چنانچہ ۱۱ ذیحجہ سنہ ۴۰۰ھ کو
ہشام دوبارہ قید خانہ سے نکال کر تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔ اور مہدی کو سر دربار ہشام کے
عنبر و خیر نامی غلام نے قتل کیا۔

ہشام کی دوبارہ تخت نشینی

واضح عامری کو جو منصور بن ابی عامر کا آزاد غلام تھا۔ حجابت یعنی وزارت
عظمیٰ کا عہدہ ملا۔ واضح نے مہدی کا سر مستعین کے پاس وادی شوش میں بھیجا۔ اور لکھا کہ اب خلیفہ
ہشام دوبارہ تخت خلافت پر متمکن ہوچکا ہے۔ اور مہدی قتل کر دیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے۔ کہ تم خلیفہ
وقت کی اطاعت اختیار کرو۔ اور طریق سرکشی سے باز رہو۔ لیکن چونکہ مستعین کے ساتھ اس غارتگری
میں ابن اذفونش عیسائی بادشاہ بھی شریک ہوگیا تھا۔ لہذا واضح عامری کے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ
ٹھکرا دیا گیا اور ابن اذفونش اور مستعین نے مل کر قرطبہ پر حملہ کیا قرطبہ کے ارد گرد کا تمام علاقہ برباد کرکے
قرطبہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ آخر طول محاصرہ سے تنگ آکر عیسائی بادشاہ کو مستعین کی ہمراہی سے
جدا کرنے کے لئے سلام و پیام کا سلسلہ جاری ہُوا۔ عیسائی بادشاہ کی خواہش کے موافق ہشام
نے دو سو قلعے معہ چند بڑے بڑے شہروں کے جو [illegible] اذفونش کی ریاست کے
متصل تھے۔ اُس کو دیدیئے اور سند لکھ کر بھیجدی اذفونش نے اس سند کے ذریعہ اس نئے علاقہ
پر قبضہ کیا۔ اور مستعین کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مستعین اور اُس کے ہمراہی بربری برابر مصروف محاصرہ
رہے مگر چونکہ محاصرہ کمزور ہوگیا تھا۔ لہذا اب مقابلہ اور معرکہ کی یہ صورت ہوگئی کہ کبھی شہر والے
بربریوں کو مارتے ہوئے دور تک پیچھے ہٹا دیتے۔ اور کبھی بربری شہر والوں کو شکست دیکر شہر کے

اندر گھس جاتے۔ یہ حالت بہت دنوں تک جاری رہی۔ اس عرصہ میں کئی عیسائی حکمرانوں نے اپنی بغاوت اور مستعین کی مدد کرنے کا و باؤ ڈال کر دربار قرطبہ سے ابن اوفونش کی طرح سرحدی صوبوں کی سندیں حاصل کیں۔ اور بہت سا ملک عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا آخر ماہ شوال ۴۰۳ھ میں مستعین نے بزور تیغ قرطبہ پر قبضہ حاصل کیا۔ ہشام ثانی اس ہنگامہ میں یا تو قتل ہو گیا۔ یا کہیں اس طرح غائب ہوا کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔ واضح عامری اس سے چند روز پہلے قتل ہو چکا تھا۔ مستعین نے قرطبہ میں داخل ہو کر تخت خلافت پر جلوس کیا۔

مستعین باللہ مستعین کا ذکر اوپر سے چلا آتا ہے۔ اب یہ مستقل طور پر قرطبہ کا خلیفہ بن گیا۔ مگر جا بجا صوبوں کے حاکم خود مختار بادشاہ بن بیٹھے۔ ابن عباد نے اشبیلیہ میں۔ ابن افطس نے بطلیوس میں۔ ابن ذی النون نے طلیطلہ میں۔ ابن ابی عامر نے بلنسیہ و مرسیہ میں۔ ابن ہود نے سرقسطہ میں۔ اور مجاہد عامری نے دانیہ اور جزائر میں خود مختارانہ حکومتیں شروع کر دیں۔ شمالی عیسائی سلاطین نے اس مناسب موقع اور موزوں وقت سے فائدہ اٹھانے میں کمی نہیں کی۔ ہر ایک عیسائی ریاست نے اپنے حدود کو وسیع کر کے اپنے قریبی علاقوں کو اپنی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ غرض اندلس میں طائف الملوکی کا زمانہ شروع ہو گیا۔ اور حکومت اسلامیہ پارہ پارہ ہو کر بچی۔ کمزور و ناتواں ہو گئی محرم ۴۰۷ھ تک مستعین نے قرطبہ اور اس کے مضافات پر حکومت کی اور تین سال چند ماہ برائے نام خلافت کے بعد اشبیلیہ کے متصل مقام طالقہ کے میدان میں علی بن حمود سے شکست کھا کر گرفتار و مقتول ہوا۔ اور بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ درحقیقت بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ تو حکم ثانی کی وفات اور ہشام ثانی کی تخت نشینی کے وقت ہو چکا تھا۔ مگر ہشام ثانی کے زمانے میں بھی خاندان بنو امیہ کی عظمت بحیثیت خاندان خلافت باقی تھی۔ اب محرم ۴۰۷ھ میں مستعین کے قتل ہونے پر اس خاندان کی حکومت کا نام و نشان ہی اندلس سے جاتا رہا۔ مگر برائے نام ۴۲۸ھ تک بعض امویوں نے حکومت و سلطنت کے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی بعض برائے نام کامیاب بھی ہوئے۔ مگر ۴۲۸ھ کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۴۰۷ھ میں علی بن حمود (جس کا ذکر آگے آتا ہے) مستعین کو قتل کرنے کے بعد قرطبہ پر قابض اور تخت سلطنت پر متمکن ہوا ۴۱۳ھ تک وہ اور اس کا بھائی قاسم قرطبہ میں حکمران رہا ۴۱۳ھ کے آخر ایام میں ابن حمود کی حکومت منقطع ہوئی۔ اور اہل قرطبہ کی حمایت و اعانت سے عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار برادر مہدی ماہ رمضان ۴۱۴ھ میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا اور "مستظہر" کا خطاب بالقب اختیار کیا۔ اس کی حکومت کو ابھی دو مہینے گزرے تھے۔ کہ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن فتح مشہور "مستکفی" کے لقب سے تخت نشین ہو کر قرطبہ میں حکومت کرنے لگا۔ ۴۱۶ھ میں یحییٰ بن علی بن حمود نے حملہ کیا مستکفی شکست کھا کر بلاد شمالی کی جانب بھاگ گیا۔ اور وہیں فوت ہوا۔ یحییٰ بن علی بن حمود قرطبہ میں ۴۱۸ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد وزیر السلطنت ابو محمد جہور بن محمد بن جہور نے ہشام بن محمد اموی کی غائبانہ بیعت کی ہشام بن محمد ان دنوں ابن ہود کے پاس مقام لریدہ میں مقیم تھا۔ یہ سن کر کہ میرے نام پر بیعت کی گئی ہے لریدہ سے مقام بدنتہ میں چلا آیا۔ یہاں تین سال مقیم رہا اور اپنا لقب "معتمد باللہ" رکھا۔ قرطبہ میں ان دنوں روسائے قرطبہ مل کر حکومت کرتے۔ اور

ہشام بن محمدؒ کو اپنا خلیفہ مانتے ہیں۔ جب اِن امرا میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے آپس میں نمودار ہوئے تو سنہ ۴۲۰ھ میں ہشام بن محمد اموی کو مقام برنت سے قرطبہ میں لائے اور باقاعدہ تخت نشین کر کے اُس کی بیعت کی سنہ ۴۲۲ھ میں لشکریوں نے بغاوت وسرکشی اختیار کر کے ہشام بن محمدؒ کو معزول کر دیا ہشام معزول ہو کر قرطبہ سے لریدہ چلا آیا اور سنہ ۴۲۸ھ میں یہیں فوت ہو گیا۔ ہشام بن محمد پر خاندان بنو امیہ کی برائے نام حکومت وخلافت کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

عبدالرحمٰن اول نے سنہ ۱۳۸ھ میں اندلس کے اندر داخل ہو کر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ اُس کی اولاد میں ہشام بن محمدؒ کے فوت ہونے پر سنہ ۴۲۸ھ میں اس حکومت کا دو سو نوے (۲۹۰) سال کے بعد بالکل خاتمہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن اول کی اولاد میں بعض ایسے باحوصلہ اور اولوالعزم فرمانروا ہوئے کہ اُنہوں نے اندلس کو فخر الممالک بنا دیا وہ صرف ملک کی سرسبزی وشادابی میں حیرت انگریز کارنامے دکھائے بلکہ اُنہوں نے علوم وفنون کے بھی ایسے دریا بہائے کہ آج تک تمام دُنیا اُن کی قصیدہ خوانی میں مصروف ہے۔ اور پھر بھی حق ستائش ادا نہیں ہو سکا۔ موجودہ یورپ کی علمی ترقیات تمام وکمال انہیں علم دوست اور علم پرور اموی فرمانرواؤں کی رہین منت ہے۔ قرطبہ میں خلفائے اندلس نے ایسی علمی مشعل روشن کی تھی۔ جس سے تمام یورپ مستفید ہوا۔ انہیں خلفائے اندلس کی علمی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ تمام دُنیا کو علم وہنر سکھانے کا مدعی ہے۔ خلفائے اندلس کی شوکت وطاقت کا بھی یہ عالم تھا کہ تمام یورپ اُن سے کانپتا اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سلاطین یورپ ہر قسم کی ذلتیں برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اس جگہ غور کرنے کی قابل بات یہ ہے کہ ایسی شاندار سلطنت اور ایسی عظیم الشان اسلامی حکومت کے برباد ہونے کا سبب کیا تھا؟ اس کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں نے شریعت اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں قصور کیا۔ اسلام نے دُنیا کی سلطنت وحکومت کو کسی خاص خاندان یا کسی خاص قبیلہ کا حق نہیں بتایا تھا۔ مسلمانوں نے تعلیم اسلامی کے خلاف حکومت میں وراثت کو دخل دیا۔ اور باپ کے بعد بیٹے کو مستحق حکومت سمجھا۔ جیسا کہ دُنیا میں پہلے سے رواج ہو گیا تھا۔ اسی رواج کو آنحضرت صلعم نے مٹایا تھا۔ مگر مسلمانوں نے چند روز کے بعد پھر اس لعنت کو اپنے گلے میں ڈال لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نالائق ونااہل لوگ تخت حکومت پر جلوہ فرما ہونے کا موقع پانے لگے۔ قرآن کریم اور شریعت اسلام کی طرف سے غفلت اختیار کرنے کا ایک یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا ہوئی۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ اس آپس کی پھوٹ نے دشمنوں کو طاقت پہنچائی اور مسلمان برباد ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکومت بنی حمود

دولت ادریسیہ کا ذکر اوپر کسی باب میں آ چکا ہے کہ ہارون الرشید عباسی کے عہد خلافت میں ادریس کی مراقش میں خود مختار سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ یہ حکومت ادریسیہ بھی اب مراقش سے زائل ہو چکی تھی۔ منصور اعظم [illegible] عامر کے عہد وزارت وحکومت میں مراقش سے جو [illegible] لوگ [illegible]

میں آئے اُن کے ہمراہ خاندان ادریسیہ کے دو شخص جو دونوں حقیقی بھائی تھے۔ آیئے ان دونوں کے نام
علی اور قاسم تھے۔ یہ دونوں حمود بن میمون بن احمد بن علی بن عبید اللہ بن عمر بن ادریس کے بیٹے تھے
علی بن حمود اور قاسم ابن حمود منصور اعظم کی فوج میں نوکر ہو گئے انہوں نے اُن لڑائیوں میں جو عیسائیوں
کے ساتھ منصور بن ابی عامر کی ہوئیں خوب بہادری دکھائی اور اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔ ابن ابی عامر نے
خوش ہو کر ان دونوں کو فوجی افسری عطا کی۔ یہ دونوں بربری فوجوں کے اعلیٰ افسر تھے۔ اور بربری لوگ
بھی ان کی افسری سے خوش تھے۔ کیونکہ ان کا خاندان ایک عرصہ تک مراقش میں برسر حکومت رہ چکا
تھا۔ یہی دونوں بھائی تھے۔ جنہوں نے بربری فوج کو لیکر خاندان ابن ابی عامر کی بیخ کنی کی اور انہیں دونوں
نے مستعین اموی کو خلیفہ بنایا مستعین نے قرطبہ میں تخت خلافت پر جلوس کرنے کے بعد علی بن حمود
کو طنجہ اور دیگر صوبجات افریقہ کا والی مقرر کر دیا۔ چونکہ مستعین کی چند روزہ حکومت میں اندلس کے تمام
صوبے خود مختار ہو گئے۔ لہذا یہ رنگ دیکھ کر علی بن حمود نے بھی طنجہ میں خود مختارانہ حکومت شروع کر دی
اور اپنے آپ کو مستعین کی فرمانبرداری سے آزاد کر لیا۔ خیران نامی والی المیرہ کو اپنا شریک کار بنا کر
علی بن حمود نے جہازوں کے ذریعہ ساحل اندلس پر اپنی فوج اُتار دی طنجہ میں اپنے بیٹے یحییٰ کو اپنا قائم
مقام بنا آیا اور خود وارد اندلس ہو کر قرطبہ کی جانب مع فوج روانہ ہوا اور یہ مشہور کیا کہ میں خلیفہ ہشام
کے خون کا بدلہ لینے آیا ہوں۔ آخر مالقہ کے میدان میں مستعین نے قرطبہ سے روانہ ہو کر علی بن حمود کا
مقابلہ کیا محرم ۴۰۷ھ میں مستعین کو شکست فاش حاصل ہوئی علی نے بڑھ کر قرطبہ پر قبضہ کیا اور
مستعین کو گرفتار کرا کر قتل کرایا اور خود تخت نشین ہو کر حکومت شروع کی اپنا لقب "ناصر لدین اللہ"
رکھا۔ چونکہ بربری فوج کا اثر غالب تھا۔ اور بربری لوگ علی بن حمود سے خوش تھے۔ اس لئے جنگ
مالقہ کے بعد علی بن حمود کو کسی قسم کی مخالفت اور پریشانی کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ علی بن حمود کی سلطنت
کا ابتدائی زمانہ تو بہت اچھا ثابت ہوا کیونکہ وہ عدل و انصاف کی جانب زیادہ مائل نظر آتا تھا۔ مگر
بعد میں اس نے بربری لوگوں کو بھی ناراض کر دیا۔ اور رعایا پر نئے نئے ٹیکس لگائے جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ فوج اور رعایا دونوں اس سے ناراض ہو گئے یہ حالت دیکھ کر خیران صقلبی والی المیرہ نے جس کا ذکر
اوپر آچکا ہے۔ عبدالرحمٰن بن محمد کو بادشاہ مشہور کیا۔ ادھر علی بن حمود کے خاص الخاص غلاموں میں
بعض صقلبی موجود تھے۔ خیران صقلبی کی سازش سے ان صقلبی غلاموں نے ماہ ذیقعد ۴۰۸ھ میں
علی بن حمود کو حمام کے اندر قتل کر ڈالا۔ اس قتل کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو عموماً وہ خوش ہوئے اور
بربری لوگوں نے علی بن حمود کے بھائی قاسم بن حمود کو جو مستعین کے زمانے سے جزیرہ خضرا کا حاکم
تھا۔ قرطبہ میں طلب کر کے علی بن حمود کی جگہ تخت نشین کیا۔ قاسم چونکہ قرطبہ سے قریب تھا۔ اس لئے
اُس کو تخت نشین کر دیا گیا۔ مگر بربری فوج کی عام خواہش یہ تھی کہ علی بن حمود کے بیٹے یحییٰ بن علی کو طنجہ
سے بلا کر بادشاہ بنایا جائے۔ ادھر خیران صقلبی نے عبدالرحمٰن بن محمد کو لیکر ملک کا دورہ کیا۔ اور
لوگ عبدالرحمٰن کی جانب مائل ہونے لگے۔ مگر چند روز کے بعد والی غرناطہ کے مقابلے میں جو ایک بربری
سردار تھا۔ خیران صقلبی نے عین معرکہ جنگ میں دھوکا دیکر عبدالرحمٰن بن محمد کو قتل کرا دیا۔ یحییٰ
بن علی کا ایک بھائی ادریس بن علی بن حمود مالقہ کا حاکم تھا اس نے اپنے بھائی ادریس کو اپنی
مدد پر آمادہ کر کے طنجہ سے مع فوج جہازوں کے ذریعہ روانہ ہو کر اندلس میں قدم رکھا۔ اور

اپنے چچا قاسم کے خلاف حکومت کا دعویٰ کیا خیران صقلبی بھی یحییٰ سے آملا۔ یحییٰ کے بھائی ادریس نے خیران کے متعلق بھائی کو توجہ دلائی کہ یہ بڑا چالاک اور فتنہ پرداز شخص ہے۔ مگر یحییٰ نے جواب دیا کہ ہم کو اس کی امداد اور ہمدردی سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ یحییٰ معہ فوج قرطبہ کی طرف روانہ ہُوا۔ قاسم اس حملہ آوری کا حال سُن کر قرطبہ سے فرار ہُوا اور اشبیلیہ میں جا کر قاضی ابن عباد کے یہاں پناہ گزیں ہُوا۔ قاسم یکم جمادی الاول ۴۱۲ھ کو قرطبہ سے فرار ہوا اور پورے ایک مہینے کے بعد یحییٰ بن علی قرطبہ میں بلا تعرض داخل ہو کر تخت نشین ہُوا اور اپنا لقب "متعالی" رکھا۔ یحییٰ صرف شہر قرطبہ پر قابض ہو کر اپنے آپ کو اندلس کا فرمانروا سمجھنے لگا حالانکہ قرطبہ سے باہر اُس کی حکومت کو کوئی تسلیم نہ کرتا تھا۔ اور جا بجا صوبہ دار خود مختار فرمانروا کر رہے تھے۔ یحییٰ کی غفلت اور حماقت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ لوگوں میں پھر سازشوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہُوا اور قرطبہ کی فوج کے بہت سے سردار قاسم کے پاس اشبیلیہ میں جا کر اُس کو اس بات پر آمادہ کرنے لگے کہ قرطبہ پر حملہ کرو۔ اس قسم کی مخالف کارروائیوں سے مطلع ہو کر یحییٰ اس قدر خائف ہُوا کہ قرطبہ سے بھاگ کر مالقہ چلا گیا۔ اور قاسم یہ خبر سُن کر ۴۱۳ھ میں پھر قرطبہ میں آ کر حکومت کرنے لگا۔ یحییٰ مالقہ میں مقیم اور قابض و متصرف ہو گیا۔ اُس کے بھائی ادریس نے یہ دیکھ کر کہ مالقہ کی حکومت بھائی نے چھین لی۔ مالقہ سے روانہ ہو کر طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ قاسم قرطبہ میں، یحییٰ بن علی مالقہ میں اور ادریس بن علی طنجہ میں حکومت کرنے لگے۔ چند روز کے بعد امرائے بربر قاسم سے ناراض ہو گئے اُدھر باشندگان قرطبہ پھر اس خیال میں مصروف ہوئے کہ کسی اموی شہزادہ کو تخت سلطنت پر بٹھایا جائے۔ قاسم نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر امویوں کو قید و قتل کرنا شروع کیا۔ اس ظلم و تشدد کو دیکھ کر رعایا نے بغاوت اختیار کی۔ اہل شہر کی بغاوت فرو کرنے کے لئے قاسم نے بربری فوج استعمال کی شہریوں نے مجتمع ہو کر نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ اور بالآخر قاسم اور اُس کی فوج کو شکست دیکر شہر سے نکال دیا۔ بربری فوج تو شکست کھا کر یحییٰ کے پاس مالقہ کی جانب گئی اور قاسم قرطبہ سے نکلکر اشبیلیہ کی طرف آیا۔ قاسم نے اپنے بیٹے کو اشبیلیہ کا حاکم بنا کر محمد بن زیری اور محمد بن عباد کو اُس کا وزیر و مشیر بنایا تھا۔ اب قاسم کو قرطبہ سے شکست خوردہ آتے ہوئے سُن کر ان دونوں امیروں نے اشبیلیہ کا دروازہ بند کر لیا اور مقابلہ پر مستعد ہو گئے۔ قاسم نے شہر سے باہر مقیم ہو کر ان امیروں کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کو میرے پاس بھیجدو تو میں یہاں سے کسی دوسری طرف چلا جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے قاسم کے بیٹے اور رشتہ داروں کو اُس کے پاس بھیجدیا قاسم اپنے اہل و عیال کو لیکر معہ اپنے حبشی غلاموں کے قلعہ شریش میں جا کر مقیم ہو گیا۔ یہاں تک کہ یحییٰ بن علی نے ۴۱۵ھ میں قلعہ شریش کو فتح کر کے قاسم کو گرفتار و قید کر لیا اور ۴۲۷ھ میں قاسم یحییٰ کے حکم سے مقتول ہُوا۔

جس وقت قاسم قرطبہ سے فرار ہو کر اشبیلیہ کی جانب روانہ ہُوا تو قرطبہ میں چند روز تک کوئی حاکم اور سلطان نہ تھا۔ قرطبہ والوں کو یہ فکر تھی۔ کہ کسی اموی کو تخت خلافت پر بٹھائیں۔ آخر تین اموی شہزادے تاج و تخت کے مدعی ہوئے۔ ۱۵ رمضان ۴۱۴ھ کو اہل قرطبہ نے ایک مجمع عام میں ان تینوں شہزادوں میں سے ایک کا انتخاب کیا۔ یعنی عبدالرحمٰن بن ہشام کو مستظہر کے لقب سے تخت نشین کیا۔ مستظہر نے تخت نشین ہو کر اپنے وزرا کی رائے کے خلاف ابو عمران نامی ایک بربری سردار کو جو قید تھا رہا کر دیا

اور اُس کو سرداری عطا کی۔ اسی ابو عمران کی کوشش و سازش سے ۲۳ ذیقعدہ ۴۱۴ھ کو مستظہر مقتول ہُوا
اس کے بعد محمد بن عبد الرحمٰن بن عبید اللہ "مستکفی" کے لقب سے تخت نشین ہُوا۔ ۴۱۶ھ میں یحیٰی بن علی
بن حمود جو اپنے چچا قاسم کو گرفتار کر چکا تھا۔ اور سریش۔ مالقہ اور جزیرہ پر قابض و متصرف تھا۔ معہ فوج
قرطبہ کی جانب روانہ ہُوا۔ مستکفی اس حملہ آوری کی خبر سُن کر کچھ ایسا حواس باختہ ہُوا کہ قرطبہ سے شمالی
حدود کی جانب بھاگ گیا۔ اور وہیں ۲۵ ربیع الاول ۴۱۶ھ کو فوت ہو گیا۔ یحیٰی نے قرطبہ میں داخل
ہو کر اپنے ایک افسر ابن عطاف کو قرطبہ کی حکومت سپرد کی۔ اور خود مالقہ کی جانب چلا گیا۔ اور وہاں
جا کر ابو القاسم ابن عباد حاکم اشبیلیہ کو زیر کرنے کے لئے فوجی تیاریوں میں مصروف ہُوا۔ چند روز کے
بعد اہل قرطبہ نے ابن عطاف کے خلاف علم مخالفت بلند کیا۔ اور اُس کو معہ فوج قرطبہ سے نکال دیا۔
اہل قرطبہ میں ابو محمد جمہور بن محمد نامی ایک شخص سب سے زیادہ بارسوخ و باثر تھا۔ اس کے مشورہ
سے اہل قرطبہ نے ہشام اموی کو جو لریدہ میں مقیم تھا۔ اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ ہشام تین سال تک قرطبہ
میں نہ آ سکا۔ ۴۲۰ھ میں وہ داخل قرطبہ ہُوا۔ اور "معتمد باللہ" کے لقب سے تخت نشین ہُوا۔ دو
سال کے بعد ۴۲۲ھ میں فوج اور رعایائے قرطبہ نے اس کو معزول کر کے خارج کر دیا۔ اور وہ لریدہ
میں واپس آ کر ۴۲۸ھ تک زندہ رہا۔ یحیٰی بن علی نے اشبیلیہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اور اہل قرطبہ کو دھمکیاں
دیتا رہتا تھا۔ ہشام کے قرطبہ سے چلے جانے کے بعد اہل قرطبہ نے یحیٰی کی فرمانبرداری اختیار کر لی
یحیٰی نے ۴۲۶ھ میں اشبیلیہ کو اپنا مطیع کیا۔ اس طرح یحیٰی بن علی کا رُعب اس طائف الملوکی میں سب سے
زیادہ قائم ہو گیا۔ اسی سال ابو قاسم بن عباد حاکم اشبیلیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا معتضد
تخت نشین ہُوا۔ اہل شبیلیہ نے پھر علم آزادی بلند کیا اور یحیٰی بن علی نے اشبیلیہ پر حملہ کیا۔ اسی حملہ میں
یحیٰی بن علی مقتول ہُوا یہ واقعہ ۴۲۷ھ میں وقوع پذیر ہُوا۔ یحیٰی بن علی کے مقتول ہونے پر اُس کے
ہوا خواہ مالقہ میں چلے گئے جو یحیٰی کا مستقر حکومت تھا۔ وہاں اُنہوں نے یحیٰی کے بھائی ادریس بن علی کو
سبطہ سے بُلوا کر تخت نشین کیا۔ اور سبطہ کی حکومت حسن بن یحیٰی کو ملی۔ ادریس بن علی نے مالقہ میں
تخت نشین ہو کر اپنا لقب "متایدباللہ" رکھا۔ قرطبہ میں ابو محمد جمہور نے جمہوری حکومت قائم کی
ممبران کونسل نے ابو محمد جمہور کو اپنا صدر منتخب کیا اس طرح شہر قرطبہ میں ہر قسم کا امن و امان قائم
رہا۔ ادریس بن علی نے والی قرمونہ اور والی المیریہ کو اپنا شریک بنا کر اشبیلیہ پر حملہ کیا اور تین چار
سال تک اشبیلیہ کی فوجوں سے لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ۴۳۱ھ میں ادریس بن علی فوت ہُوا بعض
سرداروں نے اُس کے بیٹے یحیٰی بن ادریس کو مالقہ کے تخت پر بیٹھانا چاہا۔ بعض نے کہا کہ حسن بن یحیٰی
حاکم سبطہ مستحق تخت نشینی ہے بالآخر حسن بن یحیٰی سبطہ سے آ کر مالقہ کے تخت پر بیٹھا اور اپنا
لقب "مستنصر" رکھا ۴۳۸ھ میں حسن کی چچا زاد بہن یعنی ادریس کی لڑکی نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا
اس کے بعد تین چار سال تک اس خاندان کے غلاموں اور نوکروں نے مالقہ میں یکے بعد دیگرے
حکومت کی آخر ۴۴۳ھ میں ادریس بن یحیٰی بن علی بن حمود مالقہ کے تخت پر قابض و متمکن ہُوا۔ غرناطہ
و قرمونہ کی ریاستوں نے اس کی اطاعت قبول کی۔ ادریس بن یحیٰی نے اپنا لقب "عالی" رکھا اور
سبطہ کی حکومت اپنے باپ کے غلاموں سکوت و رزق اللہ کو عطا کی۔ ۴۴۸ھ میں محمد بن علی
بن حمود نے خروج کیا۔ اور ادریس بن یحیٰی شکست کھا کر قمارش چلا گیا۔ محمد بن ادریس نے مالقہ میں

تخت نشین ہو کر اپنا لقب مہدی رکھا اور اپنے بھائی "سنانی" کو اپنا ولی عہد بنایا۔ سنہ ۴۴۹ھ میں محمد بن ادریس نے وفات پائی اس کے فوت ہونے کی خبر سُن کر ادریس بن یحییٰ دوبارہ مالقہ میں آکر تخت نشین ہُوا سنہ ۴۵۰ھ میں ادریس بن یحییٰ نے وفات پائی اس کے بعد محمد اصغر بن ادریس بن علی بن حمود مالقہ کے تخت پر بیٹھا سنہ ۴۵۱ھ میں بادیس بن حابوس بادشاہ غرناطہ نے مالقہ پر حملہ کرکے محمد اصغر کو مالقہ سے بیدخل کر دیا۔ محمد اصغر مالقہ سے المیریہ چلا آیا۔ اور سنہ ۴۵۶ھ تک یہاں بحالت پریشان مقیم رہا سنہ ۴۵۴ھ میں ملیلہ (افریقہ) والوں کی درخواست پر افریقہ چلا گیا۔ اور وہاں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر سنہ ۴۶۰ھ تک حکومت کرتا رہا۔ محمد اصغر خاندان حمود کا آخری بادشاہ تھا۔ جس نے مالقہ میں سنہ ۴۵۱ھ تک حکومت کی۔ اسی خاندان حمود کا ایک اور شخص قاسم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ صوبہ جزیرہ میں حکمران تھا۔ وہ بھی سنہ ۴۵۰ھ تک حکمراں رہا۔ معتضد بن ابوالقاسم بن عباد بادشاہ اشبیلیہ نے حملہ کرکے سنہ ۴۵۰ھ میں جزیرہ پر قبضہ کرکے قاسم بن محمد کو گرفتار کر لیا۔ اس طرح خاندان حمود کی حکومت کا اندلس سے خاتمہ ہُوا۔

بنو عباد۔ بنو ذوالنون۔ بنو ہود وغیرہ
دیگر طوائف ملوک

خاندان بنو حمود کی حکومت کا حال اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن خاندان بنو امیہ کی حکومت چوتھی صدی ہجری کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ خاندان بنو حمود کا حال بیان کرتے ہوئے ہم سنہ ۴۵۰ھ تک پہنچ گئے۔ حالانکہ حمود کا تعلق جزیرہ نمائے اندلس کے بہت چھوٹے سے ٹکڑے کے ساتھ رہا ہے۔ ان کے ہمعصر اور بھی خاندان الگ الگ صوبوں پر خود مختارانہ حکومت کر رہے تھے۔ اُن سب کے حالات تفصیلی طور پر بیان کرنے میں زیادہ وقت اور زیادہ اوراق صرف نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا بطور اجمال ذیل میں اس طوائف الملوکی کی باقی داستان سُنائی جاتی ہے۔ اندلس کی تاریخ کے اس حصّہ کو حسرت و افسوس اور خون کے آنسوؤں سے لبریز سمجھنا چاہئے۔ ذیل میں صرف وہ قابل تذکرہ باتیں درج کی جاتی ہیں۔ جن کے وقوع کا زمانہ معلوم ہونے سے واقعات تاریخی کا تسلسل بآسانی قائم ہو سکے۔ ذیل کے واقعات کو ملاحظہ فرماتے ہوئے یہ تصور ہمیشہ قائم رکھنا چاہئے۔ کہ شمالی عیسائی حکومتیں دمبدم اپنی طاقت اور وسعت کو ترقی دے رہی ہیں۔ اور سب کی تمامتر توجہ اسی کوشش میں صرف ہو رہی ہے۔ کہ مسلمان سلاطین اندلس آپس میں دست و گریبان رہیں۔ اور وہ مسلمانوں کی دولت اور مملکت کو جہاں تک ممکن ہو۔ بآسانی غصب کرتے رہیں۔

اشبیلیہ و غربی اندلس

بنو عباد میں محمد بن اسمٰعیل بن قریش قصبہ طشانہ کا صاحب الصلوٰۃ یعنی امام تھا۔ اس کا بیٹا اسمٰعیل سنہ ۴۱۳ھ میں دربار اشبیلیہ کا وزیر مقرر ہُوا۔ سنہ ۴۱۴ھ میں اسمٰعیل بن محمد کا بیٹا ابوالقاسم محمد اشبیلیہ کا قاضی اور وزیر مقرر ہُوا۔ جب قاسم بن حمود اشبیلیہ کی جانب آیا تو ابوالقاسم محمد قاضی اشبیلیہ اور محمد بن زبیری نے اشبیلیہ پر قابض ہو کر اس کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد ابوالقاسم محمد نے محمد بن زبیری کو بھی اشبیلیہ سے نکال دیا اور خود اشبیلیہ کا حاکم بن بیٹھا

قاسم بن حمود قرمونہ کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں محمد بن عبداللہ برزالی نے ۴۰۴ھ سے اپنی خود مختار حکومت قائم کر رکھی تھی۔ چند روز وہاں رہکر قاسم بن حمود قلعہ سریش کی طرف چلا آیا تھا۔ اور محمد بن عبداللہ قرمونہ میں بدستور فرمانروا رہا۔ ابوالقاسم محمد کے بعد اُس کا بیٹا ابو عمر عباد تخت اشبیلیہ پر متمکن ہوا۔ اور اپنا لقب معتضد رکھا۔ معتضد اور محمد بن عبداللہ والیٔ قرمونہ کے درمیان متعدد لڑائیاں ہوئیں ۴۳۴ھ میں اسمٰعیل بن قاسم بن حمود نے محمد بن عبداللہ والیٔ قرمونہ کو قتل کر کے قرمونہ پر قبضہ کیا۔ چند روز کے بعد اسمٰعیل قرمونہ سے جزیرہ کی طرف چلا گیا۔ اور قرمونہ پر محمد بن عبداللہ کے بیٹے عزیز الملقب بہ مستظہر نے قبضہ کیا۔ چند روز کے بعد معتضد نے قرمونہ۔ سریش۔ ارکش۔ رندہ وغیرہ مقامات کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اونبہ اور شلطیش پر عبدالعزیز بکری خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا۔ معتضد فرمانروائے اشبیلیہ نے اُس پر چڑھائی کی اوّل تو ابن جمہور وزیر السلطنت قرطبہ نے معتضد اور عبدالعزیز کے درمیان دخل دیکر مصالحت کرا دی لیکن ابن جمہور کی وفات کے بعد ۴۴۳ھ میں معتضد نے اونبہ اور شلطیش کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اور اپنی طرف سے اپنے بیٹے معتمد کو وہاں کی حکومت سپرد کی۔ مقام شلب پر ۴۱۹ھ سے مظفر قاضی ابوبکر سعید بن مرین نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی ۴۳۲ھ میں مظفر نے وفات پائی ۴۴۳ھ میں معتضد نے شلب کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اور مظفر کے بیٹے کو وہاں کی حکومت سے بیدخل کر دیا۔ یہ علاقہ بھی معتضد نے اپنے بیٹے معتمد کو سپرد کیا۔

لبلہ میں ابوالعباس احمد بن یحییٰ نے ۴۱۴ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی ۴۳۳ھ میں وہ فوت ہوا اُسکی جگہ اسکا بھائی محمد بن یحییٰ لبلہ کا حاکم و فرمانروا ہوا۔ معتضد نے موقع پا کر لبلہ پر چڑھائی کی۔ بہت سی معرکہ آرائیوں کے بعد محمد بن یحییٰ البلد چھوڑ کر اپنے بھتیجے فتح بن خلف بن یحییٰ کے پاس قرطبہ چلا گیا۔ معتضد نے ۴۴۵ھ میں قرطبہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ابن رشیق سے المیریہ۔ ابن طیفور سے مرتلہ چھین لیا اور رفتہ رفتہ اپنی حدودِ حکومت کو خوب وسیع کر لیا۔ اور بنو عباد کی ایک مضبوط ریاست و حکومت قائم کر لی۔ دوسری طرف بادیس بن حبوس نے غرناطہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ بادیس بن حبوس اور معتضد کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ابھی یہ سلسلۂ جنگ ختم نہ ہونے پایا تھا۔ اور کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ ۴۶۱ھ میں معتضد نے وفات پائی اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا معتمد بن معتضد بن اسمٰعیل تخت نشین ہوا۔ معتمد نے بھی اپنے باپ کی طرح اپنی حدود حکومت کو وسیع کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بادیس بن حبوس نے بھی معتمد کی سیادت کو تسلیم کر لیا ۴۶۷ھ میں کیسٹل اور لیون کے عیسائی بادشاہ فردی نند اوّل نے مسلمانوں کو آپس میں مصروف جنگ دیکھ کر اپنی پوری طاقت سے ریاست اشبیلیہ پر حملہ کیا تھا۔ اُس وقت سے مسلمان رئیسوں نے اپنے مسلمان رقیبوں کے مقابلے میں فردی نند کو خراج دینا گوارا کر کے اُس سے امداد و اعانت طلب کی تھی معتضد نے بھی اس عیسائی بادشاہ کو خراج دینا منظور کر کے اس حملہ سے اپنا پیچھا چھڑایا تھا۔ ۴۵۸ھ میں فردی نند اوّل فوت ہوا اُس کی جگہ اُس کا بیٹا الفانسو چہارم کیسٹل میں تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا مغرور و متکبر شخص تھا۔ ۴۶۸ھ میں معتمد نے اپنی طاقت کو خوب مضبوط کر کے عیسائی بادشاہ کو خراج دینا موقوف کیا۔ مغربی اندلس میں بنو عباد کے علاوہ اور بھی بعض

چھوٹے چھوٹے رئیس خود مختارانہ حکومت کر رہے تھے۔ جو بنو عباد کے ماتحت نہ تھے۔ ان میں سے اکثر
عیسائی بادشاہ کے زیر حمایت آ گئے تھے۔ الفانسو چہارم اسلامی شہروں کو لوٹ کر اور مسلمان رئیسوں سے
خراج وصول کر کے خوب طاقتور ہو گیا تھا۔ اُس نے عیسائیوں کی ایک عظیم الشان فوج جمع کر کے ۴۷۸ھ
میں بنی ذوالنون کے آخری بادشاہ قادر نامی سے طلیطلہ چھین لیا اور تمام مسلمان سلاطین کو تنگ کرنا
شروع کیا۔ معتمد کے پاس بھی الفانسو چہارم کا سفیر ابن شالب نامی یہودی پہنچا۔ اور زرِ خراج کا مطالبہ
کیا۔ معتمد نے اس یہودی سفیر کے پاس بلا توقف زرِ خراج بھیجدیا۔ سفیر نے یہ روپیہ معتمد کے پاس واپس
بھیجدیا اور کہا کہ میں چاندی کے سکے یعنی روپیہ نہ لونگا۔ بلکہ سونے کے سکے یعنی اشرفیاں وصول کروں گا

جب یہ روپیہ اس پیغام کے ساتھ معتمد کے پاس پہنچا۔ تو اس نے اپنے چند سپاہی بھیجکر سفیر کو اپنے پاس
بلوایا اور اس گستاخی کی سزا میں اُس کو لکڑی کے ایک تختے پر لٹا کر اُس کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی
میخیں ٹھکوا دیں۔ اور یہودی سفیر ابن شالب نے اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں دیکھ کر معتمد سے التجا کی کہ اگر
تو مجھ کو چھوڑ دے تو میں اپنی برابر وزن کر کے سونا حاضر خدمت کروں گا۔ مگر معتمد نے اس کو ہلاک کر کے
اُس کے ہمراہیوں کو قید کر لیا۔ معتمد جانتا تھا کہ اب الفانسو چہارم کے حملہ آور ہونے میں کوئی شک و شبہ
باقی نہیں رہا۔ اُدھر الفانسو اس خبر کے سننے سے بیحد مشتعل ہوا۔ بظاہر تمام جزیرہ نمائے اندلس پر
عیسائیوں کے قابض ہو جانے اور مسلمانوں کی حکومت کے ختم ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔
کیونکہ آپس کی خانہ جنگیوں نے مسلمانوں کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ وہ عیسائیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ معتمد
نے عواقب امور پر نظر کر کے یوسف بن تاشفین بادشاہ مراقش کے پاس اپنی التجا پیش کی کہ بروقت
امداد و اعانت کا ہے ورنہ اندلس سے اسلام کا نام و نشان گم ہو جائیگا۔ یوسف بن تاشفین خاندان
مرابطین کا جو ابھی چند روز ہوئے افریقہ میں برسر حکومت آیا تھا۔ ایک نامور اور فتحمند بادشاہ تھا۔
وہ معتمد عبادی کی درخواست پر فوراً اندلس میں آیا۔ اور اشبیلیہ پہونچا اُدھر سے الفانسو چہارم اپنی جرار
فوج لئے ہوئے اشبیلیہ کی طرف بڑھا۔ میدان زلاقہ میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ ۴۸۰ھ
مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء کو ہوا۔ یوسف بن تاشفین اور معتمد کی متفقہ فوج یعنی کل اسلامی لشکر کی
تعداد بیس ہزار اور عیسائی لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ یہ لڑائی اندلس کی مشہور لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے
کیونکہ اس نے اندلس میں مسلمانوں کے قدم اَور کئی سو سال کے لئے جما دیئے اور مسلمانوں کا رعب پھر
عیسائیوں کے دلوں میں قائم کر دیا۔ اس لڑائی میں طرفین نے کس قدر کوشش و شجاعت کا اظہار کیا
اس کا اندازہ ابن اثیر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ الفانسو چہارم میدان جنگ سے صرف
تین سو آدمی لیکر فرار ہوا باقی سب کے سب وہیں کھیت رہے۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد اندلس
کو موقع حاصل تھا۔ کہ وہ اپنی حالت کو درست کر لیتے۔ مگر یوسف بن تاشفین کے مراقش واپس جانے
کے بعد امرائے اندلس میں پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ معتمد بڑا علم دوست اور عالم پرور سلطان تھا۔
مگر فتح زلاقہ کے بعد معتمد کی علمی زندگی قابل اعتراض ہوگئی۔ اگلے سال یوسف بن تاشفین پھر وارد
اندلس ہوا۔ اور اکثر امراء و سلاطین اندلس سے اقرار اطاعت لیکر اور اپنا ایک گورنر نگران چھوڑ کر واپس
گیا۔ ان سلاطین کی بداطواریوں نے یوسف بن تاشفین کو موقع دیا کہ وہ براہ راست اس ملک کو اپنی
حکومت میں شامل کرلے۔ ۴۸۴ھ میں معتمد کو یوسف بن تاشفین نے گرفتار کر کے مراقش کے ایک مقام اغمات میں

کردیا۔ جہاں وہ چار سال کے بعد ۴۸۸ھ میں فوت ہوگیا۔ اس طرح بنی عباد کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ علاوہ بنی عباد کے اور بھی چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ جن کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

صوبہ بطلیوس (غربی اندلس) میں بنو افطس کی حکومت

جب اندلس میں شیرازہ خلافت درہم برہم ہوا تو ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ معروف بہ ابن افطس نے غربی اندلس کے صوبۂ بطلیوس پر قبضہ کرکے اپنی حکومت وخود مختاری کا اعلان کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوبکر مظفر تخت نشین ہوا۔ مظفر نے نہایت استقلال کے ساتھ حکومت شروع کی۔ اس کی بنو ذوالنون اور بنو عباد سے متعدد لڑائیاں ہوئیں ۴۴۳ھ میں مظفر کو بطلیوس میں قلعہ بند اور محصور ہونا پڑا۔ آخر ابن جہور نے ان متخاصمین کے درمیان صلح کرادی ۴۶۰ھ میں مظفر نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ابو حفص عمر بن محمد معروف بہ ساجہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب متوکل رکھا۔ ۴۸۹ھ میں یوسف بن تاشفین نے بطلیوس پر قبضہ کرکے متوکل اور اس کی اولاد کو عید اضحیٰ کے روز قید حیات سے آزاد کیا۔ متوکل کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ وہ عیسائیوں سے خط وکتابت جاری رکھکر اس کوشش میں مصروف تھا کہ عیسائیوں کو اسلامی مقبوضات پر حملہ آور کرائے اور یوسف بن تاشفین کے اثر کو اندلس سے مٹائے۔ اس سازش سے مطلع ہونے کے بعد یوسف بن تاشفین کے لئے جائز ہوگیا تھا۔ کہ وہ متوکل کا نام ونشان مٹائے اور دوسرے غداروں کے لئے سامان عبرت پیدا کرے۔

قرطبہ میں ابن جہور کی حکومت

جہور بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن معمر بن یحییٰ بن ابی المغافر بن ابی عبیدہ کلبی جس کی کنیت ابن حزم تھی ۴۲۲ھ میں قرطبہ کے اندر باشندگان قرطبہ کے مشورہ سے حاکم بنایا گیا تھا۔ مگر اس نے ایک مجلس منتظمہ ترتیب دیکر اس کی صدارت قبول کی اور سب کے مشورے کو اپنی حکومت میں شامل رکھا اس نے یہ بھی احتیاط کی کہ قصر شاہی کی جگہ اپنے مکان مسکونہ ہی پر کچہری کی اور اپنے آپ کو بادشاہ یا سلطان نہیں کہلایا۔ وہ بڑا نیک دل اور پاک طینت شخص تھا۔ اس کی حکومت ہر طرح قابل تعریف تھی۔ مریضوں کی عیادت کو جاتا اور عوام کی مجلسوں میں بے تکلفانہ شریک ہوتا تھا۔ محرم ۴۳۵ھ میں فوت ہوکر اپنے مکان میں مدفون ہوا اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالولید محمد بن جہور باشندگان قرطبہ کی اتفاق رائے سے حکمران قرطبہ تسلیم کیا گیا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح اہل علم وفضل کا قدردان تھا۔ اس کا عہد حکومت تمام ملوک طوائف میں بہتر اور قابل تعریف سمجھا گیا ہے۔ ابوالولید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک قرطبہ کا حاکم ہوا۔ اس سے قرطبہ کے لوگ ناراض ہوگئے۔ بنو ذوالنون نے قرطبہ پر چڑھائی کی عبدالملک نے بنو عباد سے امداد طلب کی۔ عبادی فوجوں نے بنو ذوالنون کو تو بھگا دیا۔ لیکن خود قرطبہ پر قبضہ کرکے عبدالملک کو قید کرلیا اس طرح ۴۶۱ھ میں ابن جہور کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور معتضد عبادی نے اپنے بیٹے سراج الدولہ کو قرطبہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن سراج الدولہ کو قرطبہ میں داخل ہونے کے چند ہی روز بعد کسی نے زہر دیکر مار ڈالا۔ اور قرطبہ پر ابن عکاشہ قابض ومتصرف ہوگیا۔

غرناطہ میں ابن حابوس کی حکومت

جس زمانے میں بنو حمود نے مالقہ میں اپنی حکومت قائم کی تھی اسی زمانے میں ایک بربری سردار زاوی بن زیری مناد نے غرناطہ میں اپنی حکومت قائم کی۔ اندلس میں خانہ جنگی کا سلسلہ جاری ہوا۔ تو ۴۱۰ھ میں امیر زاوی اپنے بیٹے کو غرناطہ میں اپنا قائم مقام بناکر خود شاہ قیروان کے پاس افریقہ گیا۔ زاوی کی غیر موجودگی میں زاوی کے بھائی ماکسن بن زیری نے غرناطہ پر قبضہ کرکے اپنے بھتیجے کو بید قتل کردیا۔ اور خود غرناطہ کا بادشاہ بن گیا۔ ۴۲۹ھ میں ماکسن بن زیری کا انتقال ہوگیا۔ اس کے

بیٹا بادیس جو ابن حابوس کے نام سے مشہور ہے۔ تخت نشین ہوا۔ ابن حابوس کی ابن ذی النون اور ابن عباد سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ابن حابوس کا وزیر اعظم اسمٰعیل نامی ایک یہودی تھا۔ سنہ ۴۶۷ھ میں ابن حابوس کا انتقال ہوا اُس کی جگہ اُس کا پوتا ابو محمد عبداللہ بن بلکین بن بادیس تخت نشین ہوا۔ اور اپنا خطاب "مظفر" رکھا۔ اِس نے اپنے بھائی تمیم کو اپنے دادا کی وصیت کی موافق مالقہ کی حکومت پر مامور کیا۔ سنہ ۴۸۳ھ میں مرابطین نے ان دونوں بھائیوں کو معزول و جلاوطن کر کے اغمات کی طرف بھیج دیا۔

طلیطلہ میں بنو ذوالنون کی حکومت جب اندلس میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو سنہ ۴۱۹ھ میں اسمٰعیل بن ظافر بن عبدالرحمٰن سلیمان بن ذی النون نے قلعہ اقلنتین پر قبضہ کر لیا۔ طلیطلہ کا عامل یعیش بن محمد بن یعیش طلیطلہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے قابض و متصرف ہو گیا تھا۔ جب سنہ ۴۲۷ھ میں وہ فوت ہوا تو طلیطلہ کی فوج کے سرداروں نے اسمٰعیل کو قلعہ اقلنتین سے طلب کیا کہ آ کر طلیطلہ پر قبضہ کر لو۔ چنانچہ اسمٰعیل بلا مزاحمت طلیطلہ پر قابض ہو گیا۔ اور نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ سنہ ۴۲۹ھ میں اسمٰعیل بن ظافر فوت ہوا۔ تو اُس کا بیٹا ابو الحسن یحییٰ تخت نشین ہوا اور اپنا خطاب مامون رکھا۔ مامون نے بڑے زور شور سے حکومت کی اس کی شوکت و عظمت طوائف ملوک میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ اس سے سرحدی عیسائی امراء کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ منصور اعظم ابن ابی عامر کی اولاد سے ایک شخص مظفر نامی صوبہ بلنسیہ پر قابض تھا۔ مامون نے سنہ ۴۳۵ھ میں بلنسیہ سے اُس کو بیدخل کر کے اپنی حدودِ حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد مامون قرطبہ پر حملہ آور ہوا اور قرطبہ کو بنو عباد کے قبضے سے نکال لیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے ابو عمر کو اہل قرطبہ نے قتل کر ڈالا۔ سنہ ۴۶۷ھ میں مامون کو بھی کسی نے زہر دیکر مار ڈالا۔ اس کے بعد طلیطلہ کی حکومت اس کے پوتے قادر بن یحییٰ بن اسمٰعیل کے قبضے میں آئی۔ سنہ ۴۷۸ھ میں الفانسو کیسٹل کے عیسائی بادشاہ نے طلیطلہ پر چڑھائی کی۔ قادر بن یحییٰ نے طلیطلہ کو خالی کر دیا۔ اور الفانسو چہارم سے یہ شرط ٹھہرائی کہ صوبہ بلنسیہ پر قبضہ حاصل کرنے میں میری مدد کرنی ہو گی۔ بلنسیہ پر ان دنوں قاضی عثمان بن ابوبکر بن عبدالعزیز قابض و متصرف تھا۔ باشندگان بلنسیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ الفانسو چہارم قادر کی حمایت میں بلنسیہ پر فوجکشی کرے گا۔ تو اُنہوں نے خود ہی عثمان بن ابوبکر کو معزول کر کے قادر بن یحییٰ کو بُلا کر اپنا حاکم بنا لیا۔ سنہ ۴۸۱ھ میں قادر نے وفات پائی۔

سرقسطہ میں بنو ہود کی حکومت جب ملک اندلس میں فتنہ و فساد برپا ہوا تو سرقسطہ میں منذر بن مطرف بن یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن محمد حاکم تھا۔ اوّل منذر نے مستعین کا ساتھ دیا بعد میں اُس کی رفاقت ترک کر دی چند روز کے بعد منذر نے سرقسطہ کے صوبہ پر خود مختارانہ حکومت شروع کر کے اپنی آزادی و استقلال کا اعلان کیا اور اپنا خطاب "منصور" رکھا۔ جلیقیہ و برشلونہ کے عیسائی سلاطین سے عہد و پیمان قائم کئے سنہ ۴۱۴ھ میں جب منصور فوت ہوا تو اُس کا بیٹا مظفر سرقسطہ میں تخت نشین ہوا۔ اس زمانہ میں ابو ایوب سلیمان بن محمد بن ہود بن عبداللہ بن موسیٰ بن سالم مولیٰ (ابو حذیفہ کے آزاد غلام) شہر تطیلہ پر قابض و متصرف تھا۔ سنہ ۴۳۱ھ سلیمان نے مظفر کو مغلوب و گرفتار کر کے قتل کیا اور سرقسطہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ مظفر کا بیٹا یوسف لریدہ پر حکمرانی کرنے لگا۔ اور مظفر کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ چند روز کے بعد سنہ ۴۳۸ھ میں سلیمان فوت ہو گیا اور اُس کا بیٹا احمد باپ کی جگہ مقتدر باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ مقتدر باللہ نے یوسف کے خلاف فرانس اور بشکنس کے عیسائی سلاطین سے

طلب کی چنانچہ عیسائی سلاطین مقتدر کی مدد کو آئے یوسف نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور سرقسطہ میں مقتدر اور عیسائیوں کو محصور کر لیا۔ یہ سنہ ۴۷۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس محاصرے میں یوسف کو ناکامی ہوئی عیسائی سلاطین اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔ مقتدر سرقسطہ میں سنہ ۴۷۴ھ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا یوسف سرقسطہ میں تخت نشین ہوا اور اپنا لقب موتمن رکھا۔ یوسف موتمن علوم ریاضیہ میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ اس فن میں اس نے الاستہلال اور المناظر وغیرہ کئی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں سنہ ۴۷۸ھ میں یوسف موتمن نے وفات پائی۔ اسی سال عیسائیوں نے طلیطلہ کو قادر ذی النون کے قبضے سے نکال لیا تھا۔ یوسف موتمن کے بعد اس کا بیٹا احمد تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب مستعین رکھا۔ اس کے عہد حکومت میں عیسائیوں نے مقام وشقہ کا محاصرہ کر لیا احمد مستعین نے وشقہ کو چھڑانے کے لئے سرقسطہ سے کوچ کیا سنہ ۴۸۹ھ میں بمقام وشقہ عیسائیوں کے مقابلہ میں سخت جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں احمد مستعین کو شکست ہوئی اور دس ہزار مسلمان میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ احمد مستعین سرقسطہ میں آکر حکومت کرنے لگا۔ عیسائی چونکہ وشقہ میں فتحمند ہو کر جیرہ دست ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے کامل تیاری کے بعد سنہ ۵۰۳ھ میں سرقسطہ پر چڑھائی کی۔ احمد مستعین نے سرقسطہ سے نکلکر مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں احمد مستعین نے جام شہادت نوش کیا۔ سرقسطہ کے تخت پر احمد مستعین کا بیٹا عبدالملک متمکن ہوا۔ اور عماد الدولہ اپنا خطاب رکھا۔ لیکن سنہ ۵۱۲ھ میں عیسائی باغیوں نے سرقسطہ پر قبضہ کر کے عماد الدولہ کو نکال دیا۔ عماد الدولہ نے سرقسطہ کی ریاست کے ایک قلعہ روطہ میں جا کر پناہ لی اور وہیں سال بھر مقیم رہنے کے بعد سنہ ۵۱۳ھ میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا احمد قلعہ روطہ میں سیف الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے آبائی ملک کو عیسائیوں سے واپس لینے کے لئے بہت کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر قلعہ روطہ بھی عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر کے معہ اہل خاندان طلیطلہ میں آکر رہنے لگا اور وہیں سنہ ۵۳۶ھ میں فوت ہو گیا۔

جزائر شرقیہ میورقہ و منورقہ و سردانیہ وغیرہ

سنہ ۲۹۰ھ میں عصام خولانی نے جزیرہ میورقہ کو فتح کیا تھا۔ اور وہی سلطان اندلس کی طرف سے وہاں کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ عصام کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ باپ کی جگہ گورنر میورقہ مقرر ہوا سنہ ۳۵۰ھ تک اس نے حکومت کی۔ اس کے بعد خلیفہ ناصر نے اپنے خادم موفق کو اس جزیرہ کا حاکم مقرر کیا۔ موفق نے فرانس کے ملک پر کئی مرتبہ جہاد کیا۔ سنہ ۳۵۹ھ میں موفق فوت ہوا۔ اس کا خادم کوثر نامی اس جزیرہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے سنہ ۳۸۹ھ وفات پائی منصور نے اپنے غلام مقاتل نامی کو اس جزیرہ کی حکومت پر مامور کیا۔ سنہ ۴۰۳ھ میں مقاتل فوت ہوا اس کے بعد مجاہد بن یوسف بن علی عامری گورنر میورقہ مقرر ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ حاکم ہوا۔ عبداللہ نے سنہ ۴۰۵ھ میں سردانیہ کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ سنہ ۴۶۸ھ مبشر نامی ایک شخص اس جزیرہ کا حاکم ہوا۔ اب تک جزیرہ میورقہ و منورقہ و سردانیہ طوائف ملوک میں سے کسی نہ کسی کے ماتحت سمجھے جاتے تھے مبشر نے ان جزیروں کی خود مختارانہ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور فرانس کے ساحل پر اتر کر برابر مصروف جہاد رہا۔ یہاں تک کہ برشلونہ و فرانس کے عیسائی سلاطین نے میورقہ پر ہر چہار سمت سے جنگی جہاز بھیجکر محاصرہ کیا۔ مبشر نے علی بن یوسف بن تاشفین سے امداد طلب کی۔ علی کے جنگی جہازوں نے عیسائیوں کو مار کر بھگا دیا۔ اس کے بعد ان جزائر کی حکومت مرابطین کے قبضے میں چلی گئی۔ ان کے

اور موحدین حکمران ہوئے۔ اُن کے آخر ایام حکومت میں ان جزائر پر عیسائیوں کا قبضہ ہُوا۔

عیسائیوں کی چیرہ دستی اور اندلس پر مرابطین کی حکومت

حالات و واقعات کے سلسلہ کو مربوط کرنے کے لئے ہم کو پھر کسی قدر پیچھے واپس جانا پڑے گا۔ جزیرہ نما اندلس میں جب اسلامی شہنشاہی کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔ تو وہ عیسائی ریاستیں جو مسلمانوں کی کم التفاتی و بے پروائی کے سبب شمالی سرحدوں پر موجود تھیں اور اُنکا وجود مسلمانوں کے رحم و کرم پر منحصر تھا۔ اب اپنی ترقی کے خواب دیکھنے لگیں۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ کہ طوائف الملوکی کے پیدا کرنے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کو جاری رکھنے کے لئے عیسائیوں نے خوب موثر کوششیں کی تھیں اور انہوں نے کوئی موقع اور کوئی وقت ضائع نہیں ہونے دیا۔ الفانسو چہارم نے ۴۶۵ھ میں خود بھی مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں تمام عیسائی سلاطین کو جو اسلامی اندلس کی سرحدوں پر موجود تھے۔ تیاری و حملہ آوری کی ترغیب دی اور تمام عیسائیوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کیا۔ اس نے ۴۷۸ھ میں طلیطلہ کو القادر بادشاہ کے قبضے سے نکال کر اپنی حکومت میں شامل کیا۔ طلیطلہ میں اُس نے اول اول مسلمانوں کو وعظ و پند اور پادریوں کی تبلیغ کے ذریعہ مذہب عیسوی اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب اُس کو اس کوشش میں قطعاً ناکامی ہوئی۔ اور ایک مسلمان نے بھی عیسائیت کو قبول کرنا پسند نہ کیا تو الفانسو چہارم نے مسلمانوں پر سختیاں شروع کیں مسجدوں کو منہدم کرنے بڑی بڑی مسجدوں کو گرجا بنا لینے میں تامل نہیں کیا گیا۔ دوسری طرف ارغون کے عیسائی بادشاہ نے صوبہ بلنسیہ پر فوجکشی کی دھوکے سے اسلامی فوجوں کو قتل کیا۔ رومیر نامی عیسائی بادشاہ نے سرقسطہ کو مسلمانوں سے چھین لیا۔ اور وہاں کی مسجدوں کے ڈھانے اور مسمار کرنے میں خدا باک نہیں کیا۔ اس موقع پر قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ مسلمان اب تک بارہا عیسائیوں کو ہزیمتیں دے کر اُن کے شہروں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ لیکن کسی ایک موقع پر بھی عیسائیوں نے مسلمانوں سے یہ سنگدلی نہیں دیکھی تھی۔ کہ انہوں نے عیسائیوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہو۔ عیسائیوں نے جب مسلمانوں کے شہروں کو فتح کیا تو اُن کی تلوار سے پُرامن اور بے ضرر رعایا کے بچے۔ بوڑھے۔ عورتیں سب قتل ہوئے اس کے بعد بھی مسلمانوں کو جب کبھی عیسائیوں پر فتوحات حاصل ہوئیں۔ انہوں نے عیسائیوں کی عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو مطلق ہاتھ نہیں لگایا۔ الفانسو چہارم نے طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے بعد حکومت اشبیلیہ کی حدود میں قدم بڑھانے کی جرأت کی۔ اشبیلیہ کا بادشاہ معتمد بن معتضد عبادی چونکہ بادشاہ المیریہ سے برسرِ جنگ تھا۔ اُس نے فوراً زرِ خراج الفانسو چہارم کے پاس روانہ کیا اور اس بلا کو اپنے سر سے ٹالنا چاہا۔ آخر الفانسو چہارم نے معتمد کے پاس پیغام بھیجا کہ میری بیوی جو حاملہ ہے اُس کو تا وضع حمل مسجد قرطبہ میں رکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہیں بچہ پیدا ہو اس کے قیام کا بندوبست کر دو اور قصر زہرا بھی اُس کے لئے خالی کر دو۔ قرطبہ ان دنوں معتمد کی حدود حکومت میں شامل تھا معتمد نے الفانسو

کی اس درخواست کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور اُس کے یہودی سفیر کو جس کا ذکر اوپر آچکا ہے گستاخی کی سزا میں قتل کر دیا۔ الفانسو چہارم یہ سنتے ہی دریائے وادی الکبیر کے کنارے اشبیلیہ کے محاذی آکر خیمہ زن ہوا اور معتمد کو لکھا کہ فوراً شہر اور محلات شاہی میرے لئے خالی کر دو۔ معتمد نے اس خط کی پشت پر جواب لکھ کر بھیجدیا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھ کو تیری گستاخیوں کا مزا چکھا دینگے۔ اس مختصر جواب سے الفانسو کے قلب پر رُعب طاری ہو گیا۔ اور وہ اشبیلیہ پر حملہ کی جرأت نہ کرسکا مگر اُس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ تمام مُلک اندلس میں مشہور کر دیا کہ معتمد عبادی نے یوسف بن تاشفین کو اپنی مدد کے لئے مراقش سے بُلایا ہے۔ اس خبر کے شہرت دینے میں مصلحت یہ تھی کہ رؤساء اندلس مراقش کے بادشاہ کا اپنے ملک میں داخل ہونا سخت ناپسند کرتے اور اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔ حالانکہ عیسائیوں سے معاہدے کرنے اور عیسائیوں کو خراج ادا کرنے میں اُن کو شرم نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مسلمان سلاطین نے معتمد بن معتضد عبادی بادشاہ اشبیلیہ کو لعنت ملامت کے خطوط لکھے کہ تو نے یوسف بن تاشفین کو کیوں اندلس میں بُلانا گوارا کیا۔ معتمد نے اُن سب کو یہ جواب لکھا کہ

"مجھ کو خنزیروں کی پاسبانی سے اونٹوں کی نگہبانی کرنا پسند ہے۔"

مطلب اس کا یہ تھا کہ الفانسو مجھ کو گرفتار کر کے خنزیروں کے چرانے کی خدمت لیگا۔ اور یوسف بن تاشفین اگر اندلس پر خود قابض ہو کر اور مجھ کو گرفتار کر کے مراقش لے گیا تو وہاں مجھ سے اونٹ چرانے کا کام لے گا۔ یعنی مَیں الفانسو کا قیدی بننا گوارا نہیں کرتا یوسف کا قیدی بننا گوارا کرسکتا ہوں۔ اس کے بعد معتمد نے ایک وفد یوسف بن تاشفین کے پاس روانہ کیا۔ اور عیسائیوں کے مقابلے میں مدد طلب کی یوسف بن تاشفین فوراً وارد اندلس ہوا۔ الفانسو بھی اس زبردست دشمن کے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ اور اس نے ہر طرف سے بہادر اور تجربہ کار جنگجو فراہم کر کے ساٹھ ہزار تک اپنے لشکر کی تعداد بڑھالی۔ اس زبردست لشکر کو دیکھ کر الفانسو نے ازراہِ کبر و غرور کہا کہ اگر میرے مقابلے کو آسمان سے فرشتے بھی اتر آئیں تو میں اس لشکر سے اُن کو بھی شکست دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد الفانسو نے یوسف بن تاشفین کو جبکہ وہ معتمد کے اشبیلیہ میں پہنچ چکا تھا۔ ایک خط بھیجا اس خط میں اپنی کثرت فوج اور طاقت و قوت کا ذکر کر کے یوسف کو مغلظات گالیاں بھی دی تھیں۔ یوسف نے اپنے معتمد ابوبکر بن القصیر کو اس خط کا جواب لکھنے کے لئے حکم دیا۔ ابوبکر نے ایک نہایت مدلل و مطوّل مسودہ لکھ کر پیش کیا۔ یوسف نے یہ کہکر کہ اس قدر عبارت آرائی کی ضرورت نہیں ہے الفانسو کے خط کی پشت پر یہ جملہ اپنے قلم سے لکھ کر روانہ کر دیا کہ

"جو ہونا ہے گا وہ دیکھ لے گا"

اس مختصر جواب کو پڑھ کر الفانسو خوف زدہ ہو گیا۔ آخر زلاقہ کے میدان میں جنگ عظیم برپا ہوئی۔ اسلامی لشکر کی کل تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ اور عیسائی لشکر ساٹھ ہزار سے زیادہ تھا۔ بروز چہار شنبہ ۱۰ رجب ۴۷۹ھ جب اسلامی لشکر آگے بڑھا تو الفانسو نے پیغام بھیجا کہ ہم ہفتہ کے روز نبرد آزما ہوں گے یوسف و معتمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا لیکن الفانسو نے اسلامی لشکر کو دھوکا دیا تھا اُس نے جمعہ کے روز بے خبری میں حملہ کیا۔ اس سے اسلامی لشکر میں ایک قسم کی پریشانی

نمودار ہوئی۔ لیکن مسلمانوں نے سنبھل کر عیسائیوں کے حملہ کو روکا اور بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ معتمد کی ران کے نیچے اس روز تین گھوڑے ہلاک ہوئے اور وہ بڑی بہادری سے لڑا۔ یوسف نے جب حملہ کیا تو عیسائی تاب مقابلہ نہ لا سکے۔ الفانسو بھی اس لڑائی میں زخمی ہوا اور اپنی تمام فوج اس میدان میں کٹوا کر ۲۰ ماہ رجب سنہ ۴۷۹ھ کو چند سو آدمیوں کے ساتھ میدان زلاقہ سے فرار ہوا۔ اسلامی لشکر اس فتح کے بعد چار روز یعنی ۲۴ ماہ رجب تک اسی میدان میں مقیم رہا۔ معتمد نے مال غنیمت کی نسبت یوسف بن تاشقین کی خدمت میں عرض کیا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ یوسف نے کہا کہ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ مال غنیمت حاصل کرنے نہیں آیا۔ زلاقہ سے یوسف و معتمد دونوں اشبیلیہ آئے یہاں یوسف چند روز مقیم رہکر افریقہ واپس چلا گیا۔ الفانسو اس شکست کے بعد مخبوط الحواس سا ہو گیا تھا۔ مگر مسلمان روساء نے عیسائیوں کی اس عظیم الشان شکست سے کوئی فائدہ اُٹھانا نہیں چاہا۔ بلکہ پہلے کی طرح پھر خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھ کر عیسائیوں نے پھر ہمت کی اور فوجی تیاریوں میں مصروف ہو کر مسلمانوں کے قبضے سے شہروں کو نکالنا شروع کر دیا۔ اور اشبیلیہ کے بعض قلعوں پر بھی قابض ہو گئے۔ ماہ ربیع الاوّل سنہ ۴۸۱ھ میں امراء اندلس کی درخواست پر یوسف بن تاشقین کو پھر اندلس میں آنا پڑا۔ مگر اس مرتبہ اندلس کے مسلمانوں کی ذلت و بدنصیبی یہاں تک ترقی کر چکی تھی کہ وہ یوسف بن تاشقین کے ساتھ ایک کیمپ میں شامل ہو کر بھی آپس میں لڑنے سے باز نہ رہے۔ یوسف اس حالت کو دیکھ کر بیداشتہ خاطر ہوا اور مراقش کی جانب واپس چلا گیا۔ دو سال کے بعد سنہ ۴۸۳ھ میں یوسف بن تاشقین عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے پھر اندلس میں آیا۔ کیونکہ اندلس کے مسلمان سلاطین یوسف بن تاشقین کو اپنا سرپرست تسلیم کر چکے تھے۔ اور عیسائیوں کو اپنے مقبوضات پر حملہ آور دیکھ یوسف بن تاشقین سے خواہان امداد ہوا کرتے تھے۔ اس مرتبہ یوسف بن تاشقین عیسائی فوجوں کو پیچھے ہٹاتا اور شکست دیتا ہوا شہر طلیطلہ کے سامنے جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ الفانسو چہارم نے طلیطلہ کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا اور وہ طلیطلہ میں موجود تھا۔ یوسف نے طلیطلہ کا محاصرہ کر کے اُمرائے اندلس سے امداد چاہی کہ محاصرہ کو کامیاب بنانے میں شریک ہوں۔ لیکن کسی نے مدد نہ کی بالخصوص عبداللہ بن بلکین بادشاہ غرناطہ نے کہ اُس پر یہ ذمہ داری زیادہ عاید ہوتی تھی مطلق التفات نہ کیا۔ یوسف کو مجبوراً محاصرہ اُٹھا کر طلیطلہ سے واپس ہونا پڑا اور اُس نے امرائے اندلس کو ٹھیک بنانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اُس نے عبداللہ حاکم غرناطہ اور اُس کے بھائی تمیم حاکم مالقہ کو گرفتار کر لیا۔ اور افریقہ بھیجدیا۔ اس کے بعد ماہِ رمضان المبارک سنہ ۴۸۳ھ میں یوسف بن تاشقین اپنے بھتیجے اور سپہ سالار سیر بن ابی بکر بن تاشقین کو معہ فوج اندلس میں عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے چھوڑ کر خود افریقہ چلا گیا۔ اس سپہ سالار نے الفانسوں پر فوج کشی کی اور کئی مقامات اُس سے لڑ کر چھین لئے۔ اس جہاد میں اندلس کے مسلمان امرا کو سیر بن ابی بکر کی امداد کرنی لازمی تھی۔ مگر ان بدبختوں نے اُس کی امداد اور عیسائیوں کے مقابلے سے صاف انکار کر دیا۔ سیر بن ابی بکر نے امراءِ اندلس کی نالائقیوں پر کوئی التفات نہ کر کے اپنی فتوحات اور عیسائیوں کے مقابلے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک معقول حصۂ ملک معہ صوبۂ پرتگال عیسائیوں سے چھین لیا اور بعض عیسائی رئیسوں سے اقرار اطاعت بھی لے لیا۔ جب اس سپہ سالار کے قبضے میں ایک حصۂ ملک بھی آ گیا۔ اور اندلس میں اُس کے قدم اچھی طرح

جم گئے۔ تو انہوں نے یوسف بن تاشفین کو لکھا کہ ہمارے قبضہ میں جزیرہ نما کے اندر ایک کافی رقبہ آ گیا ہے جو ہم نے عیسائیوں سے فتح کر لیا ہے۔ لیکن اندلس کے مسلمان امرا نے ہماری مطلق امداد نہیں کی اور وہ بجائے ہمارے عیسائیوں کے ساتھ مودت و محبت کے تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور اپنے طرز عمل سے اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کی نسبت بھی کوئی حکم صادر فرمایا جائے۔ یوسف بن تاشفین نے سیر بن ابی بکر کو لکھا کہ تم عیسائیوں پر جہاد کے سلسلہ کو جاری رکھو اور امرائے اندلس سے پھر امداد و اعانت کی خواہش کرو اگر وہ اس کام میں تمہارے شریک ہو جائیں تو ان سے تعرض نہ کرو اور اگر وہ عیسائیوں کے مقابلے میں تمہاری حمایت و ہمدردی نہ کریں تو تم ان کے ملکوں کو بھی ان سے چھین لو مگر اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھو کہ اول ان مسلمان امرا کی ریاستوں پر قبضہ کرو جو عیسائیوں کی سرحد پر واقع ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے قبضے سے نکل کر کوئی مقام عیسائیوں کے قبضے میں نہ جا سکے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور سب سے پہلے سیر بن ابی بکر نے ابن ہود بادشاہ سرقسطہ کی طرف توجہ کی یہ وہ زمانہ تھا کہ سرقسطہ اس سے پہلے ہی عیسائیوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ سرقسطہ کا مسلمان بادشاہ مقام روطہ میں مقیم اور اسی کے نواحی علاقے پر قابض تھا۔ روطہ کو سیر نے باسانی فتح کر لیا۔ اس کے بعد ماہ شوال ۴۸۳ھ میں عبدالرحمٰن بن طاہر سے مرسیہ چھین کر اس کو افریقہ کی جانب بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد المیریہ اور بطلیوس پر بھی قبضہ کر لیا گیا پھر قرمونہ۔ بیجہ۔ بلات۔ مالقہ۔ قرطبہ وغیرہ مقامات کو تسخیر کیا۔ معتمد بادشاہ اشبیلیہ نے مرابطین کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کی۔ یہی سب سے بڑا اور طاقتور بادشاہ تھا۔ جو اندلس میں باقی رہ گیا تھا۔ اس نے الفانسو چہارم سے بھی امداد طلب کی۔ چنانچہ الفانسو نے عیسائیوں کی ایک فوج معتمد کی مدد کے لئے بھیج دی۔ اس امدادی فوج کے آنے کا حال سن کر سپہ سالار سیر بن ابی بکر نے فوراً ایک طرف اشبیلیہ کا محاصرہ کیا اور دوسری طرف ایک سردار کو عیسائی لشکر کی روک تھام کے لئے روانہ کر دیا۔ اس سردار نے عیسائیوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ادھر سیر بن ابی بکر نے اشبیلیہ کو فتح کر کے معتمد کو مع اہل خاندان قید کر کے افریقہ بھیج دیا۔ جہاں وہ نظر بندی کی حالت میں رہنے لگا۔ اور ۴۸۸ھ ماہ ربیع الاوّل میں فوت ہوا۔

۴۸۴ھ میں تمام اسلامی اندلس یوسف بن تاشفین کے تحت و تصرف میں آ گیا۔ اور طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو کر یوسف بن تاشفین بادشاہ مرابطین کے وائسرائے اور گورنر اندلس پر حکمرانی کرنے لگے۔ اس طرح وہ ملک جو پارہ پارہ ہو کر عیسائیوں کے قبضے میں جانے والا تھا۔ مراقش کے مسلمان بادشاہ کے قبضے میں آ کر محفوظ ہو گیا۔ اور عیسائیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اب بھی عیسائی جزیرہ نما کے شمالی علاقوں پر قابض تھے۔ لیکن اندلس کا بڑا حصہ اور آباد و زرخیز جنوبی علاقہ مسلمانوں کے زیر حکومت تھا۔ یوسف بن تاشفین کو ۴۷۹ھ میں خلیفہ بغداد مقتدی بامر اللہ نے امیر المسلمین کا خطاب اور خلعت و علم بھیجا تھا۔ اندلس پر قبضہ حاصل ہونے کے بعد امیر المسلمین یوسف بن تاشفین پندرہ سال تک زندہ رہا اور محرم ۵۰۰ھ میں فوت ہوا۔ یہ زمانہ اندلس میں امن و امان کا گذرا اگرچہ اندلس کے عربی النسل باشندے مرابطین کی حکومت و سلطنت سے اس لئے کبیدہ خاطر رہے۔ کہ وہ بربری لوگوں کو اپنے اوپر حکمران دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی۔ اگر بربری مسلمان ان پر حکمران نہ ہوتے تو ان کو عیسائیوں کی غلامی کرنی پڑتی

امیر المسلمین یوسف بن تاشقین کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ابو الحسن علی بن یوسف بن تاشقین ٢٣ سال کی عمر میں تخت نشین ہُوا۔ سنہ ٥٠٣ھ میں علی بن یوسف نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا یہ شہر اپنی مضبوط فصیل اور محل وقوع کی خوبی کے سبب فتح نہ ہو سکا۔ مگر علی بن یوسف نے وادی الحجارہ اور اس نواح کے اکثر شہروں کو فتح کر لیا۔ اسی سال بشونہ (لسبن) اور پرتگال کے بقیہ شہروں کو بھی عیسائیوں سے چھین لیا گیا علی بن یوسف نے اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اندلس کا نائب السلطنت (وائسرائے) مقرر کیا تھا۔ تمیم نے الفانسو اوّل بن ردمیر پادشاہ برشلونہ کی جنگی تیاریوں کا حال سن کر اُس کی پیشقدمی کو اپنے حملے سے روک دیا۔ اور سرقسطہ کو عیسائیوں سے فتح کر کے اسلامی مقبوضات کو وسیع کیا۔ بادشاہ برشلونہ نے شاہ فرانس کو اپنی مدد پر آمادہ کر کے سنہ ٥١٢ھ میں سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں کی فوجیں سامان حرب اور کثرت تعداد کے سبب اس قدر زیادہ طاقتور تھیں کہ سرقسطہ کے مسلمان تاب مقاومت نہ لا سکے سامان رسد کی نایابی سے جب جان پہ آبنی تو انہوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح سرقسطہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اور اس صوبے کے دوسرے شہروں اور قلعوں کو بھی عیسائیوں نے فتح کر لیا۔ یہ رنجیدہ خبر جب علی بن یوسف کو پہنچی تو وہ مراقش سے سنہ ٥١٣ھ میں اندلس آیا اور اشبیلیہ و قرطبہ ہوتا ہُوا سرقسطہ پہونچا اور تمام اُس علاقے کو جو عیسائیوں نے فتح کیا تھا۔ فتح کر کے اور اچھی طرح عیسائیوں کو سزا دیکر اور اقرار فرمانبرداری لیکر سنہ ٥١٥ھ میں واپس مراقش پہنچا۔ الفانسو چہارم جس نے طلیطلہ کو اپنا دار السلطنت بنا لیا تھا سنہ ٥٠٢ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ لیکن الفانسو اوّل بادشاہ برشلونہ موجود تھا۔ اسی کو ابن ردمیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علی بن یوسف کے اندلس سے مراقش جاتے ہی ابن ردمیر نے اسلامی مقبوضات پر چڑھائی کر دی۔ اس چڑھائی کا سبب یہ تھا۔ کہ غرناطہ کے عیسائی باشندوں نے اُس کو لکھا تھا کہ تم غرناطہ پر حملہ کرو۔ ہم تمہارے اس حملہ کو کامیاب بنانے کی پُر اثر کوشش کریں گے۔ چنانچہ ابن ردمیر غرناطہ تک اپنی زبردست فوجیں لئے ہوئے پہنچ گیا۔ عیسائیوں کی اُمیدوں پر درحقیقت یوسف بن تاشقین کی فتوحات سے پانی پھر گیا تھا۔ اور وہ مرابطین سے بہت ڈرتے تھے۔ لیکن خود اندلس کے بعض مسلمان باشندے مرابطین کی عداوت میں عیسائیوں کی ہمدردی کا دم بھرتے تھے۔ اس رذیلانہ طرز عمل سے عیسائیوں کی ہمتیں پھر بڑھ گئیں تھیں۔ اور مرابطین کی فوجوں کے مقابلے پر نکلنے لگے تھے۔ ابن ردمیر کا یہ حملہ بھی اسی وجہ سے ہُوا تھا۔ مگر ذیحجہ سنہ ٥١١ھ میں غرناطہ کے قریب مسلمانوں نے اُس کو تمیم بن یوسف بن تاشقین کی سرداری میں ایسی شکست دی کہ وہ اپنی آدھی فوج ضائع کر کے برشلونہ کی طرف بھاگ گیا۔ غرناطہ اور اُس کے نواح میں عیسائی زیادہ آباد تھے۔ اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کی مخالفت اور عیسائی سلاطین کی کامیابی کے لئے سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ ان حالات سے واقف ہو کر علی بن یوسف نے سنہ ٥١٦ھ میں خود اندلس میں آ کر بہت سے عیسائیوں کو جو غرناطہ اور اُس کے نواح میں سکونت پذیر تھے۔ افریقہ کی جانب بھجوا دیا۔ بعض کو اندلس کے دوسرے مقامات میں منتقل کر دیا۔ سنہ ٥٢٠ھ میں ابو طاہر تمیم بن یوسف بن تاشقین کا انتقال ہُوا تو علی بن یوسف نے اپنے بیٹے تاشقین بن علی بن یوسف بن تاشقین کو اندلس کا وائسرائے مقرر کیا۔ ٣٦ برس سات مہینے مراقش و اندلس پر حکومت کرنے کے بعد ماہ رجب سنہ ٥٣٧ھ میں علی بن یوسف کا انتقال ہُوا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابو محمد تاشقین تخت نشین ہُوا سنہ ٥١٦ھ میں علی بن یوسف آخری مرتبہ اندلس میں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کو اندلس آنا نصیب نہ ہوا۔ بلکہ وہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ مہدی کی جو

کے جھگڑوں میں مصروف رہا۔ یہ جدید دشمن جو ملک مراقش میں پیدا ہوا تھا۔ اور جس کا مفصل حال آگے آتا ہے دم بدم ترقی کرتا رہا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علی کا بیٹا ابو محمد تاشقین بھی باپ کے بعد تخت نشین ہوتے ہی مراقش کے اندرونی ہنگامے میں اس طرح مصروف ہوا کہ اندلس کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ ۵۳۷ھ میں جب تاشقین بن علی اندلس سے مراقش جا کر باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تو اس نے یحییٰ بن علی بن غانیہ کو اندلس کا وائسرائے مقرر کیا تھا۔ یحییٰ نے جہاں تک ممکن ہوا۔ اندلس کو بچایا۔ اور عیسائیوں کے زور کو گھٹانے میں مصروف رہا۔ ادھر دم بدم سلطنت مرابطین میں ضعف و انحطاط کے علامات نمودار ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۷ رمضان ۵۳۹ھ میں تاشقین بن علی بحالت ناکامی و مایوسی عبدالمومن سے شکست کھا کر فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحٰق ابراہیم بن تاشقین بن علی بن یوسف بن تاشقین شہر مراقش میں تخت نشین ہوا۔ لیکن ۵۴۱ھ میں عبدالمومن نے مراقش کو فتح کیا۔ اور ابراہیم بن تاشقین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس طرح سلطنت مرابطین کا خاتمہ ہوا۔ اندلس میں جب عبدالمومن کے چیرہ دست ہونے اور مرابطین کے مغلوب و مجبور ہونے کی خبریں پہونچیں تو عیسائیوں نے پھر بڑے زور شور کے ساتھ اسلامی مقبوضات پر حملے شروع کر دیئے۔ یحییٰ بن علی وائسرائے اندلس نے بڑی ہمت و استقلال کے ساتھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ اور اسلامی شہروں کو ان کی دستبرد سے بچایا۔ ۵۳۵ھ میں ابن رومیر نے بعض شہروں کو فتح کیا۔ تو یحییٰ بن علی نے اس کے مقابلہ پر پہنچکر ایک سخت لڑائی کے بعد ابن رومیر کو قتل کیا۔ اور اس طرح سلطنت اسلامیہ کا رعب پھر عیسائیوں کے دلوں میں قائم کر دیا۔ مگر دربار مرابطین کی درہمی و برہمی کا حال سُن کر ملک اندلس کے والیوں نے جا بجا اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ جس طرح خلافت بنو امیہ کی بربادی کے بعد ملک اندلس میں طوائف الملوکی ہو گئی تھی۔ اسی طرح اب بھی جو شخص جس شہر یا قلعہ کا حاکم تھا وہ خود مختار فرمانروا بن بیٹھا۔ بلکہ پہلی طوائف الملوکی میں خود مختار رئیسوں کی تعداد کم اور ان کے مقبوضہ علاقے وسیع تھے۔ اس مرتبہ اسلامی اندلس بہت ہی چھوٹے چھوٹے کثیر التعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ شہر شہر اور قصبے قصبے میں الگ الگ سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اور سب نے شاہانہ خطاب و لقب اپنے لئے تجویز کر لئے۔ یہاں تک بھی کچھ زیادہ افسوس کی بات نہ تھی۔ بشرطیکہ یہ سب ایک دوسرے کے دشمن نہ بنتے۔ لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ آپس میں ایک دوسرے کو پچھاڑ کھانے پر آمادہ ہو گئے۔ اور تمام اسلامی اندلس لڑائیوں اور ہنگامہ آرائیوں کے شور و غل سے گونج اُٹھا۔ ایسی حالت میں عیسائیوں کے لئے تمام جزیرہ نما پر قابض ہو جانے کا زرین موقع مل چکا تھا۔ خود یحییٰ بن علی وائسرائے اندلس بھی قرطبہ پر قبضہ کر کے انہیں طوائف ملوک کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور دوسروں سے زیادہ طاقتور نہ تھا۔ اسی حالت میں عبدالمومن سردار موحدین نے سلطنت مرابطین کو مراقش سے مٹا کر بلا توقف اپنا ایک سپہ سالار اندلس کی طرف روانہ کیا۔ اور ۵۴۲ھ میں اندلس پر قابض ہو گیا۔ اور چند روزہ طوائف الملوکی کے بعد اندلس اسی طرح موحدین کے حدود سلطنت میں شامل ہو گیا۔ جس طرح وہ مرابطین کی سلطنت کا ایک جزو تھا۔

مرابطین کے عہد حکومت میں فقہا کا خوب زور شور تھا۔ یوسف اور علی دونوں بادشاہ مالکی مذہب کے پیرو اور فقہا کے بیحد قدردان تھے۔ بڑے عابد زاہد اور علم دوست فرمانروا تھے۔ مگر وہ اس معاملہ میں اس قدر بڑھ گئے تھے۔ کہ فلسفہ اور علم کلام کے جانی دشمن مشہور تھے۔ قاضی عیاض نے شکایت

کرکے حضرت امام غزالیؒ کی تصانیف کے خلاف دربار شاہی سے احکام جاری کرا دیئے تھے۔ جن کی رُو سے ہر ایک وہ شخص جس کے پاس سے امام غزالیؒ کی کوئی مصنفہ کتاب برآمد ہو کشتنی وگردن زدنی قرار دیا جاتا تھا۔

اندلس پر موحدین کی حکومت

محمد بن عبداللہ بن تومرت جو ابن تومرت کے نام سے مشہور ہے۔ ملک مراقش کے علاقہ سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ بربرون کے قبیلہ مسمودہ سے تھا۔ کر لعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ میں حضرت علیؓ بن ابیطالب کی اولاد سے ہوں اور اپنا سلسلۂ نسب حسن بن علی بن ابیطالب تک پہنچایا۔ ۵۰۱ھ میں ابن تومرت اپنے وطن علاقہ سوس سے روانہ ہو کر ممالک مشرقیہ کی طرف گیا اور حصول علم میں چودہ سال تک وطن سے باہر رہا۔ ابوبکر شاشی سے بغداد میں اُصول فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ مبارک بن عبدالجبار اور دوسرے بزرگوں سے حدیث پڑھی۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ایک روز جبکہ امام غزالیؒ کی خدمت میں ابن تومرت بھی موجود تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ کی کتابوں کی امیر المسلمین علی بن یوسف بن تاشقین فرمانروائے مراقش و اندلس نے جلا ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام ممدوح نے فرمایا کہ اُس کا ملک برباد ہو جائے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ اُس کے ملک و سلطنت کی بربادی اسی شخص کے ذریعہ عمل میں آجائے گی۔ جو اس وقت ہماری مجلس میں موجود ہے۔ امام موصوف نے یہ الفاظ فرماتے ہوئے ابن تومرت کی طرف اشارہ کیا۔ اسی روز سے ابن تومرت کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ مرابطین کی سلطنت کو مٹایا جائے جو تقلید جامد کی حامی اور روشن خیالی کی دشمن ہے چنانچہ ابن تومرت اپنے وطن کی طرف متوجہ ہوا راستے میں اسکندریہ میں چند روز قیام کیا اور وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے باز نہ رہا۔ والی اسکندریہ نے اپنے شہر سے نکلوا دیا۔ غرض ابن تومرت کی یہ صفت خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔ کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور برائیوں سے روکنے میں مطلق باک نہ کرتا تھا۔ عالم، زاہد اور نہایت باخدا شخص تھا۔ ابن تومرت کے مذہبی عقیدے کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اشاعرہ، متکلمین اور امامیہ کا مجموعہ تھا۔ ابن تومرت کی نسبت ابن خلقان لکھتا ہے کہ وہ کامل متقی و پرہیزگار شخص تھا۔ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتا۔ اُس کی پوشاک و غذا نہایت سادہ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ خوش نظر آتا اور ریاضت و نفس کشی کی جانب مائل رہتا تھا۔ ابن تومرت نہایت فصاحت کے ساتھ عربی زبان بولتا تھا۔ مراقشی زبان تو اُس کی مادری زبان تھی ۵۱۴ھ میں وہ اپنے وطن میں آیا اور لوگوں کو وعظ و پند کرنے لگا۔ اسی عرصہ میں اس کے پاس ایک شخص عبدالمومن نامی جو ایک بربری قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ آیا اور خاص الخاص تلامذہ و مریدین کے زمرہ میں شامل ہوا۔ عبدالمومن اپنے فطری جذبات و خیالات میں ابن تومرت سے پوری مشابہت رکھتا تھا۔ ابن تومرت کی جانب لوگ بڑی کثرت سے متوجہ ہونے لگے۔ امیر المسلمین کے فقہائے دربار نے امیر کو مشورہ دیا کہ ابن تومرت کو قتل کر دیا جائے لیکن علی بن یوسف نے کہا کہ مجھ کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس کو قتل کروں۔ آخر فقہا کے اصرار پر اُس کو شہر مراقش سے نکلوا دیا گیا۔ ابن تومرت نے اپنے رفیقوں کے ساتھ سلسلہ کوہ اطلس کے ایک گاؤں میں قیام

کیا اور وہاں بربری قبائل جوق در جوق آ آ کر اس کی جماعت میں شامل ہونے لگے۔ چند روز کے بعد ابن تومرت نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے مریدین کے طبقات مقرر کیئے۔ طبقۂ اول کے لوگوں کو مہاجرین اور طبقۂ دوم کے لوگوں کو مومنین کا خطاب دیا۔ اسی طرح سات یا آٹھ طبقات قائم کیئے۔ جب جمعیت بڑھ گئی تو عبدالمومن کو سپہ سالار بنا کر سلطنت مرابطین کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع کیں۔ پہلے مقابلے میں مومنین کی جماعت کو شکست ہوئی۔ مگر بعد میں انھوں نے مخالفت اور زور آزمائی کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک مراقش کے ایک معقول حصے پر ابن تومرت کا قبضہ ہو گیا۔ ابن تومرت نے ۵۱۷ھ سے جنگی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ سات سال کی لڑائیوں کے بعد سنہ ۵۲۴ھ میں ابن تومرت نے وفات پائی۔ اور مرنے سے پہلے عبدالمومن کو امیرالمومنین کا خطاب دیکر اپنا ولیعہد و جانشین مقرر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ابن تومرت کی حکومت مرابطین کی مد مقابل اور خوب طاقتور بن چکی تھی۔ عبدالمومن کے باپ کا نام علی تھا۔ جو قبائل مصمودہ کے قبیلہ کومیہ کا ایک فرد تھا۔ عبدالمومن سنہ [illegible] میں پیدا ہوا تھا۔ سنہ ۵۳۷ھ میں جب کہ علی بن یوسف بن تاشفین کا انتقال ہوا۔ عبدالمومن کی حکومت پورے طور پر تمام ملک مراقش میں مسلّم ہو گئی۔ ابن تومرت کی تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب چونکہ خدا تعالےٰ کی کامل توحید کو آشکارا کرنا تھا۔ اور خدا کی کسی صفت کو اس کی ذات سے جُدا یقین نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس کے تمام مریدین عام طور پر موحدین کے نام سے پکارے گئے۔ عبدالمومن نے مراقش پر قابض متسلط ہونے کے بعد سنہ ۵۴۱ھ میں اپنے ایک سردار ابو عمران موسیٰ بن سعید کو اندلس روانہ کیا۔ اس نے سب سے اول جزیرہ طریف پر قبضہ کیا۔ پھر اگلے سال مالقہ و اشبیلیہ کی طرف بڑھا۔ اس کے بعد قرطبہ پر بھی موحدین کا قبضہ ہو گیا۔ سنہ ۵۴۵ھ عبدالمومن نے خود اندلس آنے کا قصد کیا۔ لیکن عین روانگی کے وقت مراقش کی مشرقی حدود میں فتنہ و بغاوت کے نمودار ہونے کی خبر سُن کر رُک گیا۔ اور اپنے بیٹوں کو اندلس روانہ کیا۔ چنانچہ ابوسعید بن عبدالمومن نے المیریہ کو فتح کیا۔ قرطبہ اس سے پہلے ۵۴۳ھ میں عبدالمومن کے سردار یحییٰ بن میمون نے جبکہ عیسائی اس کا محاصرہ کیئے ہوئے تھے۔ عیسائیوں کو بھگا کر خود فتح کر لیا تھا۔ سنہ ۵۴۸ھ میں عبدالمومن آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے وارد اندلس ہوا۔ اور اندلس کے اس جنوبی ساحل پر ایک شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کا نام الفتح رکھا گیا۔ یہیں اندلس کے تمام والی اور امرا آ آ کر عبدالمومن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے اقرار اطاعت کیا۔ اور اپنی فرمانبرداری کا یقین دلایا۔ اس طرح تمام اسلامی اندلس پھر ایک سلطنت سے وابستہ ہو گیا۔ سنہ ۵۵۵ھ میں عبدالمومن نے اپنے بیٹے ابوسعید کو غرناطہ کا حاکم اور تمام اسلامی اندلس کا وائسرائے مقرر کیا۔ سنہ ۵۵۶ھ میں ابوسعید کو باپ کے پاس مراقش جانا پڑا۔ اس کی عدم موجودگی میں ابراہیم نامی ایک شخص نے موقع پا کر غرناطہ پر قبضہ کر لیا اور خود مختاری کا اعلان کیا۔ یہ خبر سن کر ابوسعید مع اپنے بھائی ابو حفص کے اندلس آیا ابراہیم نے غرناطہ سے نکل کر مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی ابو حفص اس لڑائی میں مارا گیا ابوسعید نے شکست کھائی اور مالقہ میں جا کر قیام کیا۔ ابراہیم کا داماد مردنیش مرسیہ و جیان کا حاکم تھا۔ وہ بھی ابراہیم کا ساتھی تھا۔ اور ملک اندلس پھر سخت خطرے میں پڑ گیا۔ عبدالمومن نے سنہ ۵۵۷ھ میں اپنے تیسرے بیٹے ابو یعقوب اور اپنے فوجی سردار شیخ ابو یوسف بن سلیمان کو ابوسعید کی مدد کے لئے روانہ کیا ادھر ابوسعید نے بھی مالقہ میں کافی فوج فراہم کر لی

تھی۔ غرض غرناطہ کے متصل پھر نہایت زبردست جنگ برپا ہوئی۔ اس لڑائی میں لشکر موحدین کو فتح حاصل ہوئی۔ مردنیش جیاں کی جانب بھاگ گیا۔ اور ابراہیم نے عفو کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد عبدالمومن کے لئے کوئی پریشانی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اُس نے افریقہ و اندلس میں فوجوں کے جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ تین لاکھ فوج مراقش میں عبدالمومن کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئی اور دو لاکھ کے قریب مسلمان اندلس میں جہاد کے لئے آمادہ و متحد ہو گئے۔ اس طرح اس پانچ لاکھ کے لشکر کو لیکر عبدالمومن نے ارادہ کیا کہ اندلس کی شمالی عیسائی ریاستوں کو فتح کرتا ہوا تمام یورپ کو مغلوب و مفتوح بنا لے۔ اگر عبدالمومن کی عمر وفا کرتی تو وہ عیسائیوں کے خلاف اس جہاد میں یقیناً کامیابی حاصل کرتا۔ لیکن عین اُس وقت جبکہ وہ اس جہاد کے لئے اپنی کثیر التعداد فوج کے ساتھ روانہ ہونے کو تھا جمادی الثانی ۵۵۸ھ کے آخری جمعہ کو فوت ہوا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ابو یعقوب یوسف تخت نشین ہوا اور یہ مہم جس کو عبدالمومن پورا کرنا چاہتا تھا بعض اندرونی پیچیدگیوں کے سبب ناتمام رہی۔ عبدالمومن کی وفات کے بعد عیسائیوں کو موقع ملا کہ انہوں نے اندلس کے بعض مغربی اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ اور اُن کا کوئی تدارک نہ ہو سکا۔ ادھر مردنیش حاکم جیاں و مرسیہ نے خود مختاری کا اعلان کر کے عیسائیوں کو تقویت پہنچائی۔ ابو یعقوب نے مراقش سے دس ہزار فوج ہمراہ لیکر اندلس کا قصد کیا۔ اور اشبیلیہ میں آکر مقیم ہوا۔ ابو یعقوب یوسف کے اشبیلیہ آنے کے بعد ہی مردنیش حاکم مرسیہ و جیاں کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے بیٹوں نے آکر اپنے باپ کا تمام علاقہ ابو یعقوب یوسف کی نذر کر دیا۔ اور اطاعت و فرمانبرداری کی گردنیں جھکا دیں۔ ابو یعقوب یوسف نے بھی اُن کے ساتھ بڑی رعایت و مروت کا برتاؤ کیا اور اُن کے باپ کے علاقے پر اُن کو حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے مغربی عیسائیوں کی طرف متوجہ ہو کر تمام علاقہ جو انہوں نے دبا لیا تھا چھین لیا۔ اُس کے بعد طلیطلہ کا محاصرہ کیا لیکن چند روز کے بعد کسی ضرورت کی وجہ سے محاصرہ اُٹھا کر مراقش چلا گیا۔ ۵۸۰ھ میں شہر شنترین کے عیسائیوں نے پھر بغاوت کی۔ امیر المومنین ابو یعقوب یوسف [illegible] اس محاصرہ کو ایک ہی مہینہ گذرا تھا کہ امیر المومنین یوسف [illegible] ۵۸۰ھ بروز شنبہ فوت ہو گیا۔ اُس کی لاش اشبیلیہ پہنچائی [illegible] کی گئی۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا ابو یوسف تخت نشین ہوا [illegible] ابو یعقوب یوسف بڑا نیک دل علم دوست اور روشن خیال شخص تھا۔ ابو بکر محمد بن طفیل جو فلسفہ [illegible] امام سمجھا جاتا ہے ابو یعقوب کا مصاحب و مشیر خاص تھا۔ [illegible] المعروف بہ ابن باجہ بھی ابو یعقوب کے مشیروں میں شامل تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی اسی مرتبہ کے بہت سے علماء حاضر دربار رہتے تھے۔ ابن طفیل کی ترغیب سے امیر المومنین ابو یعقوب نے ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد کو قرطبہ سے بلا کر اپنے مصاحبین میں شامل کیا یہ وہی ابن رشد ہیں۔ جو فلسفہ کے مشہور امام اور ارسطو کی تصانیف پر بہترین تنقید کرنے اور اُس کی کمزوریاں ظاہر کرنے والے شخص ہیں۔ آج بھی ابن رشد کے نام سے یورپ اور تمام علمی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے۔ ابو یعقوب کے عہد حکومت میں مراقش سے طرابلس تک سارا افریقہ اور تمام ملک اندلس [illegible] سلطنت [illegible] شامل ہو گئے تھے۔ اور سلطنت

موحدین کا فرمانروا دُنیا کے عظیم الشان سلاطین میں شمار ہوتا تھا۔

ابو یعقوب کے بعد اُس کا بیٹا ابو یوسف منصور تخت نشین ہُوا۔ تخت نشینی کے وقت منصور کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔ یہ ایک عیسائی عورت ساحرہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ منصور کے عہد حکومت میں اندلس کے اندر ہر طرح مسلمانوں کو رفاہیت و غلبہ حاصل رہا۔ منصور ہر طرح اپنے باپ سے مشابہ تھا۔ علماء و فضلا کا بیحد قدردان اور کتابوں کا شائق تھا۔ جس طرح ابو یعقوب کبھی اندلس اور کبھی مراقش میں رہا۔ اسی طرح منصور نے بھی اپنی حکومت کا اکثر زمانہ اندلس میں گذارا۔ ۵۸۵ھ میں منصور نے اندلس کے مغربی حصے سے عیسائیوں کے اثر کو بالکل مٹا دیا۔ اور الفانسو ثانی بادشاہ طلیطلہ نے منصور کی خدمت میں پانچ سال کے لئے صلح کی درخواست پیش کی۔ منصور نے اس درخواست کو منظور کرلیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ عیسائی یورپ کے ہر ایک مُلک سے جمع ہو ہو کر شام و فلسطین پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ الفانسو دوم شاہ طلیطلہ کو یہ خوف تھا۔ کہ کہیں منصور میرا نام و نشان نہ مٹا دے۔ اس لئے اُس نے پنجسالہ صلح کی درخواست منظور کرا کر اپنا اطمینان کیا کہ اس عرصہ میں صلیبی مجاہدین فارغ ہو کر میری مدد پر پہنچ سکیں گے خود اندلس کے عیسائی شام و فلسطین کے صلیبی حملوں میں بکثرت شامل ہوتے تھے۔ منصور کی بحری طاقت بھی چونکہ بہت زبردست تھی اس لئے سلطان صلاح الدین ایوبی نے منصور کے پاس اپنا ایک سفیر عبدالرحمٰن ابن منقذ نامی جو اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی تھا۔ بھیجا۔ اور ایک خط منصور کے نام اس سفیر کے ہاتھ روانہ کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ عیسائی فوجیں فلسطین پر حملہ آور ہوئی ہیں۔ اس وقت اگر اپنے جنگی جہازوں کو مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجو اور ساحل فلسطین کی حفاظت کے کام میں اعانت کرو۔ تو بڑی آسانی سے عیسائیوں کو شکست دی جا سکتی ہے۔ اس خط میں سلطان صلاح الدین نے منصور کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ کیونکہ سلطان صلاح الدین صرف خلیفۂ بغداد ہی کو امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سمجھتے تھے۔ اتنی سی بات پر منصور کبیدہ خاطر ہوا۔ ابن منقذ کی بظاہر خوب خاطر مدارات کی۔ اور ایک قصیدے کے صلہ میں ابن منقذ کو چالیس ہزار درہم انعام کے دیئے مگر سلطان صلاح الدین نے جو امداد طلب کی تھی اُس کے دینے میں لیت و لعل اور پس و پیش کیا۔ الفانسو ثانی بادشاہ طلیطلہ پنجسالہ صلح کے دوران میں مسلمانوں کی حملہ آوری سے تو بالکل مطمئن تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ سلطان عہد کے خلاف کبھی حملہ آور نہیں ہو سکتے۔ اس عرصہ میں اُس نے خوب فوجی تیاریاں کیں۔ دوسرے عیسائی سلاطین کو اپنی مدد کے لئے آمادہ کیا۔ اور اپنی اس تیاری کو بھی مثل صلیبی جنگوں کے مذہبی جہاد قرار دیکر بآسانی ہر قسم کی امداد و اعانت عیسائیوں سے حاصل کی۔ مدت صلح کے گذرنے پر ماہ رجب ۵۹۱ھ میں کئی عیسائی سلاطین اور اُن کی فوجوں کو ہمراہ لئے ہوئے مقام الارک علاقہ بطلیوس میں پہنچا تھا۔ کہ ادھر سے منصور مقابلہ پر پہنچ گیا۔ بڑے زور شور کی لڑائی ہوئی۔ عیسائیوں کے مقابلے میں اسلامی فوج کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ مگر عیسائی اپنی فوج کے ایک لاکھ ۴۶ ہزار آدمیوں کو قتل اور تیس ہزار کو قید کرا کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ یہ بہت بڑی اور نہایت عظیم الشان فتح تھی۔ جو منصور کو حاصل ہوئی اور اُس نے عیسائیوں کی ہمتوں کو بہت کچھ پست کر دیا۔ اس لڑائی میں ڈیڑھ لاکھ خیمے۔ اسی ہزار گھوڑے، ایک لاکھ خچر اور چار لاکھ بار برداری کے گدھے اور ساٹھ ہزار مختلف وضع کے زرہ بکتر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ جس سے بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں کی تیاریاں کیسی مکمل اور عظیم الشان تھیں

اور منصور کے خلاف الفانسو دوم نے کیسی زبردست طاقت فراہم کی تھی۔ منصور نے یہ تمام مال غنیمت جس میں بہت سا زر و جواہر بھی شامل تھا۔ سب اپنی فوج میں سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔ الفانسو دوم اس میدان سے بھاگ کر اپنی بقیہ فوج کے ساتھ قلعہ رباح میں پناہ گزیں ہوا۔ منصور بھی پاشنہ کوب پہنچا اور اس قلعے کا محاصرہ کیا۔ الفانسو یہاں سے بھاگ کر طلیطلہ میں آیا اور اس شرم انگیز شکست کے غم و غصہ میں سر و ریش کو منڈوا ڈالا اور صلیب کو اٹھا کر قسم کھائی کہ جب تک ان لاکھوں عیسائی مقتولوں کا انتقام نہ لے لوں گا۔ اس وقت تک عیش و آرام کو حرام سمجھوں گا۔ منصور کو جب معلوم ہوا کہ الفانسو نے طلیطلہ میں جا کر اس طرح قسم کھائی ہے۔ اور وہ دوبارہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہے تو وہ بلا توقف طلیطلہ پر حملہ آور ہوا اور شہر کا محاصرہ کر کے اتواپ قلعہ شکن سے فصیل و قلعہ کی دیواروں کو چھلنی کر دیا۔ قریب تھا کہ شہر اور الفانسو دونوں منصور کے قبضے میں آ جائیں۔ لیکن اس سقیم حالت میں الفانسو ثانی نے اپنی حمیت و غیرت کا یہ نمونہ دکھایا کہ اپنی ماں اور بیوی اور بیٹوں کو منصور کے پاس بھیجا یہ عورتیں سر برہنہ روتی ہوئی منصور کے سامنے آئیں اور الفانسو کی ماں نے اپنے بیٹے کے لئے عفو تقصیرات کی درخواست کرتے ہوئے اسقدر آہ وزاری کی کہ منصور اس نظارہ کو دیکھ نہ سکا۔ آنسوؤں کے دریا نے خون کے دریا پر غلبہ حاصل کیا اور قہر و غضب کو صفت رحم سے مغلوب ہونا پڑا۔ منصور نے الفانسو کی ماں اور بیوی اور بیٹوں کی بہت دلدہی اور تشفی کی ان کو گرانبہا زیورات اور انعام و اکرام سے مالا مال کر کے عزت و حرمت کے ساتھ شہر میں واپس بھیجا اور اسی وقت طلیطلہ سے کوچ کر کے قرطبہ میں چلا آیا۔ الفانسو نے منصور کے روانہ ہونے کے بعد اپنے سفیروں کو اقرار اطاعت اور عہد نامہ کی تحریر و تکمیل کے لئے روانہ کیا جو قرطبہ میں حاضر دربار ہوئے۔ منصور کے پاس جو تیس چالیس ہزار عیسائی قیدی تھے۔ ان کو منصور نے مراقش میں بھیجکر آباد کرا دیا۔ اور ان کا ایک الگ قبیلہ قرار دیا گیا۔ منصور نہایت نیک طینت عابد زاہد اور متبع سنت فرمانروا تھا۔ اس کے حکم سے جہری نمازوں میں امام الحمد سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی بالجہر پڑھتے تھے۔ ابو الولید ابن رشد نے ۵۹۴ھ کے آخری ایام میں منصور کے عہد حکومت میں مراقش کے اندر وفات پائی ماہ صفر ۵۹۵ھ میں منصور قریباً پندرہ سال کی فرمانروائی کے بعد فوت ہوا۔ اسی سال انگلستان کا بادشاہ رچرڈ فوت ہوا۔

منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد ماہ صفر ۵۹۵ھ میں بعمر سترہ سال تخت نشین ہوا اور اپنا لقب ناصر الدین اللہ رکھا۔ بادشاہ ناصر کے عہد حکومت میں مراقش کے مشرقی ممالک میں بغاوت و بدامنی پیدا ہوئی اور سلطنت مرابطین کے بعض متوسلین نے جمعیت فراہم کر کے ملکوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ناصر اس بغاوت و بدامنی کے رفع کرنے کو مراقش میں مقیم رہا۔ ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی سے شام و فلسطین کے میدانوں میں شکست کھا کر جو بقیۃ السیف عیسائی یورپ کے ملکوں میں واپس آئے۔ انہوں نے شام و فلسطین کی ہزیمتوں کا انتقام اندلس و مراقش کی اسلامی سلطنت سے لینا چاہا۔ اور برشلونہ و کیسٹل و لیون وغیرہ کے عیسائی سلاطین کے پاس یورپ کے ہر ملک سے عیسائی جنگ جو آ آ کر جمع ہوئے۔ روم کے پوپ نے سلطنت موحدین کے خلاف جہاد کا عام اعلان کیا۔ انہیں ایام انگلستان کے بادشاہ جان کے خلاف انگلستانی امرا نے کوشش شروع کی اور پوپ انوسنٹ سوم نے بادشاہ جان کے ملت عیسوی سے خارج ہونے کا اعلان کیا۔ جان نے اپنے تین

سرداروں کا ایک وفد ناصر الدین اللہ کے پاس مراقش روانہ کیا۔ اس سفارت میں طامس ہارڈنگٹن۔ رابرٹ فرنکولس اور لندن کا پادری رابرٹ شامل تھے۔ یہ سفارت ۶۱۰ھ میں مراقش پہنچی۔ ارکان سفارت کئی ایوان اور ڈیوڑھیوں میں سے گذرتے ہوئے جن کے دونوں طرف شاہی خدام کی صفیں استادہ تھیں۔ امیر ناصر الدین اللہ کے سامنے پہنچے۔ اس وقت امیر موصوف مطالعہ کتب میں مصروف تھا۔ ارکان وفد نے شاہ انگلستان کا خط پیش کیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ آپ میری مدد کریں۔ اور میرے ملک کی بغاوت فرو کرنے کے لئے فوجیں بھیج دیں۔ یہ بھی لکھا تھا۔ کہ میں دین عیسوی کو ترک کر کے مسلمان ہونے پر آمادہ ہوں۔ پادری رابرٹ اس سفارت کا پیشوا تھا۔ اس نے بھی امیر ناصر سے ایسی باتیں کیں جس سے امیر ناصر کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ لوگ دنیوی مقاصد کے لئے بطور رشوت تبدیلی مذہب کا لالچ دیتے ہیں۔ اسی لئے امیر ناصر الدین اللہ نے اس سفارت کی کچھ زیادہ قدر نہ کی۔ اور کم التفاتی کے ساتھ رخصت کر کے اس امر کا منتظر رہا کہ شاہ انگلستان اگر اسلام کی صداقت کو تسلیم کر چکا ہے۔ تو وہ ضرور میری اس کم التفاتی کے بعد بھی اپنے اسلام کا اعلان کرے گا۔ اور اس وقت اس کی امداد کے لئے جنگی بیڑہ روانہ کر دیا جائے گا۔ امیر ناصر بہت دھیمی طبیعت کا آدمی تھا۔ جنگ و پیکار کے ہنگامے برپا کرنے کا اس کو شوق نہ تھا۔ اسی لئے وہ فوج جو اس کے باپ کے زمانے میں بڑی طاقتور اور باہمت تھی۔ امیر ناصر کی کم التفاتی سے اس کے سردار بددل ہو رہے تھے۔ علاوہ ازیں سابق امیر کے عہد حکومت میں فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ مقررہ تنخواہ کے ہر سہ ماہی پر بادشاہ کی طرف سے انعامات ملا کرتے تھے۔ امیر ناصر کے عہد میں ان انعامات کے موقوف ہونے سے سپاہی افسردہ خاطر تھے۔ ۶۰۹ھ میں امیر ناصر افریقہ کی مہمات سے فارغ ہو کر اندلس کی جانب متوجہ ہوا یہاں طلیطلہ میں شاہ کیسٹل الفانسو کے گرد یورپ کے ہر ملک اور ہر حصے سے عیسائی لوگ جوق در جوق آ آکر جمع ہو رہے تھے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام براعظم یورپ کی پوری طاقت اور شاہان یورپ کے جنگی سامان اسلام کشی کے لئے جزیرہ نمائے اندلس میں فراہم ہو گئے تھے۔ شام و فلسطین کے مقابلہ میں اندلس یورپ سے قریب بھی تھا۔ اور اندلس کے ہمسایہ ملکوں تک عیسائی ریاستوں کی حدود پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے وسط اندلس میں عیسائی طاقت کی یہ سب سے بڑی نمائش یا سازش ممکن ہوئی۔ ناصر الدین اللہ نے عیسائیوں کی اس عظیم الشان تیاری اور یورپ کے ہر ملک میں مسلمانوں کے خلاف اعلان جہاد کا حال سن کر مراقش و اندلس سے فوجوں کو فراہم کیا اور جہاد کا اعلان کرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھ لاکھ کے قریب فوج نظام اور مجاہدین اشبیلیہ میں جمع ہو گئے۔ اس لشکر کو لیکر امیر ناصر شہر جیان کی طرف روانہ ہوا اور الفانسو اپنے لاتعداد لشکر کو لئے ہوئے شہر سالم کے قریب بمقام عقاب میں آکر خیمہ زن ہوا ادھر سے اسلامی لشکر بھی شہر جیان سے عقاب میں آیا۔ عیسائی انتقام کے جوش میں از خود رفتہ ہو رہے تھے۔ اور ملک شام کی ناکامیوں کا بدلہ اندلس میں مسلمانوں سے لینا چاہتے تھے۔ ادھر اسلامی لشکر کی حالت عجیب تھی۔ باقاعدہ فوج جو اچھی طرح مقابلہ کی قابلیت رکھتی تھی۔ سب اپنے امیر سے برگشتہ تھی۔ کیونکہ ان کو کئی مہینے سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ فوجی افسروں کی خواہش یہ تھی۔ کہ اس لڑائی میں ان کے بادشاہ کو شکست ہو۔ اور وہ اس تلخ تجربہ کے بعد فوج پر روپیہ صرف کرنے اور انعام و اکرام دینے میں بخل کو کام میں نہ لائے۔ چنانچہ ۱۵ ماہ صفر ۶۰۹ھ کو جب

لڑائی شروع ہوئی تو اسلامی لشکر سے بعض سردار اپنی ماتحت جمعیتوں کو لے کر جدا ہو گئے۔ بعض سرداروں اور سپاہیوں نے حملے کے وقت دانستہ اپنے نیزوں کو ٹیڑھا کر کے بجائے اس کے کہ دشمنوں کے سینوں کو چھیدتے زمین میں گاڑا اور تلواروں کو دشمنوں کی طرف پھینک دیا۔ بعض نے عجیب و غریب تمسخر انگیز حرکات کا اظہار کیا اور معرکۂ جنگ شروع ہونے کے بعد امیر ناصر کے احکام کی تعمیل ترک کر دی۔ زبردست اور باقاعدہ مسلح فوج کی یہ نامعقول و ناستودہ حرکات دیکھ کر مجاہدین کے بھی حوصلے پست ہو گئے۔ امیر ناصر کے بخل کا یہ خطرناک نتیجہ اور مراقشی و بربری لشکر کی یہ ذلیلانہ غداری اسلام اور مسلمانوں کے لئے بیحد مضر ثابت ہوئی۔ اندلس کے کسی میدان میں آج تک اتنی بڑی فوجیں نبرد آزما نہ ہوئی تھیں۔ عین معرکۂ جنگ میں اسلامی لشکر کا ایک بڑا حصہ یہ غداری نہ دکھاتا تو یورپ کی اس عظیم الشان اور متحدہ فوج کو یقیناً مسلمانوں کے ہاتھ سے ہزیمت اٹھانی پڑتی اور آئندہ کبھی عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلے کی ہمت نہ ہوتی۔ کیونکہ جو انجام وہ شام و فلسطین میں دیکھ کر آئے تھے اس سے بدتر انجام ان کا اندلس میں ہوتا مگر حسرت و افسوس کے ساتھ بیان کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس چھ لاکھ کے اسلامی لشکر کا انجام یہ ہوا کہ اپنے امیر کی نافرمانی کر کے سب کا سب عیسائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ امیر ناصر نے شمشیر زنی میں مطلق کوتاہی نہیں کی۔ اور اکثر مجاہدین نے اپنے امیر کا ساتھ دیا۔ صرف ایک ہزار آدمی اس چھ لاکھ کے لشکر میں سے زندہ بچے اور وہ بمشکل امیر ناصر کو میدان جنگ سے واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔ باقی سب یا تو میدان جنگ میں لڑ کر شہید ہوئے یا عیسائیوں کے ہاتھ میں قید و گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں کو توقع تھی۔ کہ ہم کو آزاد کر لیا جائیگا۔ مگر عیسائیوں نے اسی میدان العقاب میں سب کو ذبح کر ڈالا۔ امیر ناصر اشبیلیہ میں شکست خوردہ واپس آیا۔ اور عیسائیوں نے اندلس کے شہروں کو لوٹنا اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ شہر جیان کی تمام مسلم آبادی کو گرفتار کر کے مردوں۔ بچوں اور بوڑھی عورتوں کو قتل کر ڈالا الفانسو نے جب دیکھا کہ عیسائی مجاہدین تمام ملک کو تہ تیغ کرنے اور اموال و اسباب کے لوٹنے میں مطلق العنان ہیں تو اس نے ان کو روکنا اور اپنے زیر اقتدار رکھنا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے ناراض ہو ہو کر دوسرے ممالک کے عیسائی اپنے اپنے ملکوں کو واپس ہونے لگے۔ جس کو الفانسو نے بہت ہی غنیمت سمجھا۔ جنگ العقاب نے اندلس میں اسلامی سلطنت کی جڑوں کو ہلا دیا اس کے بعد سلطنت موحدین اور مغرب میں مسلمانوں کی حکومت جلد جلد زوال پذیر ہونے لگی۔ مراقش میں بہت سے قصبے اور گاؤں اس لڑائی کے بعد ویران ہو گئے۔ کیونکہ ان کے باشندے اس لڑائی میں کام آ گئے تھے۔ امیر ناصر چند روز اشبیلیہ میں مقیم رہ کر مراقش میں آیا۔ اور ۱۰ شعبان ۶۱۰ھ بروز چہار شنبہ فوت ہو کر اگلے روز بروز پنجشنبہ مدفون ہوا۔

امیر ناصر کی وفات کے بعد ۱۱ شعبان ۶۱۰ھ کو اس کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا اور اپنا لقب مستنصر رکھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وہ یکم شوال ۵۹۴ھ کو پیدا ہوا تھا۔ دس سال تخت نشین رہ کر ۶۲۰ھ کے ماہ شوال میں لاولد فوت ہوا۔ یہ نہایت عیش پرست اور کم ہمت شخص تھا۔ عیسائیوں نے اندلس کے اکثر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ بعض صوبوں کے والیوں نے اپنے صوبوں کو جوانمردی کے ساتھ عیسائیوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ مگر مستنصر مرتے وقت تک مراقش سے باہر نہ نکلا اور بادشاہ ہو کر کبھی اندلس میں نہ آیا۔ مستنصر کی وفات کے بعد اس کا بھائی عبد الواحد

تخت نشین ہوا۔ نو مہینے کے بعد موحدین کے امرا نے اُس کو معزول و مقتول کر کے شیرازہ حکومت کو درہم برہم کر دیا۔ ان دنوں امیر منصور کا ایک بیٹا یعنی امیر ناصر کا بھائی مسمی عبدالواحد اندلس کے صوبہ مرسیہ کا والی تھا۔ اُس نے عبدالواحد بن ناصر کے مقتول ہونے کا حال سُن کر خود سلطنت کا دعوے کیا۔ اور اپنا لقب عادل رکھا۔ عادل نے مرسیہ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اسی سال یعنی ۶۲۱ھ میں عیسائیوں نے اُس پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں عادل کو شکست ہوئی۔ اس شکست کے بعد عادل اپنے بھائی ادریس کو اشبیلیہ میں اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے خود مراقش چلا گیا۔ وہاں اہل مراقش نے ایک نوعمر لڑکے یحییٰ بن ناصر کو اپنا بادشاہ بنا کر عادل کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں عادل گرفتار ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ادریس نے اشبیلیہ میں اپنی تخت نشینی کی رسم ادا کی۔ اور اپنا لقب مامون رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ موحدین کا رُعب اندلس اور مراقش دونوں مُلکوں سے اُٹھ چکا تھا۔ مراقش میں بنی مرین مُلک کو دباتے جاتے تھے۔ ادھر اندلس میں مسلمان امرا کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہمارے مُلک پر مراقش و بربر کے لوگ کیوں حکمران ہوں۔ اب ہم کو خود اپنا کوئی امیر منتخب کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہم عیسائیوں کی محکومی سے بچ سکیں ورنہ اگر اور چند روز تک ہمارا ملک ایسے ہی کمزور مراقشی فرمانرواؤں کے ماتحت رہا تو عیسائی بڑی آسانی سے تمام اندلس پر قابض و متصرف ہو کر ہم کو اپنا غلام بنا لیں گے۔ چنانچہ شاہان سرقسطہ بنی ہود کی نسل سے ایک شخص محمد بن یوسف نے مامون کو اندلس سے خارج کر کے اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی اس طرح ۶۲۵ھ میں موحدین کی حکومت کا نام و نشان اندلس سے گم ہو گیا۔ مامون نے اندلس کو چھوڑ کر مراقش کے بندرگاہ سبطہ میں قیام کیا۔ وہاں اُس کا انتقال ہوا۔ تو اس کا بیٹا رشید تخت نشین ہوا۔ بنی مرین مراقش میں اپنی طاقت کو دمبدم ترقی دے رہے تھے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۶۸ھ میں موحدین کا نام و نشان گم ہو گیا۔ اور مراقش میں بنی مرین کی حکومت پورے طور پر قائم ہو گئی۔

اسلامی اندلس میں پھر طوائف الملوکی

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب اندلس کی خلافت بنو اُمیہ برباد ہوئی تو تمام جزیرہ نمائے اندلس میں بہت سی خود مختار اسلامی سلطنتیں الگ الگ قائم ہو گئیں تھیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت پر آمادہ تھیں۔ اس زمانے میں عیسائی بادشاہوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اور اپنی حدود کو وسیع کر کے اسلامی حکومت کے رقبہ کو کم کر دیا۔ اس کے بعد مرابطین کی سلطنت اسلامی اندلس پر قابض و متصرف ہو گئی۔ یعنی الگ الگ چھوٹی چھوٹی مسلمان بادشاہتوں کا علاقہ مل کر ایک اسلامی سلطنت کے ماتحت ہو گیا۔ مگر جس قدر ملک اس گزشتہ طوائف الملوکی میں عیسائیوں کے قبضے میں پہنچ گیا تھا۔ وہ عموماً واپس نہ ہوا۔ مرابطین کی سلطنت جب برباد ہوئی اور اُس کی جگہ موحدین کی حکومت قائم ہوئی تو اس تبدیلی میں بھی عیسائیوں نے ایک قلیل حصہ اندلس کا اور دبا لیا اور عیسائی مقبوضات اندلس میں زیادہ وسیع ہو گئے۔ اب موحدین کی سلطنت میں ضعف و انحطاط کے آثار ایسے وقت نمودار ہوئے۔ جبکہ تمام یورپ مسلمانوں کی بیخکنی پر آمادہ اور عیسائی لوگ مسلم کُشی کے لئے دیوانے ہو رہے تھے۔ جنگ العقاب نے نہ صرف موحدین کی سلطنت کو پیغام مرگ پہنچایا۔ بلکہ عیسائیوں کے مقبوضات کو اندلس میں وسیع سے وسیع تر بنا دیا

اسی زمانے میں اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان پورے طور پر مٹایا جا سکتا تھا۔ مگر عیسائی مجاہدین کی بدعنوانیوں اور نالائقیوں نے اندلسی عیسائیوں کو ان سے متنفر کر دیا۔ اور اس طرح اندلسی عیسائیوں نے مسلمانوں کے استیصال کا کام کسی دوسرے وقت کے لیے ملتوی کر دیا۔ موحدین کی سلطنت جب اندلس سے مٹی ہے تو اندلس کا نصف سے زیادہ شمالی حصہ اور قریباً تمام مغربی صوبے عیسائیوں کے قبضہ و تصرف میں پہنچ چکے تھے۔ مسلمان ہٹتے اور سمٹتے ہوئے جنوب و مشرق کی طرف آ گئے تھے۔ موحدین کی حکومت کے بعد بھی اُسی قسم کی طوائف الملوکی اندلس میں نمودار ہوئی۔ جیسی کہ بنو امیہ کی حکومت کے بعد نمودار ہوئی تھی۔ مگر فرق یہ تھا۔ کہ پہلی طوائف الملوکی میں مسلمانوں کا ملک زیادہ وسیع اور ہر ایک رئیس کے قبضے میں بڑے بڑے صوبے تھے۔ اس طوائف الملوکی میں اسلامی اندلس کا رقبہ بہت مختصر و محدود رہ گیا تھا۔ اور اسی لیے ہر ایک رئیس کے قبضے میں بہت چھوٹے چھوٹے علاقے تھے۔ جس طرح پہلی طوائف الملوکی میں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اسی طرح اس مرتبہ بھی ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ بلکہ اس مرتبہ یہ اور مصیبت تھی کہ ہر ایک مسلمان رئیس دوسرے مسلمان رئیس کو برباد و تباہ کرانے کے لیے عموماً عیسائی بادشاہ کو چڑھا کر لاتا اور اس برادر کشی کے کام سے فارغ ہو کر اپنی مملکت کے بعض شہر و قلعے عیسائی بادشاہ کی نذر کر دیتا۔ عیسائی بہت خوش ہوتے اور مسلمانوں کی اس نالائقی کو اطمینان کی نظر سے دیکھتے تھے کہ ہمارا مقصود خود بخود حاصل ہو رہا ہے۔

ریاست بنو ہود

۵۰۳ھ میں احمد مستعین بن ابو عامر یوسف موتمن بن ابو جعفر بن ہود عیسائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سرقسطہ کے سامنے شہید ہوا تھا۔ یہ شاہان سرقسطہ میں چوتھا بادشاہ تھا۔ اس کی اولاد میں محمد بن یوسف ایک شخص تھا۔ جو موحدین کی حکومت کے آخری ایام میں اندلس کے اندر رئیسانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ شیرازۂ سلطنت ڈھیلا ہو گیا ہے تو وہ قزاقوں کے ایک گروہ میں شامل ہو کر ان کا سردار بن گیا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی جمعیت کو بڑھا کر مرسیہ کے عامل ابو العباس کو شکست دے کر مرسیہ پر قابض ہو گیا۔ اور بہت جلد غرناطہ۔ مالقہ۔ المیریہ وغیرہ پر قابض ہو کر ۶۲۵ھ میں موحدین کے بادشاہ مامون کو اندلس سے خارج کر کے قرطبہ وغیرہ پر بھی قابض و متصرف ہو گیا۔ ۶۲۶ھ میں قریباً تمام اسلامی اندلس اس کے زیر فرمان ہو گیا۔ اسی سال برشلونہ کے عیسائی بادشاہ نے جزیرہ میورقہ و منورقہ کو فتح کر کے موحدین کے عاملوں کو وہاں سے خارج کر دیا۔ محمد بن یوسف کی اس مثال کو دیکھ کر ملک میں اور بھی باحوصلہ سردار اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی الگ حکومت قائم کرنے کی تدابیر میں مصروف ہو گیا۔ محمد بن یوسف نے یہ دیکھ کر کہ تمام سرداروں پر غالب آنا اور اپنی حکومت پر تمام رعایا کو رضامند کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ ایک درخواست عباسی خلیفہ بغداد کی خدمت میں روانہ کی اور لکھا کہ میں نے آپ کے نام سے تمام ملک اندلس فتح کر لیا ہے اور میری حکومت یہاں قائم ہو گئی ہے۔ لہٰذا نہایت ادب کے ساتھ ملتجی ہوں کہ مجھ کو اس ملک کا والی مقرر فرمایا جائے اور اس ملک کی سند حکومت میرے نام کی بھیجدی جائے۔ خلیفہ بغداد نے اس درخواست کو تائید غیبی سمجھ کر اندلس کی سند حکومت مع خلعت محمد بن یوسف کے سفیر کو عطا کر دی۔ جب خلیفہ بغداد مستنصر کے پاس سے سند امارت آ گئی تو ابن ہود یعنی محمد بن یوسف نے غرناطہ کی جامع مسجد میں لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور خود عباسی خلیفہ کا خلعت پہن کر اور سیاہ علم ہاتھ میں لیکر آیا اور لوگوں کو خلیفہ مستنصر عباسی کا فرمان پڑھ کر سنایا اور تمام مسلمانوں

کو مبارکباد دی کہ خلیفہ نے ہماری درخواست کو منظور فرما کر ہماری سرپرستی منظور فرمائی ہے۔ اس تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے لئے نصر بن یوسف معروف بہ ابن الاحمر اور ابوجمیل زیان بن مردنیش وغیرہ امراء نے جو ابن ہود یعنی محمد بن یوسف کی مخالفت پر آمادہ تھے۔ یہ دیکھ کر کہ خلیفۂ بغداد کے فرمان کی وجہ سے لوگ اُس کی طرف مائل ہیں۔ خموشی اختیار کی اور بظاہر اُس کی بیعت بھی کر لی۔ مگر چند ہی روز کے بعد یہ امراء پھر مخالفت پر آمادہ و مستعد ہو گئے اور لڑائیوں یعنی خانہ جنگی کا سلسلہ جاری ہوا۔ عیسائیوں نے اس خانہ جنگی کو دیکھ کر مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ ۶۲۷ھ میں انہوں نے شہر ماردہ پر جو قرطبہ کے بعد سب سے بڑا شہر تھا قبضہ کر لیا۔ اہل ماردہ نے محمد بن یوسف کو اطلاع دی۔ محمد بن یوسف فوراً فوج لیکر ماردہ پہنچا اور الفانسو نہم بادشاہ لیون پر شہر کے قریب بلا تامل حملہ آور ہوا۔ اس لڑائی میں اُس کو عیسائی فوج سے شکست کھانی پڑی۔ شکست خوردہ واپس ہوا۔ اور مرسیہ کو اپنا دار السلطنت بنا کر حکومت کرنے لگا۔ ۶۲۹ھ میں ابن الاحمر نے اپنے آپ کو اندلس کی فرمانروائی کا حقدار ظاہر کر کے سریش و جیان وغیرہ شہروں کو فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں ابو مروان نامی ایک سردار نے اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن الاحمر نے ابو مروان کے ساتھ دوستی و اتحاد پیدا کر کے اپنی قوت کو بڑھایا۔ ۶۳۲ھ میں ابن الاحمر اشبیلیہ میں دوستانہ داخل ہوا اور ابو مروان کو قتل کر کے اُس کے مقبوضہ علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اشبیلیہ کی رعایا نے چند روز کے بعد ناخوش ہو کر ابن الاحمر کو خارج کر دیا۔ اور محمد بن یوسف کی فرمانبرداری قبول کی۔ محمد بن یوسف نے ایک سردار ابن الرمیمی نامی کو اپنا وزیر و مدار المہام بنا کر اکثر امور سلطنت اُسی کے سپرد کر رکھے تھے آخر میں اُس نے ابن الرمیمی کو المیریہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ابن الرمیمی نے المیریہ میں بغاوت اختیار کی محمد بن یوسف اُس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا ابھی راستے ہی میں تھا کہ ابن الرمیمی کے جاسوسوں نے اُس کو رات کے وقت موقع پا کر خیمے کے اندر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ ۲۴ جمادی الثانی ۶۳۵ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد ابن الرمیمی المیریہ کا خود مختار مستقل بادشاہ بن گیا۔ مرسیہ کی حکومت محمد بن یوسف کی اولاد کے قبضے میں رہی جنہوں نے ابن الاحمر کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ ۶۵۸ھ میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

بنو ہود کے علاوہ ابن الاحمر۔ ابن مروان۔ ابن خالد۔ ابن مردنیش وغیرہ بہت سے چھوٹے چھوٹے رئیسوں نے اپنی الگ الگ ریاستیں قائم کیں۔ ابن الاحمر نے فردی نند بادشاہ کیسٹل و طلیطلہ سے ابتداءً اتحاد قائم کیا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مسلمان رئیسوں کی تباہی میں فردی نند کا شریک کار رہا۔ ادھر بادشاہ برشلونہ نے الگ مسلمانوں پر چڑھائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ عیسائی اول دو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے پھر ایک کے طرفدار ہو کر دوسرے کو برباد کرا دیتے اس کے بعد پھر اُس سے لڑائی چھیڑ دیتے۔ اور دوسرے مسلمان کو اُس کے مقابلہ پر آمادہ کر دیتے اور ہمیشہ مسلمانوں کے شہروں اور قلعوں پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں فردی نند ثالث بادشاہ کیسٹل (قسطلہ) نے بتاریخ ۲۳ شوال ۶۳۳ھ دار الخلافہ قرطبہ کو فتح کر لیا اور اس عظیم الشان اسلامی شہر کی عظمت و بزرگی کو خاک میں ملا کر اندلس میں عیسائی سلطنت کی بنیاد کو پائدار و استوار بنا دیا۔ اسی تاریخ سے اندلس میں اسلامی شوکت کا خاتمہ سمجھنا چاہیئے۔ ابن الاحمر نے یہ دانائی کا کام کیا کہ فردی نند ثالث سے صلح کر کے اور بعض شہر و قلعے اُس کو دیکر اپنی طرف سے عرصہ تک مطمئن رکھا

اور اس فرصت میں غرناطہ ۔ مالقہ ۔ لارقہ ۔ المیریہ ۔ جیان وغیرہ پر اپنا قبضہ جما لیا ۔ اور ایک ایسی مضبوط ریاست جزیرہ نمائے اندلس کے قریباً چوتھائی رقبہ پر قائم کر لی ۔ جو آیندہ ڈھائی سو سال تک قائم رہی اب بجائے تمام جزیرہ نمائے اندلس کے صرف جنوبی و مشرقی اندلس میں اسلامی حکومت محدود رہ گئی اور بجائے قرطبہ کے غرناطہ اسلامی اندلس کا دارالحکومت قرار پایا ۔ اس چھوٹی سی اسلامی سلطنت کا رقبہ پچاس ہزار میل مربع یعنی کل جزیرہ نما کا چوتھائی تھا ۔ اب ذیل میں سلطنت غرناطہ کے حالات بیان ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد اندلس کی اسلامی تاریخ ختم ہو جائے گی ۔

سلطنتِ غرناطہ

نصر بن یوسف جو ابن الاحمر کے نام سے مشہور ہے اس کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ اس نے سنہ ۶۳۲ھ میں اشبیلیہ کے حاکم ابی خالد کو اپنا دوست اور خلیفہ بنا کر غرناطہ اور مالقہ پر قبضہ کیا ۔ ۶۴۳ھ میں حاکم المیریہ نے اس کی اطاعت قبول کی اور ۶۴۳ھ میں لارقہ کی رعایا نے بھی اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا ۔ فرڈی نند سے اس کی موافقت تھی ۔ لیکن جب تمام مسلمان ریاستیں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں تو عیسائیوں نے ابن الاحمر کی ریاست کو ہضم کرنا چاہا ۔ ابن الاحمر نے یہ عقلمندی کی تھی کہ بنی مرین کے بادشاہ یعقوب عبدالحق سے جو افریقہ و مراقش میں موحدین کے بعد حکمران تھا ۔ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے تھے ۔ جب کبھی ابن الاحمر کو عیسائیوں کے مقابلہ کی ضرورت پیش آئی ۔ یعقوب مرینی کی طرف سے اس کو فوجی امداد پہنچی ۔ اس طرح ابن الاحمر نے عیسائیوں کو بار بار شکستیں دے دے کر بھگایا ۔ اور اپنی چھوٹی سی سلطنت کو ان کی دستبرد سے بچایا ۔ ابن الاحمر نے غرناطہ میں قصر الحمرا کی بنیاد رکھی تھی ۔ جو اندلس میں اسلام کی مٹی ہوئی شوکت کے عہد کی ایک اعجوبہ روزگار عمارت سمجھی جاتی اور ہفت عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہے حالانکہ قرطبہ کے قصر زہرا سے اس کو کوئی نسبت نہ تھی جسے عیسائی وحشیوں نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے ۔ ابن احمر ایک لڑائی میں عیسائیوں کو شکست دیکر غرناطہ کو واپس آ رہا تھا ۔ کہ ۱۰ رجمادی الثانی ۶۷۱ھ کو محل کے قریب پہنچکر اتفاقاً گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے گرا ۔ بظاہر کوئی خطرناک زخم نہیں آیا تھا ۔ مگر اسی صدمہ سے ۲۹ رجمادی الثانی ۶۷۱ھ کو فوت ہوا ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد تخت نشین ہوا ۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی ۔ اس نے اپنے باپ کی وصیت کے موافق بنی مرین سے سلسلہ دوستی جاری رکھا ۔ اور نہایت ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ مہمات سلطنت میں مصروف ہوا ۔ ۶۷۲ھ میں عیسائیوں نے سلطنت غرناطہ پر چڑھائی کی ۔ محمد نے یعقوب بن عبدالحق مرینی سے اعانت طلب کی یعقوب نے فوراً اپنے بیٹے کو مع فوج اندلس روانہ کیا ۔ اس کے عقب میں خود بھی روانہ ہوا ۔ اور جزیرۃ الخضرا کو ایک باغی امیر سے چھین کر اپنی فوج کا مستقر بنایا ۔ محمد نے بھی اپنی طرف سے قلعہ طریفہ یعقوب کی نذر کیا کہ بادشاہ اپنی فوجی چھاؤنی یہاں قائم کرے ۔ سلطان محمد اور سلطان یعقوب دونوں مل کر عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے ۔ ۱۵ ربیع الاول ۶۷۴ھ کو ایک سخت لڑائی کے بعد عیسائیوں کو شکست فاش حاصل ہوئی ۔ اس شکست کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ پھر فوج کشی کی اور مسلمانوں نے ان کو شکست فاش دی اس کے بعد ماہ محرم ۶۷۵ھ

میں شاہ قسطلہ نے غرناطہ کی سرحد پر فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ سلطان محمد نے یہ خبر سن کر فوراً حملہ کیا۔
اور مقام قیجاتہ اور اُس کے متعلقات کو جو عیسائیوں کی چھاونیاں تھے فتح کرلیا۔ ۶۹۹ھ میں سلطان محمد
نے عیسائیوں سے بعض سرحدی قلعوں کو چھین لیا۔ قریباً تیس سال حکومت کرکے ۸ رشعبان ۷۰۱ھ
کو سلطان محمد نے وفات پائی۔ یہ سلطان محمد محمد فقیہہ کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اُس کو کتب بینی
کا بہت شوق تھا۔ محمد فقیہہ کے فوت ہونے پر اُس کا بیٹا محمد مخلوع تخت نشین ہوا۔ سلطان محمد فقیہہ
سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اُس نے یعقوب بن عبدالحق کی فوجی چھاونی کو اپنے لئے موجب خطر
سمجھ کر عیسائیوں کو اُبھار دیا۔ اور اُن کو امداد پہنچا کر بنی مرین کے قبضے سے نکلوا کر عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عیسائیوں کی ایک ایسی چھاونی قائم ہوگئی۔ جس کی وجہ سے حکومت غرناطہ کو کسی بحری
راستہ سے امداد پہنچنی دشوار ہوگئی۔ محمد فقیہہ کے بعد اُس کے بیٹے محمد مخلوع نے تخت نشین ہوکر محمد بن محمد
بن حکم لخمی وزیر سلطنت کو تمام اختیارات سلطنت عطا کردیئے۔ ۷۰۳ھ میں ابوالحجاج بن نصر حاکم وادی
آش نے علم بغاوت بلند کیا مگر گرفتار و مقتول ہوا۔ ماہ شوال ۷۰۸ھ میں محمد مخلوع نے افریقہ کے قلعہ
سبطا کو فتح کیا۔ وزیرالسلطنت سے رعایا کے اکثر لوگ ناخوش تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد مخلوع کے
بھائی نصر بن محمد کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور اول وزیرالسلطنت کے مکان کو لوٹ کر قصر شاہی پر دھاوا
کردیا۔ محمد مخلوع کو گرفتار و معزول کرکے نصر بن محمد کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ سلطان نصر بن محمد فقیہہ نے
تخت نشین ہوکر ابوالحجاج مقتول مذکور کے بیٹے نصر کو اپنا وزیر بنایا۔ محمد مخلوع کا عزل اور نصر بن محمد
کی تخت نشینی کا واقعہ بروز عیدالفطر ۷۰۸ھ وقوع پذیر ہوا تھا۔ ۷۰۹ھ میں بادشاہ قسطلہ نے
الجزائر پر حملہ کیا یہ شہر تو فتح نہ ہوا۔ مگر جبل الطارق پر شاہ قسطلہ کا قبضہ ہوگیا۔ اسی سال دوسری طرف شاہ
برشلونہ نے المیریہ پر حملہ کردیا۔ سلطان نصر نے المیریہ کے بچانے کے لئے فوج بھیجی۔ ابھی المیریہ پر سلسلہ
جنگ جاری تھا۔ کہ ابوسعید نے جو ابن الاحمر کا بھتیجا اور حاکم مالقہ تھا۔ علم بغاوت بلند کیا۔ ابوسعید کے
بیٹے ابوالولید نے المیریہ کو فتح کرکے بلیش کو بھی فتح کرلیا۔ اور اس طرح سلطنت غرناطہ میں خانہ جنگی شروع
ہوکر سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ یہ ناستودہ حالات ابھی درست باصلاح نہ ہوئے تھے۔ کہ جمادی الثانی
۷۱۰ھ میں سلطان نصر بیمار ہوا اور زندگی سے ناامیدی ہوئی۔ لوگوں نے سلطان محمد مخلوع کو سلطان
نصر کی جگہ تخت نشین کرنا چاہا۔ اتفاقاً سلطان نصر تندرست ہوگیا۔ اُس نے سلطان محمد مخلوع کو جو
ابتک قید تھا۔ قتل کیا۔ ابوسعید اور اُس کے بیٹے ابوالولید نے مالقہ کو دارالحکومت بناکر اپنے مقبوضہ
حصہ ملک پر خود مختارانہ حکومت شروع کردی تھی محرم ۷۱۳ھ میں ابوالولید فوج لیکر دارالسلطنت
غرناطہ کے قریب قریۃ العطشاء میں آکر خیمہ زن ہوا۔ سلطان نصر بھی غرناطہ سے فوج لیکر نکلا ۱۲؍
محرم ۷۱۳ھ کو سلطان نصر نے ابوالولید سے شکست کھائی اور غرناطہ میں آکر پناہ لی۔ غرناطہ پہنچکر
صلح کی سلسلہ جنبانی کی ابھی صلح نامہ کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی۔ کہ بعض باشندگان غرناطہ نے ابوالولید
کو جو مالقہ چلا گیا تھا۔ جاکر صلح سے روکا اور غرناطہ پر حملہ کی ترغیب دی وہ بعض سرداران غرناطہ کو اپنا
ہمدرد پاکر فوراً حملہ پر آمادہ ہوگیا۔ مقام شرونہ کے قریب مالقہ و غرناطہ کی فوجوں کا ایک زبردست
مقابلہ ہوا۔ آخر ابوالولید کو فتح حاصل ہوئی اور وہ پا پیادہ [illegible] کے ساتھ ہی غرناطہ میں داخل
ہوا۔ سلطان قصر حمراء میں محصور ہوگیا۔ آخر ۲۱ رشوال ۷۱۳ھ کو سلطان نے تخت سلطنت سے

دست برداری کی دستاویز ابوالولید کے حق میں لکھدی۔ ابوالولید نے غرناطہ کے تخت پر جلوس کرکے نصر کو وادیٔ آش میں جاکر رہنے کی اجازت دی۔ ابوالولید نے غرناطہ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر بہت ہوشیاری سے امورِ سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ عیسائی جو مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر کہ اب غرناطہ کے تخت پر پہلے سے زیادہ قابل اور بہادر بادشاہ قابض ہوگیا ہے حملہ آوری کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ شاہ قسطلہ نے ۷۱۹ھ میں سلطنت غرناطہ کے سرحدی مقامات پر حملہ کیا۔ اور کئی شہروں پر قابض ہوگیا۔ ابوالولید نے بھی سلسلۂ جنگ جاری رکھا اور آخر محرم ۷۱۹ھ میں عیسائیوں کو مار کر نکال دیا۔ اور اپنا تمام علاقہ اُن سے خالی کرالیا۔ ابوالولید کی یہ چیرہ دستی دیکھ کر عیسائیوں نے مذہبی جنگ کا اعلان کرکے تمام عیسائی سرداروں اور رئیسوں کو مسلمانوں کی بیخکنی پر آمادہ کیا۔ پادریوں نے اپنے مواعظ و تقریر سے عیسائی ممالک میں جوش پیدا کردیا۔ اندلس کے پوپ اعظم نے خاص طور پر اس جہاد میں حصہ لیا۔ شہر طلیطلہ میں عیسائی افواج کا اجتماع ہوا۔ دو لاکھ سے زیادہ جنگجو عیسائی طلیطلہ میں جمع ہوگئے۔ کہ غرناطہ کی ریاست کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر مسلمانوں کا نام و نشان جزیرہ نمائے اندلس سے مٹادیں گے۔ اس لشکر عظیم کا سپہ سالار اعظم سلطنت قسطلہ کا ولی عہد بطروہ قرار دیا گیا۔ یورپ کے مختلف ممالک سے پچیس کے قریب عیسائی سلاطین اس لشکر میں آکر شریک ہوئے۔ پوپ اعظم نے ہر ایک سردار کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کو برکت دی۔ اور تمام براعظم یورپ میں پادریوں نے دعائیں مانگیں کہ اس مرتبہ اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹادینے میں کامیابی حاصل ہو۔ اس عظیم الشان لشکر اور ایسی حیرت انگیز تیاریوں کا حال سن کر غرناطہ کے مسلمانوں کو بڑی پریشانی ہوئی ابوالولید نے مراقش کے بادشاہ ابو سعید کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ یہ وقت مدد کا ہے۔ مگر سلطان مراقش نے کسی قسم کی مدد دینے سے انکار کردیا یا یہ کہ وہ کوئی مدد نہ دے سکا بہرحال جب اُس طرف سے بھی مایوسی ہوئی۔ تو غرناطہ کے مسلمانوں کی عجیب حالت ہوئی۔ اُن کی نگاہوں کے سامنے ہلاکت یقینی تھی۔ اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ابوالولید سلطان غرناطہ زیادہ سے زیادہ جس قدر فوج جمع کرسکا۔ اُس کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار تھی۔ یعنی چار ہزار پیادے اور ڈیڑھ ہزار سوار عیسائیوں کے کئی لاکھ لشکر جرار کے مقابلہ میں اس قلیل تعداد کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مگر خدا پر بھروسہ کرکے اسی مٹھی بھر فوج کو لیکر سلطان غرناطہ ۲۰ ربیع الثانی ۷۱۹ھ کو غرناطہ سے روانہ ہوا۔ سلطان نے اپنے ایک سردار شیخ الغزاۃ نامی کو پانسو آدمیوں کا ایک دستہ دے کر بطور ہراول آگے بھیجا۔ اور پانچ ہزار فوج لیکر اُس کے پیچھے خود روانہ ہوا۔ راستے بھر امرائے لشکر سے مشورے ہوتے رہے کہ ہم کس طرح عیسائیوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ آخر مسلمانوں کے ہراول کا عیسائیوں کے ہراول سے مقابلہ ہوا۔ اور عیسائی ہراول شکست کھاکر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد سلطان ابوالولید نے مقام البیرہ کے متصل ایک جھاڑی میں اپنے ایک سردار ابوالجیوش نامی کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ چھپا دیا۔ شیخ الغزاۃ کو پانسو سپاہیوں کے ساتھ آگے بھیجا اور حکم دیا کہ تم عیسائیوں کے سامنے پہنچ کر پیچھے ہٹنا اور اپنے تعاقب میں اُن کو لگاتے لانا۔ ابوالجیوش کو یہ ہدایت تھی۔ کہ جب عیسائی تمہارے برابر سے گذر جائیں تو تم جھاڑیوں سے نکل کر اُن پر عقب سے حملہ آور ہونا صرف تین سو سوار لیکر سلطان ابوالولید ایک مناسب مقام پر ٹھہر گیا۔ اور باقی فوج ایک اور سردار کو دیکر

مناسب ہدایات کے ساتھ آہستہ بڑھنے کا حکم دیا۔ شیخ الغزاۃ ۲۶ رجادی الاول ۷۱۹ھ ہجری کو علی الصباح عیسائی لشکر کے سامنے پہنچا۔ عیسائیوں نے اس قلیل جماعت کو دیکھ کر فوراً حملہ کیا۔ شیخ الغزاۃ نے حسب ہدایت پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اور عیسائی لشکر کا سمندر کمزور مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کے شوق میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ متحرک ہوا۔ شیخ الغزاۃ پیچھے ہٹتا جاتا تھا۔ اور عیسائی لشکر جوش مسرت میں بڑھا چلا آتا تھا جب ابوالجیوش کے سامنے سے یہ لشکر گزرا تو وہ اپنے ایک ہزار ہمراہیوں کو لیکر شیر نیستان کی طرح جھاڑی سے نکل کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ ابوالجیوش کے حملہ آور ہوتے ہی شیخ الغزاۃ بھی رُک کر حملہ آور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ابوالولید بھی تیسری سمت سے اپنے تین سو سوار دل کو لیکر حملہ آور ہوا۔ اس کے بعد ہی بقیہ فوج نے بھی بڑی بےجگری کے ساتھ حملہ کیا۔ بظاہر یہ حملہ اور دستیم اُس کئی لاکھ کے لشکر عظیم کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہ رکھتے تھے۔ مگر مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر اور زندگیوں سے مایوس ہو کر شوق شہادت میں اس شدت سے حملے کئے تھے کہ عیسائی لشکر حواس باختہ ہو کر تاب مقاومت نہ لا سکا۔ اور جدھر جس کا منہ اُٹھا بھاگنے لگا۔ ایک لاکھ عیسائی میدان جنگ میں کھیت رہے اور باقی اپنی جان بچا کر لے گئے۔ غالباً یہ لڑائی جو جنگ البیرہ کے نام سے مشہور ہے اپنی نوعیت میں بے نظیر جنگ ہے۔ سب سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ اس لڑائی میں صرف تیرہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ایک طرف تیرہ اور دوسری طرف ایک لاکھ آدمیوں کا ہلاک ہونا عجائبات میں سے ہے۔ میدان جنگ میں اسپہ سالار اعظم بطروہ اور پچیس معاونین کی لاشیں بھی موجود تھیں۔ سات ہزار قیدیوں میں بطروہ کی بیوی اور بیٹے بھی شریک تھے۔ بطروہ کی لاش ایک صندوق میں رکھ کر شہر غرناطہ کے دروازے پر لٹکا دی گئی تھی۔ اس شکست فاش سے عیسائیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کو معلوم ہوا کہ غرناطہ کی ریاست کا اندلس سے نام و نشان مٹانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سلطان ابوالولید نے اس فتح پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور عیسائیوں کی درخواست پر اُن سے صلح کر کے اپنی سلطنت کے اندرونی انتظام و استحکام میں مصروف ہو گیا۔ اور رجب ۷۲۵ھ کو سلطان ابوالولید نے قلعہ مرطاش فتح کیا۔ اس فتح کے بعد جب سلطان واپس غرناطہ میں آیا تو ۲۷ رجب ۷۲۵ھ کو اس کے بھتیجے نے اُس کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ ارکین سلطنت نے قصاص میں قاتل کو قتل کیا۔ اور سلطان مقتول کے بیٹے محمد کو تخت نشین کیا۔

سلطان محمد نے تخت نشین ہو کر ابو العلا عثمان کو اپنا وزیر بنایا۔ وزیر عثمان نے اپنا اقتدار جب حد سے زیادہ بڑھایا۔ اور تخت سلطنت کے لئے مضر ثابت ہونے لگا۔ تو سلطان محمد نے ۷۲۹ھ میں اُس کو قتل کرا دیا۔ ۷۳۳ھ میں سلطان محمد نے جبل الطارق کو عیسائیوں سے خالی کرا لیا۔ عیسائی اس کے بچانے اور واپس لینے کے لئے بحری اور بری فوجوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ مگر ناکام و نامراد رہے۔ جبل الطارق سے سلطان محمد غرناطہ کو واپس آرہا تھا کہ ابوالعلا عثمان کے بیٹوں اور رشتہ داروں نے موقع پاکر سلطان محمد پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا سلطان کے ہمراہی اُس کی لاش کو مالقہ لے گئے اور وہیں دفن کر دیا۔ سلطان محمد مقتول کا بھائی یوسف تخت نشین ہوا۔ سلطان یوسف کی عمر تخت نشینی کے وقت صرف سولہ سال کی تھی۔ مگر یہ نہایت عقلمند۔ باخدا اور بہادر شخص تھا۔ اس نے نہایت قابلیت کے ساتھ سلطنت کو سنبھالا اور اپنے

بھائی کے قاتلوں سے انتقام لیکر امور سلطنت کو نہایت عمدگی سے انجام دیا۔ عیسائیوں نے جبل الطارق اور اُس کے نواح میں پھر حملہ آوری اور چھیڑ چھاڑ شروع کی سلطان یوسف نے ابوالحسن مرینی شاہ مراقش کو توجہ دلائی۔ ابوالحسن مرینی نے اپنے بیٹے کو فوج دیکر جبل الطارق کی طرف بھیجا۔ ادھر سے سُلطان یوسف بھی پہنچ گیا جنگ ہوئی عیسائیوں نے شکست پائی۔ جب مراقشی لشکر واپس جانے لگا تو عیسائیوں نے دھوکہ دیکر ایک سخت حملہ کیا۔ اُس میں مُسلمانوں کا بہت نقصان ہوا سنہ ۷۴۱ھ میں سلطان ابوالحسن خود ساٹھ ہزار فوج لیکر اندلس آیا۔ ادھر سے سلطان یوسف بھی اُس کی امداد و اعانت کو پہنچ گیا۔ عیسائیوں نے اسلامی لشکر کی چڑھائی کا حال سُن کر پہلے سے خوب تیاری کرلی تھی۔ طریف کے متصل ایک میدان میں جنگ عظیم برپا ہوئی۔ عیسائیوں کی فوج تعداد اور سامان جنگ میں بہت زیادہ تھی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اور ایک بڑی تعداد نے جام شہادت نوش کیا۔ عیسائیوں نے سلطنت غرناطہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان ابوالحسن مراقش کو واپس گیا۔ اور یوسف نے غرناطہ میں آکر پناہ لی۔ اس لڑائی میں بڑے بڑے علما و زہاد جو شامل لشکر تھے۔ شہید ہوئے۔ انہیں شہداء میں لسان الدین ابن الخطیب کے باپ عبداللہ سلمان بھی تھے سنہ ۷۴۹ھ میں سلطان یوسف نے لسان الدین ابن الخطیب کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور عیسائیوں سے انتقام لینے کی تیاریوں میں مصروف رہا سنہ ۷۵۵ھ میں سلطان یوسف عیسائیوں پر جہاد کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ عید کے روز جبکہ سلطان نماز عید ادا کر رہا تھا۔ سجدہ کی حالت میں ایک مجہول الاحوال شخص نے نیزہ مار کر سلطان کو شہید کر دیا۔ قصر حمراء میں اُس کو دفن کیا گیا۔ یوسف کے بعد اُس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا اور غنی باللہ کا لقب اختیار کیا۔ تخت نشینی کے چند روز بعد سلطان محمد نے لسان الدین ابن الخطیب کو ابو سالم بن ابوالحسن مرینی شاہ مراقش کے پاس بھیجا کہ اُس کو عیسائیوں کے خلاف امداد پر آمادہ کرے ابو سالم نے فوج بھیجدی اور عیسائیوں سے معمولی لڑائیاں ہوئیں مگر کوئی قابل تذکرہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حاجب السلطنت، رضوان نامی اس بادشاہ کے مزاج میں دخیل ہو کر سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمد کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل نے ۲۸ رمضان سنہ ۷۶۰ھ کو جبکہ سلطان محمد شہر سے باہر جنت العریف میں مقیم تھا۔ قلعہ غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ ۲۹ رمضان کی صبح کو جب سلطان محمد نے سُنا کہ شہر و قلعہ پر اسمٰعیل کا قبضہ ہو چکا ہے۔ تو وہ سیدھا وادی آش کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچکر فوج کو فراہم کرنے لگا۔ ساتھ ہی اُس نے شاہ قسطلہ سے خط و کتابت کر کے اُس کو اپنی امداد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ابھی اس عیسائی بادشاہ کی طرف سے کوئی تسکین بخش جواب نہیں ملا تھا کہ سلطان ابو سالم بن ابوالحسن مرینی بادشاہ مراقش کی طرف سے ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۷۶۰ھ کو ابوالقاسم ابن شریف بطور سفیر پہنچا اور سلطان محمد سے کہا کہ بادشاہ مراقش کے ساتھ چونکہ آپ کے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں۔ لہٰذا ان تعلقات کی بنا پر ابو سالم خواہشمند ہے کہ آپ اُس کے یہاں بطور مہمان تشریف لے چلیں وہ آپ کی ہر قسم کی امداد کرنے پر آمادہ ہے۔ سلطان محمد ۲ ذی الحجہ کو وادی آش سے مراقش کی جانب روانہ ہوا۔ اور مراقش پہنچکر عزت و حرمت کے ساتھ سلطان ابو سالم کا مہمان ہوا۔ ادھر غرناطہ میں سلطان اسمٰعیل کی حکومت شروع ہو گئی۔ سلطان اسمٰعیل نے بھی تخت نشین ہونے کے بعد قسطلہ کے عیسائی بادشاہ سے خط و کتابت کر کے دوستی و صلح کی بنیاد قائم کی شاہ قسطلہ چونکہ ان دونوں شاہ شلوہ

کے ساتھ برسرِ جنگ تھا اُس نے اس صلح کو بہت غنیمت سمجھا۔ مگر ۴ر شعبان ۷۶۱ھ کو سلطان اسمٰعیل کے بھائی ابو یحییٰ عبداللہ نے سلطان اسمٰعیل اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر کے خود تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔ ۲۷ر شوال ۷۶۲ھ کو اکیس مہینے کی جلاوطنی کے بعد سلطان محمد سلطان مراقش کی امداد سے اندلس میں آیا اور سلطنت غرناطہ کے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ابو یحییٰ عبداللہ نے جب اپنے آپ کو مقابلے میں کمزور پایا تو وہ خود بادشاہ قسطلہ کے پاس امداد طلب کرنے گیا۔ بادشاہ قسطلہ نے اس اعانت خواہ و پناہ گزیں کو بتاریخ ۲ر رجب ۷۶۳ھ مع تمام ہمراہیوں کے اشبیلیہ کے قریب قتل کرادیا۔ اور اُس کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلیا۔ ادھر سلطان محمد مخلوع نے ۲۰ر جمادی الآخر ۷۶۳ھ کو غرناطہ پر قبضہ کر کے تختِ سلطنت پر جلوس کیا تھا۔ وہ زمانہ تھا کہ جبل الطارق سلطنت مراقش کے مقبوضات میں شامل تھا۔ اور کئی سال سے سلطنت غرناطہ قسطلہ کی عیسائی سلطنت کی باجگذار ہوگئی تھی۔ سلطان محمد نے اس مرتبہ غرناطہ پر قابض ہوکر نہایت احتیاط و خوبی کے ساتھ اپنی حالت کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ حسن اتفاق سے مراقش میں ابو سالم کے فوت ہونے پر اُس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ادھر شاہ قسطلہ اور اُس کے بھائی میں لڑائیاں ہونے لگیں۔ دونوں طرف کی خانہ جنگیوں سے سلطان محمد نے فائدہ اُٹھایا۔ ایک طرف تو قلعہ جبل الطارق پر قبضہ کرلیا۔ دوسری طرف سلطنت قسطلہ کو خراج دینے سے صاف انکار کردیا۔ یہ واقعہ ۷۷۲ھ کا ہے۔ ۷۷۲ھ میں جب شاہ قسطلہ کے سفیروں کو کوئی خراج نہیں دیا گیا۔ اور انکاری جواب کے ساتھ واپس لوٹایا گیا۔ تو عیسائیوں سے بجز خاموش رہنے کے اَور کچھ نہ ہوسکا۔ غرض اس سلطان کے عہد حکومت میں سلطنت غرناطہ کے رُعب و وقار نے خوب ترقی کی اور عیسائی اُس سے ڈرنے لگے۔ ۷۹۳ھ میں سلطان محمد فوت ہوا اور اُس کا بیٹا یوسف ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ صلح پسند اور عقلمند شخص تھا اس نے بادشاہ قسطلہ سے قیام صلح کے لئے عہد نامہ مکمل کیا۔ یوسف ثانی کے چار بیٹے یوسف محمد۔ علی اور احمد تھے۔ ان میں محمد سب سے زیادہ چالاک اور ہوشیار تھا۔ ۷۹۸ھ میں یوسف ثانی فوت ہوا تو محمد اپنے بڑے بھائی یوسف کو محروم کر کے خود تخت نشین ہوگیا۔ اس خاندان میں محمد نام کے بہت سے شخص ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس محمد بن یوسف ثانی کو محمد ہفتم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محمد ہفتم کی تخت نشینی کے چند روز بعد عیسائیوں سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی تھی۔ اور مسلمانوں اس سلسلۂ جنگ میں عیسائیوں کو شکستیں دیکر سلطنت قسطلہ کے بعض مقامات پر قبضہ کرلیا تھا۔ انہیں ایام میں بادشاہ قسطلہ فوت ہوا اور اس نے اپنا ایک شیر خوار بچہ جان نامی چھوڑا۔ اسی شیر خوار کو تختِ سلطنت پر بٹھا کر اُس کے چچا فردی نند نے مہات سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ فردی نند نے بھی سلسلۂ جنگ کو جاری رکھا۔ چونکہ عیسائیوں کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ اس لئے محمد ہفتم نے عیسائی افواج کو محاذ جنگ پر مصروف رکھ کر اپنی فوج کے ایک حصے سے شہر جیان کی طرف حملہ کیا۔ اس ترکیب سے عیسائیوں کو اپنی افواج اُس طرف منتقل کرنا پڑیں اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فردی نند نے مجبور ہوکر درخواست صلح پیش کی جو محمد ہفتم نے منظور کرلی۔ اس طرح اس سلسلۂ جنگ کا خاتمہ ہوا۔ ۸۰۳ھ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے لشکروں میں پھر ایک جنگ عظیم برپا ہوئی۔ اس لڑائی میں غالب و مغلوب کا کوئی اندازہ نہ ہوسکا۔ آخر عیسائیوں نے پھر

صلح چاہی اور آٹھ مہینے کے لئے موقت صلح ہو گئی۔ ابھی مدت پوری نہ ہونے پائی تھی۔ کہ سلطان محمد ہفتم نے بیمار ہو کر وفات پائی اور اُس کا بھائی یوسف ثالث جو نظر بند تھا۔ تخت نشین ہوا۔ یوسف ثالث نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے ایک سردار عبداللہ کو فردی نند کے پاس بھیج کر مدت صلح کو دو سال تک کے لئے وسیع کرا لیا۔ جب یہ دو سال کی مدت ختم ہونے لگی۔ تو سلطان یوسف ثالث نے اپنے بھائی علی کو شاہ قسطلہ کے پاس بطور سفیر بھیج کر مدت صلح میں اور توسیع چاہی۔ عیسائیوں نے سلطان کی اس صلح جوئی کو کمزوری پر محمول کر کے کہا کہ اگر تمہارا سلطان ہم کو خراج دینا قبول کر لے تو ہم اس درخواست کو منظور کر سکتے ہیں۔ علی نے عیسائیوں کی اس درخواست کو نامنظور کر کے غرناطہ کی جانب مراجعت کی اس کے بعد فردی نند نے فوج گراں لیکر حدود سلطنت غرناطہ پر حملہ کیا۔ نہایت سخت و شدید جنگ ہوئی۔ اور ایک حصہ سلطنت غرناطہ کا عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ابھی یہ لڑائی ختم نہ ہوئی تھی کہ سلطنت فاس (مراقش) کے ایک لشکر نے اپنے شہزادہ ابو سعید کی قیادت میں قلعہ جبل الطارق پر حملہ کیا۔ اس حملہ کا حال سن کر سلطان یوسف ثالث نے اپنے بھائی احمد کو فوج دیکر جبل الطارق کے بچانے کو روانہ کیا وہاں دونوں شہزادوں میں صلح ہو گئی۔ اور ابو سعید شہزادہ احمد کے ساتھ بطور مہمان غرناطہ چلا آیا۔ مراقش کے بادشاہ نے جو شہزادہ ابو سعید کا بڑا بھائی تھا۔ یوسف ثالث کو لکھا کہ کسی طرح ابو سعید کو وہیں قتل کرا دو۔ یوسف ثالث نے ابو سعید کو اُس کے بھائی کا خط دکھایا اور اس کو بتایا کہ تمہارے بھائی نے تم کو قتل کرانے کے لئے جبل الطارق پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابو سعید نے ۸۲۰ھ میں سلطان یوسف ثالث سے مدد لیکر اور اندلس ہی میں ہر قسم کا سامان مہیا کر کے مراقش پر حملہ کیا اور اپنے بھائی کو بیدخل کر کے خود تخت نشین ہوا۔ اور اپنے محسن سلطان یوسف ثالث کا شکریہ ادا کیا۔ اسی سال یعنی ۸۲۰ھ میں جان بادشاہ قسطلہ نے بالغ ہو کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے چچا فردی نند کو معزول کر دیا۔ اور اپنی اس کے مشورے کی موافقت یوسف ثالث سے صلح قائم کی۔ یوسف ثالث اس قدر منصف مزاج اور عادل شخص تھا کہ اکثر عیسائی سردار اپنے آپس کے نزاعوں میں یوسف ثالث ہی کو حکم قرار دیتے۔ اور اُس کے فیصلے کو بخوشی قبول کر لیتے تھے۔ سلطان یوسف ثالث نے ۸۲۳ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا محمد ہشتم تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت قسطلہ اور سلطنت مراقش دونوں سے صلح و دوستی کے عہد ناموں کی تجدید کی اور امیر یوسف کو جس کے بزرگ غرناطہ کے قاضی ہوتے آئے تھے۔ اپنا وزیر اعظم بنایا۔ یہ وزیر بڑا لائق شخص تھا۔ مگر محمد ہشتم نے نا اہلوں کی صحبت اور سفلہ پروری اختیار کی جس سے رعایائے غرناطہ بہت بددل ہوئی۔ آخر محمد نہم نے موقع پاکر غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ محمد ہشتم غرناطہ سے بھاگ گیا اور ایک غریب ملاح کی کشتی میں بیٹھ کر افریقہ میں بادشاہ تونس کے پاس چلا گیا۔ ابو الفارس نے اس کو عزت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور مدد دینے کا بھی وعدہ کیا۔ محمد نہم نے تخت نشین ہو کر امرا کو اپنا طرفدار بنایا۔ مگر [illegible] یوسف کو اپنا مخالف بنا لیا اور اُس کی تخریب کے درپے ہوا وزیر یوسف غرناطہ سے پانسو آدمیوں کو ہمراہ لیکر مرسیہ بھاگ آیا۔ اور یہاں سے خط و کتابت کے ذریعہ بادشاہ قسطلہ سے اجازت لیکر اُس کے پاس چلا گیا۔ اور بادشاہ قسطلہ مسمی جان کو

محمد ہشتم کی امداد پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس عیسائی پادشاہ نے مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کا بہت اچھا موقع پایا اور کہا کہ اپنے ہمراہیوں میں سے چند با اثر اشخاص کا ایک وفد پادشاہ تونس کے پاس بھیجو اور اُس کو بھی امداد پر آمادہ کرو۔ چنانچہ وفد گیا اور ابوالفارس بادشاہ تونس نے پانسو سوار اور ایک معقول رقم بطور امداد دیکر اپنے جہازوں میں سوار کرا کے محمد ہشتم کو اندلس کی طرف روانہ کر دیا جب سلطان محمد ہشتم اندلس کے ساحل پر اُترا تو وزیر یوسف کی کوشش سے صوبہ المیریہ کے باشندوں نے اُس کی امداد کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ محمد نہم نے محمد ہشتم کے آنے کی خبر سُن کر اُس کے مقابلہ کو فوج بھیجی۔ مگر جب یہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پہونچیں تو یوسف کی کوشش سے محمد نہم کی فوج کا بڑا حصہ محمد ہشتم کی فوج سے آملا۔ اس طرح باقی لوگ بھاگ کر غرناطہ آئے۔ محمد ہشتم غرناطہ کی طرف بڑھا۔ اور ۸۳۳ھ میں غرناطہ کو فتح کر کے محمد نہم کو گرفتار و قتل کیا۔ اور خود تخت نشین ہوا۔ دوبارہ سلطنت حاصل کرنے کے بعد محمد ہشتم نے اپنے وزیر یوسف کی رائے کے موافق اپنے طرزِ عمل کو تبدیل کر دیا۔ اور رعایا کی دلجوئی میں مصروف ہوا۔ اب عیسائی پادشاہ قسطلہ کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے محمد ہشتم نے چاہا کہ اُس سے دوامی صلح ہو جائے۔ لیکن عیسائی بادشاہ نے کہا کہ تم ہم کو خراج دینا قبول کرو تو دوامی صلح ہو سکتی ہے۔ اس کو محمد ہشتم نے نامنظور کیا۔ مگر چونکہ شاہ قسطلہ کو بھی بعض اندرونی پیچیدگیوں کی وجہ سے اطمینان حاصل نہ تھا۔ لہٰذا کوئی فتنہ برپا نہ ہوا۔ چند روز کے بعد شاہ قسطلہ نے حملہ کیا۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ کبھی مسلمانوں کو کبھی عیسائیوں کو کامیابی ہوئی۔ ابھی یہ سلسلہ لڑائیوں کا جاری ہی تھا کہ محمد ہشتم کے ایک رشتہ دار یوسف ابن الاحمر نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور اپنے دوستوں کی مدد سے البیرہ میں سلطنت غرناطہ کے تخت کا مدعی ہو کر شاہ قسطلہ سے خط و کتابت کر کے اس بات کا اقرار کیا کہ اگر آپ کی مدد سے میں سلطنت غرناطہ پر قابض متسلط ہو گیا تو سالانہ خراج بلا چون و چرا ادا کیا کروں گا۔ اور ضرورت کے وقت اپنی فوج سے آپ کا مددگار رہوں گا۔ عیسائیوں نے اس کو تائید غیبی سمجھا۔ اور شاہ قسطلہ نے اپنی فوجیں مقام البیرہ میں یوسف کی مدد کے لئے بھیج دیں۔ یہاں محمد ہشتم نے حملہ کیا اور جنگ عظیم برپا ہوئی پادشاہ قسطلہ بھی اس جنگ میں خود موجود تھا۔ آخر طرفین سے بہت سے آدمی کام آئے۔ اور غالب و مغلوب کا فیصلہ ہوئے بغیر شاہ قسطلہ یوسف ابن الاحمر کو لئے ہوئے قرطبہ کی جانب اور محمد ہشتم غرناطہ کی جانب چلا گیا۔ شاہ قسطلہ نے قرطبہ میں دربار عام منعقد کر کے یوسف ابن الاحمر کو پادشاہ غرناطہ بنایا اور اُس کو ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد یوسف کو فوج دیکر رخصت کیا کہ غرناطہ کی سلطنت پر قبضہ کرے یوسف نے فرمانبرداری کا اقرار کیا اور روانہ ہو کر حدود سلطنت غرناطہ میں عیسائیوں کی مدد سے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ عیسائیوں [illegible] ہو گئے تھے! اور وہ دور سے تماشا دیکھ رہے تھے سلطان محمد ہشتم نے اپنے وزیر یوسف کو یوسف ابن الاحمر کی سرکوبی پر مامور کیا۔ ۸۳۹ھ میں وزیر یوسف ایک لڑائی میں یوسف ابن الاحمر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ خبر جب غرناطہ میں پہنچی تو وہاں کی رعایا میں سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ اور محمد ہشتم کے خلاف رائے زنی ہونے لگی۔ محمد ہشتم یہ رنگ دیکھ کر قصر حمراء کا تمام خزانہ ہمراہ لیکر غرناطہ سے مالقہ کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد ہی یوسف ابن الاحمر غرناطہ پر آکر قابض و متصرف

ہوگیا۔ غرناطہ میں تخت نشینی کی رسم ادا کرکے بادشاہ قسطلہ کو اقرار فرمانبرداری کا عریضہ بھیجا۔ اور محمد ہشتم کی گرفتاری کے لیے مالقہ کی جانب فوج روانہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ ابھی مالقہ کی جانب فوج روانہ نہ کرسکا تھا۔ چھ مہینے کی بادشاہت کے بعد یوسف ابن الاحمر فوت ہوگیا۔ اور محمد ہشتم اُس کے مرنے کی خبر سُنتے ہی مالقہ سے غرناطہ میں آکر تیسری مرتبہ تخت نشین ہوا۔ امیر عبدالحق کو اپنا وزیر اور امیر عبدالبر کو اپنا سپہ سالار بنایا۔ عیسائیوں نے پھر فوج کشی کی اور سپہ سالار غرناطہ نے ان کو شکست دیکر واپس بھگا دیا۔ اس شکست سے عیسائیوں کی ہمت پست ہوگئی۔ اور غرناطہ کی اسلامی سلطنت کا رُعب پھر قائم ہوگیا۔ افسوس کہ اس کامیابی کے بعد جبکہ مسلمانوں کو اپنی طاقت کے بڑھانے اور اپنی حالت سدھارنے کا موقع حاصل تھا پھر خانہ جنگی کے سامان پیدا ہوگئے۔ سلطان محمد ہشتم کا ایک بھتیجا ابن عثمان المیریہ کا حکم مقرر تھا۔ اُس نے اپنے چچا کے خلاف غرناطہ کی رعایا کو بغاوت پر آمادہ کیا جب اُس کو یقین ہوگیا کہ غرناطہ میں لوگ میری طرفداری کریں گے۔ تو فوراً غرناطہ میں آکر اور باغیوں کا سردار بن کر قصر الحمراء پر قابض ہوگیا اور محمد ہشتم کو تیسری مرتبہ تخت سے اُتار کر قید کردیا۔ امیر عبدالبر سپہ سالار نے غرناطہ بھاگ کر ہواخواہوں کو جمع کیا اور سلطان محمد ہشتم کی رہائی کی تدبیریں کرنے لگا۔ اُس نے سوچا کہ اگر میں سلطان محمد ہشتم کی رہائی کے مطالبہ کا اعلان کروں گا۔ تو ممکن ہے کہ ابن عثمان جو غرناطہ میں تخت نشین ہوچکا ہے محمد ہشتم کو قتل کردے لہٰذا اُس نے محمد ہشتم کے دوسرے بھتیجے ابن اسمٰعیل کو اپنا شریک بنانے اور سلطنت کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دی ابن اسمٰعیل فوراً رضامند ہوگیا اور بادشاہ قسطلہ سے خط و کتابت کرکے اور اجازت لینے کے بعد عبدالبر سے آملا۔ عیسائیوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ ایک طرف ابن اسمٰعیل نے اور دوسری طرف شاہ قسطلہ نے سلطان ابن عثمان کی حدود پر فوجکشی شروع کی۔ یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ ۷۸۲ھ میں شاہ آرغون اور شاہ اربونیہ (دونوں عیسائی تھے) نے شاہ قسطلہ کے خلاف فوجکشی کی اس طرح شاہ قسطلہ اپنی مصیبت میں گرفتار ہوا اور مسلمانوں کی طرف سے فوجیں ہٹالیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن اسمٰعیل بھی اپنے حلیف شاہ قسطلہ کے خانہ جنگی سے فارغ ہونے تک خاموش رہا۔ سلطان ابن عثمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ ارغون اور شاہ اربونیہ سلطنت قسطلہ کے خلاف متحد ہوگئے ہیں۔ تو اس نے اپنے سفیر ان دونوں عیسائی بادشاہوں کے پاس بھیجکر ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے اور وعدہ کیا کہ جب تم قسطلہ پر حملہ آور ہوگے تو میں بھی تمہارے مقصد کی کامیابی کے لئے ادھر سے حملہ کروں گا۔ چنانچہ [illegible]ھ میں سلطان ابن عثمان نے قسطلہ کی سلطنت پر حملہ کیا اور صوبہ مرسیہ کو تاخت و تاراج کرتا اور قسطلہ کی فوجوں کو دُور تک بھگاتا ہوا بہت سے مال غنیمت کے ساتھ غرناطہ واپس آیا۔ اگلے سال سلطان ابن عثمان نے صوبہ اندلوسیہ پر حملہ کیا اور مرسیہ کی طرح اس صوبہ کو بھی خوب تباہ و برباد کرتا رہا۔ اگر سلطان ابن عثمان چاہتا تو قرطبہ پر قبضہ کرسکتا تھا۔ مگر اُس نے قرطبہ کی طرف التفات نہ کیا۔ [illegible]ھ تک اربونیہ و ارغون کی مخالفت سلطنت قسطلہ سے جاری رہی اور ابن عثمان بھی ان دونوں اول الذکر عیسائی سلطنتوں کی امداد کرتا رہا۔ شاہ قسطلہ نے مجبور ہوکر اپنے ہم مذہب مخالفوں سے صلح کرلی۔ جب ارغون و اربونیہ کی حکومتوں سے شاہ قسطلہ کی صلح ہوگئی۔ تو اس نے ابن اسمٰعیل کو جو ان ایام میں سرحد قسطلہ پر خاموش و منتظر تھا۔ فوج دیکر ۷۸۵ھ میں ابن عثمان پر حملہ آور کرایا۔ ابن اسمٰعیل کو چونکہ اکثر مسلمان امرا کی ہمدردی حاصل تھی۔ اس لئے اُس کے مقابلے میں

ن عثمان کو شکست ہوئی وہ معہ چند ہمراہیوں کے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا اور ابن اسمٰعیل غرناطہ
ں آکر تخت نشین ہوا۔ ابن اسمٰعیل کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد شاہ قسطلہ مسمی جوآن کا انتقال ہوگیا۔
ور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ ابن اسمٰعیل کی تخت نشینی کے بعد چونکہ قسطلہ کا پادشاہ جوآن فوت ہو چکا
تھا۔ اس کے بیٹوں پوتوں نے برسراقتدار ہو کر ابن اسمٰعیل کے ساتھ پھر سلسلۂ جنگ شروع کر دیا اور
۸۷۰ھ تک برابر عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ان لڑائیوں میں سلطان
ابن اسمٰعیل کے بیٹے ابوالحسن نے بڑی ناموری حاصل کی ۸۷۰ھ میں ابن اسمٰعیل نے وفات پائی اور اس کا
بیٹا ابوالحسن تخت نشین ہوا۔

سلطان ابوالحسن چونکہ ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی تھا۔ اس لئے تخت نشین ہو کر اس نے عیسائیوں
کے ساتھ لڑائیوں کے سلسلہ کو بحسن و خوبی جاری رکھا۔ چند روز کے بعد مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا
یہ عجیب سامان ہوا کہ سلطنت قسطلہ کے نوجوان بادشاہ فردی نند کی شادی سلطنت ارغون کی شہزادی
ازبیلا کے ساتھ ہوئی۔ اور اس شادی کے ساتھ ہی ارغون کی سلطنت قسطلہ سلطنت میں مل کر ایک بہت
ہی زبردست عیسائی سلطنت بن گئی۔ فردی نند اور ازبیلا دونوں بیحد متعصب اور پادری مزاج واقع
ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے مل کر اس بات کا تہیہ کیا کہ جزیرہ نمائے اندلس سے اسلامی سلطنت
کا نام و نشان مٹا دینا چاہیئے۔ اور اس جزیرہ نما میں ایک بھی مسلمان قسم کھانے کو زندہ نہ چھوڑنا چاہیئے
ادھر فردی نند اور ازبیلا میں یہ قرارداد ہو رہی تھی۔ ادھر سلطان ابوالحسن نے مصلحت وقت سمجھ کر اس
عیسائی سلطنت کے ساتھ صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ چنانچہ فردی نند نے ۸۸۰ھ میں
سلطان ابوالحسن کو لکھا کہ اگر تم صلح کے خواہاں ہو تو بلا عذر ہم کو خراج دینا منظور کرو۔ ابوالحسن کی جگہ اگر
کوئی دوسرا سلطان غرناطہ کے موجودہ تخت پر ہوتا تو وہ شاید ایسا سخت جواب نہ دے سکتا۔ مگر
ابوالحسن نے فردی نند کو لکھا کہ غرناطہ کے دارالضرب میں اب بجائے سونے کے سکوں کے فولادی
شمشیریں تیار ہوتی ہیں۔ تاکہ عیسائیوں کی گردنیں اڑائی جائیں۔ اس جوانمردانہ جواب نے چند روز کے
لئے فردی نند کو مبہوت و مرعوب بنا دیا۔ اور غالباً کئی سال تک سلسلۂ جنگ ملتوی رہا۔ سلطان
ابوالحسن نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ہم اس ملک میں آزاد و خود مختار رہیں گے۔ اور عیسائیوں کا محکوم بننے
کی عوض موت کو ترجیح دیں گے۔ فردی نند اور ازبیلا جو دونوں ملکر فرائض فرمانروائی ادا کرتے
تھے۔ تیاری میں مصروف رہے۔ عیسائی تیاریوں کا حال سن کر ابوالحسن نے خود ہی ۸۸۶ھ میں
سلطنت قسطلہ کے قلعہ صخرہ پر جو دریائے وادی الکبیر کے کنارے نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ اور فردی نند
کے دادا نے مسلمانوں سے فتح کیا تھا۔ حملہ کیا اور ایک ہی شب کے محاصرے کے بعد بجبر و قہر عیسائیوں
سے چھین لیا۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ جس وقت سلطان ابوالحسن غرناطہ میں تخت نشین
ہوا ہے تو سلطنت غرناطہ کا رقبہ سمٹ کر صرف [illegible] میل مربع یا اس سے کم رہ گیا تھا اور سلطنت
قسطلہ کا رقبہ اس وقت [illegible] ہو کر سوا لاکھ میل مربع سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ فردی نند کو قلعہ صخرہ
کے نکل جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ اور اس [illegible] قلعہ الحمہ پر [illegible] سے حملہ کیا۔
چونکہ اس قلعہ کی حفاظت کے لئے کوئی فوج اس وقت وہاں موجود نہ تھی۔ لہٰذا معمولی کوشش کے بعد
عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں نے قلعہ صخرہ کی فتح کرنے [illegible] کے بغیر [illegible] عیسائیوں کو کچھ

قسم کا کوئی آزار نہیں پہنچایا۔ لیکن عیسائیوں نے الحمہ پر قابض ہو کر وہاں کی تمام مسلمان رعایا کو بلا امتیاز زن و مرد تہ تیغ کر دیا۔ فردی نند نے الحمہ میں دس ہزار عیسائی فوج حفاظت کی غرض سے چھوڑ دی اور خود واپس چلا گیا۔ غرناطہ میں جب الحمہ کے قتل عام کی خبر پہنچی۔ تو تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ سلطان ابوالحسن نے ایک عرب سردار کو اس قلعہ کے واپس لینے کے لئے روانہ کیا۔ اُس نے جاتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ فردی نند کا ایک سردار یعنی حاکم قرطبہ فوج لیکر قرطبہ سے چلا کہ قلعہ الحمہ کو بچائے یہ خبر سن کر عرب سردار نے اپنی فوج کا ایک حصہ قلعہ کے محاصرہ پر چھوڑا اور ایک حصہ حاکم قرطبہ کے مقابلے کو بھیجا۔ راستے میں لڑائی ہوئی اور حاکم قرطبہ شکست کھا کر بھاگا۔ ٹھیک اسی وقت دوسری طرف سے حاکم اشبیلیہ یعنی دوسرا عیسائی سردار ایک زبردست فوج لیکر نمودار ہوا۔ چونکہ قلعہ کے محاصرہ پر بہت ہی تھوڑی سی فوج باقی تھی۔ اس لئے مصلحت وقت سمجھ کر مسلمانوں کی فوج غرناطہ کو واپس چلی آئی اور یہ قلعہ قبضہ میں نہ آ سکا۔ قلعہ الحمہ نہایت زبردست اور غرناطہ سے قریب کا قلعہ تھا۔ اس لئے اس کا عیسائیوں کے قبضے میں چلا جانا بہت خطرناک تھا۔ ماہ جمادی الاول ۸۸۷ھ میں سلطان ابوالحسن کے پاس خبر پہنچی کہ فردی نند اپنی پوری فوج کے ساتھ غرناطہ کی طرف روانہ ہوا ہے۔ ادھر سے سلطان ابوالحسن بھی غرناطہ سے معہ فوج روانہ ہوا۔ سلطنت غرناطہ کی سرحد پر مقام لوشہ کے قریب ۲۷ جمادی الاول ۸۸۷ھ کو ایک زبردست جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں فردی نند کو شکست فاش حاصل ہوئی اور لشکر اسلام کے ہاتھ بے حد مال غنیمت آیا۔ ادھر میدان لوشہ میں سلطان ابوالحسن اپنے حریف فردی نند کو شکست فاش دیکر بھگا رہا تھا۔ اُدھر غرناطہ میں سلطان کا بیٹا ابو عبداللہ محمد باپ کے خلاف سازش میں مصروف عمل تھا۔ اس فتح کے بعد سلطان ابوالحسن عیسائیوں کو مار مار کر بھگانے اور اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کی تدبیر میں مصروف ہونا چاہتا تھا کہ اس کے پاس وہیں خبر پہنچی کہ شہزادہ ابو عبداللہ محمد نے المیریہ۔ بسطہ اور غرناطہ پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ سلطان مجبوراً مالقہ میں آ کر مقیم ہو گیا۔ اس طرح غرناطہ اور نصف مشرقی حصہ میں ابو عبداللہ محمد کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور مالقہ یعنی نصف مغربی حصہ میں سلطان ابوالحسن کی حکومت باقی رہی۔ اس چھوٹی سی اسلامی حکومت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھ کر ایک طرف عیسائیوں کے دہان حرص میں پانی بھر آیا دوسری طرف باغی شہزادے ابو عبداللہ محمد نے سلطنت کا باقی نصف حصہ بھی باپ سے چھین لینے کی تیاریاں کی۔ چنانچہ اوّل۔ اشبیلیہ۔ استیجہ اور سرتیش کے عیسائی صوبہ داروں نے فوج فراہم کر کے سلطان ابوالحسن پر مالقہ میں حملہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اور اشبیلیہ و سرتیش کے حاکم معہ دو ہزار سواروں کے گرفتار ہوئے۔ باقی میدان جنگ میں مقتول یا مفرور ہوئے۔ ادھر سلطان ابوالحسن ان عیسائیوں سے لڑنے کے لئے مالقہ سے روانہ ہوا تھا۔ اُدھر اُس کا بیٹا فوج لیکر مالقہ پر قبضہ کرنے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ جب سلطان میدان جنگ سے فتحمند ہو کر واپس ہوا تو بیٹے سے مقابلہ پیش آیا اس لڑائی میں بھی سلطان ابوالحسن کو فتح حاصل ہوئی۔ ابو عبداللہ محمد شکست کھا کر غرناطہ کی طرف بھاگ آیا۔ سلطان ابوالحسن اپنے بیٹے ابو عبداللہ محمد کو بھگا کر مالقہ میں داخل ہوا تو اُس پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور اس کی بیمارت جاتی رہی۔ اُدھر ابو عبداللہ محمد نے باپ کی طرف سے مطمئن ہو کر اور فوج فراہم کر کے عیسائیوں کے علاقہ پر حملہ کیا۔ مقام لوسینہ میں پہنچکر فوج کو تاخت و تاراج میں مصروف کر دیا۔

کہ ان عیسائی فوج کے سردار نے اس ناتجربہ کار سلطان کو دھوکہ دیا اور اپنی فوج کو لئے ہوئے الگ کمینگاہ میں منتظر بیٹھا رہا۔ جب ابو عبداللہ معہ مال غنیمت واپس ہونے لگا۔ تو اس نے ایک درۂ کوہ میں راستہ روک کر اور چاروں طرف سے گھیر کر تمام اسلامی لشکر کو قتل اور ابو عبداللہ کو گرفتار کیا۔ بعد گرفتاری ابو عبداللہ محمد کو شاہ قسطلہ کے پاس بھیج دیا۔ یہ خبر سن کر باشندگان غرناطہ سلطان ابوالحسن کے پاس مالقہ پہنچے اور غرناطہ آنے کی درخواست کی۔ سلطان نے اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے انکار کیا۔ اور اپنے بھائی ابو عبداللہ زغل کو اپنی جگہ غرناطہ کے تخت پر جلوس کرنے کا حکم دیا۔ اور خود تخت و سلطنت سے علیحدگی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

سلطان ابو عبداللہ زغل نے تخت نشین ہو کر ملک کا بندوبست شروع کیا۔ مگر عیسائیوں نے اس کو زیادہ مہلت نہ دی ماہ ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں عیسائیوں کے ایک عظیم الشان لشکر نے صوبہ مالقہ پر حملہ کیا۔ اور جو قلعے غیر محفوظ اور بے انتظام تھے۔ ان پر آسانی قابض ہو گئے۔ آخر قلعہ بقوان کا محاصرہ کیا اور اپنی شدید گولہ باری سے قلعہ کی ایک دیوار گرادی۔ مسلمانوں نے جو بہت تھوڑی تعداد میں قلعہ کے اندر محصور تھے۔ بڑی ہمت اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا عیسائیوں کی ایک عظیم الشان تعداد کو کاٹ کر رکھ دیا۔ آخر ایک ایک کر کے سب شہید ہوئے۔ اور یہ قلعہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ماہ جمادی الاول ۸۹۰ھ میں قلعہ رندہ کو فوج سے خالی پاکر عیسائیوں نے قبضہ میں لے لیا۔ ۱۹ ر ماہ شعبان ۸۹۰ھ کو سلطان زغل غرناطہ سے سرحدی انتظام کے لئے روانہ ہوا۔ ابھی یہ غرناطہ کے متصل قلعہ مثلین کے انتظام میں مصروف اور قلعہ سے باہر ایک میدان میں خیمہ زن تھا۔ کہ عیسائیوں کے ایک لشکر عظیم نے بالکل غیر متوقع طور پر حملہ کیا اور یکایک آکر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا چونکہ اس حملہ کا وہم گمان بھی نہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی جمعیت میں سخت پریشانی پیدا ہوئی۔ عیسائیوں نے قتل کرتے ہوئے بڑھنا شروع کیا۔ اور سلطان زغل کے خیمے کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے اپنے سلطان کو خطرہ کی حالت میں دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھالا اور پوری ہمت کے ساتھ عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے۔ بہت جلد لڑائی کا نقشہ بدل دیا۔ عیسائی بدحواس ہو کر بھاگے۔ اور ہزارہا لاشیں اس میدان میں چھوڑ گئے۔ ساتھ ہی عیسائیوں کا پورا توپ خانہ جو ان کے ساتھ تھا۔ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ ان حملہ آور عیسائیوں کے پیچھے بادشاہ فردی نند خود بھی ایک لشکر عظیم لئے ہوئے آرہا تھا۔ ان مفروروں کو راستے میں روک کر حالات معلوم کئے اور آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ سلطان زغل نے انہیں توپوں کو جو عیسائیوں سے چھینی ہیں۔ قلعہ مثلین پر چڑھا کر اس کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ اور مدافعت کے لئے ہر طرح تیار ہے۔ یہ سن کر فردی نند کی ہمت نہ پڑی واپس چلا گیا۔ اور دوسرے قلعوں کو جو غیر محفوظ تھے۔ فتح کرتا اور اسلامی مقبوضات کو مختصر اور تنگ کرنے میں مصروف رہا۔

فردی نند کو باوجود کامیابیوں کے اس بات کا کامل یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی حکومت کا استیصال کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور اگرچہ اسلامی ریاست کا رقبہ بہت ہی محدود و مختصر رہ گیا ہے۔ تاہم اگر مسلمان متحد و متفق ہو کر شمشیر بکف ہو جائیں گے۔ تو ان کے لئے تمام جزیرہ نمائے اندلس کا فتح کرلینا کچھ دشوار نہ ہوگا۔ جیسا کہ طارق و موسیٰ کے زمانے میں مٹھی بھر مسلمانوں نے عیسائی سلطنت کو بیخ و بُن

سے اکھیڑ کر پھینک دیا تھا۔ فرڈی نند کی اس مآل اندیشی اور دانائی نے اُس کو چند روز کے لئے جنگی سرگرمیوں سے روک دیا۔ اور اُس نے فریب دغا سے کام لینا مناسب سمجھا۔ اُس کے پاس ابو عبداللہ محمد بن ابوالحسن جو جنگ لوشینہ میں گرفتار ہو کر آیا تھا۔ موجود تھا۔ اُس نے ابو عبداللہ محمد کو اپنے سامنے بلوا کر بڑی محبت و ہمدردی اور دلسوزی کی باتیں کیں۔ اور کہا کہ سلطنت غرناطہ کے اصل وارث و حقدار تو تم ہو۔ تمہارے چچا زغل نے غاصبانہ طور پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میری خواہش یہ ہے۔ کہ زغل کو بیدخل کر کے تم خود سلطنت غرناطہ پر قابض و متصرف ہو۔ اس کام میں تم کو جس قسم کی ضرورت پیش آئے۔ میں امداد کو موجود ہوں۔ یہ بھی کہا کہ میری عین خواہش یہ ہے کہ میری ہمسایہ اسلامی سلطنت اچھی حالت میں رہے۔ اور ہمارے درمیان کبھی جنگ و پیکار کی نوبت نہ آئے۔ غرض ابو عبداللہ محمد کو خوب سبز باغ دکھا کر اور یہ وعدہ دیکر کہ جس قدر رعایا اور شہر تیرے قبضے میں آ جائیں گے۔ میں اُن کو ہرگز کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ مگر زغل کے قبضے میں جو ملک و شہر ہوگا۔ وہ اُس سے ضرور چھین لینے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ زغل سے مجھ کو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ابو عبداللہ محمد فرڈی نند سے رخصت ہو کر سیدھا القہ میں آیا اور یہاں کے لوگوں کو فرڈی نند کے عہد و مواثیق سے مطلع کر کے اپنی فرمانبرداری کی درخواست کی۔ القہ والوں نے یہ سمجھ کر کہ ہم ابو عبداللہ محمد کو اگر اپنا سلطان تسلیم کر لیں گے۔ تو عیسائیوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ فوراً اُس کو اپنا سلطان تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ابو عبداللہ محمد نے اپنے قبضہ کو وسیع کرنا شروع کیا۔ زغل نے اس بغاوت کے فرو کرنے کی کوشش کی مگر ان عیسائیوں نے جو ابھی تک اسلامی ملک میں آباد اور مقام بیرین میں سب سے زیادہ موجود تھے۔ ابو عبداللہ کی حمایت و اعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ آخر ایک نہایت اہم مقام لوشہ کو ابو عبداللہ نے اپنے چچا زغل سے طلب کیا کہ لوشہ کی حکومت مجھ کو سپرد کر دو تو میں آپ کے ساتھ مل کر فرڈی نند پر حملہ کروں گا۔ زغل نے اپنی رعایا کے اکثر افراد اور بعض سرداروں کو اس طرف متوجہ دیکھ کر لوشہ عبداللہ کو دے دیا۔ ادھر ابو عبداللہ نے لوشہ پر قبضہ کیا۔ اُدھر فرڈی نند نے مع فوج لوشہ کی طرف کوچ کیا۔ ابو عبداللہ نے فرڈی نند کا استقبال کیا اور لوشہ پر اُس کا قبضہ کرا کر بماہ جمادی الثانی ۸۹۱ھ قلعہ البیرہ ۔ مثلین ۔ اومنجرہ کے محاصرہ کو روانہ ہوا۔ ان قلعوں پر بھی ابو عبداللہ محمد نے عیسائی افواج کی مدد سے قبضہ کر کے فرڈی نند کو دے دیا۔ اور سلطنت غرناطہ کا ایک بڑا اہم اور قیمتی حصہ جس کا فتح کرنا فرڈی نند کے لئے بیحد دشوار تھا۔ ابو عبداللہ محمد کی وجہ سے بآسانی قبضہ میں آ گیا۔ کیونکہ رعایا کے اکثر افراد ابو عبداللہ کو اپنا شہزادہ اور وارث تخت و تاج سمجھ کر اُس کی مخالفت سے دستکش تھے اور عام طور پر مسلمانوں میں وہ جوش لڑائی کا پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ جو ایک عیسائی حملہ آور کے مقابلے میں پیدا ہونا لازمی تھا۔ اب ان اہم مقامات کے نکل جانے پر مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور انہوں نے دیکھا کہ ابو عبداللہ محمد تو عیسائی بادشاہ کا ایجنٹ ہے اور اُس نے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے اُن کو بادشاہ قسطلہ کے سپرد کر دیا ہے۔ مقام بیرین بالکل شہر غرناطہ سے ملا ہوا تھا۔ یہاں عیسائیوں کی آبادی تھی۔ اس لئے ابو عبداللہ محمد نے بیرین میں قیام کر کے اہل غرناطہ کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنا چاہا۔ یہاں سے ریشہ دوانیاں جاری تھیں۔ ادھر اہل القہ نے سلطان زغل کی فرمانبرداری کا ارادہ کر کے عیسائی حکومت کے تمام علامات کو مٹا دیا۔ فرڈی نند نے ماہ ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں بذات خود ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ مالقہ

پر حملہ کیا۔ اور جنگی جہاز بھی ساحل مالقہ پر روانہ کئے۔ فردی نند کے اس حملہ کی خبر سُن کر سلطان زغل غرناطہ
سے مالقہ کی طرف مع فوج روانہ ہوا۔ اُدھر ۱۵ جمادی الاول سنہ ۸۹۲ھ کو ابو عبداللہ محمد نے موقع
پاکر اور غرناطہ کو خالی دیکھ کر اُس پر قبضہ کر لیا۔ زغل نے جب یہ سُنا کہ غرناطہ پر ابو عبداللہ محمد قابض ہو چکا
ہے تو وہ مالقہ کو فردی نند کے محاصرے میں چھوڑ کر خود غرناطہ کی طرف چلا راستے میں یہ معلوم کر کے
کہ ابو محمد عبداللہ کا غرناطہ پر قبضہ مکمل ہو چکا ہے۔ وادی آش میں ٹھہر گیا۔ اہل مالقہ نے عیسائیوں کے
حملوں کو بڑی پامردی اور بہادری کے ساتھ روکا ساتھ ہی شاہ مراقش۔ شاہ تونس۔ شاہ مصر اور
سلطان ترکی کو لکھا کہ اس وقت ہماری مدد کرو اور عیسائیوں کے پنجے سے چھڑاؤ۔ مگر کسی نے بھی اُن کی مدد
کے لئے کوئی فوج نہ بھیجی وما لهم في الارض من ولي ولا نصير۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر
ماہ شعبان سنہ ۸۹۲ھ میں مالقہ فردی نند کے حوالہ کر دیا۔ اہل مالقہ نے جب اپنی نااتفاقیوں اور خانہ جنگیوں
کی پاداش میں ہر طرف سے مایوس ہو کر فردی نند سے صلح و امن کی درخواست کی تو اُس نے کہلا بھیجا۔
کہ اب تمہارے پاس سامان رسد ختم ہو گیا ہے نیز تم ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہو لہٰذا بلا شرط شہر کی
کنجیاں ہمارے پاس بھیج دو اور ہمارے رحم و کرم کے امیدوار ہو۔ جب فردی نند مالقہ پر قابض ہوا
تو اُس نے حکم دیا کہ ہر ایک مسلمان کو قید کر لو اور اُن کے تمام اموال و جائداد ضبط کر لئے جائیں چنانچہ
پندرہ ہزار مسلمانوں کو تو عیسائیوں نے غلام بنایا باقی تمام باشندگان مالقہ کو بے سروسامانی کے
عالم میں وہاں سے نکال کر جلا وطن کر دیا۔ ان میں بہت سے فاقہ اور بے سروسامانی کے سبب ہلاک
ہو گئے بعض ساحل افریقہ تک پہنچے اور وہیں آباد ہو گئے۔ مالقہ کے بعد فردی نند نے اُس کے تمام
نواحی شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے وہاں کی تمام مسلم آبادی کو مقتول و جلا وطن کیا۔ اس کے بعد اُس
نے یکے بعد دیگرے ایک ایک شہر اور ایک ایک قلعہ کو فتح کرنا اور وہاں سے مسلمانوں کا نام و نشان
مٹانا شروع کیا۔ وادی آش میں پہنچ کر جہاں سلطان زغل مقیم تھا کوشش کی کہ کسی طرح زغل میرا شریک
ہو جائے۔ ابو محمد عبداللہ جو غرناطہ پر قابض ہو کر اب فردی نند کی پیش قدمی کو ناپسند کرتا اور غرناطہ
اور اُس کے نواحی رقبہ کو اپنے تحت حکومت رکھنا چاہتا تھا۔ اہل غرناطہ کی پامردی سے مقابلہ پر آنے
اور عیسائیوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں فردی نند نے زغل کو اپنا دوست
بنانے اور غرناطہ کی حکومت دوبارہ دلوانے کا سبز باغ دکھایا۔ اور زغل مجبوراً یا حقیقتاً اپنے رقیب
ابو عبداللہ محمد کی تباہی دیکھنے کے شوق میں وادی آش فردی نند کے سپرد کر کے اُس کے ساتھ ہو لیا
غرض کہ اس عیسائی بادشاہ نے آخر وقت تک بھی مسلمانوں کی تباہی میں مسلمانوں سے امداد لینی ضروری
سمجھی۔ زغل کے شریک ہونے سے فردی نند کا المیریہ پر باسانی قبضہ ہو گیا۔ المیریہ اور وادی آش
پر قبضہ ہونا گویا اندلس سے مسلمانوں کی حکومت کا نام و نشان گم ہونا تھا۔ اب صرف شہر غرناطہ اور
اُس کے مختصر مضافات ہی مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئے۔ فردی نند نے ماہ صفر سنہ ۸۹۵ھ میں
وادی آش اور المیریہ پر قبضہ کر کے سلطان زغل کو اپنے ہمراہ لیا تھا۔ اس وقت سلطان ابو عبداللہ
قصر الحمراء میں اپنے چچا زغل کی اس بد انجامی کا حال سُن کر خوش ہو رہا تھا۔ کہ اس کے قبضے سے تمام
ملک نکل گیا۔ ابو عبداللہ کو یقین تھا۔ کہ غرناطہ میں اب تنہا میری ہی حکومت قائم رہے گی۔ اور
فردی نند غرناطہ کے لینے کی جرأت ہرگز نہ کرے گا۔ لیکن فردی نند نے ابو عبداللہ کو لکھا کہ جس طرح

تمہارے چچا زغل نے اپنا تمام مقبوضہ ملک مجھ کو سپرد کر دیا ہے۔ تم بھی قصر حمرا اور غرناطہ میرے سپرد کر دو
اس تحریر کے آنے پر سلطان ابوعبداللہ نے باشندگان غرناطہ میں سے بااثر اشخاص کو جمع کر کے فردی نند
کے خط کا مضمون سنایا۔ اور کہا کہ زغل نے فردی نند کو غرناطہ کے لینے کی ترغیب دی ہے۔ اب ہمارے
لئے دو ہی باتیں باقی ہیں یا تو غرناطہ اور قصر حمرا فردی نند کے سپرد کر دیں یا یہ کہ جنگ پر آمادہ ہو جائیں
اہل غرناطہ ابوعبداللہ کی غداریوں اور نالائقیوں سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ اسی نے حکومت
اسلامیہ کے برباد کرنے کے تمام سامان مہیا کئے ہیں۔ مگر اس حالت میں وہ بجز اس کے اور کسی بات پر متفق
نہیں ہو سکتے تھے کہ عیسائیوں سے جنگ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ سب نے جنگ کی رائے دی۔ ابوعبداللہ
کی دلی خواہش چاہے کچھ ہو مگر سب کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر اس نے بھی اسی پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ یہاں
یہ مشورے ہو رہے تھے ادھر فردی نند شاہ قسطلہ اپنی عیسائی فوجوں کا ٹڈی دل لئے ہوئے آپہنچا۔
اور آتے ہی ماہ رجب ۸۹۵ھ میں غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر شہر والوں نے مدافعت اور مقابلہ پر کمر
ہمت چست باندھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ عیسائیوں نے غرناطہ کے کئی نواحی قلعوں پر قبضہ
کر لیا۔ مگر مسلمانوں نے قدم قدم پر اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ عیسائیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور
ان قلعوں کو جن پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا واپس لے لیا۔ فردی نند نے یہ حالت دیکھ کر مناسب سمجھا
کہ غرناطہ کی فتح کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی کیا جائے۔ اور زیادہ سازو سامان اور زیادہ سے زیادہ
تازہ دم فوج لا کر محاصرہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ محاصرہ اٹھا کر چلا گیا۔ سلطان ابوعبداللہ نے اس فرصت کو
غنیمت سمجھا۔ اور اہل غرناطہ کو لیکر اس علاقہ کی طرف بڑھا۔ جو عیسائیوں کے قبضے میں آچکا تھا بعض
قلعوں کو فتح کر کے وہاں کی عیسائی افواج کو تہ تیغ کیا۔ اور مسلمانوں کی فوج وہاں مقرر کی۔ غرناطہ میں واپس
آکر پھر جنگی تیاری کی اور فوج لیکر بشرات کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں کے بعض قصبوں کو اپنے قبضے
میں لایا۔ اور قلعہ اندرش کو فتح کر کے عیسائی جھنڈا وہاں سے اتار کر پھینکا اور اسلامی علم نصب
کیا۔ علاقہ بشرات کے تمام باشندوں نے اطاعت قبول کی اور از سر نو اس ملک میں اسلامی حکومت
جاری ہوئی۔ اتفاقاً بشرات کے کسی گاؤں میں ابوعبداللہ کا چچا زغل بھی مقیم تھا اس نے ابوعبداللہ
کو اس طرح کامیاب و بامراد دیکھ کر مقابلہ کی تیاری کی۔ اور وہاں سے المیریہ میں جا کر عیسائیوں کو اپنے
گرد جمع کیا۔ اور ابوعبداللہ کے مقابلہ پر مستعد ہو کر فردی نند کو اطلاع دی کہ ابوعبداللہ اس قدر طاقتور
ہو گیا ہے کہ اگر اس کی طرف سے چند روز بے اتفاقی اختیار کی گئی تو پھر اس کا روکنا دشوار ہو جائیگا۔
زغل کا یہ خیال صحیح تھا۔ مگر اس نے خود ابوعبداللہ کے مقابل ہو کر اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری کر کے
ابوعبداللہ اور اہل غرناطہ کی اس رفتار ترقی کو روک دیا۔ ورنہ چند روز میں فردی نند اور عیسائیوں کے
بس کی نہ رہتی۔ اس موقع پر زغل کو چاہیئے تھا کہ وہ اتفاق و اتحاد سے کام لیتا۔ اور ذاتی رقابتوں
کو فراموش کر کے اسلامی مقصد کو فوت نہ ہونے دیتا۔ مگر مسلمانوں کی بدنصیبی نے ان کو روز بد دکھایا
اور اس خانہ جنگی و نااتفاقی نے مسلمانوں کو سنبھلنے نہ دیا چنانچہ ماہ رمضان ۸۹۵ھ میں زغل نے عیسائی
فوجوں کو فراہم و متفق کر کے قلعہ اندرش کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیا۔ سلطان ابوعبداللہ نے
اسی مہینے اہل غرناطہ کی بامردی و جوانمردی سے قلعہ ہمدان۔ مشکب۔ شلوبانیہ کو فتح کر لیا شلوبانیہ
کا قلعہ ابھی فتح نہ ہوا تھا۔ کہ خبر لگی کہ فردی نند پادشاہ قسطلہ معہ فوج غرناطہ کے قریب پہونچ گیا

ہے - یہ سنتے ہی ابو عبداللہ قلعہ شلوبانیہ سے غرناطہ کی طرف متوجہ ہوا - اور ۳ رشوال ۸۹۵ھ کو
غرناطہ پہنچا - عیسائی لشکر نے برج ملاحہ کو مسمار کر دیا تھا - آٹھویں روز انہوں نے غرناطہ کو چھوڑ کر وادی
بشر کا راستہ لیا - اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا جو باقی رہے ان کو جلاوطن کر دیا - ایک
شخص بھی قسم کھانے کو وہاں خدا کا نام لینے والا نہ رہا - قلعہ اندلش کو بھی مسمار کر کے زمین کی برابر کر دیا - اور
اس قتل و غارت کے بعد تمام عیسائی لشکر واپس چلا گیا - فرڈی نند نے قسطلہ کی جانب واپس جاتے
ہوئے زغل کو (جس نے فرڈی نند کی حمایت میں ابو عبداللہ کی موثر مخالفت کی تھی) بلا کر حکم سنایا کہ
اب آپ کی اس ملک میں کوئی ضرورت نہیں ہے - ہم آپ پر صرف اس قدر احسان کر سکتے ہیں کہ اگر آپ
اس ملک یعنی جزیرہ نمائے اندلس سے کہیں باہر جانا چاہیں تو ہم آپ کو جانے دیں گے - زغل یہ حکم سنتے
ہی اندلس سے روانہ ہو کر افریقہ پہنچا اور مقام تلمسان میں اپنی زندگی کے دن گمنامی کی حالت میں بسر کر دیئے۔
اس موقع پر فرڈی نند شاہ قسطلہ کے عزم و استقلال اور حزم و احتیاط کی ضرور داد دینی پڑتی ہے - کہ
وہ چونکہ اندلس سے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا چاہتا تھا لہذا اس کے کانوں میں صبر و تامل
اور عقل و دانائی زیادہ تھی - عجلت و شتاب زدگی سے وہ کوسوں دور نفور تھا - اس مرتبہ پھر فرڈی نند
کے واپس چلے جانے پر ابو عبداللہ نے برشانہ کی طرف قدم بڑھایا - اور محاصرہ کے بعد فتح کر لیا - مگر چند ہی
روز کے بعد ماہ ذیقعدہ کے آخر ایام میں عیسائیوں نے متفق ہو کر اس شہر کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا
لیا - اور وہاں کسی مسلمان متنفس کو زندہ باقی نہ چھوڑا - اب اہل غرناطہ اپنی تعداد کی کمی اور کاموں کی کثرت
سے تنگ آ کر افسردہ ہو گئے تھے - ان کی افسردگی و پژمردگی کا ایک سبب یہ بھی تھا - کہ وہ ایک اندلس
کے مسلمانوں کے ایسا قتل اور جلاوطن ہونے کے حالات سنتے رہتے تھے - اور بیرونی ممالک سے
امداد نہ پہونچنے کا ان کو یقین ہو چکا تھا۔

۱۲ جمادی الآخر ۸۹۶ھ کو فرڈی نند شاہ قسطلہ معہ ملکہ ازابیلا عظیم الشان [illegible]
اور پچاس ہزار لشکر لئے ہوئے غرناطہ کے متصل پہونچا - یہاں پہونچتے ہی اس نے [illegible] شاداب باغوں
کھیتوں اور آباد بستیوں کو تاراج و خاک سیاہ بنانا اور مسلمان باشندوں کے خون کی ندیاں بہانا شروع
کر دیا - غرناطہ کے سامنے پہنچ کر اس نے چھاؤنی ڈال دی اور شہر کا محاصرہ کر لیا - اہل شہر نے محصور
ہو کر اور اپنی زندگیوں سے مایوس ہو کر مدافعت میں پھر جان لڑائی شروع کر دی - شہر کا ایک حصہ چونکہ
کوہ شلیر سے وابستہ تھا - لہذا عیسائی فوجیں شہر کا مکمل محاصرہ نہیں کر سکتی تھیں - یہ محاصرہ قریباً
آٹھ مہینے جاری رہا جزیرہ نمائے اندلس میں اب سوائے اس محصور شہر کے اور کوئی اسلامی مقبوضہ باقی
نہ تھا - جب موسم سرما شروع ہوا اور پہاڑ پر برف کی وجہ سے راستے بند ہو گئے تو شہر والوں کو جو رسد
کوہ شلیر کی طرف سے پہنچتی تھی موقوف ہو گئی - لہذا ماہ صفر ۸۹۷ھ میں اہل شہر نے سلطان ابو عبداللہ
سے درخواست کی کہ جب تک ہمارے جسم میں جان باقی ہے دشمن کا مقابلہ کریں گے بھوکے مرنے
کے عوض ہم میدان جنگ میں تیر و تفنگ کھا کر جان دینا پسند کرتے ہیں - ہم کو امیر طارق ابن زیاد
کا معرکہ یاد ہے کہ اس فاتح اول نے اپنی مٹھی بھر جمعیت سے ایک لاکھ عیسائی فوج کو شکست فاش دی تھی۔
ہماری تعداد اس وقت محصور ہے بیس ہزار سے کچھ کم ہے - لیکن چونکہ ہم مسلمان ہیں - لہذا ہم کو
عیسائیوں کی ایک لاکھ باسامان فوج سے ہراساں ہونے کی مطلق ضرورت نہیں - سلطان ابو عبداللہ

نے دیکھا کہ اہل شہر کا اضطراب دن بدن بڑھتا ہے۔ اگر فوراً جنگ یا صلح کا فیصلہ نہ ہوا تو لوگ باغی ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جس سے نقصان عظیم پہنچے اُس نے وزرا و امرا کو طلب کر کے مجلس مشورہ قصر حمرا میں منعقد کی۔ شہر کے علما و شیوخ کو بھی اس مجلس میں شریک کیا گیا۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ اب عیسائی لوگ جب تک شہر پر قبضہ نہ کر لیں گے محاصرہ سے باز نہ آئیں گے۔ ایسے نازک وقت میں کیا تدبیر کی جائے؟ سلطان ابو عبداللہ کا حوصلہ اس قدر پست ہو گیا تھا۔ کہ ان چند الفاظ کے سوائے اُس کی زبان سے اور کوئی جملہ نہ نکل سکا۔ اس کے جواب میں تمام حاضرین نے کہا۔ مناسب یہی ہے کہ شاہ قسطلہ سے صلح کر لی جائے۔ مگر بہادر سپہ سالار موسیٰ بن ابیل غسانی جوش میں آ کر کھڑا ہو گیا اُس نے کہا کہ "ابھی تک کامیابی کی امید باقی ہے۔ ہم کو ہرگز ہمت نہ ہارنی چاہیئے ہم کو آخر تک مقابلہ کرنا چاہیے۔ مجھ کو امید ہے کہ ہم عیسائیوں کو ضرور بھگا دیں گے۔ اور ان کا محاصرہ اپنے شہر سے اُٹھا دیں گے۔" عام باشندگان غرناطہ کی یہی رائے تھی جو موسیٰ نے ظاہر کی مگر اس مجلس میں جو لوگ شریک تھے۔ ان میں سے کسی نے موسیٰ کی تائید نہ کی۔ یہی قرار پایا کہ اگر ہم جنگ میں کامیاب نہ ہوئے تو عیسائی ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہٰذا ایسے شرائط پر صلح کر لی جائے۔ جس سے عامہ خلائق کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچے۔ چونکہ فوج اور رعایا جنگ پر آمادہ تھی۔ اس لئے ابو عبداللہ نے اپنے وزیر ابو القاسم عبدالملک کو خفیہ طور پر فرڈی ننڈ کے پاس بھیجا۔ عیسائی شہر و قلعہ کی حالت سے ناواقف تھے۔ اس وقت تک وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔ لہٰذا بہت بد دل اور افسردہ ہو رہے تھے۔ ابو القاسم وزیر کے پہنچنے اور پیغام صلح سننے سے بہت ہی خوش ہوئے شاہ قسطلہ نے اس درخواست کو فوراً منظور کر لیا۔ اس بات کو رعایا سے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے ابو القاسم رات کو قلعہ سے باہر جا کر عیسائیوں سے ملاقات کرتا۔ اور صلحنامہ کے شرائط طے کیا کرتا تھا۔ بڑی رد و کد کے بعد شرائط طے ہوئے اور صلحنامہ پر ابو عبداللہ اور فرڈی ننڈ شاہ قسطلہ کے دستخط ہو گئے۔ اس صلحنامہ کی بعض اہم شرائط یہ تھیں۔

(۱) مسلمانوں کو اختیار ہوگا۔ کہ شہر کے اندر رہیں یا باہر چلے جائیں کسی مسلمان کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔
(۲) مسلمانوں کے مذہبی امور میں عیسائی کوئی دخل نہ دیں گے۔
(۳) کوئی عیسائی مسجد میں نہ گھسنے پائیگا۔
(۴) مساجد اور اوقاف بدستور قائم رہیں گے۔
(۵) مسلمانوں کے معاملات شرع اسلام کے موافق مسلمان قاضی طے کریں گے۔
(۶) طرفین کے قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔
(۷) اگر کوئی مسلمان اندلس سے افریقہ جانا چاہے تو سرکاری جہازوں میں وہ افریقہ پہنچا دیا جائیگا۔
(۸) جو عیسائی مسلمان ہو گئے ہیں وہ اسلام کے ترک کرنے پر مجبور نہ کئے جائیں گے۔
(۹) اس جنگ میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے وہ بدستور انہی کے پاس رہے گا۔
(۱۰) موجودہ ٹیکس کے علاوہ کوئی نیا ٹیکس مسلمانوں پر نہ لگایا جائے گا۔
(۱۱) تین سال تک مسلمانوں سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے گا۔ جو ٹیکس وہ اب ادا کر رہے ہیں۔

وہ بھی تین سال تک معاف رہے گا۔
(۱۲) سلطان ابو عبداللہ کے سپرد البشرات کی حکومت کر دی جائے گی۔
(۱۳) آج سے ساٹھ روز کے اندر قلعہ الحمراء۔ توپ خانہ اور دیگر تمام سامان جنگ جو اس وقت قلعہ میں موجود ہے اُس پر عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا جائے گا۔
(۱۴) آج سے ساٹھ روز کے اندر اس معاہدہ کی شرائط کی تکمیل پورے طور پر کر دی جائے گی۔
(۱۵) شہر غرناطہ ایک سال تک آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ سال بھر کے بعد عیسائی شرائط بالا کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُس پر قبضہ کریں گے۔

اس عہد نامہ پر یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ مطابق ۲ رجنوری ۱۴۹۲ء کو دستخط ہوئے تھے۔ اس کی خبر اہل شہر اور فوج سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ تمام طور پر بد دلی پھیل گئی۔ اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ کہ سلطان ابو عبداللہ نے مفت سلطنت کو ضایع کر دیا۔ سلطان بہت پریشان ہوا اور اس خیال سے کہ شہر والوں کی بغاوت کہیں بنا بنایا کام نہ بگاڑ دے۔ ساٹھ روز پورے ہونے سے پہلے ہی یعنی ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ کو قصر الحمراء عیسائیوں کے سپرد کر دیا۔ فردی نند نے اندلس کے سب سے بڑے پادری منڈوزہ کو حکم دیا کہ وہ معہ فوج پہلے شہر میں داخل ہو اور قلعہ حمراء کے سب سے بلند برج پر سے اسلامی نشان کو گرا کر صلیب نصب کر دے تاکہ اس نیک شگون کو دیکھتے ہی بادشاہ معہ اپنی ملکہ ازبیلا کے شہر میں داخل ہو۔ جب سلطان ابو عبداللہ نے منڈوزہ کو قلعہ میں آتے دیکھا تو معہ پچاس امیروں کے گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ اُس وقت کی کیفیت کا تصور ہر شخص کر سکتا ہے کہ شہر پر کیسی اُداسی چھائی ہوئی ہوگی۔ مسلمانوں کے دلوں پر کیا گذر رہی ہوگی عیسائیوں کی خوشی کا حال بھی تحریر میں نہیں آسکتا۔ عیسائی بادشاہ اور اُس کی ملکہ فوجی لباس میں اپنے لشکر کے ساتھ صلیب کے بلند ہونے کا انتظار کر رہے تھے سب کی نگاہیں قصر حمراء کے سب سے بلند برج کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ سامنے سے ابو عبد نے شاہ قسطلہ کے قریب آکر کنجیاں حوالے کیں اور کہا کہ اے طاقتور بادشاہ ہم اب تیری رعایا ہیں یہ شہر اور تمام ملک ہم تیرے سپرد کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی یہی مرضی تھی ہم کو یقین ہے کہ تو رعایا کے ساتھ ہمیشہ شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ روا رکھے گا۔" فردی نند چاہتا تھا کہ کچھ تشفی آمیز الفاظ کہے۔ لیکن ابو عبداللہ بلا توقف آگے بڑھ گیا۔ اور ملکہ ازبیلا سے ملتا ہوا البشرات کی طرف جہاں اُس کا اسباب اور رشتہ دار پہلے ہی جا چکے تھے۔ روانہ ہو گیا۔ اتنے میں پادری کی صلیب قصر حمراء کے برج پر بلند ہو کر آفتاب کی شعاعوں میں چمکنے لگی۔ اور عیسائی بادشاہ فاتحانہ قصر حمراء میں داخل ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون جب ابو عبداللہ البشرات کے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچا تو بیساختہ اُس نے مڑ کر غرناطہ کی طرف دیکھا۔ اور اپنے خاندان کی گرشتہ شان و عظمت پر آخری نظر ڈال کر بیساختہ زار و قطار رونے لگا۔
ابو عبداللہ کی ماں نے جو اس وقت ہمراہ تھی کہا کہ۔
"جب تو باوجود ایک مرد سپاہی پیشہ ہونے کے اپنے ملک کو نہ بچا سکا۔ تو اب مثل عورتوں کے ایک گم شدہ چیز پر رونے سے کیا فائدہ؟"

عیسائیوں نے الحمراء پر قابض ہو کر معاہدے کی تمام شرائط کو فوراً فراموش کر دیا۔ شہر غرناطہ پر

بھی قبضہ کر لیا۔ سلطان ابو عبداللہ کو البشرات میں بھی نہیں رہنے دیا۔ تھوڑے سے روپے دیکر البشرات کو بھی ابو عبداللہ سے خرید لیا اور وہاں سے ابو عبداللہ مراقش میں جا کر شاہ مراقش کا نوکر ہو گیا۔ وہاں ایک عرصہ دراز تک اس حالت میں رہ کر فوت ہوا۔ عیسائیوں نے تمام ملک میں فوراً اپنی مذہبی عدالتیں قائم کر دیں۔ جن میں ہر روز ہزارہا مسلمان گرفتار کر کے لائے جاتے اور محض اس جرم میں کہ اُن کا مذہب اسلام ہے۔ بعض جھوٹے الزام لگا کر آگ میں جلا دیئے جاتے تھے۔ تاہم مسلمان اپنے مذہب پر قائم اور جزیرہ نمائے اندلس میں موجود پائے جاتے تھے ۱۶۱۰ء میں ایک عام حکم جاری کیا گیا کہ ہر ایک شخص جو مسلمان ہے وہ دین عیسوی قبول کر لے ورنہ اُس کو جہاں کہیں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ مسلمانوں نے اس حالت میں شہروں اور میدانوں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لی اور ہر قسم کی اذیت برداشت کی۔ مگر دین اسلام کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ بعض مسلمانوں کو عیسائیوں نے پکڑ کر زبردستی بپتسمہ دیا اور اُن کے بچوں کو عیسائی بنایا۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو عربی النسل یا بربری نہ تھے۔ بلکہ ان کے باپ دادا اسی ملک کے قدیم باشندے تھے۔ اور اپنا عیسوی مذہب چھوڑ کر بخوشی مسلمان ہو گئے تھے۔ ان نو مسلم خاندانوں میں سے بھی کسی نے دین اسلام کا چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور وہ چھپ چھپ کر اپنے گھروں میں نمازیں پڑھتے تھے۔ بعض مسلمانوں پر عیسائیوں نے بظاہر یہ سب سے بڑی مہربانی کی کہ ان کو افریقہ چلے جانے کی اجازت دی ان لوگوں کے لئے جہاز بھی فراہم کر دیئے۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جو سب سے زیادہ قیمتی سامان جہازوں میں لادا تھا۔ وہ نایاب اور قیمتی کتابوں کے ذخائر تھے۔ مگر عیسائیوں نے ان جہازوں کو ساحل افریقہ تک پہونچنے سے پہلے سمندر کے اندر غرق کر دیا۔ اس طرح نہ صرف ذیعلم مسلمانوں بلکہ نایاب کتب خانوں کو بھی سمندر کی تہ میں پہونچا کر اپنی شرافت و تہذیب اور علم پروری کا نہایت عجیب و غریب ثبوت بہم پہونچایا۔ مسلمانوں کو جس طرح چن چن کر اندلس میں قتل و برباد کیا گیا۔ اس کی مثال دُنیا کے کسی ملک اور قوم میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ کلام یہ کہ چند سال کے عرصہ میں قسم کھانے کو ایک بھی خدائے واحد و لا شریک کا نام لینے والا سر زمین اندلس میں باقی نہ رہا۔ عیسائیوں نے سب ہی کو یا تلوار کے گھاٹ اُتارا یا سمندر میں ڈبویا یا آگ میں میں جلا دیا۔ آج کل کے مسلمان اگر چاہیں تو اندلس کی یہ جگر خراش اور زہرہ گداز داستان پڑھ کر آپس کی نا اتفاقی اور خانہ جنگی کے عبرتناک نتایج پر غور کر سکتے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ تاریخ اندلس کو ختم کرنے سے پہلے یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ سلطنت غرناطہ کی بربادی اور غرناطہ میں فرڈی نند کی حکومت کے قایم ہو جانے کے بعد بھی جزیرہ نمائے اندلس میں جا بجا عرصہ دراز تک مختلف شہروں اور قصبوں اور پہاڑوں میں مسلمان پائے جاتے رہے اور ان کی گرفتاری و قتل کا سلسلہ اندلس میں برابر جاری رہا۔ کبھی دس بیس مسلمان جمع ہوئے تو انہوں نے مقابلہ بھی کیا اور لڑ کر مارے گئے۔ بعض اندلس کے شمالی پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ اور وہاں بے سرو سامانی کے عالم میں ہلاک ہو گئے۔ اُن میں سے بعض بچ کر یورپ کے ملکوں کو طے کر کے ملک شام تک پہونچے۔ بعض مرنے والوں کے بچوں کو عیسائیوں نے اپنے قبضے میں لیکر عیسائی بنا لیا۔ اس طرح ملک فرانس کے جنوبی اور ملک اندلس کے شمالی حصوں میں عربی النسل خاندانوں کے وجود کا امکان مورخین نے تسلیم کیا ہے۔ اور اسی لئے نپولین بونا پارٹ کو بعض لوگوں نے عربی النسل بیان کیا ہے۔ اندلس کی اسلامی حکومت کی مختصر تاریخ بیان ہو چکی ہے۔ اور اب ہم کو

دوسرے ملکوں کی طرف متوجہ ہونا ہی۔ لیکن اندلس کی تاریخ کے ختم کر لینے کے بعد ہم کو ایک غلط انداز اور سرسری نگاہ ضرور ڈالنی چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے اندلس میں حکومت کر کے براعظم یورپ کو کس قدر نفع یا نقصان پہنچایا ہے۔

اندلس کی اسلامی حکومت پر

ایک نظر

خیر القرون کے عرب حکمرانوں کی طرح اندلس میں بھی عربوں کی حکومت اگرچہ بظاہر شخصی نظر آتی تھی۔ مگر اس میں جمہوریت کا رنگ بہت زیادہ شامل تھا۔ خلیفہ کا حکم اور شریعت کا قانون ہر فرد بشر پر یکساں عامل تھا۔ ان حکمرانوں میں نہ موروثی جاگیردار تھے۔ نہ موروثی امرا۔ عبدالرحمٰن ثانی اموی سلطان پر قاضی کی کچہری میں ایک عیسائی نے دعویٰ کیا۔ اور قاضی کے حکم کی اس عظیم الشان سلطان کو اسی طرح تعمیل کرنی پڑی۔ جس طرح ایک غلام کو تعمیل کرنی پڑتی۔ قاضی قانون شرع کے موافق خلیفہ کو سزا دینے کی قدرت رکھتا تھا۔ کوتوالی کا انتظام نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ہر بازار میں ایک محتسب ہوتا تھا۔ جو تجارت پیشہ لوگوں کے کاروبار کی نگرانی کرتا تھا۔ ہر شہر و قصبے میں شفاخانے اور دواخانے کھلے ہوئے تھے۔ سڑکیں اور نہریں مسلمانوں نے تمام ملک میں جال کی طرح بچھادی تھیں۔ خلیفہ ہشام نے دریائے وادی الکبیر کا نہایت شاندار اور خوبصورت پل بنایا اسی طرح جابجا دریاؤں کے پل بن گئے تھے۔ فنون جنگ اور آئین نوجکشی میں عام طور پر مسلمان ساری دنیا سے زیادہ شائستہ تھے۔ اندلس کے مسلمانوں نے قلعہ شکنی کے آلات ایجاد کئے۔ یورپ کے وحشیوں کو جو ہمیشہ فتح مند ہونے پر شہروں اور بستیوں کو جلاکر خاک سیاہ کر دیا کرتے۔ اور عورتوں بچوں بوڑھوں تک کو تہ تیغ کر دیتے تھے اپنے طرز عمل سے مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک شائستگی کی تعلیم دی کہ فتحیاب ہونے پر بے گناہ رعایا کو کسی قسم کا بھی آزار نہیں پہنچانا چاہیئے۔ زراعت کو مسلمانوں نے اس قدر ترقی دی تھی۔ کہ یہ ایک مکمل فن بن گیا تھا۔ ہر میوہ دار درخت اور زمین کی خاصیت و ماہیت سے واقفیت حاصل کی۔ اندلس کے ہزاروں لاکھوں مربع رقبوں کو جو بنجر اور میدان پڑے ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے میوہ دار درختوں اور سرسبز و شاداب لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ چاول۔ نیشکر۔ روئی۔ زعفران انار۔ آڑو۔ شفتالو وغیرہ جو آج کل اندلس میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ مسلمانوں ہی کے طفیل اندلس بلکہ تمام یورپ کو نصیب ہوئے۔ ملاغہ اور اشبیلیہ کے صوبوں میں زیتون اور خرما کی کاشت کو بڑی ترقی دی۔ شریش۔ غرناطہ اور مالقہ کے علاقوں میں انگوروں کی بڑھی پیداوار ہوتی تھی۔ زراعت کے ساتھ مسلمانان اندلس نے معدنیات کی تلاش میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ سونا چاندی تانبا فولاد پارہ کہربا تانبا یاقوت اور نیلم وغیرہ کی کانیں دریافت کیں۔ اور یہ چیزیں بکثرت پیدا ہونے لگیں۔ غرناطہ کی سلطنت اندلس میں مسلمانوں کی آخری نشانی تھی۔ لیکن اس چھوٹی سی سلطنت نے بھی فن تعمیر اور قدردانی علوم کے متعلق بڑی بڑی عظیم الشان یادگاریں چھوڑی ہیں۔ مسلمانوں نے ایسا عجیب و غریب

سیمنٹ ایجاد کیا کہ قصر حمراء جو سلطنت غرناطہ کی نشانی دُنیا میں باقی ہے۔ آجتک اپنے مصالحہ کی پختگی سے سیاحوں کو حیران کر دیتا ہے۔ قصر الحمراء کو شاہانِ غرناطہ نے بصرفِ زر کثیر شہر کے قریب ایک نہایت بلند ٹیلے پر جبل شلیر کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں کے سایہ میں تیار کیا تھا۔ اس کی چار دیواری کے اندر ایسے خوشنما سبز و شاداب باغات۔ نہر ہائے شیریں۔ درختہائے میوہ دار تھے۔ کہ چشم فلک نے اس کی نظیر نہ دیکھی تھی۔ اس قصر کی ہر ایک چیز قابل دید اور اس قدر حیرت انگیز ہے۔ کہ دُنیا کے مشہور صناع و دستکار دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ اُس کی بلند شہ نواروں کی گچ کی صفائی سنگ مرمر سے زیادہ چمکدار اور لوہے سے زیادہ مضبوط ہے جالی دار دیواروں کی طرح طرح کی نازک گلکاریاں اور اس کی نئی وضع کی محرابوں سے ہر ایک لٹکی ہوئی قلم نزاکت کا اظہار کرتی ہے۔ مسلمانوں نے اندلس پر قابض و متصرف ہو کر تمام ملک میں دار العلوم۔ مدارس رصد خانے۔ عظیم الشان کتب خانے کھول دیئے تھے۔ جہاں علمی تحقیقات کا ہر ایک سامان موجود رہتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں یا دار العلوم اور چھوٹے قصبوں میں ابتدائی اور درمیانی درجے کے مدارس تھے۔ قرطبہ۔ اشبیلیہ۔ مالقہ۔ سرقسطہ۔ بشونہ۔ جیان۔ طلیطلہ وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں دار العلوم قائم تھے۔ جہاں اٹالیہ۔ فرانس۔ جرمن۔ انگلستان وغیرہ ممالک کے طلبا اور شائقین علوم آتے اور برسوں رہ کر تعلیم پاتے تھے۔ عربوں نے یونانی۔ لاطینی اور اسپانس زبانوں کو بیحد مشقت اور عرقریزی کے ساتھ سیکھا اور اُن زبانوں میں عربی زبان کے متعدد لغات لکھ ڈالے۔ خلیفہ حکم ثانی کے عہد حکومت میں صرف قرطبہ کے کتب خانے میں چھ لاکھ کتابیں مختلف علوم و فنون کی موجود تھیں۔ اور ہر کتاب پر خاص خلیفہ کے ہاتھ کا حاشیہ تحریر تھا۔ مسلمانوں نے تمام فلسفۂ یونان کی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کر ڈالا۔ ابن رشد جو ارسطو پر بھی فضیلت رکھتا تھا۔ اندلس ہی کا ایک مسلمان تھا۔ مسلمانوں نے علم ہیئت میں وہ ترقی کی۔ اور ایسے رصد خانے قائم کئے کہ تمام یورپ کو انہیں کے نقش قدم پر چلنا پڑا۔ اصطرلاب جو رصد خانوں کی روح رواں ہے اندلس کے مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ طب اور جراحی میں اندلسی مسلمانوں نے ایسی ترقی کی تھی۔ کہ چند روز گذشتہ تک تمام یورپ اُنہیں کی کتابوں سے فیض اُٹھاتا تھا۔ علم حیوانات و نباتات میں اندلسی مسلمانوں کے کارنامے بیحد عظیم الشان ہیں۔ قرطبہ اور غرناطہ میں علم حیوانات و نباتات کی تعلیم کے لئے خاص طور پر باغات اور کارخانے موجود تھے۔ سن اور روئی سے کاغذ تیار کرنا اندلسی مسلمانوں نے ایجاد کیا۔ الفانسو یازدہم کی تاریخ میں لکھا ہے کہ

"شہر کے مسلمان بہت سی گونجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے بہت بڑے بڑے سیب کی برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دور جاتے تھے کہ بعض فوج کے اُوپر سے جاکر اور بعض فوج کے اندر گرتے تھے"

اس بیان سے ثابت ہے کہ مسلمان جب توپ اور بارود کو استعمال کرتے تھے۔ عیسائی اُس سے قطعاً ناواقف تھے۔ سنین الاسلام کا مصنف لکھتا ہے کہ سنہ ۱۱۴۷ھ میں اندلس کے مسلمانوں میں سے بعض نے امریکہ کو دریافت کیا تھا۔ مگر اُس کی زیادہ شہرت نہ ہوئی یہ شہرت کولمبس کی تقدیر میں لکھی تھی۔ جو بہت دنوں بعد امریکہ پہنچا تھا۔

مسلمانوں کے علمی ذوق و شوق نے تمام یورپ کے لئے ادب و فلسفہ اور صنعت و حرفت بلکہ تمام
علوم و فنون کے دروازے کھول دیئے تھے۔ آٹھ سو برس تک مسلمان ہر چیز میں اہل یورپ کے
اُستاد بنے رہے۔ عیسائی امراء زبان اور ہر چیز میں مسلمانوں کی تقلید کرنا اپنے لئے موجب فخر سمجھتے
اور عربی نظم و نثر لکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا اثر ہے فرانسیسی اور اطالوی زبانو
میں اکثر وہ الفاظ جو جہازرانی اور بحری انتظامات سے متعلق ہیں۔ عربی ہیں اور یہ دلیل اسبات کی
ہے کہ ان ممالک نے مسلمانوں ہی سے جہاز رانی سیکھی ہے۔ سیر و شکار کے متعلق بھی اکثر الفاظ عربی
الاصل ہیں۔ علم ہیئت کی اصطلاحیں اور دواؤں کے نام جو یورپ کی زبانوں میں رائج ہیں عربی ہیں
غرضکہ اندلس کے مسلمان تمام یورپ کے اُستاد۔ تمام یورپ کے محسن اور تمام یورپ کو
علم و حکمت اور ترقی و عزت کے طریقے بتانے والے اتالیق تھے آج یورپ اپنی کوئی بھی ایسی
قابل فخر چیز پیش نہیں کر سکتا۔ جس میں بجا طور پر وہ مسلمانوں کا رہین منت نہ ہو۔ ان احسانات
کا جو معاوضہ یورپ اور یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو دیا۔ وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

اس جگہ ایک مرتبہ پھر اس بات کو یاد کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں نے جب پہلی صدی ہجری میں
اندلس کو فتح کیا تھا تو کسی عیسائی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا تھا۔ بلکہ عیسائی لوگ خود بخود اسلام
کی خوبیوں کو دیکھ کر مذہب اسلام میں داخل ہوتے تھے اب جبکہ عیسائیوں نے طاقت حاصل کی
اور انہوں نے مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی کوششوں میں ہر قسم کی زبردستی اور بے رحمی سے کام
لیا۔ مگر وہ مسلمانوں کو اُن کے مذہب سے نہ پھیر سکے۔ عیسائیوں نے لاکھوں مسلمانوں کو جو اندلس
میں موجود تھے قتل کر ڈالا۔ آگ میں جلا دیا۔ اور پانی میں ڈبو دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملک اندلس
جو مسلمانوں کے عہد حکومت میں دُنیا کا سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور آباد ملک سمجھا جاتا تھا
اور جس کی زرخیزی ضرب المثل تھی۔ مسلمانوں کی بربادی کے بعد ایسا ویران و غیر آباد ہوا کہ آج تک
ویرانی و نحوست نے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ مسلمانوں کے زمانے میں پہاڑوں تک پر زراعت ہو
تھی۔ اور کوئی چپہ زمین کا بنجر نہ تھا۔ لیکن آج ہزارہا میل مربع زمین کے قطعات ویران و بنجر
پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ملک جو مسلمانوں کے عہد حکومت میں دنیا کا سب سے زیادہ قیمتی اور شاندار
ملک تھا۔ آج سب سے زیادہ منحوس اور بے حقیقت ملک سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر یہ مصائب محض
اس لئے نازل ہوئے کہ انہوں نے کلام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں خود غرضی
اور نااتفاقی پیدا ہوئی۔ یا یوں کہئے کہ اسلام کے ترک ہونے کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ مسلمان سردار اپنے بھائی
مسلمان سرداروں کی مخالفت میں عیسائیوں کے پاس جا کر اُن سے مدد طلب کرنے میں کوئی باک و تامل
نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں نے خود عیسائیوں کے ہاتھوں سے خوشی خوشی مسلمانوں کو ذبح کرایا۔ اور
عیسائیوں کے دلوں سے رُعب اسلامی کو مٹایا۔ اندلس کے مسلمانوں نے اپنی بد اعمالیوں سے اپنے
آپ کو مغضوب بنا لیا تھا۔ اسی لئے اُن کو دُنیا کے کسی حصے سے کوئی امداد نہ پہنچی اور کفار کے ہاتھ
سے فجار کو خدائے تعالیٰ نے سزا دلوائی۔ مسلمان جب کبھی اور جہاں کہیں دین اسلام سے لا پرواہ
غافل اور قرآن کریم سے بے تعلق ہوئے۔ اُن پر ایسی ہی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ اور آئندہ بھی ہمیشہ
مسلمانوں کی بربادی کے اسباب قرآن کریم کی طرف سے غافل ہو جانے ہی کی بد اعمالی میں تلاش۔

جاسکیں گے۔ بجائے اس کے کہ ہم اندلس کے مسلمانوں کی تباہی پر نوحہ خوانی کریں۔ ہم کو چاہیئے۔ کہ ان کے حالات سے عبرت آموز ہوں۔ اور اپنی حالتوں میں اصطلاح کی کوشش کریں۔ سچے پکے مسلمان بنکر آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور متحد و متفق ہو کر سستی و کاہلی کو چھوڑ دیں۔ اور مصروف سعی ہو جائیں۔ کہ اسی کا نام زندگی اور اسی کا نام خدا کی بندگی ہے۔

تیرھواں باب

مراقش و افریقیہ

جزیرہ نما اندلس کے جنوب میں آبنائے جبل الطارق کے اس طرف براعظم افریقہ کے شمال و مغرب کے گوشہ میں جو ملک واقع ہے اُس کو مراقش یا مراکو یا ماریٹینیا کہتے ہیں۔ اس ملک میں مراکو نام کا ایک شہر بھی آباد ہے۔ ملک مراقش کے خاص خاص صوبے سوس الادنیٰ۔ سوس الاقصیٰ۔ رلف سوطہ وغیرہ ہیں۔ مگر حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ صوبوں کی حدود اور نام بھی ہمیشہ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ عرب لوگ کل ملک مراقش کو مغرب الاقصیٰ کے نام سے پکارتے تھے۔ اسی طرح الجیریا کو مغرب الاوسط کہتے تھے۔ کبھی کبھی الجیریا یا تونس تک کے علاقوں پر بھی مراقش کے ملک کا اطلاق ہوا ہے۔ ملک عرب کی طرح ملک مراقش میں بھی بربر قوم کے قبائل الگ الگ صوبوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ اور اُن قبائل کے نام سے صوبوں کو نامزد کیا جاتا۔ اور اُن کی آبادی کے اعتبار سے حدود کی تقسیم و تعیین کی جاتی تھی۔ تونس۔ الجیریا۔ مراقش تینوں ملکوں میں زیادہ تر بربر قوم آباد تھی۔ اس لیئے سوائے ملک مصر کے تمام شمالی افریقہ کو ملک بربر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت اس ملک مراقش میں زناطہ۔ مسموده۔ سنہاجہ۔ قطامہ۔ ہوارہ وغیرہ بربری قبائل آباد تھے۔ علاقہ بربر یعنی شمالی افریقہ میں اہل فینیشیا یعنی شامیوں کنعانیوں نے عرصہ تک حکومت کر کے اپنی نو آبادیاں قائم کی تھیں۔ اسی زمانہ میں ایرانیوں کے بعض خاندان بھی اس طرف آکر آباد ہوئے۔ اور آتش پرستی مراقش وغیرہ میں پہنچی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل بھی اس طرف آکر آباد ہوئے۔ کم از کم یہودی مذہب کا تو اس طرف ایک زمانے میں ضرور دور دورا رہا۔ رومیوں اور یونانیوں کی حکومت بھی ان علاقوں میں قائم ہوئی۔ قرطاجنہ کی مشہور قوم اسی علاقہ بربر یا تونس یا افریقیہ کی رہنے والی تھی۔ جس کو اہل فینیشیا یعنی کنعانیوں کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے۔ آخر میں گاتھ قوم مراقش میں چیرہ دستی دکھا چکی تھی مشرقی روم یعنی قسطنطنیہ کی حکومت اُس زمانہ تک اس علاقے میں موجود تھی۔ جب تک کہ مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا ہے۔ بہرحال قوم بربر مراقش اور اس کے متصلہ مشرقی علاقوں میں آباد اور سینکڑوں قبائل میں منقسم تھی۔ اس قوم کو عربوں۔ شامیوں۔ مصریوں۔ یونانیوں۔ ایرانیوں۔ رومیوں وغیرہ کا مجموعہ کہا

جا سکتا ہے ملک اور آب وہوا کے اثر سے اس مرکب قوم کا ایک خاص مزاج خاص اخلاق اور مخصوص تہذیب متعین ہو چکی تھی۔ اور اسی لئے بربر ایک خاص قوم کی حیثیت سے اقوام عالم میں شمار ہوئی۔ باوجود اس کے کہ بعض مہذب اور ترقی یافتہ قوموں نے شمالی افریقہ میں حکمرانی کی بربر قوم کی بربریت و وحشت جو ملکی آب وہوا کا نتیجہ تھا دور نہ ہو سکی۔ ہاں اس بربریت اور وحشت میں اگر فرق آیا اور وہ مبدل بہ تہذیب و شائستگی ہوئی تو اسلام کے اثر سے ہوئی۔ مسلمانوں کو اس ملک کے فتح کرنے اور حکومت اسلامیہ کے قائم کرنے میں بڑی بڑی دقتیں اُٹھانی پڑیں۔ بربری قبائل نے بار بار بغاوتیں کیں۔ اور بار بار وہ مفتوح و مغلوب بنائے گئے۔ اور اُن کی ان غداریوں اور بیوفائیوں کا سلسلہ برابر اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ وہ سب کے سب مذہب اسلام کو قبول نہ کر چکے۔ مذہب اسلام کو قبول کرنے کے بعد وہ مثل عربوں کے بہادر مہذب اور شریف ثابت ہوئے۔ جب کبھی اُن میں اسلام کی پابندی کم ہوئی۔ اُسی نسبت سے اُن کی قدیمی وحشت و غداری عود کر آئی۔

مُلک مراقش کو عقبہ بن نافع نے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تمام و کمال فتح کر لیا تھا۔ اور مراقش کے بعض صوبوں کے فرمانرواؤں نے بخوشی عقبہ کی فرمانبرداری قبول کر لی تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ مراقش باغی ہؤا۔ اور ہر مرتبہ مغلوب و محکوم بنایا گیا۔ موسیٰ بن نصیر گورنر افریقہ و مراقش نے اپنی طرف سے طارق بن زیاد کو مراقش کی حکومت سپرد کی تھی۔ اسی طارق بن زیاد نے مُلک اندلس کو فتح کیا اور پھر اس کے بعد موسیٰ بن نصیر بھی خود اندلس میں داخل ہؤا۔ مُلک اندلس کی فتح میں زیادہ تر بربری لوگوں کی فوج کام میں لائی گئی تھی۔ اور اسی لئے یہ کہنا بیجا نہیں ہے۔ کہ مراقش نے اندلس کو فتح کر کے حکومت اسلامیہ میں داخل کیا تھا۔ اندلس پر قبضہ ہونے کے بعد ہی بربری لوگوں نے مراقش و اندلس میں بغاوتوں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اندلس میں تو اُن کی بغاوت جلد فرو ہو گئی مگر ملک بربر یعنی شمالی افریقہ میں ان کی بغاوتوں کا ایک سلسلہ تھا۔ جو عرصہ دراز تک جاری رہا خلافتِ بنو امیہ کی بربادی اور خلافت عباسیہ کے قیام و استحکام کے بعد تک بھی بربری قوم نے بغاوت و سرکشی کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ مسلمانوں نے ہر مرتبہ اُن کو نیچا دکھایا۔ اور ہمیشہ کچھ روز کو روکا لیکن اُنھوں نے جب کبھی ذرا بھی گرفت کو ڈھیلا دیکھا تو بلا توقف سرکشی پر آمادہ نظر آئے قوم بربر کی اس حالت اور اس مزاجی کیفیت سے مطلع ہو کر خلافتِ عباسیہ کے ہر ایک مخالف اور انقلابی سازش کرنے والے نے مُلک مراقش و افریقہ ہی کو جو بربر قوم کا مسکن تھا۔ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ علوی لوگ جو بار بار عباسیوں کے خلاف اُٹھتے رہے اُن سب کا سب سے بڑا اُمید گاہ یہی مُلک بربر رہا ہے۔ اور اُن کو جب کبھی موقع ملا ہے۔ عراق و شام و عرب سے بھاگ کر اسی ملک میں پہنچے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کو فتح کرنے کے بعد ہی مذہب سے بربری لوگوں کو واقف کر دیا تھا اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اسلام میں داخل ہو کر قریباً سب کے سب مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اُن کی جبلی عادت بہت جلد اُس تحریک کو جو مذہبی لباس میں پیش ہو کر بغاوت پر آمادہ کرتی تھی۔ قبول کر لیتی تھی۔

سلطنت ادریسیہ | اوپر خلفائے عباسیہ کے حالات میں امام محمد بن عبداللہ اور اُن کے خاندان کی

مکہ میں بربادی وشکست کا حال ذکر ہو چکا ہے اسی خاندان کا ایک شخص ادریس نامی معہ اپنے خادم
راشد کے ملک حجاز سے فرار ہو کر مصر وافریقیہ ہوتا ہوا مراقش پہنچا سجلماسہ کے متصل مقام بولیہ
میں مقیم ہوا۔ وہاں کے ایک عامل یا سردار اسحاق بن محمد بن عبد الحمید نامی نے ادریس کی خوب خاطر
تواضع کی۔ اور رفتہ رفتہ بربر قبائل میں سے زواغہ۔ لواطہ۔ زناطہ۔ سدراطہ۔ مکناسہ اور
غمارا وغیرہ قبائل ادریس کے معتقد ہو گئے۔ بربری قبائل میں ابھی تک بعض قبائل دائرہ اسلام
میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ وہ مذہباً یہودی۔ نصرانی اور مجوسی تھے۔ یہ غیر مسلم قبائل شالہ
اذرماولہ وغیرہ مقامات میں آباد تھے۔ سنہ ۱۷۲ھ میں اسحاق بن محمد بن عبد الحمید کی کوششوں
سے اکثر مسلم قبائل بربر نے ادریس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور ادریس نے ان قبائل
کی ایک فوج مرتب کر کے ان بربر قبائل پر جہاد کیا۔ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو
مغلوب کر کے اسلام کی تعلیم وترغیب دی اور بہت جلد وہ اسلام میں داخل ہو کر ادریس کو اپنا سلطان
اور خلیفہ ماننے لگے۔ سنہ ۱۷۳ھ میں ادریس نے تلمسان پر چڑھائی کی تلمسان کے عامل نے ادریس
کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کی۔ ادریس نے تلمسان کو اپنا دارالحکومت بنا کر یہاں ایک جامع
مسجد تعمیر کرائی۔ اور جلد جلد اپنی طاقت کو ترقی دی اس کے بعد ادریس تلمسان سے مقام بولیہ یا
بولیلی میں چلا گیا اور وہیں طرح اقامت ڈالدی۔ ادریس کی اس بڑھتی ہوئی طاقت اور ملک مغرب
میں اس کی حکومت کے قائم ہونے کا حال خلیفہ ہارون الرشید عباسی کو معلوم ہوا۔ تو وہ بہت
فکرمند ہوا۔ اس نے اپنے غلام سلیمان بن جریر مشہور بہ شماخ کو ملک مغرب کی طرف روانہ کیا۔ کہ وہ
ادریس کا کام تمام کرے چنانچہ شماخ نے ادریس کے پاس پہنچکر ظاہر کیا کہ ہارون الرشید سے ناراض
ہو کر اور اس کی حکومت کے دائرے سے نکل کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ ادریس نے اس کو اپنے مصاحبین
میں داخل کر لیا۔ شماخ نے ادریس کو ایک منجن دیا۔ جس کے استعمال کرتے ہی ادریس کا دم گھٹ گیا
اور وہ سنہ ۱۷۵ھ میں راہی ملک بقا ہوا۔ شماخ وہاں سے بھاگا۔ ادریس کے خادم راشد نے اس کا
تعاقب کیا مقابلہ ہوا۔ شماخ زخمی ہوا۔ مگر بچ کر نکل گیا۔ ادریس مقام بولیلی میں مدفون ہوا۔ ادریس
کے مرنے پر اس کے خادم راشد نے ظاہر کیا کہ ایک بربری لونڈی کنزہ نامی کو ادریس سے حمل ہے۔ اور
اب اسی بچہ کی جو رحم مادر میں ہے۔ ہم کو بیعت کرنی چاہیئے۔ چنانچہ بربریوں اس کی بیعت کی اور اس
تمام علاقہ پر جو ادریس کی حکومت میں شامل ہو چکا تھا۔ قبضہ وانتظام قائم رکھا۔ ایام حمل کے گذرنے
پر اس بربری لونڈی کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا۔ راشد نے لوگوں کو حکم دیا۔ کہ اب اس لڑکے کے
ہاتھ پر پھر بیعت کرو۔ چنانچہ سب نے بیعت اطاعت کی۔ راشد اس شیرخوار بچے کی طرف سے
نیابتاً امور سلطنت انجام دیتا تھا۔ یہ راشد ہی کی عقلمندی اور دانائی تھی کہ اس نے اپنے آقا کے
مرنے پر بھی حکومت کے نظام کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ اور بربریوں کے مزاج سے پوری واقفیت
حاصل کر کے حکومت کو قائم رکھا۔ جب اس لڑکے کا دودھ چھڑایا گیا۔ تو پھر ایک مرتبہ اس کے ہاتھ پر
بیعت ہوئی۔ جب سنہ ۱۸۶ھ میں یہ لڑکا گیارہ سال کا ہو کر بارہویں سال میں داخل ہوا۔ تو اس کے
ہاتھ پر جامع مسجد بولیلی میں پھر بیعت کی گئی۔ اسی سال ابن اغلب حاکم افریقیہ نے راشد کے خلاف
بربریوں کو ابھارا اور انھوں نے راشد کو قتل کر ڈالا۔ مگر اس لڑکے کی اطاعت سے باہر نہ ہوئے۔

اس لڑکے کا نام بھی ادریس ہی رکھا گیا تھا۔ جو ادریس ثانی یا ادریس اصغر کے نام سے مشہور ہوا۔ راشد کے بعد ابو خالد بن یزید بن الیاس عبدی ادریس اصغر کا اتالیق و نگران مقرر ہوا۔ ادریس اصغر نے بہت جلد امور سلطنت سے واقف و آگاہ ہو کر قلمدان وزارت مصعب بن عیسیٰ ازدی کو سپرد کیا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی حدود سلطنت کو وسیع کر کے قریباً تمام ملک مراقش پر قبضہ کر لیا۔ اور نہایت خوبی کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ بہت سے عرب اندلس و افریقہ و مصر و شام سے آ آ کر ادریس اصغر کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور ان لوگوں کی وجہ سے حکومت و سلطنت میں رونق اور شان و شوکت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اسحٰق بن محمد بن عبد الحمید کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ وہ اس سلطنت ادریسیہ کے اعلیٰ اراکین میں شامل تھا۔ اور اُسی کی ابتدائی امداد و اعانت سے ادریس اول کو اپنی حکومت کے قائم کرنے میں بڑی آسانی ہوئی تھی۔ مگر ۱۹۲ھ میں اُس کو اس الزام میں قتل کر دیا گیا کہ وہ ابراہیم بن اغلب سے ساز باز رکھتا ہے۔ اور اُسی کے اشارے سے راشد مقتول ہوا تھا۔ بولیلی یا بولیہ جہاں ابتک دار الحکومت تھا۔ ایک چھوٹا سا مقام تھا۔ ۱۹۳ھ میں ادریس اصغر نے بولیلی سے مقام فاس میں آ کر اُس کے قریب ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی اور اسی کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ اس عرصہ میں تلمسان کا علاقہ اس کے قبضے سے نکل گیا تھا۔ ۱۹۷ھ میں اُس نے تلمسان کو فتح کیا۔ اور اُس کے نواحی علاقے کو اپنے تصرف میں لا کر سنہ ۱۹۰ھ تک تلمسان میں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ جب فاس کی طرف گیا تو بربرون نے پھر اپنی جبلی عادت کی موافق بغاوت اختیار کی۔ اور ابراہیم بن اغلب کی حکومت تسلیم کر لی اس طرح ابراہیم بن اغلب اور ادریس اصغر کے درمیان چند روز تک کشمکش جاری رہی۔ آخر ادریس اصغر اور ابراہیم بن اغلب کے درمیان صلح ہو گئی۔ اور مراقش کا مُلک ہر طرح خلافت عباسیہ سے بے تعلق ہو کر وہاں ایک مستقل ادریسیہ سلطنت قائم ہو گئی۔

۲۱۳ھ میں ادریس اصغر نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا محمد اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ادریس اوّل کا حقیقی بھائی سلیمان بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابیطالب مصر و افریقیہ میں ہوتا ہوا تلمسان پہنچ گیا تھا۔ اُس نے جب اپنے آپ کو ادریس اول کا حقیقی بھائی ظاہر کیا۔ تو وہاں کے بربری قبائل نے بخوشی اُس کی بیعت کر لی۔ اور اُس کی حکومت تلمسان میں قائم ہو گئی ادھر ادریس اصغر کی ماں اور محمد بن ادریس کی دادی کنیزہ نے کہا کہ تنہا محمد ہی کو تمام ممالک مقبوضہ کی حکومت نہ دی جائے۔ بلکہ محمد کے دوسرے بھائیوں کو بھی ایک ایک حصہ کی حکومت دی جائے۔ چنانچہ کنیزہ کی تجویز کے موافق محمد بن ادریس اصغر تو فاس اور اُس کے نواحی علاقے کا فرمانروا قرار دیا گیا۔ اور اُس کے بھائیوں میں سے قاسم کو طنجہ۔ سیوطہ۔ طیطوان کی عمر کو تکیسان۔ ترغہ اور قبائل صنہاجہ و غمارہ کی حکومت دی گئی۔ داؤد کو بلاد ہوارہ۔ ماتسول۔ تازی اور قبائل مکناسہ و غیاثہ دیئے گئے۔ عبد اللہ کو اغمات۔ نفیس۔ جبال مصامدہ۔ بلاد لمطہ۔ سوس الاقصیٰ دیئے گئے یحییٰ کو اصیلا۔ عرائش۔ بلاد روغہ دیئے گئے۔ عیسیٰ کو شالہ۔ سلا۔ ازمور اور تامسنا کی حکومت ملی حمزہ کو یلیلی اور اُس کے مضافات سپرد ہوئے۔ باقی صغیر السن لڑکے اپنی دادی کنیزہ کی کفالت و نگرانی میں رہے۔ تلمسان پر سلیمان بن عبد اللہ قبضہ کر ہی چکا تھا۔ اس طرح ایک عورت کی رائے پر عمل کر کے اراکین سلطنت نے مراقش کی ایک زبردست سلطنت کو چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ چند روز کے بعد عیسیٰ نے ازمور سے اپنے بھائی محمد بن ادریس پر

نو جکشی کی۔ محمدؒ نے اپنے بھائی قاسم کو اس مہم پر جانے کا حکم دیا۔ مگر قاسم نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ تب محمد نے عمر کو عیسیٰ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ عمر نے عیسیٰ کو شکست دیکر اُس کے تمام مقبوضہ ملک کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اور محمد نے عمر کو بخوشی ایسا کرنے دیا۔ اس کے بعد محمدؒ نے عمر کو حکم دیا کہ وہ قاسم کو بھی تادیب کرے۔ جس نے محمد کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا تھا۔ عمر نے قاسم پر فوج کشی کی سخت لڑائی ہوئی۔ قاسم نے شکست کھا کر گوشہ نشینی اور زہد و عبادت میں اپنی بقیہ زندگی بسر کر دی۔ اور عمر نے قاسم کی ریاست کو بھی اپنے مقبوضہ ملک میں شامل کر لیا۔ اس طرح عمر کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔ مگر وہ ہمیشہ اپنے بھائی محمد کی اطاعت کا اقرار کرتا رہا۔ سنہ ۲۲۰ھ میں عمر کا انتقال ہُوا۔ اور محمدؒ نے اُس کے بیٹے علی بن عمر کو سن حکومت عطا کر کے اُس کے باپ کی جگہ مامور کیا۔ عمر کی وفات کے سات مہینے بعد سنہ ۲۲۱ھ میں محمد بن ادریس نے بھی وفات پائی۔ اس نے مرتے وقت اپنے نو۹ سالہ بیٹے علی کو اپنا جانشین و ولی عہد مقرر کیا۔ چنانچہ محمد کے بعد اراکین سلطنت نے بخوشی علی بن محمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہایت مستعدی سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگے۔ اس کے عہد حکومت میں ہر طرح امن و امان قائم رہا تیرہ سال کی حکومت کے بعد علی بن محمد نے سنہ ۲۳۴ھ میں وفات پائی اور مرتے وقت اپنے بھائی یحییٰ بن محمدؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ یحییٰ بن محمد نے سلطنت کو خوب رونق دی۔ اور اس کے زمانے میں سلطنت ادریسیہ عظیم الشان سلطنتوں میں شمار ہونے کی قابل ہو گئی۔ شہر فاس کی آبادی میں خوب ترقی ہوئی۔ تجارت کی گرم بازاری ہوئی۔ علما و فضلا دُور دُور سے آ آکر دربار ادریسیہ میں جمع ہوئے۔ یحییٰ بن محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ بن یحییٰ تخت نشین ہُوا۔ یحییٰ بن یحییٰ کی نالائقی اور بدچلنی نے رعایا کو ناراض کر دیا۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی سہل کی سرداری میں لوگوں نے بغاوت کر کے یحییٰ بن یحییٰ کو معزول کر کے فاس سے نکال دیا۔ وہ اسی شرم و غیرت میں چند روز کے بعد فوت ہو گیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے علی بن عمر اپنی ریاست پر ابھی تک حکمران تھا۔ یحییٰ بن یحییٰ کے مذکورہ انجام سے مطلع ہو کر علی بن عمر فاس میں آکر تخت نشین ہُوا۔ اور اس طرح ایک وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد عبدالرزاق خارجی نے علم بغاوت بلند کر کے اکثر حصہ ملک پر قبضہ کر لیا۔ اور عرصہ دراز تک خاندان ادریسیہ کی حالت بہت ہی نازک اور کمزور و پریشان رہی۔ یہاں تک کہ سنہ ۲۹۲ھ یحییٰ بن ادریس بن عمر بن ادریس اصغر نے قوت پاکر تمام ملک مراقش پر قبضہ کیا۔ اور سلطنت ادریسیہ پر پھر عروج و کمال کا زمانہ آیا۔ اس نے نہایت کامیابی اور قوت و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔ یہ ادریسیوں میں سب سے بڑا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عبیدیین کی حکومت افریقیہ میں قائم ہو چکی تھی سنہ ۳۰۵ھ میں عبیدیین کے لشکر نے حدود مراقش پر حملہ کیا۔ ادھر سے یحییٰ بن ادریس اپنا لشکر لیکر مقابلہ پر مستعد ہُوا۔ سخت مقابلے اور عظیم الشان معرکہ آرائی کے بعد یحییٰ کو شکست اور لشکر عبیدیین کو فتح حاصل ہوئی۔ یحییٰ شکست خوردہ فاس میں واپس آیا۔ اور صلح کی سلسلہ جنبانی خط و کتابت کے ذریعہ شروع کی۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ یحییٰ بن ادریس دولت عبیدیہ کی اطاعت قبول کر کے نشان اطاعت کے طور پر کچھ زر نقد سالانہ ادا کرے۔ سنہ ۳۰۹ھ میں جبکہ یحییٰ ابن ادریس کا بیٹا طلحہ بن یحییٰ بن ادریس فاس پر بطور حکمران تھا۔ لشکر عبیدی کے

ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ دو سال قید رہ کر یحییٰ رہا ہوا اور مہاریہ میں جا کر رہنے لگا۔ وہیں ۳۳۱ھ میں فوت ہوا۔ ۳۰۵ھ سے مراقش اور فاس پر عبیدی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ۳۱۳ھ میں حسن بن محمد بن قاسم بن ادریس نے فاس کے عبیدی گورنر ریحان کتامی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور اس کو فاس سے بیدخل کر کے فاس میں پھر ادریسی حکومت قائم کی مگر چند ہی روز کے بعد موسیٰ بن ابی العافیہ عبیدی سپہ سالار نے چڑھائی کر کے فاس کو فتح کیا۔ اور حسن کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اور بھی کئی شخص خاندان ادریسی کے گرفتار و مقتول ہوئے فاس پر تو عبیدی حکومت کا قبضہ ہوا۔ مگر مراقش کے اکثر اضلاع میں خاندان ادریسی کے افراد چھوٹے چھوٹے قطعات پر قابض و متصرف رہے اور یہ سب ادریس اصغر کی اولاد عمرو محمد کی نسل سے تھے۔ آخر انہوں نے سلطان اندلس کی طرف رجوع کیا۔ اور سب کے سب فرمانروائے اندلس کے مطیع ہو گئے۔ اندلس کے اموی سلطان نے بہت جلد مراقش پر قبضہ کر کے وہاں سے عبیدیوں کو نکال دیا۔ اور مراقش سلطنت قرطبہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اندلس کی تاریخ میں جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ خاندان بنو حمود کا ذکر آ چکا ہے وہ خاندان اسی خاندان ادریسیہ کی ایک شاخ تھا۔

سلیمان بن عبداللہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ وہ ادریس اکبر یا ادریس اول کا بھائی تھا۔ اور اس نے تلمسان و تاہرت کے علاقے میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ سلیمان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد بن سلیمان مغرب الاوسط پر حکمران ہوا۔ اس کے بعد بنو سلیمان میں خانہ جنگی برپا ہوئی اور ملک چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ ارشکول کا علاقہ عیسیٰ بن محمد بن سلیمان کے قبضے میں آیا۔ جراوہ کی حکومت ادریس بن محمد بن سلیمان کے قبضے میں آئی ادریس بن محمد بن سلیمان کا بیٹا ابوالعیش عیسیٰ کا باپ جانشین ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم بن عیسیٰ اس کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ بن ابراہیم اس کے بعد اس کا بھائی ادریس بن ابراہیم فرمانروا ہوا۔ آخر اس خاندان کے تمام افراد کو عبدالرحمٰن ناصر خلیفہ قرطبہ کے سپہ سالاروں نے گرفتار کر لیا تھا تنس کے صوبہ پر ۳۴۲ھ تک علی بن یحییٰ بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن سلیمان حکمران رہا۔ اس کے بعد بھی بنو سلیمان کے اکثر افراد مغرب الاوسط کے اکثر مقامات پر برائے نام قابض و متصرف رہے پھر رفتہ رفتہ حکومت اس خاندان سے بالکل منقطع ہو گئی۔

دولتِ اغالبہ افریقیہ

دوسری جلد میں خلافت عباسیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے ملک اندلس حکومت و خلافت عباسیہ سے الگ ہو گیا تھا۔ اور وہاں ایک خود مختار حکومت و سلطنت بنو امیہ کی قائم ہو گئی تھی۔ جس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اندلس کے بعد مراقش کا ملک خلافت عباسیہ سے جدا ہوا اور وہاں ایک خود مختار ادریسیہ سلطنت قائم ہوئی۔ اس ادریسیہ حکومت کا حال بھی مختصر طور پر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مراقش کے بعد افریقیہ یا تونس یا طرابلس المغرب کا ملک خلافت عباسیہ سے جدا اور وہاں حکومت اغالبہ قائم ہوئی۔ اس حکومتِ اغالبہ کا حال اب مختصر طور پر بیان ہوتا ہے۔ افریقیہ کا ملک بھی علاقہ بربر میں شامل ہے۔ خلافت امیہ کے زمانے میں ممالک بربر یا شمالی افریقہ کے تمام ملکوں کا نگراں وائسرائے اسی ملک افریقیہ یا طرابلس کے شہر قیروان میں رہتا تھا۔ اور مراقش و اندلس کے گورنر اسی قیروان کے وائسرائے کی تجویز

سے مقرر ہوتے تھے۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں جب اندلس و مراقش کے ملک دائرہ حکومت عباسیہ سے خارج ہو گئے۔ تو قیروان کے وائسرائے کی حیثیت ایک معمولی صوبہ دار یا گورنر کی رہ گئی تھی۔ رعایا۔ اور آب و ہوا کے اعتبار سے یہ ملک بھی چونکہ ملک مراقش سے مشابہت رکھتا تھا۔ اور یہاں بھی بربری لوگ ہی زیادہ آباد تھے۔ لہذا یہ صوبہ بھی ہمیشہ معرض خطر ہی میں رہتا تھا۔ اور یہاں جلد جلد عامل یا گورنر تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ بغاوتوں اور سرکشیوں کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا۔ عاملوں کی تبدیلی کے سلسلہ میں جب محمد بن مقاتل نے دوبارہ اس صوبہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس ملک کے باشندوں نے اظہار ناراضی کیا۔ اور ابراہیم بن اغلب کو جو دربار خلافت میں موجود تھا۔ لکھا کہ آپ اس صوبہ کی حکومت خلیفہ سے کہکر اپنے نام مقرر کرالیں۔ اس پیغام سے مطلع ہوکر ابراہیم بن اغلب نے خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ملک مصر کی آمدنی سے ایک لاکھ دینار سالانہ ملک افریقیہ میں نظام حکومت قائم رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس ملک سے آپ کو کوئی آمدنی نہیں ہوتی۔ آپ مجھ کو اس ملک کا حاکم مقرر کر کے بھیجدیجئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ خزانہ مصر سے وہ ایک لاکھ دینار سالانہ نہیں لوں گا۔ اور چالیس ہزار دینار سالانہ ملک افریقیہ سے بطور خراج دربار خلافت میں بھیجتا رہوں گا۔ ابراہیم بن اغلب کی اس درخواست کو سن کر خلیفہ ہارون الرشید نے ہرثمہ بن اعین سے مشورہ کیا۔ ہرثمہ نے عرض کیا کہ ابراہیم کی اس درخواست کو ضرور منظور فرما لیجئے۔ اور ملک افریقیہ کی سند حکومت اس کو دیجئے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو سند حکومت عطا کردی۔ یہ ایک قسم کا ٹھیکہ تھا۔ جو ابراہیم بن اغلب کو دیا گیا تھا۔ ابراہیم بن اغلب نے محمد بن مقاتل سے حکومت کا چارج لے لیا۔ اور چونکہ رعایا ابراہیم سے خوش تھی۔ اس لئے تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا۔ ابراہیم بن اغلب نے ۱۸۴ھ میں ملک افریقیہ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور قیروان کے متصل ایک نیا شہر آباد کر کے اُس کا نام عباسیہ رکھا۔ ۱۸۶ھ میں حمدیس نامی ایک شخص نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ابراہیم نے عمران بن مجاہد کو فوج دیکر مقابلہ پر بھیجا۔ سخت لڑائی کے بعد حمدیس کو شکست ہوئی اور دس ہزار آدمی میدان جنگ میں باغیوں کے کھیت رہے۔ اس کے بعد ابراہیم بن اغلب نے اپنی تمامتر توجہ مغرب الاقصیٰ کی طرف مبذول کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ادریس بن عبداللہ یعنی ادریس اول مراقش میں فوت ہوچکا تھا۔ اُس کے بعد ادریس اصغر کے نام سے ادریس اول کا خادم راشد مراقش میں حکومت کررہا تھا۔ ابراہیم اغلب نے بربریوں کو انعام واکرام دیکر اپنی طرف گرویدہ کیا۔ اور اُن بربریوں کی ایک جماعت نے راشد کا سر اُتار کر ابراہیم بن اغلب کے پاس قیروان بھیجدیا۔ اس کے بعد ابراہیم بن اغلب نے اپنے احسانات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور ادریس اصغر کے اکثر اراکین کو اپنی طرف مائل کیا۔ مگر ابھی اس کا کوئی قابل تذکرہ نتیجہ برآمد نہ ہُوا تھا کہ ۱۸۹ھ میں شہر طرابلس کے باشندوں نے ابراہیم بن اغلب کے عامل سفیان بن مہاجر کے خلاف بغاوت کر کے اس کو طرابلس سے باہر نکالدیا۔ ابراہیم نے طرابلس کی طرف فوج روانہ کی اور ذی الحجہ ۱۸۹ھ میں طرابلس میں پھر اُس کی حکومت قائم ہوگئی۔ ۱۹۵ھ میں ابراہیم بن اغلب کے خلاف ایک زبردست بغاوت نمودار ہوئی یعنی عمران بن مجاہد ربیعی نے تونس میں علم بغاوت بلند کیا اور ایک زبردست جمعیت کے ساتھ قیروان

عباسیہ کے گرد خندق کھدوا کر مضبوطی کی طرف بڑھا۔ اور قیروان پر قابض و متصرف ہوگیا۔ ابراہیم بن اغلب نے عباسیہ میں محصور ہوگیا۔ عمران نے ایک سال تک ابراہیم بن اغلب کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس عرصہ میں محاصر و محصور دونوں کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں ابراہیم بن اغلب کو اکثر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس عرصہ میں عمران نے اسد بن فرات قاضی کو بھی بغاوت پر ابھارا۔ مگر اس نے بغاوت سے انکار کیا۔ ابراہیم بن اغلب نے اپنی اس حالت کی اطلاع خلیفہ ہارون الرشید کو دیکر روپیہ کی امداد چاہی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ابراہیم کے پاس کافی خزانہ فوراً روانہ کردیا۔ اس خزانہ کے پہنچنے پر ابراہیم بن اغلب نے داد و دہش کا سلسلہ جاری کیا۔ اور عمران کی فوج کے اکثر آدمی ابراہیم کے پاس چلے آئے۔ عمران پریشان ہوکر اور محاصرہ اٹھا کر مقام زاب کی طرف چلا گیا۔ اور وہیں مقیم رہا۔ ابراہیم بن اغلب نے اس خطرہ سے نجات حاصل کرکے ۱۹۶ھ میں اپنے بیٹے عبداللہ کو طرابلس کی حکومت پر روانہ کیا۔ اس کے پہنچنے پر چند ہی روز کے اندر طرابلس کی فوج نے بغاوت کی اور دارالامارت میں اس کا محاصرہ کرلیا۔ پھر اس شرط پر کہ وہ طرابلس کو چھوڑ کر چلا جائے اس کو امان دی۔ عبداللہ نے طرابلس سے نکلکر اور اسی کے مضافات میں مقیم رہکر بربریوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا اور ان کو خوب روپیہ لٹایا۔ جب اس طرح ایک جمعیت کثیر فراہم ہوگئی۔ تو طرابلس پر حملہ کیا اور طرابلس کی فوج کو شکست دیکر طرابلس پر قبضہ کیا۔ اس کے چند روز بعد ابراہیم بن اغلب نے عبداللہ کو طرابلس کی حکومت سے معزول کرکے سفیان بن مضاء کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اہل طرابلس نے پھر بغاوت کی اور سفیان کو طرابلس سے نکال دیا۔ سفیان ابراہیم کے پاس عباسیہ میں پہنچا۔ ابراہیم نے سفیان کے ساتھ اپنے بیٹے عبداللہ کو روانہ کیا اور پھر طرابلس کی طرف بھیجا۔ سخت معرکہ ہوا اور بڑے کشت و خون کے بعد پھر طرابلس پر سفیان و عبداللہ نے قبضہ کیا۔ اس کے بعد چند روز طرابلس میں امن و امان رہا۔ پھر عبدالوہاب بن عبدالرحمن بن رستم بربریوں کی ایک جمعیت کثیر لیکر طرابلس پر چڑھ آیا۔ اور کشت و خون کا بازار گرم ہوا ادھر ماہ شوال ۱۹۶ھ میں ابراہیم بن اغلب نے عباسیہ میں وفات پائی۔ یہ خبر جب عبداللہ کو طرابلس میں پہنچی تو اس نے عبدالوہاب سے صلح کرلی مضافات طرابلس عبدالوہاب کو دیکر شہر طرابلس اپنے پاس رکھا۔ اور صلحنامہ مرتب کرنے کے بعد طرابلس سے قیروان کی جانب روانہ ہوا۔

ابراہیم بن اغلب نے وفات کے وقت اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنے دوسرے بیٹے زیادۃ اللہ کو بھائی کی اطاعت کے لئے وصیت کی چنانچہ زیادۃ اللہ نے باپ کی وفات کے بعد اپنے بھائی عبداللہ کی حکومت کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ عبداللہ بن ابراہیم بن ابراہیم ماہ صفر ۱۹۷ھ میں وارد قیروان ہوا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ قریباً پانچ سال حکومت کرکے ماہ ذیحجہ ۲۰۱ھ میں عبداللہ نے کان کے زخم کی وجہ سے وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ تخت نشین ہوا۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ابراہیم اغلب نے اس ملک کی حکومت ہارون الرشید سے ٹھیکہ پر لی تھی۔ لہٰذا خطبہ میں خلیفہ عباسی کا نام لیا جاتا تھا۔ مگر حکومت خود مختارانہ تھی۔ زیادۃ اللہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے پاس مامون الرشید عباسی کی طرف سے سند حکومت آئی اور ساتھ ہی

یہ بھی حکم آیا کہ منبروں پر عبداللہ بن طاہر کے لئے دعا کی جائے اس حکم سے زیادۃ اللہ کو انقباض پیدا ہوا اور اس نے قاصد کو رخصت کرتے وقت تحف و ہدایا کے ہمراہ چند دینار حکومت ادریسیہ کے مسکوک شدہ روانہ کئے۔ مدعا اس سے یہ تھا۔ کہ ہم بجائے آپ کے ادریسی حکومت سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں۔ چند روز کے بعد زیاد بن سہل نے جو اس کا ایک فوجی افسر تھا۔ باغی ہو کر شہر باجہ پر محاصرہ ڈالا۔ زیادۃ اللہ نے یہ خبر سن کر ۲۰۷ھ میں فوج اس طرف روانہ کی زیادۃ اللہ کی فوج نے زیاد کو شکست دیکر اور گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد منصور ترمذی نے مقام طبنہ میں علم بغاوت بلند کیا اور فوجیں آراستہ کر کے تونس پر چڑھ آیا۔ تونس کا گورنر اسماعیل بن سفیان مقابلہ میں مقتول ہوا اور منصور کا تونس پر قبضہ ہو گیا۔ زیادۃ اللہ نے اپنے چچا زاد بھائی اغلب بن عبداللہ بن اغلب کو جو اس کا وزیر بھی تھا۔ فوج دیکر روانہ کیا۔ چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا۔ کہ اگر منصور سے شکست کھا کر آؤ گے تو تم سب کو قتل کر دوں گا۔ وہاں پہنچکر لڑائی ہوئی اور منصور نے اس فوج کو شکست دی۔ اغلب بن عبداللہ شکست خوردہ قیروان کی طرف واپس آتا تھا لشکریوں نے جان کے خوف سے اغلب بن عبداللہ کو قتل کر دیا اور خود منصور کے پاس چلے گئے۔ منصور کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ اس نے ایک زبردست فوج مرتب کر کے قیروان کا قصد کیا اور جلد ہی قیروان پر قابض ہو گیا۔ زیادۃ اللہ عباسیہ میں محصور ہوا۔ قیروان پر منصور کا اور عباسیہ پر زیادۃ اللہ کا قبضہ رہا۔ چالیس دن کی لڑائیوں کے بعد زیادۃ اللہ کو فتح حاصل ہوئی۔ اور منصور بھاگ کر تونس چلا گیا۔ سرداران لشکر میں سے کئی افسروں نے ملک کے جس حصہ پر موقع پایا قبضہ کر لیا۔ انہیں میں عامر بن نافع ارزق بھی تھا۔ جس نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ زیادۃ اللہ نے محمد بن عبداللہ بن اغلب کو ایک فوج دیکر عامر کے مقابلہ کو بھیجا۔ عامر نے اس فوج کو شکست دیکر بھگا دیا۔ غرض زیادۃ اللہ کے قبضے میں بہت ہی تھوڑا سا علاقہ رہ گیا۔ باقی سب مختلف سرداروں کے قبضے میں چلا گیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد منصور اور عامر میں لڑائی ہو گئی۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر زیادۃ اللہ نے اپنی حالت کو درست کیا۔ اور دوبارہ اپنی طاقت کو بڑھایا۔ ادھر منصور عامر کے مقابلے میں مقتول ہوا۔ اور عامر نے تونس میں مقیم ہو کر اپنی الگ حکومت قائم کی یہانتک کہ ۲۱۴ھ میں عامر کا انتقال ہوا۔ ۲۱۸ھ میں زیادۃ اللہ کا تونس پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اور دوسرے باغی سرداروں کو بھی اس نے مغلوب کیا۔

جزیرہ صقلیہ کی فتح | جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں قیصر قسطنطنیہ کی حکومت تھی۔ اور وہاں ایک گورنر قیصر کی طرف سے مقرر و مامور ہو کر آتا اور حکومت کرتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں قیصر نے قسطنطیل نامی بطریق کو صقلیہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ اس نے ایک رومی سردار کو امیر البحر بنایا جس کا نام فیمی تھا۔ فیمی نے ساحل افریقہ پر لوٹ مار مچائی اور اپنا رعب سمندر میں قائم کیا۔ مگر اسی زمانے میں قیصر نے گورنر صقلیہ کو لکھا۔ کہ تم اپنے امیر البحر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیجدو۔ امیر البحر کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو اس نے جزیرہ صقلیہ میں داخل ہو کر شہر سرقوسہ پر قبضہ کر لیا۔ گورنر اور امیر البحر میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں گورنر کام آیا۔ اور امیر البحر فیمی نے تمام جزیرہ پر قابض ہو کر اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کیا۔ اور اپنے آپ کو پادشاہ

بلوایا۔ جزیرہ صقلیہ کے اس بادشاہ نے جزیرہ کے ایک حصّہ کی حکومت پر بلاطہ نامی ایک شخص کو مامور کیا۔ بلاطہ کا ایک چچازاد بھائی میخائیل بھی اس جزیرہ کے ایک حصے میں برسرِ حکومت تھا۔ ان دونوں چچازاد بھائیوں نے مل کر فیمی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اور متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد سرقوسہ پر قابض و متصرف ہو گئے۔ فیمی شکست کھا کر اور جزیرہ کو چھوڑ کر جہازوں میں آ گیا۔ اور امداد حاصل کرنے کے لئے زیادۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زیادۃ اللہ نے قیروان کے قاضی اسد بن فرات کو ایک فوج دیکر صقلیہ کے بادشاہ فیمی کے ساتھ کر دیا۔

جزیرہ صقلیہ پر سب سے پہلے مسلمانوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بسرداری عبداللہ بن قیس فزاری فوج کشی کی تھی۔ لیکن یہ فوج کشی ایک وقتی حملہ تھا۔ جس سے رومیوں کو مرعوب کرنا مقصود تھا۔ یہ حملہ سنہ ۳۲ھ میں ہوا تھا۔ پھر سنہ ۸۵ھ میں موسیٰ بن نصیر والیٔ افریقیہ نے بھی اسی قسم کی فوج کشی اس جزیرہ پر کی تھی۔ پھر سنہ ۱۰۲ھ میں خلیفہ یزید بن عبدالملک کے ایک سردار محمد بن ابو ادریس انصاری نے جزیرہ صقلیہ پر حملہ کیا۔ اس کے بعد بشر بن صفوان کلبی نے سنہ ۱۰۹ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں صقلیہ پر حملہ کیا۔ ان تمام حملوں میں مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور وہ صقلیہ سے بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے۔ سنہ ۱۱۱ھ میں عبیدہ بن عبدالرحمٰن قیسی والیٔ افریقیہ کے ایک سردار مستنیر بن حرث نے صقلیہ پر فوجکشی کی۔ مگر سمندر میں طوفان کے برپا ہونے اور جہازوں کے ڈوب جانے سے یہ مہم ناکام رہی اور مستنیر راستے ہی سے بدقت تمام طرابلس واپس آیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۲۲ھ میں عبیداللہ بن حجاب گورنر افریقیہ نے حبیب بن عبیداللہ کو معہ اُس کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حبیب کے صقلیہ کی طرف روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن حبیب نے ساحل پر اُتر کر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور اندرونِ جزیرہ میں شہر سرقوسہ تک جو صقلیہ کا دارالسلطنت تھا۔ پہنچ گیا۔ حاکمِ صقلیہ نے عبدالرحمٰن بن حبیب کو جزیہ دینا منظور کیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کر کے عبدالرحمٰن سرقوسہ سے سالماً غانماً ساحل پر اپنے باپ حبیب بن عبیداللہ کے پاس واپس آیا۔ اس طرح جزیرہ صقلیہ کو مفتوح و باجگزار بنا کر دونوں باپ بیٹے افریقیہ واپس آئے۔ مگر چند ہی روز بعد یہ جزیرہ اسلامی حکومت و سیادت کے دائرے سے خارج ہو گیا۔ یہ فتح بھی محض عارضی اور ہنگامی ہی تھی۔ سنہ ۱۳۵ھ میں ایک مرتبہ پھر حاکمِ افریقیہ نے اس جزیرہ پر فوجکشی کی اس کے بعد سنہ ۲۱۲ھ تک مسلمانوں کو اس جزیرہ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اب زیادۃ اللہ کے پاس جب فیمی آیا۔ اور اس جزیرہ کے فتح کرنے کی ترغیب دی تو زیادۃ اللہ نے اسد بن فرات قاضی قیروان کو سو جہاز دیکر جو فیمی کے جہازوں کے علاوہ تھے صقلیہ کی طرف بھیجا۔ اور اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ صقلیہ کو فتح کر کے وہاں مستقل طور پر اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ اور رومی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ نصف ربیع الاول سنہ ۲۱۲ھ کو یہ جنگی بیڑہ صقلیہ کی جانب روانہ ہوا۔ اور تیسرے روز جزیرہ صقلیہ کے ساحل پر اسلامی فوج جا اُتری بلاطہ نے جو اب جزیرہ صقلیہ کا بادشاہ بن گیا تھا۔ مقابلہ کے لئے فوج بھیجی۔ بلاطہ نے قیصر کی خدمت میں اظہارِ فرمانبرداری کی درخواست بھیجکر باقاعدہ سندِ حکومت اور امداد منگائی تھی۔ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہر مقام پر عیسائی لشکر کو شکست دیتے ہوئے مسلمان آگے بڑھے۔ فیمی مذکور اسلامی لشکر کے ہمراہ تھا۔ مگر اب

وہ مسلمانوں کی پیہم فتوحات اور عیسائیوں کی ہزیمتوں سے دل ہی دل میں افسردہ و رنجیدہ ہوتا تھا۔ اُس نے درپردہ عیسائیوں کو ضروری خبریں پہنچائیں اور مشورے دینے شروع کئے۔ جس سے اسلامی لشکر کے لئے مشکلات پیدا ہوئیں۔ مگر ان لڑائیوں میں بلاطہ مقتول ہوا اور عیسائیوں نے خود ہی دھوکہ دیکر اس کے بعد فیمی کو الگ بُلا کر قتل کر دیا۔ بلاطہ کی جگہ عیسائیوں نے فوراً اپنا دوسرا سردار انتخاب کیا۔ اور سرقوسہ کو ہر قسم کی تیاری کے بعد خوب مضبوط کر کے مسلمانوں کا مقابلہ سختی سے جاری رکھا۔ قاضی اسد بن فرات نے سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔ اسی محاصرہ کے دوران میں قاضی اسد بن فرات کا شعبان ۲۱۳ھ میں انتقال ہوا۔ لشکر اسلام نے قاضی اسد بن فرات کے انتقال پر محمد بن ابو الجواری کو اپنا سردار منتخب کیا۔ اس کے بعد ہی عیسائیوں کی امداد اور مسلمانوں کے مقابلہ کی غرض سے قسطنطنیہ سے فوجیں جنگی جہازوں میں آ گئیں۔ سخت لڑائی ہوئی۔ لشکر اسلام نے اس نو وارد فوج کو شکست دیکر بھگا دیا۔ اور محاصرہ کو سختی سے جاری رکھا۔ مگر اس کے بعد ہی لشکر اسلام میں وبا پھیل گئی۔ اس وبا کا حملہ عیسائی لشکر کے حملے سے زیادہ خطرناک اور مہلک ثابت ہوا۔ بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ مسلمانوں نے سرقوسہ سے محاصرہ اُٹھا لیا اور اپنے مقبوضہ شہروں میں واپس آ کر ارادہ کیا۔ کہ افریقیہ کو واپس چلیں اور وہاں سے حالت درست کر کے پھر واپس آ کر تمام جزیرہ کو فتح کریں گے۔ لیکن ان کو معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ کے جہازوں نے ناکہ بندی کر لی ہے۔ اور اب مسلمانوں کا افریقیہ واپس ہونا آسان نہیں ہے۔ ناچار مسلمانوں نے مقام مازر کے قریب قیام کیا۔ اب عیسائی فوجیں بحری و بری راستے سے بڑی تعداد میں آ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو اُن کی لشکر گاہ میں محصور کر لیا۔ کچھ مسلمان جو مقبوضہ شہروں کے انتظام پر مامور تھے۔ اُنھوں نے یہ خبر سُن کر چاہا کہ ہم اپنے محصور بھائیوں سے جا ملیں۔ مگر عیسائیوں کے محاصرے کو نہ توڑ سکے۔ اور باہر ہی اِدھر اُدھر بحالت پریشان پھرنے لگے۔ اِسی حالت محاصرے میں محمد بن ابو الجواری نے وفات پائی۔ مسلمانوں نے فوراً زہیر بن عوف کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ مقام مازر میں مسلمان عرصہ دراز تک اسی حالت محاصرہ میں رہے۔ اتفاقاً اندلس سے ایک بیڑہ جنگی جہازوں کا بقصد جہاد نکلا ہوا تھا۔ اور بحر روم میں گشت کر رہا تھا۔ صقلیہ کے اُن مسلمانوں کو جو محاصرہ سے باہر تھے۔ یہ حال معلوم ہوا۔ اور اُنھوں نے اس اندلسی بیڑہ کے قریب پہنچ کر کسی نہ کسی طرح اسلامی لشکر کی حالت سقیم سے مطلع کیا۔ اس بیڑہ سے فوراً تین سو کشتیاں ساحل صقلیہ پر بھیجی گئیں۔ اور اندلس کے اسلامی لشکر نے ساحل پر اُتر کر عیسائیوں کو مارنا اور قتل کرنا شروع کیا اور عیسائی محاصرہ اُٹھا کر فرار ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الاخر ۲۱۵ھ کا ہے۔ مسلمانوں نے اس محاصرے سے آزاد ہوتے ہی پھر فتوحات کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اندلسی بیڑہ تو اپنا کام کر کے واپس چلا گیا۔ اور افریقی اسلامی لشکر نے شہر بلیرمو کا محاصرہ کر لیا۔ اور مفتوحہ شہروں پر پھر از سر نو حکومت قائم کی۔ اسی عرصہ میں افریقیہ سے بھی کمکی فوج کی کشتیاں پہنچ گئیں۔ اس سے پہلے جو فوج اسد بن فرات کے ہمراہ آئی تھی اُس کی کل تعداد دس ہزار سات سو تھی۔ جس میں دس ہزار پیدل اور سات سو سوار تھے۔ شہر بلیرمو ابھی فتح نہ ہوا تھا۔ کہ ۲۱۸ھ میں افریقیہ سے محمد بن عبد اللہ بن اغلب یعنی زیادۃ اللہ کا چچا زاد بھائی صقلیہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا اور ۲۲۰ھ میں بلیرمو اور قصر یانہ وغیرہ شہروں کو رومیوں سے فتح کر لیا۔ جزیرہ صقلیہ کا نصف جنوبی حصہ

مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ اور نصف شمالی حصے میں عیسائیوں کی حکومت قائم تھی۔ اور قیصر روم کی طرف سے برابر امداد پہنچتی رہتی تھی۔ مگر مسلمان برابر اپنی فتوحات کو بڑھاتے اور جزیرہ میں اسلامی حکومت کو وسیع کرتے رہے۔ پلرمو کی فتح کے بعد سے جزیرہ صقلیہ سلطنت اغلبیہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ اور وہاں برابر یکے بعد دیگرے قیروان سے گورنر مقرر ہو کر آتے اور حکومت کرتے رہے۔ زیادۃ اللہ کے عہد حکومت کا سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ جزیرہ صقلیہ کا حکومت اسلامیہ میں شامل کرنا ہے۔ اس جزیرہ پر قریباً پونے تین سو سال تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی۔ اس کے بعد آپس کی خانہ جنگیوں نے اس جزیرہ کو عیسائیوں کے قبضے میں پہنچا دیا اور انہوں نے جس طرح اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان گم کیا۔ اسی طرح جزیرہ صقلیہ سے بھی مسلمانوں کے نشانوں کو مٹایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ زیادۃ اللہ نے ۲۲۳ھ میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی اغلب بن ابراہیم اغلب تخت نشین ہوا۔ اس کی کنیت ابو عقال تھی۔

ابو عقال کی حکومت سے رعایا عام طور پر خوش رہی۔ فوج بھی اس سے خوش تھی۔ اگر کسی نے بغاوت و سرکشی کی تو اس کی سرکوبی کامیابی کے ساتھ کر دی گئی۔ دو برس اور سات مہینے حکومت کرنے کے بعد ابو عقال نے ۲۲۶ھ ماہ ربیع الاول میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو العباس محمد بن اغلب بن ابراہیم بن اغلب تخت نشین ہوا۔

ابو العباس محمدؒ کی حکومت بھی مثل اپنے باپ کے تھی۔ ۲۴۰ھ میں ابو العباس کے بھائی ابو جعفر نے علم بغاوت بلند کر کے ابو العباس کو معزول کر دیا۔ اور خود حکومت کرنے لگا۔ ابو العباس نے موقع پا کر فوج جمع کی اور ڈیڑھ سال کے بعد ۲۴۲ھ میں دوبارہ تخت حکومت حاصل کر کے ابو جعفر کو مصر کی طرف نکال دیا۔ مگر اسی سال ابو العباس کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو ابراہیم احمد بن ابو العباس محمدؒ تخت نشین ہوا۔

ابو ابراہیم احمد نے تخت نشین ہو کر فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کیا۔ ملک کے اندر جا بجا قلعے بنوائے جزیرہ صقلیہ میں رومی فوجوں کے ساتھ سلسلۂ جنگ برابر جاری رہتا تھا۔ ابو ابراہیم کے زمانے میں بماہ شوال ۲۴۷ھ میں مسلمانوں کو رومیوں پر ایک فتح عظیم حاصل ہوئی۔ اور بہت سے قیدی افریقیہ میں آئے۔ ابو ابراہیم نے ان رومی قیدیوں کو نامۂ بشارت کے ساتھ خلیفہ متوکل کے پاس بغداد کی جانب بھیجدیا۔ خاندان اغلب کے فرمانروا اگرچہ صوبہ افریقیہ میں مستقل حکومت اور شاہی اختیارات رکھتے تھے۔ مگر بظاہر وہ خلیفہ بغداد کی سیادت کو تسلیم کرتے اور دربار خلافت سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق ضرور رکھتے تھے۔ ۲۴۹ھ میں ابو ابراہیم احمد نے وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا زیادۃ اللہ، جو زیادۃ اللہ اصغر کے نام سے مشہور ہے تخت نشین ہوا۔

زیادۃ اللہ اصغر کا عہد حکومت بھی مثل اپنے بزرگوں کے رہا۔ مگر اس کو ایک سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد اس کا بھائی محمد بن ابو ابراہیم احمد ملقب بہ ابو الغرانیق تخت نشین ہوا۔

ابو الغرانیق اپنے بھائی زیادۃ اللہ اصغر کی وفات کے بعد ۲۵۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ لہو ولعب کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اس کے عہد حکومت میں جزیرہ صقلیہ کا ایک حصہ رومیوں نے مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ مگر چند روز کے بعد مسلمانوں نے پھر وہ حصہ رومیوں سے چھین لیا تھا۔ اس نے سرحد مراقش اور ساحل بحر پر متعدد قلعے تعمیر کرائے۔ گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد جمادی الثانی ۲۶۱ھ میں فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن ابو ابراہیم احمد تخت نشین ہوا۔

ابراہیم بن احمد بہت ذی ہوش اور مدبر شخص تھا۔ اس نے نہایت عمدگی کے ساتھ حکومت شروع کی اور انتظام ملکی کو خوب مضبوط و مستحکم بنایا۔ بغاوتوں کے امکان کو مٹایا۔ ۲۶۷ھ میں مصری فوجوں نے افریقیہ پر حملہ کیا۔ مگر ابراہیم کی فوجوں نے اُن کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ۲۶۹ھ میں ملک کے اندر ایک بغاوت نمودار ہوئی۔ جس کے فرو کرنے میں بہت خونریزی ہوئی۔ ۲۸۰ھ میں خوارج نے خروج کیا اور تمام ملک میں بغاوتوں کے آثار نمودار ہوئے۔ ابراہیم نے نہایت استقلال و اطمینان کے ساتھ اس فتنۂ خوارج کے فرو کرنے کے لئے فوجیں ملک کے ہر حصے میں پھیلا دیں اور بہت جلد امن و امان قائم ہو گیا۔ اس کے بعد ابراہیم نے سوڈانی لوگوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ اور ان سوڈانی غلاموں کی تعداد کو جو بطور سوار بھرتی کئے جاتے تھے۔ تیس ہزار تک پہونچا دیا۔ ۲۸۱ھ میں ابراہیم قیروان سے شہر تونس میں چلا آیا۔ اور وہیں محلسرائے بنوا کر اقامت اختیار کی۔ ۲۸۳ھ میں فوج لیکر مصر کی جانب ابن طولون سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اثناء راہ میں ایک بغاوت کا حال سن کر اُس طرف متوجہ ہو گیا۔ اور اس بغاوت کو فرو کیا۔ ۲۸۷ھ میں جزیرہ صقلیہ سے خبر آئی کہ اہل پلرمو نے بغاوت اختیار کی ہے۔ ابراہیم نے اپنے بیٹے ابو العباس عبداللہ کو ایک سو ساٹھ کشتیوں کا بیڑہ دے کر صقلیہ کی جانب روانہ کیا۔ ابو العباس نے صقلیہ پہنچکر عیسائی باغیوں کو پیہم شکستیں دے کر تمام جزیرہ میں امن و امان قائم کر دیا۔ پھر فوجیں آراستہ کر کے جزیرہ صقلیہ سے کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل فرانس پر حملہ آور ہوا۔ اور ڈیڑھ برس کے بعد سالماً غانماً واپس آیا۔ اس کے آتے ہی ابراہیم خود جزیرہ صقلیہ میں گیا۔ اور وہاں سے ساحل فرانس پر حملہ آور ہوا۔ فرانسیسی اُس سے بہت خوف کھاتے تھے۔ اُس نے وہاں بعض مقامات کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ کہ اسی حالت میں آخر ماہ ذیحجہ ۲۸۹ھ میں فوت ہوا۔ اُس کی لاش پلرمو میں لا کر دفن کی گئی۔ اسی ابراہیم کے عہد حکومت میں ابو عبداللہ حسین بن محمد شیعی نے مراقش وافریقیہ کی درمیانی حد پر کوہ اطلس کے جنوب شہر کتامہ میں ظاہر ہو کر بربری قبائل کو محبت اہلبیت کی ترغیب و تلقین شروع کر کے اکثر لوگوں کو اپنا ہمخیال بنایا۔ اس طرح ابو عبداللہ شیعی نے ۲۸۸ھ سے اپنا کام شروع کر کے بہت جلد کافی طاقت حاصل کر لی۔ اور کتامہ پر قابض ہو کر حدودِ سلطنت اغلبیہ کو دبانا شروع کیا تھا کہ سلطان ابراہیم اغلبی فوت ہوا اور اُس کی جگہ اس کا بیٹا ابو العباس عبداللہ بن ابراہیم تخت نشین ہوا۔ ابو العباس نے تخت نشین ہو کر تونس کو اپنا دار الحکومت بنایا اور اپنے بیٹے ابو خول کو

فوج دیکر ابو عبداللہ شیعی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابو خول نے مقام تاوزرت میں ابو عبداللہ شیعی کو شکست فاش دیکر بھگا دیا اور تاوزرت میں ابو عبداللہ شیعی کے معتقدین کا قتل عام کیا۔ شیعی نے پھر فوج جمع کر کے ابو خول پر حملہ کیا۔ ایک شبانہ روز کی جنگ عظیم کے بعد ابو خول کی شکست ہوئی وہ تونس واپس آیا۔ یہاں سے پھر فوج مرتب کر کے ابو عبداللہ شیعی کے مقابلے کو روانہ ہوا ابو عبداللہ شیعی نے دھوکہ دیکر اس کی فوج پر حملہ کیا۔ اس غیر متر قبہ حملہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ابو خول کی فوج شکست کھاکر بھاگی۔ اور ابو خول نے مقام سطیف میں قیام کر کے پھر لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا اور مستعد ہو کر ابو عبداللہ شیعی کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ اُدھر ابو خول کے دوسرے بھائی زیادۃ اللہ بن ابو العباس نے اپنے باپ کے بعض خدام کو شریک سازش کر کے ابو العباس کا کام تمام کرا دیا۔ اور خود شعبان ۲۹۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ خبر جب ابو خول کو پہنچی تو وہ تونس کی طرف واپس آیا اور آتے ہی گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ علاوہ اس کے اور بھی اپنے بھائیوں اور چچاؤں کو زیادۃ اللہ نے قتل کرایا۔ زیادۃ اللہ کی کنیت ابو مضر تھی۔

ابو مضر زیادۃ اللہ کی تخت نشینی کے بعد ابو عبداللہ شیعی نے بڑھ کر شہر سطیف پر قبضہ کر لیا۔ اور اُس کی طاقت میں خوب اضافہ ہو گیا۔ ابو مضر عیش پرست اور پست ہمت شخص تھا اُس نے تونس کو چھوڑ کر مقام رقادہ میں سکونت اختیار کی اور اپنے ایک سردار ابراہیم بن جیش کو ابو عبداللہ شیعی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ ابراہیم بن جیش چالیس ہزار فوج لیکر روانہ ہوا۔ اور مقام قسطیلہ میں پہونچکر چھ مہینے مقیم رہا۔ اور اس عرصہ میں فوجیں ہر طرف سے فراہم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ فوج اُس کے پاس فراہم ہو گئی۔ اس لشکر عظیم کو لیکر وہ کتامہ کی طرف بڑھا مقابلہ ہوا۔ اتفاق کی بات ابراہیم بن جیش کو شکست ہوئی۔ اور اُس نے قیروان میں آکر دم لیا۔ ابو عبداللہ شیعی نے شہر طبنہ کو فتح کر کے وہاں کے عامل فتح بن یحییٰ کو قتل کیا۔ ابو عبداللہ شیعی کی ان فتوحات کا حال سُن کر قیروان اور دوسرے شہروں میں ہلچل اور بد امنی کے آثار نمایاں ہوئے۔ زیادۃ اللہ نے اِن حالات کو درست کرنے میں روپیہ بہت خرچ کیا۔ اور فوجوں کی بھرتی بھی جاری کر دی۔ مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں مگر ابو عبداللہ شیعی کی پیشقدمی برابر جاری رہی اور جلد جلد ایک شہر کے بعد دوسرا شہر اُس کے قبضے میں آتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ابو عبداللہ نے شہر قمودہ پر قبضہ کیا۔ شہر قمودہ پر اُس کے قبضے کا حال سُن کر ابو مضر زیادۃ اللہ مقام رقادہ سے جہازوں میں معہ اپنے مال و اسباب کے سوار ہو کر مشرق کی طرف چلا گیا۔ اول اُس نے اسکندریہ میں اترنا چاہا۔ مگر وہاں حاکم مصر نے اُس کو اُترنے سے روک دیا۔ مجبوراً وہ ساحل شام پر اُترا اور مقام رقہ میں مقیم ہُوا۔ اور وہیں فوت ہو کر خاندان اغلبیہ کا خاتمہ کر گیا ۲۹۶ھ میں ابو عبداللہ شیعی نے تمام حدود سلطنت اغلبیہ پر قبضہ کر کے عبیداللہ مہدی کے لئے لوگوں سے بیعت لی۔ اور اس طرح سلطنت غلدیہ کا خاتمہ ہو کر دولت عبیدیین کی ابتدا ہوئی۔ اسی سال قیروان و رقادہ وغیرہ پر قابض ہو کر ابو عبداللہ شیعی نے ۲۹۷ھ میں حسن بن خنزیرہ کتامی کو جزیرہ صقلیہ کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا ۲۹۹ھ میں صقلیہ والوں نے حسن بن خنزیرہ کی بد خوئی سے تنگ آکر اُس کو قید کر لیا۔ اور عبیداللہ مہدی کو معذرت کے ساتھ اطلاع دے کر

دوسرا گورنر اپنے جزیرہ کے لئے مقرر کرایا۔

دولتِ عبیدین مصر و افریقیہ میں

خلافت عباسیہ کے شروع ہوتے ہی علویوں نے اُس کی مخالفت میں کوششیں شروع کر دی تھیں جن کا حال دوسری جلد میں بیان ہو چکا ہے۔ علویوں نے بار بار خروج کیا اور بار بار ناکامی کا منہ دیکھا محبتِ اہلبیت اور سلطنت عباسیہ کی مخالفت کا اشاعتی کام خفیہ طریقہ سے تمام عالم اسلام میں علویوں نے پھیلا دیا تھا۔ مگر عباسیوں کی مستعدی اور اُن کے ہوا خواہوں کی کوششوں نے علویوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس پوشیدہ اور سازشی کام کی ابتدا عبداللہ بن سبا یہودی نے کی تھی۔ اُسی کو اس سازشی کام کا اُستاد اور موجد کہنا چاہیئے۔ اس کام میں مجوسیوں۔ یہودیوں۔ بربریوں نے بھی نومسلموں کے لباس میں علویوں کی امداد کی۔ جب سلطنت عباسیہ کی وسیع سلطنت کا شیرازہ ڈھیلا ہونے لگا۔ تو بعض یہودی الاصل اور مجوسی النسب لوگوں نے اپنے آپ کو علوی بتا کر فائدہ اُٹھانا چاہا۔ بربر کا علاقہ مرکز سلطنت بغداد سے زیادہ فاصلہ پر تھا۔ اور بربری لوگوں کے مخصوص خصائل سے بآسانی فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا۔ لہٰذا تیسری صدی ہجری کے آخری حصے میں محمد حبیب نامی ایک شخص نے جو سلمیہ علاقہ حمص میں سکونت پذیر تھا۔ اپنے آپ کو امام جعفر صادق رحمہ کے بیٹے اسمٰعیل کی اولاد میں ظاہر کر کے حکومت و سلطنت کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ امام جعفر صادق رحمہ کے زمانے سے اُن کی داعی یمن۔ افریقیہ اور مراقش میں مصروف کار تھے۔ اور لوگوں کو اس خیال کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ کہ عنقریب امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے اور وہ علوی فاطمی ہوں گے۔ محمد حبیب نے اپنے رازداروں میں سے ایک شخص رستم بن حسن بن حوشب کو یمن کی طرف بھیجا۔ کہ وہاں جا کر لوگوں کو اس بات کی تعلیم دے کہ امام مہدی بہت جلد ظاہر ہونے والے ہیں۔ چنانچہ رستم نے یمن میں جا کر اپنے کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اور ایک جمعیت بھی فراہم کر لی۔ اس کے بعد محمد حبیب کے پاس بصرہ کا ایک شخص ابو عبداللہ حسن بن محمد بن زکریا جو شیعہ خیال کا آدمی تھا۔ اور ہمیشہ علویوں کی حمایت و طرفداری میں کوشاں رہتا تھا۔ آیا۔ محمد حبیب نے اُس کو مناسب تعلیم دے کر اور جوہر قابل پا کر ہدایت کی کہ تم اول یمن پہنچکر رستم بن حسن کی صحبت میں چند روز رہو اور دعوت و تبلیغ کے قاعدے اُس سے سیکھو اور پھر وہاں سے علاقہ بربر کی طرف جاؤ اور وہاں اپنا کام شروع کرو۔ وہاں زمین تیار ہے۔ تم جا کر تخم ریزی شروع کرو۔ تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ ابو عبداللہ شیعی کو محمد حبیب نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہمارا بیٹا عبیداللہ امام مہدی ہے اور تم اسی کے داعی بنا کر بھیجے جاتے ہو۔ ابو عبداللہ اول یمن پہونچا۔ وہاں چند روز رہکر اور رستم بن حسن اور دوسرے داعیوں سے دعوت و تبلیغ کے اصول اچھی طرح سیکھ کر رخصت ہوا۔ موسم حج میں مکہ پہنچا۔ وہاں شہر کتامہ کے سرداروں اور رئیسوں سے جو حج کرنے آئے تھے ملا پھر اُنہیں کے ہمراہ کتامہ پہونچا اور دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہو کر لوگوں کو اپنے زہد و عبادت کی نمائش سے گرویدہ بنایا۔ ابو عبداللہ شیعی ۱۵ ربیع الاول ۲۸۸ھ کو شہر کتامہ میں وارد ہوا۔ اور بآسانی لوگوں کو امام مہدی کی آمد کا یقین دلانے لگا۔ چونکہ ابو عبداللہ

شیعی سے پہلے بھی اس مُلک میں علویوں کی داعی آ آ کر اس قسم کے خیالات کی اشاعت کر چکے تھے لہٰذا ابو عبداللہ کو زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ اہل کتامہ نے ابو عبداللہ شیعی کے لئے مقام فج الاخیار میں ایک مکان بنا دیا۔ یہ وہاں رہ کر لوگوں کو وعظ و پند کے ذریعہ تعلیم دینے لگا۔ اس نے اہل کتامہ کو یقین دلایا کہ امام مہدی جس مقام پر آ کر قیام کریں گے اُس مقام کا نام کتمان سے مشتق ہوگا۔ اس لئے مجھ کو یقین کامل ہے کہ وہ یہی مقام کتامہ ہے اور جو لوگ امام مہدی کے اعوان و انصار ہوں گے وہ بہترین خلائق ہوں گے۔ پس تم کو اُن کا منتظر رہنا چاہیئے۔ اور تمہارا فرض ہے کہ ہمہ اوقات امام مہدی کی حمایت و اعانت کے لئے مستعد رہو۔ ابو عبداللہ کے آنے اور اس قسم کی تعلیم دینے کی اطلاع ابراہیم بن احمد بن اغلب سلطان افریقیہ کو ہوئی۔ تو اُس نے ابو عبداللہ کے پاس ایک حکم بھیجا کہ تم اپنی اس گمراہ کُن تعلیم کو بند کرو ورنہ تم کو سزا دی جائے گی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ تمام اہل کتامہ اور اِرد گرد کے قبائل ابو عبداللہ کے دل سے معتقد ہو چکے تھے۔ ابو عبداللہ نے اپنے آپ کو طاقتور پا کر سلطان کے اس ایلچی کو نہایت سخت جواب دے کر لوٹا دیا۔ اہل کتامہ اس حال سے واقف ہو کر اپنے دل میں ڈرے کہ اب ہم حاکم افریقیہ کے زیر عتاب آئیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے آپس میں مجلس مشورت منعقد کی کہ ابو عبداللہ کو اپنے یہاں سے نکال دیں یا ابراہیم بن احمد حاکم افریقیہ کے پاس بھیجدیں۔ چونکہ کتامہ کے بہت سے مولوی لوگ بھی ابو عبداللہ کے معتقد ہوگئے تھے۔ انہوں نے مخالفت کی اور ابو عبداللہ کی مدد کو ضروری بتایا۔ انہیں لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ نکلا کہ اُسی علاقہ کے ایک عامل حسن بن ہارون غسانی نے ابو عبداللہ کو اپنی حمایت میں لیکر شہر تازروت میں بُلا لیا۔ ادھر کتامہ والوں نے بھی ابو عبداللہ کی حمایت اور امداد پر مستعدی ظاہر کی اور ابو عبداللہ کی طاقت اب پہلے سے سہ چند ہوگئی۔ حسن بن ہارون غسانی کی اسی زمانے میں ایک دوسرے سردار مہدی بن ابی کمارہ سے مخالفت ہوگئی۔ اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ مہدی بن ابی کمارہ کا ایک بھائی ابو عبداللہ شیعی کا معتقد تھا۔ اُس نے ابو عبداللہ کے اشارے سے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اس طرح ابو عبداللہ کی شان و شوکت اَور بھی بڑھ گئی۔ اور حسن بن ہارون اُس کو اپنا آقا سمجھنے لگا۔ ابراہیم بن احمد کے ایک زبردست سردار فتح بن یحییٰ نے فوج لیکر ابو عبداللہ پر حملہ کیا۔ اور شکست کھا کر قیروان کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد ابو عبداللہ نے جابجا اپنے داعی پھیلا دیئے اور لوگوں کو جبراً و قہراً بھی ابو عبداللہ کا مرید و مطیع ہونا پڑا۔ اور ملک مغرب کے ایک حصے پر ابو عبداللہ کی حکومت مضبوطی کے ساتھ قائم ہوگئی۔ یہ سب واقعات صرف ایک یا ڈیڑھ سال کے عرصہ میں وقوع پذیر ہو گئے۔ سنہ ۲۸۹ھ میں سلطان ابراہیم اغلبی کے بیٹے ابو العباس عبداللہ بن ابراہیم نے تخت نشین ہو کر اپنے بیٹے ابو خول کو ابو عبداللہ شیعی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ جیسا کہ اوپر سلطنت اغلبیہ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ اوّل ابو عبداللہ کو ابو خول کے مقابلے میں شکست و ناکامی ہوئی۔ مگر کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ ابو خول کا خطرہ خود بخود دور ہو گیا۔ اور وہ (ابو خول) مقتول ہؤا۔ ابو عبداللہ نے کتامہ کے متصل مقام انکجان کے نواح میں ایک شہر دارالہجرت کے نام سے آباد کیا۔ جب زیادۃ اللہ اغلبی خاندان کا آخری

فرمانروا تخت نشین ہوا تو ابو عبداللہ کو شہروں کے فتح کرنے اور اپنی حکومت کے بڑھانے کا خوب موقع ملا۔ اور وہ لوگوں کو یہ بتانے لگا۔ کہ امام مہدی کا اب بہت ہی جلد ظہور ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی اُس نے اپنے بعض معتمدین کو سلمیہ علاقہ حمص کی طرف عبیداللہ بن محمد حبیب کے پاس بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ محمد حبیب کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اُس کے انتقال کی خبر ابو عبداللہ شیعی کے پاس پہنچ گئی تھی۔ ابو عبداللہ کے فرستادوں نے عبیداللہ کے پاس پہنچکر عرض کیا۔ کہ ملک مغرب میں آپ کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ اب تشریف لے چلیے۔ چنانچہ عبیداللہ جو عبیداللہ المہدی کے نام سے مشہور ہوا۔ سلمیہ سے ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ عبیداللہ المہدی کے ہمراہ اُس کا بیٹا ابو القاسم اور ایک غلام بھی روانہ ہوا۔ ان سب نے سوداگروں کے ایک قافلہ کی شکل بنائی۔ اور سیدھے راستوں کو چھوڑ کر پیچیدہ راہوں کو اختیار کیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر عباسی خلیفہ مکتفی کے پاس پہنچائی کہ اس طرح فلاں شخص سلمیہ سے ملک مغرب کی طرف روانہ ہوا ہے۔ خلیفہ مکتفی نے ابو عبداللہ شیعی کی ملک گیریاں اور عبیداللہ بن محمد حبیب کے اس طرح روانہ ہونے کے حالات سن کر ایک حکم عیسی نوشتری گورنر مصر کے نام جاری کیا کہ اس حلیہ کا ایک شخص مصر کے اندر ہو کر ملک مغرب میں جائے گا۔ اس کو جہاں پاؤ گرفتار کرلو۔ عیسی گورنر نے عبیداللہ کے قافلہ کو گرفتار کرلیا۔ مگر وہ دھوکا کھا گیا۔ اور یہ یقین کر کے کہ یہ شخص عبیداللہ نہیں ہے اُس کو چھوڑ دیا۔ عبیداللہ طرابلس پہونچا اور یہاں سے اپنے آنے کی خبر ابو عبداللہ کے پاس مقام کتامہ میں پہنچائی۔ مگر ابھی عبیداللہ اور ابو عبداللہ کے درمیان زیادۃ اللہ اغلبی حاکم افریقیہ حائل تھا۔ اور اُس کے پاس مصر سے خبر پہنچ گئی تھی کہ عبیداللہ ابو عبداللہ کے پاس جارہا ہے۔ لہٰذا زیادۃ اللہ نے جابجا عبیداللہ کی گرفتاری کا بندوبست کردیا تھا۔ عبیداللہ نے طرابلس سے جس شخص کے ہاتھ اپنے آنے کی خبر ابو عبداللہ کے پاس بھجوائی تھی۔ وہ ابو عبداللہ کا بھائی ابو العباس تھا۔ جو معہ دوسرے ہمراہیوں کے عبیداللہ کو لینے کے لئے بھیجا گیا۔ اور اُس کے ساتھ سلمیہ سے آرہا تھا۔ ابو العباس اتفاقاً راستے میں قیروان کے اندر گرفتار ہوگیا۔ زیادۃ اللہ نے اُس کو جیلخانہ میں بھیج دیا۔ عبیداللہ مہدی کو جب ابو العباس کے قیروان میں گرفتار ہو جانے کی خبر پہنچی تو وہ حواس باختہ ہو کر مقام قسطیلہ چلا گیا مگر وہاں بھی قیام مناسب نہ سمجھ کر مقام سجلماسہ میں پہنچا۔ سجلماسہ کا حاکم زیادۃ اللہ اغلبی کا خادم الیسع بن مدرار تھا۔ اُس نے اول عبیداللہ کو ایک نو وارد سوداگر سمجھ کر خاطر مدارات کی لیکن جب زیادۃ اللہ کا حکم پہنچا کہ یہی شخص عبیداللہ ہے اس کو گرفتار کرلو تو الیسع نے عبیداللہ کو فوراً گرفتار کرلیا۔ ابو العباس قیروان کے جیلخانے میں اور عبیداللہ یہیں سجلماسہ کے جیلخانے میں قید ہو کر تین چار سال تک قید کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ابو عبداللہ شیعی نے اپنی فتوحات کے سلسلے کو برابر جاری رکھا۔ یہانتک کہ اُس نے بیسیوں لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کے بعد شروع ۲۹۶ھ میں دو لاکھ فوج فراہم کر کے تیز رفتاری کے ساتھ پیشقدمی جاری کی اور ماہ رجب ۲۹۶ھ میں شہر قیروان کو فتح کر کے اپنے بھائی ابو العباس کو جیلخانے سے نکالا۔ اور سجلماسہ کے قید خانے میں حفیہ

ابو عبداللہ کی فوج میں کتامہ کے طور پر ان فتوحات کی خوشخبری عبیداللہ مہدی کے پاس پہنچائی۔ ابو عبداللہ کی فوج میں کتامہ کے دو سردار خاص طور پر قابل تذکرہ تھے۔ ایک عروبہ بن یوسف اور دوسرا حسن بن ابی خنزیر۔ ابو عبداللہ نے قیروان پر قابض و متصرف ہو کر وہاں کے مکانات و محلات اہل کتامہ پر تقسیم کر دیئے۔ فتح کے بعد جب جمعہ آیا۔ تو جامع مسجد کے خطیب نے پوچھا کہ خطبہ میں کس کا نام لیا جائے۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ فی الحال کسی کا نام نہ لیا جائے۔ اس کے بعد قیروان میں اپنے بھائی ابو العباس کو حاکم مقرر کر کے سجلماسہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں جو جو قبائل آئے اکثر نے بخوشی اطاعت قبول کی بعض راستے سے ہٹ گئے۔ سجلماسہ کے قریب پہنچکر ابو عبداللہ نے سجلماسہ کے حاکم الیسع بن مدرار کے پاس ایک خط بھیجا۔ اس خط میں بہت منت و سماجت اور فروتنی کے ساتھ درخواست صلح پیش کی۔ اس منت و سماجت اور صلح کی استدعا کا سبب یہ تھا کہ عبداللہ مہدی اس کی قید میں تھا۔ اس لئے ابو عبداللہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ عبیداللہ کو قتل نہ کر دے۔ ابو عبداللہ کا قاصد خط لیکر جب الیسع بن مدرار کے پاس پہنچا۔ اس نے قاصد کو قتل کرا دیا۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور فوجیں آراستہ کر کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ مقابلہ ہوا۔ اور الیسع کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ الیسع اور اس کے ہمراہی بھی فرار ہوئے ابو عبداللہ نے فوراً شہر میں داخل ہو کر سب سے پہلے جیل خانے کا رخ کیا اور وہاں پہنچکر عبیداللہ مہدی کو اس کے بیٹے ابو القاسم کے جیلخانے سے نکال گھوڑے پر سوار کیا۔ تمام اراکین لشکر ہمراہ تھے عبیداللہ مہدی کے پیچھے پیچھے ابو عبداللہ تھا فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا ”ہذا مولاکم“ (یہ تمہارا امام ہے یہ تمہارا امام ہے) اسی طرح اپنے خیمہ تک لایا۔ عبیداللہ کو تخت پر بٹھایا۔ خود بھی بیعت کی دوسروں سے بھی بیعت کرائی۔ اسی حالت میں الیسع بن مدرار پابزنجیر گرفتار ہو کر پیش ہوا۔ ابو عبداللہ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کیا گیا۔

عبداللہ مہدی

ابو عبداللہ اور عبیداللہ چالیس روز سجلماسہ میں مقیم رہ کر مغرب کی جانب روانہ ہوئے ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں رقادہ اور قیروان پہنچے۔ ابو عبداللہ نے تمام مال و اسباب جو اب تک جمع کیا تھا۔ عبداللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور عبیداللہ مہدی کی باقاعدہ بیعت خلافت ہوئی خطبہ میں اس کا نام لیا گیا۔ اور تمام ملک بربر میں مناد و مبلغ بھیجے گئے۔ سلطنت و حکومت کے ذریعہ اپنے مسلک و عقیدہ میں زبردستی داخل کیا گیا۔ صوبوں پر حاکم اور نائب السلطنت مقرر کئے گئے۔ اہل کتامہ نے شروع ہی سے ابو عبداللہ شیعی کی مدد کی تھی۔ لہذا ان کا مرتبہ فوج اور انتظامی اراکین دوسروں پر فائق تھا۔ ابو عبداللہ شیعی اور اس کا بھائی ابو العباس سلطنت کے کاموں میں پیش پیش اور حق بھی یہی تھا۔ کہ وہ امور سلطنت میں اوروں سے زیادہ دخیل ہوتے کیونکہ ابو عبداللہ ہی نے اپنی ہمت و جوانمردی سے اس عظیم الشان سلطنت کو پیدا کیا تھا۔ اسی نے خاندان اغالبہ کی بیخکنی کی اسی نے عبیداللہ کو بلا کر بنی بنائی سلطنت کے تخت پر بٹھایا تھا۔ عبیداللہ نے تخت نشین ہو کر اپنے آپ کو مطلق العنان فرمانروا دیکھ کر یہ چاہا کہ ابو عبداللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کے رسوخ کو مٹائے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں بھائیوں کے اثر و اقتدار کو مٹانا اور کم کرنا شروع ابو عبداللہ نے جب دیکھا کہ ہماری ہی بلی ہمیں کو میاؤں کرتی ہے۔ تو اس کی آنکھیں کھلیں۔ اہل کتامہ ابو عبداللہ کے زیادہ معتقد تھے۔ ابو عبداللہ ہی نے ان کو امام معصوم کا پتہ دیا تھا۔ ابو عبداللہ

کہنے سے انہوں نے عبید اللہ کو امام مہدی اور امام معصوم مانا تھا۔ لہٰذا ابو عبد اللہ نے اہل کتامہ کو در پردہ سمجھانا شروع کیا۔ کہ مجھ کو امام معصوم کی شناخت میں دھوکا لگ گیا ہے۔ یہ شخص امام معصوم نہیں ہے یہ تو غاصب اور مال مردم خور ہے۔ اصلی امام معصوم تو اس کے بعد آئیگا۔ یہ باتیں سن کر اکثر اہل کتامہ اس خیال میں اس کے شریک ہو گئے۔ اس کا حال عبید اللہ کو بھی معلوم ہوا۔ اس نے سازشی لوگوں کو کسی نہ کسی حیلے سے قتل کرانا شروع کر دیا۔ اہل کتامہ اور ابو عبد اللہ کے مشورے سے ایک شخص جو شہر کتامہ میں بڑا نیک اور عابد زاہد ہونے کی وجہ سے شیخ المشائخ کے نام سے مشہور تھا۔ عبید اللہ مہدی کے پاس بھیجا گیا شیخ المشائخ نے مہدی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ہم لوگوں کو آپ کی نسبت شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ آپ امام معصوم ہیں یا نہیں لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو اپنی امامت کی کوئی نشانی دکھلائیں" عبید اللہ سمجھ گیا۔ کہ اب فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ اس نے فوراً اپنے غلام کو اشارہ کیا۔ غلام نے شیخ المشائخ کا سر اڑا دیا۔ اس واقعہ سے مطلع ہو کر اہل کتامہ اور بھی زیادہ عبید اللہ کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ عبید اللہ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے اہل کتامہ کے سب سے بڑے سردار عروبہ بن یوسف اور اس کے بھائی حباسہ بن یوسف کو اپنی خلوت خاص میں طلب کر کے نہایت محبت و اخلاص کی باتیں کیں اور حکم دیا کہ ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو قتل کر دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں عروبہ و حباسہ دونوں ابو عبد اللہ کے مکان کے باہر ایک جگہ چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ جب ابو عبد اللہ نکلا تو عروبہ نے حملہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے کہا کہ عروبہ تم کس کے حکم سے یہ کام کرتے ہو اس نے جواب دیا کہ جس کی اطاعت کا تم نے ہم کو حکم دیا تھا۔ اسی نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔ یہ کہکر قبل اس کے کہ ابو عبد اللہ کچھ کہے اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح ابو العباس بھی قتل کیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۵ / جمادی الآخر سنہ ۲۹۸ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس واقعہ کے بعد ابو عبد اللہ کے حامیوں نے بغاوت و سرکشی پر کمر باندھی عبید اللہ نے ان کا مقابلہ کر کے فتنے کو فرو کیا۔ چند روز کے بعد اہل کتامہ نے عبید اللہ کے خلاف پھر خروج کیا۔ عبید اللہ نے پھر اس بغاوت کو طاقت کے استعمال سے فرو کیا چونکہ اب ملک کی آب و ہوا بگڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ لہٰذا عبید اللہ نے مذہب شیعہ کی دعوت و تبلیغ کے کام کو ملتوی کر دیا۔ اور تمام دعاۃ کو منع کر دیا کہ لوگوں کو شیعیت کی طرف نہ بلاؤ۔ کیونکہ اس طرح بغاوتوں کے پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ اس کے بعد عبید اللہ مہدی نے عروبہ کو باغایہ کی اور حباسہ کو برقہ اور اس کے مضافات کی حکومت عطا کی اور اپنے بیٹے ابو القاسم کی جو ابو القاسم نزار کے نام سے مشہور ہے ولیعہدی کا اعلان کیا۔ چند روز کے بعد اہل کتامہ میں ابو عبد اللہ کا پھر ایک خیال اور جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے عبید اللہ کے خلاف ایک نوجوان کو اپنا امیر بنا کر اس کو مہدی کا لقب دیا۔ اور اس کے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ عبید اللہ نے اپنے بیٹے ابو القاسم نزار کو ایک زبردست فوج دیکر اہل کتامہ کی جانب روانہ کیا۔ ابو القاسم نے لڑائی میں اہل کتامہ کو شکست دیکر کتامہ کو پامال و ویران کر ڈالا۔ اور اس نوجوان مہدی اور نبی کو بھی پکڑ کر قتل کیا۔ اہل طرابلس نے علم بغاوت بلند کیا۔ عبید اللہ نے ابو القاسم کو اس طرف بھیجا ابو القاسم نے ایک طویل محاصرے کے بعد طرابلس کو فتح کیا۔ اور اہل طرابلس سے تین لاکھ دینار سرخ بطور تاوان

جنگ وصول کئے۔ ۳۰۱ھ میں ابوالقاسم نے جنگی جہاز فراہم کرکے اور ایک شائستہ فوج ہمراہ لیکر مصر واسکندریہ پر فوجکشی کی اس حملہ میں حباسہ بن یوسف بھی اس کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اسکندریہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ خبر جب بغداد میں خلیفہ مقتدر عباسی کو پہونچی تو اس نے سبکتگین اور مونس خادم کو معہ فوج اس طرف روانہ کیا۔ ان دونوں نے متعدد لڑائیوں کے بعد ابوالقاسم و حباسہ کو حدود مصر سے نکال دیا۔ اور عبیدی فوج قیروان کی طرف واپس چلی گئی۔ ۳۰۲ھ میں حباسہ نے دوبارہ اسکندریہ پر فوجکشی کی مونس خادم نے کئی لڑائیوں کے بعد حباسہ کو بھگادیا۔ حباسہ کی سات ہزار فوج اس میں مقتول ہوئی۔ اور حباسہ بمشکل اپنی جان بچاکر لے گیا۔ عبیداللہ مہدی نے حباسہ کو اسی سال قتل کرادیا۔ حباسہ کے بھائی عروبہ نے بھائی کے قتل پر علم بغاوت بلند کیا۔ اہل کتامہ نے اس بغاوت میں عروبہ کا ساتھ دیا۔ عبیداللہ نے اپنے خادم غالب کو عروبہ کی تادیب پر مامور کیا۔ غالب نے ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ کرکے عروبہ کو شکست دیکر قتل کیا۔ اور اس کے چچیرے بھائیوں اور ہمراہیوں کی بڑی جماعت کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اسکے بعد ہی جزیرہ صقلیہ میں بغاوت ہوئی۔ اور اہل صقلیہ نے اپنے گورنر علی بن عمر و حسن بن خنزیر کے بعد مقرر ہوا تھا صقلیہ سے نکالکر خلیفہ مقتدر عباسی کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ ہم فرمانبردار کرتے ہیں یہ خبر پاکر ۳۰۳ھ میں عبیداللہ نے حسن بن ابی خنزیر کو جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ دیکر اہل صقلیہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ادھر اہل صقلیہ کے سردار احمد بن قہرب نے سخت مقابلہ کے بعد حسن بن خنزیر کو شکست دیکر قتل کیا۔ مگر اس کے بعد اہل صقلیہ کو خوف پیدا ہوا کہ عبیداللہ کی مخالفت کے بعد ہمارا محفوظ رہنا دشوار ہے۔ انہوں نے خود ہی اپنے سردار احمد بن قہرب کو گرفتار کرکے عبیداللہ کے پاس بھیجدیا۔ اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔ عبیداللہ نے احمد کو قتل کرادیا۔ صقلیہ کی حکومت پر علی بن موسیٰ بن احمد کو مامور کرکے بھیجا۔ عبیداللہ مہدی چونکہ شیعہ اسمعیلیہ کا امام مہدی ہونے کا مدعی تھا۔ لہٰذا اس کو ہمیشہ خطرہ رہتا تھا کہ میرے خلاف بغاوت نہ پھوٹ پڑے کیونکہ افریقیہ و قیروان میں تمام آدمی اس کے ہم عقیدہ نہ تھے۔ اس لئے اس نے مناسب سمجھا کہ کسی مناسب موقع پر ایک شہر آباد کرکے اپنا دارالحکومت بنائے۔ چنانچہ ۳۰۳ھ میں اس نے ساحل سمندر کا دورہ کرکے سرزمین برکصورہ کے قریب ایک جزیرہ کو پسند کرکے وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی اس کا نام مہدیہ تجویز کیا۔ شہر مہدیہ کی شہر پناہ نہایت مضبوط بنوائی اور دروازوں میں لوہے کے کواڑ لگوائے ۳۰۸ھ میں اس شہر کی تعمیر تکمیل کو پہنچی۔ اور عبیداللہ مہدی نے ہنس کر کہا کہ مجھ کو بنی فاطمہ کی طرف سے اطمینان ہوا کہ اب وہ دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اسی سال اس نے کشتیاں بنانے کا ایک کارخانہ جاری کیا اور پہلے ہی سال نو سو کشتیاں تیار کرکے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کیا۔ ۳۰۷ھ میں اس نے اپنے بیٹے ابوالقاسم کو اسکندریہ پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ ابوالقاسم نے جاتے ہی اسکندریہ اور دریائے نیل کے ڈلٹا پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا حال جب بغداد میں خلیفہ مقتدر کو معلوم ہوا۔ تو اس نے پھر مونس کو فوج دیکر مصر کی جانب روانہ کیا۔ بہت سی لڑائیوں اور زور آزمائیوں کے بعد مونس کو ابوالقاسم کو شکست حاصل ہوئی۔ ابوالقاسم ابھی مصر میں لڑ ہی رہا تھا کہ عبیداللہ نے اس کی مدد کے لئے اسی کشتیوں کا ایک بیڑہ مہدیہ سے روانہ کیا۔ اس جنگی بیڑہ کے افسر سلیمان خادم اور

کتامی تھے۔ ابھی یہ بیڑہ پہونچا نہ تھا کہ ابوالقاسم شکست خوردہ وہاں سے بھاگا۔ اس بیڑہ والوں کو ابوالقاسم کے فرار ہونے کی اطلاع نہ ہوئی۔ راستے میں بھی ایک دوسرے سے نہ ملے ابوالقاسم بچا ہوا نکل گیا اور یہ امدادی بیڑا بڑھا ہوا آگے چلا گیا۔ وہاں مونس کے بیڑہ سے مقابلہ ہوا۔ جس میں صرف پچیس کشتیاں تھیں۔ اس عبیدی بیڑہ کو شکست ہوئی۔ اور سلیمان و یعقوب دونوں گرفتار ہو گئے۔ کشتیوں کو مونس کی فوج نے آگ لگا کر جلادیا۔ آدمی سب مقتول ہوئے۔ اگلے سال یعنی سنہ ۳۰۸ھ میں عبیداللہ مہدی نے مصالہ بن حبوس کو ملک مراقش پر حملہ کرنے کے لئے مغرب کی جانب روانہ کیا۔ یحییٰ بن ادریس بن عمرو سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ آخر یحییٰ نے عبیداللہ مہدی کی اطاعت قبول کر لی۔ اور عبیداللہ نے موسیٰ بن ابی العافیہ مکناسی کو صوبجات مراقش کا نگران مقرر کر دیا۔ سنہ ۳۰۹ھ میں مراقش کے دوسرے صوبے بھی عبیدی حکومت میں شامل کر لئے گئے۔ فاس کی حکومت یحییٰ کے قبضے میں تھی۔ لیکن وہ باجگذار و فرمانبردار بن چکا تھا۔ اسی سال موسیٰ بن ابی العافیہ نے یحییٰ کی شکایت کی۔ اور عبیداللہ کے حکم سے یحییٰ کو معزول کر کے یہ حصہ ملک بھی حکومت عبیدی میں شامل ہوا۔ جب اس طرح خاندان ادریسیہ کی حکومت کا نام و نشان مٹ گیا۔ تو ادریسی خاندان کے افراد نے ریف اور غمارہ کے علاقے میں پہونچکر اپنی حکومت قائم کی انہیں لوگوں میں سے خاندان بنو حمود تھا۔ جو قرطبہ میں بنوامیہ کی حکومت کے بعد قابض و حکمران ہوا تھا۔ جس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے مصالہ نے مراقش سے فارغ ہو کر سجلماسہ پر چڑھائی کی اور وہاں مدرار مکناسی کے اہل خاندان کو جو دولت عبیدیہ سے منحرف اور برسر حکومت تھے قتل کر کے سجلماسہ کی حکومت اپنے چچا زاد بھائی کو سپرد کی۔ مصالہ ایک زبردست سپہ سالار اور عبیداللہ مہدی کی حکومت کو مراقش میں قائم کرنے کا باعث ہوا تھا۔ اُس کی اس ملک گیریوں اور قتل و تشدد سے بربریوں کے قبائل زناتہ یکایک برافروختہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ زناتہ اور مصالہ کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں آخر کار مصالہ قبائل زناتہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اُس کے مارے جاتے ہی تمام ملک مراقش میں بغاوت برپا ہو گئی۔ اور تمام ملک مراقش عبیدیوں کے قبضے سے نکل گیا۔ عبیداللہ نے سنہ ۳۱۵ھ میں لشکر کتامہ کے ساتھ اپنے بیٹے ابوالقاسم کو مراقش کی طرف روانہ کیا۔ قبائل زناتہ کا سردار محمد بن خزر ابوالقاسم کو آتا ہوا سنکر اپنی فوج کے ساتھ جنوبی ریگستان میں چلا گیا۔ ابوالقاسم شہروں کو فتح کرتا ہوا مغرب کی طرف بڑھا۔ شہر جرادہ میں حسن بن ابی العیش کو محصور کر لیا۔ جو خاندان ادریسی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس محاصرے نے بہت طول کھینچا اور ابوالقاسم کو اس شہر کی فتح سے مایوس ہو کر واپس ہونا پڑا۔ واپسی میں شہر مسیلہ سے بنو کملان کو جو وہاں حکمران تھے گرفتار کر کے قیروان کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور شہر مسیلہ کو دوبارہ تعمیر و آباد کرا کر محمدیہ کے نام سے موسوم کیا اور یہاں کی حکومت علی بن حمدون کو عطا کی۔ اور شہر زاب بھی اُسی کی حکومت میں دیا۔ اور مراقش کی تمام حکومت و نگرانی موسیٰ بن ابی العافیہ کے سپرد کی۔ چند روز کے بعد موسیٰ بن ابی العافیہ عبیداللہ مہدی کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے دولت امویہ اندلس کا مطیع ہو گیا۔ اور تمام ملک مراقش میں خلیفہ اندلس کا خطبہ پڑھوا دیا۔ یہ سُن کر عبیداللہ نے احمد مکناسی کو ایک زبردست فوج دیکر مراقش کی جانب روانہ کیا۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر موسیٰ بن ابی العافیہ مراقش سے اندلس کی جانب چلا گیا اور احمد بن بصلین مکناسی مراقش کو پامال کر کے

واپس مہدیہ کی جانب چلا گیا۔ ماہ ربیع الاول ۳۲۲ھ میں عبید اللہ مہدی اپنی حکومت کے
سال پورے کر کے فوت ہوا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد مہدیہ میں تخت نشین
ابوالقاسم محمد نے اپنا لقب قائم بامر اللہ رکھا۔ یہی ابوالقاسم بامر اللہ ابوالقاسم نز
نام سے بھی مشہور ہے۔

ابوالقاسم نزار

ابوالقاسم نے تخت نشین ہو کر اول تو ان معمولی بغاوتوں کو جو عبید اللہ کی و
خبر سے برپا ہوئی تھیں فرو کیا۔ پھر مراقش کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں موسیٰ بن ابی العافیہ آکر
ہوگیا تھا۔ ۳۲۴ھ تک سوائے فاس کے تمام ملک مراقش پر ابوالقاسم کی حکومت یا
پھر قائم ہوگئی۔ اس کے بعد ابوالقاسم نے ابن اسحاق نامی ایک سردار کو زبردست بحری ف
جنگی بیڑہ دے کر بحر روم کے شمالی ساحلوں پر تاخت و تاراج کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ا
نے ساحل پر اتر کر شہر جینوا تک تاخت و تاراج کر کے جینوا کو فتح کر لیا۔ پھر وہاں سے رخ
ہو کر جزیرہ سردانیہ کو فتح کیا اس کے بعد ساحل شام کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں کے
علاقوں کو دھمکیاں دے کر ساحل شام پر جو کشتیاں ملیں ان کو جلا دیا۔ پھر ابن اسحاق
ایک خادم زیدان نامی کو فوج دیکر ساحل مصر کی جانب روانہ کیا۔ زیدان نے اسکندریہ پ
اس کے بعد مصر سے اخشید کا لشکر آیا۔ اس نے ان لوگوں کو مار کر مغرب کی طرف بھگا
واقعات کے بعد ابوالقاسم کو ابویزید کے ہنگاموں سے کسی دوسری طرف متوجہ ہو
فرصت نہیں ملی۔

ابو یزید مخلد بن کیداد کے حالات مختصراً یہ ہیں کہ کیداد نامی ایک شخص شہر قسطیلہ کا با
اور تجارت کی غرض سے اکثر سوڈان کے علاقے میں جایا کرتا تھا وہیں اس کا بیٹا ابویزید پیدا ہوا۔ ابویزید
ہی میں پرورش پائی۔ اور وہیں اس کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ اہل سوڈان شیعوں کے مخال
خارجی مسلک کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ابویزید بھی ان خیالات سے متاثر ہوا۔ اس کے
مقام تاہرت کی طرف آیا اور معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ یہی وہ زمانہ تھا۔ کہ ابوعبداللہ
ملک بربر میں آکر اپنا کام شروع کیا تھا۔ ابویزید نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے
عقائد و خیالات کے شائع کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ابوعبداللہ شیعی کی کامیا
خاموشی سے دیکھتا اور اپنے ہمخیالوں کی ایک جماعت کو قائم رکھ کر ترقی دیتا رہا۔ ابو
اور عبید اللہ کو اس کا حال معلوم تھا۔ لیکن اہم معاملات اور جنگی کاموں کے سلسلے
کو اس لڑکے پڑھانے والے شخص کے مخالفانہ خیالات کی بیخکنی کی طرف متوجہ نہ ہو
جب عبید اللہ مہدی کا انتقال ہوا اور ملک میں کچھ ہلچل مچی تو ابویزید نے اپنے خیا
اشاعت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کاموں میں زیادہ مستعدی اور طاقت
لینا شروع کر دیا۔ اور اپنے آپ کو شیخ المومنین کے لقب سے ملقب کیا۔ لوگ کثرت
اس کے مرید ہونے لگے۔ اور اس نے اپنے مریدوں کی ایک فوج تیار کی۔ شہر با
کو جب ابویزید کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اس پر چڑھائی کی۔ ابویزید
باغایہ کو شکست دیکر اور آگے بڑھ کر باغانہ کا محاصرہ کر لیا۔ عرصہ تک محاصرہ جا

اور جب فتح سے مایوس ہوا تو واپس چلا آیا۔ بربری قبائل اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اُس نے خلیفۂ اندلس ناصر کا خطبہ منبروں پر پڑھا۔ قبائل زناتہ سب اُس کے مطیع ہو گئے۔ غرض دم بدم ابو یزید کی طاقت ترقی کرتی گئی اور ابوالقاسم کے قبضے سے ایک کے بعد دوسرا شہر نکلتا گیا۔ ابوالقاسم نے بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالاروں کو ابو یزید کے مقابلے پر روانہ کیا مگر ہر ایک نے ابو یزید سے شکست کھائی نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۳ھ کے ماہ صفر میں ابو یزید کی فوجوں نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ اور ابوالقاسم مہدیہ میں محصور و قلعہ بند ہونے پر مجبور ہوا۔ اب ابو یزید نے تمام ملک افریقیہ میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ ابوالقاسم کے بعض گورنروں کے قبضے میں جو شہر و علاقے باقی تھے۔ اُن کو ابوالقاسم نے امداد و اعانت کے لئے لکھا اہل کتامہ بھی ابوالقاسم کی امداد پر اُٹھ کھڑے ہوئے ماہ جمادی الاول ۳۳۳ھ میں اہل کتامہ کو شکست دیکر ابو یزید نے بھگا دیا اور دوسری فوجوں کو بھی جو ابوالقاسم کی حمایت میں مقابلہ پر آئی تھیں۔ شکست ہوئی۔ ابوالقاسم نے مہدیہ کو خوب مضبوط کر لیا تھا۔ اور وہاں سامان رسد بہت کافی موجود تھا۔ ابو یزید نے حملہ کر کے مہدیہ کی شہر پناہ تک اپنی فوجوں کو پہنچا دیا۔ مگر مہدیہ کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ ابو یزید نے بار بار مہدیہ کا محاصرہ کیا۔ مگر مہدیہ کی فتح پر قادر نہ ہوا۔ ۳۳۴ھ میں ابو یزید مجبور ہو کر قیروان کی طرف لوٹا اور ابوالقاسم کی فوج نے مہدیہ سے نکل کر اُس کے لشکر پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ ربیع الاول ۳۳۴ھ میں ابو یزید کے بیٹے ایوب نے مہدیہ پر فوج کشی کی اور محاصرہ کر لیا۔ اسی حالت محاصرہ میں بماہ جمادی الثانی ۳۳۴ھ ابوالقاسم نے مہدیہ میں وفات پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ ابو یزید نے شہر سوسہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

اسمعیل بن ابوالقاسم

اسمعیل بن ابوالقاسم نے اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہو کر اپنا لقب المنصور رکھا۔ اسمعیل نے ایوب بن ابو یزید کا محاصرہ اُٹھا دیا۔ اور جہازوں کے ذریعہ ایک فوج سوسہ کی امداد اور ابو یزید کا محاصرہ اُٹھانے کے لئے روانہ کی۔ ابو یزید نے کوشش کی کہ یہ بیڑہ ساحل پر فوج نہ اُتارنے پائے مگر اُس کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ اس امدادی فوج نے ساحل پر اُتر کر اور اہل سوسہ کے ساتھ شامل ہو کر ابو یزید کا مقابلہ کیا۔ ابو یزید کو شکست ہوئی اس کا تمام لشکر گاہ لوٹ لیا گیا۔ وہ بحالت پریشان قیروان کی طرف آیا۔ یہاں اُس کی شکست کا حال سن کر اہل قیروان نے اُس کے عامل کو قیروان سے نکال دیا۔ اور ابو یزید کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور ابوالقاسم کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ ابو یزید مجبوراً سبیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ آخر ماہ شوال ۳۳۴ھ کا ہے۔ اس کے بعد اسمعیل بن ابوالقاسم قیروان میں آیا اور اہل شہر کو تسلی دی۔ ماہ ذیقعد ۳۳۴ھ میں ابو یزید نے ایک زبردست فوج لیکر قیروان پر حملہ کیا اسمعیل نے مقابلہ کیا اور متعدد لڑائیوں کے بعد محرم ۳۳۵ھ کو اسمعیل نے شکست کھائی۔ مگر اس نے اپنی منتشر و پراگندہ فوج کو جلد ہی جمع کر کے ۱۵ محرم ۳۳۵ھ کو ایک عظیم الشان جنگ کے بعد ابو یزید کو شکست دی۔ اس شکست سے ابو یزید کے کاموں میں اختلال پیدا ہوا۔ وہ شکست خوردہ باغایہ کی طرف گیا۔ اہل باغایہ نے شہر کے دروازے بند کر کے اُس کو شہر کے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ ابو یزید نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

واپس مہدیہ کی جانب چلا گیا۔ ماہ ربیع الاول ۳۲۲ھ میں عبیداللہ مہدی اپنی حکومت کے چوبیس
سال پورے کر کے فوت ہوا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابوالقاسم محمد مہدیہ میں تخت نشین ہوا۔
ابوالقاسم محمد نے اپنا لقب قائم بامراللہ رکھا۔ یہی ابوالقاسم بامراللہ ابوالقاسم نزار کے
نام سے بھی مشہور ہے۔

ابوالقاسم نزار: ابوالقاسم نے تخت نشین ہو کر اوّل تو اُن معمولی بغاوتوں کو جو عبیداللہ کی وفات
کی خبر سے برپا ہوئی تھیں فرو کیا۔ پھر مراقش کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں موسیٰ بن ابی العافیہ آ کر پھر قا
ہو گیا تھا۔ ۳۲۴ھ تک سوائے فاس کے تمام ملک مراقش پر ابوالقاسم کی حکومت یا سیادت
پھر قائم ہو گئی۔ اس کے بعد ابوالقاسم نے ابن اسحاق نامی ایک سردار کو زبردست بحری فوج ا
جنگی بیڑہ دے کر بحر روم کے شمالی ساحلوں پر تاخت و تاراج کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ابن اسح
نے ساحل پر اُتر کر شہر جنیوا تک تاخت و تاراج کر کے جنیوا کو فتح کر لیا۔ پھر وہاں سے رخصت
ہو کر جزیرہ سردانیہ کو فتح کیا اس کے بعد ساحل شام کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں کے سا
علاقوں کو دھمکیاں دے کر ساحل شام پر جو کشتیاں ملیں ان کو جلا دیا۔ پھر ابن اسحاق نے ا
ایک خادم زیران نامی کو فوج دے کر ساحل مصر کی جانب روانہ کیا۔ زیران نے اسکندریہ پر قبضہ
اس کے بعد مصر سے اخشید کا لشکر آیا۔ اُس نے ان لوگوں کو مار کر مغرب کی طرف بھگا دیا۔
واقعات کے بعد ابوالقاسم کو ابو یزید کے ہنگاموں سے کسی دوسری طرف متوجہ ہونے
فرصت نہیں ملی۔

ابو یزید مخلد بن کیراد کے حالات مختصراً یہ ہیں کہ کیراد نامی ایک شخص شہر قسطیلہ کا باشندہ
اور تجارت کی غرض سے اکثر سوڈان کے علاقے میں جایا کرتا تھا وہیں اُس کا بیٹا ابو یزید پیدا ہوا۔ ابو یزید نے سو
ہی میں پرورش پائی۔ اور وہیں اُس کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ اہل سوڈان شیعوں کے مخالف او
خارجی مسلک کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ابو یزید بھی ان خیالات سے متاثر ہوا۔ اس کے بعد ا
مقام تاہرت کی طرف آیا اور معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ یہی وہ زمانہ تھا۔ کہ ابو عبداللہ شیعی
ملک بربر میں آ کر اپنا کام شروع کیا تھا۔ ابو یزید نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور ا
عقائد و خیالات کے شائع کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ابو عبداللہ شیعی کی کامیابیاں
خاموشی سے دیکھتا اور اپنے ہمخیالوں کی ایک جماعت کو قائم رکھ کر ترقی دیتا رہا۔ ابو عبدا
اور عبیداللہ کو اس کا حال معلوم تھا۔ لیکن اہم معاملات اور جنگی کاموں کے سلسلے نے اُ
کو اس لڑکے پڑھانے والے شخص کے مخالفانہ خیالات کی بیخکنی کی طرف متوجہ نہ ہونے د
جب عبیداللہ مہدی کا انتقال ہوا اور ملک میں کچھ ہلچل مچی تو ابو یزید نے اپنے خیالات
اشاعت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کاموں میں زیادہ مستعدی اور طاقت سے
لینا شروع کر دیا۔ اور اپنے آپ کو شیخ المومنین کے لقب سے ملقب کیا۔ لوگ کثرت سے آ
اُس کے مرید ہونے لگے۔ اور اُس نے اپنے مریدوں کی ایک فوج تیار کی۔ شہر باغایہ کے
کو جب ابو یزید کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اُس پر چڑھائی کی ابو یزید نے گو
باغایہ کو شکست دیکر اور آگے بڑھ کر باغایہ کا محاصرہ کر لیا۔ عرصہ تک محاصرہ جاری ا

اور جب فتح سے مایوس ہوا تو واپس چلا آیا۔ بربری قبائل اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اُس نے خلیفہ اندلس ناصر کا خطبہ ممبروں پر پڑھا۔ قبائل زناتہ سب اُس کے مطیع ہو گئے۔ غرض دمبدم ابو یزید کی طاقت ترقی کرتی گئی اور ابو القاسم کے قبضے سے ایک کے بعد دوسرا شہر نکلتا گیا۔ ابو القاسم نے بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالاروں کو ابو یزید کے مقابلے پر روانہ کیا مگر ہر ایک نے ابو یزید سے شکست کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۳ھ کے ماہ صفر میں ابو یزید کی فوجوں نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ اور ابو القاسم مہدیہ میں محصور و قلعہ بند ہونے پر مجبور ہوا۔ اب ابو یزید نے تمام ملک افریقیہ میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ ابو القاسم کے بعض گورنروں کے قبضے میں جو شہر و علاقے باقی تھے۔ اُن کو ابو القاسم نے امداد و اعانت کے لئے لکھا اہل کتامہ بھی ابو القاسم کی امداد پر اُٹھ کھڑے ہوئے ماہ جمادی الاول ۳۳۳ھ میں اہل کتامہ کو شکست دیکر ابو یزید نے بھگا دیا اور دوسری فوجوں کو بھی جو ابو القاسم کی حمایت میں مقابلہ پر آئی تھیں۔ شکست ہوئی۔ ابو القاسم نے مہدیہ کو خوب مضبوط کر لیا تھا۔ اور وہاں سامان رسد بہت کافی موجود تھا۔ ابو یزید نے حملہ کر کے مہدیہ کی شہر پناہ تک اپنی فوجوں کو پہنچا دیا۔ مگر مہدیہ کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ ابو یزید نے بار بار مہدیہ کا محاصرہ کیا۔ مگر مہدیہ کی فتح پر قادر نہ ہوا۔ ۳۳۴ھ میں ابو یزید مجبور ہو کر قیروان کی طرف لوٹا اور ابو القاسم کی فوج نے مہدیہ سے نکل کر اُس کے لشکر پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ ربیع الاوّل ۳۳۴ھ میں ابو یزید کے بیٹے ایوب نے مہدیہ پر فوج کشی کی اور محاصرہ کر لیا۔ اسی حالت محاصرہ میں بماہ جمادی الثانی ۳۳۴ھ ابو القاسم نے مہدیہ میں وفات پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ ابو یزید نے شہر سوسہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

اسمٰعیل بن ابو القاسم

اسمٰعیل بن ابو القاسم نے اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہو کر اپنا لقب المنصور رکھا۔ اسمٰعیل نے ایوب بن ابو یزید کا محاصرہ اُٹھا دیا۔ اور جہازوں کے ذریعہ ایک فوج سوسہ کی امداد اور ابو یزید کا محاصرہ اُٹھانے کے لئے روانہ کی۔ ابو یزید نے کوشش کی کہ یہ بیڑہ ساحل پر فوج نہ اُتارنے پائے مگر اُس کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ اس امدادی فوج نے ساحل پر اُتر کر اور اہل سوسہ کے ساتھ شامل ہو کر ابو یزید کا مقابلہ کیا۔ ابو یزید کو شکست ہوئی اس کا تمام لشکر گاہ لوٹ لیا گیا۔ وہ بحالت پریشان قیروان کی طرف آیا۔ یہاں اُس کی شکست کا حال سن کر اہل قیروان نے اُس کے عامل کو قیروان سے نکال دیا۔ اور ابو یزید کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور ابو القاسم کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ ابو یزید مجبوراً سبیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ آخر ماہ شوال ۳۳۴ھ کا ہے۔ اس کے بعد اسمٰعیل بن ابو القاسم قیروان میں آیا۔ اور اہل شہر کو تسلی دی۔ ماہ ذیقعد ۳۳۴ھ میں ابو یزید نے ایک زبردست فوج لیکر قیروان پر حملہ کیا اسمٰعیل نے مقابلہ کیا اور سخت لڑائیوں کے بعد محرم ۳۳۵ھ کو اسمٰعیل نے شکست کھائی۔ مگر اس نے اپنی منتشر و پراگندہ فوج کو جلد ہی جمع کر کے ۱۵ محرم ۳۳۵ھ کو ایک عظیم الشان جنگ کے بعد ابو یزید کو شکست دی۔ اس شکست سے ابو یزید کے کاموں میں اختلال پیدا ہوا۔ وہ شکست خوردہ باغایہ کی طرف گیا۔ اہل باغایہ نے شہر کے دروازے بند کر کے اُس کو شہر کے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ ابو یزید نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

یہ حال سُن کر اسمعیل بن ابو القاسم فوج لیکر باغایہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقع ماہ ربیع الاول ۳۳۵ھ کا ہے۔ ابو یزید نے اسمعیل کے آنے کا حال سُن کر باغایہ کو چھوڑ دیا۔ اور ایک دوسرے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ وہاں بھی اُس کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اور اسمعیل اُس کے تعاقب میں پہنچ گیا۔ غرض اسی طرح ابو یزید اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر جبال کتامہ کے قریب ابو یزید اور اسمعیل کے درمیان ایک فیصلہ کُن جنگ ہوئی۔ یہ لڑائی نہایت خونریز تھی۔ جو ۱۰ ار شعبان ۳۳۵ھ کو ہوئی۔ اس لڑائی میں ابو یزید زخمی ہوا۔ اور دس ہزار ہمراہیوں کو میدان جنگ میں قتل کرا کر خود بچ کر نکل گیا۔ اور پھر فوج کے جمع کرنے اور مقابلے کی تیاری میں مصروف رہا۔ اب ایسی حالت تھی۔ کہ ابو یزید کے عامل اور طرفدار قبائل سب یکے بعد دیگرا اپنی خطاؤں کی معافی طلب کر کے اسمعیل بن ابو القاسم کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اور تمام ملک جو ابو یزید کے تحت و تصرف میں آچکا تھا۔ اُس کے قبضے سے نکل کر اسمعیل کے قبضے میں آگیا۔ محرم ۳۳۶ھ کو سب سے آخری لڑائی ہوئی۔ اور قلعہ کتامہ میں ابو یزید بعد شکست محصور اور اُس کے بعد گرفتار ہوا۔ وہ گرفتاری کے وقت خطرناک طور پر زخمی تھا۔ چند ہی روز کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اسمعیل نے اُس کی کھال نکلوا کر اُس میں بھُس بھروا دیا۔ ان واقعات کے بعد اسمعیل قیروان کی جانب آیا۔ لیکن ساتھ ہی اُس کے پاس خبر پہونچی۔ کہ مُلک مغرب کے عامل حمید بن بصلین نے دولت عبیدیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خلافت اموی اندلس کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اسمعیل فوجیں لیکر اُس طرف روانہ ہوا۔ مقام تاہرت پر معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ حمید کو شکست ہوئی۔ اسی حالت میں خبر پہونچی کہ فضل بن ابو یزید نے فوجیں فراہم کر کے باغایہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اسمعیل اُس طرف متوجہ ہوا۔ فضل کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے فضل کا سر کاٹ کر اسمعیل کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳۳۶ھ کا ہے۔ اسمعیل کو اب چند روز کے لئے اطمینان حاصل ہوا۔ ۳۳۹ھ میں اُس نے خلیل بن اسحاق کو جزیرہ صقلیہ کی حکومت سے معزول کر کے حسین بن علی بن ابو الحسین کو صوبہ صقلیہ کی حکومت پر مامور کیا۔ اس کے بعد حسین بن علی کی اولاد نے بالاستقلال اس جزیرہ میں حکومت کی۔ ۳۴۰ھ میں اسمعیل نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کر کے حاکم صقلیہ حسین بن علی کو لکھا کہ تم بھی شاہی بیڑا کے ساتھ مہم میں شامل ہونے کے لئے تیار رہو۔ چنانچہ حملہ کر کے ملک اٹلی کا جنوبی حصہ فتح کر لیا گیا۔ اور ۳۴۲ھ میں یہ فتح مند فوج معہ مال غنیمت قیروان اور مہدیہ کی طرف واپس آئی جبکہ اسمعیل ماہ رمضان ۳۴۱ھ میں فوت ہو چکا تھا۔

معز بن اسمعیل

اسمعیل کے بعد اُس کا بیٹا معز تخت نشین ہوا۔ اُس کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال مراقش کے بعض قبائل بربر نے اُس کی حکومت قبول کی۔ ۳۴۴ھ میں معز نے حسین بن علی گورنر صقلیہ کے پاس حکم بھیجا کہ اپنے جنگی جہازوں کے بیڑہ کو لیکر اندلس کے ساحل مریہ پر حملہ کرو۔ چنانچہ حسین نے اس حکم کی تعمیل کی اور وہاں سے مال غنیمت اور قیدی لیکر واپس ہوا۔ اس کے جواب میں خلیفہ اندلس ناصر الدین اللہ نے اپنے خادم غالب کو ایک بیڑہ جنگی جہازوں کا دیکر حکم دیا کہ ساحل افریقیہ پر حملہ کرو۔ مگر معز کی فوج اور جنگی جہازوں نے پہلے ہی اس حملہ کی روک تھام کا بندوبست کر رکھا تھا۔ چنانچہ غالب کو واپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد ۳۴۷ھ میں اندلسی بیڑہ

نے ساحل افریقیہ پر کامیاب حملہ کیا۔ اور تمام ساحلی مقامات اور شہروں کو تاخت و تاراج کر کے تباہ و ویران کر دیا۔ اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت لیکر واپس ہؤا۔ اس کے بعد معز نے فوجوں کی فراہمی اور ملک کے انتظام کی طرف توجہ منعطف کر کے اپنے مقبوضات کو وسیع کیا۔ معز کے مقبوضہ ممالک کے صوبوں پر مندرجہ ذیل گورنر مامور تھے۔

صوبہ ایفکان اور تاہرت کی حکومت یعلی بن محمد کے سپرد تھی۔

صوبہ اشیر	"	زیری بن مناد صنہاجی	"
صوبہ مسیلہ	"	جعفر بن علی اندلسی	"
" باغایہ	"	قیصر صقلی	"
" فاس	"	احمد بن بکر بن ابی سہل	"
" سجلماسہ	"	محمد بن واسول مکناسی	"

۳۴۷ھ کے آخر ایام میں معز کے پاس خبر پہونچی کہ یعلی بن محمد نے دولت امویہ اندلس سے سازش کر لی ہے اور دولت عبیدیہ سے منحرف ہو گیا ہے۔ معز نے جوہر صقلی اپنے کاتب کو یعلی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ جعفر بن علی گورنر مسیلہ اور زیری بن مناد گورنر اشیر کو بھی شامل ہونے کا حکم ملا۔ یعلی بن محمد بھی مقابلہ کے لئے مستعد ہو گیا۔ ساتھ ہی صوبہ فاس اور صوبہ سجلماسہ کے گورنروں نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ آخر بڑی خونریزی اور جنگ و پیکار کے بعد ۳۴۸ھ میں یعلی گرفتار ہؤا۔ اور فاس و سجلماسہ پر بھی قبضہ حاصل کیا گیا۔ اور صوبہ تاہرت زیری بن مناد کی حکومت میں شامل کیا گیا۔ احمد بن بکر اور محمد بن واسول گرفتار ہو کر قیروان پہونچے۔ ۳۴۹ھ میں معز نے اپنے خادموں قیصر اور مظفر کو جو معز کے بہت ہی منہ چڑھے ہوئے تھے۔ قتل کیا۔ اوپر خلفائے عباسیہ کے حالات میں ذکر ہو چکا ہے کہ اندلس کے جلاوطنوں میں سے ایک گروہ نے مصر کے ساحل پر اُتر کر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ جبکہ مصر کا گورنر عبداللہ بن طاہر تھا۔ عبداللہ بن طاہر نے ان کا محاصرہ کیا اور اس شرط پر اُن کو امان دی کہ وہ حدود مصر سے باہر کہیں چلے جائیں۔ چنانچہ ان اندلسی جلاوطنوں نے اسکندریہ سے روانہ ہو کر جزیرہ اقریطش (کریٹ) پر قبضہ کر لیا اور ابوحفص بلوطی کو اپنا بادشاہ بنایا۔ ابوحفص کی اولاد میں اس جزیرہ کی حکومت اب تک چلی آتی تھی۔ ۳۵۰ھ میں عیسائیوں نے سات سو جنگی جہازوں کا بیڑہ لیکر اس جزیرہ پر حملہ کیا بڑی خونریزی ہوئی۔ ہزارہا مسلمان شہید اور ہزاروں قید و گرفتار ہوئے اور یہ جزیرہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ۳۵۴ھ میں قیصر قسطنطنیہ اور معز کی بحری فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ عیسائی لشکر کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اور مسلمانوں کی فوج نے عیسائیوں کے کئی شہروں پر قبضہ کر کے اور اپنی فوجیں وہاں اُتار کر قیصر قسطنطنیہ کو مجبور کیا کہ وہ معز کو جزیہ و خراج ادا کرے۔ اس کے چند روز بعد معز کو خبر لگی کہ کافور اخشیدی حاکم مصر کی وفات پر مصر کے اندر بدنظمی اور فتنہ و فساد برپا ہو گیا ہے۔ اور خلیفہ بغداد عضدالدولہ اور بختیار بن معز الدولہ کی خانہ جنگی کے سبب مصر کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ معز نے مصر پر فوجکشی کا قصد کیا۔ چنانچہ ۳۵۵ھ میں معز نے اپنے وزیر اور کاتب جوہر کو ایک زبردست فوج دیکر مصر کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ جوہر راستہ میں ہر مقام پر

مناسب انتظام کرتا ہوا آہستگی مصر کی جانب بڑھا۔ اخشیدی فوج تاب مقاومت نہ لاسکی اور نتیجہ
یہ ہوا کہ ۱۵ر شعبان ۳۵۸ھ کو جوہر فتح مصر میں داخل ہوکر جامع مسجد مصر میں معز کے نام کا خطبہ پڑھ
ماہ جمادی الاول ۳۵۹ھ میں جوہر نے جامع ابن طولون میں جاکر نماز ادا کی اور اذان میں "حی علی
خیر العمل" کے اضافہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ پہلی اذان تھی۔ جو اس فقرہ کے اضافہ کے ساتھ مصر
میں دی گئی۔ تمام ملک مصر پر قابض و متصرف ہوکر اور اخشیدی خاندان کے ارکان کو گرفتار کر کے مع
تحف و ہدایا جوہر نے معز کی خدمت میں روانہ کیا معز نے ممبران خاندان اخشیدی کو مہدیہ کے جیل
قید کر دیا جوہر نے معز کی خدمت میں مصر آنے کی دعوت دی اور اپنے ایک سردار جعفر بن فلاح
کتامی کو شائستہ فوج دیکر فلسطین و شام کی طرف روانہ کیا۔ جس زمانہ میں جوہر فوج لیکر مصر کی طرف
روانہ ہوا تھا۔ اسی زمانے میں ابو جعفر زناتی نامی ایک شخص نے معز کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا
مگر اس بغاوت کو معز نے خود متوجہ ہوکر باسانی فرو کر لیا تھا۔ اب معز کے پاس جوہر کا خط پہنچا۔ کہ
تمام ملک مصر دولت عبیدیہ میں شامل ہوگیا ہے۔ اور آپ کو خود یہاں تشریف لانا چاہیئے۔ معز
نے خوش ہوکر دربار عام کیا۔ اور مغربی صوبوں کے بندوبست واہتمام سے اطمینان حاصل کرنا ضروری
سمجھا۔ ادھر محرم ۳۶۰ھ میں جعفر بن فلاح کتامی نے دمشق پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اور اطمینان سے
حکومت کرنے لگا۔ اس خبر کو سن کر معز کو اور بھی زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ اور اس نے قاہرہ کو
دار السلطنت بنانے کا مصمم ارادہ کر کے بلکین بن زیری بن مناد کو افریقیہ اور ملک مغرب کا
وائسرائے بناکر قیروان میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اور ابو الفتوح کا خطاب عطا کیا۔ اور اس کے
ماتحت موزون اشخاص کو مقرر و نامزد کر کے آخر شوال ۳۶۱ھ کو اپنی دار الحکومت مہدیہ سے نکلکر
قیروان کے قریب مقام کیا۔ چند روز کے بعد تمام خزانہ اور سامان تجمل باربرداریوں کے ذریعہ
وہیں آگئے۔ اس تمام سامان اور لشکر کو لیکر مصر کی طرف روانہ ہوا۔ بلکین بن زیری بطریق مشایعت
ساتھ ہوا۔ ایک دو منزل کے بعد بلکین کو قیروان کی طرف رخصت کیا اور خود برقہ کی جانب چلا وہاں
روانہ ہوکر شعبان ۳۶۲ھ کو اسکندریہ پہونچا اہل شہر نے استقبال کیا اور عزت واحترام کے ساتھ
شہر میں لے گئے۔ وہاں سے روانہ ہوکر ۵ر رمضان ۳۶۲ھ کو قاہرہ میں داخل ہوا۔ معز قیروان
سے روانہ ہوکر قریباً ایک سال کے بعد قاہرہ پہونچا۔ جعفر بن فلاح کتامی کا حال اوپر بیان ہوچکا
ہے کہ اس نے دمشق کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس سے پیشتر دمشق پر بنی طغج کی
حکومت تھی۔ جو قرامطہ کو خراج ادا کیا کرتے تھے۔ جب جعفر بن فلاح کا دمشق پر قبضہ ہوا۔ تو اس نے
قرامطہ کو خراج دینے سے انکار کیا۔ چنانچہ قرامطہ کے بادشاہ اعصم نے دمشق پر حملہ کیا۔ جعفر
نے مقابل ہوکر قرامطہ کو شکست دیدی۔ اور ان کی فوج منتشر ہوکر میدان سے بھاگ گئی۔ اس کے
بعد ۳۶۱ھ میں قرامطہ نے دوبارہ زبردست فوج لیکر دمشق پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بھی جعفر نے
مقابلہ کیا۔ مگر وہ لڑائی میں مارا گیا۔ اور دمشق پر قرامطہ کا قبضہ ہوگیا۔ قرامطہ نے دمشق کے
بعد رملہ پر قبضہ کیا اور مصر پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے یہ تمام حالات معز کو دوران سفر میں معلوم
ہوئے قاہرہ پہونچکر اس کو معلوم ہوا کہ قرامطہ نے یافہ کا محاصرہ کر رکھا ہے اور سرحد مصر پر
ان کی فوجیں آکر جمع ہو رہی ہیں۔ معز نے قاہرہ پہونچتے ہی قرامطہ کے بادشاہ اعصم کو جواب

زمانے میں اپنے دارالحکومت احساء میں مقیم تھا۔ ایک خط لکھا۔ اس خط میں لکھا کہ تم لوگ پہلے ہمارے ہی باپ دادا کے مناد بنے ہوئے پھرتے تھے اور ہماری محبت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اب مناسب یہی ہے۔ کہ تم ہماری اطاعت و فرمانبرداری قبول کرو۔ اور ہمارے مقابلے اور مخالفت کا خیال بالکل ترک کر دو۔ اسی قسم کے مضامین اور نصیحتوں سے لبریز ایک طولانی خط بھیجا گیا۔ یہ خط جب اعصم کے پاس احساء میں پہونچا تو اُس نے اس کے جواب میں معز کو لکھا کہ

"تمہارا خط ہمارے پاس پہونچا جس میں کم مطلب تو کم مگر فضول باتیں زیادہ ہیں۔ ہم تم پر فوج کشی کرنے والے ہیں۔ والسّلام"

اعصم نے یہ جواب مصر کی جانب روانہ کرکے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور خود فوج لیکر مصر کی طرف روانہ ہؤا۔ اور حدودِ مصر میں داخل ہو کر مقام عین شمس میں قیام کیا۔ یہاں تمام فوجیں قرامطہ کی آ آ کر جمع ہو گئیں۔ حسان بن جراح طائی امیر عرب بھی ملے کا بہت بڑا گروہ لیکر اعصم کے پاس پہنچ گیا۔ اعصم و حسان نے باہم مشورہ کرکے اپنی فوج کے دستوں کو ملک مصر کے قصبوں کی تاخت و تاراج کے لئے پھیلا دیا۔ اور اس طرح مصر میں قتل و غارت اور خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ معز کو قرامطہ کی کثرتِ فوج سے بڑا خوف پیدا ہؤا۔ قرامطہ نے بہت جلد قاہرہ پر حملہ کیا معز نے قرامطہ کی رفتار ترقی دیکھ کر یہ تدبیر کی کہ احسان بن جراح سے پیام سلام جاری کرکے اُس سے وعدہ کیا کہ ہم ایک لاکھ دینار بطور رشوت آپ کی نذر کرنے پر تیار ہیں۔ بشرطیکہ آپ اعصم کو تنہا چھوڑ کر میدان سے اپنی فوجوں کو واپس لیجائیں۔ چنانچہ حسان اس رشوت کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ قرار داد کی مواقف جبکہ معز اپنی فوجیں لیکر میدان میں نکلا اور قرامطہ پر حملہ کیا۔ یعنی معرکہ جنگ گرم ہوتے ہی معہ اپنی فوج کے میدان چھوڑ دیا۔ حسان اور اُس کی فوج کے بھاگنے سے اعصم اور اُس کی فوج کا دل ٹوٹ گیا۔ مگر تاہم اُنہوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ اور بالآخر شکست کھا کر بھاگے۔ قریباً ڈیڑھ ہزار قرامطہ گرفتار ہوئے۔ معز نے فوراً اپنے سپہ سالار ابو محمود کو دس ہزار فوج دے کر قرامطہ کے تعاقب پر مامور کیا۔ چنانچہ ابو محمود نے ان کو کسی جگہ ٹھہرنے نہیں دیا۔ اور حدودِ مصر سے نکالکر احساء کی طرف چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ اس فتح کے بعد معز نے قرامطہ کے قیدیوں کو قتل کرا دیا۔ اور دمشق کی حکومت پر ظالم بن موہوب عقیلی کو نامزد کرکے اُس طرف روانہ کیا۔ ظالم نے دمشق پہونچکر قرامطہ کے عامل کو گرفتار کرکے مصر بھیجدیا۔ جہاں وہ جیلخانہ میں قید کر دیا گیا۔ ۳۶۴ھ تک دمشق پر دولت عبیدیہ کا پرچم لہرایا۔ اسی سال کے ایام حج میں مکہ و مدینہ کے لوگوں نے بھی مجبوراً معز کی حکومت تسلیم کی اور اُس کے نام کا خطبہ وہاں پڑھا گیا۔ اہل دمشق عبیدیوں کی حکومت سے خوش نہ تھے چنانچہ ۳۶۴ھ کے آخر اور ۳۶۵ھ کے شروع میں افتگین نے جو عزالدولہ بن بویہ کے خدام میں سے تھا۔ دمشق پر قبضہ کرکے معز کے عامل کو وہاں سے نکال دیا۔ اہل دمشق سب افتگین کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ معز کو جب یہ خبر پہونچی تو اُس نے افتگین کو لکھا تم دمشق پر حکومت کرتے رہو۔ اور میں تمہارے پاس سند امارت بھیجے دیتا ہوں۔ میرے نام کا خطبہ پڑھو۔ اور خلیفہ بغداد سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ افتگین نے معز کی اس سفارت کو ناکام واپس کر دیا۔ اور دمشق میں خلیفۂ بغداد کے نام کا خطبہ بدستور جاری رہا۔ اور معز کی حکومت کے تمام علامات کو

ہٹا دیا گیا۔ معز یہ سن کر سخت طیش میں آیا۔ خود فوج لیکر قاہرہ سے دمشق کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی مقام
بلبیس ہی میں پہنچا تھا۔ کہ ۱۵ ربیع الاول ۳۶۵ھ کو اُس کے لئے پیغام مرگ آ پہنچا۔ اور ۴۵ سال
۶ مہینے کی عمر میں اپنی حکومت کے تیئیسویں سال فوت ہوا۔ یہ عبیدیوں میں سب سے پہلا بادشاہ
تھا۔ جس نے مصر فتح کیا۔ اور قاہرہ کو دار السلطنت بنایا۔ یہ مقام مہدیہ میں ۱۱ رمضان ۳۱۹ھ
کو پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نزار تخت نشین ہوا اور "عزیز باللہ" کا لقب اختیار کیا۔
اس نے کئی مہینے تک اپنے باپ کے انتقال کی خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اور بروز عید اضحی ۳۶۵ھ کو باپ
کی وفات کا اعلان کرکے مراسم تخت نشینی ادا کیے۔

عزیز بن معز عبیدی

معز کی وفات کا حال سن کر افتگین نے فوجیں تیار کرکے حدود مصر پر فوجکشی کی اور مقا
صیدا کا محاصرہ کرلیا۔ صیدا ابن ظالم بن موہوب اور دوسرے عبیدی سردار موجود تھے۔ اُنہوں نے
مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھا کر بھاگے۔ افتگین نے بڑھ کر عکہ کو فتح کرلیا۔ اُس کے بعد طبریہ پر چڑھائی ک
اُس پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد دمشق کی جانب واپس ہو گیا۔ عزیز بن معز نے اپنے وزیر یعقوب ب
کلس کے مشورے کی موافق جوہر کاتب کو زبردست فوج دیکر افتگین کے مقابلہ اور دمشق کی فتح ک
لئے روانہ کیا۔ جوہر نے ماہ ذیقعدہ ۳۶۵ھ میں دمشق کا محاصرہ کرلیا۔ اور طرفین سے لڑائیوں کا سلس
برابر جاری رہا۔ افتگین نے طول محاصرہ سے تنگ آکر اعصم بادشاہ قرامطہ کے پاس مقام احساء
تمام حالات لکھ کر بھیجے اور امداد کی درخواست کی۔ اس خط کے پہونچتے ہی اعصم معہ اپنی فوج کے دمشق
جانب روانہ ہو گیا۔ اُس کے قریب پہونچنے کی خبر سن کر جوہر دمشق سے محاصرہ اُٹھا کر چل دیا۔ افتگین
اور اعصم نے بلکہ جوہر کا تعاقب کیا اور مقام رملہ میں جا کر جوہر کو گھیر لیا۔ جوہر رملہ کو مضبوط نہ پا کر
عسقلان چلا گیا۔ افتگین اور اعصم نے عسقلان میں جوہر کا محاصرہ کرلیا۔ جوہر نے سخت عاجز ہو
افتگین سے خط و کتابت شروع کی اور استدعا کی کہ مجھ کو اس محاصرہ سے نکل کر مصر پہنچ جانے دو۔ میں
اپنے بادشاہ عزیز بن معز سے آپ کو کافی صلہ دلوا دوں گا۔ افتگین جوہر کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا
اس کا حال اعصم کو معلوم ہوا تو افتگین کو نصیحت کی اور کہا کہ جوہر کے دھوکے میں نہ آؤ۔ یہ مصر جا
اور اپنے بادشاہ کو معہ زبردست فوج کے لیکر ہمارے کچل ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ مگر افتگین
مانا۔ اُس نے جوہر کو نکل جانے کا موقع دے دیا۔ جوہر نے عزیز کے پاس پہنچ کر اُس کو آئندہ خطرات
سے آگاہ کیا۔ اور حملہ کی ترغیب دی۔ عزیز نے فوجیں آراستہ کرکے فوراً چڑھائی کی۔ اور جوہر کو اپ
فوج کا مقدمۃ الجیش بنایا۔ محرم ۳۶۷ھ میں عزیز نے اعصم اور افتگین کے مقابل رملہ میں مورچ
قائم کر دیئے۔ اور افتگین کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ تم اعصم سے جدا ہو کر میرے پاس چلے آؤ میں تم کو
افواج کا سپہ سالار اعظم بناؤں گا۔ اور جس حصۂ ملک کو تم پسند کرو گے اُس کی حکومت تم کو عطا
کر دوں گا۔ افتگین نے عزیز کے اس پیغام کو منظور نہ کیا۔ اور اُس کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ قریب
کہ عزیز کی فوج کو شکست ہو مگر اُس نے سنبھلکر اور اپنی فوج کو سنبھال کر حملہ کیا۔ بڑی خونریز جنگ
ہوئی آخر اعصم اور افتگین کی فوج کو شکست ہوئی۔ ان کی فوج کے بیس ہزار آدمی میدان جنگ
میں مقتول ہوئے۔ عزیز نے فتح مند ہو کر اعلان کرایا۔ کہ جو شخص افتگین کو زندہ گرفتار کرکے لائے
اُس کو ایک لاکھ دینار دیئے جائیں گے۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دھوکے سے افتگ

گرفتار کراکر ایک لاکھ دینار وصول کر لئے۔ عزیز کے سامنے جب افتگین پیش ہُوا تو اُس نے اُس کی بڑی عزت کی۔ اور نہ صرف اپنا مصاحب خاص بنایا۔ بلکہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ اُس کو عطا کر کے اُس کی خوب دلجوئی کی اور ایک شخص کو اعصم بادشاہ قرامطہ کے پاس مقام طبریہ میں بھیجا۔ جہاں وہ شکست کے بعد مقیم تھا اور پیغام دیا کہ تم میرے پاس آکر مجھ سے مل جاؤ۔ اُس نے جب انکار کیا تو عزیز نے بیس ہزار دینار اُسکے پاس بھیجے اور لکھا کہ ہر سال تم کو اسی قدر روپیہ ملا کرے گا۔ مگر اعصم نے مصر جانے سے انکار کر دیا۔ اور طبریہ سے رخصت ہوکر احساء چلا آیا۔ عزیز افتگین کو لئے ہوئے قاہرہ چلا گیا۔ افتگین کی چونکہ سب سے زیادہ عزت و توقیر ہوتی تھی۔ اور وہ وزیر اعظم بن گیا تھا۔ لہٰذا سابق وزیر اعظم یعقوب بن کلس نے افتگین کو زہر دے کر مار ڈالا۔ عزیز کو جب یہ حال معلوم ہُوا تو اُس نے یعقوب کو گرفتار کر کے چالیس روز قید میں رکھا۔ اور پانچ لاکھ دینار جرمانہ وصول کیا۔ اس کے بعد پھر یعقوب کو قلمدان وزارت عطا کر دیا۔

افتگین جب دمشق سے جوہر کے تعاقب میں روانہ ہُوا تھا۔ تو قسام نامی ایک شخص کو دمشق کی حکومت پر نیابتاً مقرر کر آیا تھا۔ اس کے بعد افتگین کو دمشق جانے کا موقع ہی نہ ملا۔ قسام کی حکومت وہاں خوب مضبوطی سے قائم ہوگئی تھی۔ جب قسام نے افتگین کے مصر جانے کی خبر سُنی تو اُس نے دمشق میں عزیز کے نام کا خطبہ شروع کر دیا تھا۔ اب ان لڑائیوں سے فارغ ہوکر عزیز نے ابو محمود بن ابراہیم کو دمشق کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ قسام نے ابو محمود کو دمشق میں داخل نہ ہونے دیا۔ عزیز نے قسام کی سرکوبی کے لئے اَور فوج بھیجی۔ بکجور خادم سیف الدولہ نے جو حمص پر قابض و متصرف تھا۔ حاکم مصر کی فوجوں کو مدد پہنچائی۔ اُدھر مفرج بن جراح قبیلۂ طے کا سردار عربوں کی جمعیت لیکر برسرِ مقابلہ ہُوا۔ چند سال کی معرکہ آرائیوں اور لڑائیوں کے بعد عزیز نے بکجور کو اپنی طرف سے دمشق کا والی مقرر کر دیا۔ بکجور نے دمشق پر قابض ہو کر یعقوب بن کلس وزیر السلطنت مصر کے آدمیوں کو اس لئے دمشق سے نکال دیا۔ کہ یعقوب نے بکجور کے والی دمشق بنائے جانے کی مخالفت کی تھی۔ چند روز کے بعد یعقوب نے بکجور کی شکایت کر کے اُس کے خلاف عزیز کو آمادہ کر دیا۔ مصر سے فوج آئی اور بکجور نے بعد مقابلہ شکست کھائی۔ اُدھر سیف الدولہ نے شام پر چڑھائی کی۔ دوسری طرف سے بادشاہ قسطنطنیہ نے فوج کشی کی۔ غرض دمشق کا علاقہ ۳۸۵ھ تک مسلسل لڑائیوں اور خونریزیوں کا مرکز رہا۔ رومی فوجوں کے دمشق کی طرف حرکت کرنے کا حال سُن کر عزیز نے ۳۸۵ھ خود قاہرہ سے معہ فوج دمشق کی جانب کوچ کیا۔ اور رومیوں کے خلاف جہاد کی منادی کرائی مگر مقام بلبیس میں پہنچکر بیمار ہو گیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس کا باپ بھی جب دمشق کے ارادے سے روانہ ہُوا تھا۔ تو اسی مقام پر پہنچکر مرض الموت میں گرفتار ہوا تھا۔ غرض عزیز آخر رمضان ۳۸۶ھ میں کئی ماہ بیمار رہ کر فوت ہُوا۔ اور اُس کا بیٹا ابو منصور باپ کی جگہ تخت نشین ہُوا۔ اور حاکم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا۔

منصور حاکم بن عزیز عبیدی منصور الملقب بہ حاکم نے تخت نشین ہوکر امور سلطنت کا اختیار حسن بن عمار کتامی کے ہاتھ میں دے دیا۔ کتامیوں نے برسر اقتدار ہو کر ملک میں لوگوں کو بہت پریشان کیا۔ اودھر مشرق سے دیلمی خاندان کے بعض افراد بھی بوجہ شیعہ ہونے کے مصر پہونچ گئے تھے۔ اور دولت عبیدیین کی حمایت میں سرفروشی کا اظہار کرنے سے مشرقیوں کی ایک کافی تعداد مصر میں

موجود تھی۔ بالآخر مشرقی اور مغربی گروہوں میں خانہ جنگی ہوئی۔ دمشق و حجاز وغیرہ میں بھی بغاوتیں ترقی پذیر رہیں۔ دمشق پر کبھی عرب قابض ہو جاتے تھے۔ کبھی ترکی غلام کبھی مصری سردار غرض مصر و شام و حجاز و افریقیہ میں بدامنی و فساد کی خوب گرم بازاری رہی۔ اسی اثناء میں ولید بن ہشام المعروف ابورکوہ نے خروج کیا۔ اس کا مختصر حال یہ ہے۔ کہ جب اندلس میں منصور بن ابی عامر نے مستولی و متصرف ہو کر شہزادگان بنوامیہ کی گرفتاری و قتل کا سلسلہ شروع کیا تو بنوامیہ کے آخری خلیفہ کا بیٹا ولید اپنی جان کے خوف سے چھپ کر قیروان چلا آیا تھا۔ یہاں چند روز رہ کر یمن۔ مکہ وغیرہ ہوتا ہوا شام کے ملک میں آگیا۔ یہاں بدامنی کا دور دورا تھا۔ اس نے موقع پا کر یہاں بنی امیہ کی خلافت کے لئے دعوت دینی شروع کی۔ کچھ لوگ اس کے ہم خیال ہو گئے۔ مگر یہاں پوری پوری کامیابی نہ دیکھ کر پھر ملک مصر کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے برقہ کے علاقے میں پہونچا۔ وہاں اس کو اچھی خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ حاکم عبیدی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اول اول اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ چونکہ حاکم عبیدی کی حکومت سے لوگ ناخوش اور نالاں تھے۔ اس لئے ولید بن ہشام کے گرد قبائل آ آ کر جمع ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے برقہ پر قبضہ کر کے مصر پر چڑھائی کر دی۔ اب حاکم عبیدی کی آنکھیں کھلیں اس نے فوج مقابلہ کے لئے بھیجی مگر شکست حاصل ہوئی۔ اسی طرح بار بار مصر سے فوجیں گئیں اور شکست کھا کھا کر واپس آئیں قریب تھا۔ کہ تمام ملک افریقیہ و مصر پر ولید بن ہشام کا قبضہ و حکومت قائم ہو جائے کہ حاکم عبیدی نے چالاکی سے اس کے بعض سرداروں کو لالچ دے کر اپنی جانب مائل کر لیا۔ اور انہوں نے ولید بن ہشام کو دھوکہ دے کر گرفتار کرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حاکم عبیدی نے اس کو قتل کرا کر اس کی لاش تشہیر کرایا۔ اور اس طرح ۳۹۷ھ میں اس ہنگامہ کا خاتمہ ہوا۔ چونکہ لوگوں کو عبیدی حکومت سے بوجہ اس کے شیعہ ہونے کے نفرت تھی۔ اس لئے حاکم عبیدی نے ولید بن ہشام کی ہنگامہ آرائیوں کے دوران میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور سنیوں کے دلوں سے اپنی نفرت دور کرنے کے لئے ایک فرمان اس مضمون کا جاری کیا کہ جس شخص کا جی چاہے وہ سنی مذہب اختیار کرے اور جس کا جی چاہے شیعہ مذہب قبول کرے۔ اسی طرح جس کا جی چاہے اذان میں حی علی خیر العمل پکارے اور جس کا جی چاہے نہ پکارے۔ مذہب کے معاملے میں کسی پر کسی قسم کا تشدد نہ کیا جائے گا۔ حاکم عبیدی تاثیر کواکب کا قائل اور علم نجوم کی جانب زیادہ مائل تھا۔ اس نے کوہ مقطم متصل قاہرہ پر ایک مکان بنوا رکھا تھا۔ وہاں کواکب کی روحانیت جذب کرنے اور اعمال عبادت بجا لانے کے لئے تنہا جایا کرتا تھا۔ چنانچہ ۲۷ ماہ شوال ۴۱۱ھ کو حسب دستور رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر چلا دو سوار ساتھ ہو لئے اس نے تھوڑی دور چل کر یکے بعد دیگرے دونوں کو واپس کر دیا۔ اور خود کوہ مقطم کی جانب تنہا چلا گیا۔ چند روز تک واپس نہ آیا ارا کین سلطنت واپسی کے انتظار میں رہے۔ جب کئی روز گذر گئے۔ تو ارا کین سلطنت اس کی تلاش میں نکلے۔ کوہ مقطم پر چڑھتے ہی اول انہوں کو سواری کا گدھا دست و پا بریدہ مردہ ملا۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو اس کا لباس ملا جس پر خون اور چھریوں سے زخمی کرنے کے نشانات موجود تھے۔ اس کی لاش نہیں ملی۔ ایک دوسری روایت حاکم عبیدی کے قتل کی نسبت یہ ہے کہ حاکم کی بہن کا بعض غیر مردوں سے ناجائز تعلق تھا۔ اس کی اطلاع ہونے پر حاکم نے بہن کو ڈانٹا اس نے اس کے جواب میں بعض کتامی سرداروں کو بلا کر حاکم کے بد عقیدہ اور

لامذہب ہونے کی شکایت کر کے حاکم کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ کتامی سرداروں نے حاکم کو موقع پا کر قتل کر دیا۔ حاکم شب پنجشنبہ ۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ کو پیدا ہوا تھا۔ چھتیس [۳۶] سال کی عمر میں فوت ہوا۔ حاکم کے قتل کا یقین ہو جانے کے بعد ارکین سلطنت نے حاکم کے نوعمر نابالغ بیٹے علی کو تخت نشین کیا۔ علی کا لقب ظاہر لدین اللہ تجویز کیا گیا۔ اور امور جہانبانی ظاہر کی پھوپھی یعنی حاکم کی بہن کے ہاتھ میں آئے۔ حاکم متلون مزاج۔ سخت گیر شخص تھا۔

ظاہر بن حاکم عبیدی چار برس کے بعد ظاہر کی پھوپھی مر گئی۔ اور ظاہر ارکین سلطنت کی مدد سے حکومت کرنے لگا۔ ۴۲۰ھ میں شام و دمشق پر صالح بن مرداس نے قبضہ کر کے عبیدی حکومت کو وہاں سے مٹا دیا۔ ظاہر نے زریری حاکم فلسطین کو اُس طرف حملہ کرنے کا حکم دیا۔ زریری نے دمشق و شام پر قبضہ کیا۔ مگر لڑائیوں اور بغاوتوں کا سلسلہ ملک شام میں برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ کو ظاہر نے وفات پائی۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابوتمیم معد تخت نشین ہوا۔ اُس کا لقب مستنصر رکھا گیا۔ ظاہر کے زمانے میں ابوالقاسم علی بن احمد وزیر اعظم تھا۔ اب مستنصر کے تخت نشین ہونے پر ابوالقاسم وزیر السلطنت نے امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

مستنصر بن ظاہر عبیدی مستنصر کے عہد حکومت میں ۴۳۳ھ میں شام و دمشق پر عرب قبائل نے قبضہ کر لیا۔ اور یہ ملک حکومت عبیدیہ سے نکل گیا۔ ۴۴۰ھ میں معز بن بادیس نے افریقیہ میں علم بغاوت بلند کر کے خلیفۂ بغداد کا خطبہ جاری کر دیا۔ اسی اثناء میں وزیر ابوالقاسم کو مستنصر نے معزول کر کے حسین بن علی تازوری کو قلمدان وزارت عطا کیا۔ اور عربوں کی ایک جمعیت کو جن میں رعبہ۔ رباح اور بطون ہلال کے افراد شامل تھے۔ افریقیہ کی جانب روانہ کیا۔ ان لوگوں نے علاقہ برقہ میں پہنچ کر طرح اقامت ڈال دی۔ اور افریقیہ پر حملہ آور ہونے کا خیال ترک کر دیا۔ مستنصر نے یہ دیکھ کر غلاموں کی خریداری شروع کر دی۔ اور تیئیس [۲۳] ہزار غلام خرید لئے۔ اُدھر مذکورہ عرب قبائل نے برقہ میں طرح اقامت ڈالنے کے بعد بطور خود پیشقدمی کر کے ۴۴۶ھ میں طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ اور بنو رعبہ نے وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ بنو رباح نے مقام ابیج میں اپنی حکومت قائم کی۔ بنو عدی نے تمام مُلک افریقیہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ پھر ان عرب سرداروں نے ایک سفارت معز بن بادیس کی خدمت میں بھیجی معز نے اس سفارت کی خوب مدارات و خاطر کی اور اُس کو اُمید ہوئی کہ اب یہ اپنی لوٹ مار اور قتل و فساد سے باز رہیں گے۔ مگر اُنہوں نے اپنے اس پیشہ کو ترک نہ کیا۔ چنانچہ معز بن بادیس نے صنہاجہ وغیرہ قبائل بربر کے تیس ہزار آدمیوں کو ہمراہ لیکر ان عربوں کی سرکوبی کا عزم کیا۔ عرب جو اُس کے مقابلے میں آئے صرف تین ہزار تھے۔ مگر لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ معز کو شکست فاش حاصل ہوئی معز بن بادیس نے فرار ہو کر قیروان میں پناہ لی۔ اس کے بعد معز نے پھر قبائل بربر کی زبردست فوج لے کر ۱۰ ذی الحجہ ۴۴۶ھ کو بروز عید اضحیٰ عربوں پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بھی اُس کو شکست ہوئی۔ تیسری مرتبہ اُس نے پھر حملہ کیا اور اس مرتبہ بھی عرب فتحمند ہوئے۔ اور قیروان تک معز کا تعاقب کیا۔ اور شہر باجہ پر عربوں کے سردار یونس بن یحییٰ کا قبضہ ہو گیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ معز بن بادیس ۴۴۹ھ میں قیروان کو چھوڑ کر مہدیہ چلا گیا۔ اور یونس بن یحییٰ نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ ادھر قاہرہ کی یہ حالت تھی کہ مستنصر کی ماں اپنے بیٹے سے جو حکم چاہتی تھی صادر کرا دیتی تھی۔ اس طرح اُس کا اثر و اقتدار بہت ترقی کر گیا تھا۔ دوسری طرف وزرائے سلطنت اپنی حفاظت کو مد نظر رکھ کر شاہی فوج میں ترکوں کی بھرتی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح فوج میں تین زبردست طاقتیں موجود تھیں۔ ایک جمع ودانی غلاموں کی طاقت تھی یہ لوگ تعداد میں بہت

یادہ تھے۔ دوسرے کتامی اور بربری لوگ تھے۔ ان کی تعداد کم تھی۔ تیسرا گروہ ترکوں کا تھا۔ یہ تعداد میں غلاموں سے کم تھے۔ مگر جنگی استعداد ان میں زیادہ تھی۔ اتفاق سے ایک غلام ناصر الدولہ بن حمدان سودا ترقی کر کے امراء و اراکین دولت کی حمایت سے سپہ سالاری کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور ترکوں کا لیڈر اور سردار بن گیا۔ سلطنت کے اعضا کٹ کٹ کر خود مختار ہو چکے تھے۔ اور اراکین سلطنت اور مستنصر کی والدہ اور مستنصر سب قاہرہ کے اندر ایک دوسرے کی طاقت کو گھٹانے اور زیر کرنے میں مصروف تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں اور غلاموں میں خانہ جنگی نمودار ہوئی اور مستنصر عبیدی کی فوج کے دو حصے ہو کر آپس میں لڑنے لگے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ترکوں کے ہاتھ سے ہزارہا غلام مارے گئے۔ اور ناصر الدولہ ترکوں کا سردار سب غالب ہو گیا۔ اور اس نے مستنصر کو اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے حسب منشا امور سلطنت طے کرنے شروع کئے مستنصر نے اپنی حالتِ سقیم کو تبدیل کرنے کے لئے اپنے غلام بدر جمالی ارمنی الاصل کو جو عکہ میں برسر حکومت تھا۔ اشارہ کیا۔ بدر جمالی نے عکہ میں ارمنی لوگوں کی بھرتی جاری کر دی اور ایک زبردست ارمنی فوج لے کر براہ دریا جہازوں میں سوار ہو کر مصر میں داخل ہوا۔ مستنصر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مستنصر نے اس کو قلمدان وزارت عطا کیا۔ اور چند ترکوں کو سمجھایا کہ ناصر الدولہ نے تم کو بلا وجہ جنگ و جدل کی مصیبت میں پھنسایا۔ ترکوں نے خلیفہ کا یہ اشارہ پاکر اور اپنی آیندہ بہبود مدِ نظر رکھ کر ناصر الدولہ کو خود ہی دھوکے سے قتل کر دیا۔ اب بدر جمالی ترکوں کا سردار بن گیا۔ بدر جمالی نے خوب طاقتور ہو کر اور سلطنت کے تمام شعبوں اور صیغوں پر مستولی ہونے کے بعد وفاداری کے ساتھ سلطنت کے اعتماد و وقار کو بڑھایا۔ باغی سرداروں کو اطاعت پر مجبور کیا۔ جو شہر قبضے سے نکل گئے تھے۔ اُن کے واپس فتح کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوا۔ طرابلس کو بھی عربوں سے چھین لیا۔ فلسطین کے تمام علاقے کو بھی حکومت میں شامل کیا۔ دمشق کی حالت یہ تھی کہ وہاں جو شخص قابو پاتا تھا۔ قابض ہو جاتا تھا۔ مگر خطبہ مصر کے پادشاہ عبیدی کا پڑھواتا تھا۔ قاہرہ اسی کو غنیمت جانتا تھا۔ ۴۶۸ھ میں جبکہ بدر جمالی نے مستنصر کی حکومت کے بگڑے ہوئے کام بہت کچھ سنبھال دیا تھا دمشق پر امیر اقدس نے حملہ کر کے اپنا قبضہ جمایا۔ اور بجائے پادشاہ مصر کے خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ مصر میں پڑھا گیا۔ ۴۶۹ھ میں اتسز بن اوق نامی سردار نے جو سلجوقی لشکر ایک سپہ سالار تھا دمشق پر حملہ کیا۔ یہ خبر سنتے ہی مصر سے بدر جمالی نے دمشق کی جانب فوج روانہ کی۔ اہل دمشق نے اتسز کی حکومت قبول کر لی تھی۔ کہ اتنے میں مصری لشکر نے آکر دمشق کا محاصرہ کر لیا ۴۷۲ھ میں سلطان ملک شاہ سلجوقی نے تتش سلجوقی کو بلاد شام کی حکومت سپرد کر کے یہ حکم دیا کہ تم ملک شام کا جس قدر حصہ فتح کر لو گے۔ وہ تمہارا ملک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ تتش نے حدود شام میں داخل ہو کر حلب کو جا گھیرا کی اہل حلب نے مدافعت کی اور تتش نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ اُدھر دمشق میں اتسز ابھی تک مصری لشکر کے محاصرے میں تھا۔ اس نے تتش کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میرا مصری فوجوں نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر آپ میری مدد نہ کریں گے تو میں مجبوراً دمشق اُن کے حوالے کر دوں گا۔ تتش نے فوراً دمشق کی جانب کوچ کر دیا۔ تتش کے آنے کی خبر سُن کر مصری لشکر دمشق سے محاصرہ اُٹھا کر مصر کی طرف بھاگ گیا۔ تتش نے دمشق پہنچکر اتسز کو قتل کیا اور خود دمشق پر قابض و متصرف ہو گیا۔ یہ واقعہ ۴۷۲ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد حلب پر بھی تتش کا قبضہ ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ تمام ملک شام اس کے قبضے میں آگیا۔ یہ حالات سُن کر بدر جمالی نے مصر میں فوجیں جمع کیں اور ایک جرار لشکر لیکر دمشق کو

حملہ آور ہوا۔ مگر تتش کے مقابلے میں ناکام رہ کر واپس ہوا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مصری فوجوں نے شام پر حملہ کیا۔ مگر ناکام واپس گئیں سنہ ۴۸۴ھ میں جزیرہ صقلیہ کو عیسائیوں نے مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیا۔ ماہ ربیع الاول سنہ ۴۸۷ھ میں بدر جمالی نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بعد ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۴۸۷ھ کو مستنصر عبیدی بھی فوت ہو گیا۔ مستنصر کا ابتدائی زمانہ بہت خطرناک تھا۔ اس کی سلطنت کے مٹنے اور دولت عبیدیین کے فنا ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ کہ بدر جمالی نے اس سلطنت کو برباد ہونے سے بچا لیا۔ مستنصر کے تین بیٹے تھے۔ احمد۔ نزار۔ ابو القاسم۔ مستنصر نے نزار کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ مستنصر کے عہد حکومت میں حسن بن صباح عراق سے سوداگروں کے لباس میں وارد مصر ہوا اور مستنصر کی خدمت میں حاضر ہو کر مستنصر سے بیعت ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کے بعد کس کو امام مانوں۔ مستنصر نے کہا کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار تمہارا امام ہو گا۔ اس کے بعد حسن بن صباح نے مستنصر سے اجازت حاصل کی کہ ملک عراق میں آپ کی خلافت و امامت کی تبلیغ کروں۔ مستنصر نے اس کو اجازت دی اور اپنا داعی بنا کر روانہ کیا۔ حسن بن صباح نے عراق میں آ کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ قلعہ الموت پر قابض ہو گیا۔ حسن بن صباح اور اس کی قائم کی ہوئی سلطنت کا حال آگے اپنے موقع پر بیان ہو گا۔ مستنصر نے بدر جمالی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد ملک کو وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا۔ محمد ملک اور نزار کے درمیان ناراضی تھی اس لئے مستنصر کی وفات کے بعد محمد ملک نے مستنصر کی بہن کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ تخت سلطنت پر ابو القاسم کو بٹھایا جائے۔ چنانچہ مستنصر کی بہن نے محمد ملک کی خواہش کے موافق اراکین سلطنت کے سامنے اس بات کی گواہی دی کہ مستنصر نے اپنے بعد ابو القاسم کے تخت نشین ہونے کی وصیت کی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے ابو القاسم کے ہاتھ پر حکومت کی بیعت کی۔ اور "مستعلی باللہ" کے لقب سے اس کو تخت پر بٹھایا۔

ابو القاسم مستعلی عبیدی

مستعلی کے تخت نشین ہونے سے تین روز بعد نزار قاہرہ سے روانہ ہو کر اسکندریہ چلا گیا۔ اسکندریہ میں بدر جمالی کا غلام نصیر الدولہ افتگین وہاں کا عامل و حکمران تھا۔ وہ یہ سن کر کہ ابو القاسم تخت نشین ہوا ہے۔ باغی ہو گیا۔ اور نزار کو مستحق حکومت سمجھ کر اس کا مؤید بن گیا۔ نصیر الدولہ نے اسکندریہ میں نزار کو تخت نشین کر کے اس کی بیعت کی اور "مصطفیٰ لدین اللہ" اس کا لقب مقرر کیا۔ یہ خبر قاہرہ میں پہونچی تو وزیر السلطنت محمد ملک فوج لیکر نزار کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور جا کر اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ شدت محاصرہ سے تنگ آ کر محصورین نے امن کی درخواست کی اور اسکندریہ محمد ملک کے سپرد کر دیا۔ وزیر السلطنت محمد ملک نے نزار کو گرفتار کر کے قاہرہ بھیجا۔ یہاں مستعلی نے نزار کو بلا توقف قتل کرا دیا۔ اس کے بعد وزیر السلطنت اپنے ہمراہ نصیر الدولہ افتگین کو لئے ہوئے قاہرہ پہنچا۔ مستعلی نے افتگین کو بھی قتل کرا دیا۔ اس کے بعد کسیلہ نامی ایک شخص جو شہر صور کا والی تھا باغی ہو گیا۔ اس کی سرکوبی کے لئے فوج روانہ ہوئی بڑی خونریزی کے بعد کسیلہ گرفتار ہو کر قاہرہ آیا اور مستعلی کے حکم سے مقتول ہوا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ شام کا تمام ملک تاج الدولہ تتش سلجوقی کے قبضے میں آ چکا تھا۔ تاج الدولہ تتش کی وفات کے بعد تتش کے دونوں لڑکوں دقاق اور رضوان میں خانہ جنگی برپا ہو گئی تھی۔ دقاق دمشق پر قابض تھا۔ اور رضوان نے حلب پر قبضہ کر لیا تھا۔ بیت المقدس کی حکومت پر دقاق کی جانب سے سلیمان بن ارتق کو مامور کر رکھا تھا۔ سنہ ۴۹۰ھ میں یورپ کے عیسائیوں نے جن میں بڑے بڑے

بادشاہ بھی شامل تھے۔ متحد ہوکر بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے نکالنے کے لئے حملہ کیا۔ ان صلیبی حملہ آوروں نے آتے ہی انطاکیہ کا محاصرہ کیا۔ انطاکیہ میں ان دنوں ایک سلجوقی سردار باغیسان نامی مامور تھا۔ وہ عیسائیوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور انطاکیہ کو چھوڑ کر فرار ہوا راستے میں کسی ارمنی نے اس کو مار ڈالا۔ اور سر اُتار کر صلیبی لشکر میں لے آیا۔ انطاکیہ کے اس طرح نکل جانے اور باغیسان کے مارے جانے سے ملک شام میں ہلچل مچ گئی۔ کربوقا نامی سلجوقی سردار جو موصل کا والی تھا۔ عیسائی حملہ آوروں کی طرف بڑھا۔ اور مرج دابق میں پہنچکر پڑاؤ کیا۔ یہ سن کر دقاق بن تتش۔ سلیمان بن ارتق۔ طغتگین والی حمص بھی اپنی اپنی فوجیں لیکر کربوقا کے پاس پہنچ گئے۔ اور سب مل کر انطاکیہ کی طرف عیسائیوں کے مقابلہ کو بڑھے۔ عیسائی لشکر کے مقابلہ میں ان مسلمان سرداروں کی متحدہ فوج بے حقیقت اور نہایت قلیل تھی۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی ہزارہا مسلمان شہید ہوئے۔ عیسائیوں نے اُن کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے معرۃ النعمان کا محاصرہ کیا۔ اور قریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو اس جگہ شربت شہادت پلایا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے حمص پر قبضہ کیا۔ پھر عکہ کا محاصرہ کر لیا۔ عکہ کی ترکی سلجوقی فوج نے بڑی بڑی سختیاں برداشت کیں۔ اور مدافعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ ابھی عیسائیوں نے عکہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور شام کے تمام مسلمانوں کی توجہ اس طرف منعطف تھی۔ کہ مستعلی کے وزیر محمد ملک نے مصری فوج لیکر بیت المقدس پر حملہ کر دیا۔ شیعوں کا یہ حملہ عیسائیوں کے لئے بیحد مفید ثابت ہوا۔ اور شام کی اسلامی فوج بیک وقت ان دونوں زبردست حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ سلیمان اور ایلغازی بیت المقدس میں شیعوں کی مصری فوج کے مقابلہ میں مصروف ہو گئے۔ اور عکہ پر عیسائیوں کے حملہ کی روک تھام میں کوئی مدد نہ پہونچا سکے اُدھر جو لوگ عیسائیوں کے مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ وہ بیت المقدس والوں کے پاس کوئی کمک نہ بھیج سکے نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المقدس پر مصر کے وزیر السلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ اور سلیمان و ایلغازی یہاں سے مشرق کی جانب چلے گئے۔ مصریوں کو دیر تک بیت المقدس پر قبضہ قائم رکھنا نصیب نہ ہوا۔ عیسائیوں نے ۲۳ رشعبان ۴۹۲ھ کو چالیس روز کے محاصرے کے بعد بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ شہر میں گھس کر عیسائی فتح مندوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا۔ مسلمانوں نے محراب داؤد علیہ السلام میں پناہ لی۔ کہ یہاں عیسائی قتل سے باز رہینگے مگر انہوں نے وہاں بھی اُن کو قتل کیا۔ مسجد اقصیٰ اور صخرۂ سلیمانؑ میں ستر ہزار مسلمان شہید کئے گئے مسجد اقصیٰ کا تمام قیمتی سامان۔ قندیلیں جو چاندی اور سونے کی تھیں۔ سب لوٹ لیں۔ اس ہنگامہ میں لاتعداد مسلمان شہید ہوئے۔ بیت المقدس کے جس قدر مسلمان کسی نہ کسی طرح بچ کر بھاگ سکے۔ وہ بحالت پریشان بغداد پہنچے اور وہاں عیسائیوں کے ان مظالم اور مسلمانوں کی بربادی کا حال خلیفہ بغداد کو سنایا۔ خلیفہ نے برکیارق۔ محمد۔ سنجر وغیرہ سلاطین سلجوقیہ کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ ملک شام کو بچاؤ مگر یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں ایسے مصروف تھے۔ کہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ اور ملک شام کو عیسائیوں نے خاک سیاہ بنا ڈالا۔ وزیر السلطنت مصر جس نے مسلمانوں کے قبضے سے بیت المقدس کو لیکر عیسائیوں کے ہاتھ فتح کرا دیا یہ خبر سن کر مصر سے فوج لیکر چلا کہ بیت المقدس کو عیسائیوں سے فتح کرے۔ لیکن عیسائیوں نے دشمن کے آنے کی خبر سن کر آگے بڑھ کر مصری فوج کا

شکست فاش دے کر بھگا دیا۔ اور بھاگتے ہوؤں میں سے بھی کسی کو بچ کر نہ جانے دیا۔ چند آدمیوں کے ساتھ وزیر السلطنت مصر پہنچا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے عسقلان کا محاصرہ کیا۔ اور ہزار دینار تاوان لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔ ۱۵ ار ماہ صفر ۴۹۵ھ کو مستعلی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا ابو علی جس کی عمر پانچ سال کی تھی۔ تخت سلطنت پر بٹھایا گیا۔ اور آمر باحکام اللہ اس کا لقب مقرر کیا گیا۔

ابو علی آمر عبیدی

ابو علی کی تخت نشینی کے بعد مہمات سلطنت تمام و کمال وزیر السلطنت کے ہاتھ میں آ گئے۔ اگرچہ پہلے بھی وہ سیاہ و سفید کا مختار تھا۔ اور مستعلی اس کے خلاف کچھ نہ کرتا تھا۔ ۴۹۶ھ میں وزیر السلطنت نے فوجیں آراستہ کر کے اپنے باپ بدر جمالی کے غلام سعد الدولہ کی سرداری میں عیسائیوں کے مقابلہ کو روانہ کیں مقام رملہ اور یافہ کے درمیان جنگ ہوئی۔ مصری فوجیں شکست کھا کر بھاگیں اور سعد الدولہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ عیسائیوں نے مصریوں کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اور بہت سوں کو گرفتار کیا۔ وزیر السلطنت کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے اپنے بیٹے شرف المعالی کو ایک نہایت زبردست فوج دے کر روانہ کیا۔ رملہ کے قریب لڑائی ہوئی۔ اس معرکہ میں عیسائیوں کو شکست ہوئی۔ شرف المعالی نے بڑھ کر رملہ کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ یوم کے محاصرے کے بعد رملہ فتح ہوا۔ چار سو عیسائی مقتول اور تین سو گرفتار ہوئے۔ عیسائی سردار رملہ سے یافہ چلا گیا۔ اور بیت المقدس کی زیارت کے لئے جو عیسائی یورپ سے ابھی آئے تھے۔ ان کو ہمراہ لیکر شرف الملک کی طرف بڑھا۔ شرف الملک عیسائیوں کے حملہ کی خبر سن کر بلا جنگ مصر کی طرف چلا گیا۔ عیسائیوں نے آگے بڑھ کر عسقلان پر بلا مقابلہ و مقاتلہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد مصری فوج نے پھر حملہ کیا اور عسقلان کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ یہ ذیحجہ ۴۹۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ۴۹۸ھ میں پھر ایک مرتبہ مصری فوجوں نے عیسائیوں پر حملہ کیا۔ اور دمشق کی ترکی فوج نے بھی مصری فوج کا ساتھ دیا۔ مگر اس لڑائی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ساحل شام کے شہروں میں طرابلس۔ صور۔ صیدا اور بیروت مصری حکومت کے ماتحت تھے۔ ۵۰۳ھ میں عیسائیوں کے جنگی بیڑے آئے۔ اور انہوں نے ان تمام شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے تمام ساحل شام پر اپنے قبضہ کو مکمل کر لیا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس کو فتح کر کے وہاں اپنا ایک بادشاہ مقرر کیا۔ اور ملک شام کا جس قدر علاقہ انہوں نے فتح کر لیا تھا۔ وہ سب بیت المقدس کی اس عیسائی سلطنت میں شامل ہوا۔ اس طرح ملک شام کے اندر ایک چھوٹی سی عیسائی سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ اور وہ اس لئے بہت زبردست تھی۔ کہ اس کو مسلسل براعظم یورپ کے ملکوں سے فوجی و مالی امداد پہنچتی رہتی تھی۔ ان عیسائیوں کے مقابلے میں مصر کی سلطنت عبیدی سے کچھ نہ ہو سکا۔ حالانکہ عیسائیوں نے زیادہ تر انہیں شہروں اور اسی حصہ ملک پر قبضہ کیا تھا۔ جو سلطنت مصر کے قبضے میں تھا۔ دمشق کو جو سلجوقی سرداروں کی حکومت میں تھا۔ عیسائی فتح نہ کر سکے اور نہ ان کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ ملک شام کے مشرقی حصے کی طمع کریں۔ سلجوقی سردار اور سلجوقی سلاطین اس زمانے میں خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ اگر وہ اپنی خانہ جنگیوں کو ملتوی کر کے عیسائیوں کی طرف متوجہ ہو جاتے تو بڑی آسانی سے ان کو مار کر نکال دیتے اور بیت المقدس میں ان کے قدم نہ جمنے دیتے۔ بہر حال عیسائیوں کی سلطنت یا ریاست شام کے مغربی ساحل پر اس لئے قائم ہو سکی کہ سلجوقی امرا آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور مصر کی دولت عبیدیہ

نے اپنی کمزوری اور ناعاقبت اندیشی سے عیسائیوں کو چیرہ دستی کا موقع دیا۔
۵۱۵ھ میں آمر عبیدی نے وزیرالسلطنت کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو ناپسند کرکے اُسے دھوکے سے قتل کردیا۔ اور ایک دوسرا وزیر مقرر کرکے اُس کو جلال الاسلام کا خطاب دیا۔ چار سال کے بعد جلال الملک سے بھی ناراض ہوا۔ اور ۵۱۹ھ میں جلال الاسلام۔ اُس کے بھائی موتمن اور اُس کے ہوا خواہ نجیب الدولہ کو بھی قتل کردیا۔ آخر ۵۲۴ھ میں قرامطہ یا فدائیوں کے ایک گروہ نے سواری کے وقت حملہ کرکے آمر عبیدی کو قتل کردیا۔ چونکہ اُس نے کوئی بیٹا نہ چھوڑا تھا۔ اس لئے اُس کے چچازاد بھائی عبدالمجید نے تخت نشین ہوکر اپنا لقب "حافظ لدین اللہ" رکھا۔ لوگوں نے حافظ لدین اللہ کے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی۔ کہ آمر کی حاملہ بیوی کے پیٹ سے اگر لڑکا پیدا ہوا۔ تو وہ مستحق حکومت سمجھا جائے گا۔

حافظ عبیدی

حافظ عبیدی نے تخت نشین ہوکر یکے بعد دیگرے بہت سے وزیروں کو قتل کیا ہر ایک وزیر موقع پاکر اور امور سلطنت پر مستولی ہونے کے بعد مخالفت کا اظہار کرتا۔ اور قتل ہوتا تھا۔ آخر اُس نے اپنے بیٹے کو وزیر بنایا۔ اُس نے بھی موقع پاکر باپ کے خلاف خود تخت نشین ہونے کی سازش و کوشش کی۔ آخر حافظ عبیدی نے رضوان نامی ایک سنی المذہب کو اپنا وزیر بنایا کچھ دنوں کے بعد رضوان بھی شیعوں اور امامیوں کی مسلسل مخالفتوں کے باعث اس عہدے سے دستکش ہوا۔ یہ واقعہ ۵۳۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد حافظ عبیدی نے کسی کو اپنا وزیر نہیں بنایا۔ آخر ۵۴۴ھ میں حافظ لدین اللہ ستر سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابو منصور اسمٰعیل تخت نشین ہوا اور "ظافر باللہ" اپنا لقب تجویز کیا

ظافر بن حافظ عبیدی

ظافر نے تخت نشین ہوکر عادل بن سلار والی بن اسکندریہ کو اپنا وزیر بنایا۔ عادل نے نظم و نسق سلطنت اپنے ہاتھ میں لیکر ظاہر کو شاہ شطرنج بنادیا۔ ۵۴۸ھ میں عیسائیوں نے عسقلان کا محاصرہ کیا۔ اہل عسقلان نے محصور ہوکر دربار قاہرہ میں امداد و اعانت کی درخواست بھیجی یہاں سے وزیرالسلطنت عادل نے اپنے ربیب عباس بن ابی الفتوح کو فوج دیکر عسقلان سے عیسائیوں کا محاصرہ اُٹھانے کی غرض سے روانہ کیا۔ یہاں ظافر اور عباس میں یہ سازش ہوگئی تھی۔ کہ عادل کو قتل کیا جائے۔ چنانچہ عباس خود فوج لیکر بلبیس میں جاکر مقیم ہوا۔ ادھر عباس کے نوعمر بیٹے نصیر نے عادل کا سوتے ہوئے کام تمام کردیا۔ عادل کے قتل کی خبر سُن کر عباس قاہرہ میں واپس چلا آیا۔ اور قلمدان وزارت اُس کو سپرد ہوا اہل عسقلان کی کسی نے خبر نہ لی اُنھوں نے مجبور ہوکر اپنے آپ کو عیسائیوں کے حوالے کردیا۔ اور عیسائیوں نے عسقلان پر قابض ہوکر دولت عبیدیہ کی کمزوری و نالائقی کے راز کو اور بھی فاش کردیا۔ نصیر بن عباس جس کا نام اوپر ابھی آچکا ہے ظافر عبیدی کا ندیم خاص اور روز و شب کا مصاحب و جلیس تھا۔ ان کے اور ظافر کے تعلقات کی نسبت لوگوں میں بُرے بُرے خیالات کا اظہار ہوتا تھا نصیر نے ایک روز ماہ محرم ۵۴۹ھ میں ظافر کی ضیافت کی۔ ظافر نصیر کے یہاں آیا نصیر نے ظافر اور اُس کے ہمراہیوں کو قتل کراکر اُسی مکان میں دفن کردیا۔ دوسرے دن وزیرالسلطنت عباس بن ابی الفتوح حسب دستور قصر سلطنت میں گیا۔ اور خدام سے بادشاہ ظافر کو دریافت کیا اُنھوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد عباس واپس چلا آیا۔ خدام محلسرائے عباس کے واپس جانے پر ظافر کے بھائی جبرئیل اور یوسف کے پاس گئے اور ظافر کے نصیر کے مکان پر جانے اور وہاں سے اب تک واپس نہ آنے کا حال بیان کیا۔

یوسف، اور جبرئیل نے کہا کہ تم اس کیفیت کو وزیر السلطنت عباس سے جا کر بیان کرو۔ خدام نے عباس کے پاس آکر یہ حال سنایا۔ عباس نے کہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ یوسف اور جبرئیل کی سازش سے پادشاہ ظافر قتل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً ظافر کے ان دونوں بھائیوں کو گرفتار کرا کر بلوایا اور فوراً قتل کرا دیا۔ ساتھ ہی حسن بن حافظ کے دونوں لڑکوں کو بھی قتل کرا دیا۔ اس کے بعد محل سرائے سلطانی میں جا کر ظافر کے بیٹے عیسیٰ ابو القاسم کو زبردستی گود میں اٹھا لایا۔ تخت سلطنت پر لا کر بٹھا دیا۔ اور "فائز بنصر اللہ" کا لقب تجویز کر کے لوگوں سے اس کے نام پر بیعت لی۔ خاندان سلطنت کے پانچ آدمیوں کے اس طرح مقتول ہونے پر بیگمات سلطنت نے صالح بن زریک کے پاس پوشیدہ طور پر ایلچی روانہ کئے۔ جو ان دنوں المومنین دبنسہ کا عامل تھا۔ اور تمام حالات سے اس کو اطلاع دے کر عباس کی بیخکنی کی درخواست کی چنانچہ صالح بن زریک فوجیں فراہم کر کے قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ عباس یہ دیکھ کر کہ اہل قاہرہ بھی میرے مخالف ہو گئے ہیں قاہرہ سے اپنے بیٹے نصیر اور اپنے دوست اسامہ بن منقذ کو ہمراہ لیکر اپنی خاص جمعیت کے ساتھ شام و عراق کے قصد سے روانہ ہوا۔ اثناء راہ میں عیسائیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ لڑائی میں عباس کام آیا۔ نصیر گرفتار ہوا اور اسامہ بچ کر نکل گیا۔ اور ملک شام میں پہنچ گیا۔ عباس کے نکل جانے کے بعد صالح قاہرہ میں بماہ ربیع الثانی ۵۴۹ھ پہنچا۔ نصیر کے مکان میں سے ظافر کی لاش کو کھود کر نکالا۔ اور شاہی قبرستان میں دفن کیا۔ اور ظافر کے بیٹے فائز کی بیعت کی فائز نے اس کو "ملک الصالح" کا خطاب دیا۔

فائز بن ظافر عبیدی

صالح نے وزیر السلطنت ہو کر امور سلطنت کا بندوبست شروع کیا۔ اس کے بعد عیسائیوں سے خط و کتابت کر کے نصیر بن عباس کو زر معاوضہ دیکر حاصل کیا۔ جب نصیر کو عیسائیوں نے روپیہ لے کر قاہرہ میں پہونچا دیا۔ تو صالح نے اس کو قتل کر کے اس کی لاش کو منظر عام پر لٹکا دیا۔ صالح امامیہ مذہب کا سختی سے پابند۔ اور دولت عبیدیہ کا بڑا خیر خواہ تھا۔ اس نے نصیر کے قتل سے فارغ ہو کر ان سرکش سرداروں کی طرف توجہ مبذول کی جو مزاحمت و مخالفت کی جرأت رکھتے تھے۔ ان میں دو سردار خاص طور پر قابل توجہ تھے۔ ایک تاج الملوک قائماز دوسرا ابن غالب ان دونوں کی گرفتاری پر صالح نے فوجوں اور سرداروں کو مامور کیا۔ یہ دونوں قبل از وقت واقف ہو کر مصر سے فرار ہو گئے۔ ان کے مکانات لوٹ لئے گئے۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر دوسرے تمام سردار بھی سہم گئے اور اطاعت و فرمانبرداری کی گردنیں سب نے جھکا دیں صالح نے قصر سلطنت کے دربان۔ خدام اور تمام آدمی اپنے آوردے مقرر کئے اور پرانے آدمیوں کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد تمام معاملات پر حاوی و مستولی ہونے کے بعد وہ قصر سلطانی کا قیمتی سامان بھی اپنے مکان میں لے آیا۔ فائز عبیدی کی پھوپھی نے صالح کے اقتدار کو حد سے زیادہ بڑھتا ہوا دیکھ کر صالح کی بیخکنی اور قتل کی تدبیریں سوچنی ضروری سمجھیں۔ صالح کو اس کا حال معلوم ہو گیا۔ اس نے خود قصر سلطنت میں جا کر فائز کی پھوپھی کو قتل کرا دیا۔ جس سال فائز تخت حکومت پر بٹھایا گیا ہے اسی سال ملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی نے دمشق کو بنو تتش کے قبضے سے نکال لیا تھا۔ اور عیسائیوں کی سزا دہی کی کوششوں میں مصروف تھا۔ چھ مہینے کی برائے نام حکومت کے بعد۔ پادشاہ فائز عبیدی نے ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

وزیر السلطنت صالح بن زریک نے خدام کو حکم دیا۔ کہ وہ خاندان سلطنت کے لڑکوں کو پیش کریں۔ تاکہ ان میں سے کسی ایک کو تخت سلطنت کے لئے منتخب کیا جائے۔ چنانچہ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن حافظ عبیدی کو تخت سلطنت پر بٹھا کر اس کا لقب "عاضد لدین اللہ" تجویز کیا۔ عاضد اس وقت سن بلوغ کے قریب

پہونچ چکا تھا۔ عاضد کو تخت سلطنت پر بٹھا کر وزیر السلطنت صالح نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔

عاضد بن یوسف عبیدی

عاضد چونکہ صالح ہی نے پادشاہ بنایا تھا۔ لہٰذا وہ ہر طرح صالح کے ہاتھ میں تھا۔ عاضد برائے نام پادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ حقیقتاً پادشاہی وزیر السلطنت صالح کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بات امرائے سلطنت کو گراں گذرتی تھی۔ عاضد کی چھوٹی پھوپی نے جو اپنی مقتول بہن کا انتقام صالح سے لینا چاہتی تھی۔ صالح کے قتل کا بیڑا اُٹھایا۔ اُس نے امرائے سوڈانیہ کو صالح کے قتل پر آمادہ کیا چنانچہ ایک سردار نے موقع پاکر صالح پر نیزہ کا وار کیا وہ زخمی ہوکر گر پڑا اور اپنے مکان پر آکر تھوڑی دیر کے بعد مر گیا۔ مرنے سے پہلے عاضد عبیدی کو وصیت کر گیا۔ کہ میرے بیٹے زریک کو وزیر السلطنت بنا چنانچہ عاضد نے صالح کے بیٹے کو قلمدان وزارت سپرد کرکے "عادل" کا خطاب دیا۔ عادل نے وزیر ہوکر عاضد کی اجازت سے اپنے باپ کے قصاص میں عاضد کی پھوپی اور سوڈانی سردار کو قتل کیا اس کے بعد عادل امور سلطنت کی انجام دہی میں مصروف ہوا۔ اُس نے صعید کے والی شاور سعدی کو معزول کرکے اُس کی جگہ امیر بن رقعہ کو صعید کا والی مقرر کیا۔ شاور یہ خبر سُن کر مقابلہ پر مستعد ہوگیا۔ اور فوراً فوجیں لیکر قاہرہ کی طرف چل دیا۔ عادل اُس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکا۔ اور قاہرہ سے نکل بھاگا شاور ۵۵۸ھ میں مظفر و منصور قاہرہ کے اندر داخل ہوا۔ زریک عادل گرفتار ہوکر آیا۔ اور یک سال وزارت کے بعد مقتول ہوا۔ شاور آتے ہی دارالوزارت پر قابض و متصرف ہوا۔ عاضد نے اُس کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔ نو مہینے کے بعد ضرغام نامی ایک شخص نے جو مجلس ابنٹے کا داروغہ تھا۔ قوت پاکر شاور کو قاہرہ سے نکال دیا۔ اور خود دارالوزارت پر قابض ہوگیا۔ شاور مصر سے نکلکر شام کی طرف روانہ ہوا۔ ضرغام نے شاور کے بیٹے علی کو جو قاہرہ میں تھا۔ گرفتار کرکے قتل کر دیا۔ اور بہت سے امیرا کو جن سے اُس کو مخالفت کا اندیشہ تھا قتل کیا۔

شاور نے شام میں پہنچکر ملک العادل نورالدین محمود زنگی کے دربار میں حاضر ہوکر مصر کے تمام حالات بیان کئے اور امداد کی درخواست کرکے یہ وعدہ کیا کہ اگر مجھکو مصر کی وزارت پر پھر بحال کرا دیا گیا تو میں امرائے لشکر امدادی کی جاگیروں کے علاوہ مصر کے ایک حصے پر دولت نوریہ کا قبضہ کرا دوں گا۔ سلطان نورالدین نے بہت غور و تامل کے بعد اپنے سپہ سالار اسدالدین شیرکوہ کو ماہ جمادی الآخر ۵۵۹ھ میں شاور کے ساتھ معہ ایک فوج کے بھیجدیا۔ اسدالدین کو ہدایت کی گئی کہ مصر پہنچکر ضرغام کو معزول کرکے شاور کو وزارت کے عہدے پر بحال کر دیا جائے۔ اور جو کوئی اِس کام میں مزاحم ہو اُس سے جنگ کی جائے۔ شاور و شیرکوہ کو مصر کی جانب روانہ کرکے سلطان نورا خود عیسائیوں کی طرف فوج لیکر روانہ ہو گئے۔ تاکہ عیسائی اپنی سرحد کے قریب شیرکوہ کی فوج پر حملہ آور نہ ہوں شیرکوہ اور شاور بلبیس تک بڑھتے چلے گئے بلبیس کے مقام پر ضرغام کے بھائی ناصرالدین فخرالدین مصری لیکر مقابلہ پر آئے۔ شیرکوہ نے دونوں کو شکست دیکر گرفتار کر لیا۔ اور فاتحانہ قاہرہ میں داخل ہوا ضرغام وزارت چھوڑ کر بھاگ نکلا مگر راستہ میں گرفتار ہوکر مقتول ہوا۔ اسی طرح ناصرالدین و فخرالدین بھی قتل کر دیئے گئے۔ شاور پھر وزیر اعظم بن گیا۔ اب وزیر اعظم بن جانے کے بعد شاور نے شیرکوہ کے ساتھ بدعہدی کی اور اپنا کوئی وعدہ پورا نہ کیا۔ مجبوراً شیرکوہ مصر سے شام کی طرف واپس ہوا

اورشاور کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔ شاور نے بجائے اس کے کہ اس احسان کا کوئی معاوضہ ادا کرتا یا کم از کم احسانمندی کا اظہار اخلاقی طور پر کرتا۔ دولت نوریہ کی مخالفت میں عیسائیوں سے سازباز شروع کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر شیرکوہ نے سُلطان نورالدینؒ سے اجازت لیکر ۵۶۲ھ میں مصر پر فوجکشی کی۔ مصر پر فوجکشی کرنا اس لئے دشوار کام تھا۔ کہ راستے میں عیسائی مقبوضات میں ہوکر گذرنا پڑتا تھا۔ مگر شیرکوہ اپنی فوجوں کو صاف نکال کر لے گیا۔ اور مصر کے بعض شہروں پر قبضہ کرلیا۔ شاور نے فوراً عیسائیوں سے امداد طلب کی عیسائی تو ایسے زرین موقع کے منتظر ہی تھے۔ وہ فوراً شاور کی مدد کے لئے فوجیں لیکر پہنچ گئے۔ شاور اور عیسائیوں کی متفقہ فوج کے مقابلے میں اسدالدین شیرکوہ کی مٹھی بھر فوج جس کی تعداد دو ہزار سے بھی کم تھی۔ کوئی حقیقت ہی نہ رکھتی تھی۔ مگر اُس نے خدا پر بھروسہ کر کے مقابلہ کیا۔ اور دونوں فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ شیرکوہ کی مصر میں پہلے سے دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے مقبوضہ علاقے پر مستقل بندوبست کرتا ہوُا اسکندریہ کی طرف بڑھا۔ اہل شہر نے فوراً شہر حوالے کر دیا۔ شیرکوہ نے اسکندریہ میں اپنے بھتیجے صلاح الدین بن نجم الدین ایوب کو حاکم مقرر کیا۔ اور خود صعید کی طرف بڑھا۔ اور مصری فوجیں قاہرہ میں جمع ہو رہی تھیں۔ اُنھوں نے شیرکوہ کے اسکندریہ سے صعید کی طرف روانہ ہونے کی خبر سُنتے ہی اسکندریہ پر حملہ کی تیاری کی اور قاہرہ سے کوچ کیا۔ شیرکوہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مصریوں اور عیسائیوں نے متفقہ طور پر اسکندریہ پر حملہ کیا ہے تو وہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کی امداد کے لئے فوراً اسکندریہ کی طرف لوٹا۔ شاور نے اس عرصہ میں ایک خاص سازشی جال پھیلا کر شیرکوہ کی ہمراہی فوج کے بعض سرداروں کو اپنی طرف مائل کرلیا تھا۔ اور وہ سردار لڑائی میں سرد مہری سے کام لینے لگے تھے۔ شیرکوہ کو اس سازش کا حال معلوم ہوگیا۔ اُدھر شاور کی طرف سے شیرکوہ کے پاس پیغام پہنچا کہ تم ہم سے تاوان جنگ وصول کرلو اور اسکندریہ کو چھوڑ کر اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ۔ تمام حالات اور نتائج وعواقب پر غور کرنیکے بعد شیرکوہ نے شاور کی اس درخواست کو قبول کرلینا ہی مناسب سمجھا چنانچہ وہ اسکندریہ چھوڑ کر اور تاوان جنگ لیکر شام کی طرف واپس ہوُا۔ یہ واقعہ ۵۶۲ھ ماہ ذیقعدہ وقوع پذیر ہوُا۔ شاور کی اس ناعاقبت اندیشی کے نتائج بہت بُرے نکلے جو اُسنے عیسائیوں کو مصر میں بُلا کر کی شیرکوہ کے واپس چلے جانے کے بعد عیسائی لشکر نے مصر میں مستقل قیام کرنے اور عیسائیوں نے مصر پر قبضہ کرنے کی بنیاد ڈالی چنانچہ انھوں نے شاور کے سامنے مندرجہ ذیل شرائط پیش کئے اور شاور نیز عاضد عبیدی کو وہ شرائط قبول ومنظور کرنے پڑے۔ (۱) عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی (۲) عیسائیوں کی طرف سے ایک ناظم قاہرہ میں رہا کریگا۔ (۳) شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہیگا (۴) حکومت مصر ایک لاکھ دینار سالانہ بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ کو ادا کیا کریگا۔

جب اس طرح عیسائیوں نے مصر میں اپنے قدم جما لئے تو اُنھوں نے سلطنت مصر کے کاموں میں دخل اندازی شروع کی بلبیس کو عیسائی حکومت میں شامل کرلیا۔ پھر دارالسلطنت قاہرہ پر قبضہ کرنے پر آمادہ ہوگئے اور شاور کو اپنا طرفدار بنا کر عیسائی فوجیں بڑی تعداد میں بُلوالیں۔ اور بجائے ایک لاکھ دینار کے دو لاکھ دینار اور بمقدار کثیر غلہ کا مطالبہ کیا۔ عاضد عبیدی بادشاہ مصر کو یہ رنگ دیکھ کر بہت فکر ہوئی۔ اُس نے ایک قاصد سلطان نورالدین محمود علیہ الرحمۃ کے پاس بھیجا۔ اور درخواست کی کہ عیسائیوں کو جو مصر پر مستولی ہوگئے ہیں۔ خارج کرنے میں مدد کیجئے اور بلاتوقف فوجیں بھیجئے۔ شاور کو جب یہ حال معلوم ہوُا کہ عاضد نے سلطان نورالدین سے

مدد طلب کی ہے تو اس نے عاضد کو سمجھانے اور اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا کہ ترکوں کے مقابلے میں عیسائیوں کا باجگذار بن جانا اچھا ہے۔ مگر عاضد نے اُس کو کوئی جواب نہیں دیا۔ سلطان نور الدین محمودؒ نے اپنے سپہ سالار شیرکوہ کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اُس کے ساتھ اس کے بھتیجے صلاح الدین اور دوسرے سرداروں کو بھی روانہ کیا۔ چنانچہ اسد الدین شیرکوہ مع لشکر و سرداران فوج مصر کی جانب روانہ ہوا۔ ماہ جمادی الاول ۵۶۴ھ میں قاہرہ کے قریب پہنچا۔ عیسائی لشکر یہ سنتے ہی قاہرہ سے فرار ہوا۔ شیرکوہ نے عیسائی لشکرگاہ کو لوٹا۔ اور بادشاہ عاضد کی خدمت میں حاضر ہوا عاضد نے شیرکوہ کو خلعت عطا کیا اور بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا شیرکوہ اور اُس کے لشکر کو مہمان رکھا۔ اور ایک روز موقع پا کر شیرکوہ سے کہا کہ شاور چونکہ عیسائیوں کا خیر خواہ اور ہمارا دشمن ہے اس کو قتل کر دو۔ چنانچہ شیرکوہ نے اپنے سرداروں کو شاور کے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اور شاور کا سر اُتار کر عاضد کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ عاضد نے شیرکوہ کو وزارت کا عہدہ دے کر "امیر الجیوش" اور "منصور" کا خطاب دیا۔ شیرکوہ کا تعلق سلطان نور الدین محمود سے بھی بدستور باقی تھا۔ اور وہ سلطان نور الدین محمود کی اجازت ہی سے مصر میں بطور وزیر اعظم کام کرتا تھا۔ چند ہی مہینے کے بعد ۵۶۴ھ میں شیرکوہ کا انتقال ہو گیا۔ عاضد نے اس کے بھتیجے صلاح الدین کو عہدۂ وزارت عطا کیا۔ صلاح الدین نے بھی اپنی وفاداری اور تعلقات کو سلطان نور الدین محمود سے برابر قائم رکھا۔ شیرکوہ کی وزارت سے عاضد بہت خوش تھا۔ اور تمام سیاہ سفید کا اختیار اُس کو دے دیا تھا۔ اسی طرح صلاح الدین کو بھی کلی طور پر اختیارات حکمرانی حاصل تھے۔ شیرکوہ اور صلاح الدین دونوں امام شافعیؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ صلاح الدین ایوب نے شیعہ قاضیوں کو موقوف کر کے شافعی قضاۃ مامور کئے۔ مدرسہ شافعیہ اور مدرسہ مالکیہ کی بنیاد رکھی۔ ۵۶۴ھ میں جب شیرکوہ نے عیسائی فوجوں کو مصر سے نکال کر خود بطور وزیر اعظم مصر کا انتظام شروع کیا تو عیسائیوں کو وہ خراج ملنا بھی موقوف ہو گیا۔ جو وہ مصر سے حاصل کرنے لگے تھے۔ نیز عیسائیوں کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ دمشق و قاہرہ کی اسلامی حکومتوں میں جب اتحاد قائم ہو گیا ہے تو اب بیت المقدس پر قبضہ قائم رکھنا دشوار ہے۔ لہذا انہوں نے صقلیہ اور اندلس کے پادریوں کو پیغام بھیجا کہ بیت المقدس کے بچانے اور عیسائی حکومت کے یہاں قائم رکھنے کے لئے امداد کی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ ان ملکوں میں پادریوں نے جہاد کے وعظ کہنے شروع کئے۔ اور اندلس وغیرہ سے عیسائی فوجیں روانہ ہو ہو کر ساحل شام پر آ آ کر اُترنا شروع ہوئیں۔ عیسائیوں نے یورپ سے ہر قسم کی امداد پا کر اور خوب طاقتور ہو کر ۵۶۵ھ میں دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ دمیاط کے عامل شمس الخواص منکور نامی نے صلاح الدین ایوب کو مطلع کیا۔ ادھر مصر میں شیعہ لوگ وزیر السلطنت صلاح الدین ایوب سے ناراض تھے۔ صلاح الدین نے ایک افسر بہاؤ الدین قراقوش کو فوج دے کر دمیاط کی طرف بھیجا۔ اور سلطان نور الدین محمود کو لکھا کہ میں شیعوں اور سوڈانیوں کی وجہ سے مصر کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لئے خود دمیاط کی طرف نہیں جا سکا۔ آپ بھی دمیاط کی طرف التفات مبذول رکھیں۔ چنانچہ سلطان نور الدین محمود نے فوراً دمیاط کی جانب تھوڑی سی فوج بھیجی۔ اور عیسائیوں کی توجہ اور طاقت کے تقسیم کرنے کے لئے ساحل شام کے عیسائی علاقوں پر حملہ آوری شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی یعنی صلیبی جنگجو پچاس دن کے محاصرے کے بعد دمیاط کو چھوڑ کر اپنے شہروں کی طرف واپس آئے تو ان کو بھی سلطان نور الدین کے حملوں سے خراب و ویران پایا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے اپنے باپ نجم الدین ایوب کو ملک شام سے مصر میں بلوایا۔ بادشاہ عاضد خود نجم الدین ایوب سے ملنے آیا۔ اور بہت کچھ تواضع و مدارات کی۔ بادشاہ عاضد ہمیشہ سلطان صلاح الدین ایوب کے کاموں کا مداح رہتا تھا۔ اور خود اُس نے امور سلطنت

سے بے تعلقی اختیار کر لی تھی۔ مصر کے شیعوں کو صلاح الدین کا اقتدار و اعزاز اور اختیار و طاقت بیحد گراں گذرتی تھی۔ صلاح الدین کی وجہ سے مصر میں دم بدم شیعیت کو تنزل اور سنی مذہب کو ترقی تھی۔ آخر عمارہ یمنی زبیدی۔ عویرش قاضی القضاۃ معزول۔ عبد الصمد کاتب۔ موتمن الخلافت سردار خدام قصر سلطانی وغیرہ نے ملکر ایک سازش کی۔ اور یہ رائے قرار پائی۔ کہ مصر کے ملک کو عیسائیوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اور عیسائی سفیر کو بلوا کر بادشاہ عاضد سے اس کی خفیہ ملاقات کرائی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک طرف عاضد کو ہموار کرنے کی کوشش کی دوسری طرف عیسائیوں سے خط و کتابت کر کے اُن کے سفیر کو پوشیدہ طور پر بلوایا اتفاقاً ان لوگوں کا ایک خط جو انہوں نے عیسائی بادشاہ کے پاس روانہ کیا تھا۔ راستے میں پکڑا گیا۔ اور صلاح الدین کی خدمت میں پیش ہؤا۔ صلاح الدین نے مجرموں کا نہایت احتیاط کے ساتھ پتہ لگایا۔ اور سب کو گرفتار کر کے دربار عام میں حق کے اظہار قلم بند کئے۔ جب وہ سب مجرم ثابت ہوئے تو ان کو قتل کیا۔ اور بہاؤ الدین قراش کو محلسرائے سلطانی کا داروغہ مقرر کیا۔

سلطان العادل یعنی سلطان نور الدین محمود پہلے سے صلاح الدین ایوب کو لکھتے رہتے تھے۔ کہ تم مصر میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھواؤ۔ مگر صلاح الدین یہ معذرت کر دیا کرتا تھا۔ کہ اگر عاضد عبیدی کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ مصر میں سخت فساد اور فتنہ برپا ہو جائے۔ صلاح الدین کا یہ اندیشہ غیر معقول نہ تھا۔ کیونکہ سوڈانیوں کی ایک بڑی تعداد مصر میں موجود تھی۔ جو ترکوں کی مخالفت اور شیعہ سازشی لوگوں کی حمایت پرستعدی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مذکورہ سازش کے شرکاء کو جب صلاح الدین نے قتل کیا تو ان سوڈانیوں نے جو پچاس ہزار کی تعداد میں تھے۔ صلاح الدین اور ترکوں کی فوج کے خلاف ہتھیار سنبھال لئے۔ قصر سلطنت اور قصر وزارت کے درمیان ترکوں اور سوڈانیوں میں جنگ عظیم برپا ہوئی ترک غالب ہوئے۔ سوڈانی بہت سے مقتول اور باقی مفرور ہوئے۔ اُن کے گھروں کو ترکوں نے لوٹ لیا۔ صلاح الدین نے سوڈانیوں کو امن عطا کر کے اُن کے گھروں میں آباد کرا دیا۔ اس طرح سوڈانیوں کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ اب سلطان العادل نے پھر صلاح الدین کو لکھا کہ عاضد کے نام کا خطبہ موقوف کر کے خلیفہ مستضئ عباسی کے نام کا خطبہ پڑھواؤ۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ بادشاہ عاضد بیمار اور مرض الموت میں گرفتار تھا۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ کو جامع مسجد قاہرہ کے منبر پر بغداد کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور کسی شخص نے اس کو ناپسند نہ کیا۔ اگلے جمعہ کو صلاح الدین کے حکم فرمان کی موافق تمام ملک مصر کی مسجدوں میں خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی عرصہ میں ۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو بادشاہ عاضد عبیدی نے وفات پائی۔ صلاح الدین نے دربار عزاداری منعقد کیا۔ اور قصر سلطانی کے تمام مال و اسباب کا جائزہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی دولت عبیدیین کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ملک مصر پھر خلافت عباسیہ بغداد کی حدود میں داخل ہوا۔ صلاح الدین ایوب کے نام خلیفہ بغداد کی طرف سے حکومت مصر کی سند خطاب سلطانی اور خلعت و علم آ گیا۔ اور دولت عبیدیین کے بعد مصر میں دولت ایوبیہ کی ابتدا ہوئی۔

دولت عبیدیین دو سو ستر سال تک قائم رہی۔ ابتداءً عبیدیوں کی حکومت افریقیہ یعنی ملک مغرب میں قائم ہوئی۔ پھر مصر پر قابض ہو کر انہوں نے قاہرہ کو دار السلطنت بنایا۔ مراقش کی سلطنت ادریسیہ کو بھی لوگ عام طور پر علویوں اور شیعوں کی سلطنت سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ادریسیہ سلطنت نسباً بربری اور اس نے

نیم شیعہ یا برائے نام شیعہ سلطنت تھی۔ ادریسیوں کے اعمال و عبادات و عقائد میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جس کو سُنیوں کے مقابلے میں ما بہ الامتیاز قرار دیا جا سکے۔ نہ ادریسیوں کو سنیوں سے کوئی عداوت و نفرت تھی نہ اُن کے عقائد و عبادات میں کوئی فرق تھا۔ بجز اس کے کہ اس سلطنت کی ابتدا ادریس اول سے ہوئی تھی۔ جس نے محبتِ اہلبیت کے مشہور ہتھیار سے کام لیکر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس کے بعد ادریسیوں میں کوئی شیعی خصوصیت نہیں دیکھی گئی۔ ہاں عبیدیین کی حکومت ضرور شیعی حکومت تھی۔ لیکن نسباً وہ علوی حکومت ہرگز نہ تھی۔ عبید اللہ کا دادا تاریخ الخلفا سیوطی کی روایت کے موافق مجوسی اور یہود کا دولہار و بیتر گر تھا۔ عبید اللہ مہدی نے ملک مغرب میں جاکر علوی فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا مگر علماء نسب نے اس کے دعوے کو تسلیم نہیں کیا۔ ایک مرتبہ عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کے نام ایک خط بھیجا۔ جس میں ہجو و دشنام درج تھیں خلیفہ اموی نے اس کے جواب میں عزیز عبیدی کو لکھا کہ تجھ کو چونکہ ہمارا نسب معلوم تھا۔ اس لئے تو نے ہجو کی۔ اگر ہم کو تیرا نسب معلوم ہوتا تو ہم بھی تیری طرح تیرے بزرگوں کی نسبت ہجو کرتے۔ عزیز کو یہ جواب بہت ہی گراں گذرا مگر کوئی جواب نہ دے سکا عبیدیین کو عام طور پر لوگ فاطمیین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی جہالت اور غلطی ہے۔ عبیدیین عام طور پر اسمٰعیلی شیعہ تھے۔ انہیں کو باطنیہ بھی کہتے ہیں انہیں کی ایک شاخ فارس کی وہ سلطنت تھی۔ جو حسن بن صباح نے قائم کی تھی۔ جس کا دار الحکومت قلعہ الموت تھا۔ اسی کو فدائیوں کی حکومت بھی کہتے ہیں۔ وہ بھی علوی نہ تھے۔ عبیدیین کی حکومت میں ہزارہا صلحاء محض اس لئے مقتول ہوئے کہ وہ صحابہ کرامؓ کو بُرا نہ کہتے تھے۔ عبیدیین سے اسلام کو کوئی نفع نہیں پہنچا اور ان کا کوئی جنگی، علمی، اخلاقی کارنامہ ایسا نہیں جس پر فخر کیا جا سکے۔ بعض علما نے عبیدیین کو خارج از اسلام اور مرتد بھی قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض مثلاً عزیز عبیدی نے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شراب خوری کو یہ لوگ جائز سمجھتے تھے۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں ان کے عہد حکومت میں پائی جاتی تھیں۔ جن کے سبب ان کو علماء اسلام نے ننگ اسلام سمجھا ہے بہرحال عبیدیین کی سلطنت کے تاریخی حالات جو کچھ تھے وہ بیان ہو چکے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرامطہ بحرین اور اُن کی دولت و حکومت کے حالات بھی عبیدیین کے بعد درج کر دیئے جائیں۔

قرامطۂ بحرین

بحرین ایک ملک کا نام ہے۔ جس کے مشرق میں خلیج فارس جنوب میں عمان مغرب میں ملک یمامہ اور شمال میں صوبہ بصرہ ہے۔ اس ملک میں بحرین نام کا ایک شہر ہے۔ اُسی شہر کے نام سے اس ملک کا نام بحرین مشہور ہوا۔ اس ملک میں ایک دوسرا شہر ہجر ہے۔ لہٰذا کبھی ملک بحرین کو ملک ہجر کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ایک تیسرا مشہور شہر اس ملک میں حضیریہ تھا۔ جس کو قرامطہ نے ویران کرکے اُس کی جگہ احساء آباد کیا چنانچہ اس ملک کا نام احساء بھی لیا جاتا ہے۔ شہر احساء ہی قرامطہ کا مرکز و منبع تھا۔ جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے۔

قرامطہ کا تذکرہ دوسری جلد میں مجمل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ عبیدیین اور قرامطہ کا ظہور ایک ہی زمانے میں ہوا دونوں شیعہ اسمٰعیلیہ اور بظاہر ایک ہی سے عقائد و اعمال کے وارث تھے ۲۷۸ھ میں

ایک شخص یحییٰ بن فرج مضافات کوفہ میں ظاہر ہوا۔ وہ اپنے آپ کو قرمط کے نام سے موسوم کرتا اور کہتا تھا کہ میں مہدیٔ موعود کا ایلچی ہوں۔ اپنے اوقات زیادہ تر زہد و عبادت میں بسر کرتا اور لذات دنیوی سے دور و مہجور رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اُس کی طرف مائل ہونے لگے۔ وہ ہر ایک معتقد و مرید سے ایک دینار امام مہدیٔ موعود کے لئے وصول کیا کرتا تھا۔ جب اُس کے مریدین کی تعداد بڑھ گئی تو اُس نے اُن میں سے بعض کو اپنا نقیب مقرر کر کے ملک میں اِدھر اُدھر روانہ کیا کہ لوگوں کو اُس کی طرف مائل و متوجہ کریں۔ گورنر کوفہ نے ان حالات سے مطلع ہو کر قرمط کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ چند روز کے بعد محافظین کو غافل پا کر قرمط جیلخانے سے بھاگ گیا۔ اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ اور کیا ہوا۔ اس طرح غائب ہو جانے سے اُس کے مریدین و معتقدین اَور بھی زیادہ اُس کے قائل ہو گئے۔ اور اُن کو یقین کامل ہو گیا کہ وہ ضرور امام مہدی موعود کا ایلچی تھا۔ قرمط نے اپنے معتقدین کو جن عقائد و اعمال کی تعلیم دی تھی۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب تھے۔ نماز بھی اَور ہی قسم کی تھی۔ روزے بھی رمضان کے نہیں بلکہ سال کے خاص خاص مہینوں کے خاص خاص ایام میں رکھے جاتے تھے۔ شراب کو اس نے حلال بتا کر نبیذ کو حرام ٹھہرایا تھا۔ غسل جنابت کے لئے صرف وضو کافی تھا۔ دُم دار اور پانچ انگلیوں والے جانور حرام تھے۔ چند بعد کے بعد یحییٰ بن فرج یعنی قرمط پھر نمودار ہوا۔ اور اپنے آپ کو "قائم بالحق" کے لقب سے ملقب کر کے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے لگا۔ احمد بن محمد طائی والی کوفہ نے فوج لیکر اس پر حملہ کیا۔ اور اس کی جمعیت کو منتشر و پریشان کر دیا۔ اس کے بعض قبائل عرب اس کے معتقد ہو گئے۔ اور سنہ ۲۸۹ھ میں اس جماعت نے دمشق پر حملہ کیا۔ دمشق کے حاکم طغج نے متعدد لڑائیوں کے بعد یحییٰ کو قتل اور اس کی جماعت کو منتشر کر دیا یحییٰ کے بعد اُس کے بھائی حسین نے اپنے آپ کو "مہدی امیر المومنین" کے لقب سے ملقب کر کے لوگوں کو فراہم کیا۔ اور بادیہ نشین عربوں کی ایک جمعیت لیکر دمشق و شام کے مضافات میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ سرداران خلافت عباسیہ ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے۔ اس کا ایک بیٹا ابو القاسم بھاگ گیا۔ اور خود "مہدی امیر المومنین" گرفتار ہو کر مقتول ہوا یہ واقعہ سنہ ۲۹۱ھ کا ہے۔ حسین کا بھائی علی بھی فرار ہو کر بچ گیا تھا۔ اُس نے اپنے گرد ایک جماعت بادیہ نشینوں کی جمع کر کے طبریہ کو لوٹ لیا۔ جب اُس کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی گئی۔ تو وہ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں اُس نے یمن کے ایک علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور شہر صنعاء کو لوٹا۔ اسی گروہ قرامطہ کے ایک شخص موسوم بہ ابو غانم نے طبریہ کے نواح میں لوٹ مار شروع کی آخر ۲۹۳ھ میں ابو غانم بھی مارا گیا۔ اِدھر قرامطہ نے یمن و حجاز و شام میں بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ اُدھر قرمط یعنی یحییٰ بن فرج کے جیلخانے سے غائب ہونے کے بعد ایک اور شخص نے جس کا نام بھی یحییٰ تھا۔ شہر بحرین کے متصل موضع قطیف میں ظاہر ہو کر ۲۸۱ھ میں یہ دعویٰ کیا۔ کہ میں امام مہدی موعود کا ایلچی ہوں اور بہت جلد امام مہدی ظاہر ہونے والے ہیں ساتھ ہی اُس نے کہا کہ میں امام مہدی کا ایک خط بھی لایا ہوں۔ یہ سُن کر علی بن معلی بن حمدان نے جو غالی شیعہ تھا۔ قطیف کے تمام شیعوں کو جمع کیا۔ اور امام مہدی کے اُس خط کو سُنایا۔ جو یحییٰ نے پیش کیا تھا۔ اس خط کو سُن کر شیعہ لوگ بہت ہی خوش ہوئے مضافات بحرین میں یہ خبر عام طور پر پھیل گئی۔ اور لوگ امام مہدی کے ساتھ خروج کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے انہیں لوگوں میں ابو سعید حسن بن بہرام جنابی بھی تھا۔ جو ایک معزز اور سر برآوردہ شخص تھا۔ چند بعد کے بعد یحییٰ غائب ہو گیا۔ اور ایک دوسرا خط امام مہدی کا لئے ہوئے آیا جس میں امام مہدی نے یہ حکم لکھا تھا کہ ہر شخص چھتیس چھتیس ۳۶

دینار یحییٰ کو ادا کرے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل سب نے بخوشی کی یہ روپیہ وصول کر کے یحییٰ پھر غائب ہو گیا۔ اور چند روز کے بعد ایک تیسرا خط امام مہدی کا لیکر آیا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ ہر شخص امام زمان کے لئے اپنے مال کا پانچواں حصہ یحییٰ کے سپرد کر دے۔ اس حکم کی بھی ان لوگوں نے بخوشی تعمیل کی۔ ابو سعید جنابی چونکہ ایک سربرآوردہ شخص تھا۔ اُس نے شہر بحرین میں بھی جا کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اور لوگوں کو اپنا ہم خیال یعنی امام زمان کا منتظر بنایا رفتہ رفتہ بادیہ نشین عربوں کا ایک گروہ کثیر ابو سعید کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور وہ قرامطہ بھی جو یحییٰ قرمط کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ آ آ کر یحییٰ کے گرد جمع ہونے لگے۔ ابو سعید نے اپنی تمام جماعت کو ایک باقاعدہ فوج کی شکل میں ترتیب دیا۔ اور اس فوج کو ہمراہ لیکر قطیف سے بصرہ کی جانب روانہ ہوا۔ بصرہ کے عامل احمد بن محمد یحییٰ کو جب ابو سعید کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنے آپ کو کمزور پا کر دربار خلافت کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ دربار خلافت سے عباس بن عمر غنوی والی فارس کے نام حکم پہنچا کہ بصرہ کو بچاؤ چنانچہ عباس بن عمر غنوی دو ہزار سوار لیکر روانہ ہوا۔ جب عباس اور ابو سعید کا مقابلہ ہوا تو ابو سعید نے عباس کو گرفتار کر کے اُس کے لشکرگاہ کو لوٹ لیا چند روز کے بعد عباس کو تو رہا کر دیا۔ مگر۔ اس کے ہمراہیوں کو جو گرفتار ہوئے تھے۔ قتل کر دیا۔ اس کامیابی سے ابو سعید کا دل بڑھ گیا۔ اور اُس نے ہجر پر حملہ کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ اور اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی۔ ابو سعید اور اُس کی جماعت کے اعمال و عقاید بھی بہت کچھ وہی تھے۔ جو اوپر قرمط یحییٰ کے بیان ہوئے۔ اس لئے یہ بھی قرمطی ہی کے نام سے موسوم ہوئے۔ ابو سعید نے اپنی حکومت کی بنیاد قائم کر کے اپنے بیٹے سعید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ یہ بات ابو سعید کے چھوٹے بھائی ابو طاہر سلیمان کو ناگوار گذری اُس نے ابو سعید کو قتل کر دیا۔ اور خود اس گروہ قرامطہ کا حکمران بن گیا۔ ابو طاہر نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر سنہ ۲۸۷ھ میں بصرہ پر حملہ کیا۔ اور بصرہ کو اچھی طرح لوٹ مار سے پامال کر کے بحرین کی طرف واپس ہوا۔ اس خبر کو سُن کر دار الخلافہ بغداد میں بڑی تشویش پیدا ہوئی۔ اور خلیفہ مقتدر نے بصرہ کی شہرپناہ کے درست کرنے کا حکم دیا۔ ابو طاہر کامیابی کے ساتھ علاقہ بحرین میں حکومت کرتا رہا۔ اسی دوران میں اُس نے عبید اللہ مہدی سے بھی خط و کتابت کی اور عبید اللہ مہدی نے اُسکی حکومت و سلطنت کو بنظر اطمینان دیکھا۔ سنہ ۳۱۱ھ میں ابو طاہر نے بصرہ پر دوبارہ حملہ کر کے اُس کو ویران کر دیا۔ جامع مسجد بالکل منہدم کر دی گئی۔ جو عرصہ تک مسمار پڑی رہی۔ بازاروں کو لوٹ کر ہلاک کیا۔ [illegible] ابو طاہر حاجیوں کے قافلہ لوٹنے کے لئے نکلا۔ شاہی سپہ سالار ابو الہیجا [illegible] جو قافلہ کے ہمراہ [illegible] گرفتار کر لیا۔ اور حاجیوں کو خوب لوٹا۔ اور ہجر کی جانب واپس گیا۔ سنہ ۳۱۲ھ میں ابو طاہر نے عراق کی طرف فوج کشی کی کوفہ اور نواح کوفہ کو بصرہ کی مانند قتل و غارت سے تباہ و برباد کر دیا۔ یہاں سے بحرین کی طرف واپس جا کر شہر احسا کی آبادی و تعمیر کا کام شروع کیا اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے لئے محلات و قصور تعمیر کرائے۔ اور اُس کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ سنہ ۳۱۵ھ میں ابو طاہر نے عمان پر حملہ کیا۔ حاکم عمان بھاگ کر براہ دریا فارس چلا گیا۔ اور ابو طاہر نے عمان کے صوبے کو اپنی مملکت میں شامل کیا۔ سنہ ۳۱۶ھ میں اُس نے شمال کی جانب حملہ آوری شروع کی۔ خلیفہ مقتدر عباسی نے آذربائیجان سے یوسف بن ابی الساج کو طلب فرما کر واسط کی سند حکومت عطا کی اور ابو طاہر سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ کوفہ کے باہر یوسف اور ابو طاہر کا مقابلہ ہوا سخت معرکہ آرائی کے بعد یوسف کی فوج کو شکست ہوئی۔ اور یوسف کو ابو طاہر نے گرفتار کر لیا۔ بغداد میں اس خبر سے سخت پریشانی پیدا ہوئی ابو طاہر کوفہ سے انبار کی جانب روانہ ہوا۔ دربار خلافت سے اُس کی روک تھام کے لئے مونس خادم۔ مظفر۔ اور

ہارون وغیرہ سردار مامور ہوئے۔ مگر ابو طاہر کے مقابلے میں سب شکست کھا کر واپس بغداد آئے اور ابو طاہر رحبہ کی جانب بڑھا۔ رحبہ کو بھی خوب پامال و ویران کیا اس کے بعد صوبہ جزیرہ کو متواتر اپنے حملوں سے پامال کرتا پھرا۔ اور کوئی اُس کو نہ روک سکا۔ اس کے بعد وہ جزیرہ کے اکثر قبائل پر خراج سالانہ مقرر کر کے احساء چلا گیا۔ اور بہت سے لوگ قرمطی مذہب میں داخل ہو گئے۔ ۳۱۷ھ میں ابو طاہر نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی بہت سے حاجیوں کو قتل کیا۔ اور مکہ کو خوب لوٹا میزاب اور خانۂ کعبہ کے دروازے کو اُکھیڑ ڈالا۔ غلاف کعبہ اُتار کر اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔ اور حجر اسود کو نکال کر اپنے ساتھ ہجر کی طرف لے گیا۔ اور چلتے وقت اعلان کر گیا۔ کہ آیندہ حج ہمارے یہاں ہوا کرے گا۔ حجر اسود کے واپس کرنے کے لئے لوگوں نے ابو طاہر سے بہت خط و کتابت کی اور بعض سرداروں نے پچاس ہزار دینار اُس کے معاوضے میں دینے چاہئے۔ مگر ابو طاہر نے اُس کو واپس نہ کیا۔ ابو طاہر نے اس کے بعد مسلسل اپنی حملہ آوریوں کے سلسلے کو جاری رکھا۔ اور عراق و شام کو اپنی تاخت و تاراج سے برباد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اہل دمشق پر بھی اس نے سالانہ ٹیکس مقرر کیا۔ اس کے بعد اُس کا بڑا بھائی احمد قرامطہ کی سرداری و حکومت پر کامیاب ہوا۔ اس کو ابو منصور کی کنیت سے یاد کیا جاتا تھا۔ قرامطہ کے ایک گروہ نے ابو منصور کی حکومت سے انکار کیا۔ اور ابو طاہر کے بڑے بیٹے سابور کو مستحق حکومت قرار دیا۔ اس نزاع کے طے کرنے کے لئے تمام قرامطہ نے ابو القاسم عبیدی کے فیصلے کی قابل تسلیم سمجھکر افریقیہ کو ایلچی روانہ کئے ابو القاسم عبیدی نے اپنا فیصلہ لکھ کر بھیجا کہ ابو منصور احمد کو پادشاہ تسلیم کیا جائے۔ اور ابو منصور احمد کے بعد سابور بن ابو طاہر تخت نشین ہوگا۔ قرامطہ چونکہ اپنے آپ کو مہدی کا ایلچی اور طرفدار کہتے۔ اور عبید اللہ مہدی کو اُس کے دعوے کی موافق امام اسمٰعیل بن جعفر صادق کی اولاد میں سمجھکر اُس کی تکریم کرتے تھے۔ اس لئے عبیدیین قرامطہ کو اپنا دوست سمجھتے اور قرامطہ عبیدیین کی خلافت کو مانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے ابو القاسم کے فیصلے کو بخوشی تسلیم کر لیا۔ اور احمد منصور قرامطہ کا پادشاہ بن گیا۔ اس کے بعد جب ۳۳۴ھ میں ابو القاسم عبیدی فوت ہوا اور اس کی جگہ اسمٰعیل عبیدی افریقیہ میں تخت نشین ہوا۔ تو ابو منصور احمد قرمطی نے مبارکباد اور اظہار عقیدت کے لئے ایلچی روانہ کئے ۳۳۹ھ میں اسمٰعیل عبیدی نے قیروان سے بار بار ابو منصور کو لکھا۔ کہ حجر اسود خانہ کعبہ میں واپس بھیجدو۔ تو ابو منصور احمد قرمطی نے حجر اسود کو خانہ کعبہ میں واپس بھیجدیا۔ ابو منصور کی حکومت میں بیرونی ملکوں پر قرامطہ کے حملے کم ہوئے اور اندرونی انتظامات میں وہ زیادہ مصروف رہا ۳۵۸ھ سابور بن ابو طاہر نے اپنے بھائیوں اور ہوا خواہوں کی مدد سے ابو منصور کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور خود تخت نشین ہو گیا۔ مگر سابور کے بھائیوں نے سابور سے بھی مخالفت کی اور انہوں نے حملہ کر کے اپنے چچا ابو منصور کو جیل خانے سے نکال کر پھر تخت پر بٹھا دیا۔ ابو منصور نے دوبارہ تخت نشین ہو کر سابور کو قتل کیا۔ اور اُس کے ہوا خواہوں کو جزیرہ اوآل کی طرف جلاوطن کر دیا۔ ۳۵۹ھ میں ابو منصور نے وفات پائی ابو منصور کے بعد اُس کا بیٹا ابو علی حسن بن احمد ملقب بہ اعظم تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہو کر ابو طاہر کے تمام لڑکوں کو جزیرہ اوآل میں جلاوطن کر دیا۔

حسن اعصم قرمطی اپنے خیالات و عقائد میں بہت معتدل تھا۔ اس کو عبیدیین سے کوئی عقیدت نہ تھی۔ اور خلافت عباسیہ سے کوئی نفرت یا عداوت نہ رکھتا تھا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ابو طاہر نے دمشق پر خراج سالانہ مقرر کر دیا تھا۔ اور جو شخص دمشق کا والی ہوتا تھا۔ وہ خراج کی مقررہ رقم قرامطہ کے پادشاہ کی خدمت میں بھجواتا رہتا تھا۔ تاکہ قرامطہ کی حملہ آوری اور قتل و غارت سے محفوظ رہے۔ اعصم کی

تخت نشینی کے وقت دمشق کو جعفر بن فلاح کتامی نے بنی طغج سے فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اعصم نے حسب معمول والی دمشق سے خراج سالانہ طلب کیا۔ چونکہ اب تک قرامطہ اور عبیدیہ حکومتوں میں محبت و اتحاد قائم تھا۔ لہٰذا توقع یہ ہو سکتی تھی۔ کہ دمشق جبکہ دولت عبیدیہ میں شامل ہو گیا۔ تو بادشاہ قرامطہ دولت عبیدیہ کے سردار جعفر بن فلاح سے دمشق کا خراج طلب نہ کرے گا۔ مگر اعصم نے سختی سے خراج کا مطالبہ کیا۔ اور جعفر بن فلاح نے خراج کے دینے سے قطعی انکار کیا۔ چنانچہ اعصم نے دمشق کی جانب فوج بھیجی۔ ادھر معز عبیدی کو جو قیروان سے قاہرہ کی جانب آ رہا تھا۔ یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے ارکین دولت قرامطہ کے نام خط بھیجا کہ تم اعصم کو سمجھا دو کہ وہ دمشق سے متعرض نہ ہو ورنہ پھر ہم ابو طاہر کی اولاد کو تخت سلطنت کا وارث قرار دیکر اعصم کی معزولی کا اعلان کر دینگے۔ اعصم کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے بلا تامل عبیدیین کی خلافت سے انکار کر کے علم مخالفت بلند کیا۔ اور اپنے ممالک مقبوضہ میں خلافت عباسیہ کا خطبہ پڑھوایا۔ پہلی فوج جو اعصم نے دمشق کی جانب روانہ کی تھی اس کو جعفر کتامی نے سنہ ۳۶۰ھ میں شکست دی اس کے بعد سنہ ۳۶۱ھ میں اعصم خود فوج لیکر دمشق کی جانب متوجہ ہوا۔ اور میدان جنگ میں جعفر کتامی کو قتل کر کے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ اہل دمشق کو امان دے کر ہر قسم کا انتظام کیا۔ اور فوج لیکر حدود مصر کی طرف بڑھا۔ آئندہ جو واقعات حدود مصر میں پیش آئے۔ اور اعصم کی معز عبیدی سے جو خط و کتابت ہوئی اس کا حال اوپر معز عبیدی کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ جس زمانے میں اعصم قرمطی شام و مصر کی طرف مصروف تھا۔ اس زمانے میں معز عبیدی نے خطوط بھیجکر ابو طاہر کے بیٹوں کو جو جزیرہ اوال میں نظر بند تھے۔ ترغیب دی کہ تم اس وقت بحرین میں آکر احساء پر قبضہ کر لو اور خود بادشاہ بن جاؤ۔ اور ایک اعلان اپنی طرف سے ملک بحرین میں شائع کرا دیا۔ کہ ہم نے اعصم کو معزول کر کے ابو طاہر کے بیٹوں کو بحرین کی حکومت عطا کر دی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طاہر کے بیٹوں نے آکر احساء کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ یہ حال دیکھ کر بغداد کے خلیفہ طائع عباسی نے ابو طاہر کے بیٹوں کو خط لکھا کہ تم آپس میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو اور ہمارے احکام کی تعمیل کرو۔ اور اس بغاوت سے باز رہو۔ مگر اس کا کوئی اثر ان پر نہ ہوا آخر اعصم نے احساء کی طرف واپس آکر سب کو درست کیا۔ اور خلیفہ طائع عباسی کے فرستادوں نے آکر ان میں مصالحت کرا دی۔ سنہ ۳۶۳ھ میں معز عبیدی کی فوجوں نے تمام ملک شام پر قبضہ کر لیا۔ اعصم قرمطی فوجیں مرتب کر کے ملک شام کی طرف آیا۔ تمام ملک شام سے عبیدی فوجوں کو شکست دے دیکر بھگا دیا۔ اور مصر پر حملہ آور ہو کر مقام بلبیس تک پہنچ گیا۔ معز عبیدی نے اعصم قرمطی کی فوج کے ایک بڑے حصے اور بعض عرب سرداروں کو لالچ دیکر اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس لئے حسن اعصم کو شکست ہوئی۔ اور وہ احساء کی طرف واپس چلا آیا۔ اور شام پر عرب سرداروں کا قبضہ ہو گیا۔ دمشق پر بعض ترکی سردار قبضہ قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ معز عبیدی سنہ ۳۶۵ھ میں خود دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاقاً راستے ہی میں فوت ہو گیا۔ اعصم قرمطی نے سنہ ۳۶۶ھ میں حملہ کر کے ملک شام کو پھر فتح کر لیا۔ اس حملہ میں افتگین نامی ترکی سردار اس کے ساتھ تھا۔ آخر عزیز عبیدی سے حدود مصر میں معرکہ آرائی کی نوبت آئی جیسا کہ اوپر عزیز عبیدی کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ افتگین تو گرفتار ہو گیا اور اعصم اپنے دار السلطنت احساء کی جانب چلا آیا۔ چونکہ اعصم نے خلافت عباسیہ کی

اطاعت قبول کرلی تھی۔ اور اس کو عبیدیین سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے قرامطہ اس سے کبیدہ خاطر اور افسردہ دل رہتے تھے۔ ادھر عبیدیوں کی طرف سے قرامطہ کے عام لوگوں میں غیر محسوس طور پر اعظم کے خلاف تبلیغی سلسلہ جاری تھا۔ لہذا قرامطہ نے اعصم کے خلاف ایک بغاوت برپا کردی۔ یہ بغاوت اس لئے زیادہ کامیاب ہوسکی کہ اعصم اپنے دارالسلطنت سے دور ملک شام میں زیادہ مصروف رہا۔ اگر وہ دارالسلطنت کو نہ چھوڑتا تو کوئی بغاوت اس کے خلاف کامیاب نہ ہوسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب اعصم شام کی طرف سے واپس احساء میں آیا تو تمام اہل شہر کو اپنا مخالف و سرکش پایا۔ اس کی رکابی فوج بھی باغیوں میں شامل ہوگئی انہوں نے اعصم کو گرفتار کرکے ابوسعید جنابی کے تمام خاندان کو حکومت و سلطنت سے محروم کرکے اپنے گروہ میں سے جعفر و اسحق دو شخصوں کو مشترکہ طور پر تخت حکومت پر بٹھادیا۔ اور اعصم اور اس کی اولاد اور رشتہ داروں کو جزیرہ اوال میں جلاوطن کردیا۔ اس جزیرہ میں ابو طاہر کی اولاد پہلے سے بحالت جلاوطنی موجود تھی۔ اور ان کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے ان نئے جلاوطنوں کو جزیرہ میں قدم رکھتے ہی حملہ کرکے قتل کرڈالا۔

جعفر و اسحاق ملکر قرامطہ پر حکومت کرنے لگے۔ اور انہوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی خلافت عباسیہ کی اطاعت سے منحرف ہوکر عبیدیین کی خلافت کو تسلیم کیا۔ اور عبیدی بادشاہ کا خطبہ اپنے مقبوضہ ممالک میں جاری کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کوفہ پر حملہ کیا۔ اور قابض ہوگئے صمصام الدولہ بن بویہ نے ایک فوج قرامطہ کی سرکوبی کے لئے کوفہ کی جانب روانہ کی قرامطہ نے اس فوج کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور قادسیہ تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کے بعد جعفر اور اسحاق کے درمیان نا اتفاقی پیدا ہوئی اور ہر ایک اس کوشش میں مصروف ہوا کہ اپنے حریف کو مٹا کر تنہا بادشاہت کرے اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قرامطہ کے گروہ میں اضمحلال و کمزوری کے آثار نمایاں ہوگئے۔ آخر دوسرے قرامطہ سردار بھی اپنی بادشاہت قائم کرنے کی فکر میں مصروف ہوگئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اصغر بن ابوالحسن تغلبی بحرین پر اور بنی مکرم عمان پر قابض ہوگئے۔ انہوں نے خلافت عباسیہ کی اطاعت قبول کرلی اور تغلبی خاندان نے ۴۵۰ھ تک بحرین سے قرامطہ کا نام و نشان مٹادیا۔

دولت قرامطۂ باطنیۂ فارس

قرامطۂ بحرین کا حال اوپر مذکور ہوچکا ہے۔ ان کی سلطنت کے برباد ہونے کے بعد قرامطہ کے عقائد و اعمال میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوئی۔ اگرچہ قرامطۂ بحرین کے بادشاہ اعصم کے اعمال و عقاید دوسرے قرامطہ سے جدا تھے۔ اور اس کو مصر کے عبیدی بادشاہ سے سخت نفرت تھی۔ لیکن قرامطہ کی عام جماعت مصر کے عبیدی فرمانرواکو محبت و عقیدت کی نظر سے دیکھتی اور اس کو اپنا خلیفہ مانتی تھی۔ اب جبکہ بحرین کی حکومت ان کے قبضے سے نکل گئی۔ اور عراق و شام میں ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہی تو انہوں نے خفیہ طور پر اپنی انجمنیں قائم کیں اور بظاہر مسلمانوں میں ملے جلے رہے ان خفیہ جماعتوں کے ذریعہ انہوں نے اپنی تبلیغ اور اپنی جماعت کے ترقی دینے کا سلسلہ جاری کیا۔ عبیدیوں کی طرح انہوں نے جابجا اپنے داعی مقرر کردیئے۔ ان داعیوں کی جماعت اپنے رازوں کو بہت محفوظ رکھتی تھی۔ زاہدوں

اور پیروں کے لباس میں یہ لوگ نظر آتے اور لوگوں کو اپنا مرید بناتے پھرتے تھے۔ ان مریدوں میں جس شخص کو وہ اپنے ڈھب کا پاتے اُس کو رفیق کا خطاب دیتے۔ اور اپنے مخصوص عقائد تعلیم کرتے رہتے تھے۔ اس طرح ان میں دو طبقے تھے۔ ایک داعیوں کا اور دوسرا رفیقوں کا۔ شام۔ عراق۔ فارس اور خراسان میں ہر جگہ داعی پھیل گئے۔ مصر کے عبیدی پادشاہ نے ان کی سرپرستی اور ہر قسم کی امداد کی۔ چنانچہ مصر سے ان داعیوں کے پاس خفیہ طور پر ہر قسم کی امداد پہونچتی رہتی تھی۔ اور سلطنت اسلامیہ کی بربادی کے لئے عبیدیوں نے اسلامی ممالک میں قرامطہ کے داعیوں کا ایک جال غیر محسوس طریقہ پر پھیلا دیا تھا۔ ادھر سلجوقی خاندان ممالک اسلامیہ پر قابض و متسلط ہو رہا تھا۔ اور اس پوشیدہ دشمن سے قطعاً بے خبر تھا۔ قرامطۂ بحرین کی حکومت کے مٹنے کے بعد قرامطہ کی تمام تعلیم یافتہ اور ہوشیار جماعت داعیوں کے لباس میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اور اسی لئے عبیدی سلطنت کو مصر سے عراق و خراسان کی طرف آدمیوں کے بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ چونکہ یہ لوگ ایک مٹی ہوئی سلطنت کے سوگوار تھے۔ اس لئے موقع پاکر ڈاکہ ڈالنے اور لوگوں کو قتل کرنے میں اُنہیں کوئی باک نہ تھا۔ چنانچہ یہی داعی یا پیر اپنے رفیقوں یعنی خاص مریدوں کی مدد سے رہزنوں اور ڈاکوؤں کے لباس میں بھی تبدیل ہو جاتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے مریدوں کو تعلیم دی تھی۔ کہ ہر ایک اُس شخص کا جو ہمارا ہم عقیدہ نہیں ہے قتل کرنا کوئی جرم کا کام نہیں اسی لئے ان کے وجود سے مسلمانوں کو سخت مصائب و شدائد میں مبتلا ہونا پڑا۔ چونکہ ان کی کماحقہ سرکوبی ابتدا میں نہ ہوسکی اس لئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ مسلمان سرداروں کو چھپ چھپ کر قتل کرنا اُنھوں نے اپنا خاص شیوہ بنا لیا۔ جس جگہ کوئی حاکم نہایت چست اور چوکس ہوتا۔ وہاں یہ بالکل خاموش اور روپوش رہتے۔ لیکن جس جگہ انتظام سلطنت کو کسی قدر کمزور پاتے وہاں قتل و غارت کے ہنگاموں سے قیامت برپا کر دیتے۔ چونکہ قرامطہ نے منافقت اور تقیہ کا لباس پہن لیا تھا۔ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا وہ کار خیر سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کو یہ بھی موقع مل جاتا تھا کہ وہ سلطنت و حکومت کی اہلکاریوں اور سرداریوں پر بھی فائز ہو جاتے تھے۔ چنانچہ نواح ہمدان میں ان کا ایک شخص کسی قلعہ کا قلعہ دار مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے اُس قلعہ کو اپنا مامن بنا کر اُس نواح میں خوب زور شور سے ڈاکہ زنی اور لوٹ مار شروع کر دی۔ چونکہ ان کی جماعت خفیہ طور پر اپنا کام کرتی تھی۔ اس لئے ان کو باطنیہ گروہ کہنے لگے۔ ان باطنیوں نے رفتہ رفتہ ترقی کرکے اصفہان کے قلعہ شاہ در پر قبضہ کر لیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ باطنیہ کے داعیوں میں ایک مشہور اور ہوشیار شخص عطاش نامی تھا۔ جو اپنے ہم چشموں میں علم و فضل کے اعتبار ممتاز تھا۔ اسی نے حسن بن صباح کو اپنے عقاید کی تعلیم دی اور اپنا شاگرد خاص بنا یا تھا۔ عطاش کا ایک بیٹا احمد نامی تھا۔ جو باپ کی جگہ اور اپنے اور اپنی جماعت میں قابل تکریم سمجھا جاتا تھا۔ احمد اپنے گروہ سے رخصت ہوکر اور اپنی حالت امیرزادوں کی سی بنا کر قلعہ شاہ در کے قلعہ دار کی خدمت میں گیا۔ اور وہاں نوکر ہوگیا چند ہی روز میں احمد نے ایسی شائستہ خدمات انجام دیں کہ قلعہ دار نے اُس کو اپنا نائب بنا لیا۔ اور تمام سیاہ و سفید کا اختیار اُسکو سپرد کر دیا۔ چند روز کے بعد وہ قلعہ دار فوت ہوگیا تو احمد نے حکومت وقت سے قلعہ کی حکومت اور قلعہ داری اپنے نام حاصل کرلی۔ احمد بن عطاش نے قلعہ کا راستہ بند جانے پر باطنیہ گروہ کے تمام قیدیوں کو جو اُس کے ملحقہ حکومت میں قید تھے۔ رہا کر دیا۔ اور لوگ اُن سے رہا ہوتے ہی اصفہان کے علاقے میں لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا

ادھر احمد نے اصفہان کے قلعہ شاہ دز کی حکومت حاصل کی اُدھر انہیں ایام میں حسن بن صباح علاقہ طالقان و قزوین میں اپنی سازشوں کا جال پھیلا رہا تھا۔ حسن بن صباح ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی کا ہم سبق رہ چکا تھا۔ اُس نے نظام الملک کے ذریعہ دربار سلطانی میں رُسوخ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر پھر وہاں اپنا رہنا مناسب نہ سمجھ کر نظام الملک کے ایک رشتہ دار ابو مسلم قلعہ دار رَے کی خدمت میں چلا آیا۔ اور اُس کی مصاحبت میں داخل ہو کر اپنی سازشوں کا جال پھیلانا شروع کیا۔ اتفاقاً ابو مسلم کو معلوم ہو گیا کہ حسن بن صباح کے پاس دولت عبیدیہ مصر کے جاسوس آتے جاتے ہیں۔ اُس نے حسن بن صباح سے اس کے متعلق استفسار کیا۔ حسن بن صباح کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ میری سازش کا راز افشا ہو چکا ہے تو وہ وہاں سے چھپ کر فرار ہو گیا۔ اور مستنصر عبیدی کے پاس مصر پہنچا۔ مستنصر عبیدی نے حسن بن صباح کی خوب خاطر مدارات کی۔ حسن نے مستنصر کے ہاتھ پر بیعت کی مستنصر نے حسن کو داعی الکبیر کا عہدہ عطا کر کے فارس و عراق کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جا کر لوگوں کو میری امامت و خلافت کی دعوت دو۔ مستنصر عبیدی کے تین بیٹے تھے۔ احمد۔ نزار اور ابو القاسم۔ رخصت ہوتے وقت حسن بن صباح نے مستنصر سے دریافت کیا۔ کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہوگا۔ مستنصر نے جواب دیا کہ میرا بیٹا نزار تمہارا امام ہوگا۔ چنانچہ مستنصر نے نزار ہی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا مستنصر کی وفات کے بعد وزیر السلطنت اور مستنصر کی بہن نے سازش کر کے ابو القاسم کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ اور وہی مصر کا فرمانروا ہوا۔ مگر حسن بن صباح نے اُس کی امامت کو تسلیم نہ کیا۔ اور نزار ہی کو مستحق امامت مانتا رہا اسی لئے حسن بن صباح کی جماعت کو نزاریہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ حسن بن صباح مصر سے رخصت ہو کر ایشیائے کوچک اور موصل ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں علاقہ طالقان و قہستان کی حکومت پر جو گورنر مامور تھا۔ اُس نے اپنی طرف سے قلعہ الموت کی حکومت ایک علوی کو سپرد کر رکھی تھی۔ حسن بن صباح اس علوی کے پاس پہونچا اُس نے حسن بن صباح کو بیحد تعظیم و تکریم کی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ حسن بن صباح ایک عزیز و مکرم مہمان کی حیثیت اور ایک عابد و زاہد باخدا انسان کی حالت میں عرصہ دراز تک قلعہ الموت (اَلموت میں الف اور لام دونوں مفتوح ہیں) میں مقیم رہکر درپردہ اس قلعہ پر قبضہ کرنے کی تدبیروں میں مصروف رہا۔ اور جب اُس کی تدبیریں مکمل ہو گئیں تو علوی کو قلعہ سے نکال کر خود قلعہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ یہ زمانہ ملک شاہ سلجوقی کی حکومت کا تھا۔ ملک شاہ کے وزیر نظام الملک طوسی نے اس خبر کو سُن کر ایک فوج حسن بن صباح کی سرکوبی اور قلعہ الموت کے محاصرہ پر روانہ کی۔ حسن بن صباح نے اپنے گروہ کے بہت سے آدمیوں کو فراہم کر کے کافی مضبوطی کر لی تھی۔ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ابھی یہ سلسلۂ جنگ جاری ہی تھا کہ حسن بن صباح نے باطنیہ کے ایک گروہ کو نظام الملک کے قتل پر مامور کیا۔ چنانچہ اس گروہ نے موقع پا کر نظام الملک کو قتل کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فوج جو نظام الملک نے بھیجی تھی۔ واپس چلی گئی۔ اس کامیابی کے بعد حسن بن صباح اور اُس کے دوستوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اور بلاتامل اِدھر اُدھر کے علاقے پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ انہیں ایام میں ایک شخص منور نامی جو سامانی خاندان سے تھا۔ قہستان کا گورنر یا ناظم تھا۔ اُس کی ایک سلجوقی وائسرائے سے مخالفت ہو گئی۔ دونوں کی نزاع نے یہاں تک طول کھینچا۔ کہ منور نے حسن بن صباح سے امداد طلب کی۔ حسن بن صباح نے بلاتامل اپنی فوج بھیجکر قہستان پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ حسن بن صباح کی طاقت و شوکت نے ترقی اختیار کی۔ اُدھر ملک شاہ کی وفات کے

بعد سلجوقی سرداروں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بجائے اس کے کہ وہ حسن بن صباح کا استیصال کرتے
اپنی خانہ جنگیوں میں اُس سے مدد طلب کرنے لگے اس طرح حسن بن صباح کی حکومت و سلطنت کا سکہ جم گیا۔ سُلطان
برکیارق نے اپنے بھائی محمد کے مقابلہ میں ان باطنیوں سے امداد طلب کرکے اَور بھی زیادہ ان کی عظمت کو بڑھا
دیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد سلطان برکیارق کو اِن باطنیوں کے قتل عام کا حکم دینا پڑا۔ اُدھر احمد بن عطاش
نے قلعہ شاہ در پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ آخر سلجوقیوں نے۔ احمد بن عطاش اور اُس کے ساتھیوں
کو ہر طرف سے محاصرہ کرکے مجبور کردیا۔ بہت سے باطنیوں نے سُلطان سلجوقی سے اس شرط پر امان کی درخواست
کی کہ ہم سب حسن بن صباح کے پاس قلعہ الموت میں چلے جائیں گے۔ اور نواح اصفہان کو بالکل خالی کردیں گے۔
چنانچہ اُن کو اسی شرط پر حسن بن صباح کے پاس جانے کی اجازت دی گئی۔ احمد بن عطاش کو گرفتار کرکے قتل
کیا گیا۔ اور اُس کی کھال میں بھُس بھر اگیا۔ اُس کی بیوی نے خودکشی کرلی۔ اس طرح باطنیہ اصفہان کا تو خاتمہ ہوگیا
مگر حسن بن صباح کی طاقت و جمعیت میں خوب اضافہ ہوگیا۔ کیونکہ اب وہی تمام باطنیوں کا مرکز اور قبلۂ توجہ رہ
گیا تھا۔ باطنیوں کے ہزارہا افراد بحیثیت داعی شام و عراق و فارس میں پھیلے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں علانیہ
اُنہوں نے اپنی دعوت کا سلسلہ شروع کررکھا تھا۔ بعض قلعوں پر بھی وہ قابض و متصرف ہوگئے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ
مسلمانوں نے ہر طرف سے اُن پر حملہ آور ہوکر تمام قلعے اُن سے چھین لئے اور حکومت و قوت اُن سے جدا کرلی۔
لیکن الموت اور اُس کے نواح پر حسن بن صباح کا قبضہ برابر جاری رہا۔ حسن بن صباح کا صحیح نام و نسب اس
طرح ہے حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الحمیری سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور ضعف و اختلال نے
باطنیوں کی حکومت کو مستقل و پائدار ہونے کا موقع دیا۔ جس کو بعد میں فدائیوں کی سلطنت۔ سلطنت اسمٰعیلیہ
سلطنت حشاشین وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا۔ حسن بن صباح جس طرح اس سلطنت و حکومت کا بانی تھا اسی
طرح وہ اپنے فرقہ اور مذہب کا بھی بانی سمجھا گیا۔ اُس نے عام باطنیوں کے خلاف بعض نئے نئے طریقے اعمال
وعبادات میں ایجاد کئے۔ اُس کے تمام مرید اُس کو سیدنا کہتے تھے۔ عام طور پر وہ شیخ الجبل کے نام سے
یاد کیا جاتا تھا۔ وہ ۳۵ سال قلعہ الموت پر قابض و حکمران رہا۔ اس عرصہ میں ایک دن کے لئے بھی اس قلعہ سے
باہر نہیں نکلا۔ ۹۰ سال کی عمر پاکر ۵۱۸ھ میں بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر فوت ہوُا۔ اُس نے اپنے مریدوں میں
وحشی اور پہاڑی لوگوں کی ایک ایسی جماعت بنائی تھی جو حسن بن صباح کے اشارے پر جان دینا اپنا مقصد زندگی
تصور کرتے تھے۔ ان لوگوں کو فدائیوں کی جماعت کہا جاتا تھا۔ ان فدائیوں کے ذریعہ حسن بن صباح دُنیا کے
بڑے بڑے بادشاہوں۔ سپہ سالاروں اور اپنے مخالفوں کو اُن کے گھروں میں قتل کرادیتا تھا۔ اس طرح اُس
کی دھاک دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے بادشاہ اپنے محلوں اور دارالحکومتوں میں اطمینان کے ساتھ
نہیں سو سکتے تھے۔ حسن بن صباح اور اُس کی جماعت کو عام طور پر مسلمان نہیں سمجھا جاتا اور حقیقت بھی یہ ہے
کہ یہ ملحدوں کا ایک گروہ تھا۔ جس کو دین اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر حیرت ہے کہ ہمارے زمانے کا ایک
احمق جو خوش قسمتی سے ایک دشمن اسلام فرقہ کا پیشوا اور لیڈر بھی سمجھا جاتا ہے۔ حسن بن صباح اور اُس کے
متبعین ملاحدہ کے اعمال و حرکات کو دین اسلام سے منسوب کرکے تعریف کرتا اور اخباروں میں مضامین شائع
کراتا ہے مگر ذرا نہیں شرماتا۔ اور اپنے جہل و نادانی کو علم قرار دے کر فخر و مباہات کی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔
دوسری طرف مسلمانوں کی غفلت بھی دیدنی ہے کہ وہ حسن بن صباح کے قائم کئے ہوئے نزاریہ گروہ کی حقیقت
و ماہیت اور اعمال و عقائد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ان باطنیہ فدائیہ ظالموں کو بزرگانِ دین سمجھ کر حیران و

ششدر اور اُس دشمن اسلام مضمون نگار کے مضامین کو معُیبت عظمٰی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ ملحد و بیدین اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ بدچلن اور اوباش یا مادر پدر آزاد دہریوں کو موقع مل گیا تھا۔ کہ وہ حکومت اسلامیہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کر سکیں اور اپنی بدمعاشیوں سے شر خائے زمانہ کو تنگ کرنے کا آزاد موقع پائیں۔ فدائیوں کی شہرت کا راز صرف اس بات میں مضمر ہے کہ وہ چھُپ کر۔ دھوکہ دے کر۔ چوری سے یا جس طرح ممکن ہو بڑے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ آج کل بھی ہم اخبارات میں یورپ کے انارکسٹوں اور نہلسٹوں کے اعمال و افعال کی حکائتیں کبھی کبھی پڑھتے ہیں۔ حسن بن صباح کی قائم کی ہوئی سلطنت کو انارکسٹوں کی سلطنت سمجھنا چاہیئے۔

حسن بن صباح کی وفات کے بعد اُس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس کا نام کیا بزرگ امید تھا۔ قلعہ الموت کا حاکم اور حسن بن صباح کا جانشین قرار دیا گیا۔ کیا بزرگ امید کے خاندان میں یہ حکومت ۶۵۵ھ تک قائم رہی۔ کیا بزرگ امید کے بعد اُس کا بیٹا محمد بن کیا بزرگ امید اُس کے بعد اُس کا بیٹا حسن بن محمد اُس کے بعد اُس کا بیٹا محمد ثانی بن حسن اُس کے بعد جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث اُس کے بعد علاء الدین محمد بن جلال الدین محمد اُس کے بعد رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین حکمران ہوا۔ رکن الدین خورشاہ فدائیوں کا آخری بادشاہ تھا۔ جس کو ہلاکو خان چنگیزی نے بربادیٔ بغداد سے ایک سال پیشتر ۶۵۵ھ میں گرفتار کر کے فدائیوں کی دولت و حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ حسن بن صباح کے بعد قلعہ الموت اور اُس کے مضافات پر فدائیوں کی حکومت قائم رہی مگر سو سال تک وہ اپنی مملکت میں کوئی ترقی اور وسعت پیدا نہیں کر سکے۔ جب چنگیز خان تاتاریوں کے وحشی گروہ کو لیکر ممالک اسلامیہ کو تاخت و تاراج کرنے لگا تو ان فدائیوں نے بھی ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنے رقبۂ حکومت کو وسیع کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی یہ پورے طور پر اپنے حوصلے نہ نکال چکے تھے۔ کہ جلال الدین بن علاء الدین خوارزم شاہ نے ان پر چڑھائی کر کے ان کے زور و قوت کو توڑ دیا۔ اور قلعۂ الموت میں ان کو محصور کر کے تمام دوسرے قلعوں کو ان سے چھین کر ویران و منہدم کر دیا۔ اور دولت فدائیہ کی حالت بہت ہی سقیم ہو گئی آخر ہلاکو خان نے اس مریض نیم جان کو قید ہستی سے آزاد کیا۔

ان ملحد فدائیوں کے ہاتھ سے جو لوگ قتل ہوئے۔ اُن میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم سُلطان الپ ارسلان و ملک شاہ سلجوقی۔ فخر الملک بن خواجہ نظام الملک۔ جناب شمس تبریزی پیر طریقت مولوی رومی۔ نظام الملک معود بن علی وزیر خوارزم شاہ۔ سلطان شہاب الدین غوری اور بعض عیسائی سلاطین یورپ خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور حضرت امام فخر الدین رازی کو بھی ملاحدہ نے قتل کی دھمکی دی تھی مگر وہ بچ گئے۔

چودھواں باب

مغولانِ چنگیزی

ہلاکو خان کی چڑھائی اور بغداد کی تباہی کا حال اوپر کسی باب میں بیان ہو چکا ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ
اندلس کے حالات بھی ہم ختم کر چکے ہیں۔ خلفائے عباسیہ مصر کا اجمالی تذکرہ بھی اوپر آچکا ہے۔ عبیدیین مصر کو
بھی خلافت و امامت کا دعویٰ تھا۔ اُن کے حالات بھی اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ دسویں صدی
ہجری کے ابتدائی حصے میں مصر کے آخری عباسی خلیفہ نے سلطان سلیم عثمانی کو خلافت سپرد کی اور اُس کے
بعد خاندان عثمانیہ کے سلاطین خلفائے اسلام کہلائے۔ اختصار کو مدِ نظر رکھنے اور سلسلۂ خلافت اسلامیہ
کو بیان کرنے والے مورخ کے لئے جائز تھا کہ وہ ناقابل التفات اور چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں کو چھوڑ
کر خلافت عثمانیہ کا حال بیان کر کے اپنی تاریخ کو زمانہ موجودہ تک پہونچا دیتا۔ لیکن میں نے سلطان
سلیم عثمانی تک خلافت اسلامیہ کے پہونچنے کا حال بیان کر کے پھر عہد ماضی کی طرف واپس ہونا ضروری سمجھا
اور بعض اُن اسلامی حکومتوں کا ذکر لازمی خیال کیا جو کسی نہ کسی وجہ سے قابل التفات اور تاریخ اسلام کو مطالعہ
کرنے والے کے لئے ضروری سمجھی جا سکتی تھیں۔ اس طرح ہم کو سلطنتِ عثمانیہ کی ابتدا سے پہلے پہلے کے تمام
اہم اور ضروری حالات سے فارغ ہو جانا چاہیئے۔ اُس کے بعد سلطنت عثمانیۂ روم اور اُس کی معاصر سلطنتوں
کے حالات بیان ہوں گے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی
اسلامی حکومت کا حال میں اس کتاب میں نہ لکھوں گا۔ کیونکہ ہندوستان کی ایک الگ مستقل تاریخ لکھنے
کا عزم ہے اور اُس میں ہندوستان کی حکومت اسلامیہ کے تفصیلی حالات بیان ہوں گے۔ اس وقت
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کے خروج کا ذکر کیا جائے۔ جس کو مورخین نے فتنۂ تاتار کے نام سے
موسوم کیا ہے۔ اس طرح مغلوں کے تین سو سال کے ابتدائی حالات پڑھنے کے بعد۔ اور شام و ایران کی
بعض اسلامی سلطنتوں کے حالات سے فارغ ہو کر ہم اس قابل ہوئینگے کہ سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ
شروع کر دیں۔

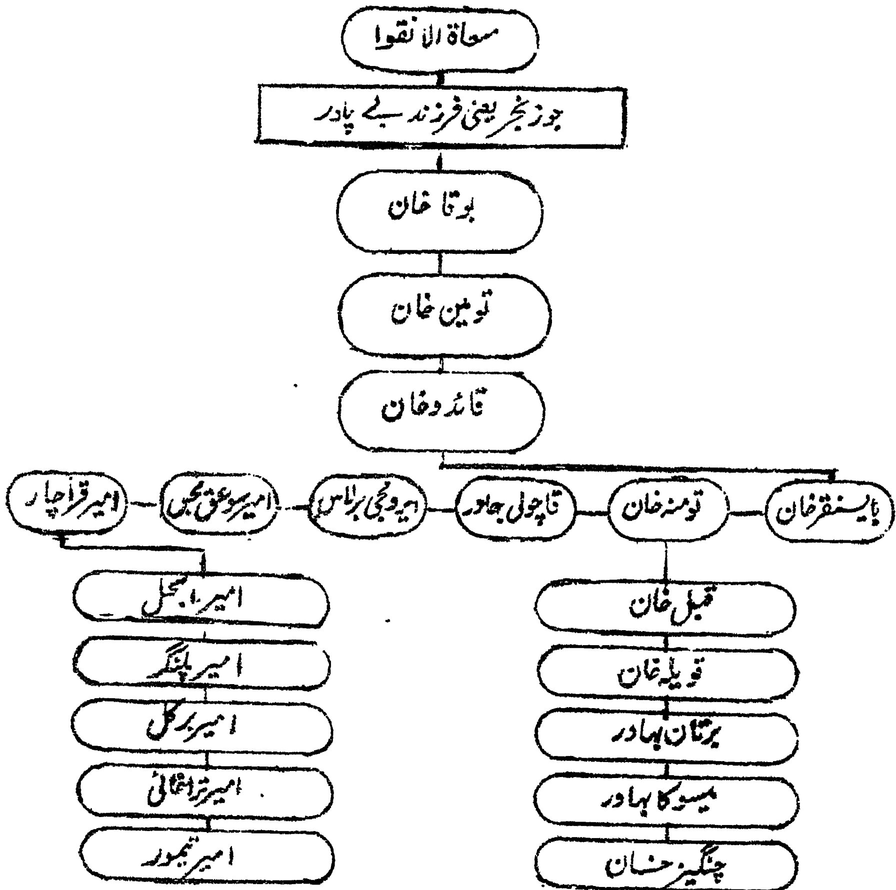
ترک و مغول و تاتار تاریخ پڑھنے والے طالب علم کو تاریخی کتابوں کے مطالعہ میں سب سے بڑی دقت یہ
پیش آتی ہے کہ وہ ترک۔ مغل۔ تاتار۔ ترکمان۔ قراتاتار وغیرہ قوموں میں نہ امتیاز کر سکتا ہے
نہ ان کی تفریق اور اصلیت سے واقف ہو سکتا ہے۔ وہ کبھی تاریخ میں پڑھتا ہے کہ سلجوقی لوگ مثلاً
الپ ارسلان و طغرل بیگ ترک تھے۔ پھر وہ چنگیز خان کی نسبت پڑھتا ہے کہ وہ مغل تھا۔ دوسری جگہ
اُسی کی نسبت پڑھتا ہے کہ وہ ترک تھا پھر چنگیز خان کے فتنہ کو وہ فتنۂ تاتار کے نام سے موسوم
دیکھ کر قیاس کرتا ہے کہ مغل۔ ترک اور تاتار ایک ہی قوم کا نام ہے۔ لیکن آگے چل کر وہ مغلوں اور
ترکوں کی مخالفت اور لڑائیوں کا حال پڑھتا ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ مغل اور ترک دو الگ الگ

قومیں ہیں۔ پھر وہ ہندوستان کے مغلوں کی تاریخ پڑھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ بعض سرداروں کو ترک کہا جاتا ہے اور وہ سلاطین مغلیہ سے رشتہ داریاں رکھتے ہیں۔ پھر دیکھتا ہے کہ مغلوں کو مرزا کہا جاتا ہے۔ اور اُن کے نام کے ساتھ بیگ کا خطاب ضرور ہوتا ہے۔ دوسری طرف تیمور یا یزید کو برسرپیکار دیکھتا ہے۔ مگر ایران کے بادشاہوں کے نام تاریخوں میں پڑھتا ہے تو وہاں بھی مرزا کا لفظ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری طرف ترکان عثمانی کے یہاں بھی بک یا بے یا بیگ کا خطاب موجود پایا جاتا ہے یورپی مورخین کبھی کبھی ہندوستان کی سلطنتِ مغلیہ کو ترکی سلطنت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غرض مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں اور مغلوں کی تفریق کے متعلق ایک بیان اس جگہ درج کیا جائے تاکہ تاریخ کے مطالعہ کرنے والے کو معاملات اور واقعات کے سمجھنے میں آئندہ آسانی ہو۔

آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ جن کے نام حام۔ سام اور یافث تھے یافث کی اولاد بلاد مشرقیہ ملک چین وغیرہ میں آباد ہوئی۔ یافث کی اولاد میں ایک شخص ترک نامی ہوا۔ اُس کی اولاد چین و ترکستان میں پھیل گئی۔ اور وہ سب ترک کہلائے۔ بعض لوگ غلطی سے افراسیاب کو بھی ترک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایران کے شاہی خاندان کیانی سے تعلق رکھتا اور فریدوں کی اولاد میں سے تھا۔ چونکہ وہ ترکستان کا بادشاہ تھا۔ اس لئے غلطی سے لوگوں نے اُس کو ترک قوم میں شمار کیا۔ ترک بن یافث کی اولاد چین و ترکستان وختن وغیرہ میں جب خوب پھیل گئی۔ تو انہوں نے امن و امان اور انتظام کے قایم رکھنے کے لئے ایک شخص کو اپنا سردار تجویز کرنا ضروری سمجھا۔ رفتہ رفتہ اُن میں بہت سے قبیلے اور گروہ پیدا ہوگئے ہر قبیلے اور ہر گروہ نے اپنا ایک ایک سردار بنایا۔ اور یہ تمام سردار ایک سب سے بڑے سردار کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا ترک بن یافث کی اولاد کے ہر قبیلے پر ترک کا لفظ بولا جاتا تھا۔ اور تمام باشندگان چین وختن و ترکستان ترک کہلائے جاتے تھے۔ انہیں ترک قبائل میں سے بعض قبائل نے دریائے جیحون کو عبور کرکے عہد اسلامیہ میں ملک بخارس و خراسان وغیرہ کے اندر رہزنی و ڈاکہ زنی اختیار کی۔ ان قبائل کو ترکان غز کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یورپ و افریقہ اور مراقش تک ان ترکان غز کے پہونچنے کا ثبوت ملتا ہے۔ انہیں ترک قبائل میں سے ایک قبیلہ وہ تھا۔ جس کو سلجوقی کہا جاتا ہے۔ غالباً ترک ابن یافث کی اولاد میں ترکوں کے اسی قبیلہ نے سب سے پہلے اسلام کو قبول کیا۔ اور ان میں طغرل والپ ارسلان وغیرہ بڑے بڑے عالی جاہ سلاطین ہوئے۔ جن کی شہرت وعظمت نے تمام دُنیا کا احاطہ کرلیا۔ سلجوقیوں کے مسلمان ہونے اور خراسان کی جانب خروج کرنے سے پہلے ترکوں کے درمیان دو اور نئے قبیلے دو حقیقی بھائیوں کے نام سے نامزد ہو چکے تھے۔ جن کے نام مغول اور تاتار تھے سلجوقیوں کے مسلمان ہونے اور شہرت وعظمت حاصل کرنے کے وقت یہ دونوں قبیلے ناقابل التفات اور بہت ہی بے حقیقت اور کم حیثیت تھے۔ رفتہ رفتہ مغول و تاتار کی اولاد میں ترقی اور نفوس کی کثرت ہوئی اور دونوں قبیلوں نے الگ ملکوں اور صوبوں میں سکونت اختیار کی اور اُن میں جُدا جُدا سرداریاں قایم ہوئیں۔ ترک بن یافث کی اولاد یعنی ترکوں میں ایک

شخص النجہ خان نامی تھا۔ اُس کے دو بیٹے توام متولد ہوئے ایک کا نام مغول اور دوسرے کا نام تاتار رکھا۔ ان میں دونوں سے مغول اور تاتار قومیں پیدا ہوئیں مغول خان کا بیٹا قرا خان اور قرا خان کا بیٹا اغوز خان تھا۔ جو اپنے قبیلے میں سردار سمجھا جاتا تھا۔ اسی ارغون خان کے عہد میں اس کے قبیلہ کے ایک شخص نے گاڑی ایجاد کی جو بار برداری کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ ارغو خاں نے اس ایجاد کو بہت پسند کیا۔ اور اُس کے موجد کو قانقلی کا خطاب دیا۔ چنانچہ ترکی زبان میں گاڑی کو قانقلی کہا جاتا ہے۔ اور اس شخص کی اولاد کو قبیلۂ قانقلی سے نامزد کیا گیا۔ اغوز خاں کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹے کا نام تنگیز خاں تھا۔ تنگیز خاں کا بیٹا منگلی خاں اور منگلی خاں کا بیٹا ایل خان تھا۔ ایل خاں کے بیٹے کا نام قیان تھا۔ قیان خاں کی اولاد سے مغلوں کی قوم قیات نامزد ہوئی۔ قیان خان کے بعد اُس کا بیٹا تیمور تاش باپ کا جانشین ہوا۔ تیمور تاش کا بیٹا منگلی خان اور منگلی خاں کا بیٹا یلدوز خان کا جونیہ بہادر تھا۔ جونیہ بہادر کے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام الآن قوا رکھا گیا۔ الآن قوا کی شادی اپنے چچا زاد بھائی دوبو بیان نامی سے ہوئی۔ دوبو بیان کے نطفہ سے الآن قوا کے دو بیٹے یلکدائی اور بکجدائی پیدا ہوئے۔ الآن قوا کا شوہر دوبو بیان اپنے قبیلہ کا افسر اور حکمران تھا۔ ان دو بیٹوں کو کم سنی کی حالت میں چھوڑ کر دوبو بیان فوت ہو گیا۔ قبیلہ مغول نے اپنے سردار کے فوت ہونے پر اُس کی بیوہ الآن قوا کو اپنے قبیلہ کی سرداری تفویض کی۔ ایک روز الان قوا اپنے کمرہ میں تنہا رات کے وقت سونے کے لئے لیٹی ابھی نیند نہ آنے پائی تھی۔ کہ اُس نے اپنے کمرہ کی کھڑکی یا روشندان میں سے ایک روشنی داخل ہوتے ہوئے دیکھی۔ یہ روشنی قرص آفتاب کی شکل کمرہ میں داخل ہو کر فوراً الآن قوا کے منہ میں داخل ہو گئی۔ الان قوا گھبرا کر اُٹھی اپنی ماں اور سہیلیوں کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ چند روز کے بعد آثار حمل نمایاں ہوئے۔ لوگوں کو جب حمل کی اطلاع ہوئی۔ تو اُنھوں نے طعن و تشنیع شروع کی ملکہ الان قوا نے اکابر قوم کو جمع کیا اور کہا کہ تم چند روز رات کو میرے کمرہ کے پاس قیام کرو تم پر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ ایک نور آسمان سے اُترتا اور ملکہ کی خرگاہ میں جاتا۔ اور پھر شعلہ نور خرگاہ سے نکلتا اور آسمان کو چلا جاتا ہے۔ اس مشاہدے کے بعد سب کو ملکہ کی صداقت کا یقین آیا۔ اور روح القدس سے اُس کا حاملہ ہونا تسلیم کیا۔ ایام حمل پورے ہوئے۔ تو الان قوا کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام بوقون قیقی یوسفین سالجی اور بوزنجر قاآن رکھے گئے۔ اس طرح الانقوا کے پانچ بیٹے ہو گئے جن میں دو تو دوبو بیان کے نطفہ سے تھے۔ اور تین بلا باپ کے پیدا ہوئے۔ یلکدائی اور بلکجدائی کی اولاد تو قبیلۂ دریکین کے نام سے موسوم ہوئے۔ بوقون قیقی کی اولاد قوم قیقین کے نام سے اور یوسفین سالجی کی اولاد قوم سالجیوت کے نام سے مشہور ہوئی۔ بوزنجر قاآن کی اولاد بوذنجری کہلائی۔ الآن قوا کی وفات کے بعد بوزنجر اپنی ماں کا جانشین اور قبائل مغول کا حاکم ہوا۔ بوزنجر اپنے آپ کو آفتاب کا بیٹا کہا کرتا تھا۔ اور ابو مسلم خراسانی مروی کے زمانہ میں موجود تھا۔ اسی بوزنجر کی اولاد میں چنگیز خان اور تیمور اور مغلوں کے اکثر مشہور

قبائل پیدا ہوئے۔ چنگیز خان اور تیمور کا نسبی تعلق معلوم کرنے کے لئے ذیل کے شجرہ پر نظر ڈالو +



اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ترک بن یافث کی اولاد میں ایک شخص النجہ خان تھا جس کے دو توام بیٹے مغول خان اور تاتار خان پیدا ہوئے تھے۔ انہیں دونوں بھائیوں کی اولاد مغول اور تاتاری دو قومیں ہیں۔ یہ بھی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ان دونوں قوموں نے اپنے لئے الگ الگ مقام سکونت تجویز کئے۔ قبیلۂ مغول تو چین کے ملک میں آباد ہوا اور اُس کے نام سے ملک کا نام مغولستان یا منگولیا مشہور ہوا۔ قبیلۂ تاتار نے دریائے جیحون کے کنارے سکونت اختیار کی۔ اور اُس کے نام سے ملک تاتار یا ترستان کہلایا۔ اس ملک پر چونکہ فریدون کے بیٹے تور کی حکومت تھی۔ اس لئے اس کو توران کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کیانی حکمران خاندان میں افراسیاب بہت مشہور ہے۔ اور فردوسی کے شاہنامے میں اُس کے حالات مذکور ہیں۔ کیانی خاندان کی یہ شاخ یعنی افراسیاب کی اولاد بھی اسی ملک ترکستان یا توران میں رہ کر ترکوں کے اس قبیلۂ تاتار میں ل حُل گئی۔ چونکہ ترکستان ممالک اسلامیہ سے زیادہ قریب تھا اور اسلامی فتوحات وہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ لہذا ترکوں کے جس قبیلے نے سب سے پہلے ممالک اسلامیہ میں خروج کیا۔ وہ یہی قبیلہ تاتار تھا۔ جو بہت سے چھوٹے چھوٹے قبائل پر مشتمل تھا۔ ان تاتاری قبائل میں

غالباً وہ کیانی قبیلہ جو افراسیاب کی اولاد میں تھا۔ زیادہ ذی حوصلہ اور معزز سمجھا جاتا ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک با شوکت سلطنت کی یادگار تھا۔ لہذا سلجوق اعظم کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم افراسیاب کی اولاد میں ہیں۔ سب سے پہلے سلجوق نامی ایک شخص نے نواح بخارا میں اپنے قبیلے کے ساتھ آکر اسلام قبول کیا۔ اسی سلجوق کی اولاد کو ترکوں کا سلجوقی قبیلہ کہتے ہیں۔ سلجوق کے پانچ بیٹے تھے۔ جن میں ایک بیٹے کا نام اسرائیل اور ایک کا نام میکائیل رکھا گیا۔ اسرائیل کو سلطان محمود غزنوی نے کالنجر کے قلعہ میں قید کر کے بھیج دیا تھا۔ جو محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد رہا ہو کر اپنے قبیلہ میں واپس گیا۔ میکائیل کا بیٹا سلطان طغرل تھا۔ اور طغرل کے دوسرے بھائی چغری بیگ کا بیٹا سلطان الپ ارسلان سلجوقی تھا۔ جن کے حالات اوپر کسی باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس طرح سلجوقی قبیلہ کو اگر افراسیاب کی اولاد میں تسلیم کر لیا جائے تو وہ ترک نہ تھا۔ بلکہ کیانی قبیلہ تھا۔ ترکستان میں رہنے والے ترکوں یعنی تاتاریوں نے بھی بار بار ایران و خراسان میں اپنی ترک تاز دکھائی۔ انہیں میں سے ایک وہ قبیلہ تھا۔ جس نے سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور جو ترکان عثمانی کے نام سے مشہور اور جن کے حالات آئندہ بیان ہونے والے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ قبیلہ مغول نام ہے۔ مغول خان کی اولاد کا اور ہر ایک فرد پر بھی مغول ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مغول کا مخفف مغل ہے۔ جو لوگ مغل کی جمع مغول سمجھتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ مغول جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ مغول و تاتار ایک دوسرے سے جُدا ہو کر اور جُدا جُدا ملکوں میں سکونت اختیار کر کے ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے اور چڑھائیاں کرتے رہے۔ جبتک کیانی خاندان ملک توران پر حکمران رہا۔ اُس نے تاتاریوں کا ساتھ دیا اور مغول ہمیشہ مغلوب و مقتول ہوتے رہے اور اُن کو کبھی تاتاریوں پر چیرہ دستی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان لڑائیوں میں مغلوں کی اکثر عورتیں تاتاریوں کے قبضے میں آجاتی تھیں۔ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی۔ اس اولاد کو تاتاری لوگ باندی بچہ سمجھتے اور اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس قسم کے لوگوں کی کثرت ہوئی۔ اور اُن کی شادیاں اسی قسم کے پرستار زادوں میں ہونے لگیں۔ اس طرح ایک الگ قوم تیار ہوگئی جس کو قراتاتار کا خطاب دیا گیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے۔ کہ انہیں لوگوں کو ترکمان کہا جاتا ہے۔ یہ تاتاریوں کی مغلوں سے نفرت کا نتیجہ تھا۔ کہ اُنھوں نے مغل عورتوں کی اولاد کو اپنا ہمسر نہ سمجھا ورنہ حقیقتاً مغل اور تاتار ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔

بعض لوگ غلطی سے قوم ازبک کو تاتاری قوم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ازبک چنگیز خان کی اولاد میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ غلط فہمی غالباً اس لئے پیدا ہوئی ہے۔ کہ ہندوستان کے سلاطین مغلیہ کی قبیلہ ازبک کے کئی فرمانرواؤں سے لڑائیاں ہوئی ہیں۔ اور وہ ازبک اُس زمانے میں ملک ترکستان کے بادشاہ تھے۔ اُن کو ترکستان کا بادشاہ دیکھ کر آجکل کے تاریخ دانوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ تاتاری تھے۔ ہاں تاتاری لوگوں کی سلطنت ضرور سلطنت ہے۔ قبائل مغولیہ میں قبچاق۔ ایغور۔ خلج۔ قاچار۔ افشار۔ جلائر۔ ارلات۔ دوغلات۔ قنقرات۔ سلدوز۔ اغون توچین۔ ترخانی۔ طغائی۔ تاقشتان وغیرہ بہت سی شاخیں ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کرنے کی اس جگہ ضرورت نہیں۔

یہ بات اب بخوبی سمجھ میں آگئی ہوگی۔ کہ ترک ایک ایسا عام لفظ ہے۔ جو مغلوں اور تاتاریوں کے ہر ایک قبیلہ پر بولا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تاتار اور مغل دونوں ایک ہی قبیلۂ ترک کی دو شاخیں ہیں۔ مغلوں کا اصل وطن چین و منگولیا تھا۔ اور تاتاریوں کا وطن ترکستان تھا۔ بعد میں تاتاریوں کو ترک کہنے لگے اور لفظ ترک کی عمومیت محدود ہو کر تاتار کی مترادف رہ گئی۔ اس طرح تاتار کا لفظ عرف عام سے غائب ہو گیا۔ اور ترک و مغل دونوں قوموں کے نام مشہور ہوئے۔ اب بعض مورخین نے اصلیت کی بنا پر مغلوں کو بھی ترک کے نام سے یاد کیا۔ کیونکہ وہ ترک بن یافث کی اولاد سے ہیں۔ بعض نے سلجوقیوں کو بھی ترک کہا اور بعض نے سلاطین عثمانیہ کو بھی اسی وجہ سے مغلوں کا ہم قوم قرار دیا۔ غرض اوپر کے بیان کو اگر بغور پڑھ لیا جائے تو تاریخ کے مطالعہ کرنے والے کی بہت سی دقتیں حل ہو سکتی ہیں۔ اب ہم کو فتنۂ مغولان چنگیزی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بات اور ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ کہ تاتاریوں کی قوم جو مغلوں سے زبردست ہونے کی وجہ سے مغلوں کو اپنے علاقے سے باہر قدم رکھنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ ترکستان سے نکل کر خراسان۔ ایران۔ عراق۔ شام۔ ایشیائے کوچک تک پھیل گئی تھی۔ اور اس قوم کے بہادر اولوالعزم افراد و قبائل ممالک اسلامیہ میں بڑے بڑے مناصب اور عہدوں پر فائز ہو کر اپنے قدیمی وطن ترکستان کا خیال چھوڑ چکے تھے۔ ان میں ہر قسم کی تہذیب و شائستگی بھی آگئی تھی۔ اور مغول قوم کا پشتینی دشمن ان کے راستے سے الگ ہو چکا تھا۔ لہٰذا وقت آگیا تھا۔ کہ یہ قوم بھی اپنے تمام جہل و بد تمیزی اور سفاکی و بد تہذیبی کے ساتھ اپنے کوہستانی مامن اور قدیمی وطن کو چھوڑ کر متمدن دنیا میں نکلے اور غافلوں کے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہو۔

چنگیز خان مورخین نے ان مغلوں کی تصویر جو الفاظ میں کھینچی ہے۔ اس طرح ہے۔ کہ یہ لوگ ترکوں سے بہت مشابہ ہیں۔ ان کے چوڑے چکلے سینے۔ کشادہ چہرے۔ چھوٹے سر ہیں اور گندمی رنگ ہیں سریع الحرکت اور تیز ذہن ہیں۔ جب کسی اہم کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اپنی رائے کو ظاہر نہیں کرتے اور دفعتہً بے خبری کی حالت میں اپنے دشمن پر جا گرتے اور اس کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دیتے۔ سینکڑوں حیلے جانتے ہیں۔ اور دشمن کے لئے راہ فرار کو مسدود کر دیتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مل کر لڑتی ہیں۔ اور شمشیر زنی میں کسی طرح مردوں سے کم نہیں ہیں۔ جس چیز کا گوشت ملتا ہے کھا جاتے ہیں۔ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتے۔ کوئی شخص جاسوس بن کر ان کے ملک میں نہیں جا سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے حیلے سے فوراً پہچان لیا جاتا ہے۔ قتل کرنے میں وہ مرد۔ عورت۔ بچے۔ بوڑھے سب کو قتل کر دیتے ہیں۔ گویا قتل عام کا مفہوم انہیں کے قتل سے سمجھ میں آتا ہے۔ وہ حملہ آور ہوتے وقت آبادیوں کو بالکل تباہ و برباد کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو مال و زر کی طمع نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مقصود دنیا کو ویران و تباہ کرنا ہے۔

مغلوں کا ملک چھ صوبوں یا حصوں میں منقسم تھا۔ ہر حصے پر ایک شخص حکمران تھا۔ اور یہ تمام حکمران ایک بادشاہ کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ جو مقام قراقرم میں رہتا تھا۔ ان چھ صوبوں میں سے ایک صوبہ کی حکومت بوزنجر ابن الانقوا کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ تومنہ خان ابن بایسنقر خان تک نوبت پہنچی۔ تومنہ خان کے گیارہ بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک بیوی کے

پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور دو دوسری بیوی کے پیٹ سے توام پیدا ہوئے تھے۔ ان دونوں توام بیٹوں کے نام اُسنے قبل خان اور قاچولی بہادر رکھے۔ ایک رات قاچولی بہادر نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے بھائی قبل خاں کے گریبان سے ایک ستارہ نکل کر آسمان پر پہونچا اور اپنی روشنی زمین پر ڈالنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ستارہ غائب ہوا اور اُس جگہ دوسرا ستارہ پیدا ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی غائب ہوا اور اُس کی جگہ تیسرا ستارہ پیدا ہوا۔ اس تیسرے ستارے کے غائب ہونے پر چوتھا ستارہ نمودار ہوا اس قدر بڑا اور تیز روشنی والا تھا۔ کہ تمام جہان اُس کی روشنی سے منور ہوگیا۔ اس بڑے اور روشن تر ستارے کے غائب ہونے پر کئی چھوٹے چھوٹے روشن ستارے آسمان پر نمودار ہوئے۔ اور قاچولی بہادر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اس خواب کی تعبیر کے متعلق غور وفکر میں مصروف تھا کہ اُس کو پھر نیند آگئی ابکی مرتبہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ خود اُس کے گریبان سے ایک ستارہ نکلا اور آسمان پر چمکنے لگا۔ اُس کے بعد دوسرا اُس کے بعد تیسرا غرض یکے بعد دیگرے سات ستارے نمودار ہوئے۔ ساتویں ستارے کے بعد ایک بہت بڑا اور نہایت روشن ستارہ نمودار ہوا۔ جس کی روشنی سے تمام جہاں منور ہوگیا۔ اس بڑے اور روشن ستارے کے غائب ہونے پر کئی چھوٹے چھوٹے ستارے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد قاچولی بہادر کی آنکھ کھل گئی اُس نے اپنے اِن دونوں خوابوں کو اپنے باپ سے بیان کیا۔ تومنہ خان نے سُن کر کہا کہ قبل خان کی چوتھی پشت میں کوئی عظیم الشان بادشاہ پیدا ہوگا۔ اور تیری آٹھویں پشت میں ایک عظیم الشان بادشاہ پیدا ہوگا۔ اور میری نسل میں عرصہ دراز تک حکومت وسلطنت رہے گی۔ اس کے بعد تومنہ خان نے قبل خان اور قاچولی بہادر دونوں کو آپس میں متحد ومتفق رہنے کی نصیحت کی اور دونوں بیٹوں کے درمیان ایک عہدنامہ لکھواکر دونوں کے دستخط کرائے اور اپنی بھی مہر لگاکر خزانچی کے سپرد کیا۔ کہ یہ عہدنامہ نسلاً بعد نسلٍ باقی اور محفوظ رہنا چاہیئے۔ اس عہدنامہ میں لکھا گیا تھا۔ کہ بادشاہت وحکومت قبل خان کی اولاد میں رہے گی۔ اور فوج کی سپہ سالاری قاچولی بہادر کی اولاد سے مخصوص رہے گی۔ تومنہ خان کی وفات کے بعد قبل خاں تخت حکومت پر بیٹھا۔ قبل خان کے بعد تو یلہ خان۔ تو یلہ خان کے بعد برتان بہادر اور برتان بہادر کے بعد یسوکا بہادر تخت نشین ہوا۔ ۲۰ ذیقعدہ ۵۴۹ھ کو یسوکا بہادر کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسی سال مغولستان کے قاآن اکبر یعنی بادشاہ اعظم کا انتقال ہوا تھا۔ جس کا نام تموچین تھا۔ لہٰذا یسوکا بہادر نے اپنے اس بیٹے کا نام تموچین رکھا جو بعد میں چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ ۵۶۲ھ میں یسوکا بہادر فوت ہوا۔ تو تموچین کی عمر صرف تیرہ سال کی تھی۔ یسوکا بہادر کے بعد تموچین اپنے چھوٹے سے علاقے کا بادشاہ و فرمانروا قرار پایا۔ مگر لوگوں نے اُس کو کم عمر اور کم حیثیت سمجھکر اُس کی سرداری وسروری سے انکار کیا۔ اور بغاوت وسرکشی کے آثار نمایاں ہوئے۔ اسی حالت میں تموچین نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ جب اُس نے اپنے دونوں ہاتھ مشرق ومغرب کی طرف پھیلائے۔ تو دونوں تلواروں کے سرے افق مشرق اور افق مغرب تک پہنچ گئے یہ خواب اُس نے اپنی ماں سے بیان کیا تو اس کو یقین ہوگیا۔ کہ میرا یہ بیٹا مشرق ومغرب کے تمام لوگوں کو فنا کرے گا اور اس کے ہاتھ سے بڑی خونریزی ہوگی۔ اسی طرح اُس کی ماں کو معلوم تھا۔ کہ

پیدا ہونے کے وقت تموچین کے ہاتھ کی دونوں مٹھیاں بند تھیں۔ ان کو کھول کر دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں منجمد خون تھا۔ اس منجمد خون کو دیکھ کر اس وقت بھی سب نے یہی رائے قائم کی تھی۔ کہ یہ لڑکا بڑا خونریز ہوگا۔ لوگوں کی سرکشی یہاں تک پہنچی۔ کہ سوائے ایک شخص امیر قراچار کے جو قاچولی بہادر کی اولاد سے تھا۔ باقی تمام اولاد قاچولی بہادر کی بھی تموچین سے باغی ہوگئی۔ تموچین نے اپنے ملک کے متصل ملک کے فرمانروا سے جس کا نام اونگ خان تھا۔ امداد چاہی اور اسکی پناہ میں خود چلا گیا۔ اونگ خان نے تموچین کی خوب خاطر مدارات اور تسلی و تشفی کی اور اپنے بیٹوں کی طرح اس کی خبر گیری کرنے لگا۔ مگر چند روز کے بعد کچھ جمعیت بہم پہونچا کر چنگیز خان نے اپنے اس محسن اونگ خان کے خلاف کارروائی شروع کی اور اپنے ساتھیوں کو لیکر ایک درہ میں مضبوط ہو بیٹھا۔ اور اپنی مخالفت کا اعلان کیا۔ آخر لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں اتفاقاً امیر قراچار کے تیر سے اونگ خان سخت زخمی ہوکر منہزم ہوا۔ اور ایک دوسرے سردار یانگ خان نے بحالت فرار اس کو قتل کرادیا۔ اب توقع یہ تھی۔ کہ یانگ خان اور تموچین کے درمیان صلح رہے گی۔ کیونکہ اونگ خان کو قتل کر کے یانگ خان نے تموچین کی امداد کی تھی۔ مگر چنگیز خان نے اس فتح کے بعد اپنے گرد بہت جلد قبائل کو جمع کر لیا۔ اور لوگوں نے اس کو بہادر دیکھ کر بخوشی اس کی سرداری تسلیم کرنی شروع کی۔ ایک شائستہ جمعیت لیکر چنگیز خان نے یانگ خان کے علاقہ پر فوجکشی شروع کر دی۔ لڑائی میں یانگ خان بھی مقتول ہوا اور چنگیز خان نے ایک وسیع مملکت پر قبضہ کر لیا ان فتوحات کے بعد یکایک تموچین قبائل مغلیہ کا مرجع و مرکز بن گیا۔ اور اس کی طاقت مغولستان کے قاآن اکبر کی مدمقابل بن گئی۔ اسی اثناء میں ایک شخص جس کا نام تنکیری تھا۔ اور مغل اس کو بڑا عابد زاہد اور قابل تکریم سمجھتے تھے۔ چنگیز خان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک سرخ آدمی کو جو سرخ لباس میں سرخ گھوڑے پر سوار تھا۔ دیکھا اس نے مجھ سے کہا کہ تو میسو کا بہادر کے بیٹے سے جا کر کہدے کہ وہ آج کے بعد سے اپنا نام تموچین تبدیل کر کے اپنے آپ کو چنگیز خان کے نام سے موسوم کرے۔ خدائے تعالےٰ کا منشا ہے کہ چنگیز خان کو بہت سے ملکوں کا شہنشاہ بنائے۔ تنکیر کے اس کلام کو سن کر اگرچہ چنگیز خان نے اس کو دروغگو تصور کیا۔ مگر اس کی بات کا تسلیم کر لینا اس نے مناسب سمجھا اور اپنے آپ کو چنگیز خان کے نام سے موسوم کیا۔ ترکی زبان میں چنگیز خان کے معنی شہنشاہ کے تھے۔ یا شاید چنگیز خان کے بعد یہ نام شہنشاہ کا مترادف قرار پایا۔ چند روز کے بعد تنکیری کا کسی بات پر چنگیز خان کے ایک مصاحب سے جھگڑا ہوگیا۔ اس نے تنکیری کی گردن پکڑ کر اور اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹکا کہ تنکیری کا دم نکل گیا۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ تمام قبائل مغلیہ اور مغولستان پر چنگیز خان کا قبضہ ہوگیا۔ اور قاآن اکبر بعد مقابلہ منہزم ہوکر مقتول ہوا۔ سب نے چنگیز خان کو قاآن اکبر تسلیم کیا۔ اس کے بعد چنگیز خان قبائل تاتار کی طرف متوجہ ہوا۔ تاتاریوں کے بادشاہ نے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پایا۔ اور اپنی لڑکی کی شادی چنگیز خان سے کر کے صلحنامہ تحریر کر دیا۔ اس کے بعد تاتاری سرداروں نے اپنے بادشاہ سے بغاوت اختیار کی اس نے مجبور ہوکر چنگیز خان سے امداد طلب کی بہت کشت و خون ہوا۔ تاتاری بادشاہ خود ہی زہر کھا کر مر گیا۔ اور چنگیز خان کا ملک ختا کے اکثر حصے پر قبضہ ہوگیا۔ چنگیز خان درحقیقت مغلوں میں بڑا بیدار مغز اور بہادر آدمی تھا۔ اس کے کاموں سے جو اس نے اپنی قدرت انتظامیہ سے انجام دیئے۔ اس کی دانائی

اور ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ اپنی خونریزی کے لئے شہرت عظیم رکھتا ہے۔ مگر اُس زمانے کی دنیا کے حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے۔ کہ وہ اپنے آپ کو خونریزی سے نہ بچا سکا۔ مغلوں کے دین و مذہب کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے یہاں ایک خالق و قادر ہستی کا تصور ضرور تھا۔ یعنی وہ خدا تعالےٰ کے قائل تھے۔ باقی عبادات اُن کے بہت کچھ ہندوستان کے غیر آریہ یعنی قدیم باشندوں کی عبادات سے مشابہ تھے۔ اس ملک میں ضرور کوئی نہ کوئی پیغمبر مبعوث ہوئے ہوں گے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ہدایت نامے لائے ہوں گے۔ لیکن مرورِ ایام اور جہالت کے سبب مغل اپنے پیغمبر اور آسمانی ہدایت ناموں کو فراموش کر چکے تھے۔ اُن میں حرام و حلال کی بھی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر ایک چیز کھا لیتے۔ اور ہر ایک کام کر گذرتے تھے۔ کچھ ملک کی آب و ہوا کچھ قبائل کی علاتیں مل ملا کر باعث اس کا ہوئی تھیں کہ مورخین نے مغلوں کے مذہب کی نسبت لکھ دیا ہے کہ اُن کا مذہب انسانوں کو قتل کرنا تھا۔ اور بس۔ اُن میں ستارہ پرستی اور عناصر پرستی بھی پائی جاتی تھی۔ اگرچہ اُن کو مجوسی نہیں کہہ سکتے۔ تاہم آتش پرستی بھی اُن میں موجود تھی۔ مذہب اور عقائد کے اعتبار سے ایسی پست اور جاہل قوم میں چنگیز خاں کا وجود ایک مصلح اور مجدد کا مرتبہ رکھتا ہے۔ اُس نے سب سے پہلے تمام مغولستان میں اپنی مضبوط سلطنت بہت ہی جلد قائم کر لی۔ اور اُس کے بعد وہ مغلوں کی اخلاقی و معاشرتی اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ سلطان محمد خوارزم شاہ ایران و خراسان و کابل و ترکستان وغیرہ ممالک پر قابض و مستولی ہو کر خلافت بغداد کے انہدام و بربادی کے ارادے کر رہا تھا۔ اور براعظم ایشیا میں سب سے زیادہ طاقتور اور زبردست مسلمان بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر لدین اللہ اور محمد خوارزم شاہ کے درمیان ناچاقی نے جب یہاں تک نوبت پہونچائی کہ خوارزم شاہ نے بغداد پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ تو خلیفہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو سفیر بنا کر خوارزم شاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ شیخ ممدوح نے سلطان کے دربار میں پہنچکر مناسب تقریر کی۔ اور اُس کو بغداد پر چڑھائی کرنے سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ خوارزم شاہ نے کہا کہ شیخ صاحب آپ عباسیوں کے بہت مداح اور خیر خواہ ہیں۔ لہٰذا آپ بغداد کو واپس تشریف لیجایئے۔ میں تو علویوں کو عباسیوں پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور عباسی خلافت کو مٹا کر علویوں کی امداد کرنا چاہتا ہوں۔ میں ضرور بغداد پر چڑھائی کروں گا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ وہاں سے ناکام واپس ہوئے۔ اور خوارزم شاہ کے لئے بددُعا کی کہ الہٰی اس پر ظالموں کو مسلط کر۔ خوارزم شاہ نے فوج لیکر کوچ کیا۔ مگر راستے میں اس قدر برف باری ہوئی۔ کہ فوج کا راستہ بند ہو گیا۔ اور سخت مجبوری کے عالم میں خوارزم شاہ نے چڑھائی کو دوسرے سال پر ملتوی کیا۔ اور راستے ہی سے لوٹ گیا۔ اتفاقاً ایک روز حالت بدمستی میں حکم دیا کہ حضرت شیخ مجدالدینؒ کو قتل کردو۔ چنانچہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ [illegible] دن جب ہوش میں آیا تو اپنی اس حرکت پر پشیمان ہو کر خونبہا حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں بھیجا انہوں [illegible] کہا کہ شیخ شہید کا خونبہا تو میرا اور تیرا سر ہے۔ اور ساتھ ہی ہزارہا مسلمانوں کے [illegible] خونبہا میں کاٹے جائیں گے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ شہاب الدینؒ سہروردیؒ اور حضرت شیخ مجدالدینؒ اور نجم الدینؒ [illegible] کا نتیجہ تھا۔ کہ خوارزم شاہ پر آفت نازل ہوئی۔ تفصیل اُس کی یہ ہے۔ کہ چنگیز خاں نے [illegible] زبردست سلطنت قائم کر لی۔ [illegible] اور

دوستی کا عہد قائم کر لیں۔ کیونکہ دونوں کی حدود ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ چنگیز خان نے اپنے ایلچیوں کے ہاتھ محمد خوارزم شاہ کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ میں نے اس قدر وسیع ممالک فتح کر لیے ہیں۔ اور میرے زیر فرمان اس قدر جنگجو قبائل ہیں۔ کہ اب مجھکو دوسرے ملکوں کے فتح کرنے کی آرزو اور تمنا نہیں ہے۔ اسی طرح تم بھی بہت سے ملکوں پر قابض و متصرف اور بہت بڑے بادشاہ ہو۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تم دونوں آپس میں محبت و دوستی کا عہد کریں تاکہ ہر ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن رہے اور صلاح و فلاح خلائق میں اطمینان کے ساتھ مصروف ہو جائے۔ اس خط میں چنگیز خان نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں تم کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز سمجھوں گا۔ اس خط کو پڑھ کر محمد خوارزم شاہ نے بظاہر چنگیز خان کے سفیروں کی خاطر مدارات کی اور دوستی کا عہد نامہ لکھ دیا۔ مگر خط کے اس آخری لفظ یعنی بیٹے والے فقرے کو اس نے ناپسند کیا اور اپنی تحقیر سمجھا۔ عہد نامہ میں طرفین نے تجارت کی آزادی کو تسلیم کیا۔ اور تاجر ایک دوسرے کے ملک میں آنے جانے لگے۔ چنگیز خان اگرچہ کافر تھا۔ مگر ہم کو اس کی اس دانائی کی داد دینی چاہیئے۔ کہ اس نے ایک زبردست بادشاہ کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لئے آشتی میں ابتدا کی۔ یہ بات بھی اس کی دانائی کی دلیل ہے۔ کہ عہد نامہ صلح میں اسی کی خواہش سے تاجروں کے آنے جانے کی آزادی کا ذکر کیا گیا۔ بظاہر اس وقت تک چنگیز خاں کا کوئی ارادہ ممالک اسلامیہ پر تاخت و تاراج کا نہیں معلوم ہوتا۔ اس صلحنامہ کے بعد خلیفہ ناصر لدین اللہ عباسی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس نے ایک شخص کا سر منڈوا کر اس پر ایک خط چنگیز خان کے نام نقش کیا۔ یعنی جلد میں نوک نشتر سے گود کر سرمہ بھر دیا گیا تھا۔ اس عجیب و غریب خط میں لکھا تھا کہ تم سلطان محمد خوارزم شاہ پر حملہ کرو۔ اور ہم کو اپنا ہمدرد تصور کرو۔ اس طرح منڈے ہوئے سر پر جب خط لکھا گیا تو چند روزہ انتظار کے بعد بال سر پر جم آئے۔ اور اس شخص کو چنگیز خان کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ جب وہ شخص چنگیز خان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں خلیفہ کا ایلچی ہوں اور خلیفہ کا پیغام میرے سر پر منقوش ہے۔ میرے سر کے بال منڈوا دو اور خلیفہ کا پیغام پڑھ لو۔ چنانچہ اس کا سر منڈوا کر چنگیز خان نے خلیفہ کا پیغام پڑھا اور ایلچی سے معذرت کی کہ میں صلح کر چکا ہوں۔ اس لئے اپنے عہد کے خلاف چڑھائی اور لڑائی خوارزم شاہ سے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خلیفہ کا ایلچی سر منڈوا کر ناکام واپس چلا آیا اور چنگیز خان نے خوارزم شاہ کے نام دوستی و محبت کو اور زیادہ پائیدار بنانے کے لئے ایک خط لکھا۔ جس میں خوب اظہار محبت کیا گیا۔ بات یہ تھی کہ خوارزم شاہ قریب تھا۔ اور اس کے ملک کی حدود ملی ہوئی تھیں۔ اس لئے چنگیز خان خوارزم شاہ سے بہت خائف اور ترساں تھا۔ چنگیز خان اس بات کو بھی جانتا تھا۔ کہ خلیفہ بغداد خوارزم شاہ سے بھی زیادہ عظمت و طاقت رکھتا ہے۔ لیکن خلیفہ بغداد کا اس کو کوئی خوف نہ تھا۔ کیونکہ بہت سے ملک درمیان میں حائل تھے۔ اب خوارزم شاہ کی بدنصیبی دیکھئے۔ چنگیز خان نے اپنا خط ایک ایلچی کو دیا۔ اور اس ایلچی کو ان ساڑھے چار سو مسلمان سوداگروں کے قافلے کے ساتھ کر دیا۔ جو مغلستان میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے۔ اور اب واپس جا رہے تھے۔ سوداگروں کے اس تمام قافلہ کو چنگیز خان نے اپنا وفد سفارت قرار دیا۔ کیونکہ ان سوداگروں میں بعض بڑے مرتبہ کے امیر دربار دس تاجر تھے۔ جب یہ قافلہ مقام انزار میں پہنچا تو خوارزم شاہ کے نائب السلطنت نے جو وہاں موجود تھا۔ اس قافلہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ قافلہ والوں نے

ہرچند کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ سوداگری کے لیے مغولستان گئے تھے۔ اب واپس آرہے ہیں۔ اور بادشاہ
مغولستان کی طرف سے سفیر بن کر بھی آئے ہیں۔ مگر اُس حاکم نے کچھ نہ سُنا اور خوارزم شاہ کو لکھا کہ مغولستان
سے کچھ جاسوس سوداگر اور سفیروں کے لباس میں آئے ہیں۔ میں نے اُن کو گرفتار کرلیا ہے۔ ان کی نسبت
آپ کا کیا حکم ہے۔ سُلطان خوارزم شاہ نے لکھا کہ اُن کو قتل کردو۔ چنانچہ حاکم اترار نے ان ساڑھے
چار سو آدمیوں کو بےدریغ تہ تیغ کرکے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلیا۔ ان میں سے ایک شخص کسی طرح
بچ کر نکل بھاگا۔ اور اُس نے جاکر چنگیز خاں کو قافلہ کے مقتول ہونے کا حال سُنایا۔ چنگیز خان نے ایک
ایک خط پھر خوارزم شاہ کے پاس نہایت اہتمام و احتیاط کے ساتھ بھیجا اور اس میں لکھا کہ حاکم
اترار نے بڑی نالائقی کا کام کیا ہے اور بیگناہ لوگوں کو قتل کرکے جرم عظیم کا مرتکب ہوا ہے مناسب
یہ ہے کہ اُس کو یا تو میرے سپرد کیا جائے یا آپ خود کوئی عبرت ناک سزا دیں۔ خوارزم شاہ نے اس
اس خط کو پڑھتے ہی چنگیز خان کے ایلچی کو جو یہ خط لیکر پہنچا تھا۔ قتل کردیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ
کہ چنگیز خان نے اس کے بعد پھر ایک ایلچی بھیجا اور لکھا کہ ایلچی کا قتل کرنا بادشاہوں کا کام نہیں ہے اور
سوداگروں کی حفاظت کا انتظام کرنا بادشاہوں کا فرض ہے۔ میرے مطالبات پر آپ دوبارہ غور
فرمائیں۔ جو ایلچی یہ پیغام لیکر گیا۔ اُس کو بھی خوارزم شاہ نے قتل کردیا۔ یہ حالات سُن کر چنگیز خان نے
مغولستان و ترکستان کے جنگجو قبائل کی فوج مرتب کرنی شروع کی اور خوارزم شاہ کو بادشاہ کے نام سے
یاد کرنا چھوڑ دیا۔ بلکہ جب اُس کا ذکر آتا کہتا کہ وہ بادشاہ نہیں۔ بلکہ چور ہے۔ کیونکہ بادشاہ ایلچیوں کو
قتل نہیں کیا کرتے۔ اتفاق سے انہیں ایام میں ایک سرحدی سردار توق تغان نامی سے کچھ سرکشی کے علامات
معائنہ کرکے چنگیز خان نے اپنے بیٹے جوجی خان کو اُس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ توق تغان
ماوراءالنہر کے علاقے میں چلا آیا۔ جہاں سلطان خوارزم شاہ بھی کسی سبب سے آیا ہوا تھا۔ جوجی خان
نے توق تغان کا تعاقب کرکے اُس کو گرفتار کرلیا۔ یہ دیکھ کر خوارزم شاہ نے جوجی خان کی طرف حرکت کی
جوجی خان نے خوارزم شاہ کے پاس خط بھیجا کہ آپ مجھ پر حملہ نہ کریں۔ میں آپ سے لڑنے پر مامور نہیں گیا
گیا ہوں۔ میں تو صرف اپنے باغی کو گرفتار کرنے آیا تھا۔ میرا مقصد حاصل ہوچکا ہے۔ اور میں واپس
جارہا ہوں۔ مگر خوارزم شاہ نے اس پر کوئی التفات نہ کیا۔ اور جوجی خان پر حملہ آور ہوا۔ لڑائی
ہوئی شام تک زور آزمائی میں کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ رات کو جوجی خان اپنے لشکرگاہ میں آگ جلتی
ہوئی چھوڑ کر مغولستان کی طرف کوچ کرگیا۔ اور تمام حالات چنگیز خان کو سُنائے۔ چنگیز خان
یہ حالات سنتے ہی مغلوں کا لشکر عظیم لیکر ایران اور ممالک اسلامیہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس
جگہ ہم کو سکون قلب کے ساتھ غور کرلینا چاہیئے۔ کہ ایک مسلمان بادشاہ سے کیسی نالائق حرکات
سرزد ہوئیں۔ اور ایک کافر بادشاہ کن حالات اور کن مجبوریوں میں ممالک اسلامیہ پر حملہ آور
ہوتا ہے۔ جہاں تک عدل و انصاف سے کام لیا جائے گا۔ کبھی تک چنگیز خان کو موردِ الزام نہیں
ٹھہرایا جا سکتا۔

سنہ ۶۱۶ھ میں چنگیز خان فوج لیکر ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور مقام اترار کے
قریب پہونچکر جوجی خان اوکتائی خان اور چغتائی خان تینوں بیٹوں کو اترار کے محاصرے پر
مامور کیا۔ اور الاق نویان و سنکتو بوقا کو خجند اور بناکت کی جانب فوج دیکر روانہ کیا اور خود اپنے چھوٹے

بیٹے تولی خان کو ہمراہ لیکر بخارا کی طرف متوجہ ہوا۔ مغلوں کے اس حملہ کا حال سُن کر خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار فوج حاکم اترار کی مدد کے لئے روانہ کی۔ اور تیس ہزار سوار بخارا کی طرف بھیجے۔ دو لاکھ دس ہزار فوج سمرقند کی حفاظت پر مامور کی اور ساٹھ ہزار آدمی برج اور قلعہ کی تعمیر و استحکام کے لئے مقرر کر کے خود سمرقند سے خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ خوارزم شاہ سے بڑی غلطی یا بزدلی یہ ظاہر ہوئی کہ اُس نے باوجود اتنی بڑی فوج کے خود چنگیز خان کا مقابلہ نہ کیا بلکہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ آیا۔ اپنے بادشاہ کو خراسان کا عازم دیکھ کر یقیناً فوج کے دل چھوٹ گئے ہوں گے اُس پر طرہ یہ کہ جب سمرقند سے چلنے لگا تو خندق پر پہنچکر کہنے لگا۔ کہ ہم پر اتنی بڑی قوم نے حملہ کیا ہے کہ اگر وہ صرف اپنے تازیانے ڈالیں تو سمرقند کی یہ خندق تمام و کمال پُر ہو جائے۔ یہ سُن کر سمرقند کے محافظ لشکر پر مغلوں کی اَور بھی ہیبت طاری ہو گئی۔ خوارزم شاہ سمرقند سے روانہ ہو کر بلخ پہونچا اور اپنے اہل و عیال اور خزانے کو مازندان بھیجدیا۔ بلخ میں آکر امرا اور سرداروں سے مشورہ کیا۔ کہ مغلوں کے مقابلے میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ خوارزم شاہ کے سات بیٹے تھے۔ اُن میں سے ایک بیٹے نے جس کا نام جلال الدین تھا۔ باپ کو خائف و ترساں دیکھ کر کہا کہ آپ اگر عراق کی طرف جانا چاہتے ہیں تو شوق سے چلے جائیے فوج کی سرداری مجھ کو عنایت کیجئے میں فوج لیکر دشمن پر حملہ کرتا ہوں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ دریائے جیحوں کے پار جاکر اپنا خیمہ نصب کروں گا۔ ماوراء النہر کی حفاظت میرے سپرد کیجئے اور آپ عراق و خراسان کو سنبھالئے مگر خوارزم شاہ نے اس بات کو پسند نہ کیا۔ بلخ سے ہرات کی طرف روانہ ہوا۔ اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ مغلوں نے بخارا فتح کر کے وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا۔ یہ سُن کر اَور بھی زیادہ پریشان و ہراسان ہوا۔ اور ہرات سے نیشاپور جاکر مقیم ہوا۔ مغلوں نے ابھی تک دریائے جیحون کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کی۔ بلکہ وہ ماوراء النہر ہی میں مصروفِ تاخت و تاراج رہے اور خوارزم شاہ نیشاپور میں مصروفِ عیش و نشاط رہا۔ ماہ صفر ۶۱۷ھ میں چنگیز خان کے ایک سردار نے تیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے جیحون کو عبور کیا۔ یہ خبر سُن کر خوارزم شاہ سخت پریشان ہوا اور اپنے اہل و عیال اور خزانہ کو قلعہ قارون میں بھیجکر خود نیشاپور سے اسفرائن چلا گیا۔ مغلوں نے جب دیکھا کہ خوارزم شاہ مقابلہ پر نہیں آتا۔ اور ہمارے خوف سے بھاگتا پھرتا ہے۔ تو اُن کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ اُنہوں بڑھ کر خوارزم شاہ کا تعاقب شروع کر دیا۔ خوارزم شاہ مغلوں کے آگے آگے بھاگتا ہوا قارون دژ میں جہاں اُس کے اہل و عیال اور خزانہ موجود تھا۔ پہنچا۔ لیکن اُس کے پہونچنے سے پہلے دوسری طرف سے مغلوں نے اُس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ وہاں سے خوارزم شاہ بھاگتا ہوا استرآباد اور استرآباد سے آمل پہونچا۔ وہاں سے ایک جزیرہ میں جاکر پناہ گزیں ہوا یہاں اُس کے پاس خبر پہنچی کہ مغلوں نے قلعہ قارون دژ فتح کر کے خزائن و اموال اور اُس کے اہل و عیال پر قبضہ کر لیا ہے یہ خبر سُن کر اُس کو سخت صدمہ ہوا اور اسی رنج و ملال میں فوت ہو گیا۔ جن کپڑوں کو پہنے ہوئے فوت ہوا تھا۔ اُنہیں میں دفن کر دیا گیا۔ کفن بھی میسر نہ ہوا۔ اب مغلوں نے تمام خراسان و ایران میں اودھم مچادی۔ اور قتل و غارت سے قیامت برپا کر دی خوارزم شاہ کے بیٹے بھی جو جابجا صوبوں کی حکومت پر مامور تھے۔ مغلوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

صرف ایک بیٹا جلال الدین جو سب بھائیوں میں بہادر، اور ذی ہوش اور عالی حوصلہ تھا باقی رہ گیا۔
اس عرصہ میں بخارا۔ سمرقند وغیرہ مقامات کو مغلوں نے فتح کر کے خراسان میں ہر مقام پر خون کے دریا بہانے شروع کر دیئے۔ آخر ربیع الاول ۶۱۷ھ میں چنگیز خان نے جیحون کو عبور کر کے بلخ وہرات میں قتل عام کیا۔ جب خوارزم شاہ کے اہل و عیال گرفتار ہو کر چنگیز خان کے سامنے حاضر ہوئے۔ تو اس سنگدل نے عورتوں اور بچوں پر رحم نہ کیا۔ سب کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ بلخ وہرات کے بعد نیشاپور مازندران۔ آمل۔ رے۔ ہمدان۔ قم۔ قزوین۔ اردبیل۔ تبریز۔ طفلیس۔ مراغہ وغیرہ میں مغلوں نے اس طرح قتل عام کیا کہ بچوں بوڑھوں عورتوں کو بھی امان نہیں دیا۔ مخلوق خدا کے اس طرح قتل ہونے کا تماشا اس سے پہلے چونکہ کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ لہٰذا عام طور پر مسلمانوں کے دلوں پر مغلوں کی ہیبت چھا گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مغلوں کی ایک عورت کسی گھر میں داخل ہو کر اس گھر کو لوٹتی اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ اس کی طرف نگاہ بھر کر دیکھ سکے یا زبان سے کچھ کہہ سکے۔ اہل ہمدان نے جو مغلوں کی تیغ بیدریغ سے بچ رہے تھے۔ مجتمع ہو کر اور مغلوں کے عامل کو کمزور دیکھ کر علم بغاوت بلند کیا۔ اور اس کو قتل کر دیا اس کے بعد مغلوں نے اہل ہمدان کو نہایت عبرتناک اور سفاکانہ طریقہ سے قتل کیا۔ پھر کسی کو جرأت مقابلے اور مقاتلے کی نہ ہوئی۔ جلال الدین ابن خوارزم شاہ اپنے باپ کی وفات کے بعد بحیرۂ کاسپین کے جزیرہ سے روانہ ہو کر شہر تبریز میں آیا۔ یہاں بعض بہادر دوستوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ مغلوں نے اس کو گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ مغلوں کی صفوں کو چیر کر معہ ہمراہیوں کے نکل گیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر غزنین پہنچا یہاں اس کو اپنے ہمدردوں اور دوستوں کی ایک جمعیت مل گئی۔ اس نواح میں جو مغلیہ فوج تھی۔ اس نے حملہ کیا۔ جلال الدین نے اس کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور یہ غالباً پہلی شکست تھی۔ جو چنگیزی فوج کو جلال الدین کے مقابلے میں حاصل ہوئی۔ اس خبر کو سن کر چنگیز خان قلعہ طالقان سے روانہ ہو کر بامیان پہنچا۔ یہاں اس کا ایک پوتا یعنی چغتائی خان کا بیٹا ایک تیر کے لگنے سے ہلاک ہوا۔ چنگیز خان نے بامیان کے زن و مرد کے قتل عام کا حکم دیا یہاں تک کہ اگر کوئی عورت حاملہ تھی تو اس کو قتل کر کے اس کے پیٹ میں سے بچے کو نکال کر اس بچہ کی بھی گردن کاٹی گئی۔ سلطان جلال الدین نے مغلوں کی فوج کو شکست فاش دیکر بہت جلد اپنی حالت کو درست اور مضبوط کر لیا۔ اور چنگیز خان کے مقابلے کے لئے مستعد ہو گیا۔ اگر خوارزم شاہ کی جگہ جلال الدین ہوتا تو یقیناً مغلوں کو چیرہ دستی کا یہ موقع ہرگز نہ مل سکتا۔ مگر خوارزم شاہ کی پست ہمتی اور بیوقوفی نے اپنے عظیم الشان لشکر سے کوئی کام بھی نہ لینے دیا۔ اور آباد شہروں کو مغلوں کی خون آشام تلوار سے قتل ہونے کے لئے بے گناہ چھوڑ دیا۔ سلطان جلال الدین جمعیت فراہم کر کے چنگیز خان کے مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔ مگر بدقسمتی سے اس جمعیت میں بعض ایسے سردار موجود تھے۔ جو عین وقت پر دھوکا دے کر مغلوں سے جا ملے اور سلطان جلال الدین کے پاس صرف سات سو آدمی رہ گئے۔ انہیں سے لڑتا بھڑتا دریائے سندھ کے ساحل کی طرف سلطان جلال الدین متوجہ ہوا چنگیز خان بھی اپنا لشکر عظیم لئے ہوئے وہاں پہنچ گیا۔ جلال الدین نے دریائے سندھ کو اپنی پشت پر رکھ کر لشکر مغول کا مقابلہ کیا مغلوں نے کمان کی شکل میں محاصرہ کر کے ہنگامہ کارزار گرم کیا۔ مگر جلال الدین نے اس بہادری اور جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ چنگیز خان اور اس کی لاتعداد فوج کے دانت کھٹے کر دیئے۔ سلطان جلال الدین جب حملہ آور ہوتا تھا۔ مغلوں کی صفوں کو دور تک پیچھے ہٹا دیتا تھا۔ مگر وہ پھر فراہم ہو کر بڑھتے

اور پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ حملہ آور ہوتے تھے۔ اپنی جمعیت کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے سبب اس معرکہ آرائی میں سلطان جلال الدین کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مگر سلطان جلال الدین کی شجاعت و بہادری کا سکہ چنگیز خان کے دل پر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ان سات سو بہادروں میں سے بھی جب صرف ایک سو کے قریب باقی رہ گئے۔ تو سلطان جلال الدین نے اپنی زرہ اُتار کر پھینک دی اور اپنا تاج ہاتھ میں لیکر گھوڑا دریائے سندھ میں ڈالدیا۔ اُس کے بقیہ ہمراہیوں نے بھی اپنے سلطان کی تقلید کی چنگیز خان نے چاہا کہ مغلوں کا لشکر بھی اُس کا تعاقب کرے اور اس بہادر شخص کو گرفتار کر کے لائے۔ لیکن اس بحر زخار میں گھوڑ ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ چنگیز خان اور مغل دریائے سندھ کے کنارے پر رُک گئے۔ اور دریا کے اندر ان مٹھی بھر بہادروں پر تیروں کا مینہ برساتے رہے۔ یہاں تک صرف سات آدمی مع سلطان جلال الدین کے کنارے پر پہنچ گئے۔ باقی سب دریا کے اندر مغلوں کے تیروں سے شہید ہو گئے۔ سلطان جلال الدین نے اس کنارے پر پہنچکر اپنے کپڑے اُتار کر جھاڑیوں پر سکھانے کے لئے ڈال دیئے۔ نیزہ زمین پر گاڑ کر اُس کی نوک پر اپنا تاج رکھ دیا۔ اور اُس کے پیچھے دم لینے لگا۔ اور گھوڑے کے زین کو اُتار کر خشک ہونے کے لئے سامنے رکھ دیا۔ چنگیز خان دوسرے کنارے پر کھڑا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور حیران تھا۔ اپنے تمام بیٹوں اور سرداروں کو جو اُس کے لشکر میں موجود تھے۔ سامنے بلا کر کہنے لگا کہ میں نے آج تک ایسا بہادر اور باہمت شخص نہیں دیکھا اس کے ہمراہی بھی اسی کی مانند بے نظیر بہادر ہیں۔ اتنے بڑے عظیم الشان دریا کو اس طرح عبور کرنا بھی انہیں کا کام تھا۔ اگر یہ شخص زندہ رہا تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ دُنیا سے مغلوں کا نام و نشان گم کر دے گا جس طرح ممکن ہو۔ اس کے قتل کرنے کی تدبیر سوچی جائے۔ مگر بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ چنگیز خان متاسف و مغموم دریائے سندھ کے کنارے سے واپس چلا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۶۲۰ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین نے سندھ میں کچھ فتوحات حاصل کیں اور اُس کے ہوا خواہ یہاں آ آ کر اُس کے ساتھ شامل ہوتے رہے۔ چند روز کے بعد سلطان جلال الدین دریا کو عبور کر کے کرمان کی جانب پہنچا وہاں سے شیراز گیا۔ اسی عرصہ میں فدائیوں کو متواتر ہزیمتیں دے کر ان کے قریباً تمام قلعوں کو سوائے قلعہ الموت کے منہدم کر دیا۔ فدائی یا باطنی گروہ مغلوں کی اس حملہ آوری کے وقت بہت مطمئن اور مسرور تھا۔ اور مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں سُن سُن کر یہ لوگ بہت خوش ہو رہے تھے۔ چونکہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے اسی طرح دشمن تھے جیسے کہ مغل لہذا ان کو مغلوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی تباہ حالت دیکھکر اپنے مقبوضات کو بہت وسیع کر لیا۔ سلطان جلال الدین نے ہندوستان سے فارس پہونچکر ان کی اچھی طرح خبر لی اور ان کی کمر توڑ دی۔ یہ کام سلطان جلال الدین کے قابل تذکرہ اور اہم کارناموں میں شمار ہونا چاہیئے۔ اب وہ زمانہ تھا۔ کہ مغلوں کا سیلاب شمال کی جانب متوجہ تھا۔ سلطان جلال الدین نے موقع مناسب سمجھکر بغداد کا رُخ کیا کہ وہاں جا کر خلیفہ ناصرلدین اللہ عباسی کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد طلب کریں۔ تاکہ مغلوں کا ممالک اسلامیہ سے اخراج و استیصال بآسانی کیا جا سکے۔ خلیفہ کو چونکہ جلال الدین کے باپ سے نفرت تھی۔ لہذا اُس نے جلال الدین کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھ کر فوراً امراکو مامور کیا کہ جلال الدین کو آگے نہ بڑھنے دو اور ہماری مملکت سے باہر نکال دو۔ یہ رنگ دیکھ سلطان جلال الدین مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔

اور امرائے بغداد کو شکست دے کر بھگا دیا پھر خود وہاں سے بجائے بغداد کے تبریز کی طرف متوجہ ہُوا تبریز پر قابض ہو کر گرجستان کی طرف گیا۔ وہاں کے امرانے بڑی عزت کے ساتھ اُس کا استقبال کیا اور اُس کی تشریف آوری کو بہت ہی غنیمت سمجھ کر سب نے اظہار اطاعت کیا۔ اب سلطان جلال الدین کی حالت پھر درست ہوگئی اُدھر مغلوں کا عظیم الشان لشکر اُس کے مقابلے پر آیا۔ اصفہان کے قریب معرکۂ کارزار گرم ہُوا۔ سلطان جلال الدین نے مغلوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور فتح عظیم حاصل کر کے تمام ملک گرجستان اور اُس کے نواحی علاقوں پر قابض و متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد مغلوں نے بہت تیاری اور عظیم الشان لشکر کے ساتھ سلطان جلال الدین پر حملہ کیا۔ اس حملہ کی تیاریوں کا حال سُن کر سلطان جلال الدین نے بغداد اور دوسرے اسلامی درباروں کی طرف ایلچی روانہ کئے کہ اس وقت میری مدد کرو اور اس متفقہ دشمن کا سر کچل لینے دو۔ مگر چونکہ جلال الدین کی بہادری اور شجاعت کی شہرت دُور دُور تک ہو چکی تھی۔ اس لئے کسی نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا۔ کہ جلال الدین مغلوں پر فتحیاب ہو کر ہمارے لئے موجب خطر بنے لہٰذا کوئی امداد جلال الدین کو کسی طرف سے نہ پہنچی مجبوراً وہ خود ہی مقابلہ کے لئے مستعد ہُوا۔ اور ممکن تھا کہ وہ مغلوں کو شکست دے کر اُن کے حوصلے پست کر دے اور آئندہ مصائب سے عالم اسلام نجات پا جائے۔ مگر خدا تعالیٰ کو یہ بات منظور نہ تھی۔ جلال الدین نے جو جاسوس مغلوں کے لشکر کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے مقرر کئے تھے۔ اُنہوں نے یہ غلط خبر سلطان کو پہنچائی۔ کہ مغلوں کا لشکر ابھی بہت دُور ہے۔ حالانکہ لشکر مغل بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ مغلوں نے آدھی رات کے وقت یکایک ایسی حالت میں حملہ کیا کہ جلال الدین کو کوئی توقع دشمن کے حملہ کی نہ تھی۔ اس طرح یکایک اپنے آپ کو دشمن کے پنجہ میں گرفتار دیکھ کر اوّل اُس نے ہاتھ پاؤں مارے اور مصروف جدال و قتال ہُوا۔ لیکن جب بالکل مایوس ہو گیا تو اس ہنگامے سے نکل کر کسی سمت کو گھوڑا اُڑا کر لے گیا۔ اس کے بعد کسی کو اُس کا حال معلوم نہ ہُوا۔ دو روائتیں سلطان جلال الدین کے انجام کی نسبت مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کو کسی پہاڑی شخص نے جبکہ وہ پہاڑ میں کسی جگہ آرام لینے کے لئے ٹھہرا ہُوا تھا۔ اُس کے گھوڑے اور لباس کے لالچ میں دھوکے سے قتل کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے۔ کہ وہ بہ تبدیل لباس مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہو کر صوفیوں اور عابدوں کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اور دور دراز ملکوں میں سفر کرتا رہا۔ اور اسی زہد و عبادت کی حالت میں عرصہ دراز تک زندہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

چنگیز خان سلطان جلال الدین خوارزمی کے ہنگامہ سے فارغ ہو کر اور اپنے بیٹے چغتائی خان کو مکران میں چھوڑ کر خود ترکستان ہوتا ہُوا ذیحجہ ۶۲۱ھ میں سات برس کے بعد مغولستان اپنے وطن میں واپس پہنچا۔ جاتے ہوئے راستہ میں جب بخارا پہونچا تو حکم دیا۔ کہ مسلمانوں میں جو شخص سب سے زیادہ عالم اور اپنے مذہب سے واقف ہو اُس کو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں اُس سے مذہب اسلام کی حقیقت و ماہیت معلوم کروں۔ اس سات سال کی خونریزی اور ممالک اسلامیہ کی گشت و گرد آوری سے چنگیز خان کو یہ محسوس ہو گیا تھا۔ کہ اگرچہ مسلمان اس وقت کمزور ہو گئے ہیں۔ مگر اسلام فی نفسہ کوئی معمولی مذہب نہیں۔ بلکہ وہ ایک عظیم الشان نظام اور اعلیٰ ترین اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل میں قاضی اشرف اور ایک اور جید عالم اس کے دربار میں پیش کئے گئے۔

چنگیز خان کے دریافت کرنے پر ان دونوں مسلمانوں نے سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ بالتفصیل بیان کیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ میں اس عقیدہ کو تسلیم کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے رسالت کا عقیدہ بیان کیا چنگیز خان نے کہا کہ میں اس بات کو بھی قابل قبول مانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں اپنے ایلچی اور پیغمبر بھیجا کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نماز اور روزہ کے لازمی ہونے کا حال بیان کیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ اوقات معینہ میں خدا تعالیٰ کی عبادت بجالانا اور گیارہ مہینے کے بعد ایک مہینے کے روزے رکھنا بھی بڑی معقول بات ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حج بیت اللہ کے فرض ہونے کا حال بیان کیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ اس کی ضرورت کو میں تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ قاضی اشرف نے تو چنگیز خان کی نسبت خیال ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ لیکن دوسرے عالم نے کہا کہ چونکہ اس نے حج بیت اللہ کا انکار کیا ہے اس لئے وہ مسلمان نہیں ہوا۔ اس کے بعد چنگیز خان سمرقند پہنچا اور وہاں کے مسلمانوں پر بہت مہربانیاں مبذول کیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ سات برس کے بعد جو فاتح بہت سے اسلامی ملکوں کو فتح کر کے اور لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا کر اپنے وطن کو واپس ہو رہا ہے۔ وہ اپنے عقیدہ کو اسلام کا ماتحت بنا چکا ہے اور گویا مفتوح و مغلوب ہو کر آیا ہے۔ چنگیز خان کے بیٹے تولی خان کے بیٹے قوبلا خان اور ہلاکو خان اس وقت دس سال اور نو سال کی عمر رکھتے تھے۔ چنگیز خان کے یہ دونوں پوتے دادا کے واپس تشریف لانے کی خبر سن کر استقبال کو آئے۔ اور راستے میں انہوں نے ایک خرگوش اور ایک آہو شکار کیا۔ چونکہ ان لڑکوں کا یہ پہلا شکار تھا۔ لہٰذا چنگیز خان نے اس خوشی میں ایک جشن ترتیب دیا اور بہت بڑی ضیافت اہل لشکر کو دی۔ چنگیز خان کے مغولستان میں واپس آنے کا ایک یہ بھی سبب تھا۔ کہ وہاں بعض امرائے مغول نے مخالفت و سرکشی کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ مغولستان میں پہنچتے ہی چنگیز خان نے سرکش اور مخالف مغلوں کو قتل و غارت کے ذریعہ ٹھیک بنایا۔ اس طرح تمام ہنگاموں سے فارغ ہو کر چنگیز خان نے اپنے بیٹوں پوتوں اور سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ میرا وقت غالباً اب آخر ہو چکا ہے میں نے تم لوگوں کے لئے بہت بڑا ملک فتح کر دیا ہے تم بتاؤ کہ اب میں کس کو اپنا جانشین نامزد کروں تاکہ تم سب بخوشی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم آپ کے تابع فرمان ہیں۔ آپ جس کو اپنا جانشین بنائیں گے ہم اس کی اطاعت بجا لائیں گے۔ چنگیز خان نے کہا کہ اگر تم اس معاملہ کو میری رائے پر چھوڑتے ہو تو میں اپنا جانشین اوکتائی خان کو بنانا چاہتا ہوں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو ضروری سمجھو۔ اس کے بعد حکم دیا کہ قبل خان اور قاچولی بہادر کا عہد نامہ نکالو جس پر تومنہ خان کی مہر ثبت ہے۔ اس عہد نامہ کو نکال کر سب کو دکھایا اور سب سے اس پر دستخط کرا لئے۔ اور حکم دیا کہ دشت قبچاق۔ دشت خزر۔ الان۔ روس۔ بلغار پر جوجی خان کی حکومت رہے گی اور ماوراء النہر۔ خوارزم۔ کاشغر۔ بدخشان۔ بلخ۔ غزنین اور دریائے سندھ تک کا علاقہ چغتائی خان کا ملک سمجھا جائے گا۔ اور قراچار چغتائی خان اور امیر قراچار کے درمیان وہی تعلقات رہیں گے جو میرے اور قراچار کے درمیان تھے۔ یعنی چغتائی خان بادشاہ اور امیر قراچار اس کا سپہ سالار رہے گا۔ اور دونوں کو [illegible] دوسرے کے ساتھ اتفاق [illegible]

ملحوظ رکھیں گے۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک عہد نامہ چغتائی خان اور قراچار کے درمیان لکھوا کر اس پر دستخط کئے۔ امیر قراچار قاچولی بہادر کا پڑپوتا تھا۔ تولی خان کی حکومت میں مغولستان کا ایک حصہ دیا۔ اور حکم دیا کہ اوکتائے خاں کی فوج کا اہتمام اور سپہ سالاری تولی خان سے متعلق رہے گی۔ پھر حکم دیا کہ تمام بھائی اپنے بڑے بھائی اوکتائی خان کو اپنا شہنشاہ سمجھیں۔ اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے انحراف کا خیال کبھی دل میں نہ لائیں۔ اس طرح چاروں بیٹوں کے متعلق وصیت و انتظام کر کے اپنے بھائیوں اوتگین وکوجین واولجنکین وغیرہ کو ختا کا ملک دیا۔ اس کے بعد ماہ رمضان ۶۲۴ھ میں چنگیز خان نے ۷۳ سال کی عمر اور ۲۵ سال کی حکومت کے بعد وفات پائی۔ اس کی وصیت کے موافق ایک درخت کے نیچے اس کو دفن کیا گیا۔ اس کی قبر کے پاس تمام رقبہ میں پہلے ہی سال اس قدر کثرت سے درخت اُگ آئے کہ وہ ایک ناقابل گذر جنگل ہو گیا۔ اور کسی کو یہ تمیز نہ رہی کہ اس کی قبر کس جگہ تھی۔ علاوہ مذکورہ چار بیٹوں کے اور بھی کئی بیٹے چنگیز خان کے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک انہیں میں سے کسی نہ کسی کے زیر تربیت رہا۔ چنگیز خان نے ملک روس۔ ماسکو۔ بلگیریا وغیرہ میں جو فتوحات کیں ان کا مفصل ذکر اس جگہ ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس کو تاریخ اسلام سے کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔

چنگیز خان مغلوں کی قوم میں بڑا عقلمند اور دُور اندیش شخص پیدا ہوا تھا اس کی وجہ سے مغلوں کی غیر معروف قوم تمام دُنیا میں مشہور ہو گئی۔ اس نے ملک گیری کے نہایت اچھے اور پختہ اصول ایجاد اور قائم کئے۔ وہ اس بات سے واقف تھا۔ کہ مغلوں کی وحشی اور جاہل قوم کو کسی وقت بیکار نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ورنہ پھر یہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑ بھڑ کر تباہ ہو جائیں گے چنانچہ اس نے ایک طرف مغلوں کو اتفاق و اتحاد کی خوبیاں سمجھانے میں خاص توجہ اور کوشش سے کام لیا۔ تو دوسری طرف ایسے آئین و قوانین قائم کئے کہ مغلوں کی فوج کسی وقت بیکار نہ رہے چنانچہ اس نے ایک مجموعہ قوانین مرتب کیا اس مجموعۂ قوانین کا نام تورۂ چنگیزی تعزیرات چنگیزی ہے مغلوں میں عرصہ دراز تک تورہ چنگیزی کا مرتبہ مذہبی اور آسمانی کتاب کی مانند سمجھا جاتا تھا تورۂ چنگیزی میں شکار کے لئے بھی آئین و قوانین درج ہیں۔ اور مغل بادشاہ کے لئے ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ جب فتوحات اور جنگ و پیکار سے فارغ ہو تو آئین و دستور کی موافق معہ فوج شکار میں مصروف ہو۔ چنگیز خان کی خونریزی کے ساتھ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ وہ متکبرانہ الفاظ کم استعمال کرتا تھا۔ تو تعجب ہوتا ہے۔ چنگیز خان جب کسی بادشاہ کے نام خط لکھتا تو اس کو اوّل اپنی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہتا اور آخر میں لکھتا کہ اگر تم نے اطاعت قبول نہ کی تو خدا جانے انجام کیا ہو۔ یہ نہ لکھتا کہ میں بہت بڑی جرار فوج رکھتا ہوں اور تم کو ہلاک کر ڈالونگا وغیرہ۔ اسی طرح ملکوں کی فتوحات کو بھی وہ اپنی یا اپنی فوج کی طرف منسوب نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ مجھ کو خدائے تعالےٰ نے فتح عنایت کی اور خدائے تعالےٰ نے مجھ کو بادشاہ بنایا ہے۔ اپنی نسبت لمبے چوڑے القاب اور مدح و ستایش کے الفاظ نہ لکھنے دیتا۔ خود مثل دوسرے سپاہیوں کے تمام کام انجام دیتا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر لمبی لمبی مسافتیں طے کرتا۔ اور اپنے ہمراہی سواروں سے بھی بڑی بڑی منزلیں طے کراتا۔ اس کا قول تھا کہ ہم کو ہمیشہ جفاکشی اور

محنت کا عادی رہنا چاہیئے۔ اسی میں ہماری سرداری اور فضیلت کا راز مضمر ہے۔ چنگیز خان خود طویل القامت اور مضبوط جسم کا شخص تھا۔ وہ ہمیشہ لڑائی کے وقت صف اوّل میں نظر آتا۔ اور جس طرف حملہ آور ہوتا۔ دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتا تھا۔ اُس کی غیر معمولی فتوحات کا راز اس بات میں بھی مضمر ہے کہ اس کے بیٹے بھی اُسی کی طرح سپاہی منش اور بہادر و جنگجو تھے۔ نیز اُس نے مغلوں کی آپس کی رقابتیں دور کر کے اکثر قبائل میں جو اُس کے معاون و مددگار تھے۔ اتفاق اور محبتیں پیدا کر دی تھیں۔ اُس نے پانچ شادیاں کی تھیں۔ اُس کی پانچوں بیویاں مختلف قبائل اور مختلف قوموں سے تعلق رکھتی تھیں اس طرح اُس کے سسرالی قبائل بھی اُس کو اپنا رشتہ دار سمجھ کر دل سے اُس کی خیر خواہی میں مصروف تھے۔ تورہ چنگیزی کے قواعد و قوانین میں ایک یہ بھی اصُول بیان ہؤا ہے کہ بادشاہ جب کسی نئے شہر کو فتح کرے تو اوّل وہاں قتل عام کا حکم ضرور دے۔ جب فوج کو آزادانہ قتل عام کا موقع مل جائے۔ اور اُس شہر کی بہت سی آبادی قتل ہو جائے۔ تب امن و امان کا حکم دے کر باقاعدہ حاکم وہاں مقرر کرنا چاہیئے۔ اس میں غالباً مصلحت یہ ہوگی۔ کہ وہاں کی رعایا فاتحین سے مرعوب ہو جائے۔ اور پھر کبھی بغاوت و سرکشی کا ارادہ نہ کرے۔ اس قاعدے پر چنگیز خان نے اپنی تمام فتوحات میں ہمیشہ عمل کیا۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اُس زمانے کی متمدن دُنیا میں سرکشی اور سازشی کوششوں کا اس قدر عام رواج ہوگیا تھا۔ کہ کسی شہر کا کوئی حاکم اور کسی مُلک کا کوئی بادشاہ باغیوں کے فتنوں سے محفوظ نظر نہ آتا تھا۔ اور آئے دن بغاوتوں اور لڑائیوں کے ہنگاموں سے مخلوق خدا سخت پریشان تھی۔ علویوں۔ ایرانیوں۔ شیعوں۔ فاطمیوں۔ کے خروج کا سلسلہ کسی زمانے میں منقطع نہ ہوسکا تھا۔ عالم اسلام کے ان حالات اور دُنیا کے ان واقعات سے چنگیز خاں کو جب واقفیت ہوئی تو اُس نے لوگوں کو خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے اصُول پر عمل کرنا ضروری سمجھا اور اس طرز عمل میں اُس کو کامیابی حاصل ہوئی۔

مغلوں نے سوائے بغداد و عراق اور عرب و ہند کے تمام براعظم ایشیا اور کسی قدر براعظم یورپ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مغلوں کے ہاتھ سے اسلامی سلطنتیں زیادہ تباہ و برباد ہوئیں اور مسلمان ہی اُن کی تلواروں سے زیادہ شہید ہوئے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ مغلوں کے ہاتھ سے اسلام کا نام و نشان گم ہو جائے گا۔ مگر چونکہ اسلام کا محافظ خود خدائے تعالےٰ ہے اور شریعت اسلام ایسی چیز نہیں۔ کہ کوئی مادی طاقت اس کو برباد یا مغلوب کر سکے۔ لہٰذا بداعمال مسلمان تو مغلوں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے اور مغلوں کی تلوار مسلمانوں کے لئے تازیانہ بن گئی جس نے ان کو غفلت سے بیدار کیا۔ لیکن مغل خود چند ہی روز کے بعد اسلام کے غلام اور خادم نظر آئے۔ مغلوں کی اس بڑھی ہوئی طاقت اور سطوت کو دیکھ کر عیسائیوں نے بھی یہ کوشش کی کہ ہم مغلوں کو عیسائیت کی طرف متوجہ کر دیں۔ لیکن عیسائیت کے اندر یہ جذب اور کشش کہاں سے آتی جو ایک فاتح اور جنگجو قوم کو اپنا گرویدہ اور خادم بنا لیتی۔ مغل درحقیقت دین و مذہب کے اعتبار سے لوح سادہ تھے۔ اُن کے آبائی مذہب میں جس کی تفصیلات آج ہم کو معلوم نہیں ہیں کسی مذہب سے کوئی عناد اور خواہ مخواہ کی دشمنی نہ تھی اس قوم کو خدائے تعالےٰ نے منگولستان کے پہاڑوں سے اسی لئے نکالا تھا کہ وہ فاتحانہ براعظم ایشیا میں پھیلے۔ اور دین اسلام کی روشنی سے منور و بہرہ یاب ہو۔ چنگیز خاں اور اُس کی قوم کا وجود بھی اسلام کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان ہے جس طرح اسلام ایک مفتوح پر اپنا اثر ڈالتا ہے اسی طرح وہ فاتح کو بھی متاثر کرتا ہے عربوں نے تمام دُنیا کو فتح کیا۔ اور وہ ہر مُلک

میں فاتحانہ داخل ہو کر اسلام کے معلم بنے لیکن مغلوں نے غافل مسلمانوں کو مفتوح و مغلوب و مقتول بنا کر اُس اثر کو اخذ کیا اور اُس مذہب کے آگے گردنیں جھکا دیں جو اُن کے مسلمان مفتوحین کا مذہب تھا۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ صفحات میں آنے والی ہے۔

اوکتائی خان چنگیز خان کی وفات کے بعد اُس کا بڑا بیٹا اوکتائی قاآن مغلوں کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا۔ اور اُس کے بھائی اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں پر جو چنگیز خان نے مقرر و نامزد کیے تھے۔ قابض و متصرف ہو گئے۔ دو برس کے بعد اوکتائی قاآن نے اپنے تمام بھائیوں کو طلب کیا۔ اور ایک بہت بڑی ضیافت اور جشن کے سامان مرتب کئے۔ جب سب لوگ آ چکے تو اپنے بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں قاآنی یعنی شہنشاہی کے عہدے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ آپ جس کو مناسب سمجھیں۔ اپنا شہنشاہ بنالیں مگر چغتائی خان اور دوسرے بھائیوں اور سرداروں نے باصرار اُس کو تخت پر بٹھایا۔ اور مغلوں کی رسم کی موافق سب نے آفتاب کی پرستش کی۔ اس کے بعد جوجی خان کا بیٹا باتوخان اور پوتا کیوک خان اور تولی خان کا بیٹا منکوخان مامور کئے گئے کہ روس و چرکس و بلغاریہ کی طرف فوج کشی کریں۔ چنانچہ ان شہزادوں نے ۶۳۳ھ میں سات برس کی کوشش کے بعد ان تمام ملکوں کو مفتوح و منقاد کر لیا۔ ارغون خاں سپہ سالار کو خراسان کی حکومت و سرداری پر مامور کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ خراسان کے اُن شہروں کو جو مغلوں کی تاخت و تاراج سے ویران ہو گئے ہیں۔ از سر نو آباد کیا جائے۔ اوکتائی خان ابن چنگیز خان بہت سنجیدہ مزاج اور نیک طینت شخص تھا۔ اُس نے ملکوں کی آبادی اور رفاہ رعایا کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ اوکتائی خان کو مسلمانوں سے خاص طور پر محبت و انسیت تھی وہ مسلمانوں کو قابل تکریم سمجھتا۔ اور اُن کو ہر قسم کی راحت پہنچانا چاہتا تھا۔ مغلوں کے دستور کی موافق غوطہ مار کر نہانا گناہ کبیرہ تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اوکتائی خان اور چغتائی خان دونوں ہمراہ جا رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان دریا میں نہا رہا ہے۔ چغتائی خان نے فوراً اُس کے قتل کا حکم دیا۔ اوکتائی خان نے کہا کہ اس کو گرفتار کر لو۔ اور مجمع عام میں اس کو قتل کیا جائے تاکہ دوسروں کو بھی عبرت و نصیحت ہو۔ چنانچہ اُس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اوکتائی خان نے چغتائی خان سے جدا ہو کر تنہائی میں اُس مسلمان قیدی سے کہا کہ تو یہ کہدینا کہ میرے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی۔ اور مجھ کو ڈاکوؤں کے اندیشہ سے اُس کے چھپانے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا میں دریا میں اُس کے چھپانے کے لئے داخل ہوا تھا۔ جب اُس مسلمان کو مجمع عام میں سیاست کے لئے حاضر کیا گیا۔ تو اُس نے اپنی بے گناہی کے ثبوت میں وہی بات کہی۔ جو اوکتائی خان نے اُس کو سمجھا دی تھی۔ یہ سُن کر دریا میں اُس مقام پر اشرفیوں کی تھیلی تلاش کرنے کے لئے آدمی بھیجے گئے۔ اوکتائی خان نے پہلے ہی وہاں تھیلی ڈال دی تھی۔ وہ برآمد ہوئی اور مسلمان کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ اُس کو وہ اشرفیوں کی تھیلی اور چند اَور تھیلیاں بطور انعام دیکر اوکتائی خان نے رہا کر دیا۔ اسی طرح جہاں تک اُس کو موقع ملتا تھا۔ وہ مسلمانوں کو نفع پہنچاتا تھا۔ مگر دوسرے مغول مسلمانوں کے دشمن اور اُن کو نقصان پہنچانے کے شائق تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اوکتائی خان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے رات خواب میں قاآن اعظم چنگیز خان کو دیکھا ہے اُس نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میرے بیٹے اوکتائی خاں سے جا کر میرا یہ پیغام کہو کہ میری خوشی اور خواہش یہ ہے کہ دُنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے اور ان کے قتل کرنے میں ہرگز تامل روا نہ رکھا جائے۔ اوکتائی خان نے کہا کہ تو مغلی زبان جانتا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں میں صرف

فارسی میں گفتگو کر سکتا ہوں۔ اور فارسی ہی سمجھ سکتا ہوں۔ اوکتائی خاں نے کہا کہ چنگیز خان سوائے مغل زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔ اور فارسی قطعاً نہیں بول سکتا تھا۔ تو نے اس کے کلام کو کس طرح سمجھا؟ یہ کہہ کر حکم دیا۔ کہ اس کو قتل کر دیا جائے یہ جھوٹا آدمی ہے اور چنگیز خان پر بہتان باندھتا ہے چنانچہ فوراً اس کو قتل کر دیا گیا۔ اوکتائی خان کی نسبت عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اگرچہ علانیہ مسلمان نہ ہوا تھا۔ لیکن پوشیدہ طور پر وہ اسلام کو سچا مذہب یقین کر کے مسلمان ہو چکا تھا۔ اس کا دار السلطنت قراقورم تھا۔ اور تمام دنیا کی لوٹ کا مال قراقورم میں جمع ہو کر زر و جواہر سے خزانہ معمور تھا۔ اوکتائی خان کی سخاوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ خراسان اور شام تک سے لوگ اس کی سخاوت کا شہرہ سن کر قراقورم میں چلے آتے تھے۔ اور مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔ باپ نے جس طرح ظلم و خونریزی کے ذریعہ دولت جمع کی تھی۔ بیٹے نے اسی طرح محبت و شفقت اور خدا ترسی کی راہ سے اس کو لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کی زیادتی اور خشونت سے لوگ ابتداءً وحشت زدہ اور متنفر تھے۔ تو اوکتائی خان کی سخاوت اور داد و دہش کے سبب اس سے محبت کرنے لگے مغلوں کی سلطنت کا بانی اگر چنگیز خان تھا۔ تو اس کی بنیادوں کو پائدار و استوار بنانے والا اوکتائی خان تھا۔

کیوک خان جب اوکتائی خان کا انتقال ہوا۔ تو اس کا بیٹا کیوک خان قراقورم میں موجود نہ تھا مغلوں نے اپنے دستور کی موافق اوکتائی خان کی بیوی تورکینا خاتون کو اپنا پادشاہ بنا لیا۔ تاکہ کیوک خان کے آنے تک نظام سلطنت میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہو۔ جب کیوک خان قراقرم میں آیا۔ تو اس نے مغلوں کے دستور اور تورہ چنگیزی کی موافق تخت سلطنت کے متعلق کچھ نہ کہا اور معمولی حیثیت سے رہا سلطانہ تورکینا خاتون نے خود تمام ملکوں میں دعوت نامے بھیجے اور دنیا کے سلاطین کو مدعو کیا۔ چنانچہ خراسان ایران۔ قبچاق۔ روم۔ بغداد۔ شام وغیرہ ملکوں سے سلاطین یا سلاطین کے ایلچی قراقورم میں آئے۔ چنگیز خان کی اولاد تو تمام موجود ہو گئی۔ بغداد کے خلیفہ نے اپنی طرف سے اس مجلس کی شرکت کے لئے قاضی القضاۃ فخر الدین کو بھیجا۔ خراسان سے امیر ارغون بھی آیا۔ روم سے سلطان رکن الدین سلجوقی اور الموت و قہستان سے شہاب الدین و شمس اور یورپ کے عیسائی بادشاہوں کی طرف سے بھی ایلچی آئے۔ مسلمان سرداروں کے لئے دو ہزار بڑے خیمے کھڑے کئے گئے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کیسا عظیم الشان مجمع ہو گا۔ اس کے بعد مجلس منعقد ہوئی اور پادشاہ کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا سب نے کیوک خان کو منتخب کیا۔ منکو خان پسر تولی خان نے کیوک خان کو ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا۔ اور تاج شاہی سر پر رکھا۔ کیوک خان کی بیوی ایک عیسائی عورت تھی۔ اس لئے یورپ کے عیسائی ایلچیوں کی خوب خاطر مدارات کی گئی۔ باطنیوں کے ایلچیوں کو کیوک خان نے ذلت کے ساتھ نکالا دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی وہ مدارات سے پیش آیا۔ مگر عیسائیوں نے کیوک خان کے مزاج میں دخیل ہو کر اس کو مسلمانوں کی طرف سے متنفر کرنے کی کوشش جاری رکھی آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کیوک خان نے ایک روز فرمان لکھوایا کہ مسلمانوں کے قتل کرنے اور ان کا نام و نشان دنیا سے مٹا دینے کے لئے تمام سردار آمادہ و مستعد ہو جائیں۔ اس حکم کو لکھوا کر وہ جب باہر نکلا تو اس کے شکاری کتوں نے یکایک اس پر حملہ کیا اور اس کے خصیتین کو چبا ڈالا کیوک خان کتوں کے اس حملہ سے مرا تو نہیں۔ مگر سخت زخمی ہوا۔ اور عیسائیوں کو اس کے بعد مسلمانوں کی مخالفت میں لب ہلانے کی جرأت نہ رہی عام طور پر شہرت ہو گئی کہ مسلمانوں

کی مخالفت پر آمادہ ہونے کی سزا میں کیوک خان کو شکاری کتوں سے زخمی ہونا پڑا۔ چند روز کے بعد کیوک خان سمرقند جاکر فوت ہوگیا۔ جس زمانے میں اوکتائی خان زندہ تھا۔ اُس کا چھوٹا بھائی تولی خان جو چنگیز خان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ بھائی کے پاس رہتا۔ اور اُس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ تولی خان کو اوکتائی خان کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ اوکتائی خان بیمار ہوا تو تولی خان نے خدائے تعالےٰ سے دُعا کی۔ کہ الٰہی میرے بھائی کو بچا دے اور اگر اُس کی موت کا زمانہ آگیا ہے تو اُس کی جگہ مجھ کو اُٹھا لے۔ چنانچہ اُسی روز سے اوکتائی خان تندرست اور تولی خان بیمار ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اوکتائی خان بالکل تندرست ہوگیا۔ اور تولی خان مرگیا۔ تولی خان کے چار بیٹے تھے۔ منکو خان۔ قوبلا خان۔ ارتق بوقا۔ ہلاکو خان ان چاروں بھتیجوں کو اوکتائی خان بہت عزیز رکھتا تھا۔ اُس کے بعد کیوک خان بھی اپنے ان چچازاد بھائیوں کے ساتھ بہت رعایت و مروت مرعی رکھتا تھا۔ کیوک خان کی وفات کے بعد خاندان چنگیزی میں باتو خان ابن جوجی خان پادشاہ قبچاق سب سے زیادہ طاقتور اور دانا سمجھا جاتا تھا۔ سب نے باتو خان کی طرف رجوع کیا کہ اب بتایئے کس کو تخت سلطنت پر بٹھایا جائے۔ باتو خان نے فیصلہ کیا کہ کیوک خان کے بعد اب منکو خان سے زیادہ اور کوئی مستحق سلطنت نہیں ہے۔ اکثر سرداروں نے اس کو پسند کیا لیکن بعض نے اس کی مخالفت کی مگر معمولی زد و خورد کے بعد منکو خان کی حکومت و سلطنت قائم ہوگئی۔

منکو خان

منکو خان نے اپنے بھائی قوبلا خان کو ختا کی حکومت سپرد کی اور اپنے دوسرے بھائی ہلاکو خان کو ایک عظیم الشان فوج دیکر ایران کی طرف روانہ کیا۔ منکو خان کی رسم تخت نشینی سنہ ۶۴۹ھ میں ادا ہوئی تھی۔ منکو خان مسلمانوں کے ساتھ بہت رعایت کرتا اور اُن کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ سات برس سلطنت کرکے سنہ ۶۵۵ھ میں فوت ہوا۔ اپنی سلطنت کے آخری سال میں منکو خان نے چین کے بادشاہ کو لکھا کہ تم اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو۔ اُس نے انکار کیا منکو خان نے چین کے مُلک پر چڑھائی کی۔

قوبلہ خان

اسی سفر میں بمقام چنکد منکو خان کا انتقال ہوا اُس کا بھائی قوبلہ خان جو اس سفر میں بھائی کے ساتھ تھا۔ امرائے لشکر کے اتفاق رائے سے بمقام چنکد تخت نشین کیا گیا۔ لیکن اس خبر کے پہنچنے پر ارتق بوقا نے قراقورم میں تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ قوبلا خان جب قراقرم کی طرف متوجہ ہوا تو ادھر قراقورم سے ارتق بوقا بھی فوج لیکر مقابلہ کے لئے نکلا مقام کلوران میں دونوں بھائیوں کا مقابلہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد ارتق بوقا کو شکست فاش حاصل ہوئی گردہ میدان جنگ سے اپنی جان بچاکر لے گیا۔ اور قوبلہ خاں نے قراقورم میں داخل ہوکر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ارتق بوقا نے ختا کی طرف جاکر فوج جمع کی اور پھر بھائی کے مقابلہ پر آیا اس مرتبہ بھی شکست کھائی اور کاشغر کی طرف بھاگا وہاں سے پھر اپنی حالت درست کرکے آیا غرض چار سال تک ارتق بوقا اور قوبلہ خان کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا آخر ارتق بوقا گرفتار ہوکر قید ہوا اور اسی قید میں مرگیا۔ قوبلہ خان نے سنہ ۶۵۵ھ میں تخت نشین ہوتے ہی ہلاکو خان کے پاس حکم بھیجدیا تھا۔ کہ دریائے جیحوں سے ملک شام تک کے علاقے کی حفاظت و نگرانی تمہارے ذمہ ہے اور تم کو اس علاقے کی حکومت سپرد کی جاتی ہے۔ ارتق بوقا اور قوبلہ خان کی جنگ و پیکار کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مغلوں کی مرکزی حکومت اور دربار قراقورم کا تسلط کم ہوگیا۔ اور جہاں جہاں جو سردار مامور تھا۔ وہ اپنے آپ کو خود مختار اور

آزاد پادشاہ سمجھنے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خاندان چنگیزی کے کئی شہزادے اور سربر آوردہ لوگ علانیہ اسلام کو قبول کر چکے تھے۔ اور اسلام نے مغلوں کے اندر پھیلنا شروع کر دیا تھا۔

قوبلا خان نے ارتق بوقا کے فتنہ سے فارغ ہو کر ملک چین کی طرف فوجکشی کی۔ اور چند سال کی لڑائیوں کے بعد تمام ملک چین کو فتح کر کے بجائے قراقورم کے ملک چین میں ایک نیا شہر خان بالیغ کے نام سے آباد کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اور سیام و برہما و جاپان وغیرہ ملکوں سے خراج وصول کیا۔ قوبلا خان نے مختلف مذاہب اور مختلف قوموں کے چار وزیر مقرر کئے۔ جن میں ایک مسلمان یعنی امیر احمد بناکتی بھی تھا۔ قوبلا خان کی حکومت اور شہنشاہی کو تمام مغل سلاطین تسلیم کرتے اور اس کے احکام کو مانتے تھے۔ مغلوں کی سلطنت چین سے لیکر یورپ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی سلطنت بہت ہی ضعیف حالت میں تھی۔ لہٰذا عیسائی۔ مجوسی اور یہودی مغلوں کے دربار میں رسوخ حاصل کر کے اسلام اور مسلمانوں سے اُن کو متنفر کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اباقا خان ابن ہلاکو خان نے خراسان سے قوبلا خان کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ کہ مجھ کو یہودیوں اور مجوسیوں نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید میں لکھا ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو آپ کا اس تعلیم کے متعلق کیا خیال ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ہم کو جہاں پائیں قتل کریں۔ تو اس حالت میں مسلمانوں کی قوم کا دُنیا میں باقی رہنا اندیشہ سے خالی نہیں۔ قوبلا خان نے اس عرضداشت کو پڑھ کر بعض مسلمان علما کو بلایا اور پوچھا کہ کیا قرآن مجید میں ایسا حکم موجود ہے اُنہوں نے کہا کہ وہاں یہ حکم موجود ہے۔ قوبلا خان نے کہا کہ پھر تم ہم کو قتل کیوں نہیں کرتے اُنہوں نے کہا کہ ہم قوت نہیں رکھتے۔ جب قوت و قدرت پائیں گے تم کو قتل کریں گے۔ قوبلا خان نے کہا کہ اب چونکہ ہم قدرت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ تمہیں قتل کریں۔ یہ کہہ کر اُن علما کو قتل کرا دیا۔ اور حکم جاری کیا کہ مسلمانوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ سُن کر مولانا بدرالدین بیہقی اور مولانا حمید الدین سمرقندی قوبلا خان کے دربار میں پہنچے اور کہا کہ آپ نے مسلمانوں کے قتل عام کا حکم کیوں جاری کیا۔ قوبلا خان نے کہا کہ اقتلوا المشرکین کا کیا مطلب ہے؟ ان دونوں عالموں نے کہا۔ کہ عرب کے بُت پرست جو مسلمانوں کے قتل پر ہمہ تن آمادہ تھے۔ اُن کی نسبت خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور صحابہ کرام کو حکم دیا تھا۔ کہ اپنی حفاظت کے لئے اُن کو قتل کرو۔ لیکن یہ حکم تمہارے لئے تو نہیں ہے۔ کیونکہ تم تو خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہو اور اپنے فرامین کی پیشانیوں پر خدا کا نام ہمیشہ لکھتے ہو۔ یہ سُنتے ہی قوبلا خان بیحد مسرور ہوا اور اُسی وقت حکم صادر کیا۔ کہ میرا پہلا حکم جو مسلمانوں کے قتل کی نسبت جاری ہوا ہے۔ منسوخ سمجھا جائے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مغلوں میں حالت مذہب کے مقابلے میں کس قدر نازک اور خطرناک تھی۔ جوں جوں ان میں تہذیب اور دماغی نشو و نما نے ترقی کی وہ مذہب اسلام سے واقف ہوتے اور اُس کو قبول کرتے گئے۔ مغلوں کو اسلام سے روکنے کے لئے تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں نے خوب کوششیں کیں مگر چونکہ مغل خالی الذہن تھے۔ اور اُن کی نگاہ میں ہر ایک مذہب کا مرتبہ مساوی تھا۔ لہٰذا تحقیق کے معاملے میں وہ زیادہ دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ اسی لئے اُن کے سمجھدار اور شریف طبقہ نے اسلام ہی کو قابل قبول مذہب پایا۔ قوبلا خان ۳۶ سال کی عمر اور ۳۵ سال

کی سلطنت کے بعد فوت ہوا اُس کی جگہ اُس کا پوتا تیمور خان ملک چین میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں انتظام سلطنت درہم برہم ہوگیا۔ سنہ ...ھ میں قاآن تیمور خان فوت ہوا۔ اُس کے بعد بھی اس خاندان کے چند شخصوں نے برائے نام حکومت کی مگر حقیقت یہ ہے کہ تیمور قاآن کے وقت سے قبلا خان کے خاندان کی شہنشاہی رخصت ہوگئی تھی۔ اب ہم کو ہلاکو خان ابن تولیخان کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ جس کو ایران و خراسان کی حکومت حاصل تھی۔ اور جس کے ہاتھوں سے خلافت بغداد برباد ہوئی۔

ہلاکو خان جب قراقورم میں منکو خان تخت سلطنت پر بیٹھا۔ تو اُس کے پاس شکایت پہنچی کہ گروہ باطنیہ اسمعیلیہ کی شرارتیں حد سے متجاوز ہو چکی ہیں۔ اور یہ لوگ بلا قید مذہب و قوم ہر ایک اُس شخص کے دشمن ہیں جو تخت و تاج کا مالک یا سرداری و سپہ سالاری کی عزت سے مفتخر ہو۔ امرا و سرداران لشکر کو ان فدائیوں یعنی باطنیوں کے خوف سے راحت کی نیند نہیں آسکتی۔ ساتھ ہی یہ بھی اطلاعیں پہونچی۔ کہ خلیفہ بغداد اگرچہ بظاہر کمزور سمجھا جاتا ہے مگر اُس کی عظمت و شوکت اس قسم کی ہے کہ اگر وہ مغلوں کے مقابلے پر مستعد ہوگیا تو مغلوں کو اُس سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہوگا۔ منکو قاآن نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک لاکھ بیس ہزار مغلوں کی جرار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ اور حکم دیا۔ کہ دریائے جیحوں سے مصر تک کا ملک تمہاری حفاظت اور نگرانی میں دیا جاتا ہے۔ اگر خلیفہ بغداد صلح و آشتی پر قائم رہے تو تم کو اُس سے لڑنا نہیں چاہئے۔ لیکن اگر خلیفہ کی نیت بخیر ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اُس کے استیصال میں دریغ نہ کرو۔ ساتھ ہی الموت کے قلعہ میں اسمعیلیوں کا پادشاہ اقامت گزیں ہے اُس کا نام و نشان مٹا دو اور ان اسمعیلیوں کی اچھی طرح بیخکنی کردو۔ ہلاکو خان کے ہمراہ امیر ایجل ابن امیر قراچار بطور سپہ سالار روانہ کیا گیا۔ ہلاکو خان سنہ ...ھ میں وارد خراسان و ایران ہوا۔ آذربائیجان و شروان و گرجستان وغیرہ کے سلاطین ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار عقیدت و نیازمندی کے بعد مورد مراحم خسروانہ ہوئے۔ ارغون آقا اور امرائے خراسان سے منکو خان قاآن کی خدمت میں روانہ ہوا۔ ہلاکو خان نے خراسان پہنچکر اور یہاں کے حالات سے واقف و آگاہ ہو کر اول ملاحدہ اسمعیلیہ کی طرف توجہ کی اور یکے بعد دیگرے اُن کے قلعوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ یکم ذیقعدہ سنہ ...ھ بروز یکشنبہ قلعہ الموت فتح ہوگیا۔ اور اسمعیلیوں کا پادشاہ رکن الدین خورشاہ ہلاکو خان کے سامنے گرفتار ہو کر حاضر ہوا۔ ہلاکو خان نے خورشاہ کو منکو خان کی خدمت میں قراقورم کی طرف روانہ کیا۔ اور جن لوگوں کی حراست میں اُس کو روانہ کیا تھا۔ اُن کو حکم دیا۔ کہ راستے ہی میں اُس کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رکن الدین خورشاہ کے اہل و عیال اور متعلقین سب قتل کئے گئے۔ مگر خواجہ نصیر الدین طوسی جو خورشاہ کی مصاحبت میں داخل تھا۔ اپنی زباں آوری اور ہوشیاری کے سبب ہلاکو خان کے مصاحبوں میں داخل ہوگیا۔ اسمعیلیہ کے تمام خزائن و دفائن مغلوں کے ہاتھ سے تاراج ہوئے۔ اور اُن کی سلطنت کا چراغ گل ہوا۔ اس کے بعد نصیر الدین طوسی نے ہلاکو خان کو بغداد پر فوجکشی کرنے کی ترغیب دی۔ اور خلیفہ بغداد کے وزیر علقمی نے نمک حرامی کی راہ سے نصیر الدین کے ذریعہ ہلاکو خان سے ساز باز کیا۔ اور بغداد کی تباہی عمل میں آئی۔ بغداد کی بربادی کا مفصل حال اوپر دوسری جلد میں چونکہ بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے اس دلخراش داستان کو یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ اموال خزائن بے قیاس بغداد سے لیکر ہلاکو خان مراغہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں سے زر و جواہر کے انبار اور لونڈی غلام قطار در قطار منکو خان کی خدمت میں قراقورم کی طرف

روانہ کئے۔ اتابک سعد بن ابوبکر حاکم فارس اور بدرالدین لولو حاکم موصل اور سلطان عزیز الدین سلجوقی حاکم روم نے حاضر ہوکر اظہار اطاعت کیا۔ بروز جمعہ ۲۰ رمضان المبارک ۶۵۷ھ کو ہلاکو خان نے کئی نامور سرداروں کو فوج دیکر بطور ہراول ملک شام کی طرف روانہ کیا۔ نصیبین۔ حران۔ حلب وغیرہ شہروں کو فتح اور ان کے باشندوں کا قتل عام کرتا ہوا۔ دمشق کی جانب پہونچا۔ دمشق کو بھی اسی طرح فتح کیا۔ اور ملک شام پر قابض ہوکر اور وہاں اپنی طرف سے ایک حاکم کسوقا نامی کو مقرر کر کے ہلاکو خان خراسان کی طرف واپس آیا۔ مصری لشکر نے ملک شام پر حملہ کر کے مغلوں کی فوج کو شکست دیکر بھگا دیا۔ یہ خبر کو سُن کر ہلاکو خان بہت رنجیدہ ہوا۔ اور ارادہ کیا کہ ملک شام پر فوجکشی کر کے مصریوں کو شام سے نکالے۔ مگر اسی اثنا میں منکو خان کے فوت ہونے کی خبر پہنچی۔ اور انہیں ایام میں ایک اور واقع پیش آیا کہ برکہ خان ابن جوجی خان پادشاہ قبچاق اور ہلاکو خان کے درمیان مخالفت اور ناچاقی پیدا ہوئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ ہلاکو خان کے پاس برکہ خان کا کوئی قریبی رشتہ دار تھا۔ اُس کو ہلاکو خان نے قتل کر دیا۔ برکہ خان نے سُن کر کہا کہ ہلاکو خان نے خلیفہ بغداد کو قتل کیا اور بلاوجہ لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا دیا۔ میں اُن مسلمان تمام بیگناہوں کا انتقام لوں گا۔ یہ کہکر اُس نے فوج روانہ کی۔ اِدھر سے ہلاکو خان نے بھی اُس کے مقابلہ کو فوج بھیجی۔ سنہ ۶۶۰ھ میں جنگ ہوئی۔ اور ہلاکو خان کی فوج نے شکست پائی۔ اس کے بعد لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر سنہ ۶۶۱ھ میں ہلاکو خان خود فوج لیکر برکہ خان کے مقابلے پر آیا۔ جنگ عظیم کے بعد برکہ خان کی فوج کو شکست ہوئی۔ اور ہلاکو خان نے فتح پائی۔ مگر چند ہی روز کے بعد برکہ خان نے ہلاکو خان پر حملہ کر کے اُس کو شکست فاش دی۔ اس شکست سے ہلاکو خان بہت دل شکستہ ہوا۔ اسی عرصہ میں امیر ایلچل نے مراغہ میں وفات پائی۔ جب مغلوں نے ملک شام کو فتح کر لیا تھا۔ تو وہاں قوم قراتاتار کے قبیلوں کو آباد کیا تھا۔ اب برکہ خان سے شکست پانے کے بعد ہلاکو خان نے ایک سردار کو شام کی طرف روانہ کیا کہ وہ قراتاتار کے قبائل کو ہمراہ لیکر آئے تاکہ ان لوگوں کی فوج برکہ خان کے مقابلہ پر روانہ کی جائے۔ وہ سردار ملک شام میں جاکر اور قراتاتار کے لوگوں کو اپنے ہمراہ لیکر ہلاکو خان سے باغی ہوگیا۔ یہ خبر مراغہ میں ہلاکو خان کو پہنچی۔ تو وہ اس قدر غمگین و افسردہ ہوا کہ مرض سکتہ میں مبتلا ہو کر سنہ ۶۶۳ھ آخر ماہ ربیع الاول کو فوت ہوا۔ آٹھ سال حکومت کر کے ۴۸ سال عمر میں فوت ہوا۔ اُس کا دارالحکومت شہر مراغہ تھا۔ اُس نے مراغہ میں نصیر الدین طوسی اور دوسرے حکماء کی مدد سے ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔ ہلاکو خان نے اپنے بیٹے اباقا خان کو عراق و خراسان وغیرہ کی حکومت دی تھی۔ آذربائیجان کی حکومت دوسرے بیٹے کو اور دیار بکر و دیار ربیعہ کا حاکم توران سلدوز کو بنایا۔ اور خواجہ شمس الدین محمد جوینی کو وزارت کے عہدے پر مامور کیا تھا۔ شمس الدین جوینی کے بھائی عطاء الملک علاؤ الدین کو حاکم بغداد بنایا تھا۔ ہلاکو خان کے فوت ہونے پر اُس کی تجہیز و تکفین مغلوں کی رسم کے موافق عجیب طرح سے عمل میں آئی یعنی بجائے قبر کے ایک تہ خانہ تیار کیا۔ اُس میں ہلاکو خان کی لاش کو رکھ کر چند نوجوان لڑکیوں کو خوب زیور و لباس سے آراستہ و پیراستہ کر کے خدمتگاری کے لئے اُس تہ خانہ میں داخل کیا گیا۔ تاکہ وہ ہلاکو خان کی مونس تنہائی بنیں اس کے بعد تہ خانہ کا منہ نہایت مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ ایک لاش کے ساتھ اس طرح چند بیگناہ زندہ لڑکیوں کا بند کرنا ایک ایسی وحشیانہ رسم ہے۔ جس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہلاکو خان کے زمانے میں ہندوستان کے اندر سلطان غیاث الدین

بلبن کی حکومت تھی ہلاکو خان ہمیشہ سلطان بلبن کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ مگر اُس کو کبھی یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ ہندوستان پر حملہ کرے بعض مغل سردار ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ہندوستان کے غلام بادشاہوں کا یہ کارنامہ نہایت عظیم الشان ہے۔ کہ اُنہوں نے ہر مرتبہ مغلوں کو شکست دیکر بھگا دیا۔ اور بعد میں یہاں تک بھی نوبت پہنچی کہ مغل دارالسلطنت تک پہونچ پہونچ گئے۔ مگر ہندوستان میں اُن کے قدم ہرگز نہ جم سکے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ تمام عالم اسلام میں بدامنی اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ مغلوں کے خروج اور تاخت وتاراج کے زمانے میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں ایک زبردست اسلامی سلطنت قائم تھی۔ اور جو مغلوں کی دست برد سے قریباً محفوظ و مامون رہا۔

ہلاکو خان کے وزیر اور مصاحبوں میں خواجہ نصیرالدین طوسی بہت مشہور شخص ہے نصیرالدین طوسی علم ہیئت کا زبردست عالم تھا۔ اسمعیلیوں باطنیوں کا ترتیب کردہ تھا۔ اس کی ایک مشہور کتاب اخلاق ناصری ہے۔ جو اُس نے ناصرالدین پادشاہ الموت کے نام پر معنون کی تھی۔ مجسطی بھی اُسی کی تصنیف ہے جو علم ہیئت کی مشہور کتاب ہے۔

اباقاخان جب ہلاکو خان مراغہ میں فوت ہوا۔ تو امیروں نے ایک عظیم الشان مجلس منعقد کر کے ہلاکو خان کے بیٹے اباقان کو تخت سلطنت کے لئے منتخب کیا۔ اباقا خان نے تخت پر بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ قوبلا خان جو مغلوں کا شہنشاہ ہے۔ جب تک اجازت نہ دے میں کیسے تخت نشین ہو سکتا ہوں۔ مگر سرداروں نے اُس کے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور اصرار سے اُس کو تخت سلطنت پر بیٹھایا۔ اباقا خان ۲ رمضان ۶۶۳ھ کو تخت نشین ہوا۔ اُس نے تخت نشین ہو کر فوج اور امیروں کو انعامات دیئے اپنے بھائی یشموت نامی کو شیروان کی حکومت عطا کی۔ دوسرے بھائی تیشین نامی کو ماژندران خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ توبان بہادر ابن سونجاق کو روم کا حاکم نامزد کیا۔ توران ابن ایلکان جلائر درلکین کو بھی روم ہی کی طرف کا ملک عطا ہوا۔ ارغون آقا کو وزیر مال اور خواجہ شمس الدین جوینی کو وزیر اعظم بنایا۔ اور اپنی بیٹے ارغون خان کی اتالیقی مرتاق نویاں برلاس کو سپرد کی۔ اباقا خان نے تخت نشین ہونے کے بعد برکہ خان سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری کیا۔ آخر انہیں لڑائیوں کے درمیان برکہ خان نے وفات پائی اور اباقا خان کے ملک پر ہر طرف سے سرداروں اور رشتہ داروں نے دندان آز تیز کئے۔ براق خان چغتائی نے ملک خراسان پر قبضہ کرنا چاہا لڑائیاں ہوئیں۔ آخر اباقا خان نے فتح پائی اور رفتہ رفتہ اُس کا اقتدار قایم ہو گیا۔ مگر مصری فوج کے مقابلہ پر جب ملک شام میں فوج بھیجی مغلوں کی فوج نے ہمیشہ شکست کھائی۔ عجیب اتفاق ہے کہ مصر اور ہندوستان دونوں ملک اپنی آب و ہوا اور باشندوں کے اعتبار سے بہادری میں کوئی بڑا مرتبہ نہ رکھتے تھے۔ اور دونوں ملکوں میں غلاموں کی حکومت تھی۔ لیکن مغلوں نے جنگجو ملکوں اور جنگجو قوموں کے مقابلے میں تو فتوحات حاصل کیں۔ مگر مصر و ہندوستان میں اُن کو ہمیشہ ذلیل ہو کر شکست ہی کھانی پڑی۔

اباقا خان نے ۶۸۰ھ میں وفات پائی ۱۷ سال حکومت کی۔

اباقا خان شیخ سعدی شیرازی اور مولانا جلال الدین رومی کا بہت معتقد تھا۔ اور ان ہر دو بزرگوں کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اُن سے ملاقات کرتا تھا۔ اباقا خان کے بعد اُس کا بیٹا

نکو دار اغلن تخت نشین ہوا۔

نکودار اغلن موسوم بہ احمد خان نکودار آغلن زمانہ شہزادگی میں دولت اسلام سے مالامال ہو چکا تھا۔ لہٰذا اُس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنا لقب احمد خان رکھا۔ اور شیخ کمال الدین عبد الرحمٰن الرافعی کو وزارت کا عہدہ عطا کیا۔ سلطان احمد خان نے مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اُن کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ مغلوں کی کفریہ رسموں کو مٹایا۔ اور آئین اسلام کو ترویج دینے کی کی کوشش کی۔ سُلطان احمد خان کی وجہ سے بعض دوسرے مغول بھی اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ مغل سرداروں بالخصوص سُلطان احمد خان کے بھائی ارغون خان نے جب دیکھا کہ سلطان احمد خان کی وجہ سے مغلوں کی عزت وسیادت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو انھوں نے بغاوت کی سازش شروع کی۔ ارغون خان ابن اباقا خان نے رفتہ رفتہ فوج کے تمام سرداروں کو اپنی سازش میں شریک کر کے بغاوت کا اعلان کیا۔ تمام فوج ارغون خان سے جا ملی اور سلطان احمد خان تین سال کی حکومت کے بعد گرفتار ہو کر شہید ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ ۶۸۳ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

ارغون خان ارغون خان نے تخت نشین ہو کر سعد اللہ نامی ایک یہودی کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اور اس وزیر کے مشورے سے ہر شہر میں مسلمان علماء کے قتل کا حکم جاری کیا۔ اس طرح ہزارہا علمائے اسلام قتل ہوئے۔ ارغون خان ایک ہندو جوگی کا بہت معتقد تھا۔ اُسی ہندو جوگی نے ارغون کو ایک دوا کھلائی کہ اس کی تاثیر سے عمر بڑھ جائے گی۔ مگر اس دوا کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ قسم قسم کے امراض پیدا ہونے لگے۔ آخر ۶۹۰ھ میں ارغون خان نے وفات پائی۔

کیخاتو خان ابن اباقا خان ارغون خان کے بعد اُس کا بھائی کیخاتو خان تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت کا قابل تذکرہ اور مشہور واقعہ یہ ہے۔ کہ اُس نے ۶۹۳ھ میں نوٹ ایجاد کیا۔ جس کو مغل لوگ چوت کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ وہ ایک کاغذ ہوتا تھا۔ جس کے دونوں طرف کلمہ طیبہ لکھا ہوتا تھا۔ کلمہ کے نیچے بادشاہ کا نام اور نوٹ کی قیمت درج ہوتی تھی۔ اس طرح کاغذ کا سکہ جاری ہونے سے تمام ملک میں شور و فغان برپا ہو گیا۔ اور تجارت پر بُرا اثر پڑا۔ لوگ حیرت کے ساتھ اس کاغذ کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ ہم بجائے روپیہ یا اشرفی کے اس کو کس طرح قبول کریں۔ جب اس ایجاد میں کیخاتو خان کو ناکامی ہوئی تو اُس نے مجبوراً اس کے رواج کو روک دیا۔ ۶۹۴ھ امراء مغل نے اسلام کے جرم میں اس بادشاہ کو بھی شہید کر دیا۔

بایدو خان ابن طراغائی ابن ہلاکو خان کیخاتو خان کے بعد اُس کا چچا زاد بھائی بایدو خان تخت نشین ہوا۔ ۶۹۴ھ میں ارغون آقا اویرات جو قریباً تیس سال تک شاہان مغلیہ کی طرف سے خراسان وغیرہ علاقوں پر حکومت کرتا رہا تھا۔ فوت ہو گیا۔ اُس کا بیٹا امیر نوروز بیگ شہزادہ غازان خان ابن ارغون خان ابن اباقا خان کے پاس چلا گیا۔ اور اُس کی مصاحبت میں داخل ہو کر غازان خان کو اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دی۔ غازان خان ان ایام میں خراسان کا حاکم تھا۔ بایدو خان اور غازان خان میں اس لئے ملال و مخالفت پیدا ہوئی کہ غازان خان اپنے آپ کو زیادہ مستحق سلطنت سمجھتا تھا۔ غازان خان نے امیر نوروز بیگ کی رہبری و ترغیب سے شیخ صدر الدین حموی کو بلا کر اُن کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا۔ اور اسلامی نام محمود خان رکھا۔ غازان خان کے اسلام قبول کرتے ہی بہت سے مغل سرداروں نے دین اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد بایدو خان اور سلطان محمود خان (غازان خان) کے درمیان ناچاقی بڑھتی گئی۔ اور نوبت محاربہ و مقاتلہ تک پہنچی۔ سلطان محمود خان نے فتح حاصل کرکے بایدو خان کو قتل کرا دیا۔ اور خود ماہ ذیحجہ ۶۹۴ھ میں تخت نشین ہوا۔

سلطان محمود غازان خاں ابن ارغون خان ابن اباقاخان | سلطان محمود خان نے تخت نشین ہو کر امیر نوروز بیگ

اویرات کو اپنا وزیر و سپہ سالار بنایا۔ اور سکو نپر کلمہ طیبہ نقش کرایا۔ اسی طرح مہر اور فرامین کی پیشانیوں پر اللہ اعلی لکھنے کا حکم دیا۔ نوروز بیگ کو چند روز کے بعد خراسان کا حاکم مقرر کرکے روانہ کیا۔ ایسنتیمور وارسلان دو مغل سرداروں نے آپس میں عہد کیا۔ کہ ہم میں سے ایک شخص سلطان محمود خان کو اور دوسرا امیر نوروز بیگ کو ایک ہی تاریخ میں قتل کرے۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنے ارادہ کو قوت سے فعل میں لانے کی کوشش کی۔ مگر عجیب اتفاق یہ ہوا۔ کہ وہ اپنے ارادے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اور عین وقت پر دونوں سلطان محمود خان اور امیر نوروز بیگ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس کے بعض امرا و وزرا نے امیر نوروز بیگ کے متعلق بدگوئی اور چغل خوری سے کام لیکر بادشاہ کو بدگمان بنا دیا۔ اور ظاہر کیا کہ امیر نوروز بیگ خراسان میں بغاوت و خود مختاری کے اعلان کا عزم رکھتا ہے۔ ان پیہم سازشی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان محمود غازان خاں امیر نوروز بیگ سے بدگمان ہو کر اُس کے استیصال کے درپے ہوا۔ اور یہ امیر بزرگ معہ خاندان ہلاک و برباد ہوا۔ اسی طرح خواجہ صدر الدین وزیر بھی امرا کی کوشش سے مقتول ہوا۔ اور اُس کی جگہ خواجہ رشید الدین مصنف جامع رشیدی کو قلمدان وزارت عطا ہوا۔ یہ واقعہ ۶۹۹ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد سلطان محمود غازان خان نے سلطان مصر کو لکھا کہ میرے بزرگوں نے ملک شام کو فتح کیا تھا۔ اور شام کا ملک ہمارا موروثی مقبوضہ ہے مصری فوجوں نے اس ملک پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے۔ میرے بزرگ چونکہ کافر تھے۔ اور دین اسلام سے واقف نہ تھے۔ لہذا تمہاری مخالفت جو میرے بزرگوں سے تم نے کی قابل فراموشی ہے۔ مَیں الحمدللہ مسلمان ہوں اور تم کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ لہذا اب تمہارا فرض ہے کہ شام کا علاقہ میرے لئے خالی کر دو۔ اور میری شہنشاہی اور سرداری کو تسلیم کرو۔ مصر سے اس پیغام کا جواب نامناسب وصول ہوا۔ اسی خط و کتابت کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مصریوں نے جو پہلے سے مغلوں پر چیرہ دست تھے۔ اپنی حدود سے نکل کر سلطان محمود غازان خان کے مقبوضہ علاقہ پر حملہ کیا۔ اور ساتھ ہی اس مصری فوج نے مسجدوں کی بے حرمتی اور مسلمانوں کے قتل عام سے بھی کوئی دریغ نہ کیا۔ یہ سُن کر ۶۹۹ھ میں سلطان محمود غازان خان نے نوے ہزار مغلوں کی فوج لیکر ملک شام پر حملہ کیا۔ سلطان مصر بھی فوج لیکر مقابلہ پہ آیا۔ حمص کے قریب معرکہ کارزار گرم ہوا۔ سلطان محمود غازان خان نے مصریوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اور دمشق و شام پر قابض و متصرف ہو کر شام کے بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک امیر بطور نائب السلطنت مقرر کیا۔ اور خود واپس چلا آیا۔ سلطان مصر ناصر نے فوج لیکر دوبارہ ملک شام پر فوجکشی کی۔ شام کے مغل سرداروں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔ مگر شکست یاب ہوئے۔ اور امیر تیتاق میدان جنگ میں شجاعت و بہادری کی داد دیتا ہوا گرفتار ہوا۔ یہ سُن کر سلطان غازان خان نے پھر ملک شام پر حملہ کا قصد کیا۔ لیکن انہیں ایام میں خبر پہنچی کہ جوجی خان کی اولاد جو قبچاق کی طرف برسر حکومت ہے دعویٰ کرتی ہے کہ ہلاکو خان اور اُس

اولاد کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ایران وخراسان وغیرہ پر خود مختارانہ حکومت کرے یہ حق ہمارا ہے۔ اور ہم غازان خاں کو ملک سے بیدخل کردیں گے۔ اس کے بعد آپس کی مخالفتوں نے غازان خاں کو شام کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ نواح قزوین میں بتاریخ ۱۱ر شوال بروز یکشنبہ ۷۰۳ھ کو سلطان محمود غازان خاں نے وفات پائی۔ اس سلطان کے عہد میں اسلام نے مغلوں کے اندر خوب رواج پایا۔ اور مسلمانوں کو اس پادشاہ عالی جاہ سے بہت فائدہ پہنچا۔ مرتے وقت اُس نے وصیت کی کہ میرے بعد میرا بھائی اولجایتو معروف بہ سلطان محمد خدا بندہ تخت نشین ہو۔

سلطان محمد خدا بندہ اولجایتو ابن ارغون خان ابن اباقا خان

سلطان محمود خان کی وفات پر امیر مرقداق نے جو الجایتو سے ناخوش تھا ایک دوسرے شہزادے الافرنگ کو تخت نشین کرنا چاہا۔ یہ حال جب امیر اسمٰعیل ترخان کو معلوم ہوا تو اُس نے الجایتو کو اطلاع کی۔ اُس نے فوراً الافرنگ اور مرقداق کو گرفتار کرکے قتل کیا۔ اور ماہ ذیحجہ ۷۰۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور اپنا لقب سلطان محمد خدا بندہ رکھا بڑے بڑے امرا مثلاً امیر قتلق شاہ۔ امیر چوپان سلدوز۔ امیر فولاد۔ امیر حسین بیگ۔ امیر سونج امیر مولائی۔ امیر سلطان۔ امیر رمضان۔ امیر الغو نے تخت نشینی کے وقت نذریں دکھلائیں۔ سلطان محمد خدا بندہ نے تخت نشین ہوتے ہی حکم دیا کہ شریعت اسلام کی پابندی کا تمام ملک میں خاص طور پر لحاظ رکھا جائے اور خلاف شرع تمام مراسم کو مٹا دیا جائے۔ سلطان محمد خدا بندہ کی حکومت وسلطنت کو بہت جلد قبولیت عامہ حاصل ہوگئی۔ اور روس وخوارزم وبلغاریا وروم وشام سے لیکر قراقرم۔ سندھ اور عراق تک تمام ممالک میں اُس کی شہنشاہی تسلیم کی گئی۔ سلطان محمد خدا بندہ کے عہد حکومت میں سلطنت مغلیہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی۔ اور اُس کی سلطنت وحکومت سے مخالفت وانحراف کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد بعمر ۳۶ سال شب عید الفطر ۷۱۶ھ کو اس نیک دل اور باخدا سلطان نے وفات پائی۔ اُس نے خود ایک شہر سلطانیہ کے نام سے آباد کرکے اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ مرنے کے بعد اسی شہر میں مدفون ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا سلطان ابو سعید بہادر خان تخت نشین ہوا۔

سلطان ابو سعید بہادر خان ابن سلطان محمد خدا بندہ

تخت نشینی کے وقت سلطان ابو سعید کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ امراء مغل میں نااتفاقی پیدا ہوئی۔ مگر پھر نفاق وشقاق کے نتائج پر غور کرکے متفق ومتحد ہوگئے۔ سلطان ابو سعید بہادر خان نے امیر چوپان کو مدار المہام سلطنت بنا کر اُس کی عزت ومرتبہ کو بہت ترقی دی۔ امیر چوپان کے بیٹے امیر حسن جلائر کی شادی بغداد خاتون سے ہوئی۔ سلطان ابو سعید اس عورت پر عاشق ہوگیا تھا۔ سلطان نے چاہا کہ امیر حسن بغداد خاتون کو طلاق دیدے۔ مگر امیر چوپان نے اس کو گوارا نہ کیا۔ آخر اس معاملے نے یہاں تک طول کھینچا کہ امیر چوپان نے بغاوت اختیار کرکے ملک خراسان پر قبضہ کرلینا چاہا۔ ہرات پر چغتائی خاندان کے لوگوں کی حکومت تھی۔ جو ہلاکو خان کے خاندان سے کدورت رکھتے۔ اور بظاہر مطیع ومنقاد تھے۔ ان چغتائی سرداروں میں ایک شخص ترمشیرین خان تھا۔ اُس کو امیر چوپان نے اپنی مدد پر آمادہ کرلیا۔ سلطان ابو سعید بہادر خان نے لڑائی کا سامان کیا۔ مقابلہ ہوا۔ اور متعدد لڑائیوں کے بعد امیر چوپان گرفتار ہوکر مقتول ہوا۔ اُس کے بیٹے امیر حسن جلائر نے بغداد خاتون کو طلاق دے کر سلطان ابو سعید کو اُس سے نکاح کرلینے کا موقع دیا ۷۲۷ھ

میں اوزبک خان پادشاہ دشت قبچاق نے لشکر عظیم کے ساتھ ایران پر چڑھائی کی۔ ادھر سے سلطان ابوسعید بھی فوج لیکر متوجہ ہوا۔ مقام شیروان میں پہنچکر سلطان آب وہوا کی ناموافقت کے سبب بیمار ہوگیا۔ اسی بیماری کے ارتقاء و اشتداد سے ۱۳ ربیع الآخر ۷۳۶ھ میں فوت ہوا۔ چونکہ سلطان ابوسعید لاولد فوت ہوا۔ لہذا اُس کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ میں طائف الملوکی اور پریشانی رونما ہوئی۔

ارپا خان از اولاد ارتق بوقا ابن تولیخان سلطان ابوسعید کی وفات کے بعد بعض امراء کے اتفاق سے ارپاخان تخت نشین ہوا۔ اُس نے تخت نشین ہوکر کہا۔ کہ مجھ کو آرائش اور ناز و نعم کی مطلق ضرورت نہیں۔ میں کمر زریں کی بجائے تسمہ اور تاج مرصع کی بجائے کلاہ نمد کو کافی سمجھتا ہوں۔ چونکہ ازبک خان کی فوجوں سے مقابلہ در پیش تھا۔ لہذا ارپا خان نے مقابلہ کی تیاری میں ہمت صرف کی اور جابجا حملہ آوروں کی روک تھام کے واسطے فوجیں تعینات کیں۔ اسی اثنا میں اوزبک خان کے پاس خبر پہونچی کہ دشت قبچاق میں بغاوت و فتنہ پیدا ہونے والا ہے وہ اس وحشت ناک خبر کو سُنتے ہی اُس طرف روانہ ہوا۔ اور ارپا خان کو اطمینان میسر ہوا۔ اس کے بعد امیر علی اویرات نے امراء اویرات کو متحد و متفق کرکے ارپاخان کے خلاف خروج کیا۔ اس خروج میں امیر علی کو اس لئے اور بھی کامیابی ہوئی۔ کہ ارپا خان نے اولاد ہلاکو خان کو جہاں کہیں پایا قتل کیا۔ اور اس خاندان کے استیصال سے اکثر امرا کو بددل بنا دیا۔ آخر ۷۳۶ھ کے ماہ رمضان میں بمقام مراغہ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں ارپا خان گرفتار و مقتول ہوا۔ امیر علی نے فتح یاب ہوکر موسیٰ خان ابن بایدو خان ابن طرقای ابن ہلاکو خان کو تخت پر بٹھایا۔

موسیٰ خان ابن بایدو خان موسیٰ خان کے تخت نشین ہونے پر امیر علی اویرات اور دوسرے امراء اویرات کے اقتدار نے خوب ترقی کی۔ امیر حسن جلائر جو ملک روم میں برسر حکومت تھا۔ اُس نے موسیٰ خان پر چڑھائی کرکے میدان جنگ سے اُس کو بھگا دیا۔ اور امیر علی کو قتل کر دیا۔ موسیٰ خان شکست خوردہ بھاگ کر ضلع ہزارہ میں آیا۔ اور یہاں گرفتار ہوکر قتل ہوا۔ موسیٰ خان کے بعد سلطان محمد خان ابن قتلق خان ابن تیمور ابن انبارجی ابن منکوتیمور ابن ہلاکو خان تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت بھی موسیٰ خان کی طرح بہت کمزور تھی۔ اس کے بعد برائے نام چند افراد اور ہلاکو خان کی نسل سے تخت نشین ہوئے۔ اور ۷۵۶ھ تک ہلاکو خان کی اولاد کا نام و نشان گم ہوگیا۔ اور ہلاکو خان کے مفتوحہ ممالک میں بہت سی خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں۔

اولاد جوجی خان ابن چنگیز خان چنگیز خان کے بیٹوں میں جوجی خان سب سے بڑا بیٹا تھا۔ جوجی خان نے فتح خوارزم کے بعد دشت قبچاق کو فتح کرکے وہیں سکونت اختیار کی تھی۔ جوجی خان کے ساتھ چنگیز خان کے باقی بیٹوں کو محبت و انسیت نہ تھی۔ اور وہ باقی بھائیوں سے کچھ الگ ہی الگ رہتا تھا۔ اسی مناسبت سے اُس کا ملک بھی الگ اور ایک طرف ہی تھا۔ جوجی خان کی اولاد میں جو لوگ ہوئے۔ اُن میں اکثر قوم اوزبک کے نام سے پکارے گئے۔ جوجی خان چنگیز کے سامنے ہی فوت ہوگیا تھا۔ لہذا چنگیز خاں نے جوجی خان کا ملک اُس کے بیٹے باتو خان کو دے دیا تھا۔ جوجی خان کے سات بیٹے تھے۔ باتو خاں سب سے بڑا بیٹا تھا۔

باتو خان ابن جوجی خاں باتو خان نے دشت قبچاق سے جب ممالک خزر و روس و چرکس و فرنگ وغیرہ کی طرف فوجکشی کی تو اوکتائی خان ابن چنگیز خان نے اپنے بیٹے کیوک خان اور تولیخان کے بیٹے منکو خاں

اور چغتائی خان کے ایک بیٹے کو مامور کیا۔ کہ یہ لوگ باتو خان کے ساتھ رہ کر فتح ممالک میں اس کی امداد کریں باتو خان نے روس کا تمام ملک فتح کر کے ماسکو پر حملہ کیا۔ اس کو فتح کرنے کے بعد پولینڈ کو اپنے قبضہ و تصرف میں لایا۔ یہ حالات سن کر تمام یورپ کے سلاطین ایک دوسرے کی اعانت پر آمادہ ہو کر ایک میدان میں اپنی فوجوں کو جمع کر کے مقابلہ پر آئے۔ باتو خان کی فوج میں بہت سے مسلمان بھی شامل تھے۔ جب باتو خان کو یہ معلوم ہوا کہ فوج مغلیہ سے کئی گنا زیادہ عیسائیوں کی فوجیں جمع ہو گئی ہیں۔ تو اس نے حکم دیا۔ کہ ہماری فوج کے تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر دعا مانگیں۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی۔ اس لڑائی میں عیسائیوں کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ اور باتو خان نے تمام ملک ہنگری پر قبضہ کر لیا۔ باتوخان نے یورپ میں ایک شہر آباد کیا جس کا نام سرائے تھا۔ باتو خان کا تمام زمانہ ملک فرنگ کی فتوحات و انتظامات میں بسر ہو گیا۔ اور ۶۵۴ھ میں فوت ہوا۔

برکہ خان ابن جوجی خان باتو خان کی وفات کے بعد اس کا بھائی برکہ خان تخت نشین ہوا۔ باتو خان تو مثل چنگیز خان کے نامسلمان تھا۔ لیکن برکہ خان نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ برکہ خان کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو مغلوں کی زیادتی سے ہر قسم کی امن حاصل ہوئی۔ برکہ خان کے ایک رشتہ دار کو ہلاکو خان نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس لئے برکہ خان نے ناراض ہو کر بوقا خان کو تیس ہزار سوار دیکر ہلاکو خان کے ملک پر حملہ کرنے کو بھیجا۔ ہلاکو خان نے بھی مقابلہ پر ایک سردار کو روانہ کیا۔ لیکن ہلاکو خان کی شکست ہوئی ۶۶۱ھ میں ہلاکو خان خود فوج لیکر برکہ خان کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ اباقا خان کو فوج دیکر آگے روانہ کیا۔ اول ہلاکو خان کی فوج کو شکست ہوئی۔ لیکن پھر برکہ خان کا لشکر منہزم ہوا۔ برکہ خان کے بعد جوجی خان کی اولاد میں ۳۲ شخص تخت نشین ہوئے۔ برکہ خان کے بعد اس کا بیٹا منکور تیمور خان تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد توقتائی خان تخت نشین ہوا ۷۰۳ھ میں توقتائی خان اور توقائی خان کے درمیان سخت جنگ واقع ہوئی۔ توقتائی خان نے فتح مند ہو کر اطمینان سے حکمرانی و فرمانروائی شروع کی اور غازان خان کو لکھا کہ ہلاکو خان اور اس کی اولاد نے غاصبانہ طور پر آذربائیجان کو اپنی حدود حکومت میں شامل کر لیا ہے۔ حالانکہ آذربائیجان کا ملک تقسیم چنگیزی کے مواقف جوجی خان کی اولاد کا حق ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ آذربائیجان کا ملک ہمارے سپرد کر دیں۔ ورنہ پھر آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہم بزور شمشیر اس پر قبضہ کر لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ غازان خان نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اور مقابلہ پہ آمادگی ظاہر کی۔ مگر پھر جنگ و جدل تک نوبت نہیں پہنچی۔ اور شروع ہونے والی جنگ رفت و گذشت ہو گئی۔ اور توقتائی خان نے ملک آذربائیجان کا خیال چھوڑ دیا۔ توقتائی خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا طغرل خان تخت نشین ہوا۔ طغرل خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اوزبک خان تخت نشین ہوا۔ اوزبک خان بہت نامور شخص ہوا ہے۔ اس کی حکومت جوجی خان کی اولاد کے سارے قبیلوں پر تھی۔ اسی کے نام پر قوم اوزبک موسوم ہوئی۔ اوزبک خان کے اولاد بہت تھی۔ اور وہ سب قوم اوزبک کے نام سے موسوم ہوئی ۷۱۸ھ میں اوزبک نے سلطان ابو سعید بہادر خان بادشاہ ایران پر فوجکشی کی ادھر سے سلطان ابو سعید بہادر خان بھی مقابلہ پر مستعد ہوا۔ مگر اوزبک خان لوٹ مار کر کے فوراً واپس چلا گیا ۷۳۵ھ میں اوزبک خان نے دوبارہ ایران پر فوجکشی کی سلطان ابو سعید خان یہ خبر سن کر مقابلہ پر گیا۔ اثنائے سفر میں سلطان ابو سعید بہادر خان کا انتقال ہوا۔ اور اربا خان

اُس کی جگہ تخت نشین ہوکر مقابلہ پر آمادہ ہوُا۔ اس کے بعد اوزبک خان واپس ہوُا۔ اور عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوُا۔ اس کے بعد جانی بیگ خان اوزبک تخت نشین ہوُا۔ اس کے زمانے میں جوجی خان کی اولاد یعنی اوزبک قبیلہ کے متعدد اشخاص نے اپنی اپنی الگ الگ حکومتیں قایم کیں۔ جانی بیگ خان کے بعد اُس کا بیٹا بیردی بیگ خان تخت نشین ہوُا۔ سنہ ۸۰۹ھ میں تبریز میں ایک پادشاہ شادی خان اوزبک برسر حکومت تھا۔ اسی طرح اُرس خان اوزبک تیمور صاحبقران کے زمانے میں موجود تھا۔ اُرس خان اوزبک کا بیٹا تیمور ملک خان اوزبک تھا۔ اُس کا جانشین توقتمش خاں اوزبک تھا۔ جس کی دشت قپچاق پر حکومت تھی۔ اور جس نے امیر تیمور صاحبقران سے جنگ کرکے شکست کھائی تھی۔ فولاد خاں اوزبک سنہ ۸۱۵ھ میں ترکستان پر قابض وحاکم تھا۔ سلطان سعید مرزا شاہ رخ نے اُس کے خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔ فولاد خان کے بعد محمد خان اوزبک تخت نشین ہوُا۔ براق خان اوزبک۔ جو اُرس خان کی اولاد سے تھا۔ مرزا الغ بیگ تیموری سے مدد لیکر محمد خان اوزبک پر حملہ آور ہوُا اور سنہ ۸۲۵ھ میں فتحیاب ہوکر ترکستان پر قابض اور تخت نشین ہوُا۔ اس کے بعد الغ بیگ خان تیموری اور براق خان کے درمیان ناچاقی ہوئی۔ اور نوبت محاربہ وقتال تک پہنچی۔ اتفاق سے الغ بیگ کی فرستادہ فوج نے شکست کھائی۔ اس شکست کا حال سُن کر سلطان سعید مرزا شاہ رخ نے خود فوجکشی کی اور الغ بیگ کو مورد عتاب بنایا۔ مرزا شاہ رخ کی فوجکشی کا حال سُن کر براق خان سمرقند سے واپس چلا گیا اور مقابلہ میں مصلحت نہ سمجھی۔ لیکن سنہ ۸۳۲ھ میں سلطان محمود خان اور براق خان مقتول ہوُا۔ اور سلطنت اوزبکیہ کا خاتمہ ہوُا۔ چند روز تک پریشان ومنتشر رہے۔ اس کے بعد سنہ ۸۵۵ھ میں سلطان ابوالخیر خان اور بداق خان اوزبک نے سمرقند پر قبضہ کرکے اپنی حکومت وسلطنت قایم کی۔ ابوالخیر خان کا بیٹا بداق خان اور بداق خان کا بیٹا سلطان ابوالفتح محمد خان تھا۔ جو ظہیرالدین بابر کا ہمعصر تھا۔ اسی سلطان ابوالفتح محمد خان اوزبک کو شیبانی خان اوزبک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اسمعیل صفوی کے مقابلہ میں مقتول ہوُا۔ بڑا صاحب داعیہ اور بہادر شخص تھا۔ اسی نے بابر کو ترکستان وفرغانہ سے بیدخل کرکے بھگا دیا تھا۔ اسی کے کاسۂ سر کی ہڈی پر سونے کے پتر چڑھواکر اسمعیل صفوی نے شراب خوری کا پیالہ بنوایا تھا۔ اس کو شیبانی خان اس لئے کہتے تھے۔ کہ اُس کے اجداد میں کسی شخص کا نام شیبانی خان تھا۔ سلطان ابوالفتح محمد خان اوزبک سنہ ۹۱۶ھ میں مقتول ہوُا اس کے بعد اس کے بیٹے تیمور سلطان کو ازبکوں نے اپنا پادشاہ بنایا سنہ ۹۳۵ھ میں ازبکوں نے طہماسپ صفوی پر ایک سخت حملہ کرکے اُس کو شکست دیدی تھی۔ مگر بعد شکست دینے کے وہ لوٹ مار میں مصروف ہوگئے۔ اور طہماسپ نے موقع پاکر بےخبری میں حملہ کرکے ازبکوں کی فتح کو شکست سے تبدیل کر دیا۔

جانی بیگ خان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ جانی بیگ خان کا بیٹا اسکندر خان تھا۔ اسکندر خان کا بیٹا عبداللہ خان تھا۔ عبداللہ خان اوزبک نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ عبداللہ خان اوزبک ہندوستان کے پادشاہ اکبر کا معاصر تھا۔ اکبر کے ساتھ اُس کی اکثر خط وکتابت رہتی تھی۔ عبداللہ خان نے سنہ ۱۰۰۶ھ میں وفات پائی اُس کے بعد اُس کا بیٹا عبدالمومن خان تخت نشین ہوُا مگر چند روز کے بعد اپنے چچا رستم سلطان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد سلطنت اوزبکیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے عبداللہ خان کے خواہرزادہ ولی محمد خان نے عبدالمومن خان کے بعد ترکستان پر قبضہ

کرکے امام قلی خان کو ماوالنہر کی حکومت سپرد کی اور اپنے خواہر زادہ نذر محمد خان کو بدخشان وغیرہ کا علاقہ سپرد کیا۔ ولی محمد خان کو چند روز کے بعد نذر محمد خان نے بیدخل کر دیا۔ اُس نے ایران میں جاکر شاہ عباس کے یہاں پناہ لی۔ اسی طرح اوزبکوں کی ایک سلطنت خوارزم میں بھی قائم تھی۔ مگر وہ کچھ زیادہ طاقتور اور قابلِ تذکرہ نہیں ہوئے۔ جوجی خان ابن چنگیز خان کی اولاد کے حالات مورخین نے مسلسل نہیں لکھے۔ اس جگہ اوزبکوں کے ضروری اشخاص کا تذکرہ آچکا ہے اور آئندہ ان کے ہمعصر سلاطین کے حالات میں جب ان لوگوں کے نام آئیں گے۔ تو سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔ اسی لئے اس سلسلہ کو دور تک پہنچا دیا۔ جوجی خان کی اولاد میں علاوہ قبیلۂ اوزبک کے ایک اور قبیلہ قوم قزاق کے نام سے مشہور تھا۔ قبیلۂ قزاق کے بعض اشخاص نے دشت قبچاق یا اُس کے بعض حصوں پر حکومت کی۔ چنانچہ اسی قبیلہ کے ایک بادشاہ قاسم سلطان قزاق کی شیبانی خان یعنی سلطان محمد خان اوزبک سے لڑائیاں ہوئی تھیں۔ اب ہم کو چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کی اولاد کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

اولاد چغتائی خان ابن چنگیز خان

چنگیز خان نے ترکستان۔ خراسان۔ بلخ۔ غزنین تا حدود دریائے سندھ کا تمام علاقہ اپنے بیٹے چغتائی خان کو دیا تھا۔ اور امیر قراچار برلاس کو امیر الامرا بناکر اُس کے ساتھ کیا تھا۔ چنگیز خان کی وفات کے بعد چغتائی خان اپنے بڑے بھائی اوکتائی خان کی اطاعت و فرمانبرداری کا ہمیشہ اقرار کرتا رہا۔ چغتائی خان بہت عقلمند اور بہادر شخص تھا۔ ۶۳۶ھ میں فوت ہوا۔ چغتائی خان کی وفات کے بعد امیر الامرا قراچار نے چغتائی خان کے پوتے قراہلاکو خان کو تخت نشین کیا۔ یہ خبر سن کر کیوک خان ابن اوکتائی خان نے کہا کہ چغتائی خان کا بیٹا میسو منکو خان جب موجود ہے۔ تو پوتے کو کیوں جانشین بنایا گیا۔ چونکہ قراقورم کا دربار تمام مغلوں پر حکمران تھا۔ لہٰذا کیوک خان کے حکم کی موافق قراہلاکو خان کو تخت سے اُتار کر میسو منکو خان کو تختِ سلطنت پر بٹھایا گیا۔ مگر چند روز کے بعد جب میسو منکو خان فوت ہوگیا۔ تو امیر قراچار کی تجویز کی موافق قراہلاکو خان دوبارہ تخت نشین ہوا۔ ۶۵۲ھ میں امیر قراچار بھی فوت ہوگیا۔ اس کے چند روز بعد جب قراہلاکو خان فوت ہوا۔ تو اُس کی بیوی ورغنہ خاتون کو مغلوں نے تخت پر بٹھایا۔ اس کے بعد الغو خان کو قبیلۂ چغتائیہ کی حکومت سپرد ہوئی۔ مگر ایک سال حکومت کرکے وہ بھی فوت ہوگیا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا مبارک شاہ چغتائی قبیلۂ چغتائیہ کا سردار قرار پایا۔

قبیلۂ چغتائیہ حکومت و سلطنت میں تولی خان کی اولاد کے ساتھ شریک رہا۔ ابتداءً ان دونوں قبیلوں میں رقابت بھی رہی۔ تولی خان ابن چنگیز خان کی اولاد میں ہلاکو خان کی وجہ سے عظمت و شوکت نے بہت ترقی کرلی تھی۔ اور چغتائی خان کی اولاد اس کے مدمقابل نہ رہی تھی۔ چغتائیوں نے ہرات اور اُس کے متعلقہ علاقہ پر ہمیشہ اپنا قبضہ جاری رکھا۔ مگر کبھی ہلاکو خان اور اس کی اولاد کی سیادت کو تسلیم کرتے اور اپنے آپ کو اُن کا نائب السلطنت کہتے اور کبھی خودمختاری کا اعلان کرتے تھے۔ ان میں مبارک شاہ کے بعد سلطان غیاث الدین محمد براق خان ابن میسو تواں خان ابن مواتو خان مشہور شخص ہوا۔ جس نے اباقا خان کے ساتھ خراسان میں سخت معرکہ کارزار گرم کیا تھا۔ غیاث الدین محمد براق خان کا بیٹا دوا خان اور دوا خان کا بیٹا السینو خان

اور اسینبغا خان کا بیٹا کیک خان بھی خوب طاقتور اور صاحب داعیہ سلاطین تھے۔ دوا خان کے دوسرے بیٹے تیمور خان و ترمہ شیرین خان بھی برسر حکومت و ایالت رہے۔ ترمہ شیرین خان نے قندھار پر حملہ کیا۔ اور ۷۱۹ھ میں امیر حسن سلدوز اور ترمہ شیرین خان کی نواح غزنین میں سخت لڑائی ہوئی جس میں ترمہ شیرین خان کو شکست ہوئی۔ ترمہ شیرین خان نے ہندوستان پر بھی ایک حملہ کیا تھا۔ ترمہ شیرین خان کے بعد اُس کا بھائی فولاد خان قبائل چغتائیہ کا سلطان ہوا۔ اُس نے ۷۳۵ھ میں وفات پائی۔ فولاد خان کے بعد غازان ابن میسور اغلن ابن دوا خان تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد دانشمند اغلن اُس کے بعد قلی خان ابن سور غیدو ابن دوا خان ابن براق خان چغتائی بادشاہ ہوا۔ پھر تو غلوق تیمور خان ابن اسینبون خان ابن دوا خان تخت نشین ہوا اُس کے بعد الیاس خواجہ خان ابن تو غلوق تیمور خان تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد خضر خواجہ خان تو غلوق تیمور خان تخت نشین ہوا۔ اس کے قبضہ سے خراسان کے تو تمام حصص نکل گئے تھے۔ لیکن مغولستان کے اکثر حصے پر اُس کا قبضہ تھا۔ اُسی کے عہد حکومت میں امیر تیمور صاحبقران نے خراسان میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اور خضر خواجہ خان اور تیمور صاحب قران کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر خضر خواجہ امیر تیمور کے مقابلہ سے عاجز ہوا۔ اور اپنی بیٹی تغل خانم کی شادی امیر تیمور کے ساتھ کر کے صلح کی۔ اور رشتہ داری قائم کی۔ امیر تیمور کو اسی شادی کے سبب گورکان کہنے لگے۔ یعنی خاندان چنگیزی کے ساتھ امیر تیمور کو رشتۂ دامادی حاصل ہوا۔ مغلوں کی زبان میں داماد کو گورکان کہتے تھے۔ خضر خواجہ خان کے بعد اُس کا بیٹا محمد خان مغولستان کا بادشاہ ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بھائی جہاں اغلن ابن خضر خواجہ خان تخت نشین ہوا۔ جہاں اغلن کے بعد شیر محمد خان ابن محمد خان ابن خضر خواجہ خان بادشاہ ہوا۔ شیر محمد خان بادشاہ مغولستان اور الغ بیگ تیموری بادشاہ خراسان و ماوراء النہر کے درمیان سخت جنگ واقع ہوئی جس میں شیر محمد خان کو شکست ہوئی۔ شیر محمد خان کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا اویس خان اُس کے بعد اُس کا بیٹا یونس خان ابن ویس خان تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ یونس خان کے بعد اُس کے بیٹے محمود خان و احمد اولچہ خان حاکم مغولستان ہوئے۔ ان دونوں بھائیوں سے ظہیر الدین محمد بابر نے شیبانی خان اوزبک کے مقابلہ میں مدد طلب کی۔ انہوں نے بابر کی مدد کی۔ اور میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دونوں بھائی اسیر ہو گئے۔ جب شیبانی خان کے سامنے پیش کئے گئے۔ تو اُس نے ان دونوں کو رہا کر دیا۔ لیکن یہ دونوں فرط غیرت سے آزاد ہوتے ہی خود کشی کر کے مر گئے۔ اور چغتائی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ان کے بعد بھی منصور خان ابن سلطان احمد اولچہ خان برائے نام مغولستان کا بادشاہ ہوا۔ مگر حقیقتاً مغولستان پر شیبان خان کی حکومت تھی۔ یہاں تک چنگیز خانی مغلوں کی حکومت و سلطنت کے مختصر حالات بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد تیموری مغلوں کے کارنامے بیان ہونگے۔ مغلوں کی حکومت و سلطنت کے دو حصے یا دو طبقے قرار دیئے جا سکتے ہیں ایک مغولان چنگیزی۔ دوسرے مغولان تیموری۔ ہم اس وقت مغولان چنگیزی کا حال بیان کر چکے ہیں۔ مغولان تیموری کا حال بیان کرنے سے پہلے چند اور ضروری حالات کا بیان کرنا از بس ضروری ہے تاکہ سلسلۂ تاریخ اسلام میں ہم بہت دور آگے نہ نکل جائیں۔ حالات مذکورہ کے ذہن نشین کرنے اور آئندہ حالات کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاندان چنگیزی

مغولان چنگیزی پر ایک نظر

دُنیائے اسلام کا نہایت عظیم الشان اور مشہور حادثہ بغداد کی تباہی ہے جو ہلاکو خان کے ہاتھ سے ہوئی۔ لیکن ہلاکو خان کا دادا چنگیز خان اس سے پہلے عالم اسلام بالخصوص ایران وخراسان میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا چکا تھا۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان کے قتل و غارت نے مغولان چنگیزی کو عام طور پر مسلمانوں کی نگاہ میں مبغوض و ملعون بنا رکھا ہے مسلمانوں کا غصہ کچھ بیجا نہیں۔ لیکن اگر پہلے زمانے کے مسلمانوں کو غور و تامل کا موقع نہیں ملا تو آج ہم کو یہ موقع خوب حاصل ہے۔ اس وقت تک جس قدر حالات کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہے کہ حکومت اسلامیہ میں وراثت اور حقوق خاندانی کے دخل پا جانے کی لعنت نے مسلمانوں کی حکومت و سلطنت کے تخت پر ایسے نالائقوں اور بدتمیزوں کو متمکن کر دیا تھا۔ جو کسی طرح بھی مسلمانوں کی سلطنت کو سنبھالنے اور حکومت اسلامیہ کے وقار کو قائم رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ ان نالائقوں کی رہبری و سروری نے مسلمانوں کی قوم میں انواع و اقسام کے اخلاقی امراض اور بداعمالیاں پیدا کر دیں۔ ان بداعمالیوں میں اضافہ تو ہوتا رہا۔ لیکن ان کے علاج اور اصلاح کے لئے بااثر کوشش ممکن نہ تھی۔ چھٹی صدی ہجری کے خاتمہ پر سلطنت اسلامیہ بالخصوص خلافت بغداد کی حالت یقیناً ناقابل اصلاح ہو چکی تھی۔ اور دیلمی۔ سلجوقی وغیرہ سلاطین باوجود شوکت وعظمت و طاقت کے یہ جرأت کر سکے تھے۔ کہ خاندان خلافت کا قصہ پاک کر سکیں۔ مسلمانوں میں عام طور پر یہ بدعقیدگی راسخ اور جزو مذہب بن چکی تھی۔ کہ خاندان عباسیہ کے سوا کوئی اور شخص مسلمانوں کا خلیفہ اور شہنشاہ نہیں بن سکتا۔ اس بدعقیدگی نے مسلمانوں کو بڑے بڑے نقصانات پہنچائے تھے۔ اور دیر تک خدمت و سلطنت کے قائم رہنے سے خاندان عباسیہ میں لائق اور قابل حکمران اشخاص پیدا ہونے بالکل بند ہو چکے تھے۔ اولوالعزمی اور سپاہیانہ خصائل جو مسلمانوں کا خصوصی نشان ہے۔ بالکل ناپید تھے۔ اس خطرناک اور نازک ترین حالت کی اصلاح آخر خدائے تعالیٰ نے خود ہی کی کیونکہ مسلمانوں کی حالت انتہائی پستی کو پہنچ چکی تھی۔ چنگیز خان اور مغولان چنگیزی ایک ایسے ملک اور ایسی حالت میں رہتے تھے۔ کہ ان کی طرف کسی کی بھی آنکھ نہیں اُٹھ سکتی تھی۔ یعنی وہ کسی قطار و شمار میں نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ایسے جاہل اور وحشی لوگوں سے یہ توقع کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ متمدن دنیا اور عالم اسلام کے فاتح بن سکتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ان وحشی مغلوں اور غیر متمدن لوگوں کو اپنی مشیت کے ماتحت اُن کے وطن سے باہر نکالا۔ اور اُن کافر مغلوں کو فاجر مسلمانوں کا سزا دہندہ بنایا۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی خونریزیاں درحقیقت ایک ڈاکٹر یا جراح کی خونریزی سے بہت مشابہ تھیں۔ جس طرح ایک ڈاکٹر نشتر سے شگاف دے کر ماؤف مقام سے خون نکالتا اور مواد فاسد کو خارج کر کے صحت و تندرستی کے واپس لانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح مغولان چنگیزی نے خلافت بغداد کے تختے کو اُلٹ کر اور اپنی سفاکی و خونریزی سے رسم پرست اور بدعقیدہ مسلمانوں کو جو سلطنت اسلامیہ میں بلا دلیل وراثت کو لازمی قرار دیتے اور خاص خاندان کو حکمرانی کا مستحق ٹھہراتے تھے۔ مرعوب و مبہوت بنا کر اپنی ایک آزاد وخود مختار سلطنت قائم کر لی۔ ا　　　م اس طاقت اور اس نظام سلطنت کا نام ہے جو عرب کے بے سروسامان اور غیر متمدن بدوؤں کو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا فاتح اور تمام دنیا کا معلم

بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے تعلیم اسلامی پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ نام کے بھی مسلمان نہ رہے تھے۔
مسلمانوں کی نالائقی اور غفلت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مغلوں سے مغلوب
ہو گئے۔ قرون اوّل کے مسلمانوں کو مغولان چنگیزی تو کیا فتح کرتے۔ اُن سے بہت بڑھ چڑھ کر اور
زیادہ طاقتور تاتاری قبائل تھے۔ جو بڑی آسانی سے مسلمانوں کے مغلوب و محکوم بن سکے تھے۔ سلجوقی
بھی اسی ملک کے باشندے اور مغلوں کے حاکم و فرمانروا سمجھے جاتے تھے۔ لیکن انہوں نے بھی
اسلام قبول کرنے کے بعد ہی حکومت و فرمانروائی کا حوصلہ پایا تھا۔ چنگیز خان اور اس کی فوج کوئی غیر معمولی
شائستگی اپنے اندر نہ رکھنے کے باوجود مسلمانوں پر اس لئے فتح پا سکے۔ کہ اُس زمانے کے مسلمان اسلامی
اخلاق کھو چکے تھے۔ مغلوں کو فتوحات اس لئے حاصل نہیں ہوئیں۔ کہ وہ فتوحات کے زیادہ اہل تھے
بلکہ اُن کو خدائے تعالےٰ نے اس لئے فاتح بنا دیا تھا۔ کہ مسلمانوں کی غفلت کا علاج ہو جائے۔ مغلوں
نے خلافت بغداد کو برباد کر کے مسلمانوں کی اُس مذکورہ بد عقیدگی کو مٹایا۔ اور اس بات کا موقع خود بخود
پیدا ہو گیا۔ کہ مسلمان اس مصیبت کے وقت میں مجبور ہو کر خالص اسلامی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں۔
مغلوں کو مذہب اسلام سے نہ کوئی خاص عداوت تھی۔ نہ کوئی ہمدردی۔ مغل بادشاہوں نے اپنے محکوم
مسلمانوں کے مذہب سے واقف نہ ہونا چاہا۔ توجہات اُن کی سمجھ میں نہ آئی اُس پر بیجا کا نہ معترض ہوئے
اور جو بات سمجھ میں آ گئی اُس کی تعریف و ستائش کی۔ مغلوں کا انکار اُن پر کوئی مصیبت و محنت اُن کی رعایا
کی طرف سے نہیں لا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی بعض بد عقیدگیوں اور رسم پرستیوں کے خلاف اگر کوئی
مسلمان بادشاہ اس طرح معترض ہوتا تو مسلمان رعایا کی طرف سے اُس کے خلاف ایک طوفان برپا
ہو سکتا تھا۔ لیکن مغلوں کو یہ اندیشہ نہ تھا۔ اس طرح مسلمان مولویوں اور دوبار رس مسلمانوں کو قدرتی
طور پر موقع ملا کہ وہ تمام پست خیالیوں تنگ نظریوں اور تقلید پرستیوں سے بالاتر ہو کر اسلام کا
وہی نقطۂ نظر پیش کریں۔ جو قرآن کریم پیش کرتا ہے اور جس کی آنحضرت صلعم نے صحابۂ کرامؓ کو تعلیم
دی تھی۔ اس خالص اسلام پر کوئی معقول اعتراض وارد ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ خالص اسلام
کسی غیر جانبدار اور خالی الذہن شخص یا قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اُس کو ضرور اسلام کی صداقت
کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس طرح مغلوں کے چیرہ دست ہونے سے خود مسلمانوں کے اندر اسلام کا اصلی
رنگ نکھر گیا۔ اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ذریعہ مسلمانوں کو جس قدر
نقصان پہنچا۔ اُسی قدر اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ بھی پہنچا۔ نقصان جس قدر پہنچا وہ مادی اور جسمانی تھا
لیکن فائدہ روحانی اور مذہبی پہنچا۔ اگر مغلوں کی حکومت قائم ہو کر اسلامی حکومت کا نام و نشان
گم ہو جاتا۔ تو یقیناً اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت اور کوئی روحانی و مذہبی نقصان نہ تھا۔ مگر چند ہی
روز کے بعد یہ مغل مسلمان ہو کر خود اسلام کے خادم بن گئے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ جن مغلوں
نے خلافت بغداد کو ملیا میٹ کیا تھا۔ وہی سب سے زیادہ شعائر اسلام کے قائم کرنے والے اور اسلام
کے لئے اپنی گردنیں کٹانے پر آمادہ نظر آتے تھے۔

اس حقیقت کی طرف بہت ہی کم مورخین کی توجہ مبذول ہوئی ہو گی۔ کہ مغلستان و چین و ترکستان
کی طرف اسلام نے ہمیشہ زیادہ اشاعت کا موقع پایا ہے۔ شام و روم و مصر و طرابلس و مراقش
اسپین و ایران و خراسان و بلوچستان وغیرہ ممالک کے باشندوں نے اپنی جہالت و ناواقفیت کے سبب

قدم قدم پر مسلمانوں کو روکا ٹوکا اور مقابلہ کیا۔ اس امن میں جگہ جگہ خون کے دریا بہانے کی نوبت آئی اُس کے بعد لوگوں نے اسلام کے سمجھنے اور سوچنے کا موقع پایا۔ لیکن چین و ترکستان میں جب اسلام پہونچا۔ تو وہاں کے باشندوں نے اسلام کے سمجھنے میں دوسرے ملکوں کی نسبت زیادہ دانائی اور بصیرت کا اظہار کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں ماوراء النہر کے اکثر باشندے مسلمان ہو چکے تھے مشرقی ترکستان اور تبت تک اسلام آچکا تھا۔ اُسی کے قریب زمانے میں عرب لوگ چین کے اندر بطور تاجر اور بطور لشکری داخل ہو چکے تھے۔ ان مسلمان عربوں کی صحبت سے چینیوں میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی تھی۔ چین و ترکستان میں اسلام نہایت تیز رفتاری کے ساتھ شائع ہو کر پہلی ہی صدی ہجری میں ان ملکوں کے تمام باشندوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا چکا ہوتا۔ مگر علویوں کی سازشی تحریک اور بنوامیہ کی بربادی کے لئے کوششوں نے اسلام کی اشاعت کو نقصان پہنچایا۔ اور عاملوں کی ذاتی و نفسانی اغراض نے اشاعت اسلام کے کام کو روکا اور مسلمانوں کی آپس کی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں نے غیر مسلموں کو غیر مسلم ہی رکھنا چاہا۔ ورنہ باشندگان چین و ترکستان میں اسلام کے قبول کرنے کی عام صلاحیت بہت زیادہ تھی۔ سلجوقیوں کے اولوالعزم قبیلے نے بلا کسی لالچ یا خوف کے بخوشی اسلام کو قبول کیا۔ اور اسلام کا بہت بڑا خادم ثابت ہوا۔ ترکان غزنی نے جو ایک ڈاکہ زن اور غارتگر کی حیثیت سے ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے تھے۔ بخوشی اسلام کو قبول کیا۔ اور اُس کے خادم ثابت ہوئے۔ آج بھی چین کے اندر آبادی کا بہت بڑا حصہ اسلام کا حلقہ بگوش اور خادم ہے یہ تمام چینی مسلمان کسی جنگی مہم اور فوجی کارروائی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ اور سب کے سب چین کے قدیم باشندوں کی نسلیں ہیں۔ چنگیز خان اور اُس کے ساتھی ممالک اسلامیہ میں فاتحانہ داخل ہوئے لیکن ان مغلوں نے اسلام کے سمجھنے اور اُس کے تسلیم کرنے کی شروع ہی میں آمادگی ظاہر کی۔ اور چند ہی روز کے بعد چنگیز خان کی اولاد اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی خادم بن گئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ مغرب کے انتہائی ملکوں تک یعنی مراقش واندلس میں اسلام فاتحانہ تیغ و علم کے سایہ میں پہنچا تو مشرق کے انتہائی ممالک یعنی چین اور بحر الکاہل کے جزیروں میں وہ بلا تیغ و علم محض سوداگروں یا واعظوں اور مبلغوں کے ذریعہ پہنچا۔ مسلمانوں نے فاتح بن کر اپنے مفتوحوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ تو دوسری طرف اُنہوں نے مفتوح ہو کر اپنے فاتحین کو بھی اسلام کا خادم بنا لیا۔ اگر چنگیز خان اور ہلاکو خان کی ملک گیریاں اور خونریزیاں ظہور میں نہ آتیں تو اسلام کی صداقت و عظمت کا یہ پہلو کہ وہ فاتحین کو بھی اپنا مفتوح بنا سکتا ہے۔ کسی قدر مشتبہ رہتا۔ پس مغلوں کی ترک و تاز کو اگر ایک طرف عالم اسلام کے لئے مصیبت کبریٰ کہا جا سکتا ہے تو دوسری طرف اُس کا نام رحمت عظمیٰ رکھا جا سکتا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آن گنج کرم بنہادہ است

بنی نوع انسان کی فطرت ہے کہ جب تک اُس میں جہالت و بے علمی کا زور شور ہوتا ہے۔ اُس کے تمام کام شخصی حکومت کے ذریعہ ہی درست رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ مطلق العنان شخصی حکومتوں کے تصور کو انسان کی ابتدائی حالت اور زمانۂ جاہلیت سے جُدا نہیں کر سکتے۔ عہد جاہلیت میں جمہوریت کے معنی بجز فساد اور فتنہ کے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتے۔ مغل لوگ بھی چین و تبت و ترکستان

کے پہاڑوں میں بدویانہ اور جاہلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے یہاں قبیلہ کے سردار اور پادشاہ کا تصور نہایت عظیم الشان تھا۔ سردار قبیلہ کے اختیارات اور اُس کی عظمت و شوکت اس قدر بڑھی ہوئی ہوتی تھی کہ افراد قبائل اُس کو خدائے مجازی سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں بھی راجہ اور مہاراجہ کی یہی حالت تھی — بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ پادشاہ پرستی ممالک مشرقیہ کی خصوصیات میں داخل ہے۔ مغلوں نے چونکہ بہت جلد مشرقیہ ممالک کے تاجوں اور تختوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا اُن کی حکومت میں پادشاہ پرستی کا ابتدائی تصور بدستور موجود رہا اور متمدن و شائستہ ہونے کے باوجود بھی پادشاہ پرستی مغلوں کی قوم میں باقی رہی۔ اسلام اور فطرت انسانی پادشاہ پرستی میں حد سے زیادہ ترقی کرنے کو مضر انسانیت قرار دیتی ہے۔ مگر مغلوں کی اس پادشاہ پرستی سے اسلام کو یہ عظیم الشان فائدہ پہونچا کہ مغلوں کے صرف چند پادشاہوں کا اسلام میں داخل ہونا تمام قوم کے اسلام میں داخل ہونے کا موجب ہو گیا۔ یکایک ساری کی ساری قوم مسلمان ہو گئی۔ یہاں تک کہ مورخین نے صرف دو تین مغل سلاطین کے ابتدائً اسلام قبول کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد ہر ایک مغل پادشاہ اور اُس کے امرا مسلمان نظر آتے ہیں۔ اور اس بات کو کہ کب کس نے اسلام کو قبول کیا قابل تذکرہ نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ سب کے سب ہی اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ صرف جوجی خان کی اولاد نے محض اس وجہ سے کہ وہ ممالک اسلامیہ سے دُور دور رہے کسی قدر دیر میں اسلام قبول کیا۔ مگر آخر کار اوزبکوں کی تمام قوم اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ یہ بھی کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہو سکا۔ کہ مغلوں نے اسلام کے قبول کرنے پر اپنے پادشاہ سے بغاوت کی اور محض اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اُس کے دشمن بنے۔ اُنھوں نے اگر مسلمان پادشاہ ہونے کی مخالفت یا بغاوت کی تو محض مادی اور دنیوی اغراض کی وجہ سے نہ تبدیل مذہب کے سبب، مغلوں نے چونکہ حکمران اور فاتح ہونے کی حیثیت میں اسلام کو قبول کیا تھا۔ لہٰذا حکومت و سرداری نے اُن کو اسلام سے کماحقہ واقف ہونے کا موقع نہیں دیا۔ اور اُنکی حالت کئی کئی پشتوں کے گذرنے تک بھی وہی رہی جو ابتدائً ایک نومسلم کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مغلوں کے اندر یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوئی۔ کہ وہ دوسری قوموں کو دعوتِ اسلام دے سکیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مغلوں کے اکثر گروہ اور اکثر سردار کچھ عرصہ تک حالت کفر میں رہے۔ لیکن اُنھوں نے کبھی اُن خاندانوں اور اُن سرداروں کے ساتھ رہنے اور مل کر کام کرنے سے انکار نہیں کیا۔ جو مسلمان ہو چکے تھے۔ چونکہ مغلوں میں صلاحیتِ تبلیغ اسلام پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا غیر مسلم قبائل نے نہیں بلکہ قدیم مسلمانوں اور اُن کی مسلم رعایا ہی نے اسلام کی طرف توجہ کی۔ اس مذکورہ حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد ہندوستان کے پادشاہ اکبر کی بعض مذہبی بداعمالیوں پر بھی تعجب باقی نہیں رہتا۔ مغلوں کے مقابلہ میں تاتاری لوگ اسلام کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور اُن کی مذہبی واقفیت کسی زمانے میں بھی ایسی ناقص نہ تھی۔ جیسی کہ مغلوں کی عرصہ دراز تک رہی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ تاتاریوں اور سلجوقیوں نے اسلام کی تبلیغ میں ایسی کوشش کی اور اسلام کے لئے ایسی غیرت دکھائی کہ مغلوں میں اس کی مثالیں بہت ہی کم دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ترکوں۔ تاتاریوں اور مغلوں میں کیا فرق ہے اور کس قسم کی رقابت ہے۔ اس کے متعلق اوپر ذکر آ چکا ہے۔ پھر مغلوں کے اندر مسماۃ الانقوا کے بیٹوں کی اولاد سے الگ الگ قومیں پیدا ہوئیں۔ اس کا ذکر بھی اوپر ہو چکا ہے۔ ان میں بوزنجر ابن الانقوا کی اولاد بوزنجری کہلائی۔

اور وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ مشہور اور پیش پیش رہی۔ اس بوزنجری قبیلہ میں تومنہ خان ایک شخص ہوا اُس کے دو بیٹے تھے۔ ایک قبل خان دوسرا قاچولی بہادر قبل خان کی اولاد میں چنگیز خان تھا۔ جس کی اولاد مغولان چنگیزی کہلائی اور اس کے حالات ابھی ہم اوپر مطالعہ کر چکے ہیں دوسرے بیٹے قاچولی بہادر کا بیٹا ایردمجی برلاس تھا۔ اس ایردمجی برلاس کی اولاد قوم برلاس کے نام سے موسوم ہوئی ایردمجی برلاس کا پوتا امیر قراچار تھا۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ جو چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کا امیر الامرا اور سپہ سالار تھا۔ اس امیر قراچار کی اولاد میں امیر تیمور گورکان صاحبقران پیدا ہوا۔ لہٰذا امیر تیمور قوم برلاس میں سے تھا۔ امیر تیمور کا لقب چونکہ گورکان تھا۔ اس لئے امیر تیمور کی اولاد گورکانیہ کہلائی اور ایک الگ قوم سمجھی گئی۔ مغولان بوزنجری میں اول قبل خان کی اولاد صاحب طبل وعلم اور وارث تخت وتاج رہی جب اُن کا ستارہ اقبال غروب ہونے لگا تو قاچولی بہادر کی اولاد یعنی مغولان برلاس کی نوبت آئی۔ اور امیر تیمور گورکان نے چنگیز خان کی فتوحات کو پھر تازہ کر دیا۔ مگر فرق صرف اس قدر تھا۔ کہ چنگیز خان ایک نا مسلمان باپ کا نا مسلمان بیٹا تھا۔ اور امیر تیمور ایک نا مسلمان اور با خدا باپ کا مسلمان بیٹا تھا۔ چنگیز خان جن لوگوں سے لڑا اور جن کو اُس نے قتل کیا وہ مذہب وعقیدے میں چنگیز خان کے موافق نہ تھے۔ لیکن امیر تیمور کو اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے زیادہ لڑنے کا موقع ملا۔ جس طرح چنگیز خان کی اولاد میں اُس کے مرنے کے بعد ایشیا کے بہت بڑے حصے کی حکومت وسلطنت رہی اسی طرح امیر تیمور کی اولاد میں بھی اُس کے بعد ایشیا کے اکثر ملکوں کی بادشاہت باقی رہی۔ لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ تومنہ خان کی اولاد نے قریباً چھ سو سال تک مسلسل براعظم ایشیا میں حکمرانی کی۔ مگر چونکہ امیر تیمور کا ذکر شروع کرنے سے ہم بہت دُور آگے نکل جائیں گے۔ لہٰذا ہم کو اس وقت مغولانِ چنگیزی سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔

ایران کی اسلامی تاریخ کا اجمالی تتمہ

تاریخ اسلام کے سلسلہ میں اب تک جس ترتیب کے ساتھ حالات بیان ہوئے ہیں۔ اُن میں ایران کی تاریخ کا بہت بڑا اور ضروری حصہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے صرف ایران ہی کی اسلامی تاریخیں لکھی ہیں۔ اُنہوں نے واقعات کے قلمبند کرنے میں دوسری ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔ جو اُن کے لئے موزون بھی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلہ میں ایران کی تاریخ سے ہمیشہ خصوصی تعلق رہا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کے بیان کردہ واقعات میں تفریق ترتیب کے سبب سے جو کمی رہ گئی ہے اُس کو نہایت اختصار کے ساتھ پورا کر دینے کی کوشش کی جائے۔

دولت صفاریہ ایران کی تاریخوں میں خلفا کی براہِ راست حکومت کے بعد سب سے پہلے خاندان صفاریہ کی خود مختارانہ سلطنت کا بیان لکھا گیا ہے۔ اس خاندان کے حکمرانوں کا حال جو کچھ اوپر کے ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔ اختصار کو مدنظر رکھتے اس پر اس جگہ کسی اضافہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

ہاں اس قدر اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ خاندان عباسیہ نے خلافت کے حاصل کرنے میں چونکہ ایرانیوں سے زیادہ امداد حاصل کی تھی۔ لہٰذا انہوں نے ایرانیوں کے اقتدار و اثر کو بڑھانے اور عربوں پر چیرہ دست بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مغلوب ایرانیوں کو خود غلبہ پانے اور اپنی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور ابو مسلم خراسانی اور برامکہ وغیرہ کو شاہانہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن جب تک عباسی خاندان میں فاتحانہ اور سپاہیانہ جذبات باقی رہے ایرانی اپنے مقصد میں کماحقہ کامیاب نہ ہو سکے خلفائے عباسیہ کی عیش پرستی و کمزوری نے جب ایرانیوں کے لئے ان کی اولوالعزمیوں کے پورا ہونے کا راستہ صاف کر دیا۔ تو سب سے پہلے یعقوب بن لیث جس کے خاندان میں ٹھٹیرے کا پیشہ ہوتا تھا۔ اور اسی لئے وہ صفار کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یعقوب بن لیث کو یہ کامیابی محض اس کے سپاہیانہ اخلاق و جذبات کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ یعقوب بن لیث صفار دوست نوازی۔ سخاوت اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اور اس کے انہیں صفات و اخلاق میں اس کی کامیابی کا راز مضمر تھا۔ اس کے پاس جو کچھ ہوتا تھا۔ اپنے دوستوں کو کھلا پلا دیتا تھا۔ خود تکلیف اٹھا کر دوستوں کو راحت پہنچانے کا شوق رکھتا تھا۔ اس لئے اس کو اپنے جان نثاروں کی جمعیت فراہم کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اس نے اپنے لڑکپن کے دوستوں کو اپنی بادشاہت کے وقت مطلق فراموش نہیں کیا۔ اور سب کو اعلےٰ مدارج پر پہنچایا۔ بادشاہت کی حالت میں بھی وہ ایک معمولی سپاہی کے لباس میں نظر آتا تھا۔ معمولی سپاہیوں کی طرح زمین پر سونے اور خندق کھودنے سے اس کو عار نہ تھا۔ اس کے خیمے اور ایک معمولی سپاہی کے خیمے میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا۔ اس کو عیاشی و بدچلنی سے سخت نفرت تھی۔ اور استقلال اولوالعزمی اس کے ہر ایک کام اور ہر ایک بات سے ٹپکتی تھی۔ یہی سبب تھا۔ کہ وہ نہایت پست اور ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے ملک ایران کے بہت بڑے حصے کا مطلق العنان فرمانروا بن گیا تھا۔ اور بغداد کا دربار خلافت اس کے استیصال پر قادر نہ ہو سکا تھا۔ یعقوب بن لیث صفار کی وفات کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث صفار بھائی کا جانشین ہوا۔ اور اس نے اپنی حدود حکومت کو اور بھی وسیع کیا۔ عمرو بن لیث میں اگرچہ اپنے بھائی کی نسبت عقل و دانائی زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ مگر وہ ان سپاہیانہ اخلاق اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنے بھائی سے کمتر تھا۔ خلیفہ معتمد کے بھائی موفق نے ایک مرتبہ اس کو شکست بھی دی۔ مگر اس نے جلد اپنی حالت کو پھر درست کر لیا۔ اور دربار خلافت کے لئے وبال جان بن گیا۔ آخر خلیفہ نے ماوراء النہر کے حاکم اسمٰعیل سامانی کو عمرو بن لیث کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ عمرو بن لیث ستر ہزار سوار لیکر اسمٰعیل سامانی کے استیصال پر آمادہ ہوا اور دریائے جیحون کو عبور کیا۔ اسمٰعیل سامانی صرف بیس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ عین معرکہ جنگ کے وقت عمرو بن لیث کا گھوڑا اپنے سوار کی منشا کے خلاف اس کو اسمٰعیل سامانی کے لشکر میں لے گیا۔ اور وہاں وہ بڑی آسانی سے گرفتار کر لیا گیا ع

صید را چوں اجل آید سوئے صیاد رود

اسمٰعیل سامانی نے عمرو کو گرفتار کر کے بغداد بھیجدیا۔ اور اس طرح دولت صفاریہ کی عظمت و شوکت کا

قریبًا خاتمہ ہو گیا۔ یعقوب بن لیث اور عمرو بن لیث میں سب سے بڑا فرق یہ تھا۔ کہ یعقوب ایک صعوبت کش اور سوکھی روٹیاں چبا کر گذر کر لینے والا سپاہی تھا۔ اور عمرو بن لیث ایک شان و شوکت اور سامانِ عیش کے ساتھ بسر کرنے والا بادشاہ تھا۔ اس جگہ ایک لطیفہ کا نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

جس روز عمرو بن لیث گرفتار ہوا ہے اُس روز صبح کے وقت اُس کے باورچی نے عرض کیا۔ کہ باورچی خانہ کا سامان اُٹھانے کے لئے تین سو اونٹ ناکافی ہیں۔ مجھ کو بار برداری کے کچھ اونٹ اَور دیئے جائیں۔ اُسی شام کو جبکہ عمرو بن لیث گرفتار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے باورچی سے جو اُس کے ساتھ قید خانہ میں موجود تھا۔ بھوک کی شکایت کی باورچی نے گھوڑوں کا میلہ پکانے کی ایک ہانڈی بن جو اتفاقاً وہاں موجود تھی۔ تھوڑا سا دَلیا پانی ڈال کر پکنے کے لئے چولھے پر چڑھا دیا۔ اس کے سوا اَور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ عمرو بن لیث دلیے کے پکنے کا انتظار نہایت بے صبری کے ساتھ کر رہا تھا۔ باورچی نے ہانڈی چولھے سے اُتار کر رکھی۔ اور کسی ضرورت سے دوسری طرف متوجہ ہوا کہ اتنے میں ایک کتا آیا۔ ہانڈی کا کنارہ منہ میں پکڑ کر اور اُٹھا کر چل دیا۔ عمرو بن لیث نے جب کتے کو ہانڈی لیجاتے ہوئے دیکھا تو اپنے باورچی کو آواز دیکر کہا کہ صبح تو شکایت کر رہا تھا۔ کہ باورچی خانہ کا سامان اُٹھا کر لے چلنے کے لئے تین سو اونٹ ناکافی ہیں۔ اب دیکھ لے کہ ایک کتا میرا سارا باورچی خانہ اُٹھائے ہوئے لیجا رہا ہے۔

عمرو بن لیث کے بعد اس کی اولاد نے چند سال تک علاقہ سیستان کے حدود رقبہ میں اپنی اپنی برائے نام حکومت قائم رکھی۔ یعقوب بن لیث صفار کا نواسا جس کا نام خلف تھا۔ محمود غزنوی کے زمانہ تک سیستان میں برسر حکومت رہا۔ خلف کے بیٹے نے باپ کے خلاف مخالفت کا علَم بلند کیا۔ خلف نے اپنے آپ کو بیٹے کے مقابلہ میں کمزور دیکھ کر اُس کو دھوکے سے قتل کیا۔ باشندگانِ سیستان نے سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں خلف کے خلاف شکایات کی عرضیاں بھیجیں۔ اور لکھا کہ آپ ہم کو خلف کے مظالم سے نجات دلایئے سلطان محمود غزنوی نے چڑھائی کی خلف نے مقابلہ میں اپنے آپ کو مغلوب اور اپنے قلعہ کو مفتوح دیکھ کر سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہو کر رکاب کو بوسہ دیا اور اپنی داڑھی سلطان کے پاؤں سے مل کر کہا کہ اے سلطان مجھ کو معاف کر دے محمود غزنوی کو خلف کی زبان سے اپنی نسبت لفظ "سلطان" پسند آیا اور آئندہ اس لفظ "سلطان" کو اپنا لقب قرار دیا۔ خلف کو اَور کوئی سزا نہیں دی۔ اسی قدر کافی سمجھا کہ اُس کو اپنے ہمراہ غزنین لے گیا۔ جہاں چار سال رہکر خلف نے وفات پائی۔ اس طرح دولت صفاریہ کا خاتمہ ہوا۔

دولتِ سامانیہ اسد بن سامان اپنے آپ کو بہرام چوبین کی اولاد میں بتاتا تھا۔ اسد بن سامان نے چاروں بیٹوں کو لیکر مامون الرشید عباسی کی خدمت میں مقام مرو حاضر ہوا تھا۔ جبکہ مامون الرشید مرو میں مقیم تھا۔ مامون الرشید عباسی کو اپنے بھائی امین کے خلاف تخت خلافت کے حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ ایرانیوں کی امداد و اعانت کو دخل تھا۔ مامون الرشید کا اسد بن سامان اور اس کی اولاد پر مہربان ہونا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ سامانیوں کے استعداد نے اسی زمانے سے ترقی کی۔ چونکہ یہ خاندان ایران کے ایک مشہور سردار

کی اولاد سے تھا۔ اس لئے ماوراءالنہر اور خراسان میں ان لوگوں کی سیادت کے خلاف لوگوں کے آمادہ ہونے کا امکان اور بھی ضعیف ہوگیا تھا۔ اسمٰعیل سامانی جو اسد بن سامان کا پوتا تھا۔ عمرو بن لیث پر غالب آنے کے بعد بہت جلد بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا۔ فرق صرف اس قدر تھا۔ کہ خاندان صفار خلافت بغداد کے خلاف اور معاند رہا۔ لیکن اسمٰعیل اور اُس کے جانشین برائے نام دربار خلافت کی سیادت کو تسلیم کرتے رہے۔ اسمٰعیل سامانی نے ماوراءالنہر اور خراسان میں سات آٹھ سال حکومت وسلطنت کی خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے اُس کو ملک خراسان کی سند حکومت عطا کی تھی۔ اسمٰعیل کی وفات کے بعد ابو نظیر احمد بن اسمٰعیل سامانی باپ کا جانشین ہوا۔ اسمٰعیل سامانی اپنے عادات وخصائل کے اعتبار سے نہایت شریف۔ سیرچشم اور متوکل علی اللہ شخص تھا۔ جہانگیری کے ساتھ ہی جہانداری کے اُصولوں سے بھی خوب واقف تھا۔ رعایا اُس سے خوش تھی۔ اور اُس نے اپنے طرزعمل سے اس بات کا کافی ثبوت بہم پہنچا دیا تھا۔ کہ وہ ایران کے نہایت شریف اور سردار خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ احمد بن اسمٰعیل نے تخت نشین ہوکر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اپنی بداخلاقی سے ناراض کر دیا۔ چھ سات سال تک اُس نے حکومت کی۔ مگر یہ تمام زمانہ دربار خلافت کے خلاف ریشہ دوانیوں اور اپنے رشتہ داروں کو ناراض رکھنے میں اُس نے صرف کر دیا۔ آخر خود اپنے ہی غلاموں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا نصیر بن احمد سامانی آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ بالکل اپنے دادا اسمٰعیل کا نمونہ تھا۔ اس نے چند ہی روز کے بعد اپنی سلطنت کے حدود کو اسمٰعیل سامانی کی حدود سلطنت سے زیادہ وسیع کر لیا۔ اور تیس سال سے زیادہ عرصہ تک بڑے زور شور اور ناموری کے ساتھ حکومت کی۔ اسی کے دربار میں رودکی شاعر جو نابینا تھا۔ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ رہتا تھا۔ نصر بن احمد اپنے دارالسلطنت بخارا میں فوت ہوکر مدفون ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا نوح بن نصر تخت نشین ہوا۔ اُس نے تیرہ سال حکومت کرکے ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا عبدالملک بن نوح تخت نشین ہوا۔ اُس نے اپنے ممالک مقبوضہ کے جنوبی حصے یعنی صوبہ خراسان کی گورنری پر اپنے ایک سردار الپتگین کو مامور کیا تھا۔ آخر سات سال حکومت کرنے کے بعد چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اُس کا بھائی منصور بن نوح تخت نشین ہوا۔ اُس نے رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس لئے عراق وفارس کے صوبوں میں بھی اُس کی سیادت تسلیم کی گئی۔ اسی کا وزیر ابو علی بن محمد تھا۔ جس نے تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ منصور بن نوح نے پندرہ سال حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ابو القاسم نوح ثانی تخت نشین ہوا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت بخارا یعنی دولت سامانیہ پر ادبار و تنزل کی گھٹائیں چھاگئیں۔ اُس کے درباری سرداروں نے اُس کے خلاف ملک میں بغاوتیں برپا کرائیں۔ اور مغولستان کے بادشاہ بغراخان کو اُس پر حملہ آور کرایا۔ بخارا کے متصل لڑائی ہوئی۔ بغراخان نے نوح ثانی کو شکست دے کر بخارا پر قبضہ کر لیا۔ مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ بغراخان اس فتح کے بعد ہی بخارا میں فوت ہوگیا۔ اور اُس کی فوج اپنے ملک کو واپس چلی گئی۔ نوح ثانی نے پھر بخارا پر قابض ہوکر اپنی سلطنت کو مضبوط کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ غزنین میں سبکتگین نے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی تھی۔ اور نوح ثانی کی

تخت نشینی کے چند روز بعد الپتگین کا انتقال ہو چکا تھا۔ نوح ثانی نے سبکتگین کو اس خدمت کے صلہ میں کہ اُس نے بغراخان کے خلاف نوح ثانی کی مدد کی تھی۔ ناصرالدین کا خطاب دیا تھا۔ دقیقی شاعر اسی کا معاصر تھا۔ جس نے داستان گشتاسپ کے ایک ہزار اشعار لکھے تھے۔ بغراخان کے حملہ سے فارغ ہونے کے بعد۔ نوح ثانی نے اپنے باغی اور بیوفا امیروں کو سزائیں دینی چاہیں۔ جنہوں نے ملک میں بغاوتوں کے لئے ریشہ دوانیوں کا سلسلہ بچھا رکھا تھا۔ ان باغی امراء نے فرار ہو کر فخر الدولہ دیلمی کے پاس پناہ لی اور اُس سے مدد لیکر سلطنت بخارا پر حملہ آور ہوئے۔ نوح ثانی نے سبکتگین سے پھر امداد طلب کی سبکتگین نے ہرات کے قریب باغیوں کا مقابلہ کیا۔ اور جنگ عظیم کے بعد اُن کو شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ اس لڑائی میں سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے بڑی بہادری دکھائی اور خوب بڑھ بڑھ کر تلوار چلائی نوح ثانی نے خوش ہو کر محمود کو سیف الدولہ کا خطاب دیا۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ اسی لڑائی میں سبکتگین کو ناصرالدین کا خطاب ملا تھا۔ اور اسی لڑائی کے بعد۔ ملک خراسان کی سندِ حکومت سبکتگین کو نوح ثانی کے دربار سے عطا ہوئی تھی۔ نوح ثانی نے ۲۲ سال حکومت کی۔ مگر اُس کا زمانہ اکثر لڑائی جھگڑوں اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں بسر ہوا۔ اور ملک کے صوبے یکے بعد دیگرے قبضے سے نکلتے گئے۔

نوح ثانی کے بعد اُس کا بیٹا منصور ثانی باپ کا جانشین ہوا۔ اُن امیروں نے جو اُس کے باپ کے لئے موجب اذیت رہتے تھے۔ اُس کو پریشان رکھا۔ اور شکست دیکر بخارا سے بیدخل کیا پھر اُنہوں نے اُسی کو پادشاہ تسلیم کر کے امور سلطنت اپنے اختیار میں لیکر خراسان کو ایک نئے حاکم سے متعلق کیا محمود غزنوی نے اس نئے حاکم کو خراسان سے بیدخل کر کے اپنا قبضہ کیا۔ اسی عرصہ میں امیروں نے منصور کو تخت سے اُتار کر اندھا کیا اور اُس کی جگہ اُس کے بھائی عبدالملک ثانی بن نوح ثانی کو تخت پر بٹھایا۔ اور اُس کو ہمراہ لیکر محمود غزنوی پر حملہ آور ہوئے۔ محمود غزنوی نے عبدالملک ثانی اور اُس کی فوج کو شکست دے کر بخارا کی طرف بھگا دیا۔ اُدھر ایلک خان[1] حاکم کاشغر نے خوارزم پر قبضہ کر کے بخارا پر حملہ کیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایلک خان نے عبدالملک ثانی کو گرفتار کر کے بخارا پر قبضہ کیا۔ اور عبدالملک ثانی کا تیسرا بھائی منتصر بھیس بدل کر بخارا سے فرار ہوا۔ اور چند روز تک قزاقوں کی ایک جمعیت کے ساتھ آوارہ رہکر ایک شخص کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ اس طرح سامانی خاندان اور اُن کی دولت و حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

دولتِ دیلمیہ

دیلمیوں کی حکومت و سلطنت کے حالات جس قدر خلفائے عباسیہ کے حالات کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔ وہ بہت کافی ہیں اور اُن پر اس وقت کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی دیلمیوں اور سامانیوں کی سلطنتوں کو ایک دوسرے کی معاصر اور رقیب سلطنت سمجھنا چاہیئے۔ سامانیوں کا قبضہ ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ شمالی و شرقی ممالک پر رہا۔ اور دیلمیوں کے تصرف میں فارس و عراق و آذربائیجان وغیرہ غربی ممالک رہے۔ اس طرح تمام ملک ایران چند روز تک انہیں دونوں خاندانوں کے درمیان منقسم تھا۔ دیلمیوں کی حکومت

---

[1] ایلک خان۔ ایلک خان۔ علی تگین یہ تینوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

سامانیوں کی بربادی کے بعد بھی نہایت کمزور حالت میں کچھ دنوں باقی رہی جبکہ سامانیوں کی جگہ مشرقی ایران میں غزنویوں کی زبردست سلطنت قائم ہو چکی تھی۔

دولت غزنویہ

جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ عبدالملک بن نوح نے الپتگین کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا تھا۔ عبدالملک کے بعد جب اس کا بھائی منصور بن نوح سامانی ۳۵۰ھ میں تخت نشین ہوا تو الپتگین جو منصور بن نوح کی تخت نشینی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا۔ خراسان کے دارالامارت سے مقام غزنی میں چلا آیا۔ جو اس زمانے میں ایک معمولی سی بستی تھی۔ یہاں الپتگین مضبوط ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی ایک خود مختار ریاست قائم کر کے حکومت کرنے لگا۔ ۳۶۱ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا۔ تو اس کی جگہ اس کا بیٹا اسحٰق غزنی کا فرمانروا ہوا۔ مگر چند ہی روز کے تجربہ سے وہ نااہل و نالائق ثابت ہوا۔ اور فوجی سرداروں نے اس کو معزول کر کے یا اپنی موت سے اس کے مرجانے پر سبکتگین کو جو الپتگین کا سپہ سالار اور داماد بھی تھا۔ اپنا بادشاہ بنایا۔ سبکتگین کی نسبت مشہور ہے کہ وہ الپتگین کا غلام تھا۔ مگر یہ غلامی محض اتفاقی طور پر وقوع میں آئی تھی۔ یعنی بعض ڈاکوؤں نے اس کو راستے میں تنہا پا کر گرفتار کر لیا۔ اور بخارا میں لیجا کر بطور غلام فروخت کر دیا۔ سبکتگین کا سلسلۂ نسب ایران کے بادشاہ یزدجرد تک پہونچتا ہے۔ یعنی سبکتگین بن جوق قرا بحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا نعمان بن فیروز بن یزدجرد۔ لیکن اس شجرۂ نسب کی صحت کا ثبوت بہم پہونچانا دشوار ہے۔ بعض مورخین نے سبکتگین کو ترک بتایا ہے۔ بعض کا بیان یہ ہے۔ کہ وہ باپ کی طرف سے ترک اور ماں کی طرف سے ایرانی تھا۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ وہ حسب و نسب کے اعتبار سے ایک شریف آدمی تھا۔ ایشیائی دستور کی موافق کسی بادشاہ کے امیر و سردار اور بڑے بڑے اہلکار اپنے آپ کو بادشاہ کا غلام کہنے میں اپنی بے عزتی نہیں سمجھتے اس لئے ممکن ہے۔ کہ الپتگین کی فوج کا سپہ سالار ہونے کی وجہ سے سبکتگین نے اپنے آپ کو الپتگین کا غلام کہا ہو۔ (ملکم صاحب کا یہی خیال ہے۔)

سبکتگین نے قریباً بیس سال غزنی کے تخت پر حکومت کی شہر بست کو فتح کیا۔ جو غزنی سے کئی سو میل کے فاصلے پر دریائے ہیرمند کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ ہرات کی جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ پنجاب و سندھ کے راجا جیپال نے اس کے ملک پر فوجکشی کی تو اس کو شکست فاش دیکر گرفتار و اسیر کیا۔ اور خراج کے وعدے پر رہا کر دیا۔ جیپال نے بدعہدی کی اور دوبارہ تین لاکھ کے لشکر جرار سے سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ مگر سبکتگین نے صرف چند ہزار سپاہیوں کی مدد سے اس کا مقابلہ کیا۔ اور اس مرتبہ بھی اس کو شکست دیکر گرفتار کر لیا۔ اور پھر اس سے اقرار اطاعت لیکر چھوڑ دیا۔ (جیپال کی لڑائیوں کا حال تاریخ ہندوستان میں مفصل لکھا جائے گا) نوح بن منصور نے اس کو ناصر الدین کا خطاب عطا کیا۔ اور اس کے بیٹے محمود کو سیف الدولہ کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ سبکتگین نے غزنی کی سلطنت کو بہت وسیع کیا۔ اور ۳۸۷ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

سبکتگین کے بعد اس کا بیٹا امیر اسمٰعیل بلخ میں تخت نشین ہوا۔ مگر چھ مہینے کے بعد اپنے بھائی محمود بن سبکتگین سے لڑ کر مغلوب و معزول ہوا ۳۸۷ھ میں محمود بن سبکتگین غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ اور امین الملت کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ محمود غزنوی نے تخت نشین ہوتے ہی نہایت قابلیت کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دینا

شروع کیا۔ لوگوں نے عبد الملک سامانی بادشاہ بخارا کو محمود کے خلاف فوجکشی پر آمادہ کیا۔ محمود نے مجبوراً مقابلہ کیا۔ اور عبد الملک شکست کھا کر بخارا کی طرف بھاگا۔ بخارا پر ایلچ خان یا ایلک خان بادشاہ کاشغر نے حملہ کر کے قبضہ کیا۔ عبد الملک سامانی قید ہوا۔ محمود غزنوی نے ایلچ خان بن بغراخان پر حملہ کر کے اس کو بخارا سے بھگا دیا۔ اور بخارا کو اپنی حدود مملکت میں داخل کیا۔ اس کے بعد مغلوں کے سردار طغاخان بن التوخان کو شکست دیکر اپنی سلطنت کے حدود کو بحر کاسپین (بحیرۂ اخضر) تک پہنچا دیا۔ ولایتِ خوارزم پر بھی قبضہ کیا۔ سیستان وخراسان کے علاقے سبکتگین کے زمانے سے سلطنت غزنی میں شامل تھے۔ مجد الدولہ بن فخر الدولہ دیلمی کو مغلوب و اسیر کر کے رے اور اصفہان کی ولایتوں پر بھی قبضہ کیا۔ ادھر ہندوستان پر بھی اس کو مجبوراً بہت سے حملے کرنے پڑے۔ جن کی اصل حقیقت اور تفصیلی کیفیت تاریخ ہند میں لکھی جائے گی۔ غرضکہ محمود غزنوی نے بہت جلد دریائے ستلج سے لیکر بحیرہ کاسپین تک اور ماوراء النہر سے لیکر بلوچستان وعراق تک ایک نہایت وسیع سلطنت قائم کر لی۔ محمود غزنوی براعظم ایشیا کے نہایت نامور اور زبردست شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے اس کے زمانے میں فارسی زبان کو خاص طور پر رونق حاصل ہوئی۔ عربی زبانوں کی ترویج واشاعت میں جو مرتبہ حجاج بن یوسف ثقفی کو حاصل ہے۔ وہی مرتبہ فارسی زبان کی ترویج و اشاعت میں محمود غزنوی کو حاصل ہے۔ محمود غزنوی نہایت سچا پکا مسلمان۔ بے تعصب اور علم دوست شخص تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ بعض اغراض خاص یا موجودہ حکومت وسلطنت کی مصلحتوں نے اس کو ہمارے زمانے میں مذموم متعصب لالچی۔ ظالم۔ سفاک اور ہندوؤں کا دشمن جانی مشہور کر دیا ہے۔ ان جھوٹی اور گمراہ کن باتوں کی حقیقت تاریخ ہند میں بے پردہ کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اسی کے زمانے میں فردوسی نے شاہنامہ لکھا تھا ۴۲۱ھ ہجری میں محمود غزنوی نے وفات پائی سبکتگین اور محمود غزنوی کو دربار سامانیہ سے امیر الامرائی کا خطاب حاصل تھا۔ مگر ۳۸۹ھ میں محمود غزنوی نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے عبد الملک سامانی کا نام خطبہ سے خارج کر دیا تھا۔ اسی سال خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا تھا۔ محمود غزنوی ۹ محرم ۳۶۱ھ کو پیدا ہوا تھا۔ ساٹھ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ محمود غزنوی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ طاقتور مسلمان بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی اسی وسیع سلطنت کا اپنے دونوں بیٹوں کے لئے وہی انتظام کیا تھا۔ جو خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کے لئے کیا تھا۔ محمود غزنوی کے دونوں بیٹے بھی اسی طرح آپس میں لڑے جیسے کہ امین و مامون لڑے تھے۔ مگر جس طرح مامون الرشید اپنے بھائی امین الرشید پر غلبہ پا کر شوکت سلطنت کو باقی رکھ سکا۔ محمود کا بیٹا مسعود اپنے بھائی محمد پر غالب ہو کر سلطنت کی عظمت و شوکت کو باقی نہ رکھ سکا۔ محمود غزنوی نے ماوراء النہر۔ خراسان۔ غزنی۔ پنجاب وغیرہ کی حکومت اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو دی تھی۔ اور خوارزم۔ عراق۔ فارس۔ اصفہان وغیرہ ممالک بڑے بیٹے مسعود کو دیئے تھے۔ محمود کے فوت ہوتے ہی دونوں بھائیوں میں جھگڑا شروع ہوا۔ محمد غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اور مسعود نے رے میں جلوس کیا۔ اول اس بات پر نزاع شروع ہوا کہ مسعود بڑا بھائی ہونے کی وجہ سے خواہاں تھا۔ کہ میرا نام خطبہ میں محمد سے پہلے لیا جائے۔ محمد کہتا تھا کہ میں باپ کے تخت پر بیٹھا ہوں۔ میرا نام تمام ممالک میں خطبہ کے

اندر مسعود سے پہلے پڑھا جائے۔ یہ تو صرف بہانہ تھا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کو زیر کرنے پر آمادہ تھے
آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسعود نے حملہ کرکے غزنی کو فتح اور اپنے بھائی محمد کو قید کر لیا۔ قید کرنے کے
بعد محمد کی دونوں آنکھوں کو بے بصارت کیا گیا۔ تخت غزنی پر جلوس کرکے سلطان مسعود نے بلوچستان
و مکران پر حملہ کرکے اُس علاقے کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ کسی سلطنت میں جب دو شہزادے تخت
کے لئے لڑا کرتے ہیں۔ تو صرور سلطنت کے ہر حصے میں سرکش اور باغی طاقتیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں
چنانچہ محمد بن محمود کے اندھا ہونے کے بعد سلطان مسعود بن محمود کو اس وسیع اور عظیم الشان سلطنت
کا سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ سلجوقی ترکوں نے بتدریج ترقی پاکر خوارزم کے علاقے میں لوٹ مار شروع کردی
ادھر ہندوستان و پنجاب میں بھی یہاں کے بعض صوبہ داروں نے تمرد و سرکشی پر کمر باندھی۔ اور یک لخت
حکومت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ سلطان مسعود نے بڑی ہمت اور استقلال سے کام لیا۔ خوارزم و خراسان
میں سلجوقیوں کو متواتر شکستیں دیں اور انہیں حالات میں موقع نکال کر ہندوستان پر بھی حملہ آور ہوا۔
اور سرستی و ہانسی کے زبردست قلعوں کو فتح کرکے مسمار کیا۔ ہندوستان سے فوراً غزنی کی طرف واپس
گیا۔ تو دیکھا کہ سلجوقی پہلے سے بھی زیادہ تعداد کے ساتھ برسر مقابلہ ہیں۔ مسعود نے اُن کو ہر مرتبہ
شکست دی۔ لیکن وہ بھی ہر مرتبہ پھر سنبھل سنبھل کر اور لوٹ لوٹ کر مقابلے پر آتے رہے۔ سلطان
مسعود کی فوج میں ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد بھرتی ہو گئی تھی۔ اور کئی ہندو اُس کی فوج میں سپہ سالاری
کے عہدے پر فائز تھے۔ جن کے ماتحت بہت سی ہندو پلٹنیں اور ہندو رسالے تھے۔ مسعود کو ہندوؤں
کی فوجیں تیار کرنے اور اُن کو فوجی تعلیم دے کر شائستہ بنانے کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ اُس نے کئی ہندو
سرداروں کو محض اس لئے ہندوستان بھیجا۔ کہ وہ ہندوستان سے اپنے بھائی بندوں کو فوج میں بھرتی
کرکے لائیں۔ جب ہندوستان کے ہندو سپاہی غزنی پہنچے تو مسعود نے ایرانیوں اور افغانیوں سے
زیادہ اُن کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اور ایک شخص مسمی تلک کو امیرالامرائی اور مہاراجگی کا خطاب دیکر
سپہ سالار اعظم بنایا۔ یہ مہاراجہ تلک ایک ہندو حجام کا لڑکا تھا۔ لہٰذا اُس کے مرتبہ کو سب سے
زیادہ رفیع دیکھ کر اکثر امرائے دربار سلطان مسعود سے بددل ہو گئے۔ اور انہوں نے حرف شکایت
زبان پر لانا شروع کیا۔ سلطان مسعود کی اس ہندو نوازی پر اس لئے اور بھی سب کو تعجب تھا کہ مکران
کی لڑائی میں ہندو پلٹنوں نے سخت بزدلی اور نامردی دکھائی تھی۔ اور اس امتحان کے بعد ہرگز کسی کو
توقع نہ تھی۔ کہ سلطان مسعود اس طرح ہندوؤں کا گرویدہ ہو جائے گا۔ آخر خراسان کے ایک جنگل میں
سلجوقیوں سے جب معرکہ آرائی ہوئی تو ان ہندو سپاہیوں نے سب سے پہلے فرار کی عار گوارا کرکے سلطان
مسعود اور اُس کی افغانی فوج کو خطرہ اور ہلاکت میں مبتلا کر دیا۔ چند جاں نثاروں کی پامردی سے سلطان
مسعود اپنی جان تو بچا لایا۔ مگر شکست فاش کی ندامت اپنے ہمراہ لایا۔ اس شکست کے بعد سلطان مسعود
پر کچھ ایسی بددلی اور کم ہمتی طاری ہوئی۔ کہ اُس نے اپنے وزیر اور اپنے بیٹے مودود کو غزنین میں چھوڑ کر
اور تمام اموال و خزائن اونٹوں۔ ہاتھیوں۔ چھکڑوں اور آدمیوں پر لدوا کر اور ہمراہ لیکر ہندو سرداروں
کے ساتھ اس ارادے سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ کہ لاہور کو دارالسلطنت بناؤں گا۔ اور وہیں
قیام کروں گا۔ چونکہ سلطان مسعود نے اپنا یہ ارادہ پہلے ہی غزنین میں ظاہر کر دیا تھا۔ لہٰذا وہاں کے
سرداروں اور امیروں نے سلطان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی بیحد کوشش کی اور سمجھایا کہ اس شکست

کا تدارک انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد ہو جائیگا۔ اور ہم سلجوقیوں کو مار کر خراسان سے بھگا دینگے اپنے باپ کے دار الحکومت کو آپ نہ چھوڑیں۔ مگر مسعود پر کوئی اثر نہ ہؤا۔ اور غزنین کے خزانے میں جھاڑو دیکر اور تمام جواہرات۔ نقدی۔ زیور حتیٰ کہ ظروف اور قیمتی کپڑے تک بھی سب کے سب لیکر غزنین سے چل دیا۔ اور اپنے بیٹے مودود کو جو ان دنوں بلخ و بدخشان کی طرف تھا خط لکھ کر بھیجا۔ کہ میں تم کو غزنین و خراسان وغیرہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ اور میرے پاس سے تمہارے نام احکام و فرامین اور مناسب ہدایات پہنچتی رہینگی۔ اُن پر عمل کرنا۔ اور ترکوں سے ملک کو پاک کرنے کی کوشش میں مصروف رہنا" یہاں تک کہ معہ سامان جب دریائے سندھ کو عبور کیا تو اس طرف آتے ہی ہندو پلٹنوں اور ہندو سرداروں نے جو ہمراہ تھے۔ آنکھیں بدلیں اور سب کے سب شاہی خزانہ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ تمام خزانہ جو سبکتگین اور محمود غزنوی نے چالیس پچاس سال کے عرصہ میں جمع کیا تھا۔ ذرا سی دیر میں دریائے سندھ کے کنارے ہندوؤں نے لوٹ لیا۔ اور سلطان مسعود کو مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔ اس دلشکن اور روح فرسا نظارہ کو دیکھ کر مُسلمانوں کی اس مختصر جمعیّت نے سلطان مسعود کو اُس کے اختلال دماغی کے سبب معزول کر دیا۔ اور اُس کے بھائی محمد کو جو نابینا اور اس سفر میں مسعود کے ہمراہ قید کی حالت میں تھا آزاد کر کے اپنا پادشاہ بنایا۔ محمد کے پادشاہ ہونے کا حال سُن کر ہندو فوج کے بہت سے آدمی پھر محمد کے گرد آ کر جمع ہو گئے۔ کیونکہ ان کو اب اس بات کا خوف نہ تھا۔ کہ مسعود ہم سے انتقام لے سکے گا۔ مسعود جب گرفتار ہو کر محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو محمد نے بھائی سے اپنی آنکھوں کا بدلہ نہیں لیا۔ بلکہ صرف یہ دریافت کیا کہ تم اپنے لئے اب کیا پسند کرتے ہو۔ مسعود نے کہا کہ مجھ کو قلعہ کری میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ محمد نے اُس کو قلعہ کری میں معہ اہل و عیال بھجوا دیا۔ اور اپنے نام کا سکہ خطبہ پنجاب اور سرحدی علاقے میں جاری کیا۔ محمد کے بیٹے احمد نے باپ کی اجازت و اطلاع کے بغیر قلعہ کری میں جا کر اپنے چچا مسعود سے اپنے باپ کی آنکھوں کا بدلہ اس طرح لیا۔ کہ اُس کو قتل کر دیا۔ یہ حال سُن کر محمد کو ملال ہؤا۔ اور اپنے بھتیجے مودود کے پاس جو بلخ میں تھا۔ پیغام بھیجا۔ کہ تیرے باپ مسعود کو مَیں نے اپنے حکم سے قتل نہیں کرایا۔ بلکہ احمد نے میرے منشا کے خلاف یہ ناشایستہ حرکت کی ہے۔ مودود جو بلخ میں سلجوقیوں کے خلاف مہم تیار کر رہا تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی فوج لیکر چلا اور ادھر سے دریائے سندھ کے کنارے محمد کی فوج نے اُس کو روکا لڑائی ہوئی۔ جس میں مودود کو فتح ہوئی۔ اور محمد اور اُس کے تمام اہل و عیال کو مودود نے گرفتار کر کے اپنے باپ کے انتقام میں قتل کیا۔ اس کے بعد مودود غزنین جا کر ۴۳۵ھ میں تخت نشین ہؤا۔

مودود بھی اپنے باپ مسعود کی طرح سلجوقیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑا مگر آخر کار مجبور ہو کر اُس نے ماوراء النہر۔ غزنی اور ہندوستان کی حکومت پر اکتفا کیا۔ باقی تمام ممالک یعنی خراسان و خوارزم و عراق وغیرہ ہمیشہ کے لئے سلطنت غزنی سے نکل گئے۔ اور سلجوقی ان ملکوں کے پادشاہ بن گئے۔

۴۴۱ھ میں مودود بن مسعود نے وفات پائی اور اُس کی جگہ اس کا بیٹا علی تخت نشین ہؤا۔

۴۴۳ھ میں علی کے بعد عبد الرشید بن مودود تخت نشین ہؤا۔ مگر چند ہی روز کے بعد ایک سردار

طغرل نامی نے عبدالرشید کو قتل کر کے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ مگر امرائے سلطنت نے بہت جلد متفق
طغرل کو قتل کیا۔ اور ۴۴۴ھ میں فرخ زاد بن مسعود کو غزنی کے تخت سلطنت پر بٹھایا۔ فرخ زاد
تخت نشین ہو کر ہمت و قابلیت کا اظہار کیا۔ اور لشکر فراہم کر کے خراسان کو سلجوقیوں کے قبضے سے
نکالنے کی کوشش کی۔ ابتدا میں گئی لڑائیوں میں فرخ زاد کو سلجوقیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ مگر آخر جب الپ
ارسلان سلجوقی سے مقابلہ ہوا۔ تو غزنی کے لشکر کو شکست ہوئی۔ اور خراسان کے ملک پر فرخ زاد
قبضہ حاصل نہ ہو سکا۔ ۴۵۱ھ میں فرخ زاد کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا
سلطان ابراہیم غزنوی بڑا نیک۔ عابد۔ بہادر اور عقلمند شخص تھا۔ اس نے تخت نشین ہو
یہی مناسب سمجھا کہ سلجوقیوں کے ساتھ صلح کر لی جائے۔ چنانچہ سلجوقیوں نے نہایت خوشی کے سا
صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد وہ اپنے آپ کو خراسان کا جائز حکمران سمجھنے لگے۔ اور آئندہ کے
غزنویوں اور سلجوقیوں کے درمیان جنگ و پیکار کا سلسلہ بند ہوا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر
ابراہیم نے ہندوستان کی طرف توجہ کی۔ ابتک غزنی کے سلاطین چونکہ اپنے مقامی جھگڑوں
سلجوقیوں کی لڑائیوں میں مصروف تھے۔ لہذا عرصہ سے ہندوستان کی طرف توجہ نہیں ہو سکی
اس عرصہ میں ہندوستان کے اکثر سردار اور راجے خود مختار ہو کر باج و خراج کی ادائیگی سے گریز
لگے تھے۔ سلطان ابراہیم نے ہندوستان کے سرکشوں پر متعدد حملے کئے اور اس طرف اپنی حکو
کو خوب مضبوط و مستقل بنایا۔ سلطان ابراہیم نے ۴۲ یا ۴۳ سال حکومت کی اور ۴۹۲ھ
وفات پائی۔ اس کے بعد مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا۔ اور ۱۶ سال حکمران رہ کر ۵۰۹ھ
فوت ہوا۔ مسعود بن ابراہیم نے کچھ عرصہ کے لئے لاہور کو بھی اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔
کے بعد اس کا بیٹا ارسلان تخت نشین ہوا۔ اور تین سال تک حکومت کی ۵۱۲ھ میں سلطان
سنجر سلجوقی نے غزنین کو فتح کر کے ارسلان کے بھائی بہرام بن مسعود بن ابراہیم کو غزنی
تخت پر بٹھایا۔ بہرام نے ۳۵ سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی ہندوستان پر اس نے
باغیوں کی گوشمالی کے لئے متعدد حملے کئے۔ اور لاہور میں اکثر مقیم رہا۔ اسی کے عہد حکومت
کتاب کلیلہ دمنہ لکھی گئی۔ خمسہ نظامی بھی اسی کے عہد کی تصنیف ہے سلطان بہرام کے آخر
میں غوریوں نے غزنی پر حملہ کر کے بہرام کو غزنین سے بیدخل کر دیا۔ وہ بھاگ کر ہندوستان
چلا آیا اور لاہور میں ۵۴۷ھ میں فوت ہوا۔ اب غزنویوں کے قبضہ میں صرف ہندوستان
پنجاب کا ملک رہ گیا تھا۔ غزنین وغیرہ پر غوریوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ بہرام کی وفات کے
لاہور میں اس کا بیٹا خسرو شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے غزنین کو غوریوں کے قبضے سے نکا
اور واپس لینے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا آخر آٹھ سال پنجاب پر حکومت
کے بعد لاہور میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک بن خسرو شاہ ۵۵۵ھ میں
لاہور تخت نشین ہوا۔ خسرو ملک کو غوریوں نے گرفتار کر کے پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس ط
دولت غزنویہ کا خاتمہ ہو کر اس کا صرف افسانہ باقی رہ گیا۔

دولت سلجوقیہ

سلجوقیوں کے مختصر حالات خلفائے عباسیہ کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں بقیہ
حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ترکوں کی قوم کا ایک شخص جس کا نام دقاق اور لقب تیمور

تھا۔ ترکستان یعنی دشت قپچاق کے بادشاہ پیغو کے متوسلین میں تھا۔ اُس کے بیٹے کا نام سلجوق تھا۔
جو اپنے آپ کو افراسیاب کی چونتیسویں پشت میں بتاتا تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کے بعد پیغو کے دربار میں
رسوخ رکھتا تھا۔ ایک روز کسی بات پر سلجوق پیغو سے خفا ہو کر معہ اپنے بیٹوں کے سمرقند و بخارا
کی طرف چلا آیا۔ اور مقام جند کے قریب اس مختصر قافلہ نے قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ بخارا کے
تخت پر نوح ثانی سامانی متمکن تھا۔ جند کے سلمان عامل کی ترغیب سے سلجوق نے دین اسلام قبول
کیا۔ یہ علاقہ اُس زمانہ میں پیغو بادشاہ ترکستان کا باجگذار تھا۔ چند روز کے بعد پیغو کے عمال خراج
وصول کرنے آئے۔ تو سلجوق نے وہاں کے حاکم سے کہا کہ مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کفار آ کر مسلمانوں سے
خراج وصول کریں۔ سلجوق کی اس ہمت کو دیکھ کر وہاں کے باشندے بھی آمادہ ہو گئے اور سلجوق کے ساتھ
ملک پیغو کے عمال پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں سلجوق کو فتح حاصل ہوئی۔ اور اُس کی بہادری کی دُور دُور
تک شہرت ہو گئی۔ اور اُس کے قبیلہ کے لوگ آ آ کر اُس کے ساتھ شامل ہوئے۔ جب ایلک خان نے نوح
ثانی پر حملہ کیا تو سلجوق نے نوح ثانی کی طرف سے ایلک خان کے مقابلے میں بڑی بہادری دکھائی۔ اسی لڑائی
میں سلجوق کا بیٹا میکائیل مارا گیا۔ میکائیل کے دو بیٹے طغرل بیگ اور چغر بیگ اپنے دادا سلجوق کے
زیر تربیت پرورش پانے لگے۔ سلجوق کے چار بیٹے اور تھے۔ جن کا نام اسرائیل۔ یونس۔ ینال۔ موسیٰ تھے
ترک اور مغول قبائل میں کسی شخص کا غیر معمولی بہادری دکھانا اُس کے سردار قوم بنا دینے کے لئے کافی
تھا۔ سلجوق اور اُس کے بیٹوں کو بہت جلد ناموری اور سرداری حاصل ہو گئی تھی۔ اور ان کے گرد ترکوں
کی جمعیت کثیر فراہم ہو چکی تھی۔ ایلک خان اور پیغو نے مل کر اس نئے قبیلہ کو جو قبیلہ سلجوق کے نام سے
مشہور ہو چکا تھا۔ برباد کرنا چاہا۔ اس عرصہ میں سلجوق کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے پوتے چغر بیگ
نے ایک جمعیت لیکر ملک ارمینیا کی جانب عیسائیوں پر جہاد کرنے کے لئے جانا چاہا۔ راستے میں محمود غزنوی
کا علاقہ یعنی صوبۂ طوس پڑتا تھا۔ طوس کے عامل نے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کو اپنی عملداری سے گذرنے
دیا۔ سلطان محمود غزنوی بہت ذی ہوش اور مآل اندیش بادشاہ تھا۔ اُس کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلجوقی
گروہ اس کے علاقے میں ہو کر گذرا ہے تو اُس نے عامل طوس سے جواب طلب کیا۔ اور اندیشہ مند ہوا۔ کہ
کہیں یہ لوٹیرا گروہ میری مملکت کو اپنی غارت گری کا تختۂ مشق نہ بنائے۔ چغر بیگ ارمینیا کی طرف سے
سالماً غانماً واپس آیا۔ اور سلجوقیوں کی تعداد اور طاقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اب اُنہوں نے نواح بلخ
میں اپنے مویشیوں کو چرانا شروع کیا اور وہیں طرح اقامت ڈالدی۔ محمود غزنوی نے ان حالات سے
مطلع ہو کر اپنے عامل کے ذریعہ سلجوقیوں کے سردار کو اپنے دربار میں طلب کیا عمر کے اعتبار سے اب
سلجوق کا بیٹا۔ اسرائیل سب سے بڑا اور ذی ہوش شخص تھا۔ چنانچہ اُسی کو دربار محمودی میں روانہ
کیا گیا۔ محمود غزنوی نے اسرائیل کو عزت کے ساتھ دربار میں جگہ دی۔ اور بہت سی باتوں کے بعد دریافت
کیا کہ اگر مجھ کو فوج کی ضرورت پڑے تو تم کتنے آدمیوں سے امداد کر سکتے ہو۔ اسرائیل نے اپنا تیر سامنے
رکھ دیا اور کہا کہ [illegible] جنگلی قبائل میں بھیج دیجئے ایک لاکھ آدمی حاضر ہو جائیں گے۔
محمود نے کہا اگر اس سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہو تو اور کتنے آدمی دے سکتے ہو۔ اسرائیل نے
اپنی کمان سامنے رکھ دی اور کہا کہ اس کمان کو اگر آپ ہمارے قبائل میں بھیج دینگے۔ تو دو لاکھ آدمی
تیار ہو کر آجائیں گے۔ اس جواب کو سن کر محمود نے ان لوگوں کی کثرت تعداد کا اندازہ کیا۔ اور اسرائیل کو بطور

یرغمال اور بطریق ضمانتِ امن روک کر ہندوستان کی طرف بھیجدیا۔ جہاں وہ سات سال تک کالنجر کے قلعہ میں محبوس رہا۔ سلجوقیوں کی سرداری طغرل بیگ اور چغر بیگ سے متعلق رہی یہ دونوں بھائی آپس میں اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہتے۔ اور مل کر اپنے قبائل متعلقہ پر حکومت کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے سلجوقیوں کو اوّل ماوراء النہر میں کچھ زمین بطور چراگاہ دیدی۔ اور پھر اس بات کی بھی اجازت دیدی کہ وہ دریائے جیحون کو عبور کر کے خراسان میں آباد ہو جائیں۔ اس پر ارسلان جاذب عامل طوس و بلخ نے اعتراض کیا کہ یہ جنگجو قوم ہے کسی وقت باعث اذیت ہوں گے۔ آپ ان کو دریائے جیحون سے اس طرف آنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں۔ مگر محمود کو اپنی طاقت کا حال معلوم تھا۔ نیز وہ جانتا تھا۔ کہ ان کو فوج میں بھرتی کر کے ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اُدھر اُس نے اسرائیل کو بطور یرغمال نظر بند کر رکھا تھا۔ جب محمود غزنوی کا انتقال ہوا تو سلطان مسعود نے اسرائیل کو کالنجر کے قلعہ سے فوراً آزاد کر دینے کا حکم صادر کیا۔ اسرائیل قید سے آزاد ہو کر اپنے بھتیجوں کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کے پہنچتے ہی سلجوقیوں نے زور پکڑا اُدھر سلطان محمود اپنی تخت نشینی کے بعد مہمات سلطنت پر پورے طور پر مستولی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اُدھر چغر بیگ نے مرو اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔ اور طغرل بیگ نیشا پور پر قابض ہو کر مضبوط ہو بیٹھا۔ مسعود غزنوی ان کے استیصال کی طرف متوجہ ہوا تو دونوں بھائیوں نے مقابلہ کیا۔ اور سلطان مسعود کو اس قدر پریشان کیا کہ انجام کار اُس کی حکومت تمام ملک خراسان سے اُٹھا دی۔ اس کے بعد طغرل بیگ نے نیشا پور کو دارالحکومت قرار دیا اور چغر بیگ مرو میں مقیم ہوا۔ دونوں بھائیوں کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا۔ طغرل بیگ نے خراسان پر قابو پا کر خوارزم کے ملک کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد رومیوں پر حملہ آور ہو کر وہاں سے کامیاب واپس ہوا۔ اس کے بعد بغداد پہنچا۔ دیلمیوں کی حکومت کا خاتمہ کیا اور خلیفہ بغداد کا مدار المہام اور حامی خلافت مقرر ہوا۔ خلیفہ کے دربار سے خلعت و خطاب پایا سنہ ۴۴۷ھ میں بغداد کے اندر طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ خاندان خلافت سے رشتہ داری کا فخر حاصل کر کے ۸ رمضان المبارک سنہ ۴۵۵ھ کو جمعہ کے دن ستر برس کی عمر میں طغرل بیگ نے وفات پائی چغر بیگ اس سے چار سال پہلے ۱۸ رجب سنہ ۴۵۱ھ کو فوت ہو چکا تھا۔ طغرل بیگ لاولد فوت ہوا۔ اس لئے اُس کے بعد اس کا بھتیجا سلطان الپ ارسلان بن چغر بیگ اُس کا جانشین اور مدار خلافت مقرر ہوا سنہ ۴۶۵ھ میں بتاریخ ۱۰ ربیع الاول سلطان الپ ارسلان نو برس اور ڈیڑھ ماہ حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ سلطان الپ ارسلان بڑا ہی دیندار۔ عالیجاہ اور اپنے زمانے میں سب سے بڑا زبردست شہنشاہ تھا۔ الپ ارسلان نے ایک مرتبہ صرف بارہ ہزار سوار ہمراہ لے کر عیسائیوں کی تین لاکھ جرار فوج کو شکست فاش دے کر روم کے قیصر کو گرفتار کر لیا تھا۔ جس کا ذکر گذشتہ ابواب میں آ چکا ہے۔

الپ ارسلان کے بعد اُس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی تخت نشین ہوا۔ الپ ارسلان کے بھائی قاورد بیگ نے بھتیجے کے خلاف علم مخالفت بلند کیا۔ مگر آخر گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ اسی قاورد بیگ کی اولاد میں سلاجقۂ کرمان کی حکومت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ملک شاہ نے شام و مصر کو بھی اپنی حکومت میں شامل کیا۔ اُدھر دریائے سیحون کے دوسری طرف تک اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ملک شاہ کی حدود حکومت الپ ارسلان سے بھی زیادہ وسیع تھیں۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ دیوار چین

بحر قلزم تک ملک شاہ کا حکم جاری اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ۴۸۴ھ میں ملک شاہ نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا برکیارق تخت نشین ہوا۔ اور سلجوقیوں کا زوال شروع ہو گیا۔ برکیارق کے بعد اس کا بھائی محمد بن شاہ ۴۹۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد سنجر بن ملک شاہ ۵۰۹ھ میں تخت نشین اور سلطان السلاطین کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی سے سلطان بہرام غزنوی نے دب کر خراج گذاری گوارا کی تھی۔ جب سلطان علاء الدین غوری جہانسوز نے بہرام کو بیدخل کر کے غزنین کو فتح کیا۔ تو سلطان سنجر سلجوقی نے پہنچ کر علاء الدین غوری کو گرفتار کیا۔ ایک مرتبہ نواح بلخ میں ترکان غز نے موقع پا کر سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا۔ اور یہ چار سال تک اُن کی قید میں رہا۔ اس عرصہ میں ترکان غز نے تمام ملک خراسان کو اپنی لوٹ مار سے تباہ و ویران کیا۔ آخر اُن کی قید سے آزاد ہو کر پھر سلطان سنجر ملک خراسان پر قابض ہوا۔ اس کے بعد اس کے ایک خادم اور عامل خوارزم نے بغاوت و خود مختاری اختیار کی اور خوارزم میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس سلطنت کو دولت خوارزم شاہیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ خوارزم شاہیوں اور غوریوں کی سلطنت کے قائم ہونے کا زمانہ قریب ہی قریب تھا۔ سلطان سنجر کی وفات کے بعد اس کا خواہر زادہ محمود خان نیشاپور میں تخت نشین ہوا۔ سلطان سنجر نے ۵۵۲ھ میں وفات پائی۔ اسی سال محمود خان تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں خراسان کے ایک حصہ پر غوریوں نے اور دوسرے حصے پر خوارزم شاہیوں نے قبضہ کر کے خراسان سے سلجوقیوں کی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا۔

ملک شاہ سلجوقی کی اولاد جو عراق عرب میں حکمران اور خلافت بغداد سے متعلق رہی۔ اُس کا تفصیلی تذکرہ خلفائے بغداد کے سلسلہ میں آچکا ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قاورد بیگ کی اولاد میں دس بادشاہ جو سلاجقہ کرمانیہ کہلاتے ہیں۔ شہر ہمدان میں یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے جن کی تفصیل اس طرح ہے قاورد بیگ ۴۶۵ھ میں مسموم مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملک شاہ ابن الپ ارسلان کے حکم سے اُس کا بیٹا سلطان شاہ کرمان میں حکمران مقرر ہوا۔ ۱۲ سال حکومت کر کے جب وہ فوت ہوا۔ تو اُس کی جگہ اس کا بھائی توران شاہ تخت نشین ہوا۔ توران شاہ نے ۱۳ سال حکومت کی اُس کے بعد اُس کا بیٹا ایران شاہ تخت نشین ہوا اُس نے پانچ سال حکومت کی اس کے بعد ارسلان شاہ تخت نشین ہوا۔ جس نے ۴۲ سال حکومت کی اُس کے بعد اس کا بیٹا مغیث الدین محمد تخت نشین ہوا جس نے ۱۴ سال حکومت کی اُس کے بعد محی الدین طغرل شاہ تخت نشین ہوا۔ اور ۱۲ سال حکومت کرتا رہا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا بہرام شاہ اُس کے بعد ارسلان شاہ اُس کے بعد توران شاہ اُس کے بعد محمد شاہ تخت ہوئے۔ خوارزم شاہیوں کے عروج تک یہ لوگ کرمان میں حکمران رہے اُس کے بعد اُن پر فنا وارد ہو گئی۔

سلیمان قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق کو سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ایشیائے کوچک کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اُس نے وہاں اپنی ایک جداگانہ حکومت قائم کی اس کی اولاد میں چودہ بادشاہ ہوئے جو سلاجقۂ روم کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا دارالسلطنت شہر قونیہ تھا۔ یہ لوگ ساتویں صدی ہجری کے آخر تک حکمران اور اکثر رومیوں سے

برسر جنگ رہے ان کے بعد ہی سلطنت عثمانیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کا حال مناسب موقع پر بیا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالے۔ سلجوقیوں اور غزنویوں کے حالات میں خوارزم شاہیوں اور غوریوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کا بھی مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے۔

دولت خوارزم شاہیہ ملک شاہ سلجوقی کا ایک ترکی غلام جس کا نام نوشتگین تھا۔ اُس کا بیٹا قطب الدین نوشتگین اسی طرح سلطان سنجر کی خدمت میں رسوخ رکھتا تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی نے اپنے نوکر قطب الدین مذکور کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔ یہ قطب الدین جب کبھی سلطان سنجر کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنے اُسی شاہانہ لباس میں خدمتگاری کے تمام کام حسب دستور سابق انجام دیتا۔ یہ عرصہ دراز تک خوارزم کا حاکم رہا اور خوارزم کی مناسبت سے خوارزم شاہ مشہور ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی اسی سے مشہور ہوئی اور اس خاندان کے تمام فرمانروا خوارزم شاہی فرمانروا کہلائے۔ ابتداءً یہ سلطان کا فرمانبردار رہا۔ لیکن جب سلطان سنجر کے اقبال کو زوال ہوا اور وہ ترکان غز کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور ماوراء النہر کے علاقے پر بھی چڑھائی کی۔ رشید الدین وطواط مشہور شاعر اُس کے دربار میں رہتا تھا۔ جس طرح کہ انوری سلطان سنجر سلجوقی کا درباری شاعر تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اتسز خوارزم شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے رشید الدین وطواط کو اپنے دار الانشا کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ ۵۵۱ھ کے قریب اتسز فوت ہوا تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ارسلان شاہ ۵۵۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس میں اور اس کے بھائی تکش خان میں عرصہ دراز تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر تکش خان نے غالب ہو کر ۵۸۳ھ میں تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ اسمٰعیل بن حسن مصنف ذخیرہ خوارزم شاہی اور خاقانی شاعر اسی کے عہد میں ہوئے۔ اسی نے طغرل ثالث سلجوقی کو قتل کیا اور خراسان و عراق پر قابض ہو کر اپنی سلطنت کو بڑھایا۔ اس نے جب وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان محمد خوارزم شاہ ۵۹۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے قریباً اکیس سال حکومت کی اس نے اپنی حدود حکومت کو بہت وسیع کیا۔ اس کے اور خلیفہ بغداد کے درمیان کچھ بے لطفی ہو گئی تھی۔ شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد غور و غزنی تک اس کی حکومت کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ فارس کے بادشاہ اتابک سعد آذر بائیجان کے بادشاہ اتابک ازبک کو بھی اس نے شکست دی۔ اور خلیفہ بغداد سے سرتابی کر کے بغداد کی طرف ایک فوج لیکر چلا تاکہ خلیفہ کو معزول کر کے اُس کی جگہ سید علاء الملک ترمذی اپنے پیر کو تخت خلافت پر بٹھا دے۔ خلیفہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ نصیحت کر کے خوارزم شاہ کو اس ارادے سے باز رکھیں اور آپس میں صلح و آشتی پیدا ہو جائے۔ مگر اس سفارت کا کوئی اثر نہ ہوا اور سلطان محمد خوارزم شاہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ آخر قدرتی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اور برف باری سے سخت نقصان اٹھا کر خوارزم شاہ کو عراق سے واپس ہونا پڑا۔ ابھی یہ عراق ہی میں تھا۔ کہ چنگیز خان نے اس کے ملک پر حملہ کیا۔ چنگیز خان کے حالات میں اوپر مفصل کیفیت اس حملہ کی گذر چکی ہے۔ سلطان محمد خوارزم شاہ اپنے زمانے میں بہت زبردست بادشاہ تھا اُس سے دور دور تک سلاطین ڈرتے تھے۔ اور تمام دنیا پر اُس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر اس برف باری کے واقعہ سے اُس کے اقبال و دولت میں مسلسل سرد بازاری نے ایسا دخل پایا کہ وہ دمبدم بربادی کی طرف ترقی کرتا رہا۔ آخر اس حالت میں فوت ہو

کہ اُس کو کفن بھی میسر نہ ہو سکا۔

سلطان محمد خوارزم شاہ کے سات بیٹے تھے۔ جن میں سے رکن الدین۔ غیاث الدین۔ جلال الدین الگ الگ صوبوں کے حاکم مقرر تھے۔ باپ کی وفات اور تباہی کے بعد یہ تینوں آپس میں متفق ہو کر چنگیز خاں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بلکہ ان میں آپس میں بھی نا چاقی رہی۔ اور الگ الگ انہوں نے مغلوں کے مقابلے میں ناکامی کا منہ دیکھا۔ ان میں جلال الدین خوارزم شاہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اُس نے سندھ کے کنارے چنگیز خان کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ ہندوستان کی حدود میں داخل ہو کر اور چند روز سندھ میں رہ کر پھر واپس چلا گیا۔ اور واپسی میں الموت کے قلعہ یعنی فدائیوں کا بہت کچھ زور توڑتا گیا۔ ایک طرف مغلوں سے لڑا دوسری طرف فرنگیوں یعنی رومیوں سے بھی خوب لڑا۔ عراق میں بھی اُس نے فتوحات حاصل کیں۔ مگر حالات کچھ ایسے ناموافق تھے۔ کہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ قائم نہ کر سکا۔ اور گمنامی کے عالم میں مارا گیا۔ یا فقیری لباس میں روپوش ہو گیا۔ مورخین نے جلال الدین خوارزم شاہ کا ذکر اس لئے محبت و عزت کے ساتھ کیا ہے کہ وہ ایک بہادر شخص تھا۔ اور متعدد مقامات پر اُس نے اپنی بہادری کا ثبوت پیش کر کے اپنے آپ کو مستحق ستائش بنا لیا تھا۔ اسی پر خاندان خوارزم شاہیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

دولتِ غوریہ ہرات کے مشرقی کوہستان میں غور ایک وسیع خطہ کا نام ہے۔ محمود غزنوی نے اس علاقے کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا تھا۔ غور کے باشندوں نے دوسری صدی ہجری کے شروع میں اسلام قبول کر لیا تھا اور یہاں سب افغانی قومیں آباد تھیں۔ محمود غزنوی نے غور کی صوبہ داری پر انہیں افغانوں کے ایک شریف شخص کو مامور فرما دیا تھا۔ جس کے خاندان میں غور کی حکومت بطور صوبہ داری چلی آتی تھی۔ اتفاقاً سلطان بہرام غزنوی اور غور کے حاکم قطب الدین میں کسی بات پر ناچاقی پیدا ہوئی۔ اور نوبت جنگ و پیکار تک پہنچی۔ اس لڑائی میں قطب الدین غوری مارا گیا۔ قطب الدین غوری کے بھائی سیف الدین نے اپنے بھائی کے انتقام میں غزنی پر فوج کشی کر کے بہرام غزنوی کو غزنی سے نکال دیا۔ اور خود تخت غزنی پر متصرف ہوا۔ بہرام غزنوی نے اطراف ملک سے امداد حاصل کر کے غزنی پر حملہ کیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے نہایت بیدردی اور سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کیا اس کا حال جب تیسرے بھائی علاء الدین غوری کو معلوم ہوا۔ تو وہ اپنے دونوں مقتول بھائیوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے غزنی پر حملہ آور ہوا۔ علاء الدین غوری اور اُس کے ہموطن نہایت جوش و خروش کے ساتھ غزنی کی طرف بڑھے تو بہرام غزنوی نے اُن کو زر و جواہر کا لالچ دیکر واپس کرنا چاہا۔ اور صلح و آشتی کی تمہید ڈالی لیکن علاء الدین غوری اور اُس کے ہمراہیوں کو جب یہ خیال آتا تھا۔ کہ سیف الدین کو کس طرح بیل پر سوار کر کے غزنی کے گلی کوچوں میں تشہیر کیا گیا تھا اور نہایت ظالمانہ طور پر اُس کی جان نکالی گئی تھی۔ تو وہ غیظ و غضب اور جوش انتقام میں دیوانے ہو جاتے تھے۔ اسی لئے بہرام کی تدبیر صلح کارگر نہ ہوئی علاء الدین نے غزنی کو فتح کر لیا اور بہرام غزنوی ہندوستان کی طرف بھاگ آیا۔ علاء الدین غوری نے اپنے بھائی کے انتقام میں باشندگان غزنی کا قتل عام کیا۔ سلاطین غزنی کے بعض مقبروں کو مسمار کیا۔ مکانوں کو آگ لگا دی اور ایک ہفتہ تک اس قتل و خونریزی کے سلسلے کو جاری رکھا جس کی وجہ سے وہ علاء الدین جہاں سوز کے نام سے مشہور ہوا۔ غزنی کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا اور وہاں اُن کو قتل کر کے اُن کے خون سے

گارا بنوا کر شہر پناہ کی تعمیر میں استعمال کیا۔ یہ واقعہ ۵۴۷ھ کا ہے علاء الدین جہانسوز غوری نے غزنی کی فتح کے بعد غزنی میں اپنا ایک نائب السلطنت مقرر کیا اور خود غور کی جانب اپنے دار الحکومت فیروز کوہ کی جانب چلا گیا۔ اس طرح غزنی غور کی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ بہرام غزنوی چونکہ سلطان سنجر سلجوقی کی سیادت کو تسلیم کر چکا تھا۔ لہٰذا اُس نے ہندوستان سے سلطان سنجر سلجوقی کے پاس فریاد نامے بھیجے۔ سلطان سنجر سلجوقی نے دوسرے سال حملہ کر کے غور و غزنی کو فتح کر کے بہرام غزنوی کو پھر اپنی طرف سے غزنی پر قابض کر دیا اور علاء الدین جہانسوز غوری کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا۔ علاء الدین غوری نے غزنی کی تباہی میں جو کچھ کیا جوش انتقام سے کیا ورنہ وہ بہت سمجھدار۔ دور اندیش اور قابل شخص تھا۔ چنانچہ چندہی رو کے بعد سلطان سنجر نے علاء الدین کی قابلیتوں سے واقف اور خوش ہو کر اُس کو رہا کر دیا۔ اور وہ اپنے وطن غور میں آکر پھر حکومت کرنے لگا۔ اس کے بعد ہی ترکان غز نے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا۔ اور سلجوقیو کا رعب و اقتدار کم ہوا۔ سلطان سنجر چار سال تک ترکان غز کی قید میں رہا۔ یہ قید اسی قسم کی تھی۔ جیسے کہ ہندوستان کا بادشاہ جہانگیر مہابت خان کی قید میں تھا۔ یعنی ترکان غز دن کے وقت سلطان سنجر کو تخت پر بٹھاتے اور اُس کے سامنے مودبانہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور رات کے وقت اُس کو ایک آہنی قفس میں بند کر دیتے۔ سلطان سنجر ہی کو اپنا بادشاہ اور سلطان مانتے اور جہاں چاہتے اپنے سا اُس کو لئے پھرتے تھے۔ سلطان سنجر کے قید ہونے کے بعد علاء الدین غوری نے بہرام غزنوی کو بیدخل کر غزنی پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور چند روز کے بعد اپنی موت سے مر گیا۔

علاء الدین غوری کو دولت غوریہ کا پہلا خود مختار بادشاہ سمجھنا چاہئے اُس کی وفات کے بعد اُس بیٹا سیف الدین ثانی غور کے تخت پر بیٹھا اور ڈیڑھ سال کے قریب حکومت کر کے ترکان غز کی ایک لڑائی میں اپنے ہی ایک سردار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اُس کے بعد علاء الدین غوری کا بھتیجا غیاث الدین غوری ۵۵۲ھ میں غور کے تخت پر بیٹھا اور مشرقی خراسان کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ غیاث الدین غو کا ایک بھائی شہاب الدین غوری تھا۔ وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ اسی طرح حکومت و سلطنت میں شر تھا۔ جس طرح طغرل بیگ سلجوقی اور چغر بیگ سلجوقی دونوں بھائی ملکر حکومت کرتے تھے۔ غیاث الد شہاب الدین دونوں بڑے اتفاق و محبت سے رہتے تھے اور دونوں بادشاہ سمجھے جاتے تھے شہاب الد غوری اپنے بڑے بھائی غیاث الدین غوری کو اپنا آقا سمجھتا اور اُس کے ہر ایک منشاء کو پورا کرنا اپنا فر جانتا تھا خراسان کے ملک کا اکثر حصہ اپنی حکومت میں شامل کرنے کے بعد غوریوں نے ہندوستان کی طر توجہ کی کیونکہ وہ اپنے آپ کو سلطنت غزنوی کا جانشین سمجھتے اور جس قدر ملک سلطان محمود غزنو قبضے میں تھا۔ اُس تمام ملک کو قبضہ میں لانا اپنا جائز حق تصور کرتے تھے۔ پنجاب میں بہرام غزنوی اولاد حکمران تھی۔ چنانچہ اُس سے پنجاب کا ملک چھین لینا اُنہوں نے ضروری سمجھا اور شہاب الد غوری نے ۵۸۳ھ میں خسرو ملک غزنوی کو لاہور سے گرفتار کر کے اپنے بھائی غیاث الدین غو کے پاس غور کی طرف بھیجدیا۔ اور خود دار السلطنت لاہور پر قابض و متصرف ہوا۔ ۵۹۹ھ غیاث الدین غوری کا انتقال ہوا اور اُس کی جگہ اُس کا بھائی شہاب الدین غوری فیروز کوہ میں تخت ن ہوا۔ غیاث الدین غوری کے عہد حیات میں شہاب الدین غوری ہندوستان کے راجہ پرتھی راج کو شک دیکر اور گرفتار کر کے قتل کر چکا تھا اب جبکہ وہ فیروز کوہ میں غور کے تخت پر بیٹھا تو ہندوستان میں اُ

طرف سے اُس کا غلام قطب الدین ایبک فرمانروا تھا۔ اپنی بادشاہت کے زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری ایک مرتبہ ہندوستان آیا ہوا تھا۔ یہاں سے واپس غور کی طرف جا رہا تھا۔ کہ ۶۰۲ھ میں فدائیوں یا گکھڑوں کے ہاتھ سے اپنے خیمے میں رات کے وقت دھوکے سے شہید کیا گیا۔ شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد دولتِ غوریہ کا شیرازہ درہم برہم ہوگیا۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک مستقل بادشاہ اور خاندان غلامان کی سلطنت کا بانی ہوا۔ اور فیروزکوہ کے تخت پر اُس کا بھتیجا سلطان محمود غوری ابن غیاث الدین غوری متمکن ہوا۔ ۶۰۹ھ میں محمود غوری بھی مقتول ہوا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا بہاؤ الدین تخت نشین ہوا۔ جس کو خوارزم شاہ نے قید کر لیا اس کے بعد اس خاندان کے متوسلین نے یکے بعد دیگرے برائے نام غور میں حکومت کی اور بہت جلد اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

اتابکانِ شیراز سلاطین سلجوقیہ اپنے شہزادوں کو تعلیم و تربیت اور اخلاق فاضلہ سکھانے کے لئے جن اتالیقوں کے سپرد کرتے تھے وہ اتابک کہلاتے تھے رفتہ رفتہ ان اتالیقوں یا اتابکوں کو وزارت اور ملکوں کی حکومت ملنے لگی اور خاندان سلجوقیہ کے کمزور ہوتے پر ان اتابکوں نے مختلف ملکوں اور صوبوں میں اپنی خودمختار حکومتیں قائم کر لیں۔ چنانچہ ان اتابکوں کے بہت سے خاندان شام۔ عراق۔ فارس وغیرہ میں برسرِ حکومت رہے اور بعض نے عالم اسلام میں بڑی ناموری حاصل کی۔ شام کے اتابکوں کا حال تو بعد میں بیان ہوگا۔ اس جگہ اتابکان شیراز کا تذکرہ ضروری ہے۔ جن کی حکومت کو دولت سلغریہ بھی کہا جاتا ہے اور جو تاریخ ایران کا ایک ضروری جزو ہے۔

سلطان سنجر سلجوقی کے عہد حکومت میں مظفر الدین سنقر بن مودود سلغری فارس کا عامل و حاکم تھا۔ سلطان سنجر کی وفات کے بعد اس نے اپنا خطاب اتابک تجویز کیا اور ملک فارس پر خودمختارانہ حکومت کرنے لگا۔ ۵۵۶ھ میں فوت ہوا اُس کے بعد اُس کا بھائی مظفر الدین اتابک تخت نشین ہو کر ۵۷۱ھ تک فرمانروا رہا اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا تکلہ تخت نشین ہو کر بیس سال تک فرمانروائے فارس رہا۔ اس کے بعد اتابک سعد بن زنگی ۲۸ سال تک فرمانروا رہ کر ۶۲۲ھ میں فوت ہوا اسی اتابک سعد کے نام پر شیخ مصلح الدین شیرازی نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اتابک ابوبکر بن سعد زنگی تخت نشین ہوا۔ اسی کے عہد میں ہلاکو خان کے ہاتھ سے بغداد کی تباہی عمل میں آئی۔ اس نے مغلوں کی باجگذاری اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد اس کا پوتا اتابک محمد تخت نشین ہوا۔ غرض ۶۶۳ھ تک یہ خاندان شیراز و فارس میں برسرِ حکومت اور مغلوں کا خراجگذار رہا اس کے بعد مغلوں کی طرف سے وائسرائے مقرر ہو کر شیراز کی حکومت پر مامور ہوتے رہے چند روز کے بعد جب مغلوں کی حکومت میں ضعف و اختلال کے آثار نمایاں ہوئے تو شیراز میں چند روز کے لئے پھر خودمختار سلطنت قائم ہوئی اُس کے بعد دورِ تیموری آ گیا۔

شاہانِ سیستان سیستان کے ملک کو نیمروز بھی کہتے ہیں سلطان سنجر سلجوقی نے اس ملک پر ایک شخص ابوالفضل تاج الدین کو عامل مقرر کیا تھا۔ دولتِ سلجوقیہ کے اختلال کو دیکھ کر اس نے علم استقلال بلند کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین محمد تخت نشین ہوا۔ اس کے ظلم و ستم سے ملک سیستان کی رعایا نالاں رہی آخر لوگوں نے ہجوم کر کے اس کو قتل کر دیا اور اسی خاندان کے ایک شخص تاج الدین حرب ابن عز الملک کو تخت نشین کیا یہ نیک سیرت اور اچھا بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں ملک خراسان

سلطنت غور میں شامل تھا اس نے چھ سال حکومت کی اس کے فوت ہونے پر اس کا بیٹا یمین الدین بہرام شاہ
تخت نشین ہوا۔ مگر چند روز کے بعد ملحدوں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نصرت الدین
تخت نشین ہوا۔ مگر اس کے دوسرے بیٹے رکن الدین نے بھائی کی مخالفت اور تخت سلطنت کا دعویٰ
کیا دونوں بھائیوں میں لڑائیاں ہوئیں آخر نصرت الدین اپنے بھائی رکن الدین کے ہاتھ سے مارا گیا۔
رکن الدین کے عہد حکومت میں سیلاب چنگیزی آیا اور مغلوں کے ہاتھ سے یہ مارا گیا۔ اس کے بعد
تاج الدین حرب کا بیٹا شہاب الدین محمد تخت نشین ہوا۔ مگر چند روز کے بعد یہ بھی مقتول ہوا۔ اس کے بعد
تاج الدین نامی ایک شخص اسی خاندان کا تخت نشین ہوا اور دو سال محصور رہ کر مغلوں کے ہاتھ سے مقتول
ہو کر اس خاندان کا خاتمہ کر گیا۔

ملوک خاندان کرت در ہرات

کہتے ہیں کہ عز الدین عمر نامی ایک شخص سلجوقی خاندان سے تعلق رکھتا اور غیاث الدین غوری
کا وزیر تھا۔ غیاث الدین غوری نے اس کو ہرات کا گورنر بنا کر بھیجا۔ یا تھا جہاں اس کے اہتمام سے بہت سی
شاہی عمارات اور مساجد تعمیر ہوئیں۔ یہ عز الدین کرت کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے بعد ۶۴۳ھ میں
رکن الدین کرت ہرات کا حاکم مقرر ہوا۔ دولت غوریہ کی بربادی کے بعد یہ لوگ ہرات کے مستقل بادشاہ
سمجھے جاتے تھے ملک رکن الدین کرت کی وفات کے بعد شمس الدین کرت ہرات کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اور اس کے
باپ نے بھی مثل اتابکان شیراز کے مغلوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اسی لئے ان کی حکومت و سلطنت کو
مغلوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اپنی طرف سے بطور نائب السلطنت ان کو ہرات پر حکمران رہنے دیا
شمس الدین کرت کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین تخت ہرات پر بیٹھا مغلوں کے بادشاہ اباقاخان نے
اس کو "شمس الدین کہین" کا خطاب دیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا فخر الدین باپ کا جانشین ہوا۔
فخر الدین کے بعد اس کا بھائی غیاث الدین اور غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین ۷۲۹ھ میں تخت نشین
ہوا۔ شمس الدین کے بعد اس کا بھائی ملک حافظ اور اس کے بعد دوسرا بھائی معز الدین حسین ۷۳۲ھ
میں ہرات کا بادشاہ ہوا۔ معز الدین حسین نے ۷۷۱ھ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین
پیر علی تخت نشین ہوا۔ اسی کے زمانے میں تیمور ہرات میں پہنچا۔ اس نے تیمور کی اطاعت قبول کی اور تیمور
نے اپنی لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔

ایران کے دوسرے حصوں میں بھی اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں مثلاً اتابکان لرستان
قائم ہو گئی تھیں جو کچھ زیادہ مشہور نہیں ہیں۔

اتابکان آذربائیجان

سلطان مسعود سلجوقی کے غلاموں میں ایک شخص ایلدگز نامی ترکی النسل تھا۔ وہ اول بہت
ہی ادنیٰ درجہ کی خدمات پر مامور تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ترقی کر کے اتابکی کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور
معاملات سلطنت میں خوب دخیل اور قابو یافتہ ہو گیا۔ بالآخر سلطان طغرل ثانی کی بیوہ سے اس کی شادی
ہو گئی۔ اور وہ آذربائیجان کا گورنر مقرر ہو گیا۔ آخر وہ سلطنت سلجوقیہ کا وزیر اعظم اور سپہ سالار بن گیا
اور ملک ایران کی حکومت اس کے قبضہ اقتدار میں آ گئی۔ جب مقام ہمدان میں اس کا انتقال ہوا تو اس کا
بڑا بیٹا محمد عطابیگ باپ کی جگہ وزیر اعظم اور طغرل سوم کا (جس کی عمر سات برس کی تھی) مربی و سرپرست
قرار دیا گیا۔ عطابیگ نے تیرہ سال ایران کی حکومت کا لطف اٹھایا جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا
بھائی قزل ارسلان اس عہدہ جلیلہ پر مامور ہوا۔ قزل ارسلان نے طغرل سوم کو قتل کر کے خود تاج شاہی

اپنے سر پر رکھنا چاہا مگر عین اُس روز جبکہ یہ رسم ادا ہونے والی تھی وہ خود بھی مرگیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے عطابیگ ابوبکر نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے آذربائیجان کے ملک پر قناعت کر کے اپنی حکومت کو مضبوط کیا اور اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔ اس وقت تک اس حکومت کا رعب اطراف وجوانب پر بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً ابوبکر کے بھائی قتلغ نے بھائی کے خلاف علم مخالفت بلند کیا معرکۂ جنگ میں قتلغ کو شکست ہوئی اُس نے فرار ہو کر خوارزم شاہ کے پاس پناہ لی اور اُس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آذربائیجان پر حملہ کر کے فتح کرلے مگر قتلغ خوارزم شاہ کے ایک سردار کی تیغ خون آشام کا شکار ہوا۔ اور چند روز کے بعد عطابیگ ابوبکر کا انتقال ہوا تو اُس کا دوسرا بھائی عطابیگ مظفر بھائی کا جانشین ہوا اس نے آذربائیجان کے علاوہ ملک عراق کے ایک حصہ پر قبضہ کیا۔ اور پندرہ سال حکومت کرتا رہا آخر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے آذربائیجان پر حملہ کر کے اُس کو فتح کرلیا اور اس طرح سلطنت خوارزم شاہیہ اور آذربائیجان کی دولت ایلدگزیہ کا ساتھ ہی ساتھ خاتمہ ہوا۔

دولتِ ملاحدۂ الموت | علاقہ قہستان میں الموت و قزوین وغیرہ کے قلعے حسن بن صباح نے اپنے قبضہ میں لیکر ایک سلطنت کی بنیاد دولتِ سلجوقیہ کے عین عالمِ شباب میں قائم کی تھی حسن بن صباح اور اس سلطنت ملاحدہ کا حال بالتفصیل پہلے کسی باب میں بیان ہو چکا ہے۔ اس جگہ بعض اور ضروری باتیں جو پہلے بیان میں رہ گئی تھیں اضافہ کی جاتی ہیں تاکہ تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ بیان تکمیل کو پہنچ جائے۔ حسن بن صباح کی نسبت اور تو بہت سی باتیں مورخین نے بیان کی ہیں۔ لیکن اُس کے قوی الجسم اور مضبوط ہونے کا حال اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُس کے دو بیٹوں نے کسی کام میں اُس کی نافرمانی کی تو حسن بن صباح نے ناراض ہو کر دونوں کے صرف ایک ایک طمانچہ مارا تو طمانچہ کی اس ضرب سے دونوں مرگئے ایک مرتبہ حسن بن صباح کو سلجوقیوں کی حملہ آوری اور محاصرہ کے وقت اپنے بیوی بچوں کو ایک دوسرے قلعے میں احتیاطاً بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اُس قلعہ کے حاکم کو تاکید کردی کہ میری بیوی خود ہی سوت کات کر اپنے خورد و نوش کے لئے سامان فراہم کرے گی تم کو اس کی کوئی مہمان نوازی نہیں کرنی چاہیئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن صباح نہ صرف خود ہی سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ بلکہ وہ اپنے اہل وعیال کو بھی راحت طلبی سے دور و مہجور رکھنا چاہتا تھا۔

حسن بن صباح کی وفات کے بعد کیا بزرگ امید الموت میں تخت نشین ہوا سلطان محمد سلجوقی اور کیا بزرگ امید کے درمیان محمد سلجوقی کی وفات تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ محمد سلجوقی کی وفات کے بعد کیا بزرگ امید نے سلجوقیوں کے کئی قلعوں کو اپنی حکومت میں شامل کیا اور گیلان کو خوب لوٹا۔

کیا بزرگ امید کے بعد اُس کا بیٹا محمد نامی تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں فدائیوں نے جابجا بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ جب قتل کی وارداتیں کثرت سے وقوع پذیر ہوئیں تو ایران کے لوگوں نے سلطان سنجر سلجوقی کی خدمت میں فریاد کی اور علماء نے ان فدائیوں کے خلاف قتل کے فتوے دیئے۔ مگر سلطان سنجر نے ایلچی الموت میں بھیجے کہ وہ ان لوگوں کے اعمال و عقائد کی نسبت صحیح حالات معلوم کر کے آئیں۔ چنانچہ مجلس مناظرہ منعقد ہوئی اور ان ملاحدہ نے اپنی بیگناہی کے ثبوت پیش کرنے کی خوب کوششیں کیں آخر یہ افہام و تفہیم بلانتیجہ رہی۔ اور سلطان سنجر

نے ان ملاحدہ کے قتل عام کی نسبت حکم دینے میں تامل اور احتیاط ہی کو ضروری خیال کیا۔ تین سال کے بعد محمد بن بزرگ امید فوت ہوا۔ اُس کی جگہ حسن بن محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے فرقہ میں دہریت اور بے دینی کو بہت ترقی دی ۵۶۱ھ میں جب یہ فوت ہوا تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا علاؤالدین محمد تخت نشین ہوا اس کے زمانے میں امام فخر الدین رازی نے آذربائیجان سے رَے میں آکر سلسلہ درس جاری کیا وہ اپنے وعظ و درس میں فرقہ ملاحدہ کے خلاف اکثر فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ لوگ ان کی طرف یعنی فدائیوں کی جانب مائل نہ ہوں۔ فدائیوں نے رَے میں پہنچکر امام فخر الدین رازی کو قتل کی دھمکیاں دیں اور ان کو متنبہ کیا کہ اگر تم ہمارے خلاف باتیں بیان کرنے سے باز نہ آؤ گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس کے بعد امام موصوف رَے سے روانہ ہو کر غور میں غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری کے پاس چلے آئے اور سلطان شہاب الدین کے ساتھ ہندوستان کے سفروں میں بھی شامل رہے۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری کی فوج میں آپ بطور امام مامور تھے یعنی نمازوں کی امامت آپ ہی فرماتے تھے۔ اسی سلسلہ میں سلطان شہاب الدین کی شہادت فدائیوں کے ہاتھ سے ۶۰۲ھ میں ہوئی جس کے بعد امام فخر الدین رازی خوارزم شاہ کے پاس چلے گئے۔ علاءالدین محمد کے بعد اُس کا بیٹا جلال الدین حسن الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ اور دادا کے عقائد سے توبہ کی اور اپنی اس توبہ کا حال تمام سلاطین اسلام کے پاس لکھ کر بھیجا چنانچہ یہ عالم اسلام میں جلال الدین حسن نو مسلم کے نام سے مشہور ہوا۔ خلیفہ ناصر عباسی بھی جلال الدین سے بہت خوش ہوا۔ چنانچہ جب جلال الدین حسن کی ماں حج کرنے کے لئے خانۂ کعبہ میں گئی تو خلیفہ کے حکم سے سلطان محمد خوارزم شاہ کا رایت جلال الدین حسن کی ماں کے رایت سے پیچھے رکھا گیا اس طرح خلیفہ نے جلال الدین حسن کی ہمت افزائی کی مگر سلطان محمد خوارزم شاہ اس بات سے بیحد ناخوش ہوا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ خوارزم شاہ نے خلیفۂ بغداد کے خلاف مہم تیار کی جلال الدین حسن کی وفات کے بعد اُس کا نو سالہ بیٹا علاؤالدین محمد تخت نشین ہوا چونکہ یہ لڑکا تھا۔ اس کے وقت میں سلطنت کے اندر بہت سے فتنے پیدا ہوئے اور مذہبی معاملات میں بھی تمسخر انگیز باتوں کا اظہار ہونے لگا۔ نصیر الدین طوسی بھی اسی کے عہد میں تھا۔ ۶۵۳ھ میں اس کا انتقال ہوا اور اُس کا بیٹا رکن الدین خورشاہ تخت نشین ہوا ہلاکو خان نے حملہ کر کے رکن الدین خورشاہ کو گرفتار اور اس کے قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اس طرح اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں سر آغا خان جو بمبئی وغیرہ کی طرف بوہروں کی قوم کے پیر سمجھے جاتے ہیں اسی خاندان کی یادگار ہیں۔

مصر و شام کی اسلامی تاریخ کا اجمالی تتمہ

سلجوقیوں کی سلطنت کے ضعیف ہونے پر خود خاندان سلجوقیہ کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کیں۔ اسی طرح اتابکوں کی بہت سی حکومتیں الگ الگ قائم ہوئیں اور اس طرح ایران و خراسان و عراق و فارس و شام و ایشیائے کوچک میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی بہت سی سلطنتیں پیدا ہو گئیں۔ جن کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ انہیں میں سے خاندان سلجوقیہ کی ایک سلطنت ایشیائے کوچک میں قائم ہوئی جس کا دار السلطنت شہر قونیہ تھا اور جو سلاجقۂ روم کے نام سے موسوم ہے یہ سلطنت ترکوں کی

عثمانیہ سلطنت کے قائم ہونے تک باقی رہی ۔اسی طرح ملک شام میں اتابکوں کی ایک خود مختار سلطنت قائم ہوئی جن کو اتابکان شام کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔

اتابکان شام | ۵۲۱ھ میں اتابک عماد الدین زنگی نے ملک شام میں اپنی خود مختار حکومت کی بنیاد رکھی ۔ اس عماد الدین زنگی کا حال اوپر خلفاء کے سلسلہ میں آ چکا ہے ۵۴۱ھ میں جب عماد الدین زنگی نے وفات پائی تو اُس کے تین بیٹے نور الدین زنگی ۔ سیف الدین زنگی ۔ قطب الدین زنگی موجود تھے ۔ ان تینوں نے ملک شام میں الگ الگ شہروں میں حکومتیں قائم کرکے نور الدین زنگی کو اپنا سردار اور سلطان تسلیم کیا ۔ جس طرح ایشیائے کوچک کے سلاجقۂ روم عیسائیوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہے اسی طرح اتابکان شام بھی عیسائیوں ہی کے حملوں کی روک تھام میں مصروف تھے ۔خاصکر سلطان نور الدین نے عیسائیوں کے خلاف بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ۔ حلب ۔ موصل اور دمشق اس خاندان کے حاکم نشین شہر تھے ۔ سلطان نور الدین زنگی بڑا بہادر ۔ باخدا اور نیک طینت شخص تھا ۔ ۴۹۱ھ سے بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں تھا ۔ اور انہوں نے وہاں اپنی ایک سلطنت قائم کرلی تھی ۔ تمام براعظم یورپ بیت المقدس کی اس عیسائی سلطنت کا ممدو معاون تھا ۔ سلطان نور الدین کی تمامتر ہمت و توجہ اس کوشش میں صرف ہوئی کہ بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے نکالا جائے ۔ مگر سلطان نور الدین زنگی اپنی زندگی میں بیت المقدس کو آزاد نہ کرا سکا اُس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیا ۔ نور الدین کو بغداد کے عباسی خلیفہ نے سلطان کا خطاب اور ملک شام کی باقاعدہ سند حکومت عطا کردی تھی ۔ اسی سلطان کے عہد حکومت میں فرنگیوں نے مصر پر زور ڈالنا چاہا جہاں خاندان عبیدی کا آخری فرمانروا عاضد برسر حکومت تھا ۔ عاضد نے سلطان نور الدین سے امداد طلب کی اور نور الدین نے اپنے سپہ سالار شیر کوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین کو مصر بھیجا ۔ چند روز کے بعد عبیدی حاکم مصر فوت ہوا اور مصر پر صلاح الدین کی حکومت قائم ہوئی اس کے چند روز بعد سلطان نور الدین زنگی کا بھی انتقال ہوا ۔ اور ملک شام میں دمشق کے تخت پر نور الدین کا بیٹا ملک صالح تخت نشین ہوا ۔ چند روز کے بعد سیف الدین بن قطب الدین نے موصل میں اپنی الگ حکومت قائم کی اور انجام کار شام کے ملک پر بھی سلطان صلاح الدین ایوبی ہی کا قبضہ ہوگیا ۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلطان نور الدین کی اولاد اور خاندان کے ساتھ بہت رعایت و مروت کا برتاؤ رکھا اور ملک شام میں اس خاندان کے افراد ہلاکو خان کے حملہ تک برسر حکومت و اقتدار رہے لیکن اُن کی حکومت برائے نام اور بہت ہی محدود رقبہ پر تھی ۔ حقیقتاً سلطان نور الدین کے بعد حکومت و سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی سے متعلق ہوگئی ۔

دولتِ ایوبیہ مصر و شام | نجم الدین ایوب قوم کے اعتبار سے کُرد اور عماد الدین زنگی کی فوج میں سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا ۔ نجم الدین ایوب کے بیٹے صلاح الدین پر عماد الدین زنگی بہت مہربان تھا اور اُس نے صلاح الدین کی تعلیم و تربیت کا انتظام اپنے اہتمام سے کیا تھا ۔ عماد الدین زنگی کی وفات کے بعد سلطان نور الدین زنگی نے نجم الدین ایوب کو دمشق کا قلعہ دار اور کوتوال مقرر کرکے صلاح الدین اُس کے بیٹے کو بھی اس خدمت میں باپ کا کمکی مقرر کیا تھا ۔ نجم الدین ایوب کی وفات کے بعد نور الدین زنگی نے اُس کے بھائی شیر کوہ کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا اور صلاح الدین کو دمشق کا قلعہ دار رکھا ۔ جب مصر کی جانب عاضد

...یدی کی درخواست پر فوج بھیجی گئی تو شیر کوہ کے ساتھ نور الدین نے اُس کے بھتیجے صلاح الدین کو بھی
...ا۔ جس کا مفصل تذکرہ اوپر کسی باب میں آچکا ہے۔ ۵۶۷ھ میں صلاح الدین نجم الدین ایوب عاضد
...یدی کے بعد مصر کا بادشاہ بن گیا۔ ۵۶۹ھ میں جب سلطان نور الدین زنگی کا انتقال ہوا تو یہاں
...ان سلطنت میں تخت نشینی کے متعلق اختلاف ہوا صلاح الدین نے مصر سے دمشق میں آکر سلطان
الدین کے بیٹے ملک صالح کو تخت نشین کیا۔ اور اسی تاریخ سے شام کی سلطنت بھی سلطان صلاح الدین
...زیر اثر اور زیر اقتدار آگئی۔ اسی سال یمن اور حجاز میں بھی اُس کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ زمانہ عالم اسلام
... لئے بہت نازک تھا۔ یورپ کے عیسائیوں نے متفقہ طاقت سے شام و مصر پر حملہ آوری کی اس حملہ آوری
...پر صلاح الدین ہی پہاڑ بنکر ڈٹ گیا تھا۔ دوسری طرف ملاحدہ الموت یعنی فدائیوں نے جو چھپ کر
...رہتے اور مسلمان امرا کو قتل کرنا ثواب جانتے تھے۔ ایک تہلکۂ عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ان فدائیوں سے
... بہت خائف و ترساں تھے۔ ان ظالموں نے سلطان صلاح الدین کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی مگر
...خدا کے فضل و کرم سے بچ گئے۔ آخر شام کے تمام سرداروں نے ملکر صلاح الدین کو ملک شام کا باقاعدہ
...شاہ تسلیم کیا اور سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے نکالنے کی کوشش
...ع کی ۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے ایک جنگ عظیم کے بعد بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ
...یدان جنگ میں گرفتار کرلیا اور پھر اُس سے یہ اقرار لیکر کہ وہ سلطان کے مقابلے میں نہ آئیگا چھوڑ دیا
... کے بعد عکہ پر قبضہ کیا اور ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کو فتح کرلیا سنہ ۴۹۱ھ سے ۵۸۳ھ تک
...۹۲ سال کے قریب بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں رہا عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو
...مانوں سے فتح کیا تھا تو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی تھیں لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے
...اس مقدس شہر کو عیسائیوں سے فتح کیا تو کسی عیسائی باشندے کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔
...ت المقدس کی فتح کا حال سُن کر تمام براعظم یورپ میں ایک حشر برپا ہوگیا۔ اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔
...نچہ فلپ شہنشاہ فرانس۔ رچرڈ شیر دل بادشاہ انگلستان۔ فریڈرک شہنشاہ جرمنی اور بہت
... چھوٹے چھوٹے بادشاہ۔ نواب اور امرا لشکر عظیم لیکر متفقہ طور پر تمام براعظم ایشیا کو فتح
...کے اسلام کا نام و نشان مٹانے کے ارادے سے حملہ آور ہوئے۔ عیسائی افواج جرار کا یہ سمندر
...طرح متلاطم ہوا اور اس شان و شوکت کے ساتھ ملک شام کی طرف بڑھا کہ بظاہر براعظم ایشیا کی
...نظر نہیں آتی تھی مگر حیرت ہوتی ہے کہ سلطان صلاح الدین نے چار سال تک کئی سو لڑائیاں لڑکر
...سائیوں کے اس بے پایاں لشکر کو خاک و خون میں ملایا اور اپنے سامنے سے بھگایا مگر بیت المقدس
...دیواروں تک نہیں پہونچنے دیا۔ آخر ناکام و نامراد یہ عیسائی سلاطین نہایت ذلت کے ساتھ
...پس ہوئے اور سلطان صلاح نے عیسائیوں کو یہ رعایت عطا کی کہ وہ اگر بیت المقدس میں محض
...ادت کے لئے آئیں تو عیسائیوں کو کسی قسم کی روک ٹوک نہ کیجائے گی۔ ان مذکورہ لڑائیوں میں
...لاح الدین نے جس شرافت و انسانیت کا برتاؤ کیا اور جس شجاعت و جفاکشی کا اُس سے اظہار
... اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک بھی تمام یورپ سلطان صلاح الدین کو عزت و عظمت کے ساتھ
...کرتا اور اُس کے نام کو شجاعت و شرافت کا مترادف سمجھتا ہے۔ حالانکہ سلطان صلاح الدین
...نے تمام براعظم یورپ کو اُس کے مقصد وحید میں ناکام و نامراد رکھ کر واپس بھگایا تھا۔ ۵۸۹ھ

میں سلطان صلاح الدین نے وفات پائی اور اپنے تقوے اور زہد وورع کے سبب اولیاء اللہ میں اس کا شمار ہوا۔

صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عثمان الملقب بہ ملک العزیز تخت نشین ہوا اس نے چھ سال نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی ۵۹۵ھ میں جب فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک منصور تخت نشین ہوا۔ مگر ایک سال کے بعد معزول ہوا تو اس کے بعد ملک عادل سلطان صلاح الدین کا بھائی تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا نیک اور قابل ستائش سلطان تھا۔ اس نے ۶۱۵ھ میں وفات پائی اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک کامل تخت نشین ہوا یہ بھی بہت نیک نام بادشاہ تھا ۶۳۵ھ میں اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک عادل ابوبکر تخت نشین ہوا۔ دو برس کے بعد امرائے مصر نے اس کو محبوس کر کے اس کے بھائی ملک صالح بن ملک کو مصر کے تخت پر بٹھایا اس نے دس سال حکومت کی آخر عیسائیوں کی لڑائی میں شہید ہوا۔ اس کے بعد ملک معظم توران شاہ بن ملک صالح ۶۴۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ مگر چند ہی مہینے کی حکومت کے بعد مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملکہ شجرۃ الدر ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوئی اور چند مہینے کی حکومت کے بعد وہ بھی تخت سلطنت سے جدا ہو گئی اس کے بعد ملک اشرف ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوا ۶۵۲ھ میں اسکو اسی خاندان کے غلاموں نے معزول کیا اور خاندان ایوبیہ کردیہ کا خاتمہ ہوا۔ سلطان صلاح الدین کا تقریباً تمام عہد حکومت ملک شام اور شہر دمشق یا میدان جنگ میں گذرا لیکن اس کے جانشینوں نے مصر ہی کو اپنا دار السلطنت بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کی حکومت ان کے ضعیف ہو جانے کے بعد دولت ایوبیہ سے خارج ہو گئی اور آخر میں وہ صرف ملک مصر ہی پہ قابض رہے۔ اس سلطنت کے آخری فرمانرواؤں کی حکمت عملی یہ تھی کہ خارجیہ اور ارمینیا کے غلاموں کو خرید خرید کر ان غلاموں کی ایک زبردست فوج رکھی جائے تاکہ کسی سردار کو بغاوت وسرکشی کی جرأت نہ ہو سکے اور ان شاہی غلاموں کی فوج سے ہر سرکش کی سرکوبی کی جا سکے۔ مگر رفتہ رفتہ ان غلاموں نے جن کو مملوک کہا جاتا تھا۔ اس قدر قوت حاصل کر لی کہ وہی سلطنت مصر کے مالک ہو گئے۔

دولت مملوکیہ مصر طبقہ اول

جب خاندان ایوبیہ کو زوال آیا اور غلاموں کے ہاتھ میں سلطنت کے تمام امور آ گئے تو انھوں نے انتخاب کے ذریعہ اپنے ہی لوگوں میں سے ایک شخص ملک معز عزیز الدین ایبک کو اپنا بادشاہ بنایا ملک معز نے ملکہ شجرۃ الدر سے جو ملک صالح ایوبی کی کنیزک تھی اور چند مہینے بادشاہت کر چکی تھی نکاح کیا ۶۵۵ھ میں مقتول ہوا۔ اس کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے بیٹے ملک منصور کو بادشاہت کے لئے منتخب کیا۔ یہ دو برس کے بعد سلطنت سے دستکش ہو گیا اس کی جگہ ملک مظفر بادشاہت کے لئے منتخب ہوا اور گیارہ مہینے سلطنت وحکومت پر فائز رہا۔ اس کے عہد حکومت میں ہلاکو خان کی فوج نے حملہ کر کے مصری فوج سے شکست فاش کھائی۔ ملک مظفر کو قتل کر کے ۶۵۸ھ میں ملک الظاہر رکن الدین تخت نشین ہوا اس نے سترہ سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی اور ۶۷۶ھ میں اس کی وفات کے بعد ملک سعید ناصر الدین تخت نشین ہوا ایک سال کے بعد اس کو بھی معزول کیا گیا۔ اس کے بعد ملک عادل بدر الدین تخت پر بٹھایا گیا صرف چار مہینے سلطنت کرنے پایا تھا کہ معزول ہوا۔ اور اس طرح ۶۷۸ھ میں دولت

مملوکیہ مصر کے طبقۂ اول کا خاتمہ ہوا۔ ان لوگوں کی مجموعی سلطنت صرف ۲۶ سال تک رہی لیکن ان کی
بعض خصوصیات قابل تذکرہ ہیں۔ اول یہ کہ انہوں نے انتخاب کا طریقہ جاری کیا یعنی کثرت رائے سے اپنا
پادشاہ منتخب کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان مغلوں کو جو قریباً تمام متمدن دنیا کو تہ و بالا کر چکے تھے۔ انہوں
ہمیشہ شکست دے دیکر بھگایا اور حدود مصر میں اُن کو قدم نہ رکھنے دیا ہاں! مغلوں کے بہت سے آدمیو
لڑائی میں گرفتار کرکے گئے۔ اور اپنا غلام بناکر مصر میں رکھا۔ ان لوگوں کو غلامان ایوبیہ کے نام سے یا
کیا جاتا ہے۔

دولتِ مملوکیہ مصر طبقہ دوم یا دولت قلاؤنیہ

ملک عادل بدر الدین کے بعد ابو المعالی ملک منصور قلاؤن ا
سلسلہ انتخاب کے ذریعہ مصر کا پادشاہ منتخب ہوا مگر اس کے بعد چونکہ اسی کے خاندان کو عرصہ دراز تک
لوگوں نے حکومت مصر کے لئے منتخب کیا اس لئے یہ مملوکیوں کے طبقۂ دوم کا پہلا پادشاہ سمجھا گیا۔ اس
۶۷۸ھ سے ۶۸۹ھ تک گیارہ سال حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سلطنت مصر کا رقبہ کسی قدر و
ہوا۔ اس کے بعد ملک اشرف صلاح الدین خلیل تخت نشین ہوا چار سال حکومت کرنے کے بعد ۶۹۳ھ
میں مقتول ہوا۔ اس کے بعد ملک ناصر محمد بن قلاؤن تخت نشین ہوا اس نے چند روز کے بعد خود سلط
سے دست کشی اختیار کی مگر لوگوں نے مجبور کرکے پھر تخت سلطنت پر بٹھایا اور ۴۴ سال کی حکومت کے
۷۳۷ھ میں فوت ہوا اس کے بعد ملک عادل کتبغا منصوری تخت سلطنت کے لئے منتخب ہوا۔ مگر ا
ایک مہینہ بھی حکومت کا موقع نہ ملا۔ اس کے بعد ملک منصور حسام الدین پادشاہ بنایا گیا دو برس کے بعد
بھی مقتول ہوا اس کے بعد ملک مظفر رکن الدین ایک سال کے لئے منتخب ہوا اس کے بعد ۷۴۱ھ
ملک منصور ابوبکر پادشاہ بنایا گیا مگر دو ہی مہینے کے بعد اس کو جلاوطن کیا گیا۔ اس کے بعد ملک اشر
کو پادشاہ بنایا گیا مگر آٹھ مہینے کے بعد وہ بھی جلاوطن ہوا۔ پھر ۷۴۲ھ میں ملک ناصر احمد تخت نشین
۷۴۵ھ میں اس کے مقتول ہونے پر ابو الفدا ملک صالح اسمٰعیل تخت سلطنت پر متمکن ہوا اس نے صر
ایک سال حکومت کی۔ یہ وہی ابو الفدا ہے جس نے وہ مشہور تاریخ لکھی جو تاریخ ابو الفدا کے نام سے مشہو
اور نہایت معتبر و مستند تاریخ سمجھی جاتی ہے ۷۴۶ھ میں ملک کامل شعبانی تخت نشین ہو کر چند ماہ
بعد معزول ہوا۔ ۷۴۷ھ میں ملک مظفر حاجی تخت نشین ہوا اور ایک ہی سال کے اندر قتل کیا گ
۷۴۸ھ میں ملک ناصر حسن تخت نشین ہوا قریباً ۱۴ سال حکومت کی آخر یہ بھی مقتول ہوا۔ اس
بعد ملک صالح ۷۶۲ھ میں تخت نشین ہو کر ۷۶۵ھ میں معزول کیا گیا اور اس کی جگہ ملک من
بن حاجی کو تخت سلطنت ملا دو برس کے بعد وہ بھی معزول ہوا اور تخت سلطنت ملک اشرف شعبا
حصے میں آیا گیارہ سال کے بعد وہ بھی مقتول ہوا اور اس کی جگہ ملک منصور علی ۷۷۸ھ میں تخت نشین ہ
سال کے بعد فوت ہوا اور اس کے بعد ۷۸۳ھ میں صالح حاجی تخت نشین ہوا اور آٹھ نو سا
بعد خود تخت سلطنت سے دست بردار ہو کر دولت قلاؤنیہ کا خاتمہ کر گیا۔ یہ سلطنت قریباً ۱۴
تک قائم رہی۔ اس طبقہ اور طبقۂ اول میں حکومت و سلطنت کے اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا

دولت مملوکیہ مصر طبقہ سوم یا دولت چراکسہ

ملک صالح حاجی کے بعد ملک ظاہر برقوق تخت نشین ہ
غلامان ایوبیہ میں قبیلۂ چرکس سے تعلق رکھتا تھا۔ چونکہ آئندہ اسی قبیلہ کے لوگ حکومت مصر پ
ہوئے اس لئے ملک ظاہر برقوق غلامان ایوبیہ کے طبقہ سوم کا پہلا پادشاہ سمجھا گیا اس نے ۷

سے ۸۰۱ھ تک ۹ سال حکومت کی اس کے بعد ملک ناصر تخت نشین ہوا۔ ملک ناصر نے چار سال حکومت کی اس کے زمانے میں تیمور نے مصر کی طرف فوجکشی کی مگر دولت ملوکیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ اسی ملک ناصر نے خانۂ کعبہ میں حنفی۔ شافعی۔ مالکی حنبلی چار مصلے قائم کئے۔ اول اول بعض علمائے اسلام نے اس کو بدعت قرار دیا مگر پھر اس کی زیادہ مخالفت نہیں کی کیونکہ اس کام سے کوئی فتنہ اور رخنہ دین میں پیدا نہیں ہوا سنہ ۸۰۵ھ میں جب ملک ناصر کا انتقال ہوا تو ملک منصور تخت نشین ہوا سنہ ۸۰۸ھ میں وہ مقتول ہوا تو اُس کی جگہ ملک ابو نصر شیخ کو حکومت ملی چند روز کے بعد وہ بھی فوت ہوا تو ملک مظفر احمد تخت نشین ہوا اُس کے بعد ملک الظاہر ابو الفتح کا نمبر آیا اُس کے بعد ملک صالح محمد سنہ ۸۲۴ھ میں تخت نشین ہوا چار مہینے سلطنت کرنے کے بعد خود حکومت سے دستکش ہوا اُس کی جگہ ملک اشرف ابو النصر کو پادشاہ بنایا گیا یہ بہت دیندار اور باخدا شخص تھا۔ اس کو قرآن مجید سے بہت محبت تھی اکثر قرآن مجید سنتا رہتا تھا۔ سنہ ۸۴۱ھ تک برسر حکومت رہا اس کی وفات کے بعد ابو المحاسن عبد العزیز تخت نشین ہوا مگر تین ہی مہینے کے بعد معزول ہوا۔ اُس کے بعد ملک ابو سعید المعروف بہ ملک الظاہر تخت نشین ہوا پندرہ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا بڑا غریب پرور اور نیک طینت پادشاہ تھا۔ اس کے بعد ملک منصور عثمان تخت نشین ہوا مگر چند مہینے کے بعد سنہ ۸۵۷ھ میں معزول ہوا۔ اُس کے بعد ملک اشرف ابو النصر تخت نشین ہوکر سنہ ۸۶۵ھ تک برسر حکومت رہا اس کے بعد ملک مویدا حمد تخت نشین ہوکر چند روز میں معزول کیا گیا۔ اس کے بعد ملک ظاہر ابو سعید خوش قدم سنہ ۸۶۵ھ سے سنہ ۸۹۲ھ تک تخت نشین رہا اور اپنی موت سے مرا اس کے بعد ملک ظاہر ابو سعید ملیائی تخت نشین ہوکر چند مہینے کے بعد جلا وطن ہوا۔ اور ملک ظاہر ابو سعید تمر بغا بھی تخت نشین ہوکر دو ہی مہینے کے اندر قید کیا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف ابو النصر پادشاہ بنایا گیا۔ جس نے سنہ ۹۰۲ھ تک حکومت کی اس کے بعد ملک ابو السعادت تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور ڈھائی سال حکومت کر کے مقتول ہوا۔ اس کے بعد سنہ ۹۰۴ھ میں ملک اشرف قانصوہ تخت نشین ہوا مگر گیارہ روز کے بعد گم ہوگیا۔ اور کہیں پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ اس کے بعد ملک ظاہر ابو سعید قانصوہ سنہ ۹۰۶ھ تک حکمران رہا۔ اس کے بعد ملک جنبلاط تخت نشین ہوکر ایک ہی سال میں جلا وطن کیا گیا۔ اس کے بعد ملک عادل سنہ ۹۰۷ھ میں تخت نشین ہوا اور ساڑھے چار مہینے کے بعد مارا گیا اس کے بعد ملک اشرف ابو النصر قانصوہ تخت نشین ہوا اس نے سنہ ۹۲۲ھ تک پندرہ سال حکومت کی۔ سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر سنہ ۹۲۲ھ میں چڑھائی کی اور ملک اشرف طومان کو جو اسی سال تخت نشین ہوا تھا۔ شکست دیکر دولت چراکسہ کا خاتمہ کردیا۔ اور مصر حکومت عثمانیہ میں شامل ہوگیا۔ اس کے ساتھ خلافت عباسیہ کے اس سلسلہ کا بھی جو برائے نام مصر میں قائم تھا۔ خاتمہ ہوگیا۔ غلامان ایوبیہ کے اس تیسرے طبقہ نے جو دولت چراکسہ کے نام سے مشہور ہے ۱۳۰ سال حکومت کی۔ خاندان ایوبیہ کے بعد مصر میں مملوکیوں کے تینوں طبقوں کی حکومت دو سو ستر سال تک قائم رہی۔ ان مملوکیوں کے ابتدائی زمانے میں ہلاکو خان نے بغداد کو برباد کر کے خلافت عباسیہ کا سلسلہ بغداد سے مٹا دیا تھا مگر چند ہی روز کے بعد جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مصر کے اندر خلفائے عباسیہ کا سلسلہ ان مملوکیوں کے ساتھ ساتھ شروع ہوگیا۔ اور مملوکیوں کے خاتمے سنہ ۹۲۲ھ تک باقی رہا۔ مصر کے اندر عباسی خلفا کی حیثیت پیروں اور وظیفہ خواروں سے زیادہ نہ تھی مگر چونکہ تمام عالم اسلام میں ان عباسی خلفا کی مذہبی حیثیت مسلم تھی اور وہ پیشوائے مذہب

سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے اُن کا وجود مملوکیوں کے لئے بھی مفید تھا کیونکہ تمام مسلمان سلاطین مملوکیوں کو خادم خلفاء سمجھ کر اُن کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتے تھے اسی طرح عباسی خلفا کے لئے مملوکیوں کا وجود غنیمت تھا۔ کہ وہ اُن کی حکومت میں بے غمی اور راحت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

خلفاء مصر کا تذکرہ مجمل طور پر اوپر بھی آچکا ہے اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن خلفاء کی ایک فہرست ذیل میں درج کر دی جائے جو مصر میں ہوئے ہیں تاکہ یہ بھی اندازہ ہو سکے کہ مصر کے کس بادشاہ کے زمانے میں کونسا عباسی خلیفہ مصر میں موجود تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح ایک بادشاہ کے بعد دوسرے بادشاہ کی تخت نشینی پر عباسی خلیفہ سے تخت نشینی کی سند حاصل کرنی پڑتی تھی اسی طرح ایک خلیفہ کے فوت ہونے پر دوسرے خلیفہ کی تخت نشینی میں شاہان مصر کو بہت کچھ دخل و تصرف حاصل تھا۔ تاہم کبھی کبھی خلفاء کو مصر کے اندر ایسی شوکت و اہمیت بھی حاصل ہو جاتی تھی کہ شاہِ مصر مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا خلفا اور شاہان مصر میں کبھی کبھی ناچاقی و ناراضی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ خلیفہ کو عام مسلمانوں کی ہمدردی پر اعتماد ہوتا تھا۔ تو شاہ مصر کو اپنی شاہی طاقت و سطوت پر گھمنڈ تھا۔ بہرحال سلطان سلیم عثمانی نے اس کشمکش کو مٹا کر سلطنت و خلافت دونوں چیزوں کو اپنے وجود میں مجتمع کر لیا اور پونے تین سو سال کے بعد خلیفۂ اسلام کی حیثیت ایک پیر یا سجادہ نشین سے تبدیل ہو کر اپنی اصلی حالت یعنی جامۂ شہنشاہی میں نمودار ہوئی۔

خلفائے عباسیۂ مصر

نمبر	خلیفہ کا نام	سنہ جلوس	نمبر	خلیفہ کا نام	سنہ جلوس
۱	مستنصر باللہ بن ظاہر بامر اللہ بن ناصر لدین اللہ	۶۵۹ھ	۹	مستعین باللہ	۸۰۸ھ
۲	حاکم بامر اللہ بن مسترشد باللہ	۶۶۰ھ	۱۰	معتضد باللہ	۸۱۵ھ
۳	مستکفی باللہ بن حاکم بامر اللہ	۷۰۱ھ	۱۱	مستکفی باللہ	۸۴۵ھ
۴	واثق باللہ	۷۰۲ھ	۱۲	قاسم بامر اللہ بن متوکل	۸۵۸ھ
۵	حاکم بامر اللہ بن مستکفی باللہ	۷۴۲ھ	۱۳	مستعد باللہ بن متوکل	۸۵۸ھ
۶	معتضد باللہ	۷۵۳ھ	۱۴	متوکل علے بن یعقوب بن متوکل	۸۷۲ھ
۷	متوکل علے اللہ	۷۶۲ھ	۱۵	مستمسک باللہ	۹۰۳ھ
۸	مستعصم باللہ بن محمد ابراہیم	۷۸۸ھ			

سلطان سلیم عثمانی نے مصر کو فتح کیا تو مستمسک نے عصا و چادر اور دوسرے تمام تبرکات جو اُس کے پاس بطور نشان خلافت موجود تھے سلطان سلیم کو دیدیئے اور خود بھی سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ سلطان سلیم عثمانی مصر سے مستمسک کو اپنے ہمراہ قسطنطنیہ لے گیا اور وہیں اُس کا انتقال ہوا۔

پندرھواں باب

سلطنتِ عثمانیہ

اوپر کے باب میں ہم پھر دسویں صدی ہجری کے شروع تک پہنچ گئے تھے۔ سلسلۂ مضامین کو مکمل رکھنے کی غرض سے ہم کو لوٹ کر پھر ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے اور ایشیائے کوچک کے میدانوں میں واپس آنا چاہیئے۔ جبکہ سلطنت عثمانیہ کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی تین سو سال کی تاریخ بیان کرنے کے بعد یعنی دسویں صدی ہجری کے شروع تک پہنچکر ہم کو غالباً پھر پیچھے واپس ہونا پڑے گا تاکہ تیمور اور ایران کے صفوی خاندان کی تاریخ سے بھی فارغ ہوکر پھر دسویں صدی ہجری میں داخل ہوں اور سلطنت عثمانیہ کے بقیہ تین سو سال کی تاریخ کسی آئندہ باب میں ختم کریں وباللہ التوفیق۔

ترکوں کے ان غارتگر قبائل نے جو ترکانِ غز اور غزان کے نام سے مشہور ہیں خراسان و ایران میں داخل ہوکر سلطنت سلجوقیہ کے اعتبار و وقار کو صدمہ پہنچایا تھا۔ ان ترکانِ غز کی ترک و تاز کا پتہ ملک چین کے صوبہ منچوریا سے لیکر مراقش تک تاریخوں میں ملتا ہے انہوں نے سلطان سنجر سلجوقی کو گرفتار کرکے بہت کچھ اپنی دہشت لوگوں کے دلوں میں بٹھا دی تھی۔ مگر جب چنگیز خان نے خروج کیا تو ان کا زور بہت کچھ گھٹ چکا تھا رہا سہا رعب چنگیزی کشت و خون کے آگے مٹ گیا۔ پہلے بھی یہ لوگ مختلف قبائل پر منقسم تھے جب گرم بازاری جاتی رہی تھی اور بھی زیادہ تشتت اور پراگندگی نے ان میں راہ پائی کوئی قبیلہ مصر کی طرف جاکر وہاں کی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ کوئی عراق میں۔ کوئی شام میں اور کوئی ارمینیا و آذربائیجان میں رہنے لگا۔ چونکہ ان کے اندر کوئی ایک زبردست شہنشاہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کے حالات تاریخوں میں بھی بالتفصیل نہیں لکھے گئے مگر ان کے اندر عرصہ دراز تک خراسان و ایران میں فاتحانہ حیثیت سے رہنے کے سبب تہذیب و شائستگی نے ضرور ترقی کی تھی اور اولوالعزمی و بلند ہمتی کی شان ان کے ہر قبیلے اور ہر خاندان میں موجود تھی حکومت و فتحمندی کے عالم میں بھی انہوں نے اپنے ریوڑوں کی محبت نہیں چھوڑی تھی۔ اس لئے اب خروج چنگیزی کے وقت کچھ تو چنگیز خان کی فوج میں داخل ہوگئے اور اکثر خراسان و ایران اور دوسرے ملکوں کی سرسبز و شاداب چراگاہوں اور جنگلوں میں رہنے لگے۔ انہیں ترکان غز کا ایک قبیلہ جو خراسان میں اقامت گزیں تھا۔ ساتویں صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی جبکہ چنگیزی مغلوں کی حملہ آوری خراسان پر شروع ہوئی خراسان سے روانہ ہوکر آرمینیا کے علاقے میں چلا آیا اور یہیں پچیس سال تک آرمینیا میں مقیم رہا۔ اس قبیلہ کے سردار کا نام سلیمان خان تھا۔ سلیمان خان اور اس کے ساتھی سلجوقیوں کی طرح نہایت سچے مسلمان تھے۔ سلیمان خان کی قابلیت اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایسا سلوک ہی

نتیجہ یہ ہؤا کہ ارمینیا میں ترکانِ غز کے اَور بھی آوارہ و پریشان پھرنے والے افراد آ آ کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور اس جمعیت میں معتد بہ اضافہ ہوتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ چنگیز خان کی ترک تتاز کے سبب ملکوں کا امن و امان معرض خطر میں تھا۔ اور ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال و اموال کی حفاظت کے لئے اپنے ہی قوت بازو پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا اور ہمہ اوقات آفتوں اور مصیبتوں کے مقابلہ پر مستعد رہنا از بس ضروری تھا۔ لہٰذا سلیمان خان کے گروہ کو بھی جو ارمینیا کے پہاڑوں میں اقامت گزین تھا۔ اپنی طاقت و عصبیت کے محفوظ رکھنے کا خیال رہتا تھا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ارمینیا کے زمانۂ قیام میں جبکہ ہر طرف بربادی اور ہلاکت برپا تھی۔ سلیمان خان نے اپنی طاقت کو خوب بڑھایا اور اپنے گروہ کو بلا ضرورت نقصان پہنچنے سے بچایا۔ دولت خوارزم شاہیہ کی بربادی نے اَور بھی سلیمان خان کو اس بات کا موقع دیا کہ وہ جنگجو افراد اور جنگجوئی کے سامانوں کو اپنے گرد آزادانہ فراہم کرلے۔ ابھی چنگیز خان کے مرنے میں تین سال باقی تھے کہ اُس نے ۶۲۱ھ میں ایک زبردست فوج سلجوقیوں کی اُس سلطنت پر جس کا دارالسلطنت قونیہ تھا حملہ آوری کے لئے روانہ کی۔ قونیہ میں علاء الدین کیقباد سلجوقی فرمانروا تھا۔ اوپر کے صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ اس سلجوقی حکومت کے فرمانرواؤں یعنی سلاجقہ روم کو ہمیشہ رومیوں یعنی عیسائیوں سے برسرپیکار رہنا پڑتا تھا۔ اب امتداد زمانہ سے یہ سلطنت بہت ہی کمزور ہو چکی تھی۔ سلیمان خان کو جب یہ خبر پہنچی کہ مغلوں نے علاؤ الدین کیقباد پر حملہ کیا ہے تو اُس کو بہت ملال ہؤا کیونکہ قونیہ کا سلطان مسلمان اور مغل کافر تھے۔ قونیہ کی سلطنت عیسائیوں کے مقابلے میں ہمیشہ برسرجہاد رہتی تھی اور مغلوں نے عالم اسلام کو تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ سلیمان خان نے علاؤ الدین کیقباد کو امداد پہونچانے اور اس لڑائی میں شریک ہو کر شہادت حاصل کرنے کا بہترین موقع سمجھکر اپنے قبیلہ کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔ سلیمان خان کی اس جمعیت کی صحیح تعداد تو نہیں معلوم ہو سکی مگر سلیمان خان نے اس جمعیت کا ایک حصّہ جو اپنے بیٹے ارطغرل کو دیکر بطور ہراول آگے روانہ کیا تھا اُس کی تعداد ۴۴۴ تھی۔ دُنیا کے بڑے بڑے اور اہم واقعات میں جس طرح حیرت انگیز طور پر حسنِ اتفاق کا معائنہ ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح اس موقع پر بھی عجیب حسن اتفاق پیش آیا۔ ادھر ارمینیا کی جانب سے یہ مجاہدین کی فوج جا رہی تھی اُدھر مغلوں کی فوج علاء الدین کیقباد سلجوقی کی فوج کے مقابل پہنچ گئی تھی۔ عین اُس وقت جبکہ سلجوقی لشکر اور مغلوں کی فوج میں ہنگامۂ کارزار گرم تھا اور مغل بہت جلد علاؤ الدین کے لشکر کو مغلوب کیا چاہتے تھے۔ سلیمان خان کا بیٹا ارطغرل اپنے ہمراہی دستہ کو لئے ہوئے نمودار ہؤا۔ اُس نے دیکھا کہ دو فوجیں برسرپیکار ہیں اور ایک فوج بہت جلد مغلوب ہو کر میدان کو خالی کرنے والی ہے۔ ارطغرل کو معلوم نہ تھا کہ دونوں لڑنے والے کون کون ہیں لیکن اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ کمزور فریق کی مدد کروں چنانچہ ارطغرل اپنے ۴۴۴ ہمراہیوں کو لیکر کمزور فریق کی طرف سے زبردست فریق پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ اس شدت اور بیجگری کے ساتھ کیا گیا کہ مغلوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ میدان میں اپنی بہت سی لاشیں چھوڑ بھاگ گئے۔ علاؤ الدین کیقباد سلجوقی ذرا دیر پہلے اپنی شکست اور ہلاکت کو یقینی سمجھ رہا تھا اس غیر مترقبہ امداد اور فتح کو دیکھ کر بہت مسرور ہؤا اور میدان جنگ میں ارطغرل سے جو فرشتۂ رحمت بنکر نمودار ہؤا تھا بغلگیر ہو کر ملا ارطغرل کو بھی بیحد مسرت حاصل ہوئی کہ وہ عین وقت پر پہنچا اور جس قصد کے لئے یہ سفر اختیار کیا گیا تھا وہ بحسن و خوبی

حاصل ہوگیا۔ ابھی ارطغرل اور علاء الدین کیقباد اس مسرت و شادمانی کا لطف اُٹھا رہے تھے کہ سلیمان خان بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی میدان میں پہنچ گیا۔ علاؤالدین سلجوقی نے سلیمان خان اور اُس کے بیٹے ارطغرل کو خلعت گرانبہا عطا کیے۔ ارطغرل کو شہر انگورہ کے قریب جاگیر عطا کی اور سلیمان خان کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا۔

علاؤالدین سلجوقی کے فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے ارطغرل کو جاگیر عطا کرنے کے لئے بہترین علاقہ کا انتخاب کیا۔ قونیہ کی سلطنت پہلے بہت وسیع تھی اب صورت یہ پیدا ہوگئی تھی ایشیائے کوچک کے شمالی و مغربی علاقے پر رومیوں نے چیرہ دست ہوکر قبضہ کرلیا تھا اور وہ بتدریج اس سلجوقی سلطنت کے حدود کو محدود کرتے اور آگے بڑھتے آتے تھے دوسری طرف جنوبی و مشرقی علاقے مغلوں کی دست برد نے چھا کر لئے تھے اور وہ دمبدم آگے بڑھ رہے تھے۔ اس طرح سلطنت قونیہ دو پاٹوں کے درمیان پسی جا رہی تھی۔ اور محدود ہوتے ہوتے ایک ریاست کی شکل میں تبدیل ہوگئی تھی جس کے بہت جلد فنا ہونے کی توقع تھی۔ اس بہادر گروہ اور ان بہادر سرداروں کو دیکھ کر علاؤالدین نے سلیمان کے بیٹے کو ایسے موقع پر جاگیر دی جو رومی سلطنت کی سرحد پر واقع تھا۔ اور باپ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر مغرب کی جانب مغلوں کی روک تھام پر مامور کیا۔ چند روز کے بعد ارطغرل نے رومیوں کی ایک فوج کو شکست فاش دیکر اپنی جاگیر کو رومی علاقہ کی طرف وسیع کیا۔ اور اس حسن خدمت کے صلے میں علاؤالدین سلجوقی نے بھی اپنی طرف سے اُور علاقہ اُسی نواح میں عطا فرما کر ارطغرل کی طاقت اور علاقے کو بڑھا دیا۔ اور ارطغرل کے اس طرح طاقتور ہونے سے رومی سرحد کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ مگر چند روز کے بعد سلیمان خان جو دریائے فرات کے کنارے مع فوج سفر کر رہا تھا۔ اور مغلوں کے خارج کرنے میں مصروف تھا۔ دریائے فرات کو عبور کرتے ہوئے دریا میں غرق ہوکر راہیٔ ملک بقا ہوا۔ ارطغرل اپنے علاقے پر برابر حکمران اور دمبدم اپنی طاقت کو ترقی دینے میں مصروف رہا۔ چونکہ ارطغرل عیسائیوں کے ساتھ مسلسل مصروف جنگ اور عیسائیوں کے علاقے چھین چھین کر اپنے ملک وسیع کر رہا تھا لہٰذا اُس کا اُس نواح میں طاقتور ہونا شاہ قونیہ کے لئے بہت کچھ باعث اطمینان تھا اور وہ ارطغرل کی بڑھتی ہوئی طاقت کو بنظر اطمینان معائنہ کرتا تھا۔ ۶۳۴ھ میں علاؤالدین کیقباد کا انتقال ہوا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو قونیہ میں تخت نشین ہوا۔ غیاث الدین کیخسرو کو مغلوں نے اپنی بار بار کی حملہ آوری سے بہت تنگ کیا اور ۶۴۱ھ میں غیاث الدین کیخسرو نے مغلوں کو خراج دینا منظور کرلیا۔ سلطنت قونیہ کے اس طرح باجگذار ہونے کا ارطغرل پر کوئی اثر نہ پڑا کیونکہ وہ ایک ایسے صوبہ کا گورنر اور فرمانروا تھا جو بظاہر مغلوں کی دست برد سے محفوظ اور مامون تھا۔ مغلوں کو اس کے بعد ایشیائے کوچک کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی فرصت بھی نہ تھی ۶۵۶ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد کی خلافت عباسیہ کا چراغ گل کیا اور ۶۵۶ھ میں ارطغرل جاگیردار انگورہ کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عثمان خان رکھا گیا۔ یہی وہ عثمان خان ہے جس کے نام سے ترکوں کے بادشاہوں کو سلاطین عثمانیہ کہا گیا۔ ۶۸۷ھ میں جبکہ عثمان کی عمر تیس سال کی تھی ارطغرل نے وفات پائی اور شاہ قونیہ نے ارطغرل کا تمام علاقہ عثمان خان کے نام مسلم رکھ کر سند حکومت بھیجدی عثمان خان کی قابلیتوں سے واقف ہوکر اسی سال غیاث الدین کیخسرو بادشاہ قونیہ نے عثمان خان کو اپنی فوج کا رئیس العسکر بنا کر اپنی بیٹی کی شادی عثمان خان سے کردی۔ اب عثمان خان شہر قونیہ میں رہنے لگا

اور بہت جلد وہ وزیر اعظم اور مدار المہام سلطنت کے مرتبہ کو پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ جمعہ کے دن قونیہ کی جامع مسجد میں عثمان خان ہی بجائے غیاث الدین کیخسرو کے خطبہ بھی سنانے لگا۔

عثمان خان سنہ ۶۹۹ھ میں غیاث الدین کیخسرو مغلوں کے ایک ہنگامہ میں مقتول ہوا اس کے کوئی بیٹا نہ تھا صرف ایک لڑکی تھی جو عثمان خان کے عقد میں تھی۔ لہٰذا اراکین سلطنت نے متفقہ طور پر عثمان خان کو قونیہ کے تخت سلطنت پر بٹھا کر اپنا پادشاہ تسلیم کیا۔ اس طرح اسرائیل بن سلجوق کی اولاد نے جو سلطنت ۴۷۰ھ میں قائم کی تھی وہ ۶۹۹ھ میں ختم ہو کر اس کی جگہ سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی جو ہمارے اس زمانے تک قائم رہی۔ اسرائیل بن سلجوق وہی شخص تھا جس کو سلطان محمود غزنوی کے حکم سے سات برس تک ہندوستان کے قلعہ کالنجر میں قید رہنا پڑا تھا۔

عثمان خان کی تخت نشینی کے وقت سلطنت قونیہ کی بہت ہی کمزور حالت تھی۔ اور رومیوں نیز مغلوں کے حملوں سے اس ضعیف تر اور برائے نام سلطنت کا مٹ جانا یقینی تھا لیکن عثمان خان کے تخت نشین ہوتے ہی اس تن بیجان میں جان پڑنی شروع ہوئی جس کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ عثمان خان کے ساتھی اور اراکین سلطنت اور فوج کے سپاہی اور رعایا سب عثمان خان کے حسن سلوک سے خوش اور اس کو محبوب رکھتے تھے۔ عثمان خان میں ایک طرف دینداری اور دوسری طرف شجاعت بدرجۂ کمال موجود تھی۔ عثمان خان نے سب سے پہلے رومیوں سے شہر قرا حصار کو فتح کر کے اپنا دار السلطنت بنایا۔ اس نئی سلطنت کا نیا دار السلطنت تجویز ہونا بھی بہت ہی مبارک و میمون ثابت ہوا۔ عثمان کو اپنی تخت نشینی کے بعد ہی حاسدوں اور رقیبوں کی عداوتوں اور سازشوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ جن پر وہ انجام کار غالب آیا اور سب کو طاقت کے ذریعہ خاموش کر دیا تاہم سلجوقیوں کے پورا نے خاندان کے افراد عثمان خان کی حکومت و سلطنت کو رشک و رقابت کی نظر سے دیکھتے اور اس پر کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر عثمان خان کسی موقع پر بھی اپنی کمزوری یا خوف کا اظہار کرتا تو اُس کے رقیب، یقیناً اس کے خلاف فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے لیکن عثمان خان نے ہر موقع پر اپنے آپکو بیخوف اور نڈر ثابت کیا۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے شروع ہی میں قونیہ پر حملہ آوری کے لئے فوجیں فراہم کیں تو عثمان خان نے امرائے سلطنت کو جمع کر کے مجلس مشورت منعقد کی۔ اس موقع پر عثمان خان کا چچا یعنی ارطغرل کا بھائی بھی جو بہت بوڑھا تھا موجود تھا اُس نے اپنی رائے ظاہر کی کہ عیسائیوں کے مقابلے میں ہم کو جنگجوئی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی کے ذریعہ اس جنگ کو ٹال دینا چاہیئے۔ اگر جنگ برپا ہوئی تو اندیشہ ہے کہ مغلوں اور دوسرے ترک سرداروں کی فوجیں بھی عیسائیوں کے حملہ کو کامیاب بنانے کے لئے ہمارے ملک پر چڑھائیاں کر دیں گی اور ہم ان سب کا بیک وقت مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ عثمان خان نے اپنے چچا کی زبان سے یہ پست ہمتی پیدا کرنیوالا مشورہ سن کر فوراً بلا تامل اپنی کمان میں تیر جوڑ کر اُس بوڑھے چچا کا کام تمام کر دیا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ جنگ اور حملہ آوری کے خلاف رائے ظاہر کرے چنانچہ عثمان خان نے حملہ کیا اور عیسائیوں کو شکست فاش دیکر قرا حصار پر قابض و متصرف ہو گیا اور اس کے بعد بجائے قونیہ کے قرا حصار ہی کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ اس کے بعد عثمان خان نے پیہم عیسائی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے اور ایک کے بعد دوسرا شہر فتح کرتا اور عیسائیوں کو ایشیائے کوچک سے نکالتا گیا۔

عیسائیوں کے بادشاہ قیصر قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ عثمان خان کا سیلاب بڑھتا ہی چلا آتا ہے تو اس نے مغلوں سے خط وکتابت اور پیام سلام شروع کر کے اس بات کی کوشش شروع کی کہ مغل مشرق کی جانب سے عثمان خان پر حملہ آور ہوں۔ تاکہ وہ عیسائیوں کی طرف سے منہ موڑ کر مغلوں کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ قیصر کو ایک حد تک اپنی اس کوشش میں کامیابی بھی حاصل ہوئی مغلوں نے قیصر کے اُبھارنے سے عثمان خان کے ملک پر حملے شروع کر دیئے مگر چونکہ عثمان خان کو عیسائیوں کے مقابلے میں پیہم فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ اس لئے اس کی فوج کے دل خوب بڑھ گئے تھے اور فتوحات ہی ایسی چیز ہیں جو جنگجو قوموں میں ہمت اور جوش پیدا کر دیا کرتی ہیں چنانچہ عثمان خان نے اپنے بیٹے ارخان کو جو ہمت اور صف شکنی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا اپنی فوج کا ایک حصہ دیکر مغلوں کے حملوں کو روکنے پر مامور کیا اور خود بقیہ فوج لیکر رومیوں پر پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ حملے کرنے لگا۔ جنگجو اور سپاہی پیشہ قوموں کے لئے جنگ کے ایام عید کی خوشی لیکر آیا کرتے ہیں۔ رعایا نے بھی اپنے بہادر فرمانروا کا دل سے ساتھ دیا اور ارخان نے مغلوں کے ہر ایک حملہ کو بڑی خوبی کے ساتھ روکا اور ہر مرتبہ ان کو شکست دیکر پیچھے ہٹایا۔ یہاں تک کہ مغل تھک کر بیٹھ رہے اور اپنی حملہ آوری کے اس نا ستودہ سلسلہ کو ترک کر دیا۔ ارخان اس طرف کا انتظام کر کے باپ سے جا ملا۔ دونوں باپ بیٹوں نے عیسائیوں کو مار مار کر پیچھے ہٹانا اور بھگانا شروع کر دیا۔ عثمان خان ایشیائے کوچک کو فتح کرتا ہوا شمال میں بحر اسود کے ساحل تک پہنچ گیا ادھر ارخان نے عیسائیوں کو مغرب کی طرف بھگاتے ہوئے بروصہ کو فتح کر لیا۔ بروصہ قیصر روم کا ایک زبردست شہر ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے قریب تھا۔ اس شہر کو جب ارخان نے فتح کیا ہے تو عثمان خان ساحل بحر اسود تک پہنچکر اور احصار میں سالماً غانماً واپس آگیا تھا اور اتفاق سے بیمار تھا۔ بروصہ کی فتح کا حال سن کر عثمان خان نے فوراً بروصہ کا قصد کیا اور اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ اگر میں بروصہ پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں فوت ہو جاؤں تو تم میری لاش کو بروصہ لیجا کر دفن کرنا اور وہیں میرا مقبرہ بنانا اور آئندہ میرے بیٹے ارخان کو بروصہ ہی میں رہنا اور اسی شہر کو دارالسلطنت بنانا چاہیئے۔ چنانچہ عثمان خان بروصہ پہونچکر کئی روز کے بعد فوت ہوا اور اسی شہر میں اس کی وصیت کے موافق اس کا مقبرہ بنایا گیا۔ یہ واقعہ ۷۲۷ھ کا ہے۔ عثمان خان نے مرتے وقت اپنے بیٹے ارخان کو وصیت کی کہ مجھ کو اپنے مرنے کا کوئی غم اس لئے نہیں ہے کہ تجھ جیسا لائق بیٹا میرا جانشین ہو گا۔ تجھ کو چاہیئے کہ دینداری۔ نیکی۔ رحمدلی اور عدل کو کبھی ترک نہ کرے رعیت کی حفاظت کرنا اور احکام شرع کو رواج دینا تیرا سب سے ضروری اور مقدم کام ہونا چاہیئے۔ آخر میں اس نے بیٹے کو تاکید کی کہ بروصہ ہی کو اپنا دارالسلطنت بنایا جاوے اس وصیت سے بھی عثمان خان کی مآل اندیشی کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ قونیہ میں ایسے افراد موجود ہیں جو کسی نہ کسی وقت میرے خاندان کی بیخکنی پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ ادھر اس کو معلوم تھا کہ مغلوں کو مسلمانوں سے محض اسلام کی وجہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور وہ خود اسلام قبول کرتے جاتے ہیں۔ اگر دارالسلطنت قونیہ رہا تو خواہ مخواہ مغلوں اور دوسرے مسلمان سرداروں کے ساتھ جھگڑے برپا رہیں گے۔ اولالعزم سلطانوں کے لئے سب سے بہتر میدان عیسائی ممالک ہیں۔

لہذا بروصہ کے دارالسلطنت ہونے سے عیسائیوں کو لازماً ایشیائے کوچک کے خیال سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اور وہ دردانیال سے اس طرف آنے کی کبھی جرأت نہ کر سکیں گے نیز بروصہ کے پادشاہوں کو بآسانی یورپ پر حملہ آور ہونے اور بلقان کے فتح کرنے کا موقع ملے گا۔ عثمان کا یہ خیال بہت صحیح تھا۔ اس کے جانشینوں نے اس عثمانی اصول کو مدنظر رکھا اور اسی اصول پر کاربند رہنے کا نتیجہ تھا کہ چند روز کے بعد عثمانیوں کا دارالسلطنت ادرنہ یعنی ایڈریانوپل ہوا جس کے بعد وہ قسطنطنیہ پر قابض ہو سکے۔

عثمان خان کی نسبت مشہور ہے کہ وہ غیر معمولی بہادری رکھتا تھا۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے۔ کہ اس کے ہاتھ جبکہ وہ سیدھا کھڑا ہوتا تھا تو گھٹنوں تک پہنچ جاتے تھے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا شہسوار اور خوبصورت شخص تھا۔ اس کی قوت فیصلہ بہت زبردست تھی وہ پیچیدہ سے پیچیدہ اور اہم امور کے متعلق فوراً ایک رائے قائم کر لیتا تھا اور وہی رائے درست اور صائب ہوتی تھی۔ وہ بلا کا ذہین اور ذکی تھا۔ رحمدلی اور فیاضی کی صفات میں بھی وہ خاص طور پر بلند مرتبہ رکھتا تھا۔

قونیہ کے سلجوقی پادشاہوں کے جھنڈوں پر ہلال کی شکل بنی ہوئی ہوتی تھی۔ اس ہلال کے نشان کو عثمان خان نے بھی بدستور اپنے فوجی جھنڈوں میں قائم رکھا اور یہی ہلال کا نشان عثمانی سلاطین کا قومی نشان سمجھا گیا۔ اور آجتک وہ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ محبوب نشان ہے۔ عثمان خان ۶۹ سال اور چند مہینے کی عمر میں ۲۷ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ اس کے زہد و اتقا کا اندازہ شاید اس طرح ہو سکے کہ مرتے وقت عثمان خان کی ذاتی ملکیت میں زرہ۔ تلوار اور پٹکے کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہی وہ تلوار ہے جو ہر عثمانی سلطان کی تخت نشینی کے وقت اس کی کمر سے باندھی جاتی رہی ہے۔ اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ عثمان خان نے جب قونیہ کو ترک کیا تو پرانے سلجوقی خاندان کے افراد کو قونیہ کا عامل اور حکمران مقرر کر کے ان مراسم و اعزازات کو ان کے لئے جائز قرار دیدیا تھا جو سلجوقی سلاطین کے لئے مخص تھے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ قونیہ میں عثمان خان نے ایک ماتحت ریاست قائم کر دی تھی جو پرانے سلاجقہ روم کے خاندان میں سلطنت عثمانیہ کی ماتحت عرصہ تک قائم رہی۔ اس طرز عمل سے بھی عثمان خان کی شرافت اور پاک باطنی و مآل اندیشی کا ایک ثبوت بہم پہنچتا ہے

رُومی سلطنت

عثمان خان کے بعد اس کا بیٹا ارخان تخت نشین ہوا جو دوسرا عثمانی سلطان ہے۔ ارخان کا تذکرہ لکھنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومی سلطنت کا مجمل تذکرہ کر دیا جائے تاکہ ان حالات اور ان فتوحات کے سمجھنے میں آسانی ہو جو ارخان کے عہد حکومت میں وقوع پذیر ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پونے چھ سو سال پیشتر ملک اطالیہ کے اندر سلویا نامی ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے دو توام لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام روموس اور دوسرے کا نام ریموس رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں بچے مریخ دیوتا کے نطفہ سے پیدا ہوئے تھے۔ سلویا نامی کنواری لڑکی وستا دیوی کے مندر کی پجارن تھی۔ جہاں مریخ دیوتا نے آکر اس کو حاملہ کیا تھا۔ روموس اور ریموس کو پیدا ہونے کے بعد کسی کشتی یا ٹوکری میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا گیا تھا۔ پانی کی موجوں نے

اُن کو جنگل یا پہاڑ کے دامن میں ساحل پر ڈالدیا وہاں ایک مادہ گرگ نے آکر اُن کو دودھ پلایا اور اُن کی حفاظت کرنے لگی اس طرح بھیڑیئے کا دودھ پی پی کران دونوں بچوں نے پرورش پائی۔ اتفاقاً پادشاہ کا ایک گڈریا اُس طرف کو نکلا اور اس نے ان دونوں بچوں کو دیکھ اُٹھالیا اور اپنے پادشاہ کے سامنے لایا پادشاہ بیگم نے ان کو محبت کے ساتھ لیکر پرورش کیا۔ بڑے ہوکران دونوں بھائیوں نے ایک شہر کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر روم یا روما کے نام موسوم ہوا اور ان کی اولاد میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی جو دنیا کی عظیم و مہیب سلطنتوں میں شمار ہوتی ہے۔ شہر روما آجکل بھی ملک اٹلی کا دارالسلطنت ہے مگر رومولس اور ریموس کی قائم کی ہوئی رومن سلطنت کا اب نام ونشان باقی نہیں رہا۔ یہ سلطنت جب اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تو اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک کو مشرقی روم اور دوسری کو مغربی روم کہتے تھے۔ مغربی روم کا دارالسلطنت تو شہر روما ہی رہا اور مشرقی روم کا دارالسلطنت قسطنطنیہ قرار پایا مغربی روم پر شمالی یورپ اور روس کی وحشی قوموں نے بار بار حملے کر کے اُس کو بیحد کمزور و ناتوان بنادیا اور بالآخر مغربی روم کی سلطنت محدود ہوکر دو حصوں میں منقسم ہوگئی جنیوا اور وینس میں الگ الگ سلطنتیں قائم ہوئیں اور پھر وہ بھی مختلف صورتوں میں تبدیل ہوکر معدوم ہوئیں اور اُن کی جگہ نئی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ مگر مشرقی روم پر شمالی حملہ آوروں کی آفتیں بہت ہی کم نازل ہوئیں اور اس کو یورپی وحشیوں کے ہاتھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ قسطنطنیہ کے پادشاہ کا شہر روما پر بھی عمل دخل ہوگیا تھا۔ عرب اور ایران والے مغربی روم سے تو ناواقف تھے جس کے نام پر سلطنت روم موسوم تھی وہ مشرقی روم یعنی قسطنطنیہ کی سلطنت کو ہی روم کی سلطنت کہتے اور اسی لئے قسطنطنیہ کے باشندوں کو رومی کہنے لگے تھے۔ جب مشرقی روم یعنی قسطنطنیہ کے فرمانرواؤں نے عیسائی مذہب قبول کر کے اُس کی اشاعت شروع کی تو یورپ کی تمام وہ قومیں جو عیسائی مذہب قبول کرتی تھیں قسطنطنیہ کے پادشاہ کو عزت و عظمت کی نظر سے دیکھتی تھیں یہاں تک کہ قریباً تمام یورپ عیسائی مذہب میں داخل ہوگیا اور اسی لئے قیصر روم کو یورپ میں خصوصی وقار حاصل ہوا۔ جب قسطنطنیہ کا دربار عیسائی ہوگیا اور اُس کے مقبوضہ ممالک میں عیسوی مذہب پھیل گیا تو عرب و ایران کے لوگ ہر ایک عیسائی کو رومی کے نام سے یاد کرنے لگے۔ قسطنطنیہ کے قیصر کی سلطنت چونکہ یونان کی شہنشاہی کے کھنڈروں پر تعمیر ہوئی تھی اور قیصر روم سکندر یونانی کے مقبوضہ ممالک کا مالک تھا لہٰذا قسطنطنیہ کی سلطنت کو یونانی سلطنت بھی کہا جاتا تھا۔ اسی لئے مورخین نے رومی اور یونانی دونوں الفاظ مترادف اور ہم معنی سمجھ کر استعمال کئے ہیں۔ قیصر قسطنطنیہ کی سلطنت میں چونکہ ایشیائے کوچک اور شام کا ملک بھی شامل تھا۔ اس لئے اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایشیائے کوچک کو روم کا ملک کہا جاتا تھا۔ ملک شام سے تو عیسائی حکومت بہت جلد اُٹھادی گئی تھی مگر ایشیائے کوچک میں قیصر روم کی حکومت عہد اسلامیہ میں بھی عرصہ دراز تک قائم رہی اس لئے ایشیائے کوچک کو عام طور پر ملک روم کہا جانے لگا۔ جب سلجوقیوں کی ایک سلطنت ایشیائے کوچک کے ایک حصہ میں قائم ہوئی تو اُس کو ملک روم کی سلجوقی سلطنت کہا گیا اور اس سلطنت کے سلاطین سلاجقۂ روم کے نام سے پکارے گئے ان سلاجقۂ روم کے بعد عثمان خان اول نے اپنی سلطنت ایشیائے کوچک میں قائم کی اور قریباً تمام ایشیائے کوچک پر قابض ہوگیا تو وہ بھی سلطان روم کہلایا پھر اُس کے بعد سے آجتک عثمانی سلاطین

سلطان روم ہی کہلاتے چلے جاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کے قیصر نے جب عیسوی مذہب قبول کیا تو اس عیسوی سلطنت اور ایران کی مجوسی سلطنت میں بار بار لڑائیاں ہوئیں ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ملک عرب میں اسلامی سلطنت نے قائم ہو کر مجوسیوں اور عیسائیوں دونوں کو مبہوت کر دیا۔ مجوسی سلطنت تو پاش پاش ہو کر معدوم ہو گئی لیکن قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت عرصہ دراز تک قائم رہی۔ ہم جس زمانے کی تاریخ بیان کر رہے ہیں اس زمانے میں بھی یہ عیسائی سلطنت موجود ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد سعادت مہد میں شام و فلسطین و مصر سے قیصر روم کی عیسائی حکومت بالکل مٹا دی گئی تھی۔ اس کے بعد خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس کے زمانے میں قیصر روم کے ساتھ برابر لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جس کا مختصر طور پر خلفا کے حالات میں کہیں کہیں ذکر آتا رہا ہے۔ ایشیائے کوچک کا ایک ملک قریباً سات سو سال سے برابر مسلمانوں اور عیسائیوں کا میدان جنگ بنا ہوا تھا کبھی زمانے میں مسلمان عیسائیوں کو دھکیلتے ہوئے دردانیال اور بحیرۂ مارمورا تک لیجاتے تھے اور کبھی عیسائی مسلمانوں کو ریلتے ہوئے ایران و کردستان تک چلے آتے تھے۔ عیسائیوں کی اس سلطنت کو قدرتی طور پر مسلمانوں کے مقابلہ میں دیر تک زندہ رہنے کا اس لئے موقع مل گیا کہ آپس کی نااتفاقیوں اور خانہ جنگیوں سے مسلمانوں کو ایسا موقع میسر ہی نہ آیا کہ وہ اس عیسائی رومی سلطنت کا قصہ پاک کرتے۔ اس رہے ہوئے کام کو ترکان عثمانی نے پورا کیا اور اسی لئے وہ عالم اسلام کے محبوب و مقتدا سمجھے گئے۔ ہم جس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ یورپ کے صلیبی سیلاب شام و فلسطین کے میدانوں میں بار بار موجزن ہو چکے ہیں عیسائیوں کے مجاہدین مسلمانوں کے مقابلے شکست پا پا کر اور مسلمانوں کی علمی و اخلاقی ترقیات سے متاثر ہو ہو کر یورپ میں واپس جا کر اور یورپ کے تمام ملکوں میں پھیل کر عیسائی ممالک کو بیدار اور ترقی کی طرف مائل و متوجہ کر چکے ہیں۔ اس زمانہ کی نسبت عیسائیوں کا یہ کہنا کہ رومی سلطنت بہت ہی غافل اور کمزور تھی سراسر غلط ہے عیسائیوں میں مسلمانوں کی مخالفت کے لئے اتفاق اور جوش بدرجۂ اتم پیدا ہو چکا تھا۔ قسطنطنیہ کا دربار سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ قسطنطنیہ کی سلطنت نسبتاً سب سے زیادہ طاقتور اور فنون جنگ سے واقف اور مقابلہ کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس سے پہلے زمانے میں یورپ کی دوسری سلطنتیں قسطنطنیہ کی سلطنت سے رقابت بھی رکھتی تھیں۔ لیکن صلیبی لڑائیوں کے بعد تمام یورپ کی ہمدردی قسطنطنیہ کے قیصر سے متعلق تھی۔ قیصر قسطنطنیہ کے تعلقات صرف یورپ کے سلاطین تک محدود نہ تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے ہر ایک دشمن کو اپنا دوست سمجھ کر اس سے محبت و مودت کے تعلقات رکھتا تھا۔ چنگیز خاں اور اس کی اولاد کو فاتح اور نامسلمان دیکھ کر قیصر قسطنطنیہ کے سفیر مغلوں کے دربار میں قراقورم اور چین تک پہونچے ہوئے تھے اور ابھی آگے چل کر معلوم ہوگا کہ قسطنطنیہ کے فرمانرا کو اس میں بھی تامل نہ تھا کہ وہ اپنے مدمقابل اور حریف کو اپنی بیٹی دے کر اپنا موافق بنانے کی کوشش کرے اور اس کے خطرہ سے محفوظ ہو جائے اور اپنا کام نکال لے۔ مسلمانوں کی جمعیت میں پھوٹ ڈال کر ان کو کمزور و برباد کر دینے کی حکمت عملی کچھ ہمارے موجودہ زمانہ کے عیسائیوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس حکمت عملی پر قیصر قسطنطنیہ نے بارہا عمل کیا ہے اور وہ ہر زمانے میں نہایت چوکس

او رستعد نظر آیا ہے۔ مگر مسلمان اگر آپس کی خانہ جنگی کو چھوڑ دیں اور متفق و متحد ہو کر دشمنانِ اسلام کے مقابلے پر مستعد ہو جائیں تو دُنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کے مقابلے پر قایم نہیں رہ سکتی اور اُس کو لازماً مغلوب و محکوم ہی ہونا پڑے گا۔ عثمان خان اور اُسکی اولاد نے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا اسی لئے اُنھوں خانہ جنگی اور اپنے مسلمان رقیبوں کے مقابلے سے اپنا پہلو ہمیشہ بچایا اور اپنے آپ کو حتی المقدور عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مستعد رکھا چنانچہ وہ اُس عظیم الشان کام کو انجام دے سکے جو اُن کے متقدمین سے انجام پذیر نہ ہو سکا۔ اب ہم کو عثمان خان کے بیٹے ارخان کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

ارُخان عثمان خان کا بڑا بیٹا علاؤ الدین تھا اور چھوٹا ارخان تھا۔ علاؤ الدین اگرچہ علم و فضل۔ عقل و بصیرت اور ہمت و استقلال میں بے نظیر تھا۔ مگر ارخان کے فوجی اور جنگی کارنامے سب سے بڑی سفارش اس امر کی ہوئے کہ عثمان خان نے ارخان کو اپنا جانشین تجویز کیا۔ عثمان خان کی وفات کے بعد قوی احتمال ہو سکتا تھا۔ کہ دونوں بھائی تخت و تاج کے لئے آپس میں لڑینگے مگر بڑے بھائی علاؤ الدین نے جو ہر طرح سلطنت کی قابلیت رکھتا تھا اپنے بڑے ہونے کے حق فائق کو باپ کی وصیت کے مقابلے میں بالکل ہیچ سمجھا اور نہایت خوشی کے ساتھ بھائی کو تاج و تخت کی مبارکباد دیکر اُس کے ہاتھ پر اطاعت کی بیعت کی اور اپنے لئے صرف اسی قدر کافی سمجھا کہ بروصہ کے متصل اُسکو صرف ایک گاؤں گزارہ کے لئے بطور جاگیر دیدیا جائے۔ ارخان بھی اپنے بھائی کی قابلیت اور پاک باطنی سے واقف تھا اُس نے بمنت عرض کیا اور اراکین سلطنت کو سفارشی بنایا کہ وزارت قبول فرمالیجئے۔ علاؤ الدین کے لئے اپنے چھوٹے بھائی کا وزیر بننا موجب عزت نہ تھا۔ لیکن اُس نے بھائی کے اصرار پر اس عہدے کو قبول کر لیا اور اس خوبی اور نیک نیتی کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دیا کہ دنیا کے پاک باطن اور عالی دماغ وزیروں کی فہرست میں اُس کا نام اگر سب سے پہلے لکھا جائے تو کچھ بیجا نہیں ہے۔

سلطان ارخان نے تخت نشین ہوتے ہی ایک سال کے اندر تمام ایشیائے کوچک فتح کر کے دروانیال کے ساحل تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا اور ایشیائے کوچک کو تمام عیسائی حکومت سے پاک کر کے اپنے بھائی علاؤ الدین کے مشورے سے اپنی مملکت میں ایسے آئین و قوانین جاری کئے جس سے سلطنت کو استحکام حاصل ہوا۔ اس وقت تک یہ دستور تھا کہ بہادر و جنگجو سرداروں کو ملک کے چھوٹے چھوٹے قطعات بطور جاگیر دیدیئے جاتے تھے۔ ان جاگیروں کا سرکاری محصول یا لگان یہی تھا کہ ضرورت کے وقت بادشاہ کے طلب کرنے مقررہ تعداد کی فوج لیکر بادشاہ کے ساتھ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیں اور جنگ کے ختم ہونے پر یہ فوج منتشر ہو کر اپنے اپنے مسکن کی طرف چلی جائے۔ جو لوگ ایک وقت میں کاشتکار یا چرواہا ہوتے تھے۔ دوسرے وقت میں مسلح سپاہی کی حیثیت سے دادِ شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے اور جو سردار ایک وقت میں زمیندار یا جاگیردار ہوتے تھے۔ دوسرے وقت میں وہی سپہ سالار نظر آتے تھے۔ ایشیائے کوچک میں پہلے ہی سے مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد تھی اور ان میں ترک خاندانوں کا زیادہ حصہ شامل تھا کیونکہ معتصم باللہ عباسی کے زمانے سے ایشیائے کوچک کے اندر سرحدی شہروں میں ترکوں کے آباد کرنے کا سلسلہ جاری

دو دیا گیا تھا۔ سلجوقیوں کے عہد حکومت میں بہت سے قبائل ترکستان سے آ کر ایشیائے کوچک میں آباد ہوئے تھے۔ سلاجقہ روم کی حکومت نے بھی بہت سے اپنے ہموطنوں یعنی ترکوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ ترکان غز کی ترک تاز اور مغلوں کے حملوں نے بھی خراسان۔ ایران اور عراق کی طرف سے ترکوں کو اس طرف ریل دیا تھا۔ اس طرح ایشیائے کوچک کا تمام مشرقی حصہ جو اکثر مسلمانوں کے قبضے میں رہا تھا ترک قبائل سے پُر تھا۔ صرف شمالی و مغربی ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کی کثرت تھی اب جبکہ شمالی و مغربی حصہ بھی عیسائی حکومت سے پاک ہو گیا تو تمام ایشیائے کوچک میں ترکان عثمانی کے ہوا خواہ اور اُن کے ہمراہی مذکورہ جاگیرداریوں کے ذریعہ پھیل گئے اور عثمانی ترکوں نے ایسے وقت میں ایشیائے کوچک پر کامل تسلط پایا جبکہ اس ملک میں اُن کے لئے بیحد موزونیت اور صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ لڑائیوں میں بہت سے عیسائی قید ہو کر آئے تھے اور بہت سے عیسائی رعایا بن کر ذمیوں کی حیثیت سے ایشیائے کوچک میں زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ وزیر اعظم علاؤ الدین نے بھائی کو سمجھایا کہ بڑے بڑے جاگیردار جو بڑی بڑی فوج کے مالک ہوتے ہیں سلطنت کے لئے موجب خطر بھی بن جایا کرتے ہیں اور ہماری مملکت کے جاگیردار عیسائی رعایا۔ عیسائی ہمسایہ سلطنت کی ریشہ دوانیوں کے شکار بن کر ہماری مخالفت پر آمادہ ہو جانے کی استعداد اور بھی زیادہ رکھتے ہیں اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی قیدیوں اور عیسائی رعایا میں سے نوجوان اور نوعمر لڑکوں کو لیکر سلطنت خود اُن کی پرورش اور تربیت کی ذمہ دار بنے اور اس طرح اُن کو اسلامی تعلیم دیکر اور مسلمان بنا کر اُن کی ایک فوج بنائی جائے۔ یہ فوج خاص شاہی فوج سمجھی جائے۔ ان لوگوں سے بغاوت کی مطلق توقع نہ ہوگی اور ان نومسلم نوجوانوں کے عزیز و اقارب بھی یقیناً سلطنت کی مخالفت پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے بلکہ اُن کو مسلمان ہونے کی بہترین ترغیب ہو سکے گی چنانچہ جب اس پر عملدرآمد شروع ہوا اور کئی ہزار عیسائی لڑکے لیکر اُن کی تعلیم شروع کی گئی تو ان لڑکوں کی عزت و عظمت اور شان و شوکت دیکھ کر کیونکہ وہ سلطان عثمانی کے بیٹے سمجھے جاتے تھے عیسائیوں نے خود کوشش کر کے اپنے نوعمر لڑکوں کو داخل کرنا شروع کر دیا۔ ابتداءً جب قریباً دو ہزار نوجوان تعلیم و تربیت پا کر فوجی تعلیم سے فارغ ہو کر سلطان کے باڈی گارڈ قرار دیئے گئے تو سلطان اُن کو لیکر ایک بزرگ صوفی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے دعا چاہی اُس باخدا بزرگ نے ایک جوان کے شانہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس فوج کے لئے دعائیہ کلمات کہے جو کامیابی کے لئے ایک نیک فال سمجھی گئی۔ یہ سب کے سب نہایت سچے پکے مسلمان اور سب سے زیادہ اسلحہ جنگ سے آراستہ اور شاہی فرزند قرار دیئے گئے تھے۔ اسی فوج کا نام ینگ چری فوج مشہور ہے۔ ان لوگوں کو اپنے عزیز و ں رشتہ داروں سے کوئی تعلق نہیں رہتا تھا اور وہ سب کے سب اسلام کے سچے پکے خادم ہوتے تھے۔ اس طرح ہر سال ایک ہزار عیسائی بچے قیدیوں اور ذمیوں میں سے انتخاب کر کے داخل کئے جاتے اور تعلیم و تربیت کے بعد شاہی باڈی گارڈ میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس عجیب و غریب قسم کی فوج نے سرداروں اور جاگیرداروں کی بغاوت کے خطرہ کو سلاطین ترکی کے لئے بالکل مٹا دیا تھا۔ دوسری طرف وزیر اعظم علاؤ الدین نے ملک میں جابجا مدارس جاری کئے۔ عیسائیوں کو قریباً وہی حقوق عطا کئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ تجارت کے لئے سہولتیں بہم پہونچائیں گرجوں کے لئے معافیاں اور جاگیریں عطا کیں۔ رعایا کے آرام اور سہولت کو ہر حال میں مقدم رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی لوگ بخوشی خاطر اسلام میں داخل

ہونے لگے کیونکہ اُن کو اطمینان کے ساتھ اسلام کے مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ آجکل لوگ ینگچری فوج کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ عیسائیوں پر ایک ظالمانہ ٹیکس تھا کہ اُن کے بچوں کو اُن سے زبردستی چھین کر مسلمان بنایا اور پھر عیسائیوں ہی کے مقابلہ پر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ینگچری فوج جس شان و شوکت کے ساتھ رہتی اور جس طرح سلطان کی منظور نظر تھی اُس کو دیکھ دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کو خود خواہش پیدا ہوتی تھی کہ ہم اپنے بیٹے کو سلطانی تربیت گاہ میں داخل کر دیں کیونکہ اُن کو داخل ہونے کے بعد راحت و عزت کے سوا کسی خطرہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا وہ جانتے تھے کہ نیک چری فوج میں داخل ہونے کے بعد ہمارے بچوں کو کسی قسم کا کوئی آزار نہیں پہنچایا جا سکتا اور ان کی طرف کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ سالانہ بھرتی کے موقع پر بلا جبر و اکراہ یہ تعداد پوری ہوجاتی تھی اور بعض امیدواروں کو واپس کرنا پڑتا تھا۔

یہ نیک چری فوج ایک جدید فوج تھی اس کے علاوہ وہ قدیمی دستور بدستور موجود تھا۔ اُس فوج میں بھی علاؤ الدین وزیر نے بہت اصلاحیں کیں۔ فوج کی وردیاں مقرر کیں اُن کو تعداد کے اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے پابند آئین بنایا۔ صدی۔ پانصدی۔ ہزار وغیرہ سردار مقرر کئے۔ پیادہ اور سواروں کی الگ الگ فوجیں بنائیں۔ ان کے علاوہ رضاکاروں کے لئے بھی قانون بنایا۔ اسی طرح مالی کے محکمے میں اصلاحیں کیں فوجداری اور فصل خصومات کی کچہریاں شہروں اور قصبوں میں قائم کیں۔ پولس اور میونسپلٹی کے محکموں کی طرف بھی اُس کی خصوصی توجہ مبذول تھی ملک کے ایسے قبیلوں کو جو آوارہ گردی و قزاقی کے شوقین تھے۔ وزیر علاؤ الدین نے ایسے کام پر لگا دیا جو اُن کے لئے بہت ہی دل پسند کام تھا یعنی اُس نے اُن میں بھی ایک نظام پیدا کر کے اُن کی فوجیں اور پلٹنیں بنا دیں جن کا کام یہ تھا۔ کہ جس ملک پر سلطنت عثمانی کی فوجیں حملہ آور ہوں یہ پلٹنیں میدان جنگ کے اطراف اور دشمن کے ملک میں پھیل کر غارتگری کا سلسلہ جاری کر کے حریف کو مرعوب و خوف زدہ بنائیں۔

وزیر اعظم علاؤ الدین نے محکمہ تعمیرات کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول فرمائی جابجا شہروں قصبوں اور قریوں میں مسجدیں۔ سرائیں۔ مدرسے اور شفا خانے تیار کرائے۔ بڑے بڑے شہروں میں عالیشان شاہی محلات۔ دریاؤں پر پل اور سڑکوں پر حفاظتی چوکیاں بنوائیں۔ نئی سڑکیں نکلوائیں تاکہ تجارت اور فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانی ہو۔ غرضکہ ایشیائے کوچک کی آبادی و سرسبزی اور سلطنت عثمانیہ کے قیام و استحکام کے لئے ہر ایک ممکن تدبیر کو کام میں لایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آجتک یہ ملک ترکوں کا جائے پناہ بنا ہوا ہے۔ اور چھ سو سال گذرنے کے بعد بھی اس ملک کی حالت یہ ہے کہ وہاں سے اسلام اور ترکوں کو نکال دینے کی جرأت کسی قوم اور کسی سلطنت میں نظر نہیں آتی۔

ارخان کی سلطنت کے تذکرہ میں اس وزیر باتدبیر کے کارناموں کا خصوصی تذکرہ نہ کرنا ایک ظلم تھا اور چونکہ وہ ارخان کا بڑا بھائی تھا اس لئے پہلے اُسی کے کارناموں کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا۔ اب ارخان کی سلطنت کے واقعات سنو کہ اُس کی تخت نشینی کے وقت اینڈرونیکوس ثانی قیصر قسطنطنیہ تھا وہ اپنے تمام ایشیائی مقبوضات کھو کر ایشیائے کوچک سے بالکل بیدخل

کر دیا گیا تھا۔ سلجوقیوں کے عہد حکومت میں بہت سے قبائل ترکستان سے آ آکر ایشیائے کوچک میں
آباد ہوئے تھے۔ سلاجقہ روم کی حکومت نے بھی بہت سے اپنے ہم وطنوں یعنی ترکوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔
ترکان غز کی ترک تاز اور مغلوں کے حملوں نے بھی خراسان۔ ایران اور عراق کی طرف سے ترکوں کو اس طرف
ریل دیا تھا۔ اس طرح ایشیائے کوچک کا تمام مشرقی حصہ جو اکثر مسلمانوں کے قبضے میں رہا تھا ترک قبائل سے
پُر تھا۔ صرف شمالی و مغربی ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کی کثرت تھی اب جبکہ شمالی و مغربی حصہ بھی
عیسائی حکومت سے پاک ہو گیا تو تمام ایشیائے کوچک میں ترکان عثمانی کے ہوا خواہ اور اُن کے ہمراہی
مذکورہ جاگیرداریوں کے ذریعہ پھیل گئے اور عثمانی ترکوں نے ایسے وقت میں ایشیائے کوچک پر کامل
تسلط پایا جبکہ اس ملک میں اُن کے لئے بیحد موزونیت اور صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ لڑائیوں میں بہت
سے عیسائی قید ہو کر آئے تھے اور بہت سے عیسائی رعایا بن کر ذمیوں کی حیثیت سے ایشیائے کوچک
میں زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ وزیر اعظم علاؤ الدین نے بھائی کو سمجھایا کہ بڑے بڑے جاگیردار جو بڑی بڑی
فوج کے مالک ہوتے ہیں سلطنت کے لئے موجب خطر بھی بن جایا کرتے ہیں اور ہماری مملکت کے
جاگیردار عیسائی رعایا۔ عیسائی ہمسایہ سلطنت کی ریشہ دوانیوں کے شکار بن کر ہماری مخالفت پر آمادہ
ہو جانے کی استعداد اور بھی زیادہ رکھتے ہیں اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی قیدیوں
اور عیسائی رعایا میں سے نوجوان اور نو عمر لڑکوں کو لیکر سلطنت خود اُن کی پرورش اور تربیت کی ذمہ دار
بنے اور اس طرح اُن کو اسلامی تعلیم دیکر اور مسلمان بنا کر اُن کی ایک فوج بنائی جائے۔ یہ فوج خاص شاہی
فوج سمجھی جائے۔ ان لوگوں سے بغاوت کی مطلق توقع نہ ہو گی اور ان نو مسلم نوجوانوں کے عزیز و اقارب
بھی یقیناً سلطنت کی مخالفت پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گے بلکہ اُن کو مسلمان ہونے کی بہترین ترغیب ہو سکے گی
چنانچہ جب اس پر عملدرآمد شروع ہوا اور کئی ہزار عیسائی لڑکے لیکر اُن کی تعلیم شروع کی گئی تو ان
لڑکوں کی عزت و عظمت اور شان و شوکت دیکھ کر کیونکہ وہ سلطان عثمان کے بیٹے سمجھے جاتے تھے عیسائیوں
نے خود کوششیں کر کے اپنے نو عمر لڑکوں کو داخل کرنا شروع کر دیا۔ ابتداءً جب قریباً دو ہزار نوجوان
تعلیم و تربیت پا کر فوجی تعلیم سے فارغ ہو کر سلطان کے باڈی گارڈ قرار دیئے گئے تو سلطان اُن کو
لیکر ایک بزرگ صوفی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے دعا چاہی اُس باخدا بزرگ نے ایک جوان کے
شانہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس فوج کے لئے دعائیہ کلمات کہے جو کامیابی کے لئے ایک نیک فال سمجھی گئی۔
یہ سب کے سب نہایت سچے پکے مسلمان اور سب سے زیادہ اسلحہ جنگ سے آراستہ اور شاہی فرزند
قرار دیئے گئے تھے۔ اسی فوج کا نام ینگ چری فوج مشہور ہے۔ ان لوگوں کو اپنے عزیز و ں رشتہ دارو ں
سے کوئی تعلق نہیں رہتا تھا اور وہ سب کے سب اسلام کے سچے پکے خادم ہوتے تھے۔ اس طرح ہر سال
ایک ہزار عیسائی بچے قیدیوں اور ذمیوں میں سے انتخاب کر کے داخل کئے جاتے اور تعلیم و تربیت کے
بعد شاہی باڈی گارڈ میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس عجیب و غریب قسم کی فوج نے سرداروں اور جاگیرداروں
کی بغاوت کے خطرہ کو سلاطین ترکی کے لئے بالکل مٹا دیا تھا۔ دوسری طرف وزیر اعظم علاؤ الدین نے
ملک میں جا بجا مدارس جاری کئے۔ عیسائیوں کو قریباً وہی حقوق عطا کئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔
تجارت کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں گرجوں کے لئے معافیاں اور جاگیریں عطا کیں۔ رعایا کے آرام
اور سہولت کو ہر حال میں مقدم رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی لوگ بخوشی خاطر اسلام میں داخل

ہونے لگے کیونکہ اُن کو اطمینان کے ساتھ اسلام کے مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ آجکل لوگ ینگچری فوج کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ عیسائیوں پر ایک ظالمانہ ٹیکس تھا کہ اُن کے بچوں کو اُن سے زبردستی چھین کر مسلمان بنایا اور پھر عیسائیوں ہی کے مقابلہ پر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ینگچری فوج جس شان و شوکت کے ساتھ رہتی اور جس طرح سلطان کی منظور نظر تھی اُس کو دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کو خود خواہش پیدا ہوتی تھی کہ ہم اپنے بیٹے کو سلطانی تربیت گاہ میں داخل کر دیں کیونکہ اُن کو داخل ہونے کے بعد راحت و عزت کے سوا کسی خطرہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا وہ جانتے تھے کہ نیک چری فوج میں داخل ہونے کے بعد ہمارے بچوں کو کسی قسم کا کوئی آزار نہیں پہنچایا جا سکتا اور ان کی طرف کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ سالانہ بھرتی کے موقع پر بلا جبر و اکراہ یہ تعداد پوری ہو جاتی تھی اور بعض امیدواروں کو واپس کرنا پڑتا تھا۔

یہ نیک چری فوج ایک جدید فوج تھی اس کے علاوہ وہ قایمی دستور بدستور موجود تھا۔ اُس فوج میں بھی علاؤ الدین وزیر نے بہت اصلاحیں کیں۔ فوج کی وردیاں مقرر کیں اُن کو تعداد کے اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے پابند آئین بنایا۔ صدی۔ پانصدی۔ ہزار و غیرہ سردار مقرر کئے۔ پیادہ اور سواروں کی الگ الگ فوجیں بنائیں۔ ان کے علاوہ رضاکاروں کے لئے بھی قانون بنایا۔ اسی طرح مال کے محکمے میں اصلاحیں کیں فوجداری اور فصل خصومات کی کچہریاں شہروں اور قصبوں میں قائم کیں۔ پولس اور میونسپلٹی کے محکموں کی طرف بھی اُس کی خصوصی توجہ مبذول تھی ملک کے ایسے قبیلوں کو جو آوارہ گردی و قزاقی کے شوقین تھے۔ وزیر علاؤ الدین نے ایسے کام پر لگا دیا جو اُن کے لئے بہت ہی دل پسند کام تھا یعنی اُس نے اُن میں بھی ایک نظام پیدا کر کے اُن کی فوجیں اور پلٹنیں بنا دیں جن کا کام یہ تھا۔ کہ جس ملک پر سلطنت عثمانی کی فوجیں حملہ آور ہوں یہ پلٹنیں میدان جنگ کے اطراف اور دشمن کے ملک میں پھیل کر غارتگری کا سلسلہ جاری کر کے حریف کو مرعوب و خوف زدہ بنائیں۔

وزیر اعظم علاؤ الدین نے محکمہ تعمیرات کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول فرمائی جا بجا شہروں قصبوں اور قریوں میں مسجدیں۔ سرائیں۔ مدرسے اور شفا خانے تیار کرائے۔ بڑے بڑے شہروں میں عالیشان شاہی محلات۔ دریاؤں پر پُل اور سڑکوں پر حفاظتی چوکیاں بنوائیں۔ نئی سڑکیں نکلوائیں تاکہ تجارت اور فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانی ہو۔ غرضکہ ایشیائے کوچک کی آبادی و سرسبزی اور سلطنت عثمانیہ کے قیام و استحکام کے لئے ہر ایک ممکن تدبیر کو کام میں لایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آجتک یہ ملک ترکوں کا جائے پناہ بنا ہوا ہے۔ اور چھ سو سال گذرنے کے بعد بھی اس ملک کی حالت یہ ہے کہ وہاں سے اسلام اور ترکوں کو نکال دینے کی جرأت کسی قوم اور کسی سلطنت میں نظر نہیں آتی۔

ارخان کی سلطنت کے تذکرہ میں اس وزیر با تدبیر کے کارناموں کا خصوصی تذکرہ نہ کرنا ایک ظلم تھا اور چونکہ وہ ارخان کا بڑا بھائی تھا اس لئے پہلے اُسی کے کارناموں کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا۔ اب ارخان کی سلطنت کے واقعات سنو کہ اُس کی تخت نشینی کے وقت اینڈرونیکوس ثانی قیصر قسطنطنیہ تھا وہ اپنے تمام ایشیائی مقبوضات چھنوا کر ایشیائے کوچک سے بالکل ناامید ہو

ہوگیا اور اُس کو اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ترک سمندر کو عبور کر کے یورپی ساحل پر نہ اُتر آئیں۔ مگر ارخان نے یورپ کی سرزمین پر قدم رکھنے سے زیادہ ضروری اس کام کو سمجھا کہ اپنے بھائی علاؤالدین کی اصلاحوں اور ایجادوں کو ایشیائے کوچک میں اچھی طرح جاری اور رائج کر کے فائدہ اُٹھائے اور اپنے مقبوضہ ملک میں خوب مضبوط ہو جائے چنانچہ اس نے قریباً بیس سال تک اپنی تمام تر ہمت اصلاح ملک اور ملکداری کے کاموں میں صرف کی۔ اگر باقی ترک سلاطین بھی ارخان اور اس کے بھائی علاؤالدین کی طرح نو مفتوحہ ملکوں کو اسی طرح درست بنانا ضروری سمجھتے تو جس طرح ایشیائے کوچک آج تک ترکوں کا مامن و امید گاہ بنا ہوا ہے۔ مصر۔ بلقان۔ حجاز طرابلس وغیرہ بھی اُن کے مامن و امید گاہ ہوتے۔ قیصر قسطنطنیہ کے پوتے اور شہزادہ کنٹا کوزینس نے قیصر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا یہ ۷۳۹ھ کا واقعہ ہے۔ عیسائیوں کی اس خانہ جنگی میں قدرتی طور پر عثمانیوں کے لئے ایک کامیابی کی صورت پیدا ہوئی صوبہ ایدن کے ترکی گورنر شہزادہ عمر بے سے باغیوں نے امداد طلب کی اُس نے ۳۸۰ جہازوں کا بیڑہ اور ۲۸ ہزار فوج لیکر سمندر کو عبور کیا اور یورپ میں داخل ہو کر شہر ڈیموٹکا پر سے محاصرہ اُٹھا دیا اس کے بعد دو ہزار چیدہ سوار لیکر سرویا میں یلغار کرتا ہوا داخل ہوا قیصر نے عمر بے یا عمر پاشا کو زر کثیر دیکر باغیوں کی امداد سے باز رکھا اور ترکی گورنر عمر پاشا یورپ سے واپس ہو کر اپنے صوبہ میں چلا آیا۔ مگر اُس کی اس یلغار کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر اینڈرونیکس کا پوتا اس قدر قابو پا گیا کہ اُس نے قیصر کو تخت سلطنت سے اُتار کر خود تخت قیصری حاصل کر لیا ۷۴۲ھ میں اس کے فوت ہونے پر جان پلالوگس قسطنطنیہ کے تخت پر متمکن ہوا۔ مگر ۷۴۵ھ میں کنٹا کوزینس نے جان پلالوگس کو معزول کر کے تخت حکومت حاصل کر لیا اور ۷۹۴ھ تک حکومت کرتا رہا اُس کے بعد وہ اور قیصروں نے ۸۵۷ھ تک حکومت کی جس کے بعد قسطنطنیہ ترکوں کے قبضہ میں آگیا۔ قیصر کنٹا کوزینس (کینٹیکیوزینی) نے تخت قیصری پر قدم رکھتے ہی سلطان ارخان کو ایشیائے کوچک کا سلطان اعظم تسلیم کر لیا اور ترکوں کی ترک و تاز سے یورپی علاقہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری سمجھا کہ سلطان سے خصوصی تعلقات پیدا کئے جائیں چنانچہ قیصر نے سلطان ارخان کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ میں اپنی نہایت خوبصورت و حسین بیٹی تھیوڈورا کی شادی آپ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ قیصر کو معلوم تھا کہ سلطان کی عمر ساٹھ سال کی اور اُس کی بیٹی نوجوان ہے نیز وہ مذہب کے اختلاف سے بھی بے خبر نہ تھا۔ سلطان نے قیصر کی اس درخواست کو رد نہیں کیا اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ ملکہ تھیوڈورا کی شادی سلطان ارخان کے ساتھ ہوئی۔ سلطان خود قسطنطنیہ گیا اور ملکہ کو بیاہ کر لایا۔ اس شادی کے بعد قیصر کو اطمینان ہو گیا کہ اب ترک میرے ملک پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے اور میں اپنے آپ کو طاقتور بنانے کا بخوبی موقع پا سکوں گا۔ مگر اس کے آٹھ سال بعد ایک عجیب صورت ترکوں کے یورپ میں داخل ہونے کے لئے پیدا ہوئی۔ یعنی ۷۵۶ھ میں وینس اور جنیوا کی سلطنتوں میں بحر روم کے ساحلی علاقوں اور بندرگاہوں کی نسبت جھگڑا پیدا ہوا۔ وینس جنیوا دونوں زبردست بحری طاقتیں تھیں اور ان دونوں نے تمام بحر روم پر اپنا قبضہ واقتدار قائم رکھا تھا۔ جنیوا والوں کا علاقہ قیصر قسطنطنیہ کے مقبوضات سے متصل تھا اس لئے قیصر قسطنطنیہ کو جنیوا والوں سے سخت نفرت و عداوت تھی اور وہ وینس والوں کی کامیابی کا خواہاں

تھا وینس والے بھی قیصر قسطنطنیہ کے ہوا خواہ و ہمدرد تھے ادھر ارخان کو وینس والوں سے اس لئے نفرت تھی کہ وہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر اکثر باعث تکلیف ہوتے رہتے اور سلطان ارخان کی حکومت و سلطنت کو بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ اس نفرت کا لازمی نتیجہ تھا کہ سلطان ارخان جنیوا والوں کا ہمدرد ہو چنانچہ جنیوا والے بھی سلطان ارخان کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ اتفاقاً آبنائے باسفورس کے قریب وینس اور جنیوا والوں میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس طرف کے ساحلی صوبہ کا عامل و گورنر سلطان ارخان کا بیٹا سلیمان خان تھا۔ ایک روز سلیمان خان جنیوا والوں کی ایک کشتی میں صرف چالیس آدمیوں کے ہمراہ سوار ہو کر رات کے وقت دردانیال کو عبور کر کے یورپی ساحل پر اترا اور ساحل کے اس قلعہ کو جو وینس والوں کے لئے موجب تقویت تھا فتح کر لیا اس کے بعد فوراً کئی ہزار ترک اس قلعہ میں اپنے شہزادے کے پاس پہنچ گئے جس سے جنیوا والوں کو بڑی مدد پہنچی یہ حال معلوم ہو کر قیصر قسطنطنیہ کو سخت ملال ہوا۔ وہ یہ ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سلطان ارخان کو لکھے کہ سلیمان کو قلعہ چھوڑ دینے کا حکم دیں کہ اتنے میں خود قیصر کے دارالسلطنت میں اس کے دوسرے داماد نے علم بغاوت بلند کیا اور قیصر کو اپنا دارالسلطنت بچانا دشوار ہو گیا اس نے فوراً سلطان ارخان سے امداد طلب کی سلطان ارخان نے اپنے بیٹے سلیمان خان کو لکھا کہ قسطنطنیہ پہنچ کر قیصر کی مدد کرو سلیمان خان نے پہنچ کر اس بغاوت کو فرو کیا اور لوٹ کر اسی ساحلی قلعہ میں جس کو اس نے ساحل یورپ پر فتح کیا تھا چلا آیا۔ قیصر نے سلیمان خان کو لکھا کہ روپیہ لیلو اور یہ قلعہ چھوڑ کر واپس چلے جاؤ سلیمان خان اس پر آمادہ تھا کہ اتنے میں سخت زلزلہ آیا اور شہر گیلی پولی کی فصیل گر گئی اور شہر والے زلزلہ سے خائف و ترساں ہوئے۔ اس زلزلہ کو تائید غیبی سمجھ کر عضی بیگ اور غازی فاضل دو سرداروں نے جو سلیمان خان کے ہمراہ تھے گری ہوئی فصیل کو طے کر کے اور شہر میں داخل ہو کر گیلی پولی پر قبضہ کر لیا۔ گیلی پولی پر قبضہ کرنے کے بعد سلیمان خان نے فوراً فصیلوں کی مرامت کرائی اور ایک مضبوط ترکی فوج وہاں قائم کر دی۔ قیصر کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ارخان کو شکایت لکھی ارخان نے جواب میں لکھا کہ میرے بیٹے نے گیلی پولی کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا بلکہ زلزلہ کے اتفاقی حادثہ نے اس کے لئے شہر پر قبضہ کرنے کا موقع پیدا کر دیا ہے اور میں اس کو وہاں سے واپس بلانے کے لئے لکھوں گا اور اصل واقعات کو بھی تحقیق کروں گا۔ قیصر کو چونکہ بار بار سلطان ارخان سے امداد طلب کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی اور خانگی جھگڑے ان ایام میں اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کئے ہوئے تھے لہٰذا قیصر نے گیلی پولی کے تخلیہ پر پھر اصرار نہیں کیا اور سلیمان خان نے اس کو نہیں چھوڑا۔ گیلی پولی کا قبضہ سلیمان خان کے لئے اس لئے بھی بے حد ضروری تھا کہ وینس والوں کی دست برد سے ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کو محفوظ رکھنے میں وہ بہت معاون تھا۔ یہ واقعہ ۷۵۷ھ کا ہے۔ اس کے دو سال بعد ۷۵۹ھ میں ارخان کا بیٹا سلیمان خان باز کے شکار میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔ سلیمان خان بڑا ہونہار بہادر اور عقلمند شہزادہ تھا۔ اس کے فوت ہونے کا ارخان کو سخت صدمہ ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ارخان کے بعد تخت نشین سلطنت ہوتا۔ اس صدمہ جانکاہ نے ارخان کو بہت مضمحل کیا اور وہ ۷۶۱ھ میں ۳۸ سال سلطنت کرنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

ارخان نے اپنے باپ کی وصیت اور حکمت عملی پر خوب احتیاط کے ساتھ عمل کیا۔ اس نے اپنے باپ کی قائم کی ہوئی سلطنت کو وسعت دیکر یورپ کے ساحل تک پہنچا دیا۔ ارخان کی تمامتر توجہ یورپ کی جانب مائل

اسلام

اس کا ایک ثبوت یہ واقعہ بھی ہے کہ جب اس کے بیٹے سلیمان خان کا بروصہ کے قریب باز کے شکار میں گھوڑے سے گر کر انتقال ہوا تو اس نے سلیمان خان کو بروصہ میں دفن نہیں کیا بلکہ اس کی لاش کو دردانیال کے اس طرف ساحل یورپ میں جو سلیمان خان کا فتح کیا ہوا عثمانیہ سلطنت کا مقبوضہ تھا لیجا کر دفن کیا۔ تاکہ ترکوں کو ساحل یورپ کے چھوڑنے اور وہاں سے پیچھے ہٹنے کا خیال پیدا نہ ہو۔

مراد خان اول اپنے بڑے بیٹے سلیمان خان کی وفات کے بعد سلطان ارخان نے اپنے چھوٹے بیٹے مراد خان کو ولی عہد بنایا تھا۔ چنانچہ ارخان کی وفات کے بعد مراد خان جس کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی سلاک‌ہ ھ میں تخت نشین ہوا۔ مراد خان کی خواہش یہی تھی کہ یورپ میں اپنی سلطنت کو وسعت دے لیکن تخت نشینی کے بعد قرمان کی ترکی سلجوقی ریاست کی بغاوت فرو کرنے میں اس کو ایشیائے کوچک کے مشرقی علاقے کی طرف مصروف رہنا پڑا اس کے بعد ۷۶۲ھ میں اپنی فوج لیکر ساحل یورپ پر اترا اور ایڈریانوپل (ادرنہ) کو فتح کر کے اپنا دار السلطنت بنایا اس وقت یعنی ۷۶۳ھ سے فتح قسطنطنیہ تک جو سلطان محمد خان ثانی کے عہد میں ہوئی ایڈریانوپل سلطنت عثمانیہ کا دار السلطنت رہا۔ ایڈریانوپل کی فتح کا حال سن کر بلگیریا اور سرویا والوں کو فکر پیدا ہوئی۔ قسطنطنیہ کے قیصر نے پوپ روم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ جہاد کا وعظ کریں اور مسلمانوں کی روک تھام کے لئے فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ پوپ نے فوجیں روانہ کیں ادھر ہنگری اور بوسینیا وغیرہ کے عیسائی سلاطین بھی سرویا اور بلگیریا کی طرح مستعد ہو گئے اور ان متحدہ عیسائی افواج نے ۷۶۵ھ میں ایڈریانوپل کی طرف کوچ کیا مراد خان نے اپنے سپہ سالار لالہ شاہین نامی کو بیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا ایڈریانوپل سے دو منزل آگے عیسائی لشکر عظیم سے جس کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی تھی مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں عیسائیوں کی اس متحدہ افواج نے مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست فاش کھائی اور فرار کی عار کو قرار پر ترجیح دیکر بھاگتے ہوئے بہت سے مسلمانوں کی تلواروں سے مقتول اور بہت سے اسیر و دستگیر ہوئے۔ لالہ شاہین نے آگے بڑھ کر بہت سا ملک فتح کیا اور تھریس و رومیلیا کے صوبوں میں ترکی حکومت قائم ہو گئی۔ اب سلطان مراد خان نے یورپ کے ان نو مفتوحہ صوبوں میں فوجی جاگیرداری کے قدیمی دستور کی موافق اپنے ہم قوم ترکوں اور مسلمان سرداروں کو آباد کرنا شروع کیا۔ کئی برس تک سلطان مراد خان اس ملک کو مضبوط کرنے اور اپنی حکومت کے مستحکم بنانے میں مصروف رہا جنگی قیدیوں اور عیسائی رعایا کے نوعمر لڑکوں کے ذریعہ ینگ چری فوج میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ عیسائیوں نے جب یہ دیکھا کہ ترکی سلطان نے اپنی حکومت کو خوب مضبوط بنا کر ایڈریانوپل میں مستقل طور پر طرح اقامت ڈالدی ہے تو ۷۷۰ھ میں انہوں نے پھر سلطان مراد خان کے خلاف یورپ کی تمام طاقتوں کو متحد کیا۔ چنانچہ سرویا۔ بلگیریا۔ ہنگری۔ بوسینیا۔ پولینڈ۔ قسطنطنیہ۔ پوپ روم کی فوجیں۔ سلطان مراد خان اور سلطنت عثمانیہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے فراہم و مجتمع ہوئیں۔ مسلمانوں کی فوج اس مرتبہ بھی عیسائی لشکر کے مقابلہ میں پانچویں چھٹے حصے کی برابر تھی۔ اس لڑائی میں عیسائیوں کو حسب دستور شکست فاش نصیب ہوئی۔ سرویہ کے بادشاہ نے بارہ من پختہ چاندی سالانہ اور عند الطلب ایک ہزار سواروں کا لشکر مدد کے لئے بھیجنے کا وعدہ کر کے اپنی جان بچائی۔ اور بلگیریا کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سلطان کی خدمت میں پیش کر کے آئندہ مطیع و منقاد رہنے کا وعدہ کیا۔ قیصر قسطنطنیہ نے اپنی تین خوبصورت لڑکیاں اس توقع میں پیش کیں کہ ایک سے سلطان مراد خان خود نکاح کرے اور دو اس کے دونوں بڑے بیٹوں کی بیویوں میں شامل کی جائیں اس لڑائی کے بعد قیصر قسطنطنیہ

سلطان مراد خان کے یورپ سے بیدخل اور واپس کرنے سے مایوس ہو کر اس کوشش میں مصروف رہنے لگا کہ سلطان سے اس کی صلح رہے اور وہ اپنے مقبوضہ ملک اور قسطنطنیہ کے تخت پر حکمران رہنے دیا جائے ایک طرف تو قیصر قسطنطنیہ عثمانی سلطان کی خوشامد میں مصروف رہتا تھا۔ دوسری طرف وہ اندر ہی اندر سلطان کے خلاف کوششوں میں مصروف تھا چنانچہ ۷۸۲ھ میں قیصر قسطنطنیہ (پلیلوگس) نے کشود کار کی توقع میں قسطنطنیہ سے شہر روم میں پوپ کے پاس جانے اور اس کی اطاعت قبول کرنے کی ذلت محض اس وجہ سے اٹھائی کہ پوپ عیسائیوں کو مذہبی جہاد اور سلطان مراد خان کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے تمام براعظم یورپ کو میدان جنگ میں لے آئے مگر اس تدبیر میں جبکہ اس کو کامیابی نظر نہ آئی تو وہ بہت خوفزدہ ہوا اور سلطان کے غضب سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے تھیوڈورس کو سلطان کی خدمت میں بھیجکر درخواست کی کہ اس کو ینک چری فوج میں بھرتی ہونے کی عزت دی جائے چنانچہ اس تدبیر سے اس نے سلطان کو بہت خوش اور اپنی طرف سے مطمئن کر دیا۔ انہیں ایام میں سلطان مراد خان کو ایشیائے کوچک میں بعض بغاوتوں اور سرکشیوں کے استیصال کی غرض سے جانے کی ضرورت پیش آئی اور اپنے یورپی مقبوضات کی حکومت ایڈریانوپل میں اپنے بیٹے ساوجی کو سپرد کر گیا۔ سلطان کی اس غیر موجودگی میں قیصر قسطنطنیہ کا ایک اور بیٹا جس کا نام اینڈرونیکس تھا ایڈریانوپل میں آیا۔ اور مراد خان کے بیٹے کا دوست اور رفیق بن کر اس کے مزاج میں دخیل ہوا اس عیسائی شہزادے نے مسلمان شہزادے کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی ایک عجیب کوشش کی اس نے کہا کہ میرا باپ بھی حکومت کی قابلیت نہیں رکھتا اور میرے اوپر بہت ظلم کرتا ہے اور اسی طرح آپ کا باپ بھی آپ کی نسبت دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتا یہ موقع محض اتفاق سے ہاتھ آ گیا ہے۔ میں نے بھی اپنے لشکر کے ایک معقول حصہ کو اپنا شریک بنا لیا ہے آپ بھی اپنے ساتھ یہاں کافی فوج رکھتے ہیں۔ آؤ پہلے ہم دونوں مل کر قسطنطنیہ کو فتح کر کے موجودہ قیصر کو اسیر کر لیں۔ اس طرح جب تخت قسطنطنیہ مجھ کو مل جائے گا تو پھر ہم دونوں ملکر سلطان مراد خاں کا مقابلہ کر سکیں گے اور آپ ایڈریانوپل میں بآسانی تخت نشین ہو کر ترکوں کے سلطان بن جائیں گے یہ احمق شاہزادہ عیسائی شہزادے کے فریب میں آ گیا۔ اس نے بلا تامل اپنی فوج لیکر اور عیسائی شہزادے کے ساتھ ہو کر قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر دیا اور دونوں نے جا کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مراد خان نے جب اس بغاوت و سرکشی کا حال سنا تو وہ بہت جلد ایشیائے کوچک سے فارغ ہو کر ایڈریانوپل آیا یہ دونوں شہزادے قسطنطنیہ کے قریب سے ہٹ کر مغرب کی جانب ایک ندی کے پار جا پڑے اور سلطان مراد خان کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ مراد خان نے ایڈریانوپل پہنچتے ہی قیصر پلیلوگس کو لکھا کہ فوراً میری خدمت میں حاضر ہو کر جواب دو کہ یہ نامعقول حرکت کیوں ظہور میں آئی اور تم نے اپنے بیٹے کو میرے بیٹے کے پاس بھیجکر کیوں یہ فتنہ برپا کرایا۔ قیصر اس سلطانی پیغام کے پہنچنے سے کانپ گیا اور اس نے خوف کی وجہ سے اپنی بیگناہی اور لاعلمی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ان باغی شہزادوں کے گرفتار کرنے اور ان کو ان کی نالائقی کی سزا دینے میں میں ہر طرح آپ کا شریک ہوں اور میری خواہش ہے کہ باغیوں کو گرفتار کر کے قتل کیا جائے اس جواب کو سن کر سلطان خود ان باغیوں کی طرف بڑھا اور ندی کے اس کنارے پر خیمہ زن ہو کر رات کے وقت تنہا اس طرف گیا اور باغیوں کے

کیمپ میں پہنچکر آواز دی کہ تم میں سے جو شخص باغیوں کا ساتھ چھوڑ کر اب بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گا اُس کی خطا معاف کر دی جائیگی۔ سلطان کی آواز کو پہچان کر تمام سپاہی اور سردار جو شہزادے کے ساتھ تھے سلطان کے گرد آکر جمع ہو گئے اور صرف چند ترکوں اور چند عیسائیوں کے ساتھ یہ دونوں شہزادے وہاں سے فرار ہوئے۔ آخر دونوں معہ اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہوکر آئے اور سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ سلطان مراد خان نے اپنے بیٹے کو اپنے سامنے بُلا کر اندھا کرا دیا اور پھر اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ قیصر کے بیٹے کو پابزنجیر قیصر کے پاس بھجوا دیا اور لکھا کہ اس کو اب تم خود اپنے ہاتھ سے سزا دو جس طرح کہ میں نے اپنے بیٹے کو خود سزا دی ہے۔ قیصر کے لئے یہ بڑا نازک موقع تھا۔ اگر وہ بیٹے کو سزا دیتا ہے تو محبت پدری مانع ہوتی ہے اور اگر سزا نہیں دیتا تو سلطان کی ناراضی کا موجب ہوتا ہے۔ آخر اُس نے بیٹے کی آنکھوں میں تیزاب ڈلوا کر اندھا کرا دیا اور زندہ رہنے دیا۔ سلطان نے یہ سُنکر کہ قیصر نے میرے حکم کی تعمیل میں بیٹے کو اندھا کر دیا خوشی کا اظہار کیا اور اس بات سے کوئی تعرض نہیں کیا کہ اُس کو زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ قیصر نے بیٹے کو بالکل اندھا بھی نہیں کرایا تھا بلکہ اُس کی بینائی باقی رہی تھی اور چند روز کی تکلیف کے بعد آنکھیں اچھی ہو گئی تھیں۔ ۷۸۹ھ میں قراقو نلو ترکمانوں نے ایشیائے کوچک کے مغربی حصہ میں زور پکڑ کر سلطان مراد خان کے خلاف عَلَم مخالفت بلند کیا۔ مقام قونیہ کے قریب میدان کارزار گرم ہوا اس لڑائی میں سلطان مراد خان کے بیٹے بایزید خان نے نہایت شدت اور سرعت کے ساتھ حملہ کر کے حریف کی طاقت کو پامال کر دیا۔ بایزید خان کی اس جرائت و بہادری کے عوض سلطان نے اُس کو یلدرم (برق) کا خطاب دیا۔ اُسی روز سے بایزید خان یلدرم کے نام سے مشہور ہوا۔ ترکمانوں کا سردار چونکہ سلطان مراد خان کا داماد بھی تھا۔ اس لئے بیٹی نے باپ سے سفارش کر کے اپنے خاوند کی جان بچوا دی اور اس حریف ریاست سے پھر صلح و آشتی کے تعلقات قائم ہوئے۔ اس کے بعد سلطان نے چند روز بروصہ میں رہکر ایشیائے کوچک کے حالات کو معائنہ کرنا اور وہاں کے انتظام سلطنت کو پہلے سے زیادہ مضبوط بنانا ضروری سمجھا۔ اُدھر یورپ میں مسلمانوں کے خلاف مخالفت اور جہاد کا جوش تو پہلے ہی موجود تھا صلیبی لڑائیوں اور پادریوں کے جہادی وعظوں نے تمام براعظم یورپ میں مسلمانوں کی ایک بڑی ہی مہیب اور قابل نفرت تصویر پیش کر کے نفرت کے سیلاب بہار کھے تھے اب جبکہ تھریس و رومیلیا اور اُس سے بھی آگے تک کا ملک سلطان مراد خان کے قبضے میں آکر مسلمانوں کی نو آبادی بننے لگا تو تمام یورپ میں ہلچل کا پیدا ہو جانا ضروری و لازمی تھا۔ ادھر شاہ سرویہ۔ قیصر قسطنطنیہ۔ اور پوپ روم نے یورپ کے تمام ملکوں میں ترکوں کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دینے کے لئے سفیر۔ ایلچی اور منادپھیلا دیئے تھے۔ یہ بالکل اُسی قسم کی کوشش تھی جو بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھیننے اور ملک شام میں صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے یورپ میں ہوئی تھی۔ ترکوں کے بلقان میں پہونچنے سے عیسائی لوگ ملک شام کو بھول گئے اور اُن کو اب اپنے ملکوں کا بچانا اور خطرہ سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنا ضروری و لازمی ہو گیا۔ سلطان مراد خان ایشیائے کوچک بیٹھا ہوا ان حالات اور ان تیاریوں سے بے خبر تھا کیونکہ اُس زمانے میں خبر رسانی کے ایسے ذرائع نہ تھے

کہ وہ عین وقت پر اس بات سے واقف ہو جاتا کہ اُس کی مخالفت میں کس کس قسم کی کوششیں کہاں کہاں کس کس طرح ہو رہی ہیں۔ ۷۹۱ھ میں سلطان مراد خان بروصہ میں مقیم تھا اسی سال خواجہ حافظ شیرازی اور حضرت خواجہ نقشبند (بہاؤ الدینؒ) نے وفات پائی تھی۔ اُدھر سرویہ۔ بلگیریا۔ البانیا۔ ہنگری۔ گلیشیا۔ پولینڈ۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ اٹلی۔ بوسینیا وغیرہ کی تمام طاقتیں اور قومیں متحد و متفق ہو کر سلطنت عثمانیہ کے استیصال پر مستعد ہو چکی تھیں۔ ۷۹۱ھ میں سلطان مراد خان کے پاس بروصہ میں خبر پہنچی کہ وہ فوج جو بیس ہزار کی تعداد میں رومیلیا کے اندر موجود تھی عیسائی لشکر کے مقابلے میں برباد ہو گئی یعنی سرویا اور بلگیریا کی فوجوں نے حملہ کر کے اور عہد اطاعت کو بالائے طاق رکھ کر بیس ہزار ترکوں میں سے پندرہ ہزار کو جام شہادت پلا دیا ہے اور تمام یورپی علاقہ اور دار السلطنت ایڈریانوپل خطرہ میں ہے۔ اس خبر کو سنتے ہی سلطان مراد خان بروصہ سے چل کر سمندر کو عبور کر کے ایڈریانوپل پہنچا اور وہاں سے تیس ہزار کا ایک لشکر اپنے سپہ سالار علی پاشا کو دیکر آگے روانہ کیا کہ دشمنوں کے لشکر کی پیشقدمی کو روکے اور خود ایڈریانوپل میں ضروری انتظامات کی طرف متوجہ ہوا۔ ۷۹۲ھ میں علی پاشا نے بلگیریا کے پادشاہ سسوان کو مغلوب و مجبور کر کے دوبارہ اطاعت پر آمادہ کر لیا۔ عیسائی ممالک کے لشکروں کو سرویہ کے پادشاہ نے سرویا اور بوسینیا کی سرحد پر مقام کسووا میں جمع کیا اور یورپ کے اس لشکر عظیم نے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا کیمپ قائم کر کے سلطان مراد کو خود پیغام جنگ دیا۔ مراد خان بھی اب پورے طور پر ایک فیصلہ کُن جنگ کے لئے تیار ہو چکا تھا چنانچہ وہ خود اپنی تمام فوج کا سپہ سالار بن کر ایڈریانوپل سے روانہ ہوا اور پہاڑی دشوار گذار دروں کو طے کرتا ہوا کسووا کے میدان میں نمودار ہوا۔ اس میدان میں ایک چھوٹی سی ندی ستنتزا نامی بہتی ہے اس کے شمالی جانب عیسائی کیمپ تھا دوسری جانب ۲۶ راگست ۱۳۸۹ء مطابق ۷۹۲ھ کو سلطان مراد نے جا کر قیام کیا۔ عیسائیوں نے جب مسلمانوں کے لشکر کو اپنے آپ سے تعداد اور سامان میں چوتھائی کے قریب دیکھا تو اُن کے حوصلے اَور بھی بڑھ گئے۔ عیسائی اس میدان میں پہلے سے مقیم اور تازہ دم تھے مسلمان یلغار کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور دشوار گذار راستوں نے اُن کو تھکا دیا تھا۔ عیسائیوں کے لئے یہ علاقہ نیا اور اجنبی نہ تھا کیونکہ اس علاقے کے باشندے اُن کے دوست اور ہم قوم و ہم مذہب اور ہر طرح معین و مددگار تھے لیکن مسلمانوں کے لئے یہ ملک بالکل غیر اور اجنبی تھا۔ جس روز شام کو سلطانی لشکر میدان میں پہنچا ہے اُس کی شب میں دونوں لشکروں میں مجالس مشورت منعقد ہوتی رہیں۔ عیسائیوں میں سے بعض سرداروں کی رائے ہوئی کہ اسی وقت رات کو شبخون مار کر مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جائے لیکن چونکہ عیسائیوں کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا اس لئے اُن کے دوسرے سرداروں نے اس رائے کی محض اس لئے مخالفت کی کہ رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے ایک بڑے حصے کو بچ کر نکل جانے اور بھاگنے کا موقع مل جائے گا حالانکہ ہم ان میں سے ایک متنفس کو بھی زندہ چھوڑنا نہیں چاہتے اور یہ مقصد دن کی روشنی ہی میں خوب حاصل ہو سکے گا۔ ادھر عیسائیوں کی کثرت دیکھ کر مسلمان مرعوب تھے سلطان نے مجلس مشورت منعقد کی تو بعض سرداروں نے مشورہ دیا کہ باربرداری کے اونٹوں کی قطار فوج کے سامنے نصب کی جائے تاکہ زندہ فصیل کا کام دیسکے۔ اس سے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمن جب حملہ آور ہوگا تو اُس کے گھوڑے اونٹوں کو دیکھ کر بدکیں گے اور اس طرح اُن کی صفوں کا نظام قائم نہ رہ سکے گا۔ اس رائے کو سُن کر سلطان کے بڑے بیٹے بایزید یلدرم

نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ ضعف اور خوف کی علامت ہے ہم ایسی کمزور اور پست ہمتی پیدا کرنے والی تدبیر پر ہرگز عمل کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہم کو دشمن سے کھلے میدان میں دو دو ہاتھ کرنے ہیں۔ غرض اسی قسم کی باتیں پیش ہوتی رہیں اور سلطان اپنی کوئی مستقل رائے قائم نہ کر سکا۔ اُدھر سلطان نے دیکھا کہ ہوا بڑے زور سے چل رہی ہے دشمن کی پشت کی جانب سے ہوا کے جھونکے آتے ہیں اور مسلمانوں کے چہروں پر آندھی اور غبار کے تھپیڑے لگتے ہیں۔ یہ علامت مسلمانوں کے لئے بیحد نقصان رساں تھی۔ اپنی قلتِ تعداد اور کمزوری کو دیکھ کر سلطان مراد خان نے۔ خدائے تعالےٰ کی جناب میں دعا و التجا کرنی شروع کی صبح تک رو رو کر خدائے تعالےٰ سے دُعائیں مانگتا رہا کہ الٰہی کفر و اسلام کا مقابلہ ہے تو ہمارے گناہوں پر نظر نہ کر بلکہ اپنے رسول عربی صلعم اور دین متین کی لاج رکھ لے۔ ان دعاؤں نے رحمت باری تعالےٰ کو اپنی طرف متوجہ کیا اور صبح ہوتے بارش شروع ہوئی گرد و غبار دب کر موسم نہایت خوش فضا ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد بارش اور ہوا رُکی طرفین سے صفوف جنگ آراستہ ہوئیں۔ سلطان مراد خان نے اپنے یورپی علاقے کے جاگیرداروں کی فوج کے دستے میمنہ پر متعین کئے اور شہزادہ بایزید یلدرم کو اُن کی سرداری سپرد کی۔ میسرہ میں ایشیائی علاقوں کی فوج متعین کر کے شہزادہ یعقوب کو اس کی سرداری پر مامور کیا۔ قلب میں سلطان مراد خان خود اپنی باڈی گارڈ کے ساتھ قائم ہوا اور بیقاعدہ سواروں۔ پیدلوں اور قراولی جنگ کرنے والے دستوں کو آگے بطور ہراول مختلف ٹولیوں میں بڑھا دیا۔ اُدھر عیسائی لشکر کے قلب کی فوج سرویا کے بادشاہ لازرس کے زیر کمان تھی اور اُس کا بھتیجا دست راست کا افسر اور شاہ بوسینیا دست چپ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ دونوں جانب کی فوجیں نہایت مستعدی جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھیں اور ایک دوسرے کے قریب پہنچکر مصروف جنگ ہوگئیں دوپہر تک نہایت پامردی اور جوانمردی کے ساتھ طرفین نے جم کر داد شجاعت دی اور فتح و شکست کی نسبت کوئی فیصلہ نہ ہو سکا آخر سلطان کے بیٹے یعقوب کی فوج میں آثار پریشانی ظاہر ہوئے اور وہ قلب کی جانب پسپا ہونے لگی۔ یہ رنگ دیکھ کر سلطان مراد خان خود اُس طرف متوجہ ہوا اور پراگندہ ہونے والی صفوں کو پھر درست کر کے مقابلہ پر جما دیا۔ اس روز سلطان مراد خان ایک آہنی گرز ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اور وہ اپنے اسی گرز سے ہر مقابلہ پر آنے والے کو مار کر گرا دیتا تھا۔ مقابلہ خوب تیزی سے جاری تھا اور میدان میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے کہ عیسائی لشکر پر شکست کے علامات ظاہر ہوتے شروع ہوئے اور اسلامی بہادروں کے سامنے عیسائی فوج کے قدم اُکھڑے مسلمانوں نے نہایت پرجوش حملے شروع کر دیئے اُدھر عیسائیوں کے سپہ سالار اعظم یعنی شاہ سرویا کو گرفتار کر لیا۔ اس میدان میں لاکھوں عیسائی مقتول اور قریباً تمام اُن کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوگئے۔ شاہ سرویا جب مقید مراد خان کے سامنے لایا گیا تو سلطان نے اُس کو بحفاظت قید رکھنے کا حکم دیا۔ عین اس حالت میں جبکہ عیسائی میدان کو خالی کر رہے تھے اور اُن کو کامل شکست حاصل ہو چکی تھی سرویا کے ایک سردار کی روباہ بازی نے مسلمانوں کی اس فتح عظیم کی مسرت کو منغص کر دیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سرویا کے اس سردار نے مفرورین کے بھاگتے ہوئے انبوہ میں سے لوٹ کر اپنے گھوڑے کا رُخ مسلمانوں کی طرف پھیرا اور تعاقب کرنے والے مسلمانوں سے کہا کہ مجھ کو زندہ گرفتار کر لو اور اپنے بادشاہ کے پاس لیچلو میں خود عیسائیوں سے متنفر ہو کر اپنے آپ کو تمہارے ہاتھ میں گرفتار کراتا ہوں کیونکہ مجھ کو سلطان سے بعض اہم اور نہایت ضروری راز کی باتیں عرض کرنی اور دین اسلام قبول کرنا ہے مسلمانوں نے

اُس کو زندہ گرفتار کر لیا اور بعد فتح جبکہ سلطان کے سامنے خاص خاص قیدی پیش ہو رہے تھے اُس سردار کو بھی پیش کیا اور ساتھ ہی اُس کی خواہش اور گرفتاری کے واقعہ کو بھی عرض کر دیا سلطان نے خوش ہو کر اُس کو اپنے قریب بُلایا اُس نے نہایت ادب کے ساتھ آگے بڑھ کر سلطان کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا جس سے سلطان اور اُس کے درباریوں کو اور بھی زیادہ اُس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اُس کے قول کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد اُس عیسائی سردار نے سلطان کے پاؤں پر سے اپنا سر اُٹھایا اور اپنے کپڑوں میں ایک پیش قبض نکال کر نہایت پھُرتی کے ساتھ سلطان کے سینہ پر وار کیا جس سے زخم شدید آیا اور حاضرین دربار نے فوراً اُس سرویین روباہ کو تکا بوٹی کر ڈالا۔ سلطان کو یقین ہو گیا کہ اس زخم شدید سے جانبری ممکن نہیں چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ شاہ سرویا کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور ذرا ہی دیر کے بعد سلطان مراد خان نے جام شہادت نوش کیا۔ اس طرح ۲۷ اگست ۱۳۸۹ء میں کسووا کے میدان میں یورپ کی متحدہ طاقت کو پامال کرنے کے بعد جبکہ سلطان مراد خان نے وفات پائی تو سردارانِ لشکر نے سلطان کے بڑے بیٹے بایزید خان یلدرم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اُس کو اپنا سلطان بنایا۔ جنگ کسووا اس لئے بھی دنیا کی عظیم الشان لڑائی سمجھی جاتی ہے کہ اس لڑائی نے ثابت کر دیا کہ عثمانیوں کو تمام یورپ مل کر بھی اب یورپ سے نہیں نکال سکتا ساتھ ہی اس لڑائی نے صلیبی لڑائیوں اور چڑھائیوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ کیونکہ عیسائیوں کو اب اپنے ہی گھر کی فکر پڑ گئی اور شام کے فتح کرنے کا خیال اُن کے دماغوں سے نکل گیا۔ اس لڑائی نے اس امر کو بھی ثابت کر دیا کہ عیسائیوں کی کثرتِ تعداد قلیل التعداد مسلمانوں کے جوش اور بہادری پر ہرگز غالب نہیں آ سکتی۔ عیسائیوں کی یہ شکست دنیا کی عظیم الشان شکستوں میں شمار ہوتی ہے۔ سلطنت عثمانیہ کی اس فتح نے یورپ میں عثمانیوں کے قدم مستقل طور پر جما دیئے اُدھر اسپین و فرانس کے عیسائی جو غرناطہ کی اسلامی سلطنت کو معدوم کرنے پر آمادہ تھے کچھ سہم سے گئے اور غرناطہ کے مسلمانوں کو بعض سہولتیں خود بخود میسر ہو گئیں۔

سلطان مراد خان نے ۲۸ سال کی سلطنت اور ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اس کے بیٹے بایزید خان یلدرم نے باپ کی لاش کو بروصہ میں لا کر دفن کیا۔ سلطان مراد خان نہایت عقلمند باہمت عالی حوصلہ صوفی مشرب۔ درویش سیرت۔ عابد زاہد اور با خدا شخص تھا۔

سلطان بایزید خان یلدرم | بایزید خان یلدرم نے تخت نشین ہو کر اور اپنے باپ کی لاش کو بروصہ میں دفن کر کے ایشیائے کوچک میں چند روز تک قیام کیا اور ترکمانوں کے فسادات اور سرکشیوں کا علاج کرتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ چنگیزی مغلوں کے ضعف و انحطاط کے بعد ایشیا میں ایک اور فاتح پیدا ہو چکا تھا جس کا نام تیمور تھا اور جس کے حالات آئندہ کسی موقع پر مفصل بیان ہونیوالے ہیں ۷۹۳ھ یعنی اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال بایزید یلدرم نے سنا کہ یورپ میں ترکوں کے خلاف پھر کوشش شروع ہو رہی ہے اور سرویا و بوسینیا کے علاقوں میں سامان بغاوت پیدا ہو چکا ہے چنانچہ بایزید خان یلدرم برق و باد کی طرح یورپ میں آیا اور بوسینیا سے لیکر دریائے ڈینوب تک کا تمام علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر کے دریائے فرات سے دریائے ڈینوب تک اپنی مملکت کو پھیلا دیا۔ والیشیا۔ سرویا اور بوسینیا وغیرہ سب سلطان بایزید خان کے

باجگذار صوبے تھے۔ اُدھر ایشیا یعنی ایران میں مغولانِ چنگیزی کا شیرازہ درہم برہم ہونے کے بعد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں پیدا ہو کر آپس میں مصروف پیکار تھیں اُنھوں نے تیمور کے لیئے فتوحات کا میدان صاف کر رکھا تھا۔ بایزید خان یلدرم کی اس شوکت وعظمت اور قوت وطاقت کو دیکھ کر قسطنطنیہ کے قیصر نے بایزید خان کو خط لکھا کہ قسطنطنیہ اور صوبہ مقدونیہ نیز یونانی مجمع الجزائر کے چھوٹے چھوٹے چند جزیرے میرے پاس باقی رہ گئے ہیں ان بچے کھچے ٹکڑوں کو آپ میرے پاس رہنے دیجئے اور مجھ کو اپنا ہوا خواہ اور مخلص تصور فرما کر میرے ساتھ پیمان صلح کو استوار رکھئے۔ بایزید خان یلدرم نے اپنی مہربانی سے قیصر کی اس درخواست کو منظور کر کے اُس کو اُس کے مقبوضات میں آزاد چھوڑ دیا۔ اور وسط یورپ میں آگے بڑھنے اور اپنی فتوحات بڑھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ بایزید کو اس طرح مطمئن کر کے قیصر قسطنطنیہ نے اپنی سازشی تدابیر کا جال بایزید خان یلدرم کے مخالف پھیلانا شروع کیا۔ اُس نے اپنے ایلچی خفیہ طور پر ایران وخراسان اور فارس وشام وعراق وغیرہ میں بھیجنے شروع کیئے اور ایشیا کے مسلمان سلاطین سے مراسم اتحاد بڑھائے۔ ہمارے اس موجودہ زمانے میں تو اس قسم کی کارروائیاں فوراً ہی طشت از بام ہو جاتی ہیں لیکن اس زمانے میں بایزید خان یلدرم کے بے خبر رہنے پر ہم کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ ادھر قیصر قسطنطنیہ اپنی ان خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا اُدھر ارمینیا وکردستان وآذربائیجان کے مسلمان فرمانروا خود بھی اُس زمانہ کی آب وہوا کے اثر سے ایشیائے کوچک کے مغربی حصے کو دھمکی دے رہے تھے آخر یہ تمام اسباب مل ملا کر باعث اس کا ہوئے کہ ترکمانوں نے ایشیائے کوچک یعنی بایزید خان یلدرم کے ایشیائی علاقہ میں پیشقدمی شروع کر دی۔ بایزید خان یلدرم اگر چاہتا تو ایران وخراسان وغیرہ کی طرف متوجہ ہو کر ایشیائے کوچک میں فتوحات عظیم حاصل کر لیتا لیکن چونکہ عثمان خان اور اُس کی اولاد میں دینداری بدرجۂ اتم موجود تھی اس لیئے وہ مسلمانوں سے لڑنے اور مسلمانوں کے مقبوضہ ممالک کو اپنے قبضہ میں لانے کو اچھا نہیں جانتے تھے شروع ہی سے سلطنتِ عثمانیہ کی حکمت عملی یہ رہی تھی کہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کر کے جہانتک ممکن ہو عیسائی ممالک کو فتح کیا جائے اور اسلامی تہذیب اور اسلامی مذہب کی اشاعت سے یورپ کو جو اب تک مسلمانوں کے لیئے باعث تکلیف بنا رہا تھا شائستہ بنایا جائے۔ چنانچہ بایزید خان یلدرم بھی اپنے بزرگوں کی اسی حکمت عملی پر کاربند تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کا اُس کو کوئی شوق نہ تھا۔ اب ایشیائے کوچک میں جبکہ ترکمانوں نے حملہ کر کے بروصہ وانگورہ کے درمیان بایزید کی مقامی ایشیائی فوج کو شکست دیکر فتنہ عظیم برپا کر دیا تو بایزید خان مجبوراً یورپ کے عیسائیوں کو چھوڑ کر ۷۹۵ھ میں ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوا۔ اور یہاں آتے ہی دشمنوں کو شکست دے دے کر گرفتار واسیر اور قتل کیا۔ یہ فتنہ چونکہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ومغربی علاقے کی طرف سے پیدا ہوا تھا لہذا بایزید نے اُس طرف کی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے بخوبی امن وامان قائم کیا۔ اور اسی سال مصر کے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ بن محمد ابراہیم کے پاس تحف وہدایا بھیجکر اُس سے سلطان کا خطاب حاصل کیا۔ اس سے پہلے کے عثمانی فرمانرواؤں کو بھی اگرچہ مورخین نے سلطان ہی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ مگر درحقیقت وہ امیر کہلاتے تھے مثلاً امیر عثمان خان۔ امیر ارخان۔ امیر مراد خان وغیرہ۔ بایزید خان نے ۷۹۵ھ میں خلفائے عباسیہ کی مذہبی عظمت کو مدنظر رکھ کر جو تمام عالم اسلام میں مسلم تھی عباسی خلیفہ

سے خطاب حاصل کرنا ضروری سمجھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عباسی خلیفہ مصر کے مملوک فرمانرواؤں کی حفاظت و نگرانی میں اپنے دن بسر کر رہا ہے۔ غرضکہ بایزید خان یلدرم کو سلاطین عثمانیہ کا پہلا سلطان کہا جا سکتا ہے۔ یورپی مورخین کا قول ہے کہ سلطان بایزید خان یلدرم باوجود بہادر اور سپاہی منش انسان ہونے کے عثمانیوں میں سب سے پہلا فرمانروا ہے جو یورپ کی بداعمالیوں اور بُرے مشیروں کی صحبت سے متاثر ہو کر شراب نوشی کے جرم کا مرتکب ہوا۔ اگر یہ بیان درست ہو تو ہم کو متعجب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ بایزید خان یلدرم کے آخری کارنامہ یعنی جنگ انگورہ کی ناعاقبت اندیشی کو دیکھنے سے اُس کی شراب نوشی کا کچھ کچھ ثبوت بہم پہنچ جاتا ہے۔ یورپی مورخین سلطان بایزید خان کو عیاشی اور بدچلنی کا مجرم بھی بتاتے ہیں ہم کو اس پر بھی حیرت زدہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ شراب خوری اور عیاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک فاتح سلطان کی حیثیت سے وہ بے نظیر شخص تھا اور اپنی شمشیر خارا شگاف کی بدولت اُس نے اپنے دشمنوں کو اپنے سامنے ترساں و لرزاں اور سرنگوں رکھا تھا۔ بایزید خان یلدرم کی شراب خوری اور عیاشی کی حکایت اگر صحیح ہے تو یہ بھی عیسائی سلاطین کی حکمت عملیوں اور خفیہ تدبیروں کا نتیجہ تھا کیونکہ سلاطین عثمانیہ کے محلوں میں عیسائی سلاطین نے شروع ہی سے اپنی شہزادیاں داخل کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ بایزید خان یلدرم کے محل میں بھی شراب کی طرف متوجہ کرنے والی عیسائی شہزادیاں موجود تھیں۔ اُس کے پیشرو سلاطین اپنی مذہبی عصبیت اور ایمانی قوت کے سبب حبائل الشیاطین اور عیسائی خبیثات کے فریب و کید سے آزاد رہے مگر بایزید خان یلدرم جو میدان جنگ میں طاقتور سے طاقتور دشمن کو خاطر میں نہ لاتا تھا اپنے محلوں کے نرم نازک حریفوں سے مغلوب ہو گیا۔

بایزید خان یلدرم ۷۹۵ھ سے ۷۹۹ھ تک اپنے یورپی دارالسلطنت ایڈریانوپل اور یورپی میدان جنگ سے غیر حاضر یعنی ایشیائے کوچک میں مقیم رہا۔ ۷۹۹ھ میں اُس نے سُنا کہ یورپ کی تمام طاقتیں ہنگری کے پادشاہ سجسمنڈ کی تحریک و کوشش سے سلطنت عثمانیہ کے خلاف متحد ہو کر جنگ کی تیاریاں مکمل کر چکی ہیں اور فوجوں کی نقل و حرکت شروع ہو گئی ہے۔ اس مرتبہ علاوہ اور تمام عیسائی پادشاہوں اور قوموں کے فرانس و انگلستان بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس اتحاد میں شامل تھے۔ یعنی اٹلی۔ فرانس و انگلستان۔ اسٹریا۔ ہنگری۔ پولینڈ۔ جرمنی۔ والیشیا۔ بوسینیا وغیرہ سب مکمل طور پر تیار ہو کر اس گئی سال کی مہلت میں باطمینان میدان میں نکل سکے۔ قسطنطنیہ کا قیصر محض اس لئے کہ وہ ہمہ اوقات سلطان بایزید خان یلدرم کی ٹھوکروں میں تھا علانیہ شرکت نہ کر سکا مگر خفیہ طور پر اور معنوی حیثیت سے وہی اس جنگی تیاری کا باعث اور محرک اول تھا۔ کیونکہ ترکوں کی سلطنت کا سب سے زیادہ بدخواہ اور دشمن وہی ہو سکتا تھا۔ حالانکہ سلطان بایزید خان یلدرم اُس کی طرف سے بالکل مطمئن اور صاف تھا۔ عیسائیوں کی اس جنگی تیاری کا حال سُن کر بایزید خان یلدرم برق اور آندھی کی طرح یورپ پہنچا۔ اُس نے یہاں پہنچکر دیکھا کہ روما کے پوپ بونیفس نہم نے یورپ کے ملکوں میں اپنا فتویٰ شایع کیا ہے کہ جو عیسائی ہنگری کے ملک میں پہنچکر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہو گا وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے گا۔ اس سے پہلے فرانس و انگلستان میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی مگر پوپ اور دوسرے بااثر عیسائیوں نے دونوں ملکوں کے سلاطین کو سمجھایا اور اس بات پر آمادہ کر دیا کہ بایزید خان یلدرم کا قصہ پاک کر لینے تک یہ لڑائی رکھی جائے چنانچہ کاؤنٹ دی نیورس ڈیوک آف برگنڈی کے ماتحت علاقہ برگنڈی کے بہادروں

کی ایک زبردست فوج ہنگری کے پادشاہ سجسمنڈ کی اعانت کے لئے ہنگری کی جانب روانہ کی گئی۔ فرانس کے بہادروں کی ایک زبردست فوج شہنشاہ فرانس کے تین چچیرے بھائیوں جیمس۔ فلپ اور ہنری کے ماتحت مرتب ہو کر ہنگری کی جانب روانہ ہوئی۔ اس فوج میں شہزادہ کاؤنٹ آف یو بھی شامل تھا۔ فرانس کے بہت سے نواب اور فخر ملک و قوم بہادر سپہ سالار اور فرانس کا امیر البحر بھی اپنی اپنی جمعتیں لیکر الگ روانہ ہوئے۔ جرمن کے ٹیوٹانک شہزادے اور بڑے بڑے کاؤنٹ اپنی اپنی زبردست فوجیں لیکر ہنگری میں پہونچے۔ بویریا کے بہادروں کی زبردست فوجیں ایکٹر پیلٹن اور کاؤنٹ آف منسپل گریڈ کے ماتحت روانہ ہوئیں۔ آسٹریا کے سواروں کی ایک فوج کا افسر ہرمین اور دوسری زبردست فوج کا افسر کاؤنٹ دی سلی تھا۔ اسی طرح اٹلی اور دور دراز کے جزیروں سے بھی آزمودہ کار اور بہادر عیسائیوں کی فوجیں ہنگری کی جانب روانہ ہوئیں۔ سینٹ جان یروشلم کے ماتحت بھی عیسائیوں کی ایک زبردست فوج آئی۔ اس طرح جب ہنگری میں عیسائیوں کی افواج قاہرہ کا جماؤ ہو گیا تو سجسمنڈ شاہ ہنگری نے اپنی زبردست فوج کو بھی ہر طرف سے جمع کیا اور والیشیا کے عیسائی پادشاہ کو جو سلطان بایزید خان یلدرم کی اطاعت قبول کر چکا تھا لکھا کہ اب تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ بایزید یلدرم کی اطاعت ترک کر کے معہ اپنی پوری طاقت کے ہمارے شریک ہو جاؤ۔ اُس نے بڑی خوشی سے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور جب عیسائی افواج کا یہ سیلاب اُس کے ملک میں داخل ہو کر گذرنے لگا تو وہ بھی معہ اپنی پوری طاقت کے اس عیسائی سیلاب عظیم میں شامل ہو گیا۔ مگر سرویا کے پادشاہ نے احتیاط سے کام لیا جو پہلے پادشاہ کے مقام کسووا میں گرفتار و مقتول ہونے کے بعد تخت نشین ہو کر بایزید یلدرم کا باجگذار و مطیع بنا تھا اُس نے اس عیسائی لشکر کی شرکت اختیار نہیں کی۔ عیسائیوں کی عظیم الشان فوج کی یہ خصوصیت قابل تذکرہ ہے کہ اس مرتبہ جس قدر عیسائی افواج مختلف ملکوں کی جمع ہوئی تھیں وہ سب کی سب ہی نہایت بہادر۔ تجربہ کار اور بارہا کے جنگ آزمودہ سپاہیوں اور سپہ سالاروں پر مشتمل تھیں۔ اس لشکر کے تمام سپاہی اور تمام سردار عیسائی دُنیا کے بہترین اور منتخب جنگجو تھے۔ اس لشکر کے سپہ سالاروں کا قول تھا کہ اگر آسمان بھی ہمارے اوپر ٹوٹ پڑا تو ہم اپنے نیزوں کی نوکوں پر اُس کو روک لیں گے۔ یہ عیسائی لشکر والیشیا اور سرویا کے دو مختلف راستوں سے حدود سلطنت عثمانیہ کی طرف بڑھا سجسمنڈ شاہ ہنگری نے جو سپہ سالار اعظم تھا عثمانی سلطنت کی حدود پر پہنچکر حملہ آوری کا حکم دیا۔ اور بہت جلد ایک کے بعد دوسرا شہر فتح کرنا شروع کر دیا۔ ہر ایک قصبہ یا شہر جسے عیسائی فتح کرتے تھے۔ خاک سیاہ بنا دیا جاتا تھا وہاں کے مسلمان باشندوں اور محافظ سپاہیوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا جاتا تھا۔ اور امن کی درخواست یا اطاعت کے اقرار پر بھی کسی کی جان بخشی نہیں ہوتی تھی۔ اس قتل عام میں مردوں۔ عورتوں۔ بوڑھوں اور بچوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔ عیسائی لشکر ایک عام تباہی اور ہلاکت و بربادی بن کر عثمانیہ سلطنت کے علاقے کو بے چراغ اور خاک سیاہ بناتا ہوا جب بڑھنے لگا تو بایزید یلدرم کے پاس ایشیائے کوچک میں خبر پہنچی اور وہ وہاں سے بڑی عجلت کے ساتھ ایڈریانوپل پہنچا۔ سجسمنڈ کو اس بات کا یقین تھا کہ میں دردانیال کے اُس پار پہنچکر ایشیائے کوچک کو فتح کرتا ہوا شام کے ملک میں پہونچ سکوں گا۔ ادھر قیصر قسطنطنیہ بھی اپنے دل میں خوش ہو رہا تھا کہ جو عظیم الشان کام کسووا کے میدان جنگ میں پورا نہیں ہو سکا تھا وہ اب بحسن و خوبی انجام کو پہنچ جائے گا اور ہمیشہ کے لئے عثمانیوں کے خطرہ سے نجات میسر ہو جائیگی۔ بہت زیادہ ممکن تھا کہ سلطان بایزید خان یلدرم کے ایڈریانوپل پہونچنے کے وقت،

دوسری طرف سے سجسمنڈ بھی اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ ایڈریانوپل پہونچ جاتا اور بایزید خان کو اپنے حواس بجا کرنے سے پہلے ہی سخت پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہوتا لیکن عیسائی لشکر قتل و غارت کرتا ہوا جب شہر نکوپولس کے سامنے پہنچا تو وہاں کے صوبہ دار یوغلن بیگ نے بڑی ہمت و جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور خوب مضبوطی کے ساتھ محصور ہو گیا۔ عیسائی لشکر نے نکوپولس کا محاصرہ کر لیا۔ اور چند روز سستانے اور آرام کرنے کا موقع غنیمت سمجھا۔ اس طرح شہر نکوپولس کے محاصرے نے سلطان بایزید خان کو موقع دیدیا کہ اُس نے ایڈریانوپل میں پہنچکر اور اس عجلت میں اپنی مناسب تیاری کے بعد نکوپولس کی طرف کوچ کر دیا۔ عیسائیوں کو یہاں بھی توقع تھی کہ سلطان بایزید خان ایشیائے کوچک میں بیٹھا ہوا ہے اور اُن کو یقین تھا کہ وہ ہماری کثرت و طاقت کا حال سن کر ساحل یورپ پر اُترنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ آخر ۲۴ ردسمبر ۱۳۹۶ء مطابق ۷۹۹ھ کو جبکہ کاؤنٹ دی نیورس ڈیوک آف برگنڈی اپنے خیمے میں کھانا کھا رہا تھا اُس کے پاس بعض جاسوسوں نے یہ خبر پہونچائی کہ ترکوں کا لشکر قریب پہنچ چکا ہے اس خبر کو سنتے ہی ڈیوک مذکور اور دوسرے فرانسیسی سردار فوراً کھڑے ہو گئے اور خوشی خوشی سجسمنڈ کے پاس پہنچکر کہنے لگے کہ ترکوں کے مقابلے میں ہم لوگ عیسائی لشکر کا ہراول قرار دیئے جائیں تاکہ سب سے پہلے ہم کو بایزید کے لشکر پر تلوار چلانے کا فخر حاصل ہو۔ سجسمنڈ جو ترکوں کے طریق جنگ سے واقف اور زیادہ تجربہ کار تھا اُس نے کہا کہ سب سے پہلے ترکوں کی بیقاعدہ اور نیم مسلح فوج کے دستے آگے بڑھیں گے۔ آپ لوگ جو عیسائی لشکر کے لئے مایۂ ناز ہیں اُس لشکر کے مقابلہ پر تیار رہیں جو سلطان بایزید خان کے جان نثار اور سب سے زیادہ بہادر سپاہیوں پر مشتمل ہے اور جو ابتدائی مقابلہ کے بعد زبردست حملہ کرے گا۔ ڈیوک آف برگنڈی یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ مگر فرانس کے سرداروں یعنی لارڈ دی کورسی اور امیر البحر اور مارشل لوسی وغیرہ نے اصرار کیا کہ ہم ہرگز اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ فرانس والوں سے پہلے ہنگری والے جنگ میں پیشقدمی کریں یہ پُر غرور اور پُرجوش الفاظ سُن کر نوجوانوں نے خوشی کا ایک نعرہ بلند کیا اور اس جوش و غرور میں اُن ترکی قیدیوں کو جو ابتک قتل نہیں کئے گئے تھے فوراً قتل کر دیا لیکن اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم پر بہت جلد کیسی مصیبت وارد ہونے والی ہے۔

سلطان بایزید یلدرم نے عیسائی لشکر کے قریب پہنچکر ایسے موقع پر قیام کیا کہ عیسائی لشکر اور سلطانی لشکر کے درمیان زمین کا ایک بلند پشتہ حائل تھا جس کی وجہ سے عیسائی لشکر سلطانی لشکر کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سلطان نے اپنی چالیس ہزار منتخب اور مسلح فوج کو میدان میں جما کر باقی بیقاعدہ فوج کے دستوں کو مختلف ٹولیوں میں آگے بڑھایا۔ ادھر سے فرانسیسی سواروں نے بطور ہراول پیشقدمی کی اور سجسمنڈ باقی فوج کو لیکر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ فرانسیسی فوج نے ترکی بیقاعدہ دستوں کو کچل ڈالا اور نہایت سرعت کے ساتھ آگے بڑھ کر اُس مرتفع ٹیلہ کی بلندی پر پہنچ گئے جہاں سلطان بایزید خان اپنی مسلح فوج کی خود سپہ سالاری کر رہا تھا بیقاعدہ ترکی دستوں نے جو فرانسیسیوں کے حملہ سے اپنی ایک تعداد کو قتل کرا کر منتشر ہو گئے تھے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور فوراً مجتمع ہو کر اور اپنی صفوں کو درست کر کے ان حملہ آور فرانسیسیوں کے عقب میں پہونچکر حملہ کیا اس طرح عیسائی ہراول یعنی فرانسیسی فوج جو سجسمنڈ کے بڑے لشکر سے بہت دور آگے نکل آئی تھی اسلامی لشکر کے

نیچ میں گھر گئی اور بہت زیادہ مقتول و اسیر ہوئی۔ بہت ہی تھوڑے سے آدمی کسی نہ کسی طرح بچکر نکل بھاگے اور انھوں نے عیسائی لشکر کلان کو فرانسیسی لشکر کی اس مکمل تباہی کا حال سُنایا جس سے عیسائیوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہونے لگی۔ اس کے بعد سلطان بایزید خان نے عیسائیوں کے فوجی سمندر پر جو میدان میں حد نگاہ تک ایک نیستان کی شکل میں پھیلا ہوا تھا حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ جس جوش اور خروش کے ساتھ ہوا ہے اس کا شاید ان تجربہ کار اور منتخب جنگو عیسائیوں کو پہلے سے اندازہ نہ تھا۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بایزید یلدرم کا لشکر ایک آہنی گرز تھا جس نے میلوں تک پھیلی ہوئی ریتے کی دیواروں کو اپنی پیہم ضربوں سے ریزہ ریزہ کر کے خاک میں ملا دیا۔ بویریا۔ آسٹریا اور ہنگری کی فوجوں نے جم کر اور ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر وہ سب کھیرے ککڑی کی طرح مسلمانوں کی خون آشام تلواروں سے کٹ کٹ کر خاک و خون میں مل گئے اسی طرح جس نے قیام و قرار کو اختیار کیا طعمہ تیغ ہوا جو فرار پر آمادہ ہوا یا تو بچ کر نکل گیا یا فتحمندوں کے تعاقب سے اسیر ہو کر اپنے وجود پر افسوس کرنے لگا۔ غرض بہت ہی جلد لڑائی کا فیصلہ ہو گیا اور سلطان بایزید خان نے نکوپولس کے میدان میں عیسائیوں کے ایک ایسے زبردست اور ہر ایک اعتبار سے مکمل و مضبوط لشکر کو شکست فاش دی کہ اس سے پہلے کسی میدان میں عیسائیوں کی ایسی زبردست طاقت جمع نہیں ہو سکی تھی۔ سجمنڈ شاہ ہنگری اپنی جان بچا کر لے گیا لیکن فرانس و آسٹریا و اٹلی و ہنگری وغیرہ کے بڑے بڑے شہزادے۔ نواب اور سپہ سالار قید ہوئے اور بعض میدان میں مارے گئے۔ ڈیوک آف برگنڈی بھی انہیں قیدیوں میں تھا اور وہ تمام عیسائی سردار جن کے نام اوپر آچکے ہیں سب کے سب قیدیوں میں شامل تھے۔ نکوپولس کے اس معرکہ عظیم میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب عیسائی مقتول ہوئے۔ فتح کے بعد سلطان نے میدان جنگ کے ہر حصہ کا خود جا جا کر معائنہ کیا جو لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ چونکہ سلطان کو جا بجا اپنی فوج کے شہدا بھی نظر آئے اس لئے سلطان نے نہایت افسوس کے ساتھ کہا کہ یہ فتح ہم کو بہت مہنگی پڑی ہے مجھ کو اپنے ان بہادروں کے خون کا بدلہ ہنگری سے لینا ہے یہ کہکر سلطان نے حکم دیا کہ قیدیوں کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ ان قیدیوں کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن لوگوں کو معمولی سپاہی سمجھا گیا وہ تو غلام بنا کر فوج میں تقسیم کر دیئے گئے اور کچھ جلادوں کے ذریعہ تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔

ایک حصہ جو سرداروں پر مشتمل تھا الگ کیا گیا ان لوگوں کی مشکیں کسوا کر اور رسیوں میں باندھ کر بڑے بڑے شہروں میں تشہیر کے لئے بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی ہے۔ ایک حصہ جو صرف شہزادوں اور بڑے بڑے نوابوں اور خود مختار فرمانرواؤں پر مشتمل تھا علیحدہ منتخب کیا گیا یورپ کے ان شہزادوں اور فرمانرواؤں کی تعداد پچیس[25] تھی۔ انہیں میں ڈیوک آف برگنڈی بھی شامل تھا۔ ان سب کو سلطان نے اپنے ہمراہ لیا اور یورپ سے روانہ ہو کر اپنے ایشیائی دارالسلطنت بروصہ میں آیا یہاں آکر اس نے ان پچیس[25] شہزادوں اور فرمانرواؤں کو اپنے سامنے بلا کر کہا کہ تم لوگوں نے ناحق میرے ملک پر حملہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔ میں خود ہنگری۔ آسٹریا۔ فرانس۔ جرمنی اور اٹلی کو فتح کرنے کا مصمم عزم رکھتا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ میں اٹلی کے شہر روما میں پہنچکر سینٹ پیٹر کی قربان گاہ میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں۔ اس لئے تم لوگوں سے اب تمہارے ملکوں ہی میں ملاقات ہوگی اور میں بہت ہی زیادہ خوش ہوں گا جبکہ تم لوگ

پہلے سے زیادہ فوج اور زیادہ تیاری کر کے ساتھ میرے مقابلہ پر میدان میں آؤ گے۔ مجھ کو اگر تمہاری طرف سے ذرا بھی اندیشہ یا خوف ہوتا تو میں اس وقت تم کو یہ اقرار لیکر رہا کرتا کہ آئندہ کبھی میرے مقابلے میں آنے کا ارادہ نہ کریں گے لیکن میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم اپنے اپنے ملکوں میں پہونچتے ہی فوج کی فراہمی اور لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو جاؤ اور میرے مقابلے کے لئے پورے طور پر مستعد رہو۔ یہ کہکر سلطان بایزید خان نے ان تمام شہزادوں اور سرداروں کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج لیکر یورپ میں پہنچا اور اپنے اُس ارادے کی تکمیل میں مصروف ہوا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ سب سے پہلے اُس نے یونان کا رُخ کیا کیونکہ یونان کے عیسائی مجاہدین خود مختارانہ طور پر یا قیصر قسطنطنیہ کے ایما سے نکوپولس کی لڑائی میں عیسائی لشکر میں شامل تھے تھرمولپی کے درے میں سے فاتحانہ گذرتا ہوا اتھنز کی دیواروں کے نیچے پہنچا اور ۸۰۰ھ میں اتھنس کو فتح کر کے تیس ہزار یونانیوں کو ایشیائے کوچک میں آباد ہونے کے لئے روانہ کیا۔ جبکہ سلطان خود فوج لیکر تھسلی کو فتح کرتا ہوا اتھنس کی طرف گیا تو اُس نے اپنے سپہ سالاروں کو آسٹریا اور ہنگری کی طرف فوجیں دیکر روانہ کر دیا تھا۔ جنھوں نے ان ملکوں کے اکثر حصوں کو فتح کر لیا تھا۔ اب سلطان بایزید خان کو قیصر قسطنطنیہ کی ریشہ دوانیوں اور نیش زنیوں کا بخوبی علم ہو چکا تھا لہٰذا اُس نے اتھنس کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کے فتح کر لینے اور اس عیسائی سلطنت کے مٹا دینے کا ارادہ کیا لیکن قیصر نے اس مرتبہ بھی اپنی ہوشیاری سے کام لیا اور فوراً سلطان کا باجگذار بن کر وعدہ کیا کہ دس ہزار ڈاکٹ سالانہ بطور خراج ادا کیا کروں گا۔ نیز قسطنطنیہ میں ایک مسجد مسلمانوں کے لئے بنوا دوں گا اور ایک قاضی مقرر کر دوں گا جو مسلمانوں کے تمام معاملات میں حاکم ہوگا۔ مسلمان تاجروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائیگی۔ ان شرائط پر سلطان بایزید خان یلدرم رضامند ہو گیا اور اُس نے قسطنطنیہ چھوڑ دیا ورنہ جو کام سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا وہ ۸۰۰ھ میں بایزید یلدرم کے ہاتھوں سے پورا ہو چکتا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تیمور خراسان و ایران میں اپنی حکومت کی بنیاد مضبوط کر کے اور ترکمانوں کی گوشمالی سے فارغ ہو کر اور اپنے مقبوضات کو سلطان بایزید خان کے مقبوضات کی سرحد تک پہنچا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ قیصر قسطنطنیہ جو یورپ میں اپنی ریشہ دوانیوں اور عیسائیوں کی زور آزمائیوں کے نتائج جنگ کسووا اور جنگ نکوپولس میں دیکھ چکا تھا۔ اب اپنی اس مجبوری اور ذلت کو دیکھ کر ایک مرتبہ پھر آمادہ کوشش ہوا۔ سلطان بایزید خان یلدرم جب یونان اور اتھنز کو فتح کر چکا اور قیصر کا حال بہت ہی پتلا ہونے لگا تو اُس نے فوراً ایک قاصد تیمور کی خدمت میں روانہ کیا اور اُس کو ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ۔ میری سلطنت بہت پرانی ہے آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی قسطنطنیہ کے اندر ہماری سلطنت موجود تھی۔ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں بھی خلفائے سے بارہا ہماری صلح ہوئی اور کسی نے قسطنطنیہ کے لینے کا قصد نہیں فرمایا۔ لیکن اب عثمانی سلطان نے ہمارے اکثر مقبوضات چھین لئے ہیں اور ہمارے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر اُس کا دانت ہے۔ ایسی حالت میں سخت مجبور ہو کر ہم آپ سے امداد کے خواہاں ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کے سوا ہم اور کسی سے خواہان امداد ہو بھی نہیں سکتے۔ آپ کو اگر بایزید خان یلدرم کے مسلمان اور ہمارے عیسائی ہونے کا خیال ہو تو آپ کو واضح رہے کہ بایزید خان کو اس طرف یورپ میں مسلسل فتوحات حاصل ہو رہی ہیں اور اُس کی طاقت بڑی تیز رفتاری سے ترقی پذیر ہے وہ بہت جلد اس طرف سے مطمئن اور فارغ ہو کر آپ کے مقبوضہ ممالک پر حملہ آور ہوگا اور اُس وقت آپ کو

اُس کے زیر کرنے میں مشکلات کا سامنا ہوگا - بایزید خان نے سلطان احمد جلائر اور قرا یوسف ترکمان کو جو آپ کے مفرور باغی ہیں اپنے یہاں عزت کے ساتھ مہمان رکھ چھوڑا ہے اور یہ دونوں باغی اُس کو آپ کے خلاف جنگ کرنے اور مشورہ دینے میں برابر مصروف ہیں - یہ بات بھی آپ کے لئے کچھ کم بے عزتی کی نہیں ہے کہ آپ کے باغی سلطان بایزید خان کے پاس اس طرح عزت و اکرام کے ساتھ رہیں اور اُن کو واپس طلب نہ کر سکیں - پس مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایشیائے کوچک پر حملہ کریں کیونکہ اس ملک کو قدرتی طور پر آپ کے قبضے میں رہنا چاہئیے اور بایزید خان یلدرم کے قبضے سے ہم کو بچائیں ہم سے جو کچھ ممکن ہوگا آپ کی امداد کریں گے - قیصر کا یہ خط اگرچہ اپنی نفسانی اغراض پر مشتمل تھا اور تیمور ایسا بیوقوف نہ تھا کہ اُس کی خودغرضانہ باتوں میں آجاتا لیکن اس خط میں باغیوں کی پناہ دہی کا تذکرہ کچھ ایسے الفاظ میں کیا گیا تھا جن کا تیمور کے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا - قیصر قسطنطنیہ کا یہ خط تیمور کے پاس اُس وقت پہونچا جبکہ وہ دریائے گنگ کے کنارے پہنچکر ہردوار میں مقیم اور ہندوستان کے مشرقی صوبوں کی طرف بڑھنے کا قصد کر رہا تھا - قیصر قسطنطنیہ کے اس خط کو پڑھ کر اُس نے بظاہر کوئی تسلی بخش جواب قاصد کو نہیں دیا بلکہ فوراً ہی اُس کو رخصت کر دیا مگر اس خط کے مضمون نے اندر ہی اندر اُس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اُس کا دل ہندوستان سے اُچاٹ ہو گیا اور وہ ہندوستان کے اس نو مفتوحہ ملک کو بلا کسی معقول انتظام کے ویسے ہی چھوڑ کر ہردوار سے جلد جلد منزلیں طے کرتا ہوا پنجاب اور پنجاب سے سمرقند کی جانب روانہ ہوا - ہندوستان کے ایک لاکھ قیدی جو اُس کے ہمراہ تھے اور سفر میں گرانباری کا موجب تھے اُس نے راستے میں قتل کرا دیئے - سمرقند پہونچکر اُس نے خوب تیاری کی اور اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ عثمانی سلطان سے اول دو دو ہاتھ کر کے اس بات کا فیصلہ کر لیا جائے کہ ہم دونوں میں کس کو دُنیا کا فاتح بننا چاہیئے - اس عرصہ میں تیمور کے پاس برابر بایزید یلدرم کی فتوحات کے حالات پہنچتے رہے اور وہ اپنے اس رقیب سے لڑنے پر مستعد ہوتا گیا - اُدھر بایزید یلدرم قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کو اپنا باجگذار بنا کر اور ہنگری و آسٹریا کی فتوحات کو تکمیل تک پہنچا کر اپنے اس ارادے کی تکمیل پر آمادہ ہوا کہ شہر روما کو فتح کر کے سینٹ پیٹر کے مشہور گرجا میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلائے - لیکن اُس کو یہ خبر پہنچ گئی کہ قیصر قسطنطنیہ نے اُس کے خلاف تیمور کے پاس سفارت بھیجی ہے اور وہ سلطان بایزید خان کی خراجگذاری کو اپنے لئے موجب ذلت سمجھ کر ہاتھ پاؤں مارنے میں مصروف ہے - سلطان بایزید خان یلدرم کو تیمور سے تو یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ قیصر کا حمایتی بن کر مجھ سے لڑنے آئیگا اور نہ اُس کو تیمور کا کچھ خوف تھا لیکن اُس نے ضروری سمجھا کہ قیصر کا قصہ اول پاک کر دیا جائے - اس کے بعد اٹلی پر حملہ کیا جائے - چنانچہ اُس نے قیصر سے جواب طلب کیا اور کوئی معقول جواب نہ پا کر قسطنطنیہ کے محاصرہ کی تیاری شروع کر دی - اُدھر تیمور نے سمرقند سے روانہ ہو کر اور ایشیائے کوچک کی مغربی سرحد پر پہنچکر آذربائیجان کو فتح کر کے آذربائیجان اور ارمینیا میں قتل عام کے ذریعہ خون کے دریا بہائے اور اس علاقے پر اپنی ہیبت کے سکے بٹھائے آذربائیجان و ارمینیا کو فتح کرنے کے بعد تیمور کو سلطان بایزید یلدرم سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع بخوبی مل گیا تھا کیونکہ اب اُس کے سامنے عثمانیہ سلطنت کی حدود تھیں اور درمیان میں کوئی علاقہ حائل نہ تھا - آذربائیجان کا ملک جو بفراسٹیٹ یعنی حد فاصل علاقہ کی حیثیت رکھتا تھا تیمور نے فتح کر لیا تھا - آذربائیجان ہی کے فرمانرواؤں کا طرز عمل ان دونوں اسلامی شہنشاہوں کو ایک دوسرے سے جنگ آزما کرانے کا موجب ہو رہا تھا

یہ سرحدی حکام جب کبھی عثمانیہ سلطنت سے ناراض ہوتے تو تیمور سے امداد طلب کرتے اور جب تیمور سے ناراض ہوتے تو عثمانی سلطان سے مدد طلب کرتے۔ اسی سلسلہ میں قرا یوسف ترکمان فرمانروائے آذربائیجان تیمور سے خائف وترسان اور آوارہ ہوکر سلطان بایزید یلدرم کے پاس چلا گیا تھا اور اس بات کا خواہان تھا کہ عثمانی سلطان تیمور کے مقابلے میں اس کی مدد کرکے اُس کے ملک میں اُس کو تخت نشین کرادے۔ تیمور نے جب آذربائیجان کو فتح کرلیا تو بایزید یلدرم نے ایک مختصر سی فوج کے ساتھ اپنے بیٹے طغرل نامی کو اپنے سرحدی شہر سیواس میں بھیجا۔ یا کہ اگر تیمور اس طرف کو بڑھے تو اُس کو روکے۔ تیمور نے عثمانی سلطان سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں عجلت وشتاب زدگی سے کام نہیں لیا بلکہ بڑی احتیاط کے ساتھ تیاریوں میں مصروف رہا اُس نے اپنے تمام مقبوضات میں گشتی احکام روانہ کرکے تجربہ کار سپاہی اور انتخابی فوجیں طلب کیں اُدھر جاسوسوں کی ایک بڑی تعداد فقیروں۔ درویشوں۔ صوفیوں۔ واعظوں۔ تاجروں۔ سیاحوں کی شکل میں سلطنت عثمانیہ میں داخل کردی اور ایک بڑی تعداد تجربہ کار جاسوسوں کی خاص سلطان بایزید خان کے لشکر میں بھیجی کہ وہ جاکر اُن مغلوں کو جو ایشیائے کوچک میں بود و باش رکھنے کے سبب بایزید کے لشکر میں شامل اور اُس کے ایشیائی لشکر کا جزو اعظم تھے بہکائیں اور سمجھائیں کہ مغلوں کا قومی فرمانروا اور حقیقی سردار تیمور ہے۔ تیمور کے مقابلے میں بایزید یلدرم ترکی سلطان کا ساتھ دینا قومی غداری اور بڑی بے عزتی کی بات ہے۔ چنانچہ تیمور کی یہ خفیہ حملہ آوری بڑی کارگر ثابت ہوئی بایزید خان یلدرم کی فوج کا ایک بڑا حصہ سلطان سے بددل اور بغاوت پر آمادہ رہنے لگا۔ تیمور کے ان جاسوسوں نے سلطان کے لشکر میں یہ خیال بھی پھیلا دیا کہ سلطان فوج کو بڑی بڑی تنخواہیں اور مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ دینے میں بخل سے کام لیتا ہے حالانکہ تیمور کے سپاہی بہت آسودہ حال اور فارغ البال رہتے ہیں۔ اس انتظام سے فارغ ہوکر تیمور نے مناسب سمجھا کہ شام ومصر کا ملک اول فتح کرلوں۔ اُس کو معلوم تھا کہ مصر کا چرکسی بادشاہ فرج بن برقوق بایزید خان یلدرم کا دوست ہے۔ جب ملک شام پر حملہ کیا جائے گا تو وہ دمشق کے بچانے کو ضرور ملک شام میں آجائیگا اور چونکہ وہ تنہا کمزور ہے اُس کا شکست دینا نہایت آسان کام ہے کم ازکم دمشق اور شام پر قبضہ ہوجانے سے بایزید خان یلدرم کو مصریوں اور شامیوں کی جانب سے کوئی امداد نہ پہنچ سکے گی چنانچہ اُس نے اُدھر تو بایزید خان یلدرم کو خط لکھا کہ ہمارا باغی قرا یوسف ترکمان تمہارے پاس ہے اُس کو ہمارے پاس بھیجو۔ ورنہ ہم تمہارے ملک پر چڑھائی کرینگے اور ادھر اپنی فوج لیکر ۸۰۳ھ میں حلب کے راستے ملک شام پر حملہ آور ہوا تیمور کا خیال صحیح ثابت ہوا اور تیمور ابھی حلب ہی میں پہنچا تھا کہ شاہ مصر فوراً دمشق میں آموجود ہوا۔ دمشق پر لڑائی ہوئی اور مصر کے چرکسی فرمانروا کو شکست کھاکر مصر کی طرف بھاگنا پڑا۔ مصری فوج تیموری لشکر سے بہت مرعوب ہوگئی اور تیمور نے شام کے شہروں میں قتل عام کراکر اور جابجا کلہ مینار بناکر لوگوں کو خوف زدہ بنادیا۔ اس طرح اپنا مقصد پورا کرکے تیمور بغداد کی طرف متوجہ ہوا اور بغداد کو بھی بزور شمشیر فتح کرلیا۔ یہیں اُس کے پاس سلطان بایزید خان یلدرم کے پاس سے خط کا جواب ملا جس میں تیمور کی درخواست کو نہایت حقارت کے ساتھ رد کیا گیا تھا۔ تیمور پہلے سے جانتا تھا کہ بایزید یلدرم کیا جواب دے گا اور اسی لئے وہ ہر ایک ممکن تدبیر میں پہلے ہی سے مصروف تھا۔ اس جواب کو پاکر اُس نے بغداد میں بھی زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس تعداد سے سیدھا آذربائیجان کی طرف روانہ ہوا جہاں اُس نے اپنے دوسرے ملکوں سے وقتاً فوقتاً

طلب کی تھیں۔ یہاں پہنچکر اُس نے نہایت دور اندیشی اور ہوشیاری کے ساتھ رسد رسانی۔ خبر رسانی۔ جاسوسی وغیرہ کے محکموں کو ترتیب دیا اور تمام ضروری مقامات پر پہلے سے سامان جنگ اور رسد رسانی کے لئے اہلکار اور زبردست عملہ مقرر و مامور کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ یزید خان یلدرم نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور وہ قسطنطنیہ کی فتح سے بہت ہی جلد فارغ ہونے والا تھا۔ اُس نے شام کی فتح اور فرج بن برقوق شاہ مصر کی شکست کا حال سُن کر قرا یوسف ترکمان کو ایک فوج دیکر روانہ کیا کہ ملک شام میں پہنچکر تیموری عاملوں کا قتل و اسیر کر کے ملک شام پر قبضہ کرے اور خود تیمور کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ قسطنطنیہ کی فتح کو اُس نے دوسرے وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔ بہت زیادہ ممکن تھا کہ ملک شام کے چھین لینے پر اکتفا کر کے بایزید یلدرم خاموش ہو جاتا اور تیمور سے جنگ کرنا یعنی خود اُس پر حملہ آور ہونا ضروری جانتا کیونکہ وہ مسلمان بادشاہوں سے لڑنے کا شوق نہ رکھتا تھا اُس کو تو ابھی یورپ کے رہے ہوئے ملکوں کے فتح کرنے کا خیال تھا اور وہ عیسائیوں ہی کو اپنی شمشیر خارا شگاف کے جوہر دکھانا چاہتا تھا جن کو وہ جنگ نکوپولس میں سخت ہزیمت دیکر مرعوب بنا چکا تھا اور ہنگری و آسٹریا کی فتح کے بعد قسطنطنیہ و روما فتح کر کے گرجا میں اپنا گھوڑا باندھنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ مگر تیمور کئی سال سے نہایت سرگرمی کے ساتھ بایزید سے لڑنے اور اُس کو شکست دینے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ بایزید یلدرم عیسائی طاقت کو دُنیا سے نابود کرنے پر تُلا ہوا تھا اور تیمور بایزید کو نابود کرنے اور عیسائیوں کو بچانے پر آمادہ تھا۔ تیمور نے اپنے تمام سامانوں کو مکمل کر لینے کے بعد بایزید کے سرحدی شہر سیواس پر حملہ کر دیا جہاں یزید کا بیٹا بطور قلعہ دار موجود تھا۔ یزید کے بیٹے ارطغرل نے بڑی بہادری اور پامردی کے ساتھ قلعہ بند ہو کر مدافعت کی۔ تیمور نے سب سے پہلے اسی قلعہ پر اپنی قلعہ گیری کے سامانوں کو آزمایا اُس نے قلعہ کا محاصرہ کر کے باہر سے قلعہ کی بنیادیں کھدوانی شروع کیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر عمیق گڑھے کھود کر اور بنیاد کے نیچے سے مٹی نکال کر لکڑی کے مضبوط شہتیر بنیاد کے نیچے کھڑے کر دیئے پھر ان گڑھوں اور شہتیروں کے درمیانی حصے بھی اسی طرح خالی کر کے شہتیر اور لکڑیاں لگا دی گئیں گویا قلعہ کی تمام دیوار کو لکڑی کے شہتیروں پر معلق کر دیا گیا۔ پھر ان تمام شہتیروں میں آگ لگا دی گئی شہتیروں کے جلنے سے قلعہ کی تمام دیوار یک لخت زمین میں دھنس گئی۔ اس طرح یکا یک اپنے آپ کو بے پناہ دیکھ کر محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے اور سب کے سب جن کی تعداد چار ہزار تھی گرفتار ہو گئے۔ جس طرح سیواس کے قلعہ کو زمین میں غرق کرنے کا طریقہ تیمور نے عجیب و غریب اختیار کیا تھا اسی طرح اُس نے ان ترک قیدیوں کے ساتھ سفاکی و بیدردی کا سلوک بھی بہت ہی عجیب و غریب کیا۔ یعنی اُس نے بجائے اس کے کہ ان کو جان کی امان دیتا سب کی مشکیں کسوائیں اور ان کے سروں کو اُن کے گھٹنوں کے درمیان لیجا کر رسیوں سے جکڑ کر گٹھڑی کی طرح بندھوا دیا۔ پھر گہری گہری خندقیں کھدوا کر اُن میں سب کو ڈال دیا۔ اُن خندقوں یا یوں کہیئے کہ قبروں پر تختے رکھا کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ زندہ درگور کرنے کے اس ظالمانہ فعل کا جب تصور کیا جاتا ہے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بایزید یلدرم نے جب اپنے بیٹے اور چار ہزار ہم قوم ترکوں کے اس طرح ہلاک ہونے کا حال سُنا تو وہ اپنے ہوش میں نہ رہا۔ غالباً تیمور کا بھی یہی منشا تھا کہ بایزید آپے سے باہر ہو کر عقل و خرد سے بیگانہ ہو جائے اور فوراً مقابلہ پر آ جائے۔ بایزید یلدرم سے اس کے بعد جو بد احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی ظہور میں آئی اُس کو غصہ و غضب کا نتیجہ سمجھ لیجئے یا اُس

الزام کا نتیجہ قرار دیجئے جو شرا نجوری کے متعلق اُس پر لگایا گیا ہے۔ بہر حال اس کے بعد جنگی حزم و احتیاط کے معاملے میں تیمور ہر ایک اعتبار سے پورا اور بایزید ناقص ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تک بایزید یلدرم سے جنگی معاملات میں کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے آپ کو بڑا قابل اور لائق تعریف ثابت کر چکا تھا۔ بایزید تیمور کی طاقت سے واقف تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس ۶۹ سال کی عمر کے بوڑھے دشمن کی ساری عمر لڑائیوں ہی میں صرف ہوئی ہے۔ اُس کے پاس یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ تیمور کی رکاب میں پانچ لاکھ سے اوپر انتخابی فوج موجود ہے۔ بایزید اس عجلت میں جس قدر فوج جمع کر سکتا تھا اُس نے جمع کی اور سیواس کی طرف جہاں اُس کا بیٹا زندہ در گور کیا گیا تھا اور اُس کا دشمن اپنی فوج لئے ہوئے پڑا تھا بڑھا اُس کی فوج میں مغلوں کا ایک بڑا حصہ موجود تھا جو بایزید سے بددل اور تیمور کی فتح کا خواہاں تھا۔ اُس کی فوج میں اُس کی عیسائی بیوی کا بھائی شاہ سرویا اور بقول دیگر فرانسیسی بیوی کا بھائی ایک فرانسیس سردار بھی موجود تھا جو بیس ہزار سواروں کا افسر تھا۔ بایزید کو سرعتِ رفتار کے ساتھ آتا ہوا سُن کر تیمور نے ایک نہایت ہی موثر سپاہیانہ چال چلی جو اُس نے پہلے ہی سے سوچ رکھی تھی اور اُس کے متعلق ہر قسم کا انتظام پہلے سے کر لیا تھا۔ بایزید نے سیواس کی طرف اپنی فوج کے بعض حصے پہلے روانہ کر دیئے تھے اور ہر قسم کا ضروری سامان بھی ساتھ لے لیا تھا۔ تیمور اُس وقت تک کہ بایزید کا لشکر سیواس کے قریب پہنچا وہیں مقیم رہا جب اُس کو معلوم ہوا کہ بایزید جو پیچھے آ رہا ہے اب اپنا راستہ نہ بدل سکے گا تو وہ سیواس کو چھوڑ کر اور وہاں سے کترا کر جنوب کی طرف چلا۔ یا اور مغرب کی جانب مڑ کر سیدھا شہر انگورہ کی طرف گیا اور جا کر شہر شہر انگورہ کا محاصرہ کر لیا۔ بایزید یلدرم جب سیواس پہنچا تو اپنے بیٹے کے مقتل کو دیکھ کر غم و غصہ سے بیتاب ہو گیا لیکن اُس نے تیمور اور اُس کی فوج کو وہاں نہ پایا۔ بلکہ اُس کو معلوم ہوا کہ تیمور اپنی فوج کو لیکر سیواس سے دو سو پچیس میل مغرب کی جانب اندرون ملک یعنی شہر انگورہ میں جا پہنچا ہے۔ شہر انگورہ کی تباہی کا تصور بایزید یلدرم کے لئے سیواس کی تباہی سے بھی زیادہ رنجدہ تھا اور تیمور کے اس طرح ایشیائے کوچک کے قلب میں پہنچ جانے کو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب اُس کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ خشمِ اندیشہ سوز کا مغلوب نہ ہوتا اور قرا یوسف ترکمان اور شامی و مصری سرداروں کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ اطلاع دیکر تیمور کی طرف بڑھنے کی طرف دعوت دیتا اور خود تیمور کو اپنے ملک میں ہر طرف سے گھیر کر بند کر لنے اور اُس کے ذرائع رسد رسانی کو منقطع و مسدود کرنے کی تدبیریں عمل میں لاتا اور تیمور اگر مغرب کی جانب بڑھتا اور شہروں کو برباد کرتا تو یہ کام اُس کو کرنے دیتا کیونکہ اُس کے چاروں طرف وہ علاقے تھے جہاں عثمانی جاگیردار اور سلطنت عثمانیہ کے فدائی ترک بکثرت آباد تھے اور چاروں طرف سے بڑی زبردست فوجیں مجتمع ہو کر تیمور کے لشکر کو اپنی حملہ آوریوں کا مرکز بنا سکتی تھیں۔ اس طرح تیمور کو جال میں پھنسا کر گرفتار کر لینا بایزید کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ مگر تیمور بایزید کے مزاج سے یقیناً خوب واقف تھا اور وہ جانتا تھا کہ میرا حریف اس قدر مآل اندیشی کو ہرگز کام میں نہ لا سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بایزید جو بڑی آسانی سے چار لاکھ فوج سیواس کے میدان میں جمع کرنے کا اہتمام کر چکا تھا۔ اور تیمور سے کسی طرح مغلوب ہونے والا نہ تھا۔ جوشِ غضب میں بلا تامل دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا سیواس سے انگورہ کی طرف چلا اس تیز رفتاری

سل سفر میں صرف لاکھ بیس ہزار فوج اُس کے ہمراہ رہ سکی یہی شتاب زدگی بایزید یلدرم کی سب سے پہلی اور
سب سے بڑی غلطی تھی۔ بایزید یلدرم جب اپنی اس تھکی ماندی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کو لیکر انگورہ کے
متصل پہنچا ہے تو تیمور اپنی پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کو جو خوب تازہ دم اور ہر طرح مقابلہ کے لئے تیار تھی لئے
ہوئے بہترین مقام پر خیمہ زن تھا۔ تیمور نے اپنی فوج کے لئے شہر انگورہ کے شمال و مغرب میں بہتر سے بہتر
موقع انتخاب کر لیا تھا۔ اور جہاں جہاں خندق یا دمدمے کی ضرورت تھی تیار کرا چکا تھا بایزید یلدرم نے
تیموری لشکر گاہ کے شمال کی جانب اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں تیمور کی اس عظیم الشان فوج کو مطلق
خاطر میں نہیں لاتا قریب کے ایک مرتفع پہاڑی علاقے میں لیجا کر اول شکار میں مصروف ہوا اور جنگل کا
سپاہیوں سے محاصرہ کرا کر چنگیزی طریقہ سے دائرہ کو چھوٹا کرنا اور جنگلی جانوروں کو ایک مرکز کی طرف لانا
شروع کرایا جہاں سلطان اور اُس کے سردار جانوروں کے شکار کرنے میں مصروف تھے اس شکار
میں تھکی ماندی فوج کو پانی کے نہ ملنے کی سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی اور جو وقت سپاہیوں کو آرام
کرنے اور ستانے کے لئے ملنا چاہیئے تھا وہ اس محنت اور تشنگی کے عالم میں بسر ہوا جس سے
پانچ ہزار سپاہی پیاس کے مارے مر گئے اور فوج کے دل سے سُلطان کی محبت کم ہو گئی۔ اب جو شکار
سے اپنے کیمپ کی طرف واپس ہوا تو معلوم ہوا کہ کیمپ پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے جس پانی کے
چشمہ پر عثمانی لشکر کا گذر ممکن تھا اُس چشمہ کو اوپر سے بند لگا کر اور دوسری طرف کو اُس کا رُخ پھیر کر
تیمور کی دور اندیشی اور تجربہ کاری نے پہلے ہی خشک کرا دیا تھا۔ بایزید یلدرم اگرچہ خود بھی لڑائی میں دیر
اور تامل کرنے والا نہ تھا مگر غالباً وہ اپنے کیمپ میں پہنچکر اور کم از کم فوج کو پانی پینے کی مہلت دینے
بعد ہی صفوف جنگ تیار کرتا مگر اب وہ تیمور کی ہوشیاری اور چالاکی کے سبب مجبور ہو گیا کہ اپنی فوج
کو اسی خراب خستہ حالت میں لئے ہوئے بلا تامل دشمن پر حملہ آور ہوا۔

جنگِ انگورہ

۱۹ ذی الحجہ ۸۰۴ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء کو بایزید و تیمور کی زور آزمائی شروع
ہوئی اور مغرب کے وقت جبکہ رات شروع ہو گئی تھی لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ بایزید یلدرم کے ساتھ
جو فوج تھی اُس کی تعداد تو سب نے ایک لاکھ بیس ہزار ہی بتائی ہے لیکن تیمور کی فوج عام طور پر پانچ لاکھ
سے زیادہ اور بعض مورخین نے آٹھ لاکھ بیان کی ہے۔ بہرحال اگر تیمور کی فوج کو کم سے کم بھی مانا
جائے تب بھی وہ بایزید یلدرم کی فوج سے چوگنی ضرور تھی۔ اور اگر اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے
کہ تیمور کی فوج ستائی ہوئی تازہ دم اور بایزید کی فوج تھکی ماندی۔ بھوکی پیاسی تھی تو دونوں
کی طاقتوں کے تناسب میں اور بھی زیادہ فرق ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر بایزید
کی فوج کے مغلیہ دستوں نے عین معرکہ جنگ میں جو غداری دکھائی اور عیسائی سرداروں سے
جو کمزوری ظہور میں آئی اُس کا تصور بایزید اور تیمور کے مقابلہ کو شیر اور بکری کا مقابلہ ثابت کرتا
ہے مگر یہ سب کچھ بایزید کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے اور اس بات سے ہرگز انکار نہ ہونا
چاہیئے کہ جنگ انگورہ میں بایزید کی بیوقوفی اور جاہلانہ جوش کی نمائش ہوئی اور تیمور کی جنگی
مآل اندیشی اور دور بینی کا بخوبی اظہار ہوا۔ یہ بالکل ایک جدا بات ہے کہ ہم بایزید یلدرم کی شکست
سے متاسف ہوتے اور تیمور کو اس لڑائی میں خطا کار سمجھتے ہیں کیونکہ اس لڑائی کے نتائج عالم
اسلام کے لئے بیحد نقصان رساں برآمد ہوئے اور یورپ جو اسلامی براعظم بننے والا تھا۔ عیسائی

براعظم رہ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس لڑائی کے تفصیلی حالات اور مفصل کیفیت لکھنے کو اس لئے جی نہیں چاہتا کہ خاندان عثمانیہ کو جو ایک دیندار اور پابند مذہب خاندان تھا اس لڑائی نے سوگوار بنادیا لیکن فرائض تاریخ نگاری بھی ضرور پورے ہونے چاہئیں لہذا مختصر کیفیت سنیئے۔

امیر تیمور نے صفوف لشکر کو اس طرح آراستہ کیا کہ میمنہ پر شاہزادہ مرزا شاہرخ کو افسر مقرر کیا۔ میمنہ کی اس فوج میں جن سرداروں کی فوجیں شامل تھیں اُن کے نام یہ ہیں۔ امیرزادہ خلیل سلطان۔ امیر سلیمان شاہ۔ امیر رستم برلاس۔ سونجک بہادر۔ موسیٰ۔ توی بوغا۔ امیر یادگار وغیرہم۔ میمنہ کی فوج کے لئے امیرزادہ مرزا سلطان حسین کو ایک زبردست فوج کے ساتھ کمکی مقرر کیا۔

میسرہ میں امیر نورالدین جلائر۔ امیر برندق برلاس۔ علی قوچین۔ امیر مبشر۔ سلطان سنجر برلاس۔ عمر ابن تابان وغیرہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ متعین تھے۔ میسرہ کی ان تمام فوجوں کا افسر اعلیٰ شاہزادہ میران شاہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ میسرہ کی کمکی فوج امیرزادہ ابوبکر۔ امیر جہاں شاہ برلاس۔ امیر توکل برلاس۔ پیر علی سلدوز کو سپرد کی گئی۔

قلب کی فوج کے داہنے حصے میں تاش تمور اغلن اوزبک۔ امیرزادہ احمد۔ جلال باورچی یوسف۔ باباحاجی سوچی۔ اسکندر ہندوبوغا۔ خواجہ علی ایروی۔ ذولنتمور۔ محمد قوچین۔ ادریس قورچی وغیرہ شامل تھے ان سرداروں کی پشت پر بیگ ولی۔ ایلچکدائی ہری ملک۔ ارغون ملک صوفی خلیل۔ الیسن تمور۔ شیخ تمور۔ سنجر وحسین وعمر بیگ پسران نیک روز۔ جون عربانی۔ بیردی بیگ قوچین۔ امیر زیرک برلاس وغیرہ امرا بطور کمکی مقرر ہوئے۔

قلب کے بائیں حصے کی سرداری امیر توکل قراقرا۔ علی محمود۔ شاہ ولی۔ امیر سونجک تنکری۔ بیرش خواجہ۔ محمد خلیل۔ امیر لقمان۔ سلطان برلاس۔ میرک ایلچی۔ پیر محمد۔ شنکرم۔ شیخ اصلان الیاس کپک خانی۔ دولت خواجہ برلاس۔ یوسف برلاس۔ علی قبچاق وغیرہ کو سپرد ہوئی۔ ان سرداروں کی کمکی فوج میں امیرزادہ محمد سلطان۔ امیرزادہ پیر محمد۔ اسکندر۔ شاہ ملک۔ الیاس خواجہ امیر شمس الدین وغیرہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ شامل تھے۔

مذکورۂ بالا تقسیم و ترتیب کے علاوہ نہایت زبردست چالیس دستے تیمور نے اپنی رکاب میں جدا محفوظ رکھے تاکہ لڑائی کے وقت جس حصۂ فوج کو ضرورت ہو فوراً امداد پہنچائی جاسکے۔ اس پانچ چھ بلکہ آٹھ لاکھ فوج کے علاوہ فیلان کوہ پیکر کی بھی ایک بڑی تعداد جن کی صحیح گنتی معلوم نہیں تیمور کے پاس اس جنگ میں موجود تھی۔ ان جنگی ہاتھیوں کی صف لشکر کے آگے استادہ کی گئی تھی۔ بایزید کے پاس کوئی جنگی ہاتھی نہ تھا۔

سلطان بایزید نے میسرہ کی فوج سلیمان چلپی کو سپرد کی۔ میمنہ کی فوج کا افسر اپنے عیسائی سالے یعنی برادر زن کو بنایا۔ خود قلب کو سنبھالا اور اپنے پیچھے موسیٰ و عیسیٰ و مصطفےٰ اپنے تینوں بیٹوں کو رکھا۔

طرفین سے طبل جنگ بجا اور شیران غزندہ ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ غریو لشکر اردگرد کے ٹیلوں اور پہاڑوں کو لرزا دیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے فرش زمین نے غبار ہوا گیر ہوکر ابر تیرہ کی صورت اختیار کرکے تمازت آفتاب کو کم کیا۔ مگر خود شمشیر اور سنان وندہ نے ایک دوسرے سے ٹکرا کر چنگاریاں

برسائیں۔ خون کے فواروں سے چھڑکاؤ شروع ہؤا۔ بہادروں کی اگلی صفیں چشم زدن میں مردہ لاشیں بن کر بوریئے کی طرح زمین پر بچھی ہوئی نظر آنے لگیں پچھلی صفوں کے سپاہی اپنے بھائیوں کی لاشوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھے اور فوراً دو سروں کے لئے فرش راہ بننے لگے تیروں کی سرسراہٹ کمانوں کی چرچراہٹ تلوار کی کھاچ کھچ۔ نیزوں کے زرہوں میں پھنس جانے کا شور۔ شمشیروں کے آپس میں لڑ کر ٹوٹنے کی جھنکار۔ باش کرا اینک ہیرسم۔ ہشیار باش۔ شاباش۔ کجا میروی۔ یکے از من بستان۔ بگیرو بزن۔ مردانہ پیش؛ کی آوازوں کا غل۔ تلواروں اور برچھیوں کی بجلیوں کا چمکنا۔ خون کا زمین پر برسنا۔ لاشوں اور سروں کا دھڑا دھڑ گرنا۔ زخمیوں کے منہ سے کبھی کبھی باوجود ضبط آہ کا نکل جانا۔ ہاتھیوں کا چنگھاڑنا۔ گھوڑوں کا ہنہنانا۔ یہ سب مل ملاکر ایک ایسا لطف انگیز اور مسرت خیز سماں تھا کہ خوش نصیبوں ہی کو مدت العمر میں کبھی ایک دو مرتبہ ایسے دلچسپ تماشوں کے دیکھنے یا اُن میں شریک ہونے کا موقع مل سکتا ہے۔ ایسے تماشوں اور ایسے نظاروں کی خواہش میں بہادروں کے دل بیچین اور جوانمردوں کی آنکھیں نگران رہا کرتی ہیں ایسے دلچسپ اور خون فشاں مناظر کی قدر و قیمت کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں سر اُن کی رونق بڑھانے کے لئے جسم سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ جوش مسرت اور ہجوم شادمانی کا اس سے بڑھ کر اور کیا موقع ہو سکتا ہے کہ جسم انسانی کا تعلق لوہے کے ساتھ حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ تلواریں خشک چمڑے کے نیام میں قیام کرنا پسند نہیں کرتیں بلکہ انسان کے زندہ گوشت میں چلنا اُن کو مرغوب ہوتا ہے سنان کی خواہش میں سینے آگے بڑھتے ہیں اور برچھی کے پھل کی مشایعت میں خون کے فوارے محبت کی وجہ سے نکلتے ہیں۔ نامردوں نے سمجھ رکھا ہے کہ قیس عامری سب سے بڑا عاشق تھا جو لیلیٰ کی محبت میں مجنوں بن گیا تھا۔ لیکن عشق و محبت کی حقیقت اُن جوانمردوں سے پوچھو جو شمشیر دودم پر دم دیتے اور میدانِ جنگ میں جس طرح تلوار خون کے دریا میں نہاتی ہے اسی طرح آپ بھی غرق خون ہونے کا شوق رکھتے ہیں۔ بہادروں سے ان باتوں کی تصدیق کرو۔ نامردوں کو یہ پُر لطف و پُر کیف باتیں سنا کیونکہ وہ اپنا اور تمہارا وقت کج بحثی میں ضایع کر دیں گے۔

انگورہ کے میدان میں اُس روز شام تک یہ دلچسپ تماشا ہوتا رہا اور آسمان و آفتاب دونوں کو حسرت رہی کہ غبار کے بادل نے حائل ہو کر اُن کو بہادروں کی قابلیت جنگی اور جوانمردوں کی نہنگانہ فرہنگی کا اچھی طرح معائنہ نہ کرنے دیا۔ تیمور کی فوج میں سے شاہزادہ ابوبکر نے سلیمان چلپی پر ایک نہایت سخت حملہ کر کے ترکوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابوبکر کے بعد ہی سلطان حسین نے دوسرا حملہ سلیمان پر کیا۔ ان دونوں حملوں نے کچھ کم صدمہ نہیں پہنچایا تھا کہ تیسرا حملہ محمد سلطان نے کیا سلطان بایزید یلدرم کے میسرہ کی ایسی نازک حالت دیکھ کر بایزید کا ایک سردار محمد خان چلپی سلیمان کی مدد کے لئے بڑھا۔ تیموری لشکر کے ان سخت و شدید حملوں کو ترکی فوج نے بڑی بہادری و مردانگی کے ساتھ روکا اور مغلوں کی اس کثیر التعداد حملہ آور فوج کو تھوڑی دیر کی شمشیر زنی کے بعد اپنی مقررہ جگہ پر جو ایک سطح مرتفع تھی واپس آجانا پڑا۔ سلطان بایزید کے میسرہ پر جب یہ مصیبت آرہی تھی تو وہ اپنی فوج کے حصۂ قلب کے ساتھ مغلوں کے اُس عظیم و شدید حملہ کو روک رہا تھا جو مغلوں کے قلب نے جنگی ہاتھیوں کے ساتھ بایزید پر کیا تھا بایزید اس معرکہ میں اپنے انتہائی تہور کے سبب یہ بھول گیا کہ میں اپنی تمام فوج کا سپہ سالار اعظم ہوں اور مجھ کو صفوف قتال سے جُدا رہ کر میدان جنگ کے ہر حصہ پر نظر رکھنی چاہیئے۔ بلکہ اُن سے ایک بہادر

سپاہی کی طرح بذات خود دشمن پر رستمانہ صفوف شکن حملے شروع کر دیئے اُس کی بہادر فوج نے بھی اپنے سردار کی تقلید میں صف شکنی و حریف افگنی کا خوب حق ادا کیا۔ چنانچہ بایزید نے مغلوں کے قلب کی فوج کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور تیموری سرداروں کو بھگا دیا۔ اب بایزید کا فرض تھا کہ وہ اپنے یمین و یسار کی فوجوں کا بندوبست کرتا اور اپنی جمعیت کو بطریق احسن ترتیب دیکر آگے بڑھتا لیکن اُس نے اپنے مقابل کی فوجوں کو بھگا کر بے تحاشا اُسی سطح مرتفع پر حملہ کیا جہاں ابوبکر و سلطان حسین وغیرہ واپس ہو کر متمکن تھے۔ تیموری شہزادے اور تیموری سردار بایزید کے اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ بایزید نے چشم زدن میں دشمن کے چھ زبردست سرداروں کو بیدخل کر کے اُس ٹیلہ پر قبضہ کر لیا۔ تیمور شروع سے آخر تک بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہوا لیکن میدان جنگ کے ہر گوشہ پر اُس کی نظر تھی۔ اُس نے اس بھی ہوئی شطرنج میں اپنے جس مہرہ کو کمزور دیکھا اُسے زور پہنچایا اور جہاں سے جس مہرہ کو پیچھے ہٹانا مناسب سمجھا فوراً پیچھے ہٹایا۔ غرض اُس نے انتہائی دور اندیشی اور کمال حزم و احتیاط کے ساتھ میدان جنگ کا رنگ شام تک اپنے حسب منشا بنا لینے کی کوشش کی۔ بایزید کو اس طرح فاتحانہ آگے بڑھا ہوا دیکھ کر اُس نے اپنے تازہ دم دستوں کی مدد سے بایزید کے میمنہ اور میسرہ پر یکلخت حملہ کرا کر بایزید کو اُس کی فوج کے بڑے حصے سے جدا کر دیا۔ عین اسی وقت بہت سے مغلیہ دستے جو بایزید کی فوج میں شامل تھے تیموری لشکر میں شامل ہو گئے جس سے بایزید کے لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔ اب تیمور نے اپنی فوج کی کثرت تعداد سے فائدہ اُٹھانے کی نہایت باموقع کوشش کی یعنی قرنا کے ذریعہ تمام فوج کو دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ بایزید کا میمنہ اور میسرہ پہلے ہی مغلوں کی بیوفائی سے سخت مجروح اور کمزور ہو چکا تھا اس عام حملہ آوری نے بایزید کے میمنہ اور میسرہ کو درہم برہم کر دیا۔ بایزید کا بیٹا مصطفےٰ مارا گیا اُس کا برادر زن یعنی عیسائی سردار بحالت تباہ فرار ہوا اور بایزید اپنے رکابی دستہ کے ساتھ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گیا۔ بایزید اور اُس کے جان نثاروں نے اس حالت میں شمشیر زنی کے جو جوہر دکھائے وہ اُنہیں کا حصہ تھا۔ بایزید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جس طرف حملہ آور ہوتا تھا مغلوں کے ٹڈی دل کو دُور دُور تک پیچھے دھکیل دیتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسی نوبت پہنچی کہ بایزید حملہ آور ہو کر اور مغلوں کی صفوں کو چیر کر اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں تیمور کھڑا ہوا اپنی فوج کو حملہ کی ترغیب دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی شروع ہو جانے پر جبکہ بایزید کے قریباً تمام جان نثار مارے جا چکے تھے یہ عثمانی شیر بھی کمند میں ڈال کر یا گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے گر جانے پر گرفتار کر لیا گیا اور میدان انگورہ میں اسلامی دُنیا کی وہ تمام امیدیں جو بایزید کی ذات سے وابستہ تھیں دفن ہو گئیں۔

اگر فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو تو انسان کا خاصہ ہے کہ وہ بہادری کی قدر کرتا اور بہادر انسان کو محبوب رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر ایک ملک میں شیر کو جو انسان کا ہلاک کرنے والا جانور ہے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور لوگ اس بات کے خواہاں رہتے ہیں کہ اُن کو شیر سے تشبیہ دی جائے۔ حالانکہ بیل اور گھوڑا انسان کے بہت کام آتے ہیں مگر کوئی شخص اپنے آپ کو بیل یا گھوڑا کہلانا پسند نہیں کرتا۔ رستم کے نام کو جو شہرت اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو جو عظمت دنیا میں حاصل ہے اس کا سبب بھی وہی بہادری ہے جو فطرت انسانی کے لئے محبوب و مرغوب چیز ہے رستم، رہنبال، خالد بن ولیدؓ، سلطان صلاح الدینؒ، نپولین، عثمان پاشا وغیرہ شیر دل انسانوں کو دنیا کے ہر ملک

اور ہر قوم میں یکساں عزت و عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں یورپ کی جنگ عظیم کے زمانے میں جرمن کا ایک چھوٹا سا جنگی جہاز ایمڈن نامی بحر ہند اور بحر الکاہل کی طرف نکل آیا تھا۔ اس جہاز نے عرصہ تک غیر معمولی بہادری اور جرأت کے نمونے دکھائے اور انگریزوں کو بہت نقصان پہنچایا لیکن جب اس کا کپتان گرفتار ہو کر انگلستان پہنچا ہے تو باشندگان انگلستان اس کی زیارت کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے اور اس کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہم جب شاہنامہ میں رستم کی بہادریوں کے حالات پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچتے ہیں کہ جہاں رستم ایک پرستار زادہ شغاد نامی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ہے تو ہمارا دل حزن و ملال سے لبریز ہو جاتا ہے۔ حسرت و اندوہ کا سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان مظاہرہ اس وقت معائنہ ہو سکتا ہے جبکہ کسی بہت بڑے بہادر کا انجام ناکامی کی شکل میں نمودار ہوا ہو غالباً سلطان بایلدرم کا انگورہ کے میدان میں گرفتار ہو جانا بھی دنیا کا ایسا ہی عظیم الشان واقعہ ہے جس کے تصور سے بے اختیار قلب پر حسرت و اندوہ کا ہجوم چھا جاتا ہے۔

میدان انگورہ میں اگر تیمور کی شکست ہوتی تو یقیناً تیمور اور اس کے خاندان کو تو نقصان عظیم پہنچتا لیکن عالم اسلام کو تیمور کی شکست سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ تھا کیونکہ مشرقی ممالک جو تیمور کے قبضے میں تھے وہ تیمور کے بعد بھی مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہتے ان کی نسبت یہ اندیشہ ہرگز نہ تھا کہ اسلامی ممالک کسی غیر مذہب کی حکومت میں شامل ہو جائیں گے لیکن بایزید کی شکست سے عالم اسلام کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ یورپ کی طرف اسلامی پیشقدمی رک گئی اور نیم مردہ یورپ پھر اطمینان و سکون کے سانس لینے لگا۔ بایزید یلدرم اور تیمور کی اس جنگ میں اگر بایزید یلدرم کو فتح حاصل ہوتی تو چونکہ بایزید کی فوج چوتھائی سے بھی کم تھی اس لئے یہ لڑائی ۴۶۳ھ کی اس لڑائی کی مانند سمجھی جاتی جو ایشیا کوچک کے میدان ملاذ کرد میں ہوئی تھی جس میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے مسلمانوں کی صرف بارہ ہزار فوج سے عیسائیوں کی دو تین لاکھ فوج کو شکست دی تھی یا پانی پت کی تیسری لڑائی سے مشابہ ہوتی جو ۱۱۷۴ھ میں ہوئی جس میں مسلمانوں کی صرف اسی نوے ہزار فوج نے ہندوؤں کی پانچ چھ لاکھ فوج کو شکست فاش دی یا جنگ کسووا اور جنگ نکوپولس کی فہرست میں داخل ہوتی کیونکہ ان تمام لڑائیوں میں تھوڑی تھوڑی فوجوں نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست فاش دی تھی۔ غالباً جنگ نکوپولس پر ہی قیاس کر کے بایزید یلدرم نے اپنی قلت اور تیمور کی کثرت پر کوئی لحاظ نہیں کیا۔ مگر اس نے یہ نہ سوچا تیمور اور اس کی فوج بھی تو مسلمان ہی ہے۔ جن لڑائیوں میں غیر معمولی کثرت نے حیرت انگیز قلت سے شکست کھائی ان میں ہمیشہ بڑی فوج کفار کی اور چھوٹی فوج مسلمانوں کی ہوا کرتی تھی۔ لیکن جنگ انگورہ میں چونکہ دونوں طرف مسلمان تھے اس لئے اس میں کثرت کو قلت پر غالب آنا چاہئے تھا چنانچہ غالب ہوئی۔

تیمور بھی اگرچہ چنگیزی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور چنگیز خان ہی کی مانند بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملک گیر و فتحمند تھا لیکن چونکہ مسلمان تھا لہٰذا اس کا وجود اور اس کی ملک گیری باوجود اس کے کہ مسلمانوں ہی سے زیادہ لڑا اتنی قابل شکایت نہ تھی کیونکہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک عظیم الشان شہنشاہی میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی کہ ان کی ایک عظیم الشان شہنشاہی مغرب میں اور ایک مشرق میں قائم ہو گئی تھی مسلما

کا ایک شہنشاہ مغرب میں فتوحات حاصل کرتا ہوا ساحل فرانس اور رودبارِ انگلستان تک پہنچنا چاہتا تھا اسی طرح دوسرا تیمور مشرق کی طرف متوجہ ہو کر ساحل چین اور بحیرۂ جاپان تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا جاتا تو تمام دُنیا کے فتح ہو جانے اور اسلام کے زیر سایہ آ جانے میں کوئی کلام نہ تھا کیونکہ جس طرح مشرق میں کوئی تیمور کا مدمقابل نہ تھا اسی طرح مغرب میں کوئی طاقت بایزید یلدرم کی ٹکر سنبھالنے والی نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ انگورہ کے میدان نے ان دونوں مسلم شہنشاہوں کو اپنی طرف کھینچا اور یہ دونوں آپس میں ٹکرا گئے۔ سمندر میں دو جہازوں کا ٹکرانا خشکی میں دو نہایت تیز رفتار ریل گاڑیوں کا حالت گرم رفتاری میں مقابل سمتوں سے آ کر متصادم ہونا۔ دو مست ہاتھیوں کا آپس میں ٹکریں لڑنا دو خونخوار غضبناک ببر شیروں کا ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا بلاشک بڑے ہی ہیبت ناک اور زہرہ شگاف مناظر ہوتے ہیں لیکن انگورہ کے میدان میں تیمور و بایزید دو مسلمان بادشاہوں۔ دُنیا کے دو عظیم الشان فتحمند فلں۔ دُنیا کے دو سب سے بلند مرتبہ بہادروں کا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونا سب سے بڑھ کر ہیبت ناک اور سب سے زیادہ زہرہ شگاف نظارہ تھا۔ دو پہاڑ اپنی اپنی جگہ سے حرکت کر کے ایک دوسرے کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لئے میدان انگورہ کی طرف بڑھے تھے یا دو سمندر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے جوش میں آ گئے تھے۔ بہر حال جنگ انگورہ دنیا کا ایک نہایت عظیم الشان اور لانظیر واقعہ ہے۔

اس لڑائی میں بایزید یلدرم کا بیٹا موسیٰ بھی باپ کے ساتھ قید ہو گیا تھا۔ شہزادہ محمد اور شہزادہ عیسیٰ میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جان بچا سکے تھے۔ تیمور نے سلطان بایزید کو ایک قفس آہنی میں قید کیا اور اس لڑائی کے بعد اسی حالت قید میں اُس کو اپنے ساتھ ساتھ سفر میں لئے پھرا۔ سلطان بایزید یلدرم کو جو ایک عالی جاہ شہنشاہ تھا اس طرح ذلت کے ساتھ قید کرنا اور اُس کی تشہیر و رسوائی سے لطف حاصل کرنا تیمور کے شریفانہ اخلاق پر ایک سیاہ اور مکروہ دھبہ ہے بہادروں اور شریفوں کو جب اپنے دشمن پر پورا پورا قابو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اُس مجبور و مغلوب دشمن پر ہمیشہ احسان کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے جب قیصر قسطنطنیہ کو ملاذ کرد کے میدان جنگ میں گرفتار کیا تو اُس کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا اور اُس کے مقبوضہ مُلک کا پھر اُس کو فرمانروا بنا دیا۔ سکندر یونانی کے سامنے جب پنجاب کا راجہ گرفتار ہو کر آیا تو اُس نے نہ صرف یہ کہ پنجاب کا مالک ہی اُس کو دیا ہو بلکہ اُس میں اور بھی ملک اپنی طرف سے اضافہ کر کے اُس کو پنجاب کا فرمانروا بنا دیا۔ خود بایزید یلدرم نے نکوپولس کے میدان جنگ میں ۲۵ شہزادوں کو گرفتار کیا اور پھر سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جاؤ اب دوبارہ پھر اچھی طرح میرے مقابلے کے لئے تیاری کرو۔ افسوس کہ ایسے بے نظیر بہادر اور ایسے مجاہد اسلام پر قابو پا کر تیمور نے جو سلوک اُس کے ساتھ کیا اس سے تیمور کی بہادری و ملک گیری کا مرتبہ نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ تیمور نے بایزید یلدرم کو اس طرح کٹہرے میں رکھا جس طرح شیروں کو کٹہرے میں بند رکھا جاتا ہے۔ اس سے ایک شاعرانہ تسکین بخش تخیل ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے اس عثمانی شیر کو شیر ہی سمجھ کر قفس آہنی میں بند کیا تھا لیکن اُس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ تیمور کی آدمیت انسان و حیوان میں کوئی فرق نہ دیکھ سکی۔

بایزید یلدرم کو جنگ انگورہ کے نتیجے میں جو ذلت سہنی پڑی وہ معمولی نہ تھی اور اسی سبب سے وہ

اس سخت و شدید قید میں آٹھ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ تیمور نے بایزید یلدرم کے فوت ہو جانے پر صرف اس قدر انسانیت کا کام کیا کہ بایزید کی لاش اُس کے بیٹے موسیٰ کو جو قید میں موجود تھا سپرد کی اور اس کو آزاد کر کے اجازت دی کہ اپنے باپ کی لاش کو بروصہ میں لیجا کر دفن کرے۔ تیمور کی تمام ترک و تاز اور فتحمندیاں مسلمان سلاطین کو زیر کرنے اور مسلمانوں کے شہروں میں قتل عام کرانے میں محدود رہیں اور اس کو یہ توفیق میسر نہ آسکی کہ غیر مسلموں پر جہاد کرتا یا غیر مسلم علاقوں میں اسلام پھیلاتا۔ بایزید یلدرم کے فوت ہونے کے بعد تیمور بھی زیادہ دنوں نہیں جیا۔ وہ سمرقند پہنچکر چین کے ملک پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا اور اُس کی یہی چڑھائی ایسی تھی جو اُس نے غیر مسلم علاقے پر کی تھی مگر خدائے تعالیٰ نے اُس کو پورا نہ ہونے دیا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ جنگ انگورہ کا ذکر خود تیمور نے بھی اپنی تورک میں کیا ہے مگر نہایت ہی مجمل و مختصر۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بایزید یلدرم کی وفات کے بعد تیمور کو اپنی اس حرکت پر سخت افسوس ہوا کہ اُس نے عثمانی سلطان کو کیوں تباہ و برباد کیا۔ اگر تورک تیموری کو بغور مطالعہ کیا جائے تو اُس سے اس بات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بایزید یلدرم کی گرفتاری کو اُس زمانہ کے تمام مسلمانوں نے نہایت نفرت اور رنج کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اسی لئے تیمور جنگ انگورہ کے متعلق تفصیل اور فخر و مباہات کے جملوں سے قطعاً احتراز کرتا ہے اور ممکن ہے کہ اسی جرم عظیم کی تلافی کے لئے اُس نے ملک چین کی فتح کا ارادہ کیا ہو جو پورا نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم بالصواب

بایزید یلدرم کا بیان کسی قدر طویل ہو گیا ہے لیکن مجھ کو قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ اس بیان کے طویل ہو جانے میں مجھ کو زیادہ مجرم نہ ٹھہرائیں گے۔ بایزید یلدرم اور جنگ انگورہ کے حالات لکھتے ہوئے مجھ کو بار بار اس بات کا احساس ہوا ہے کہ اس موقع پر تاریخ اسلام کے اُس اختصار و ایجاز کا تناسب بگڑا جا رہا ہے جو ابتک اس تاریخ کی نگارش میں مد نظر رہا ہے۔ لیکن ان حالات کی اہمیت یقیناً اس طوالت کو جائز قرار دے رہی ہے۔

سلطان بایزید خان یلدرم کے بیٹوں کی خانہ جنگی

جنگ انگورہ کے بعد سلطنت عثمانیہ کے تباہ و برباد ہو جانے میں بظاہر کوئی کسر باقی نہیں معلوم ہوتی تھی کیونکہ تیمور نے ایشیائے کوچک کے بہت سے علاقے ان سلجوقی خاندانوں کے رئیسوں کو دے دیئے تھے۔ جو سلطنت عثمانیہ سے پہلے ایشیائے کوچک میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں رکھتے تھے بعض علاقوں میں اُس نے اپنی طرف سے نئی ریاستیں قائم کر دی تھیں۔ بایزید یلدرم جب ایشیائے کوچک کی طرف تیمور کے مقابلہ کے لئے آیا تھا۔ تو اپنے سب سے بڑے بیٹے سلیمان کو ایڈریانوپل میں اپنا قائم مقام بنا آیا تھا۔ جنگ انگورہ کے نتیجہ سے مطلع ہو کر عیسائیوں نے اپنے علاقوں کو پھر واپس لینے کی جرأت کی اور ایڈریانوپل اور اُس کے نواحی علاقوں کے سوا باقی حصہ یورپی مقبوضات کا سلطنت عثمانیہ سے نکل گیا۔ قیصر قسطنطنیہ نے بھی جو اس جنگ کے نتیجے کا بے صبری سے انتظار کر رہا تھا اپنے مقبوضات کو وسیع کیا اور یورپ کے عیسائیوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔ مگر عثمانیوں کے ساتھ گذشتہ زمانے میں جو لڑائیاں ہو چکی تھیں اُن کا رعب پھر بھی عیسائیوں کے دلوں پر اس قدر غالب تھا کہ وہ عثمانیوں کو ایڈریانوپل سے خارج کرنے پر فوراً آمادہ نہ ہو سکے۔ سلطنت عثمانیہ کا رقبہ بہت ہی محدود و مختصر رہ گیا تھا۔ جس میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا یورپ کا اور ایک چھوٹا سا حصہ ایشیائے کوچک کا شامل تھا۔ پھر سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ بایزید یلدرم کے

بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔
بایزید یلدرم کے سات یا آٹھ بیٹے تھے جن میں سے پانچ چھ جنگ انگورہ کے بعد باقی رہے جن کے نام یہ ہیں سلیمان خان جو ایڈریانوپل میں باپ کا قائم مقام تھا۔ موسیٰ جو باپ کے ہمراہ قید تھا۔ عیسیٰ جو جنگ انگورہ سے بچکر بروصہ کی طرف بھاگ آیا اور یہاں کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ محمد جو بایزید کا سب سے چھوٹا اور سب سے زیادہ لائق بیٹا تھا ایشیائے کوچک ہی کے ایک دوسرے شہر میں حکومت کرنے لگا۔ قاسم جو کوئی حوصلہ نہ رکھتا تھا اور محمد یا عیسیٰ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس طرح بایزید کی گرفتاری کے بعد ایشیا کے بچے ہوئے عثمانی علاقے میں محمد اور عیسیٰ دونوں الگ فرمانروائی کرنے لگے اور یورپی علاقے پر سلیمان قابض رہا بہت ہی جلد عیسیٰ اور محمد میں لڑائی ہوئی تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو سکے کہ ایشیائے کوچک کے عثمانی مقبوضہ پر ان دونوں میں سے کون فرمانروائی کرے گا سخت خونخوار جنگ کے بعد محمد نے عیسیٰ کو شکست دیکر بروصہ پر قبضہ کرلیا اور عیسیٰ ایشیائے کوچک سے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس ایڈریانوپل میں پہنچا کہ اُس کو محمد کے اوپر ایشیائے کوچک میں چڑھا کر لائے چنانچہ سلیمان اپنی فوج لیکر ایشیائے کوچک میں آیا اور بروصہ و انگورہ کو فتح کرلیا کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ بایزید یلدرم تیمور کی قید میں سختی و ذلت برداشت کر رہا تھا اور اُس کے بیٹے آپس میں مصروف جنگ تھے کہ سلطنت کے بچے ہوئے چھوٹے سے ٹکڑے پر کون فرمانروائی کرے۔ وہ جس وقت آپس میں چھری کٹاری ہو رہے تھے تو اُن کو یقیناً اپنے باپ کا مطلق خیال نہ آتا تھا اور وہ اُس کی تکلیفوں اور ذلتوں کا کوئی تصور نہ کرتے تھے ورنہ اس طرح آپس میں ایک دوسرے کے خون کی خواہش نہ کرتے۔ انہیں ایام میں جبکہ سلیمان ایشیائے کوچک میں آکر محمد سے لڑ رہا تھا جنگ انگورہ کے آٹھ ماہ بعد بایزید یلدرم نے قید میں وفات پائی اور تیمور نے اُس کے بیٹے موسیٰ کو قید سے رہا کر کے باپ کی لاش کے لیجانے کی اجازت دی۔ موسیٰ باپ کی لاش لئے ہوئے آ رہا تھا کہ راستہ میں قرمانیہ کے سلجوقی رئیس نے موسیٰ کو گرفتار کرلیا۔ محمد نے جو سلیمان سے شکست کھا کر ملک میں آوارہ اور سلیمان کے مقابلہ کے لئے طاقت بہم پہنچانے کی فکر میں تھا اس خبر کو سن کر فرمانروائے قرمانیہ کو لکھا کہ آپ براہ کرم میرے بھائی موسیٰ کو رہا کر دیجئے تاکہ میں اور وہ دونوں ملکر سلیمان کا کچھ تدارک کر سکیں۔ حاکم قرمانیہ نے سلیمان اور اُس کے بھائیوں میں معرکہ آرائی کو اس لئے غنیمت سمجھا کہ عثمانی سلطنت کی رہی سہی طاقت اس خانہ جنگی سے زائل ہو سکے گی۔ چنانچہ اُس نے محمد خان کی سفارش کو فوراً قبول کر کے اُس کے بھائی موسیٰ کو رہا کر دیا جو باپ کی تدفین سے فارغ ہوتے ہی فوراً اپنے بھائی محمد خاں سے آملا۔ موسیٰ چونکہ باپ کے ساتھ قید میں رہا تھا اس لئے اُس کی قبولیت عثمانی امرا اور سپاہیوں میں قدرتاً زیادہ تھی۔ اُس کے شریک ہوتے ہی محمد خان کی طاقت بڑھ گئی اور بڑے زور شور سے ایشیائے کوچک کے میدانوں میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا ایک طرف محمد و موسیٰ اور دوسری طرف سلیمان و عیسیٰ تھے۔ آخر عیسیٰ تو انہیں لڑائیوں میں کام آیا مگر سلیمان نے اپنے دونوں مقابل بھائیوں کو اپنے اوپر چیرہ دست نہ ہونے دیا۔ کئی مرتبہ محمد و موسیٰ کو شکست بھی ہوئی۔ آخر موسیٰ نے اپنے بھائی سے کہا کہ آپ مجھ کو تھوڑی سی فوج دے کر یورپی علاقے میں بھیجدیجئے تاکہ میں وہاں جا کر قبضہ کروں اور سلیمان کو مجبوراً ایشیا ئے کوچک ...

ہوڑ کر اُس طرف متوجہ ہونا پڑے۔ محمد کو بھائی کی یہ رائے بہت پسند آئی چنانچہ موسی فوج لیکر ایڈریانوپل
ج گیا یہ خبر سُنتے ہی سلیمان بھی اُس طرف متوجہ ہوا اور موسی و سلیمان میں ایک خونخوار جنگ ہوئی سلیمان
ونکہ بڑا بیٹا تھا اور اپنے آپ کو تمام سلطنت عثمانیہ کا واحد فرمانروا سمجھتا تھا لہٰذا اُس کو فوجی سرداروں کے
اتھ غیر معمولی رعایتیں کرنے اور اُن کو خوش رکھنے کا زیادہ خیال نہ آتا تھا۔ لیکن موسی و محمد چونکہ سلیمان
ے حکومت چھیننا چاہتے تھے اور چھوٹا ہونے کی وجہ سے اپنے حق کو خود بھی پست تر جانتے تھے لہٰذا
ن کا برتاؤ اپنی فوج کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا اور یہ اپنے فوجی سرداروں کے خوش رکھنے اور اُن کی
زتیں بڑھانے میں کسی موقع کو فروگذاشت نہ ہونے دیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوجی سرداروں نے
لیمان پر موسی کو ترجیح دی اور اُنہیں کی وجہ سے سلیمان کو موسی کے مقابلے میں شکست فاش حاصل ہوئی
لیمان شکست یاب اور مفرور ہو کر قسطنطنیہ کے قیصر کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستے میں ۸۱۳ھ میں
رفتار ہو کر مقتول ہوا۔ اب صرف دو بھائی باقی رہ گئے یعنی محمد اور موسی۔ سلطنت عثمانیہ کا یورپی حصہ
وسی کے قبضے میں آگیا اور ایشیائی حصے پر محمد قابض رہا۔

موسی کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ قیصر مینوئل پلیولوگس فرمانروائے قسطنطنیہ سلیمان کی طرفداری کرتا تھا
ور اسی لئے سلیمان اُس کے پاس بھاگ کر جانا چاہتا تھا لہٰذا اُس نے ارادہ کر لیا کہ قیصر قسطنطنیہ کو بھی
سزا دے مگر اس سے پہلے اُس کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اسٹیفن حاکم سرویا کو سزا دے کیونکہ اسٹیفن
حاکم سرویا نے علانیہ سلیمان کی حمایت کی تھی لہٰذا اُس نے اول سرویا پر چڑھائی کی اور سرویا کی فوج
و میدان جنگ میں ایسی شکست فاش دی کہ اُس کی کمر ٹوٹ گئی اور پھر سرحدی اضلاع میں
عثمانیوں کا رُعب اور عیسائیوں کے دلوں میں خوف طاری ہو گیا۔ موسی کا یہ حملہ جو اُس نے سرویا پر
کیا سلطنت عثمانیہ کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوا کیونکہ اس سے یورپ کے عیسائیوں کا وہ خیال
کہ اب عثمانی بہت کمزور ہو گئے ہیں بدل گیا۔ اس کے بعد موسی نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کر کے محاصرہ
کر لیا اور قیصر قسطنطنیہ کو سزا دینا ضروری سمجھا قیصر مینوئل بھی بہت ہوشیار اور چرکس آدمی تھا اُس
نے اس فرصت میں محمد خان کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھا لئے تھے جو ایشیائے کوچک میں تنہا
قابض و فرمانروا ہو کر کافی طور پر مضبوط ہو چکا تھا۔ اور اُن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو تیمور نے قائم
کر دی تھیں اپنی حکومت میں شامل کر رہا تھا بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ موسی و محمد دونوں بھائی
اس تقسیم پر رضامند ہیں کہ موسی یورپی علاقے پر قابض رہے اور محمد ایشیائی علاقے میں حکومت کرے
اگرچہ اس کے متعلق کوئی معاہدہ اور باقاعدہ فیصلہ نہ ہوا تھا۔ مگر قیصر کی ریشہ دوانیوں اور
چالاکیوں نے بہت ہی جلد ایک پیچیدگی پیدا کر دی۔ جب موسی نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو قیصر
نے محمد خان سے امداد و اعانت طلب کی اور محمد خان نے بلا تامل اس محاصرہ کے اُٹھانے کے لئے
یورپ کے ساحل پر فوج لیکر جانا ضروری سمجھا۔ اس طرح قسطنطنیہ کے محاذ جنگ پر یورپی ترک اور
ایشیائی ترک آپس میں مصروف جنگ ہوئے اور دونوں بھائیوں میں مخالفت کی بنیاد رکھی گئی۔
ابھی موسی کا محاصرہ بدستور قائم تھا کہ محمد خان کو اپنے ایشیائی علاقے میں ایک ماتحت رئیس کے
باغی ہونے کی خبر پہنچی اور وہ فوراً ایشیائے کوچک میں بغاوت فرو کرنے چلا گیا۔ یہ بغاوت موسی
کے اشارے سے ہوئی تھی تاکہ محمد خان ایک عیسائی بادشاہ کی مدد نہ کر سکے۔ محمد خان بہت جلد بغاوت

کے فرو کرنے میں کامیاب ہوا ادھر اُس کی غیر موجودگی میں موسیٰ نے محاصرہ میں سختی کی اور قیصر قسطنطنیہ کا حال بہت ہی پتلا ہونے لگا۔ محمد خان فارغ ہو کر دوبارہ قسطنطنیہ پہنچ گیا اور اُس نے اسٹیفن شاہ سرویہ کو لکھا کہ تم موسیٰ کے خلاف خروج کرو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ محمد خاں کا سہارا پاکر شاہ سرویہ جو پہلے ہی سے موسیٰ کے ذریعہ آزار رسیدہ تھا اُٹھ کھڑا ہوا۔ موسیٰ کو جب شاہ سرویہ کے خروج کا حال معلوم ہوا تو وہ قسطنطنیہ سے محاصرہ اُٹھا کر سرویہ کی طرف متوجہ ہوا ادھر سے اُس کے متعاقب محمد خان اپنی فوج لیکر پہنچا۔ سرویہ کی جنوبی سرحد پر مقام چرلی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ موسیٰ لڑائی میں مارا گیا اور محمد خان ابن بایزید یلدرم مظفر و منصور ہو کر ایڈریا نوپل میں تخت نشین ہوا اور تمام عثمانیہ مقبوضات میں وہی تنہا فرمانروا تسلیم کیا گیا چونکہ اب بایزید کی اولاد میں وہی تنہا قابل حکومت شخص رہ گیا تھا۔ لہٰذا خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔ محمد خان نے ایڈریا نوپل میں تخت نشین ہو کر اپنی رعایا۔ فوج اور سرداروں سے وفاداری کا حلف لیا اور سلیمان کے بیٹے کو جس سے بغاوت کا قوی اندیشہ تھا نیز اپنے بھائی قاسم کو جو بروصہ میں مقیم تھا محض اس لئے کہ آئندہ وہ فتنہ برپا نہ ہو سکے اندھا کرادیا اور نابینا کرنے کے بعد اُن کو نہایت آرام و عزت و آسائش سے رکھا۔ یہ واقعات ۸۱۶ھ میں وقوع پذیر ہوئے۔ اس طرح جنگ انگورہ کے بعد گیارہ سال تک خاندانِ عثمانیہ میں خانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہا۔ اس گیارہ سال کی خانہ جنگی میں سلطنت عثمانیہ کا قائم رہنا اور پھر ایک شاندار مضبوط شہنشاہی کی شکل میں نمودار ہو جانا دُنیا کے عجائبات میں سے شمار ہوتا ہے۔ تاریخ عالم میں بہت ہی کم ایسی مثالیں نظر آسکتی ہیں۔ کہ اتنے بڑے دھکے کو سہہ کر اور ایسے خطرناک حالات میں گذر کر اتنی جلد کسی خاندان یا کسی قوم نے اپنی حالت کو سنبھال لیا ہو۔

سلطان محمد خان اوّل | سلطان محمد خان ابن سلطان بایزید یلدرم نے ۸۱۶ھ میں بمقام ایڈریا نوپل تخت نشین ہو کر نہایت ہوشیاری اور دانائی کے ساتھ امور سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر اور سرویا کے عیسائی بادشاہ سے پہلے ہی اُس کی صلح ہو گئی تھی اب اُس کے تخت نشین ہونے پر ان دونوں نے اُس کو مبارکباد دی اور قیمتی تحف و ہدایا بھیجے۔ محمد خان نے اس کے جواب میں اپنی طرف سے اپنے آشتی پسند ہونے کا اس طرح ثبوت دیا کہ اُس نے شاہ سرویا کے لئے بھی بہت سی رعائتیں منظور کیں اور شاہ قسطنطنیہ کو بھی بعض وہ قلعے جو ترکوں کے قبضے میں چلے آتے تھے اور بحیرۂ اسود کے ساحل پر بعض مقامات جن کے نکل جانے سے قیصر قسطنطنیہ سخت بے چین تھا اُس کو دے دیئے۔ وینس کی جمہوری ریاست جو ایک زبردست بحری طاقت تھی ترکوں سے برسر پرخاش رہتی تھی سلطان محمد خان کی سلامت روی اور صلح پسندی کا شہرہ سن کر اُنھوں نے بھی صلح کی درخواست پیش کی اور سلطان محمد خان نے بلا تامل اُن سے صلح کرلی۔ ولیشیا البانیا۔ بوسینیا۔ سرویا وغیرہ ترکی صوبے جنگ انگورہ کی خبر سُنتے ہی خود مختار ہو گئے تھے۔ اور ہر ملک میں عیسائیوں نے اپنی سلطنتیں قائم کرلی تھیں۔ ان سب کو اندیشہ تھا کہ عثمانی سلطان تخت نشینی کے بعد مطمئن ہو کر اپنے باپ کے صوبوں کو پھر اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہیگا اور ہمارے اوپر حملہ آور ہوگا سلطان محمد خان کی اس کامیابی کا حال سُن کر اُن سب نے ڈرتے ڈرتے اپنے اپنے سفیر دربار سلطانی میں مبارکباد کے لئے روانہ کئے۔ سلطان محمد خان نے ان سفیروں سے نہایت تپاک کے ساتھ ملاقات کی اور رخصت کرتے وقت اُن سفیروں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اپنے آقاؤں سے جا کر میری طرف سے یہ ضرور کہہ دینا۔ ”میں سب کو امن دیتا ہوں اور سب سے امن قبول کرتا ہوں خدائے تعالےٰ امن و امان کو پسند کرتا اور فساد کو

بڑا جاتا ہے۔" سلطان محمد خان کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں امن و امان قائم ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ جو ابھی ایک مہلک اور خطرناک بیماری سے اٹھی تھی اُس کے لئے حرکت اور جسمانی ریاضت بے حد مضر تھی اُس کو چند روز آرام کرنے اور پرہیز غذا کھانے کی سخت ضرورت تھی۔ یہ خداتعالیٰ کا فضل تھا کہ سلطان محمد خان نہایت ہی موزون سلطان تخت عثمانی پر متمکن ہوا اور اُس کا طرزِ عمل ہر ایک اعتبار سے سلطنت کی تقویت اور آئندہ ترقیات کا موجب ثابت ہوا۔

یورپ میں اس طرح سلطان محمد خان نے امن و امان قائم کرلیا مگر ایشیائے کوچک میں بغاوتوں کا سلسلہ موجود تھا۔ چنانچہ سلطان کو معہ فوج خود ایشیائے کوچک میں جانا پڑا وہاں اُس نے اول قرمان کی بغاوت فرو کی اس کے بعد قرمانیہ کے باغیوں کو طاقت کے ذریعہ خاموش و محکوم بنایا گیا پھر سلطان نے یہ عاقلانہ تدبیر کی کہ ایشیائے کوچک کی مشرقی حدود کے متصل جو ریاستیں یا سلطنتیں تیمور کی وفات کے بعد قائم ہوئیں اُن سب سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور تمام ایشیائے کوچک کو اپنے قبضے میں لیکر اطمینان حاصل کیا کہ پھر کوئی حملہ تیموری حملہ کی مانند نہ ہو سکے ۸۲۰ھ میں جبکہ سلطان محمد خان ایشیائے کوچک ایڈریانوپل میں آچکا تھا تو درہ دانیال کے قریب بحیرۂ ایجین میں وینس کے جنگی بیڑہ سے سلطان کے جنگی بیڑہ کی سخت لڑائی ہوئی جس میں ترکی بیڑہ کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس لڑائی کا باعث یہ تھا کہ بحیرۂ ایجین کے جزیروں کے رہنے والے برائے نام وینس کی جمہوری حکومت کے ماتحت تھے۔ یہ لوگ سلطان کے ساحلی علاقہ مثلاً گیلی پولی وغیرہ پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لئے اپنے جنگی بیڑے کو حکم دیا لیکن اُس کا مقابلہ وینس کے بیڑہ سے ہوگیا جو بہت طاقتور تھا لہٰذا سلطان کی بحری فوج کو نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس بحری لڑائی کے بعد بہت جلد پھر وینس کے ساتھ عہد نامۂ صلح کی تجدید ہوگئی۔ وینس ایک بہت چھوٹی سی ریاست تھی جو جمہوری اصول پر قائم تھی۔ لیکن بحر روم میں اُس کی بحری طاقت سب پر فائق تھی۔ اس کے بعد سلطان کے لئے کوئی خطرہ اور کوئی جنگ بظاہر موجود نہ تھی اور سلطان اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے مقابلے میں اندرونی طور پر اُس کو مضبوط کرنا چاہتا تھا چنانچہ سلطان نے جا بجا شہروں اور قصبوں میں مدرسے قائم کئے۔ علما کی قدر دانی کی۔ راستوں کے امن امان اور تجارت کی گرم بازاری کا بندوبست کیا غرضکہ اس سلطان نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جس کی وجہ سے دوستوں اور دشمنوں دونوں میں اُس کی قبولیت بڑھ گئی اور سب کو اُس کی تعریف کرنی پڑی۔ اُس کی رعایا نے اُس کو چلپی یعنی بہادر و سنجیدہ مزاج کا خطاب دیا۔ اور تمام ملکوں میں وہ سلطان صلح جو مشہور ہوا مگر باوجود اس کے اُس کی عملداری میں ایک فتنہ برپا ہوا جو اُس کی فوج کے قاضی نے جس کا نام قاضی بدرالدین تھا برپا کیا۔ تفصیل اس اجمالی کی یہ ہے کہ ایک نومسلم یہودی مرتد ہو کر اس بات کا محرک ہوا کہ سلطان کو معزول کرکے جمہوری ریاست قائم کرنی چاہیئے۔ قاضی بدرالدین اُس کا ہم خیال ہوگیا اور ان دونوں نے ایک ترک مصطفےٰ نامی کو جو کوئی تعلیم یافتہ شخص نہ تھا اپنا مذہبی پیشوا بنایا اور یورپ و ایشیا دونوں علاقوں میں اپنے خیالات کی اشاعت شروع کرکے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا۔ اس بغاوت نے ترقی کرکے خطرناک صورت اختیار کرلی اور سلطان محمد خان کو بڑی فکر پیدا ہوئی اس بغاوت نے اندر ہی اندر اُس کی رعایا کو باغی کرنا شروع کردیا۔ یہ بغاوت اس لئے اور بھی جلد اور زیادہ کامیاب ہوسکی کہ سلطان محمد خان نے

عیسائی سلاطین سے دوستی کے عہد نامے کر کے اچھے تعلقات قائم کئے تھے اس کا دوستانہ برتاؤ جو عیسائیوں کے ساتھ تھا عام طور پر اُس کی مسلمان رعایا کو ناپسند اور گراں گذرتا تھا۔ عوام اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس زمانے میں صلح و آشتی ہی کی حکمت عملی سلطنت عثمانیہ کے لئے زیادہ مفید ہے چنانچہ ان کو جب مذکورہ باغیوں نے بھڑکایا تو وہ فوراً اُن کی باتوں میں آگئے۔ آخر سلطان محمد خان نے اس بغاوت کے فرو کرنے میں پوری ہمت اور مستعدی سے کام لیکر چند ہی روز میں اس کا خاتمہ کر دیا اور تینوں باغی مارے گئے۔ اس خطرہ سے نجات پا کر سلطان محمد خان کو ایک اور خطرناک باغی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جنگ انگورہ میں سلطان بایزید خان یلدرم کا ایک بیٹا مصطفٰے نامی مارا گیا تھا۔ مگر جنگ کے بعد اُس کی لاش کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تیمور نے بھی جنگ کے بعد مصطفٰے کی لاش کو تلاش کرایا مگر کہیں دستیاب نہ ہوئی اس لئے مصطفٰے کا مارا جانا مشتبہ رہا تھا۔ اب سلطان محمد خان کے آخر عہد حکومت یعنی ۸۲۴ھ میں ایک شخص نے ایشیائے کوچک میں اس بات کا دعویٰ کیا کہ میں مصطفٰے ابن بایزید یلدرم ہوں وہ صورت و شکل میں بھی مصطفٰے سے مشابہ تھا اس لئے بہت سے ترکوں نے اُس کے اس دعوے کو تسلیم کر لیا اور سمرنا کے عامل جنید اور صوبہ دار والیشیا نے اُس کے اس دعوے کی اس لئے اور بھی تصدیق کی کہ وہ محمد خان سے خوش نہ تھے چنانچہ مصطفٰے مذکوران صوبہ داروں کی امداد سے گیلی پولی میں پہنچکر تھسلی کے قریبی علاقے پر قابض ہو گیا۔ سلطان محمد خان اس خبر کو سُنتے ہی فوراً فوج لیکر مقابلے پر پہنچا اور سالونیکا کے قریب ایک سخت لڑائی کے بعد مصطفٰے مذکور شکست فاش کھا کر بھاگا اور قیصر قسطنطنیہ کے پاس پہنچکر پناہ گزیں ہوا سلطان محمد خان نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کو لکھا کہ مصطفٰے ہمارا باغی ہے اُس کو ہمارے پاس بھیجدو لیکن قیصر نے اُس کے واپس دینے سے انکار کر کے اس بات کا وعدہ کیا کہ میں اُس کو نہایت احتیاط کے ساتھ قید اور نظر بند رکھوں گا بشرطیکہ آپ اُس کے نان و نفقہ اور اخراجات کے معاوضہ میں ایک رقم میرے پاس بھیجا کریں۔ چونکہ ان دونوں مسلسل بغاوتوں سے سلطان محمد خان زیادہ فکرمند ہو گیا تھا اور اسی لئے وہ اور بھی زیادہ اس حکمت عملی پر عمل کرنا ضروری سمجھتا تھا کہ قیصر یا دوسرے عیسائیوں سے لڑائیاں نہ چھیڑی جائیں۔ چنانچہ اُس نے قیصر کی بات کو منظور کر لیا اور مصطفٰے باغی کے قید و نظر بند رکھنے کے معاوضہ میں ایک مناسب رقم بھجوانی بھی منظور کر لی۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد بھی سلطان محمد خان کو مصطفٰے باغی کا زیادہ خیال رہا اور اُس نے قسطنطنیہ کے قیصر سے اپنے تعلقات کو زیادہ خوشگوار و استوار بنانا ضروری سمجھ کر خود قسطنطنیہ جانے کا قصد کیا جبکہ وہ ایشیائے کوچک سے دردانیال کو عبور کر کے گیلی پولی ہوتا ہوا ایڈریانوپل کو آرہا تھا۔ قیصر قسطنطنیہ نے سلطان محمد خان کی آمد کا حال سُنکر بڑی آؤ بھگت کی اور اُس کا نہایت شاندار استقبال کر کے قسطنطنیہ میں لایا۔ یہاں سلطان و قیصر میں دوبارہ عہد نامۂ دوستی کی تجدید ہوئی اس کے بعد سلطان کو پھر گیلی پولی کی طرف جانا پڑا جہاں ۸۲۵ھ میں سلطان محمد خان کا سکتہ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا۔

سلطان محمد خان جنگ انگورہ کے وقت ۲۷ سال کی عمر رکھتا تھا۔ جنگ انگورہ کے بعد وہ ایشیائے کوچک کے قصبہ اماسیہ میں خود مختار حاکم بنا اور بھائیوں سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا گیارہ سال تک وہ بھائیوں کے ساتھ زور آزمائی میں مصروف رہ کر سب پر غالب اور مطلق العنان فرمانروائے عثمانی سلطنت کا بن گیا۔ آٹھ سال تک اُس نے بحیثیت سلطان حکومت و فرمانروائی کی

اُس کا عہد حکومت فتنوں اور فسادوں سے لبریز تھا - اُس نے ایسی معتدل اور مفید حکمت عملی اختیار کی جس سے سلطنت عثمانیہ جو قریب المرگ ہو چکی تھی پھر تندرست اور مضبوط ہو گئی - اسی لئے بعض مورخین نے اُس کو نوح کا خطاب بھی دیا ہے یعنی اُس نے سلطنت عثمانیہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچا کر نجات کے ساحل پر لگا دیا -

سلطان محمد خان اول سب سے پہلا عثمانی سلطان ہے جس نے اپنے شاہی خزانہ سے ایک معقول رقم خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کے باشندوں کے لئے مخصوص کی جو سالانہ برابر مکہ معظمہ میں پہنچکر مستحقین میں تقسیم اور خانہ کعبہ کی حفاظت و نگرانی کے کاموں میں صرف ہوتی تھی اسی لئے معتضد باللہ عباسی خلیفہ مصر نے اس سلطان کو خادم الحرمین الشریفین کا خطاب دیا جس کو اس سلطان نے اپنے لئے موجب عزو افتخار تصور کیا - اسی خطاب نے آئندہ ایک زمانے میں ترقی کر کے عثمانیوں کو خلیفۃ المسلمین بنا کر چھوڑا -

وفات کے وقت سلطان محمد خان کی عمر ۴۷ سال کی تھی - اُس کا بڑا بیٹا مراد خان ثانی جس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی ایشیائے کوچک میں ایک فوج کی سپہ سالاری پر مامور تھا - وزرائے سلطنت نے چالیس روز تک سلطان محمد خان کی وفات کو چھپایا اور مراد خان ثانی کے پاس فوراً خبر بھیجی کہ تم بلا تامل دارالسلطنت میں پہنچکر مراسم تخت نشینی ادا کرو - چالیس روز کے بعد سلطان کی لاش کو گیلی پولی سے بروصہ میں لا کر دفن کیا گیا -

سلطان مراد خان ثانی

سلطان مراد خان ثانی ۸۰۶ھ میں پیدا ہوا تھا - اٹھارہ سال کی عمر میں بمقام دارالسلطنت ایڈریا نوپل (ادرنہ) باقاعدہ تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اراکین سلطنت نے اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کی - اس نوجوان سلطان کو تخت نشین ہوتے ہی مشکلات و خطرات سے سابقہ پڑا یعنی قسطنطنیہ کے عیسائی پادشاہ نے سلطان محمد خان کے فوت ہونے کی خبر سنتے ہی اپنے قیدی مصطفےٰ کو اپنے سامنے بُلا کر اُس سے اس بات کا اقرار نامہ لکھایا کہ اگر میں سلطنت عثمانیہ کا مالک ہو گیا تو بہت سے مضبوط قلعے اور صوبے (جنکی اقرار نامہ میں تفصیل درج تھی) قیصر قسطنطنیہ کے سپرد کر دوں گا اور ہمیشہ قیصر کا ہوا خواہ رہوں گا - اس کے بعد قیصر قسطنطنیہ نے اپنے جہازوں میں اُس کے ساتھ ایک فوج سوار کرا کر سب کو سلطنت عثمانیہ کے یورپی علاقے میں اُتار دیا تاکہ وہ سلطان مراد خان کے خلاف ملک پر قبضہ کرے - چونکہ یہ مصطفےٰ اپنے آپ کو سلطان محمد خان کا بھائی اور بایزید یلدرم کا بیٹا بتاتا تھا اور اُس کے اس دعوے کی تصدیق یا تکذیب میں ترک متردد تھے لہٰذا بہت سے عثمانی سپاہی اُس سے آملے اور اس کی طاقت بہت بڑھ گئی اُس نے شہروں پر شہر فتح کرنے شروع کر دیئے - مراد خان نے جو فوج اُس کے مقابلہ کو بھیجی اُس کا اکثر حصہ مصطفےٰ سے آملا اور باقی شکست کھا کر بھاگ آیا - اس کے بعد سلطان مراد نے اپنے سپہ سالار بایزید پاشا کو ایک معقول جمعیت کے ساتھ اس باغی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا لیکن معرکۂ جنگ میں بایزید پاشا مارا گیا اور مراد کی فوج کو شکست فاش حاصل ہوئی - اس فتح و فیروزی کے بعد مصطفےٰ کی ہمت بہت بڑھ گئی اور اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ میں پہلے تمام ایشیائے کوچک پر قابض ہو جاؤں کیونکہ یورپی علاقے میں اُس کو توقع تھی کہ قیصر قسطنطنیہ اور مغربی حدود کے عیسائی سلاطین سے مجھ کو مراد خان کے خلاف ضروری امداد ملے گی اور ایشیا پر قابض ہونے کے بعد یورپی علاقے سے مراد خان کا بیدخل کرنا بہت آسان ہو گا - چنانچہ اُس نے آبنائے کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں تاخت و تاراج شروع

کر دی ۔ مراد خان ثانی نے ان خطرناک حالات دیکھ کر تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر بذات خود مصطفٰے کا تعاقب کرنا ضروری سمجھا اور فوراً ایشیائے کوچک میں پہنچکر اُس کو شکست دینے میں کامیاب ہوا ۔ مراد خان کے میدان جنگ میں آتے ہی ترکی سپاہی جن کو اس عرصہ میں مصطفٰے کے دعوے میں جھوٹ اور افترا کا یقین ہو گیا تھا اُس کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر مراد خان کے پاس آنے لگے مصطفٰے اپنی حالت نازک دیکھ کر ایشیائے کوچک سے بھاگا اور گیلی پولی میں آکر تھسلی وغیرہ پر قابض ہو گیا ۔ مراد خان بھی اُس کے پیچھے گیلی پولی پہنچا ۔ یہاں ایک معرکہ میں اُس کو شکست فاش دیکر اُس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا ۔ مصطفٰے یہاں سے ایڈریا نوپل کی طرف بھاگا ۔ تاکہ دارالسلطنت پر قابض ہو جائے مگر ایڈریا نوپل میں وہ گرفتار کر لیا گیا اور شہر کے ایک برج میں پھانسی پر لٹکا کر اُس کا خاتمہ کر دیا گیا ۔

اس کے بعد سلطان مراد خان نے جنیوا کی ریاست سے جو قیصر قسطنطنیہ سے رقابت رکھتی تھی ۔ دوستی کا عہد نامہ کیا اور قسطنطنیہ پر اس لئے چڑھائی کی تیاریاں کیں کہ قیصر قسطنطنیہ نے ہی مصطفٰے باغی سے یہ فتنہ برپا کرایا تھا ۔ قیصر پلیولوگس والی قسطنطنیہ نے جب یہ سُنا کہ سلطان مراد خان ثانی قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے تو اُس کو بہت فکر پیدا ہوئی اور اُس نے اس فوری مصیبت کو ملتوی کرنے کے لئے قسم قسم کی تدابیر سوچیں ۔ بینڈھے لڑانے اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوتیں برپا کرا دینے میں اُس کو بہت کمال حاصل تھا اور اسی تدبیر سے وہ عثمانیہ سلطنت کو مشکلات میں مبتلا رکھ کر اپنی حکومت کو ابتک بچائے ہوئے تھا مگر اس مرتبہ وہ بجز اس کے اور کچھ نہ کر سکا کہ اس نے اپنے سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کئے تاکہ قصور کی معافی طلب کر کے آئندہ صلح کا عہد نامہ دیکر کرے ۔ لیکن سُلطان مراد خاں نے ان سفیروں کو نہایت حقارت کے ساتھ واپس کر دیا اور اپنے دربار میں باریاب نہ ہونے دیا ۔ اس کے بعد شروع جون ۱۴۲۲ء مطابق ۸۲۶ھ میں بیس ہزار انتخابی فوج لیکر سلطان مراد خان ثانی قسطنطنیہ کے سامنے آموجود ہوا ۔ بڑی سختی اور شدت سے شہر کا محاصرہ کیا گیا ۔ خلیج قسطنطنیہ پر لکڑی کا ایک پل تیار کر کے محاصرہ کو مکمل کیا ۔ شہر قسطنطنیہ کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا مگر سلطان مراد خان نے ایسے عزم و ہمت سے کام لیا اور محاصرہ میں سرنگوں ۔ منجنیقوں دمدموں ۔ متحرک میناروں کو اس طرح کام میں لایا کہ دمبدم فتح کی امید یقین سے تبدیل ہونے لگی ۔ اس دوران محاصرہ میں قیصر بھی بے فکر نہ تھا اُس نے ایک طرف تو مدافعت میں ہر قسم کی کوشش شروع کی اور دوسری طرف ایشیائے کوچک میں فساد برپا کرانے اور مراد خان ثانی کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا قسطنطنیہ کے فتح ہونے میں ہفتوں نہیں بلکہ دنوں اور گھنٹوں کی دیر رہ گئی تھی کہ مراد خان ثانی کو محاصرہ اُٹھا کر اور ابتک کی تمام کوشش کو بلانتیجہ چھوڑ کر اسی طرح ایشیائے کوچک کی طرف جانا پڑا جس طرح کہ اُس کا دادا بایزید خان یلدرم عین وقت پر قسطنطنیہ سے محاصرہ اُٹھا کر ایشیائے کوچک کی طرف تیمور کے مقابلہ کو روانہ ہو گیا ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلطان محمد خان جب فوت ہوا ہے تو اُس نے چار بیٹے چھوڑے تھے جن میں دو تو بہت ہی کم عمر اور چھوٹے بچے تھے اور دو نوجوان کہے جا سکتے تھے جن میں ایک سب سے بڑا مراد خان ثانی تھا جس کی ۱۸ سال کی عمر اور دوسرا مصطفٰے نامی تھا ۔ جس کی عمر باپ کی وفات کے وقت پندرہ سال تھی مراد خان ثانی نے تخت نشین ہو کر اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کو تو بروصہ میں پرورش پانے کے لئے بھیجدیا تھا جہاں اُن کے لئے تعلیم و تربیت اور راحت و آرام کا ہر

ایک سامان موجود کر دیا تھا اور تیسرے بھائی مصطفےٰ کو جو مراد ثانی سے تین سال عمر میں چھوٹا تھا ایشیائے کوچک میں بطور عامل یا بطور سپہ سالار عزت کے ساتھ مامور کیا تھا۔ مراد ثانی جب اپنے فرضی چچا مصطفےٰ کے فتنے کو فرو کر چکا اور مصطفےٰ ایڈریا نوپل میں پھانسی پا چکا تو قیصر پلیو لوگس نے اس دوسرے مصطفےٰ پر ڈورے ڈالنے شروع کئے اور اپنے جاسوسوں اور لائق سفیروں کے ذریعہ مراد ثانی کے بھائی مصطفےٰ کو مسلسل یہ توقع دلاتا رہا کہ میں تم کو زیادہ مستحق سلطنت سمجھتا ہوں اور اگر تم سلطنت کے مدعی بن کر کھڑے ہو جاؤ تو تمہاری ہر ایک قسم کی امداد کو موجود ہوں۔ ادھر اس نے ایشیائے کوچک کے سلجوقی سرداروں کو جو ابتک قونیہ اور دوسرے شہروں میں سلطنت عثمانیہ کے جاگیرداروں کی حیثیت سے موجود اور خاندانِ سلطنت سے رشتہ داریاں بھی رکھتے تھے مراد ثانی کے خلاف اور مصطفےٰ خان برادر مراد خان کی اعانت پر آمادہ کرنے کی خفیہ تدبیریں جاری کر دی تھیں۔ آخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا مصطفےٰ خان نے سلجوقی امیروں کی امداد سے خروج کر کے علم بغاوت بلند کیا اور ٹھیک اُس وقت جبکہ ادھر مراد خان قسطنطنیہ کو فتح کرنے والا تھا مصطفےٰ خان نے ایشیائے کوچک کے بہت سے شہروں اور ضروری مقاموں پر قبضہ کر کے بروصہ کے حاکم کا بروصہ میں محاصرہ کر لیا۔ یہ خبر سُن کر کہ ایشیائے کوچک کی فوج باغی ہو کر مصطفےٰ کے ساتھ شامل ہو گئی ہے اور ایشیائے کوچک قبضہ سے نکلا جاتا ہے۔ مراد ثانی سراسیمہ ہو گیا اور فوراً محاصرہ اُٹھا کر اور مصطفےٰ کا تدارک ضروری سمجھ کر ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوا۔ مراد خان ثانی کے ایشیائے کوچک میں پہنچتے ہی فوج کے اکثر سپاہی مصطفےٰ خان کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر مراد خان کے پاس چلے آئے مراد خان کی فوج نے مصطفےٰ خان کو شکست دیکر قتل کر دیا اور اس طرح بہت جلد ایشیائے کوچک کا فتنہ قابو میں آ گیا۔ اس کے بعد قریباً ایک سال تک مراد خان نے ایشیائے کوچک میں مقیم رہ کر وہاں کے تمام سرکش امرا کو قرار واقعی سزائیں دیکر اپنی حکومت و سلطنت کو مضبوط بنایا۔ ۸۳۰ھ سلطان مراد خان ثانی ایشیائے کوچک سے یورپ کی طرف آیا تو قیصر قسطنطنیہ سے بتیس ہزار ڈاکٹ سالانہ بطور خراج اور کئی اہم مقامات لیکر صلح کر لی اور دوبارہ قسطنطنیہ کا محاصرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد سلطان مراد خان اپنی سلطنت کے اندرونی انتظام اور فلاح و بہبودِ رعایا کے کاموں میں مصروف ہوا۔ اور کسی عیسائی یا غیر عیسائی ریاست کو مطلق نہیں چھیڑا ہاں اپنے عہد ناموں کی پابندی ان سے ضرور کراتا رہا۔ ۸۳۱ھ میں سرویا کا پادشاہ اسٹیفن جو سلطنت عثمانیہ کا باجگذار اور وفادار تھا فوت ہوا اُس کی جگہ جارج برینک وچ تخت نشین ہوا۔ سرویہ کا یہ نیا پادشاہ جارج چونکہ اپنے پیشرو کی طرح مآل اندیشی و سنجیدہ مزاج نہ تھا اس لئے قیصر قسطنطنیہ کو اس طرف ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا اور وہ اندر ہی اندر جارج اور ہنگری والوں کو سلطان مراد خان کے خلاف برانگیختہ کرنے میں مصروف رہا۔ ہنگری والے بھی اب چونکہ نکوپولس کی شکست کے تلخ تجربہ کو بھول چکے تھے لہٰذا وہ بھی عثمانی سلطنت کے خلاف تیاریاں کرنے لگے۔ اور کئی سال تک ان تیاریوں کے سلسلے کو جاری رکھا۔

سلطان مراد خان ثانی نے ۸۳۴ھ میں جزیرہ زانٹی اور یونان کا جنوبی حصہ اور سالونیکا کا علاقہ فتح کر کے وینس والوں کو شکست فاش دی اور وینس کی ریاست نے نہایت ذلیل شرطوں پر دب کر سلطان سے صلح کر لی۔ وینس چونکہ پادشاہ قسطنطنیہ کا طرفدار تھا اس لئے شاہ قسطنطنیہ کو اور بھی زیادہ ملال ہوا اور وہ اپنے سازشی کاموں میں پہلے سے دُگنی توجہ کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ ادھر

سلطان مراد نے بتدریج اپنے مقبوضات کو یورپ میں ترقی دینی شروع کی۔ البانیا اور بوسینیا والوں نے بھی سرویا اور ہنگری کی طرح سلطان کے خلاف عیسائیوں کی سازش میں شرکت اختیار کی۔ سرویا اور رومانیا کے شمال میں صوبہ ٹرانسلونیا کے عیسائیوں نے ۸۴۲ھ میں علم مخالفت بلند کیا تو سلطان نے اس طرف حملہ آور ہو کر ستر ہزار عیسائیوں کو میدانِ جنگ میں قید کیا اور اپنی قوت و سطوت کی دھاک بٹھا کر وہاں سے واپس ہوا۔ اسی عرصہ میں ہنگری کے بادشاہ کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ جو دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا وہ ترکوں کا سخت مخالف اور دشمن تھا اس کے تخت نشین ہونے سے عیسائیوں کی سازش کو بہت تقویت پہنچی۔ انہیں ایام میں مغربی یورپ کی بعض لڑائیوں میں شریک رہنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد جان ہنی ڈیزیا جان ہنی داس ایک شخص جو شاہ سجسمنڈ کا ناجائز بیٹا تھا ہنگری کی طرف واپس آیا۔ اس کا باپ سجسمنڈ تھا اور اس کی ماں الزبتھ ماری نامی ایک حسین اور فاحشہ عورت تھی۔ ہنی داس نے ہنگری میں آکر فوراً سپہ سالاری کا منصب حاصل کر لیا۔ اور ترکوں کے خلاف فوجیں لیکر اٹھ کھڑا ہوا اس نے صوبہ ٹرانسلونیا سے ترکوں کو خارج کر دیا ترکی جرنیل مزید بیگ جو اس نواح میں عامل و منتظم تھا۔ معہ اپنے بیٹے کے مارا گیا اور بیس ہزار ترکی فوج میدان میں کھیت رہی۔ جو ترک زندہ قید ہوئے تھے ان کے ساتھ ہنی داس نے یہ سلوک کیا کہ جب اس فتح کی خوشی میں ہنگری کے اندر ضیافتیں ہوتی تھیں تو ضیافت کے موقع پر ان ترک قیدیوں کی ایک تعداد لیجا کر ان لوگوں کے سامنے قتل کی جاتی تھی جو اس خوشی کی تقریب میں شریک ہوتے تھے۔ اس طرح گویا خوشی کے جلسوں میں ان ترک قیدیوں کا قتل کرنا ایک دلچسپ سامان تفریح سمجھا گیا تھا۔ سلطان مراد خان کے پاس ادھر اس مذکورہ شکست کی خبر پہنچی ادھر ایشیائے کوچک سے خبر آئی کہ قونیہ میں بغاوت کا جھنڈا بلند ہو گیا ہے جو سلطان کے لئے بیحد موجب خطر ہے۔ سلطان مراد خان نے ہنی داس اور ہنگریوں سے بدلہ لینے کے لئے اسی ہزار فوج دیکر اپنے ایک سپہ سالار کو روانہ کیا اور خود ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوا یہ واقعہ ۸۴۷ھ کا ہے۔ ترکوں کی اس فوج کو شکست دینے اور ترکوں کو براعظم یورپ سے نکالنے کے لئے یورپ میں ایکی مرتبہ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ ہنگری کا بادشاہ لیڈسلاس اور ہنگری کا سپہ سالار ہنی داس اس قدر مشہور ہو گئے تھے۔ اور ان کی بہادری کے افسانے اس طرح یورپ میں ہر جگہ پہنچ گئے تھے کہ ہر ایک ملک کے عیسائی نے ان کی فوج میں شریک ہونے اور مجاہد کہلانے کا شوق ظاہر کیا۔ روما کے پوپ جان اور اس کے سفیروں کارڈینل جولین نے مجاہدین کے تیار کرنے اور اپنے وعظوں سے عیسائیوں کو اس لڑائی میں شریک کرنے کی بیحد ترغیب دی۔ ہنگری۔ سرویا۔ والیشیا۔ پولنڈ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس۔ آسٹریا۔ بوسینیا۔ البانیا وغیرہ کی فوجیں ہنی داس کے جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو گئیں۔ عثمانیوں کی فوج سے جب مقابلہ ہوا تو عیسائیوں کی اس بیشمار فوج نے ترکی فوج کو شکست دی۔ چار ہزار ترک گرفتار اور بہت سے شہید ہوئے۔ ہنی داس نے تعاقب کر کے شہر صوفیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور تمام رومیلیا کو تاخت و تاراج کر کے اور بے شمار مال غنیمت اور قیدی لیکر اپنے ملک کو واپس ہوا۔ حالانکہ اس کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ آگے بڑھ کر ایڈریا نوپل پر قبضہ کر لیتا مگر ایڈریا نوپل پر حملہ آور ہونے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔ سلطان مراد خان ثانی نے اس شکست اور اپنے علاقوں کی تباہی کا حال ایشیائے کوچک میں سنا۔ وہ بہت جلد ۸۴۷ھ میں ایشیائے کوچک کی بغاوت

نہ روک سکیں گے بعد ایڈریانوپل میں آیا اور عیسائیوں سے انتقام لینے کی تدبیر سوچنے لگا۔ انہیں ایام میں سلطان کا بڑا بیٹا علاؤ الدین فوت ہوا جس سے سلطان کو سخت صدمہ پہنچا اور اُس کا دل سلطنت و حکومت سے برداشتہ ہو گیا۔ گذشتہ جنگ میں سلطان کا بہنوئی محمد چلپی ہنی ڈینر (ہنی داس) کی لڑائی میں گرفتار ہو گیا تھا لہٰذا اُس کی بہن اور دوسرے عزیزوں نے سلطان کو مجبور کیا کہ جس طرح ہو محمد چلپی کو آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ سلطان کو خط و کتابت کا سلسلہ ہنگری والوں کے ساتھ جاری کرنا پڑا آخر اسی سلسلۂ خط و کتابت نے یہ صورت اختیار کی کہ سلطان صلح پر آمادہ ہو گیا سرویا کی آزادی کو سلطان نے تسلیم کر لیا وہاں کے پادشاہ جارج کو پادشاہ مان کر اپنے حقوق شہنشاہی اُس پر سے اُٹھا لئے۔ والیشیا کا صوبہ ہنگری کو دیا۔ یا اور ساٹھ ہزار ڈاکٹ زر فدیہ بھیجکر محمد چلپی کو قید سے آزاد کرایا۔ یہ عہد نامہ ہنگری اور ترکی دونوں زبانوں میں لکھا گیا۔ سلطان مراد خان ثانی اور لیڈسلاس پادشاہ ہنگری کے اُس پر دستخط ہوئے اور دونوں پادشاہوں نے قسمیں کھائیں کہ اس عہد نامہ کی پابندی کو احکام مذہبی کی طرح ضروری سمجھیں گے۔ دریائے ڈینوب اس عہد نامہ کی بموجب سلطان کی عملداری کی حد قرار دیا گیا۔ اس طرح ۱۲ر جولائی ۱۴۴۴ء مطابق ۸۴۸ھ کو دس برس کے لئے سلطان مراد خان ثانی اور عیسائیوں کے درمیان صلح قرار پا گئی۔ اس صلحنامہ کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہی سلطان مراد خان نے یہ سمجھکر کہ اب دس سال کے لئے امن و امان قایم رہے گا۔ نیز اپنے بیٹے کی وفات کے سبب افسردہ خاطر ہو کر سلطنت کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا چنانچہ اُس نے اپنے دوسرے بیٹے محمد خان کو ایڈریانوپل میں تخت نشین کیا۔ محمد خان چونکہ بہت ہی نو عمر تھا اس لئے تجربہ کار اور بہادر وزیروں اور سپہ سالاروں کو اُس کا مشیر بنایا اور خود ایشیائے کوچک میں جاکر درویشوں اور زاہدوں کی مجلس میں شریک ہوا اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

سلطان مراد خان ثانی کی تخت سلطنت سے دست برداری اور ایک نو عمر شاہزادے محمد خان کی تخت نشینی کا حال سُن کر عیسائیوں کے دہان حرص میں پھر پانی بھر آیا اور انہوں نے اس موقع کو بہت ہی مناسب اور غنیمت سمجھ کر عہد شکنی پر آمادگی ظاہر کی اور ارادہ کیا کہ ترکوں کی نسلوں کو اس وقت یورپ سے نیست و نابود کر دیا جائے۔ ہنگری کا پادشاہ لیڈسلاس جس نے ابھی چند روز ہوئے قسم کھائی تھی۔ اور عہد نامہ پر دستخط کر کے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس کی پابندی مذہبی احکام کی طرح کروں گا عہد شکنی میں متامل تھا۔ لیکن پوپ اور اُس کے نائب کارڈنل جولین نے اس کو یقین دلا کر کہ مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کا نباہنا گناہ ہے اور عہد شکنی موجب ثواب ہو گی اُس کو آمادہ کر لیا۔ اُدھر ہنی داس سپہ سالار ہنگری بھی اس قدر جلد عہد نامہ کے توڑنے کو موجب رسوائی سمجھتا تھا لیکن اُس کو دربار ہنگری کی طرف سے لالچ دیا گیا کہ بلگیریا کو فتح کر کے تم کو وہاں کا پادشاہ بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ بھی رضامند ہو گیا ابھی صلحنامہ کو لکھے ہوئے ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ اُس کے توڑنے پر عیسائی متفق ہو گئے۔ سرویا سے ترک سپاہی عہد نامہ کی شرائط کے موافق جا رہے تھے اور سرویا کا تمام علاقہ ترکی سپاہ سے خالی ہو رہا تھا اس تخلیہ کا چند روز انتظار کیا گیا اور عہد نامہ کی تحریر سے پورے پچاس دن کے بعد یکم ستمبر ۱۴۴۴ء مطابق ۸۴۸ھ کو ہنگری کی فوجوں نے بڑھ کر بے خبر ترکی سرحدی چھاؤنیوں کی فوج پر حملہ کیا اور بلگیریا کے راستے بحر اسود کے کنارے پہنچکر وہاں سے جنوب کی جانب متوجہ ہو کر شہر وآرنا کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر وارنا کو ہنی داس نے فتح کر لیا۔ اس سے پہلے راستے میں جس قدر ترکی فوجیں سدراہ ہوئیں مقتول و مغلوب

ہوتی رہیں اور تمام علاقے میں عیسائیوں نے بڑی بے رحمی اور سفاکی مسلمانوں کے قتل عام میں دکھائی۔
عیسائیوں کی اس فوج کشی اور عہد شکنی کا حال فوراً ایشیائے کوچک میں سلطان مراد ثانی سے جو ترک سلطنت کے بعد گوشہ نشین ہو چکا تھا جا کر بیان کیا گیا۔ اور اُس سے استدعا کی گئی کہ آپ گوشہ عزلت سے قدم باہر نکالیں اور سلطنت عثمانیہ کو بچائیں چنانچہ مراد خان ثانی بلا تامل ایڈریانوپل پہنچا اور وہاں سے وارنا کی طرف روانہ ہوا۔ عیسائی فتحمند لشکر وارنا کے قریب میدان میں خیمہ زن تھا اور اپنی فتح و مقصد وری کا اُس کو کامل یقین تھا کہ ہنی داس کے مخبروں نے آ کر اُس کو خبر سنائی کہ سلطان مراد خان گوشہ عزلت سے نکلکر اور چالیس ہزار بہادر سپاہیوں کو لیکر خود مقابلہ پر آ پہنچا ہے اور یہاں سے چار میل کے فاصلہ پر آ کر خیمہ زن ہُوا ہے۔ سُنتے ہی ہنی داس اور شاہ ہنگری نے مجلس مشورت منعقد کی اور اس کے بعد صفوف جنگ کی آراستگی میں مصروف ہو گئے۔ عیسائیوں کی فوج کے میسرہ میں والیشیا کی فوج تھی ہنگری کے انتخابی سپاہی میمنہ پر مامور کئے گئے۔ کارڈنل جولین کے زیر اہتمام عیسائی مجاہدین کا ایک لشکر عظیم تھا پادشاہ ہنگری اپنے ملک کے سرداروں اور بہادر سواروں کے ساتھ قلب لشکر میں تھا پولینڈ کی فوج سب سے پیچھے ایک مشہور بشپ کے زیر کمان تھی۔ ہنی داس اس تمام لشکر عظیم کا سپہ سالار اعظم تھا سلطان مراد خان ثانی نے بھی اپنے میمنہ و میسرہ کو درست کیا اور اُس صلحنامہ کی نقل کر کے نیزہ کی نوک پر رکھ کر اپنا علم بنایا جو شاہ ہنگری نے لکھ کر سلطان مراد خان کو دیا تھا۔ ۱۰ر نومبر کو وارنا کے میدان میں یہ لڑائی شروع ہوئی جبکہ دو مہینے اور دس روز عیسائیوں کو عہد نامہ توڑے اور سلطنت عثمانیہ کے شہروں کو برباد کرتے ہوئے گذر چکے تھے۔ ہنی داس نے داہنی طرف سے عثمانی فوج کے ایشیائی دستوں پر اس زور شور کا حملہ کیا کہ ترکی لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے دوسری طرف والیشیا والوں نے بھی اسی طرح پر جوش حملہ کیا اور عثمانی فوج کا دوسرا بازو بھی قائم نہ رہ سکا سلطان مراد خان ثانی جو اپنی رکابی فوج کے ساتھ پشتِ لشکر پر کھڑا ہوا یہ رنگ دیکھ رہا تھا سخت مضطرب ہُوا اسی اثنا میں ہنگری کے پادشاہ لیڈس لاس نے قلب عثمانی پر نہایت سخت حملہ کیا اور صفوں کو چیرتا ہوا اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں سلطان مراد خاں ابھی تک اپنی جگہ پر قائم اور اپنی فوج کے دستوں کی ہزیمت اور عیسائیوں کے زبردست حملوں کو پریشانی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ سلطان کو اپنی شکست فاش کا کامل یقین ہو چکا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ گھوڑا بھگا کر میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر لیجائے یا دشمنوں کے لشکر پر حملہ آور ہو کر جام شہادت نوش کرے کہ سامنے سے لیڈسلاس شاہ ہنگری سلطان کو بڑے کبر و نخوت کے ساتھ اپنے مقابلہ پر للکارتا ہوا نمودار ہُوا سلطان نے فوراً کمان میں ایک تیر جوڑ کر مارا جس سے شاہ ہنگری کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا اور ینک چری فوج کے ایک بوڑھے سپہ سالار خواجہ خیری نے فوراً آگے بڑھ کر لیڈس لاس کا سر کاٹ لیا اور ایک نیزہ کی انی پر رکھ کر اس عہد نامہ کے ساتھ ہی بلند کر دیا۔ شاہ ہنگری کے اس کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر عیسائی لشکر میں ابتری اور ہلچل پیدا ہو گئی اور وہ ترک جو پسپا ہوتے چلے جا رہے تھے اب ہمت کر کے آگے بڑھنے لگے۔ ہنی داس نے اس سر کو دیکھ کر اس کے چھیننے کی کوشش میں کئی زبردست حملے سلطانی لشکر کے اس حصہ پر کئے جہاں شاہ ہنگری کا وہ سر نیزہ پر رکھا ہُوا تھا مگر اُس کو ہر مرتبہ شکست ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے عیسائیوں سے میدان خالی کرا لیا۔ اس لڑائی میں کارڈنل جولین بھی جو پوپ کا نائب اور عیسائی مجاہدین کا سپہ سالار اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا

آگیا۔ بشپ اور دوسرے تمام سردار بھی اس لڑائی میں مقتول ہوئے صرف ایک ہنی داس اپنی جان بچاکر میدان سے بھاگا۔ ہنگری کی تمام فوج ترکوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئی۔

اس فتح مبین کے بعد عثمانی فوج نے سرویا کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا اسی طرح بوسنیا بھی مفتوح اور وہاں کا شاہی خاندان نیست و نابود ہوکر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوا۔ عیسائیوں کی اس عہد شکنی کا بعض عیسائی خاندانوں پر یہ اثر پڑا کہ سرویا اور بوسنیا میں بہت سے عیسائی خود بخود مسلمان ہو گئے۔ سلطان مراد خان نے اپنی طرف سے مذہب کے معاملے میں کسی کو بھی مجبور نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے اپنی تمام عیسائی رعایا کو مثل دوسرے سلاطین عثمانی کے وہی آزادانہ حقوق دے رکھے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔

چند مہینے کی کوشش کے بعد سلطان مراد ثانی نے عیسائی باغیوں کو قرار واقعی سزائیں دیکر حدود سلطنت کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط کر کے دوبارہ پھر خلوت نشینی اور زہد و عبادت اختیار کر کے اپنے بیٹے محمد خان کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ محمد خان کے دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد ینگ چری فوج نے اپنی تنخواہوں اور وظیفوں میں اضافہ کا مطالبہ کیا اور جب اُن کے اس نامناسب مطالبہ کے پورا کرنے میں پس وپیش ہوا تو انہوں نے بغاوت کی دھمکیاں دینی شروع کیں اور لوٹ مار پر اُتر آئے۔ اس طرح فوج کے خود سر ہونے سے سلطنت عثمانیہ میں دوبارہ سخت خطرناک اور نہایت پیچیدہ حالات پیدا ہو گئے۔ اراکین سلطنت نے یہ رنگ دیکھ دوبارہ سلطان مراد خان کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ بغیر آپ کی توجہ کے حالات درست نہ ہوں گے۔ چنانچہ سلطان مراد خان کو مجبوراً پھر اپنے خلوت خانے سے نکلنا اور ایشیائے کوچک سے ایڈریانوپل آنا پڑا۔ یہ ۸۴۹ھ کا واقعہ ہے۔ جب سلطان مراد ثانی ایڈریانوپل پہنچا تو فوج اور رعایا نے اُس کا نہایت شاندار اور پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس مرتبہ تخت سلطنت پر جلوس کرنے کے بعد سلطان مراد خان نے اپنے بیٹے محمد خان کو جو سال بھر کے اندر دو مرتبہ تخت نشین ہو چکا تھا ایشیائے کوچک میں اس لئے بھیجدیا کہ وہ وہاں رہکر سلطنت کے متعلق زیادہ تجربہ حاصل کرے۔ تخت پر جلوس فرمانے کے بعد سلطان مراد خان نے بغاوت وسرکشی کے اماموں کو گرفتار کرا کر خوب سزائیں دیں اور ملک کے نظم ونسق میں مصروف ہو کر اب تیسری مرتبہ تخت کا چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ مراد ثانی نے اس مرتبہ عنان سلطنت ہاتھ میں لیکر عیسائیوں کو پھر سر اُٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ لیکن بلاوجہ اُس نے کسی کو ستایا بھی نہیں شاہ قسطنطنیہ اگرچہ اپنی شرارتوں اور فساد انگیزیوں کے سبب عثمانیوں کا سب سے بڑا دشمن اور سب سے زیادہ منبع فساد تھا اور ساتھ ہی اُس کا قلع قمع کر دینا بھی مراد کے لئے شاید کچھ زیادہ دشوار نہ تھا لیکن اُس نے اُس کو اُس کے حال پر رہنے دیا اور کوئی تعرض نہیں کیا۔ ۸۵۲ھ میں ہنی داس مذکور نے پھر عیسائی فوجیں فراہم کر کے ترکوں کے استیصال کی تیاریاں کیں اور اسی طرح عیسائی فوجیں فراہم ہوئیں جیسے کہ اس سے پہلے کئی مرتبہ ترکوں کے خلاف جمع ہو چکی تھیں۔ اس مرتبہ مقام کسووا میں معرکہ عظیم برپا ہوا اور سلطان مراد ثانی نے اپنے اس پرانے حریف کو تین دن کی لڑائی کے بعد شکست فاش دیکر بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا اور سلطنت عثمانیہ کی وسعت میں اور اضافہ ہوا۔

اس کے بعد سلطان مراد خان ثانی کا بہت سا وقت البانیہ کا فساد مٹانے میں صرف ہوا لیکن وہ اپنی وفات یعنی ۸۵۵ھ تک اس فساد کا بکلی استیصال نہ کر سکا۔ البانیا کے اس فساد کا حال اس طرح ہے کہ صوبہ البانیا کو اگرچہ ترکوں نے بہت عرصہ پہلے فتح کر لیا تھا مگر اس صوبہ پر وہیں کا قدیم فرمانروا خاندان حکومت کرتا تھا جو ترکوں کا خراجگزار اور ہر طرح ماتحت تھا۔ جان کسٹرائٹ والی البانیا نے سلطان مراد خان ثانی کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے آپ کو موردِ الطاف سلطانی بنانے کے لئے اپنے چار خورد سال بیٹے سلطان کی خدمت میں اس لئے بھیج دیئے تھے کہ وہ بطور یرغمال سلطان کے پاس رہیں اور سلطان اُن کو اپنی ینگ چری فوج میں داخل کرنے کے لئے تربیت دے۔ ایڈریانوپل کی تربیت گاہ میں اتفاقاً تین چھوٹے لڑکے بیمار ہو کر مر گئے۔ یہ خبر سن کر جان کسٹرائٹ والی البانیا نے اپنے بیٹوں کے اس طرح فوت ہونے کو شبہ کی نظر سے دیکھا اور سلطان کو لکھا کہ میرے بیٹوں کو ممکن ہے کہ کسی میرے دشمن نے زہر دیا ہو۔ سلطان مراد خان ثانی کو بھی ملال ہوا اور چوتھے لڑکے کو جو سب سے بڑا تھا اور جس کا نام جارج کسٹرائٹ تھا بنظر احتیاط خاص اپنے سلطانی محل میں پرورش دینے لگا۔ سلطان کو اُس کا بہت خیال رہتا تھا چنانچہ اُس کو بطور ایک اسلامی بچہ کے شہزادوں کی طرح تربیت دی گئی۔ جب یہ لڑکا جارج کسٹرائٹ اٹھارہ سال کا ہو گیا تو سلطان نے اُس کو ایک فوجی دستہ کی سرداری سپرد کی۔ اُس نے نہایت ہوشیاری اور خوبی کے ساتھ اپنی مفوضہ خدمات کو انجام دیا۔ اب وہ ایک پرجوش مسلمان سردار تھا۔ سلطان نے اُس کا نام سکندر بیگ رکھا اور وہ سکندر بیگ اور لارڈ سکندر بے کے نام سے مشہور ہوا۔ ۸۳۶ھ میں اس کے باپ کسٹرائٹ کا البانیا میں انتقال ہوا اُس وقت سکندر بیگ سلطانی خدمات اور بعض اضلاع پر مامور تھا۔ سلطان نے اُس کو اس کے باپ کی جگہ فرمانروائے البانیا مقرر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ البانیا کے حاکم کی حیثیت سے بہت زیادہ اچھی حالت میں تھا سلطان اُس کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا اور وہ بڑے بڑے صوبوں کی فرمانروائی پر سلطان کی طرف سے مامور [illegible] مراد خان ثانی کو کبھی بھول کر بھی اس بات کا خیال نہ آتا تھا کہ سکندر بیگ کسی وقت باغی بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ۸۴۷ھ میں ترکی فوج کو جب ہنی داس کے مقابلے میں شکست حاصل ہوئی تو سکندر بیگ نے اپنے آبائی ملک البانیا پر بزور قبضہ کر لینے کا مصمم ارادہ کیا اور وہ یکایک سلطانی میر منشی کے خیمے میں گھس گیا اور اس کے گلے پر تلوار رکھ کر اس سے زبردستی البانیہ کے صوبہ دار کے نام سلطان کا فرمان لکھوایا کہ تم سکندر بیگ کو جو سلطان کی طرف سے بطور وائسرائے تمہارے پاس پہنچے البانیا کے دارالسلطنت اور تمام علاقے کا چارج دیدو۔ یہ فرمان لکھا کر اور مہر سلطانی سے بھی مزین کر کے میر منشی کو قتل کر دیا اور وہاں سے نکل کر سیدھا البانیا کے دارالسلطنت کی طرف چل دیا تو وہاں صوبہ دار نے بلا تامل اُس کو البانیا کی حکومت سپرد کر دی اور رعایا نے اطاعت قبول کر لی۔ البانیا پر اس کے قابض ہونے کے بعد اُس نے باشندگان البانیا میں اعلان کیا کہ میں دین اسلام سے مرتد ہو کر عیسوی مذہب قبول کرتا ہوں اور آئندہ تمام کوشش اس امر میں صرف کروں گا کہ اپنے ملک کو ترکوں کی حکومت سے آزاد رکھوں۔ اس اعلان کے سنتے ہی عیسائیوں میں خوشی ہو گئی اور البانیا کے اندر یک لخت ترکوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ جس قدر ترک وہاں موجود تھے عیسائیوں نے سب کو قتل کر ڈالا اور سکندر بیگ البانیا کا خود مختار فرمانروا بن گیا۔ سکندر بیگ نے چونکہ خاص سلطانی محل میں رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ جنگی تربیت حاصل کی تھی اور سلطانی تربیت نے

اُس کو ذی حوصلہ اور باہمت بنادیا تھا۔ شہزادوں کی طرح رہنے کے سبب وہ ترکوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا خود نہایت ذہین و ذکی اور جری بھی تھا نیز البانیا کے پہاڑی ملک ہونے کے سبب وہاں کے راستے بھی چونکہ سخت دشوار گذار تھے اور حملہ آور فوج کا اُس ملک میں داخل ہونا آسان کام نہ تھا ان سب وجوہات نے جمع ہوکر سکندر بیگ کو البانیا میں فرمانروا بنادیا۔ اُدھر سلطان مرادخان ثانی کو دوسرے مکروہات سے ایسی فرصت نہیں ملی کہ وہ اپنی مکمل توجہ کے ساتھ اُس کے استیصال پر آمادہ ہوتا۔ کئی مرتبہ البانیا پر چڑھائیاں ہوئیں لیکن سکندر بیگ کی غیر معمولی بہادری اور غیر معمولی قابلیت جنگی کے سبب سلطانی فوجوں کو ناکام واپس آنا پڑا۔ سکندر بیگ نے البانیا میں سلطانی فوج کے مقابلے میں ایسی ایسی حیرت انگیز بہادریاں دکھائیں اور اپنے آپ کو ایسا قابل جنرل ثابت کیا کہ خود ترکوں کی بہادر قوم نے اُس کی بہادری و قابلیت جنگی کا اعتراف کیا۔ سلطان مرادخان ثانی کے عہد حکومت میں وہ مغلوب و اسیر نہ ہوسکا اور البانیا کے پہاڑوں نے اُس کی خوب امداد و اعانت کی لیکن جب ۸۷۲ھ میں وہ وینس کے علاقے میں جاکر مرگیا تو ترکی سپاہیوں نے اس کی قبر کھود کر اُس کی ہڈیوں کے ٹکڑوں کو محض اس لئے تلاش کیا کہ اُن کو بطور تعویذ گلے میں ڈالا جائے تاکہ ویسی ہی بہادری اور جنگی قابلیت اُس کی ہڈیوں کے اثر سے ہم میں پیدا ہوسکے۔ سلطان مراد نے چونکہ اُس کو بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا اس لئے وہ سکندر بیگ کا قتل یا بربادی نہیں چاہتا تھا اور سلطان کو توقع تھی کہ وہ کسی وقت راہِ راست پر آکر اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرلیگا۔ سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان محمد خان ثانی تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ بھی سکندر بیگ کو بھائیوں کی طرح عزیز رکھتا تھا اس لئے اُس نے سکندر بیگ سے صلح کرکے اُس کو البانیا کا حاکم تسلیم کرلیا تھا۔ لیکن سکندر بیگ نے پھر بھی بغاوت اختیار کی تو سلطان محمد خان ثانی نے حملہ آور ہوکر البانیا کو فتح کرلیا اور اسکندر بیگ وینس کے علاقے میں چلا گیا جہاں اُس کا ۸۷۲ھ میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد البانیا سلطنت عثمانیہ کا صوبہ تھا۔

سکندر بیگ کا چونکہ ذکر آگیا تھا اس لئے اُس کو یہیں ختم کردیا گیا۔ سلطان مرادخان ثانی نے ۸۵۵ھ میں وفات پائی اور لاش بروصہ میں لیجاکر دفن کی گئی۔ اس سلطان نے تیس سال حکومت کی۔ اس سلطان کے عہد حکومت میں بھی بڑے بڑے عظیم الشان واقعات رونما ہوئے اور بحیثیت مجموعی سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں پہلے سے زیادہ استوار ہوگئیں۔ یہ سلطان بہت نیک دل۔ خدا پرست اور رحم دل تھا۔

سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ

سلطان مرادخان کی وفات کے وقت اُس کا بیٹا محمد خان ایشیائے کوچک میں تھا جس کی عمر اس وقت اکیس سال چند ماہ کی تھی۔ اس سے پیشتر محمد خان ثانی دو مرتبہ جبکہ اُس کی عمر صرف پندرہ سولہ سال کی تھی باپ کی زندگی میں تخت نشین ہوچکا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ مرادخان ثانی کی وفات کے بعد ارکین سلطنت نے ایشیائے کوچک میں محمد خان ثانی کے پاس خبر بھیجی اور وہ بلاتوقف وہاں سے روانہ ہوکر دردانیال کو عبور کرکے ایڈریا نوپل پہنچا اور وہاں مراسم تخت نشینی ادا کیے گئے۔ شاہ سرویا کی بیٹی سے مراد ثانی کا ایک اور بیٹا تھا جو ابھی صرف آٹھ مہینے کا بچہ تھا۔ جب محمد خان ثانی کی تخت نشینی کے مراسم ادا ہورہے تھے اور ارکین سلطنت اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کررہے تھے تو ینگ چری فوج کے سرداروں نے یہ حرکت

کی کہ سلطان محمد خان ثانی کی اطلاع کے بغیر اُس بچے کو حمام میں لیجا کر قتل کر دیا۔ غالباً یہ کام اُس نو مسلم سردار نے
محمد خان ثانی کی حمایت میں کیا اور اپنے نزدیک ایک اچھی خدمت بجا لایا کیونکہ یہ لڑکا جوان ہو کر اپنی ماں یعنی
سرین شہزادی کے سبب سرویا والوں اور دوسرے عیسائیوں سے مدد پا کر سلطان محمد خان ثانی کے
لئے باعثِ تکلیف ہو سکتا تھا لیکن سلطان محمد خان ثانی نے ینگ چری سردار کے اس ظالمانہ وسفاکانہ
فعل کو سخت ناپسند کیا اور اپنے اس سوتیلے بھائی کے قصاص میں اس کو قتل کیا چونکہ چھ سال پہلے محمد خان
ثانی اپنے باپ کے زمانے میں دو مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے لئے تخت نشین ہو کر کسی اولوالعزمی اور
بلند ہمتی کا اظہار نہ کر سکا تھا اس لئے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ایک کمزور اور سست رائے سلطان ثابت
ہوگا حالانکہ یہ قیاس کرنا ایک غلطی تھی اُس زمانے میں وہ پندرہ سولہ سال کا لڑکا اور اب اکیس بائیس
سال کا نوجوان تھا۔ یہ چھ سال اُس نے کھیل کود میں نہیں گذارے تھے بلکہ وہ حکومت و سلطنت کی
قابلیت کے بڑھانے میں برابر ترقی کرتا رہا تھا۔ عالموں اور روحانی لوگوں کی صحبتوں نے اس کے اخلاق
اور قوت ارادہ کو بہت کچھ پختہ کر دیا تھا۔ یورپی مورخ عام طور پر اُس کو اپنے صغیر سن سوتیلے بھائی کا
قاتل بتاتے ہیں مگر وہ اپنی اس غلط بیانی میں اس لئے معذور ہیں کہ محمد خان ثانی قسطنطنیہ کا فاتح ہے
اور اُس کو ملزم قرار دینا شاید عیسائی مورخ ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ینگ چری
فوج کے سردار نے اُس بچے کو قتل کیا تھا۔ اُس کا بھی سب کو اقرار ہے کہ سلطان محمد خان نے اُس سردار کو
قصاص میں قتل کرایا۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ اُس سردار نے محمد خان ثانی کے حکم سے اُس کو قتل کیا تھا۔ لیکن
سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سلطان محمد خان کو سردست اُس چھوٹے بچے سے کسی قسم کا
بھی کوئی اندیشہ نہ تھا۔ وہ اپنی تخت نشینی کے مراسم سے فارغ ہونے کے بعد بھی اس لڑکے کی جان لینے
کی تدابیر عمل میں لا سکتا تھا۔ اُس شیر خوار بچے کو تخت نشین کرنے کا کسی رکن سلطنت کو مطلق خیال تک
بھی نہیں آیا تھا بلکہ سب ایڈریانوپل میں محمد خان کا انتظار کر رہے تھے۔ ینگ چری فوج کا سردار
ایشیائے کوچک سے سلطان محمد خان کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ پہلے ہی سے ایڈریانوپل میں موجود
تھا۔ اگر یہ کام سلطان محمد خان کو کرانا تھا تو وہ اپنے اُن سرداروں میں سے کسی کو اس کام پر مامور کرتا
جو اُس کے ساتھ ایشیائے کوچک سے آئے تھے اور جن پر اُس کو ہر طرح کا بھروسہ تھا۔ ایڈریانوپل
میں آتے ہی ایک ایسے سردار کو جو اُس کے لئے کوئی مانوس شخص نہ تھا یہ ظالمانہ حکم دینا معمولی احتیاط
کے بھی خلاف تھا۔ پھر یہ کہ وہ سردار جب اپنے اس ناشدنی کام کی پاداش میں قتل کیا گیا تو اس نے
اپنی جان بچانے کے لئے اس راز کو فاش نہ کیا۔ سرین شہزادی یعنی محمد خان کی سوتیلی ماں خود اُن لوگوں
میں شامل تھی جو تخت نشینی کی مبارک باد دینے آئے۔ سلطان محمد خان ثانی کی آئندہ زندگی میں اس
قسم کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ اور اُس با حوصلہ۔ نیک دل اور باخدا سلطان سے ہرگز اس قسم کی
احمقانہ حرکت کی توقع نہیں ہو سکتی بات دراصل یہ ہے کہ ینگ چری فوج چونکہ سلطنت عثمانیہ کی
بڑی لاڈلی فوج سمجھی جاتی تھی اس لئے اس فوج اور اس فوج کے سرداروں میں عام طور پر خود رائی
و خود سری کے علامات پیدا ہونے لگے تھے۔ سلطان مراد خان ثانی کے زمانے میں بھی ان لوگوں سے
اس قسم کے حرکات سرزد ہو چکے تھے۔ اس نوجوان سلطان کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اُس سردار نے
اسی قسم کا احسان اُس پر کرنا مناسب سمجھا۔ یہی دعو کا قسطنطنیہ کے قیصر قسطنطین کو ہوا جس وجہ سے

اُس کو قسطنطنیہ اور اپنی جان دینی پڑی تفصیل اس اجمال کی آگے آتی ہے۔

۸۵۲ھ میں سلطان مراد ثانی سے تین سال پیشتر قیصر جان پلیلیوگس کے فوت ہونے پر قیصر قسطنطین دوازدہم قسطنطنیہ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قسطنطین دوازدہم بھی اپنے پیشرو کی مانند خوب چالاک و چوکس آدمی تھا اُس نے سلطان مراد ثانی کی وفات اور سلطان محمد خان ثانی کی تخت نشینی پر ایشیائے کوچک کے سرکش اور باغیانہ خیالات رکھنے والے امیروں کو سہارا دیکر فوراً ایک بغاوت برپا کرا دی جس کے سبب سلطان محمد خان کو ایشیائے کوچک میں جا کر باغیوں کو ٹھیک اور وہاں کے انتظام کو درست کرنا پڑا۔ ابھی سلطان محمد خان ایشیائے کوچک کے انتظام سے فارغ نہ ہوا تھا کہ قیصر قسطنطین نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ سلطان مراد خان ثانی کے زمانے خاندان عثمانیہ کا ایک شہزادہ ارخان نامی ہمارے پاس نظربند ہے اُس کے اخراجات ضروریہ کے لئے جو رقم سلطانی خزانہ سے آتی ہے اُس میں اضافہ کرو ورنہ ہم اس شہزادہ کو آزاد کردیں گے اور وہ آزاد ہو کر تم سے ملک چھین لے گا۔ قیصر چونکہ سلطان محمد خان ثانی کو ایک کمزور طبیعت کا سلطان تصور کئے ہوئے تھا اس لئے اُس نے اس دھمکی کے ذریعہ سلطان سے روپیہ اینٹھنا اور اُس کو دبانا چاہا۔ اگر واقعی سلطان محمد خان ایسا ہی کمزور اور پست ہمت ہوتا جیسا قیصر نے سمجھا تھا تو وہ ضروری اس دھمکی سے ڈر جاتا اور قیصر قسطنطین کے نہ صرف اسی بلکہ آئندہ مطالبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا لیکن سلطان محمد خان ثانی سکندر یونانی اور نپولین فرانسیسی سے زیادہ قوی قلب و ارادہ کا مالک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس طرح کام نہ چلے گا اور جب تک اس عیسائی سلطنت کا قصہ پاک نہ کردیا جائیگا سلطنت عثمانیہ کا قیام و استحکام ہمیشہ معرض خطر ہی میں رہیگا۔ اُس وقت سلطان نے قیصر کے ایلچیوں کو ٹال دیا اور کوئی صاف جواب نہ دیا۔ ایشیائے کوچک سے واپس آکر سلطان محمد خان نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ہنی واس یا ہنی ڈیز بادشاہ ہنگری سے تین سال کے لئے صلح کا عہد نامہ کرلیا۔ اس عہد نامہ کے مکمل ہو جانے سے سلطان کو اپنی سلطنت کے شمالی حدود کی جانب سے اطمینان حاصل ہوگیا۔ اسی دوران میں ینگ چری فوج اور اُس کے سرداروں کی طرف سے بدعنوانیاں ملاحظہ کرکے سلطان نے اُن کو قرار واقعی سزائیں دیکر اُن کی اصلاح کی۔ قیصر قسطنطین نے دوبارہ اپنے ایلچی ایڈریانوپل میں سلطان کے پاس بھیجے اور پھر شہزادہ ارخان کے نفقہ کے اضافے ورنہ اُس کے آزاد کردینے کی دھمکی دی۔ اور نہایت سفیہانہ انداز سے اصرار کیا۔ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ سلطان محمد خان ثانی نے ارخان کا نفقہ بالکل بند کردیا۔ اور قیصر کے سفیروں کو نہایت ذلت کے ساتھ اپنے دربار سے نکلوا کر قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ اب قیصر کی آنکھیں کھُلیں اور اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے جس کو روباہ سمجھا تھا وہ درحقیقت شیر ہے۔ چونکہ قیصر قسطنطین اپنی شجاعت اور ہوشیاری میں ممتاز اور بہت باہمت شخص تھا اُس نے یہ دیکھ کر کہ مجھ کو سلطان محمد خان سے ضرور دو دو ہاتھ کرنے پڑینگے بلا توقف جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ قسطنطین کی روشن خیالی اور مآل اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے کہ اُس نے عیسائیوں کے دو بڑے بڑے گروہوں میں اتفاق پیدا کرنا ضروری سمجھا۔ اُس زمانے تک عیسائیوں کا فرقہ پراٹسٹنٹ پیدا نہ ہوا تھا مگر رومن کیتھولک عیسائیوں سے بہت سخت اور اہم اختلاف ہے بلکہ اُس زمانے میں تمام عالم عیسائیت عقیدہ کے اعتبار سے دو حصوں میں منقسم سمجھا جاتا تھا۔ ایک گروہ شہر روما کے پوپ کو اپنا پیشوا مانتا اور رومن چرچ کا ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا گروہ گریک چرچ

یعنی یونانی گرجے کا پیرو اور قسطنطنیہ کے بشپ اعظم کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتا تھا جس کی سرپرستی کا فخر قیصر قسطنطنیہ کو حاصل تھا۔ ان دونوں گروہوں میں عقیدہ کا کچھ بہت بڑا فرق نہ تھا۔ عشائے ربانی میں رومن طریقے کے پیرو شراب کے ساتھ فطیری روٹی استعمال کرتے تھے اور قسطنطنیہ کے پیرو خمیری روٹی ضروری سمجھتے تھے۔ اس خمیری اور فطیری کے اختلاف سے دونوں گروہوں کے پادریوں کی وہی حالت تھی جو اس جہالت و تاریکی کے زمانے میں ہم اپنے پیشہ ور مولویوں کی دیکھ رہے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں مثلاً آمین و رفع یدین پر کفر کے فتوے بلا تامل قلعہ شکن توپوں کی طرح داغتے اور اپنی بہادری پر مسرور ہوتے ہیں۔ قیصر قسطنطین نے روما کے پوپ کو لکھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے مذہبی اختلاف کو مٹا دیں اور سب متحد و متفق ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ میں بخوشی آپ کے عقائد کو تسلیم کرتا ہوں اور آئندہ قسطنطنیہ کا گرجا بھی آپ ہی کے ماتحت ہوگا۔ لہٰذا جس طرح بیت المقدس اور شام کی فتح کے لئے تمام براعظم یورپ میں جہاد کا اعلان کیا گیا تھا اور عیسائی مجاہدین جوق در جوق جمع ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کو پہنچ گئے تھے اسی اہتمام کے ساتھ اب بھی قسطنطنیہ کے بچانے اور عثمانیہ سلطنت کو نیچا دکھانے کے لئے آپ کی طرف سے اعلان اور ترغیب ہونی چاہیئے۔ قیصر قسطنطین کی یہ تجویز بہت کارگر اور مفید ثابت ہوئی پوپ نے جس کا نام نکلسن پنجم تھا پوری سرگرمی کے ساتھ عیسائیوں کو جہاد پر آمادہ ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ ہسپانیہ (اندلس) کے شمالی صوبوں اراگون و قسطلہ سے عیسائی مجاہدین کی زبردست اور کار آزمودہ فوجیں قسطنطنیہ پہنچیں۔ اسی طرح پوپ نے خود ایک زبردست فوج اپنے ایک نائب کارڈینال کی ماتحتی میں جہازوں پر روانہ کی۔ وینس اور جنیوا کی بحری طاقتیں اور بری فوجیں بھی قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اُدھر قسطنطین نے شہر قسطنطنیہ کی فصیل کو مضبوط اور بندرگاہ کو حفاظتی سامانوں سے محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ خاص شہر قسطنطنیہ کی آبادی میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی موجود تھے۔ باشندوں سے چندے وصول کئے گئے اور عام طور پر عیسائیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ ایام طفلی کو چھوڑ کر شہر کی حفاظت اور دشمن کے حملہ کی مدافعت میں اپنی تمام طاقتیں صرف کر دیں۔ یورپ کے عیسائی مورخ حتیٰ کہ اڈمن اولیور اور ای ایس کریسی بھی جو اپنی بے تعصبی اور راست گفتاری کے لئے شہرت رکھتے ہیں فتح قسطنطنیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنے یورپی اور عیسائی تعصب کے مغلوب ہو جاتے ہیں یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح سلطان محمد خان ثانی کے اس کارنامہ کو حقیر کر کے دکھائیں اور جس طرح ممکن ہو سلطان محمد خان ثانی کی ذات پر کوئی نہ کوئی الزام لگائیں۔ چنانچہ یہ لوگ قسطنطین کی فوج اور اس کی جنگی تیاریوں کو بیان کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کو سلطان محمد خان ثانی کی غیر معمولی شجاعت اور حیرت انگیز استقلال کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال سلطان محمد خان ثانی کے آفتاب سے زیادہ روشن کارنامے ان منصف مزاج عیسائی مورخوں نے بھی خون کے گھونٹ پی پی کر لکھے ہیں۔

سلطان محمد خان ثانی نے اپنے ایک ہوشیار آہنگر اربان نامی نومسلم کو جو ہنگری کا قدیم باشندہ اور اسلام قبول کرنے سے پیشتر قسطنطین کا نوکر رہ چکا تھا حکم دیا کہ وہ بڑی بڑی زبردست اور کی توپیں بنانا شروع کرے چنانچہ متعدد توپیں تیار ہوئیں جن میں بعض بہت ہی بڑی اور وزنی گولہ پھینکنے والی تھیں۔ چند سال پیشتر یعنی سلطان مراد خان ثانی کے عہد حکومت سے سلطنت عثمانیہ نے لڑائیوں

میں توپوں کا استعمال شروع کر دیا تھا مگر ابھی تک یہ کوئی بہت کار آمد آلۂ جنگ نہ تھا قلعوں کی دیوار پر
مسمار کرنے میں توپ کا مرتبہ منجنیق سے کچھ زیادہ بلند نہ تھا چنانچہ یہ توپیں جو سلطان محمد خان نے ادرنہ
سے تیار کرائیں اور جن کی نقل و حرکت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے میں بڑی دقت اور دشواری
پیش آتی تھی ایسی تھیں کہ ایام محاصرہ میں صبح سے شام تک ان سے صرف سات آٹھ مرتبہ فیر ہو سکے
تھے چنانچہ اسی لئے محاصرۂ قسطنطنیہ میں یہ کچھ بہت مفید ثابت نہیں ہوئیں۔ اسی طرح قسطنطین نے
بھی اپنے توپ خانہ کو بہت مکمل و مضبوط بنا لیا تھا۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد تھوڑے ہی دن گذرے تھے
یورپ کے عیسائی سلاطین اور عثمانیہ سلاطین نے لڑائیوں میں توپ کے استعمال کو بہت ترقی دی اور
بہترین آلۂ جنگ متصور ہونے لگا۔

سلطان محمد خان ثانی نے اپنی سلطنت کے ہر ایک حصہ میں نظم و انتظام اور امن و امان قائم رکھنے
کے لئے سب سے پہلے اپنی کوشش و توجہ منعطف کی اور جب اس طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو گیا
قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے پچاس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل کی ایک پُر جوش اور بہادر فوج مہیا
کی۔ سلطان محمد خان ثانی کی فوج کا ستر ہزار ہونا کسی نے بیان کیا ہے جو یقیناً مبالغہ سے خالی نہیں
کیونکہ دوران محاصرہ میں جو ۶ اپریل سے ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء تک یعنی سات ہفتے قائم رہا اس ستر ہزار
فوج کے لئے سامان رسد کا مہیا ہونا اُن حالات میں کوئی آسان کام نہ تھا۔

۸۵۶ھ مطابق ۱۴۵۲ء سے طرفین کی جنگی تیاریاں علانیہ شروع ہو گئی تھیں قیصر قسطنطین نے
قسطنطنیہ کے اندر سامان رسد اور غلہ وغیرہ حد سے زیادہ جمع کر لیا تھا۔ یورپ کے ملکوں سے نہ صرف
جنگجو لوگوں کے جہاز آرہے تھے بلکہ سامان جنگ اور سامان خورد و نوش سے لدی ہوئی کشتیوں کا
تانتا بندھا ہوا تھا۔ اٹلی اور دوسرے ملکوں سے معمار و انجینیر اور تجربہ کار جنگی سردار شہر قسطنطنیہ
کی مضبوطی کے سامانوں کو مکمل کرنے کے لئے موجود ہو گئے تھے۔ سمندر کی جانب بندرگاہ کے دہانہ پر
مضبوط آہنی زنجیر اس طرح دونوں طرف باندھی گئی تھی کہ کسی جہاز کا بندرگاہ میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔
جب شہر والے خود چاہتے تھے کہ جہاز کو اندر آنے دیں تو اُس زنجیر کو سمندر کی گہرائی میں ڈھیلا کر کے
دیتے تھے اور جہاز اندر داخل ہو جاتا تھا اس کے بعد زنجیر کو کھینچ دیا جاتا تھا اور پھر کسی غیر جہاز کا داخل
ہونا غیر ممکن ہوتا تھا۔ شہر کی فصیل چودہ میل کے قطاع دائرہ میں نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھی۔
سمندر کی جانب یعنی جس طرف بندرگاہ تھی فصیل کسی قدر نیچی اور کمزور تھی کیونکہ اُس طرف سے کسی حملہ
کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ فصیل کے چاروں طرف گہری خندق جو ناقابل گذر تھی کھدی ہوئی تھی
کے باہر بھی جا بجا مضبوط برجوں کے ذریعہ خندق و فصیل کی حفاظت کے لئے توپیں اور مضبوط
دستے تیر اندازوں کے مامور تھے۔ پرانی تعمیر کے برجوں اور دیوار کے اُن حصوں کو جو بھاری توپوں کے
اور اُن سے فائر کرنے کی حالت میں شکستہ ہو جانے کی استعداد رکھتے تھے از سر نو مضبوط و مستحکم
بنایا گیا۔ اس طرح قسطنطنیہ کی حفاظت کا جس قدر سامان اور اہتمام ہو سکتا تھا وہ بدرجۂ اتم
پورا کر لیا گیا تھا۔

سلطان بایزید یلدرم نے آبنائے باسفورس کے تنگ ترین مقام کے ایشیائی ساحل پر
قلعہ بنایا تھا۔ سلطان محمد خان ثانی نے جب قسطنطنیہ کی فتح کا ارادہ کیا تو اُس قلعہ کے مقابل یورپ

پر ایک قلعہ بنانا شروع کیا اور یہی گویا اُس کی سب سے پہلی علی الاعلان جنگی تیاری تھی۔ یہ قلعہ بہت جلد بن کر تیار ہو گیا اور اس پر توپیں چڑھا دی گئیں جیسا کہ مقابل کے ایشیائی قلعہ پر بھی توپیں موجود تھیں اس طرح آبنائے باسفورس کا دروازہ سلطان محمد خان ثانی نے بند کر دیا اور بحر اسود کو بحر مارمورا سے جدا کر کے قیصر کے جہازوں کو بحر اسود میں آنے سے روک دیا۔ لیکن اس سے قسطنطین کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ اُس کو دردانیال کے ذریعہ یورپی ممالک یعنی اٹلی واسپین وغیرہ سے امداد پہنچ رہی تھی۔ سلطان محمد خان کے پاس کل تین سو کشتیاں بتائی جاتی ہیں جو قریباً سب بہت چھوٹی چھوٹی تھیں اور اُن میں سے ایک بھی ایسی بڑی نہ تھی جو قسطنطین کے چودہ بڑے بڑے جنگی جہازوں میں سے کسی چھوٹے سے چھوٹے جہاز کی برابر ہو۔

فتح قسطنطنیہ | ۶ / اپریل ۱۴۵۳ء مطابق ۲۶ / ربیع الاول ۸۵۷ھ کو سلطان محمد خان ثانی اپنی فوجیں لئے ہوئے خشکی کی جانب سے قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے نمودار ہوا اُدھر عثمانی جہازوں نے بحر مارمورا میں سمٹ کر بندرگاہ قسطنطنیہ یعنی گولڈن ہارن کے سامنے بحری محاصرہ شروع کیا۔ سلطانی بیڑہ کا امیر البحر بلوط اغلن نامی ایک سردار تھا۔ سلطان نے فصیل شہر کا محاصرہ کر کے جابجا مناسب دستوں کو مامور کیا اور بیلداروں کو حکم دیا کہ ساباط اور سرنگوں کے بنانے میں مصروف ہوں۔ اور تیز رفتاری کے ساتھ ساباط اور دمدموں کو فصیل شہر کے نزدیک لیجائیں۔ مناسب موقعوں پر دمدمے تیار کر کے تیر اندازوں کو مامور کیا گیا کہ جو شخص فصیل شہر سے سر ابھارے اس کو تیر کا نشانہ بنائیں۔ اس محاصرے کے جاری کرنے میں سلطان محمد خان نے اپنی حیرت انگیز قابلیت کا اظہار کیا۔ محاصرین نے جلد جلد محاصرہ کے حلقہ کو تنگ اور فصیل شہر کے متصل پہونچنے کی کوشش کی۔ منجنیقوں اور توپوں کو مناسب موقعوں پر نصب کر کے فصیل شہر پر جابجا گولوں اور پتھروں کی بارش کی گئی۔ اُدھر محصورین بھی مدافعت کے لئے پورے طور پر تیار اور مستعد تھے۔ جنیوا کے سپہ سالار جان اغطیاس اور یونانی سپہ سالار ڈیوک نوطارس نے بڑی ہمت اور قابلیت کے ساتھ مدافعت کے کاموں کو انجام دیا پوپ نکلسن پنجم کے نائب کارڈنل نے اپنی شجاعت و تجربہ کاری کے نمایاں ثبوت پیش کرنے شروع کئے۔ ان تمام سپہ سالاروں اور فوجوں کی مجموعی طور پر نگرانی قیصر قسطنطین نے اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ صبح سے شام تک اور رات کے وقت بھی پشت زین سے بہت کم جدا ہوتا تھا ہر ایک مورچہ اور ہر ایک مقام پر خود پہنچتا سپاہیوں کے دل بڑھاتا اور سپہ سالاروں کے کاموں کا معائنہ کر کے اُن کو داد دیتا تھا۔ محاصرہ کے شروع ہوتے ہی باشندگان شہر اور عیسائی فوجوں میں انتہا درجہ کا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ لڑائی کی ترغیب دینے اور شہید ہونے کے فضائل بیان کرنے کے لئے بڑے بڑے پادری اور بشپ وعظ و نصیحت کرتے اور لوگوں کو لڑ کر جان دینے پر آمادہ بناتے تھے۔ سلطان محمد خان ثانی نے اپنا خیمہ شہر کے دروازہ سینٹ رومانوس کے سامنے نصب کرایا تھا اور اسی دروازے پر محاصرین نے زیادہ زور صرف کرنا شروع کیا تھا۔ اول اول محصورین نے فصیل شہر اور خندق سے باہر نکل کر محاصرین پر حملے شروع کئے لیکن جب اس طرح عثمانیہ لشکر کے ہاتھ سے وہ زیادہ مقتول ہونے لگے تو قسطنطین نے حکم دیا کہ کوئی شخص فصیل شہر سے باہر جانے کا قصد نہ کرے۔ قلعہ فصیل اور

برجوں سے توپوں اور منجنیقوں کے ذریعہ محصورین نے محاصرین کو ترکی بترکی جواب دینا شروع کیا۔ آخر چند روز کے بعد فصیل شہر میں کہیں کہیں رخنے نمودار ہوئے لیکن محصورین کی قابلیت و مستعدی نے فوراً اُن کو بند کر کے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط بنا لیا۔ سلطان محمد خان ثانی نے اپنی فوج کو خندق کے کنارے تک لیجا کر کئی جگہ خندق کو پاٹ کر راستے بنائے اور اس طرح عثمانی فوج فصیل تک پہنچی لیکن فصیل کے اوپر کوئی بس نہ چل سکا اور پرسے عیسائیوں نے روغن نفط جلا جلا کر اُن پر پھینکنا شروع کیا مجبوراً اُن کو واپس آنا پڑا۔ اب سلطان نے ایک اور تدبیر سوچی وہ کہ لکڑی کے اونچے اونچے مینار بنوائے جو فصیل شہر کی برابر بلند تھے اور اُن کے نیچے پہیئے لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے بآسانی اُن کو حرکت میں لا سکتے تھے ان میناروں کے ساتھ ایک ایک لمبی سیڑھی اوپر کے حصے سے بندھی ہوئی تھی ان میناروں کو خندق کے کنارے لیجا کر اور اس سیڑھی کو اوپر اٹھا کر اُس کا دوسرا سرا قلعہ کی دیوار پر رکھدیا۔ اس طرح خندق کے اوپر ایک پل بند جاتا تھا عثمانی سپاہی اس مینار پر چڑھ کر سیڑھی کے اوپر ہوتے ہوئے فصیل شہر پر پہونچنے کی کوشش کرنے لگے مگر محصورین نے نہایت مستعدی اور چابکدستی کے ساتھ ان میناروں پر رال کے جلتے ہوئے گولے پھینک کر اُن میں آگ لگادی اور اس طرح ان میناروں اور سیڑھیوں کے جلنے سے قلعہ کشائی کی یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہوسکی۔ ۱۵ اپریل کو یعنی محاصرہ شروع ہونے سے نو دن روز خبر پہونچی کہ جنیوا کے چار جہاز غلہ اور گولہ بارود کا سامان لئے ہوئے ترکی جہازوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے صاف بچکر نکل گئے اور گولڈن ہارن یعنی قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں داخل ہوکر شہر والوں کو یہ گراں قدر امداد پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان بذات خاص گھوڑے پر سوار سمندر کے کنارے پہنچا اور دیکھا کہ پانچ جہاز اسی طرح بحیرۂ مارمورا میں دشمنوں کے اور آرہے ہیں سلطان نے فوراً اپنے امیر البحر اور بحری فوج کو حکم دیا کہ ان کو روکو اور بندرگاہ میں داخل نہ ہونے دو۔ سلطان اور عثمانی بری فوج کنارے پر اس بحری جنگ کے دیکھنے میں مصروف تھی اُدھر عیسائی لوگ بھی فصیل شہر کے اوپر چڑھے ہوئے اس تماشے کے معائنہ میں مشغول تھے۔ عثمانی جہازوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان جہازوں پر حملہ کر کے اُن کی لمبی قطار کو توڑ دیا اور وہ ایک جگہ آگے پیچھے اور پہلو بہ پہلو اکٹھے ہو گئے۔ عثمانی جہازوں نے چاروں طرف سے اُن کو گھیر لیا اور ان کے قریب پہنچکر ہر چند کوشش کی کہ اُن پر چڑھ کر اُن کے ملاحوں کو قتل کریں اور قابض ہو جائیں مگر وہ جہاز اس قدر بڑے اور بلند تھے کہ عثمانی سپاہی اپنے چھوٹے اور پست جہازوں سے ان پر کسی طرح نہ چڑھ سکے اول جبکہ عثمانی جہازوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا تھا تو دیکھنے والوں کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ پانچوں جہاز ضرور گرفتار ہو جائیں گے لیکن اسی کشمکش میں تھوڑی دیر کے بعد دیکھا گیا کہ وہ بڑی تیزی سے عثمانی کشتیوں کے بیچ میں سے نکل کر بندرگاہ کی طرف چلے محصورین نے فوراً زنجیر نیچی کر دی اور وہ گولڈن ہارن میں داخل ہوگئے اس کے بعد زنجیر کو پھر کھینچ لیا گیا اور عثمانی جہازوں کے حملہ کا کوئی خوف اُن کو نہ رہا۔ سلطان محمد خان نے اپنی بحری فوج کی اس ناکامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُس کو سخت ملال ہوا۔ اُس نے اپنے امیر البحر کو بلا کر اپنے ہاتھ سے اُس کو خوب مارا اور آئندہ کے لئے اُس کو زیادہ مستعد رہنے کا حکم دیا۔ مگر امیر البحر بیچارے کی کوئی خطا نہ تھی وہ اپنے

چھوٹے چھوٹے جہازوں سے دیو ہیکل جہازوں پر کس طرح قبضہ کرسکتا تھا۔ مگر سلطان کی تنبیہ اور امیر البحر کی بیش از بیش مستعدی کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد کسی اور جہاز کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ دردانیال کو عبور کرکے بحر مارمورا میں داخل ہوسکے ان پانچ جہازوں میں جو فوج سوار ہوکر آئی تھی یہ گویا قسطنطنیہ کے لئے آخری بیرونی امداد تھی۔ سلطان نے محاصرہ کے کام میں انتہا درجہ کی مستعدی دکھائی۔ بار بار نقصان اُٹھانا پڑا۔ بار بار حملے ناکام اور بلا نتیجہ ثابت ہوئے۔ محصورین کی ہمتیں اپنی کامیابیوں کو دیکھ دیکھ کر اور بھی زیادہ بڑھ گئیں۔ شہر کے اندر سامان مدافعت اور رسد کی مطلق کمی نہ تھی وہ برسوں محصور رہ کر مدافعت پر ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرچکے تھے اُن کو یہ بھی توقع تھی کہ ہنگری کا بادشاہ ہنی داس اپنے عہد نامۂ صلح کو توڑ کر ضرور شمال کی جانب سے حملہ آور ہوگا اور قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھ جائے گا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے سلطان محمد خان ثانی کی جگہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو ضرور محاصرہ اُٹھا کر چل دیتا اور اس کام کو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیتا مگر سلطان محمد خان اپنے ارادہ کا پختہ اور ہمت کا دھنی تھا اُس کے عزم و استقلال میں مطلق کمی نہ آئی اور وہ ہر ایک ناکامی کو دیکھ کر اور بھی زیادہ اپنے ارادہ میں مضبوط ہوتا گیا۔ سلطان محمد خان جب قسطنطنیہ کے ارادے سے فوج لیکر چلا ہے تو اُس نے ایک جماعت علما و فضلا اور عابدوں زاہدوں کی بھی اپنے ہمراہ لی تھی ان باخدا لوگوں کی صحبت سے مستفیض ہونے کا اس کو ابتدا ہی سے بہت شوق تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی کے آخری چھ سال میں انہیں لوگوں کے پاس رہا تھا۔ اور انہیں کے فیض صحبت سے اُس کے ارادے میں استقلال اور حوصلہ میں بلندی پیدا ہوئی تھی دوران محاصرہ میں بھی وہ انہیں روحانی اور باخدا لوگوں سے مشورہ لینا کافی سمجھتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب محاصرہ کو طول ہوا تو اس جوان العمر و جوان بخت سلطان کو وہ تدبیر سوجھی جو اُس وقت تک کسی کو نہ سوجھی تھی۔ شہر کی ایک سمت جو سمندر یعنی گولڈن ہارن (شاخ زرین) سے محفوظ تھی اُس پر محاصرے کی کوئی زد نہیں پڑ سکتی تھی۔ محاصرین کی تمام ہمت خشکی کی جانب صرف ہو رہی تھی خاص سینٹ رومانس والے دروازے کی جانب آلات قلعہ کشائی زیادہ کام میں لائے جا رہے تھے لہذا شہر والے بھی اور اطراف سے بے فکر ہو کر اسی جانب اپنی پوری قوت مدافعت صرف کر رہے تھے۔ سلطان نے سوچا کہ شاخ زرین کی جانب یعنی سمندر کی طرف سے اگر شہر پر حملہ ہوسکے تو ان کی توجہ دو طرف تقسیم ہو سکے گی اور اس طرح فصیل شہر کو توڑ کر اُس میں داخل ہونا ممکن ہو سکے گا مگر سمندر کی جانب سے حملہ اُس وقت ہو سکتا تھا کہ گولڈن ہارن (شاخ زرین) کے دہانہ پر آہنی زنجیر نہ ہوتی اور جہاز اُس میں داخل ہو سکتے۔ گولڈن ہارن سے مشرق کی جانب قریباً دس میل چوڑی خشکی کی گردن تھی جس کے دوسری طرف آبنائے باسفورس کا سمندر تھا اور اُس میں سلطانی جہاز آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ سلطان نے ماہ جمادی الاول کی چودھویں تاریخ جبکہ ساری رات کی چاندنی تھی باسفورس سے لیکر بندرگاہ گولڈن ہارن تک برابر لکڑی کے تختے بچھوا دیئے باسفورس کے کنارے خشکی پر اپنے جہازوں کو چڑھا لیا۔ ان اپنے جہازوں کی قطاریں جب خشکی پر چڑھ آئیں تو ان میں باقاعدہ ملاحوں اور بحری سپاہیوں کو سوار کر دیا پھر ہزارہا آدمیوں نے دونوں طرف سے ان جہازوں کو دھکیلنا شروع کیا اُس طرف لے

سے ہوا بھی موافق تھی چنانچہ جہازوں کے بادبان کھول دیئے گئے اور وہ لکڑی کے تختوں پر آدمیوں کے زیادہ زور لگانے بغیر خود بخود بھی چلنے لگے۔ اُس چاندنی رات میں ہزار ہا آدمیوں کا شور وغل، خوشی کے نعرے اور فوجی گیت اور باجے شہر والے سنتے تھے اور کچھ نہ کچھ سمجھ سکتے تھے کہ آج عثمانیہ لشکر میں یہ کیا ہو رہا ہے آخر صبح ہونے سے پہلے پہلے یہ دس میل کی مسافت خشکی میں طے کرا کر ان جہازوں کو بندرگاہ گولڈن ہارن میں لا کر ڈال دیا گیا۔ قسطنطین کے جہاز جو گولڈن ہارن میں موجود تھے وہ سب گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب اور اس آہنی زنجیر کے متصل صف بستہ تھے تاکہ کسی کو اندر داخل نہ ہونے دیں شہر کے متصل اور بندرگاہ کی نوک پر اس کو رہنے کی ضرورت نہ تھی صبح ہونے پر شہر والوں نے دیکھا کہ عثمانیہ جہازوں نے فصیل شہر کے نیچے ایک پُل بنا دیا ہے اور توپوں کو مناسب موقعوں پر رکھ کر اس طرف کی کمزور فصیل پر گولہ باری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عیسائیوں کے حواس جاتے رہے اُدھر عیسائی جہازوں نے گولڈن ہارن کے دہانہ کی طرف سے اندر کی جانب آ کر اور عثمانی جہازوں پر حملہ کرنا چاہا تو بندرگاہ کے دونوں کناروں کے توپخانے نے جو اسی غرض سے نصب کر دیا گیا تھا ان پر گولہ باری کی اور جو جہاز آگے بڑھا اسی کو گولہ کا نشانہ بنا کر ڈبو دیا۔ شاید اسی موقع پر سلطان محمد خان ثانی کے توپخانے نے سب سے زیادہ مفید خدمت انجام دی۔ اس طرح بجائے ایک سمندر کی جانب سے حملہ ہونے پر عیسائیوں کو اپنی طاقت تقسیم کرنی پڑی اور وہ مجبور ہو گئے کہ شہر کی اس جانب مدافعت اور حفاظت کے لئے زبردست فوج متعین کریں۔ اسی روز یعنی ۲۴ رمئی کو قسطنطین نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جس قدر خراج مجھ پر مقرر کریں میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھ کو اپنا باجگذار بنا کر قسطنطنیہ میرے ہی پاس رہنے دیجئے۔ سلطان نے جبکہ اس کو شہر کے مفتوح ہونے کا یقین ہو چکا تھا جواباً کہلا بھیجا کہ اگر تم اطاعت قبول کرتے ہو تو تم کو یونان کا جنوبی حصہ دیا جا سکتا ہے لیکن قسطنطنیہ کو اپنے ممالک مقبوضہ میں شامل کئے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ سلطان محمد خان جانتا تھا کہ قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت جو سلطنت عثمانیہ کے بیچ میں واقع ہے جب تک قائم رہیگی خطرات اور مصائب کا سدباب نہ ہو گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قسطنطنیہ سلطنت عثمانیہ کا بہترین دارالسلطنت ہو سکتا ہے۔ وہ قسطنطین اور اُس کے پیشرو قیاصرہ کی مسلسل شرارتوں سے بھی بخوبی واقف تھا وہ اس قدر طویل محاصرہ اور محنت کے بعد اب کامیابی کے قریب پہنچ چکا تھا ایسی حالت میں قسطنطین کی درخواست پر اس کا جنوبی یونان کے دیدینے پر آمادہ ہو جانا بڑی ہی عظیم الشان شاہانہ فیاضی تھی لیکن قیصر قسطنطین کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ مشرقی روم کی اس عظیم الشان اور پرانی سلطنت کا آخری فرمانروا ہو چنانچہ اُس نے سلطان کی اس مہربانی سے کوئی فائدہ اُٹھانا نہ چاہا اور پہلے سے چہار چند زیادہ جانفشانی و جانفروشی کے ساتھ قسطنطین مخالفت میں مصروف ہو گیا۔ ۱۹/ جمادی الاول ۸۵۷ھ مطابق ۲۸ رمئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد خان ثانی نے اپنی تمام فوج میں اعلان کرا دیا کہ کل علی الصباح شہر پر ہر طرف سے آخری حملہ ہو گا۔ فوج کو شہر میں تاخت و تاراج کی اجازت دی جائے گی مگر اس شرط پر کہ وہ سرکاری عمارات کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور غیر مصافی رعایا جو اطاعت کے ساتھ امن طلب کرے اور ضعیفوں بچوں وغیرہ کو ہاتھ نہ لگائیں۔ یہ

خبر سنتے ہی کہ صبح کو فیصلہ کن حملہ ہوگا مسلمانوں کے لشکر میں رات بھر خوشی کے نعرے بلند ہوتے رہے اُدھر شہر کے اندر قصر شاہی میں قسطنطین نے سپہ سالاران افواج ۔ عمائد سلطنت اور امرائے شہر کو مدعو کر کے ایک جلسہ منعقد کیا۔ اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ صبح فیصلہ کن حملہ ہونے والا ہے اس نے شہریوں کو آخر تک لڑنے اور مار نے مرنے کی ترغیب دی اور خود بھی قسم کھائی کہ میں آخری وقت تک مدافعت میں مصروف رہ کر اپنی جان دوں گا ۔ تمام سرداران فوج بھی اسی طرح قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے مورچوں کی طرف پہرہ دینے چلے گئے قیصر اس جلسہ سے فارغ ہو کر سینٹ ایا صوفیہ کے گرجے میں آکر اپنی آخری عبادت میں مصروف ہوا اُس کے بعد اپنے محل میں آیا جہاں یاس و ہراس چھایا ہوا نظر آتا تھا۔ یہاں چند لمحے آرام کر کے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا سینٹ رومانس کی طرف آیا جہاں محاصرین کے حملہ کا بہت زور تھا اُدھر سلطان محمد خان ثانی بھی نماز فجر سے فارغ ہو کر اور مجمع علماء اور باخدا لوگوں سے دعا کی فرمائش کر کے اپنی رکاب میں دس ہزار چیدہ سوار لیکر حملہ آوری کے کام میں مصروف ہوا۔ سلطان کے پیر و مرشد نے جو اُس کے ساتھ مجمع علماء میں موجود تھے اس روز اپنے لئے ایک الگ چھولداری نصب کرائی اور باہر ایک دربان کو بٹھا دیا کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے اور خود دعا میں مصروف ہو گئے ۔ حملہ ہر طرف سے شروع ہوا توپوں اور منجنیقوں نے جا بجا شہر کی فصیل میں سوراخ کر دیئے اور محاصرین نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان رخنوں کے ذریعہ شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی مگر وہ ہر مرتبہ نہایت سختی کے ساتھ واپس لوٹا دیئے گئے ۔ کئی مرتبہ عثمانی لشکر کے بہادر شہر کے برجوں اور فصیل کے شکستہ حصوں پر چڑھ جانے میں کامیاب ہوئے مگر اندر سے سپاہی شہری اور اُن کی عورتیں اور بچے تک بھی لڑنے اور مدافعت کرنے میں مصروف تھے ۔ ہر طرف یہی حالت تھی اور سمندر و خشکی ہر طرف سے جوش و خروش کے ساتھ حملہ جاری تھا۔ ایک عجیب ہنگامہ رستخیز برپا تھا کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے مگر محاصر و محصور دونوں میں سے کوئی بھی ہمت نہ ہارتا تھا۔ دوپہر کے قریب ہنگامہ کارزار میں سخت شدت پیدا ہو گئی اور سلطان نے اپنے ایک وزیر یا مصاحب کو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں روانہ کیا کہ یہ وقت خاص طور پر دعا اور روحانی امداد کا ہے ۔ محصورین کی ہمت اور سخت مدافعت دیکھ کر حملہ آوروں کے دل چھوٹے جاتے تھے اور سلطان کو اندیشہ تھا کہ اگر آج شہر فتح نہ ہوا تو پھر اُس کا فتح ہونا سخت دشوار ہوگا کیونکہ حملہ آور اپنی پوری ہمت اور طاقت صرف کر چکے تھے ۔ پادشاہ کا فرستادہ جب اُس مرد خدا آگاہ کی چھولداری کے قریب پہنچا تو دربان مانع ہوا اُس نے سختی کے ساتھ دربان کو ڈانٹا اور کہا کہ میں ضرور حاضر خدمت ہو کر سلطانی پیغام پہنچاؤں گا کیونکہ یہ بڑا نازک وقت اور خطرہ کا مقام ہے ۔ یہ کہہ کر سلطانی فرستادہ چھولداری میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا کہ وہ بزرگ سربسجود اور دعا میں مصروف ہیں اس کے داخل ہوتے ہی اُنہوں نے سر اُٹھایا اور کہا کہ شہر قسطنطنیہ فتح ہو چکا ۔ اس کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا مگر وہاں سے واپس ہو کر دیکھا تو واقعی فصیل شہر پر سلطانی جھنڈا لہرا رہا تھا ۔ بات یہ ہوئی کہ جس وقت سلطان نے استمداد دعا کے لئے اپنے وزیر کو روانہ کیا وہ نہایت نازک وقت تھا ٹھیک اسی وقت فصیل شہر کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا یکایک خود بخود گر پڑا اور اس کے گرنے سے خندق پر ہو کر شہر میں داخل ہونے کے لئے میدان صاف ہو گیا ۔ ادھر فصیل کا یہ حصہ گرا اُدھر ٹھیک اسی وقت بشارت گاہ کی

طرف سے بحری فوج نے ایک برج پر قبضہ کرکے سلطانی علم بلند کر دیا۔ اس علم کو بلند اور سامنے کی دیوار کو منہدم دیکھ ادھر سے بلا تامل سلطان کی رکابی فوج نے حملہ کر دیا عیسائیوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر وہ دست بدست لڑائی میں مسلمانوں سے عہدہ برآ نہ سکے۔ ساتھ ہی ہر طرف سے حملہ آوروں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی دروازوں کو توڑ توڑ کر اندر گھس گئے اور شہر کے چاروں طرف فصیل کے اندرونی جانب عیسائیوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے سلطان اپنے گھوڑے پر سوار اسی منہدمہ فصیل کے راستے شہر میں داخل ہوا اور داخل ہو کر سیدھا سینٹ آیا صوفیہ کے گرجے کی طرف روانہ ہوا اس گرجے میں پہنچتے ہی اس نے اذان دی اور پہلی مرتبہ اس جگہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی یہاں اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے نماز ظہر ادا کی اور خدائے تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد قسطنطین کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا۔ سینٹ رومانس کے قریب جس طرف فصیل منہدم ہوئی تھی وہاں عیسائیوں نے حملہ آوروں کا خوب جم کر مقابلہ کیا تھا اور سب سے زیادہ کشت وخون وہیں ہوا تھا اسی جگہ لاشوں کے درمیان قسطنطین کی لاش ملی جس کے جسم پر صرف دو زخم آئے تھے۔ قسطنطین کا سر کاٹ کر لوگ سلطان کی خدمت میں لے آئے۔ اس طرح فتح قسطنطنیہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ سلطان اس کے بعد قیصر شاہی کی طرف متوجہ ہوا وہاں اس نے دیکھا تو ہو کا عالم تھا۔ اس خاموشی و ویرانی کو دیکھ کر بے اختیار سلطان کی زبان سے نکلا کہ ؂

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت

بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

یہ فتح ۲۰ رجادی الاول ۸۵۷ھ مطابق ۲۹ رمئی ۱۴۵۳ء کو وقوع پذیر ہوئی۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ فصیل قسطنطنیہ کا گرنا انہیں بزرگ باخدا کی دعا کا نتیجہ تھا اور اسی لئے مشہور ہے کہ قسطنطنیہ دعا کے ذریعہ فتح ہوئی تھی۔ اسی تاریخ سے سلطان محمد خان ثانی سلطان فاتح کے لقب سے مشہور ہوا۔ چالیس ہزار عیسائی مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے اور ساٹھ ہزار جنگجو عیسائیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ بہت تھوڑے ایسے تھے جو فتح قسطنطنیہ کے بعد کسی نہ کسی طرح خشکی یا سمندر کے راستے بچ کر نکل گئے قیصر کے خاندان کا کوئی آدمی گرفتار نہیں ہوا بلکہ سب بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہوئے اکثر اٹلی میں اور کمتر دوسرے مقامات میں جا کر آباد و پناہ گزیں ہوئے۔ قیصر قسطنطین کا ایک پوتا چند روز کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اور قسطنطنیہ میں آکر رہنے لگا تھا۔ بالآخر بہت جلد اس خاندان کا نام ونشان گم ہو گیا۔ قسطنطنیہ کے باشندوں کو سلطان فاتح نے امن وامان عطا کی جو لوگ اپنے مکانوں اور جائدادوں پر قابض وآباد رہے اور بخوشی اطاعت قبول کی ان کو اور ان کے اموال کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ عیسائیوں کے معبدوں اور گرجوں کو (بجز ایا صوفیہ کے) علی حالہ قائم اور عیسائیوں کے تصرف میں رکھا۔ قسطنطنیہ کے بشپ اعظم کو سلطان نے اپنی خدمت میں بلا کر خوشخبری سنائی کہ آپ بدستور یونانی چرچ کے پیشوا رہیں گے آپ کے مذہبی اختیارات میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ سلطان محمد خان فاتح نے خود یونانی چرچ کی سرپرستی قبول کی اور بشپ اعظم اور پادریوں کو وہ اختیارات حاصل ہو گئے جو عیسائی سلطنت میں بھی ان کو میسر نہ تھے عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی عطا کی گئی۔ گرجوں کے مصارف اور چرچ کے اخراجات پورا کرنے کے لئے بڑی بڑی

جاگیریں عطا کیں۔ جنگی اسیروں کو جو فتح مند فوج نے گرفتار کئے تھے سلطان فاتح نے خود اپنے سپاہیوں سے خرید کر آزاد کیا اور اُن کو شہر قسطنطنیہ کے ایک خاص محلہ میں آباد کیا۔ اس فتح کے بعد سلطان فاتح نے دیکھا کہ قسطنطنیہ کے اکثر گھر ویران اور غیر آباد ہو گئے ہیں۔ شہر کی رونق کو واپس لانے اور اُس کی آبادی کو بڑھانے کے لئے سلطان فاتح نے ایشیائے کوچک سے پانچ ہزار مسلمان خاندانوں کو قسطنطنیہ میں لا کر آباد کرنے کا انتظام کیا ماہ رمضان ۸۵۷ھ تک یہ پانچ ہزار مسلم خاندان قسطنطنیہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ اور قسطنطنیہ پہلے سے زیادہ پُر رونق شہر بن گیا۔

شہر قسطنطنیہ کی تاریخ قسطنطنیہ کی یہ فتح دُنیا کا نہایت ہی اہم اور عظیم الشان واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی فتح قسطنطنیہ پر یورپی مورخین کی اصطلاح میں مڈل ایجیز یعنی زمانۂ وسطیٰ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد روشنی کا زمانہ یعنی دورِ جدید شروع ہوتا ہے۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کے مختصر تاریخی حالات بیان کر دیئے جائیں۔ جس موقع پر قسطنطنیہ آباد ہے اسی موقع پر سنہ عیسوی سے ۶۶۷ سال پہلے بائی زنتیم نامی ایک شہر کسی خانہ بدوش قبیلے نے آباد کیا تھا۔ اس شہر پر بہت سے حادثے گذرے اور وہ اپنے اردگرد کے علاقے کا مرکزی شہر اور ایک مختصر سی ریاست کا دار الصدر بن گیا۔ سکندر یونانی کے باپ فیلقوس نے اس شہر پر حملہ کر کے اُس کو اپنے قبضے میں لانا چاہا۔ اُس نے رات کی تاریکی میں اپنی فوجوں کو شہر بائی زنتیم تک پہنچانا اور شہر پر اچانک قبضہ کرنا چاہا۔ اسی رات کی تاریکی میں جبکہ فیلقوس کی فوج شہر کی فصیل تک پہنچ گئی تھی شمال کی جانب سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور اس روشنی میں شہر والوں نے حملہ آور فوج کو دیکھ لیا اور فوراً مقابلہ کی تیاری اور مدافعت پر آمادہ ہو گئے۔ فیلقوس شہر والوں کو مستعد دیکھ کر واپس ہو گیا اور شہر اس طرح بچ گیا۔ شہر والوں نے اس آئی بلا کے ٹل جانے کو ڈائینا دیبی کا کمال و تصرف تصور کیا اور اس خوشی میں دیبی مذکور کا مندر تعمیر کر کے ہلال کو اپنے شہر کا نشان مقرر کیا اس کے چند روز بعد سکندر نے اس شہر کو فتح کر کے اپنے باپ کی ناکامی کا بدلہ لے لیا۔ سکندر کے بعد بائی زنتیم کو مختلف قوموں نے اپنی تاخت و تاراج کا تختۂ مشق بنا لیا اس کے بعد قیصر قسطنطین اول نے اس علاقے کو فتح کیا تو وہ شہر بائی زنتیم کے خوش فضا محل وقوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُس نے اس شہر اور اس کے متصلہ رقبہ کو شامل کر کے شہر آباد کیا تا کہ اُس کو اپنا دار الحکومت بنائے اس جدید شہر کا نام اُس نے روما جدید رکھا مگر وہ قسطنطین اپنے بانی کے نام پر قسطنطنیہ مشہور ہوا قسطنطین اوّل نے قسطنطنیہ کو ۳۲۷ھ میں آباد کیا۔ اس سے پہلے تک قسطنطین اور اُس کے باپ دادا سب بُت پرست اور لامذہب تھے لیکن قسطنطین نے دین عیسوی قبول کر کے قسطنطنیہ کی آبادی سے تین سال بعد حضرت مریمؑ کی نذر کیا اور خوب خوشی منائی لہٰذا مئی ۳۳۰ء سے قسطنطنیہ مخصوص عیسائی شہر سمجھا جانے لگا۔ اس کے بعد سلطنت روما جب دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو قسطنطنیہ مشرقی سلطنت کا مستقل دار السلطنت قرار پایا۔ اس سلطنت یعنی مشرقی روم کو کمال عروج قیصر جسٹنین کے عہد حکومت میں حاصل ہوا جس نے ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکومت کی اس قیصر نے قسطنطنیہ کی تعمیر و رونق میں بہت اضافہ کیا۔ اس شہر پر مختلف قوموں نے مسلسل مختلف اوقات میں چڑھائیاں کیں مگر وہ عموماً نقصان و بربادی سے محفوظ رہا۔ مسلمانوں اس پاپئی

ول ہی اول عہد بنو امیہ میں اس شہر پر چڑھائی کی اور حضرت ابو ایوب انصاری اسی معرکہ میں شہید ہو
فصیل شہر کے نیچے مدفون ہوئے اس مرتبہ یہ شہر فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ عیسائیوں نے کئی مرتبہ چاہا کہ
حضرت ابو ایوب انصاری کی قبر مبارک کو اکھیڑ کر پھینک دیں مگر وہ ہمیشہ مسلمانوں کی ناراضی کے خوف
سے اس ارادہ کو پورا نہ کرسکے سلطان محمد خان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے
مزار مبارک کے متصل ایک مسجد بنوادی تھی جو جامع ایوب کے نام سے مشہور ہے۔ خلفاء عباسیہ کے
عہد حکومت میں بھی کئی مرتبہ قسطنطنیہ کے فتح کرنے کی تیاریاں ہوئیں مگر ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی امر ایسا مانع ہ
یہ کام ناتمام ہی رہ گیا۔ اس کے بعد سنہ ۶۰۰ھ میں جبکہ صلیبی لڑائیوں کی سرگرمیاں بڑے زور شور
سے جاری تھیں وینس کی ایک فوج نے قسطنطنیہ کو فتح کرکے لاطینی سلطنت قائم کی جو روما کے پوپ
مذہبی پیشوا مانتی تھی ساٹھ سال تک یہ حکومت قائم رہی اس کے بعد سنہ ۶۶۰ھ میں یونانیوں یعنی مشرقی
رومیوں نے پھر قسطنطنیہ کو فتح کرکے اپنی مشرقی حکومت دوبارہ قائم کرلی جو اسی پُرانے خمیری عقیدہ
پر قائم اور پوپ روما کی اطاعت سے آزاد تھی۔ دو سو برس کے بعد سلطان محمد خان فاتح نے اس سلطنت
کا خاتمہ کردیا۔ اور بجائے ایڈریانوپل کے قسطنطنیہ عثمانیہ سلطنت کا دارالسلطنت ہوا۔ قسطنطنیہ
ہوا گیارہ سو سال تک عیسائی حکومت کا دارالسلطنت رہ کر اسلامی حکومت کا دارالسلطنت بنا اور
ہونے پانسو سال سے زیادہ عرصہ تک اسلامی حکومت و خلافت کا دارالسلطنت اور دارالخلافہ رہنے
کے بعد ہمارے اس زمانے میں جبکہ خلافت عثمانیہ کا سلسلہ ختم ہونے پر انگورہ ترکوں کی اسلامی
جمہوری حکومت کا دارالحکومت قرار پایا یا قسطنطنیہ کی دارالحکومت ہونے کی خصوصیت جاتی ر
ہم وہ دُنیا کا ایک نہایت اہم عظیم الشان شہر اور مسلمانوں کا مایۂ ناز مقام ہے۔

سلطان فاتح کے بقیہ کارنامے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان فاتح نے چند روز تک اپنی توجہ قسطنطنیہ
کی آبادی اور رونق بڑھانے میں صرف کی لیکن ساتھ ہی وہ یہ بات بھی سوچتا رہا کہ یونان کا جنوبی حصہ
دا ایک جزیرہ نما کی صورت بحر روم میں چلا گیا ہے تمام و کمال سلطنت عثمانیہ میں شامل ہونا چاہیئے
تین ہ کے لئے بہت سے خرخشے جو اٹلی وغیرہ کی بحری ترک و تاز سے پیدا ہوسکتے ہیں مٹ جائیں
لہذا فتح قسطنطنیہ سے اگلے سال سلطان فاتح نے جنوبی یونان کی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں
فتح کرکے سلطنت عثمانیہ میں شامل کیا۔ اسی جنوبی یونان میں ایک چھوٹی سی ریاست قیصر قسطنطین
ولاد نے قسطنطنیہ سے فرار ہوکر قائم کی تھی اس فتح کے بعد قیصر قسطنطین کے بعض ارکان خاندان
نے جو یہاں موجود تھے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اوپر یہ بات بیان ہونے سے رہ گئی تھی کہ جب مسلمانوں
کی فوج نے قسطنطنیہ کو فتح کرلیا اور تمام ملاح فتح کی خوشی میں اپنی کشتیوں کو چھوڑ چھوڑ کر شہر میں
داخل ہوئے تو شہر کے عیسائیوں نے جو باہر نکل سکے بندرگاہ میں پہنچکر ان عثمانی کشتیوں کو جو بند
میں کھڑی تھیں اپنے فرار ہونے کا ذریعہ بنایا اور انہیں عثمانی کشتیوں میں سوار ہوکر دردانیال
کے راستے جنوبی یونان اور اٹلی کی جانب بھاگ گئے۔ جنوبی یونان کی فتح سے فارغ ہوکر سلطان نے
ریاست وینس کی طرف توجہ کی مگر اس ریاست نے دب کر سلطان سے صلح کا عہد نامہ کرلیا۔ سنہ
ان قسطنطنیہ کے شاہی خاندان کا ایک شخص مسمی کومنینی جو صلیبی مجاہدین کے مذکورہ ہنگامہ میں قسطنطنیہ
سے نکال دیا گیا تھا اس نے بحر اسود کے جنوبی ساحل پر مقام طرابزن میں مقیم ہوکر اپنی ایک

چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم کرلی تھی۔ اس ساحلی ریاست کی طرف کسی نے زیادہ التفات نہیں کیا اور ڈھائی سو سال تک وہ اس طرح قائم رہی کہ جب کسی مسلمان فرمانروا نے اس طرف توجہ کی اُس نے فوراً انقیاد و فرمانبرداری کی گردن جھکا دی اور جب مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف ہونے کا اتفاق ہوا وہ باج و خراج کی قید سے آزاد ہو گئی۔ ایشیائے کوچک پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن طرابزون کو انھوں نے اُس کے حال پر قائم رہنے دیا تھا جو اُن کے مقبوضہ علاقے کی شمالی و مشرقی سرحد تھی۔ اب فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان فاتح نے ضروری سمجھا کہ ایشیائے کوچک سے اس عیسائی حکومت کو بھی مٹائے کیونکہ فتح قسطنطنیہ کا واقعہ ایسا نہیں تھا کہ اُس کا اثر طرابزون کے عیسائی فرمانروا کے دل پر نہ ہوا ہو جو قیصر قسطنطین کا رشتہ دار اور اُس سے کامل ہمدردی رکھتا تھا۔ طرابزون کا یہ عیسائی فرمانروا اس لئے اَور بھی زیادہ مخدوش ہو گیا تھا کہ وہ ایران کے ترکمان بادشاہ حسن طویل کا خسر تھا حسن طویل نے تمام ملک ایران اور آرمینیا پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ایک طاقتور بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا ایران کی ترکمان سلطنت ایشیائے کوچک کی عثمانیہ سلطنت کے لئے کسی وقت موجب خطر بن سکتی تھی اور طرابزون کی عیسائی ریاست کو کافی موقع میسر تھا کہ وہ عثمانی سلطان کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی تدابیر سوچے سلطان فاتح عیسائی قیصر کی ریشہ دوانیوں سے واقف تھا اس لئے اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس ناسور کو پہلے ہی شگاف دیدیا جائے اور جو کچھ ہونا ہو وہ ابھی ہو جائے چنانچہ اُس نے یونان و وینس سے فارغ ہو کر سنہ ۸۶۰ھ میں طرابزون پر حملہ کیا اور اس ریاست کو فتح کر کے اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔ طرابزون کی ریاست اگرچہ خود مختار تھی لیکن وہ سلطنت ایران کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھی اس لئے ایران کے بادشاہ حسن طویل کو طرابزون کا سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو جانا سخت ناگوار گذرا۔ مگر چونکہ سلطان فاتح نے طرابزون کی عیسائی ریاست کو اپنی حکومت میں شامل کر کے حسن طویل شاہ ایران کی حدود میں کوئی مداخلت نہیں کی اس لئے اس وقت سلطنت ایران سے کوئی جھگڑا نہ ہوا مگر بعد میں دلوں کی کدورت کا اظہار تیر و شمشیر کے ذریعہ ہوا۔ بہرحال یونان اور ایشیائے کوچک کی طرف سے فارغ ہو کر سلطان فاتح سنہ ۸۶۰ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور یہاں آتے ہی سرویا اور اُس کے بعد بوسینیا کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ علاقے پہلے بھی حکومت عثمانیہ شامل رہ چکے تھے لیکن آجکل ان کے باجگذار فرمانرواؤں سے علامات سرکشی ظاہر ہونے لگے تھے لہٰذا سلطان فاتح نے ان روز کے جھگڑوں کا فیصلہ ہی کر دینا مناسب خیال کیا چنانچہ سرویا اور بوسینیا کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کے صوبے قرار دیکر وہاں اپنی طرف سے عامل مقرر کر دیئے چونکہ ہنی داس بادشاہ ہنگری کے ساتھ معاہدہ صلح کی میعاد ختم ہو چکی تھی اور وہ سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف اور یورپ کی دوسری عیسائی طاقتوں سے امداد طلب کر چکا تھا اس لئے سلطان فاتح نے ضروری سمجھا کہ ہنگری پر خود ہی حملہ آور ہو چنانچہ سنہ ۸۶۱ھ مطابق جولائی سنہ ۱۴۵۶ء میں عثمانی فوجیں ہنگری کی جانب بڑھیں۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد تمام عیسائی سلاطین اور عالم عیسائیت سلطنت عثمانیہ کی نسبت غیظ و غضب کے جذبات سے لبریز تھا ساتھ ہی سب کو یہ خیال تھا کہ اگر سلطان فاتح نے بلگریڈ دارالسلطنت ہنگری کو بھی قسطنطنیہ کی طرح فتح کر لیا تو پھر مغربی یورپ کی خیر نہیں ہے لہٰذا ہر ایک ملک سے عیسائی فوجیں بلگریڈ کے بچانے کے لئے آ آ کر جمع ہو گئیں۔ سلطان فاتح راستے کے شہروں اور قصبوں کو فتح کرتا ہوا بلگریڈ تک اپنی فوج کو لے گیا اور جاتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا اُدھر ہنی داس یا ہنی ڈیز

ہی بہت تجربہ کار سپہ سالار تھا اُس نے بڑی قابلیت کے ساتھ مدافعت شروع کی۔ آخر بہت کشت و خون
اور جنگ و جدل کے بعد عثمانی لشکر شہر کے ایک حصہ میں داخل ہوگیا۔ یہ حصہ شہر کا زیرین حصہ کہلاتا تھا
عیسائی سپہ سالاروں نے یہ حالت دیکھ کر ہمت نہیں ہاری بلکہ شہر کے بالائی حصہ میں اپنی طاقت کو مجتمع کر
مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے شہر میں داخل ہونے والے اسلامی دستہ نے شہر کے اندر خوب جم کر مقابلہ کیا
اور چھ گھنٹے کی مسلسل شمشیر زنی کے بعد اپنے آپ کو رات کے وقت شہر کے اندر خطرہ میں دیکھ کر شام
ہونے پر پسپا ہوئے اور شہر سے نکل کر اپنے کیمپ میں آگئے۔ عیسائیوں نے فوراً اس حصہ شہر پر قابض
ہوکر خوب مضبوطی کرلی یہ واقعہ ۲۱ جولائی کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مسلمانوں نے فصیل شہر
کو عبور کر کے شہر کے محلوں کو لوٹا لیکن محصورین کی خوش انتظامی اور تجربہ کاری نے شہر کو مکمل طور پر فتح ہونے
دیا اور ہر مرتبہ مقبوضہ حصص شہر کو چھوڑ ہی دینا پڑا۔ آخر ۶ اگست کو سلطان فاتح نے بذات خود
شہر پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا۔ اس روز شہر کے فتح ہونے میں کوئی کسر باقی نہ تھی کہ ایک موقع پر جہاں سلطان
خود مصروف شمشیر زنی تھا اور بہت سے عیسائی سرداروں کے سر اپنی شمشیر خارا شگاف سے اُڑا چکا
تھا اور ہنگری کے بادشاہ ہنی ڈیز کو بھی زخمی کر کے اپنے سامنے سے بھگا چکا تھا ایک عیسائی کے ہاتھ
سے زخمی ہوا عیسائی کی تلوار نے سلطان فاتح کی ران کو زخمی کیا۔ زخم چونکہ شدید تھا اور سلطان گھوڑے
کی سواری یا پیدل چلنے سے معذور ہوگیا اس لئے اُس کو پالکی میں ڈال کر اُس جگہ سے واپس لے آئے
سلطان کے اس طرح زخمی ہوکر اور پالکی میں پڑ کر خیمے کی طرف واپس ہونے سے فوج میں بددلی پھیل گئی اور
اُس کا زخمی ہونا فوج سے پوشیدہ نہ رہ سکا لہٰذا عثمانیہ لشکر جو قدم قدم پر عیسائیوں سے لڑتا اور اُن کو
پیچھے ہٹاتا ہوا شہر کے اندر بڑھ رہا تھا اب خود بخود پسپا ہونے لگا یہ رنگ دیکھ کر عیسائیوں کی ہمت
بڑھ گئی اور اُنھوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ حملے شروع کر دیئے۔ اُن کا بادشاہ ہنی داس
بھی اگرچہ سلطان کے ہاتھ سے زخمی ہوکر پہلے فرار ہو چکا تھا لیکن اُس کے زخمی ہونے کا علم تمام عیسائی
لشکر کو نہیں ہوا تھا۔ نیز یہ کہ ہنی داس کے سوا اور بھی کئی زبردست سپہ سالار جو غیر ملکی فوجوں کے افسر
تھے لڑائی کی ذمہ داری اپنے اوپر محسوس کرتے تھے ادھر سلطان فاتح خود ہی تمام لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا
اُس کا زخمی ہونا لشکر پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس مرتبہ عیسائیوں کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ
سلمان شہر سے نکل کر بھی اپنے کیمپ میں قائم نہ رہ سکے اور زخمی سلطان کو لیکر قسطنطنیہ کی جانب چل دیئے
اس طرح مسلمانوں کی فتح مبدل بہ شکست ہوگئی اور شہر بلگریڈ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ لشکر
عثمانیہ کی اس پسپائی یا شکست کا یورپ پر بہت اثر پڑا اور تمام عیسائی ممالک میں خوشی کے جشن منائے گئے
لیکن اس واقعہ کے اکیس روز بعد ہنی داس اپنے زخموں سے جانبر نہ ہو سکا ادھر ہنی داس شاہ ہنگری کی
موت ہوا ادھر سلطان فاتح نے اپنے زخم کے اچھا ہونے پر غسل صحت کیا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسکندر بیگ البانیا پر قابض تھا اور سلطان فاتح نے تخت نشین ہوکر اُن
تعلقات و مراسم کی وجہ سے جو ایوان سلطانی میں پرورش پانے کے سبب سکندر بیگ کے ساتھ تھے
سکندر بیگ کی حکومت کو البانیا پر باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیا تھا اور کسی قسم کا آزار پہنچانے یا اُس کو
البانیا سے بیدخل کرنے کا خیال سلطان فاتح کو نہ تھا مگر حادثۂ بلگریڈ کے بعد جہاں دوسرے عیسائی
سلاطین کی ہمتیں بڑھ گئیں سکندر بیگ نے بھی سرکشی و بغاوت کے نشانات ظاہر کرنے شروع کئے سلطان

فاتح نے اوّل اوّل اغماض وچشم پوشی سے کام لیا لیکن جب اُس کے حرکات نے خطرناک صورت اختیار کی تو سلطان فاتح نے البانیا پر فوجکشی کی۔ سکن ربیگ بہت بہادر اور تجربہ کار شخص تھا البانیا چونکہ پہاڑی ملک اور سکن ربیگ کا وطن تھا وہاں کی رعایا اُس پر جان و دل سے نثار تھی لہٰذا ایک سلسلۂ جنگ شروع ہوگیا اور البانیا کا ملک جلد فتح نہ ہوسکا۔ آخر ۸۶۶ھ میں سکن ربیگ نے خود صلح کی درخواست پیش کی اور آئندہ باوفا رہنے کا اقرار کیا۔ سلطان نے اُس کی درخواست منظور کرلی اور البانیا سے اپنی فوجیں ہٹا لیں لیکن سکن ربیگ نے پھر مخالفت کا اظہار کیا اور سلطان کو دوبارہ خود فوج لیکر البانیا جانا پڑا اس مرتبہ سکن ربیگ سلطانی حملہ کی ٹکر نہ سنبھال سکا اور اُس کو البانیا سے حدود ریاست وینس کی طرف پناہ گزیں ہونا پڑا جہاں اُس کو بڑی آؤ بھگت کے ساتھ لیا گیا۔ وہیں سکندر بیگ کا انتقال ہؤا اور البانیا مستقل طور پر سلطانی قبضہ میں آگیا۔ بلگریڈ کے حملہ کی ناکامی اور سکندر بیگ کے عرصۂ دراز تک برسر مقابلہ رہنے کے سبب عیسائیوں کے دلوں سے سلطان فاتح کی وہ ہیبت جو فتح قسطنطنیہ کے بعد پیدا ہوگئی تھی کم ہونے لگی اور اُن کی ہمتیں پھر سلطانی مقابلہ کے لئے بڑھ گئیں وینس کی ریاست جس نے چند روز پہلے دیکر صلح کی تھی پھر طاقت کے اظہار پر آمادہ ہونے لگی۔ سلطان نے اس کی سرکوبی بھی ضروری سمجھی اور سمندر کے کنارے دور تک وینس کے علاقے کو فتح کرکے بہت سے شہروں کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ یہاں تک کہ ریاست وینس نے شہر سقوطری خود سلطان کی نذر کرکے نہایت ذلیل شرطوں پر سلطان سے صلح کی اور بحیرۂ ایڈریاٹک میں سلطانی سیادت قائم ہوگئی۔ ۸۶۸ھ میں سلطان فاتح نے اپنے سپہ سالار احمد قیدوق کو اپنا وزیر اعظم بنایا اور بحیرۂ یونان کے جزیروں پر قبضہ کرنے میں مصروف رہا۔ اس فرصت میں ایران کا پادشاہ حسن اوزون یا حسن طویل ترکمان بھی اپنی طاقت کو بڑھا رہا تھا اور ۸۷۳ھ میں سلطان ابوسعید مرزا تیموری کو گرفتار کرکے قتل کرچکا تھا اب اُس کا ارادہ تھا کہ ایشیائے کوچک میں سلطان فاتح کے خلاف مشکلات پیدا کرے اور فتح طرابزون کا بدلہ سلطنت عثمانیہ سے لے چنانچہ اُس کی پشت گرمی سے ایشیائے کوچک میں کئی مرتبہ بغاوتیں برپا ہوئیں اور ہر مرتبہ سلطان فاتح کے سپہ سالاروں نے اُن کو فرو کردیا سلطان فاتح ایران کی مسلمان سلطنت سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اُس کی تمامتر توجہ اس طرف منعطف تھی کہ سلطان بایزید یلدرم کی اُس خواہش کو پورا کرے جو اُس نے اٹلی کے شہر روما کو فتح کرنے کی نسبت ظاہر کی تھی اسی لئے اُس نے نہایت پائدار اور مستحکم طریقہ سے اپنی حدود سلطنت کو اٹلی کی طرف بڑھایا اور دوسری سمتوں سے بھی غافل نہیں رہا۔ اُس نے حادثۂ بلگریڈ کے بعد دریائے ڈینوب کے شمالی صوبوں پر بلگریڈ تک اپنا قبضہ و تسلط مضبوطی سے جمالیا اور بلگریڈ کی فتح کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی کرکے جزائر یونان اور وینس وغیرہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ ایشیائے کوچک اور ایران کی طرف سلطان فاتح کی توجہ منعطف ہونے والی تھی مگر قدرتی طور پر ایک سامان پیدا ہؤا اور ۸۷۹ھ میں سلطان نے اپنے وزیر اعظم احمد قیدوق کو فتح کریمیا کے لئے بحر اسود کی جانب روانہ کیا جزیرہ نما کریمیا عرصۂ دراز سے چنگیزی نسل کے خوانین کی حکومت میں تھا۔ کچھ روز وں سے جنیوا والوں نے کریمیا کے جنوبی ساحل پر بندرگاہ یافہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور اپنے جنگی جہازوں کی مدد سے یافہ پر اپنا مستقل قبضہ جما کر خان کریمیا کے لئے باعث تکلیف ہوگئے۔ خان

کریمیاں نے مجبور ہوکر سلطان فاتح کو امداد کے لئے لکھا کہ جنیوا والوں کو یافہ سے بیدخل کر دیجئے اور مجھ
اپنی سرپرستی میں لے لیجئے۔ سلطان نے خان کریمیا کی اس درخواست پر ہمدردانہ توجہ مبذول کی او
احمد قیدوق کو زبردست جنگی بیڑہ کے ساتھ اُس طرف روانہ کیا۔ احمد قیدوق اپنے ساتھ چالیس
فوج لے گیا اور چار دن کے محاصرہ کے بعد یافہ کو فتح کر کے چالیس ہزار جنیوا والوں کو جو وہاں موجود
گرفتار کر لیا۔ یافہ سے بیشمار مال غنیمت اور جنیوا والوں کے جنگی جہاز احمد قیدوق کے ہاتھ آئے۔ خا
کریمیا نے سلطان عثمانی کی اطاعت قبول کی اور اسی تاریخ سے تین سو سال تک خوانین کریمیا سلط
قسطنطنیہ کے باوفا اور فرمانبردار رہے۔ یافہ کا بندرگاہ دوسرا قسطنطنیہ سمجھا جاتا تھا اُس کا قبضہ
آجانا سلطنت عثمانیہ کے مشرقی صوبوں اور بحر اسود میں اپنی سیادت قائم رکھنے کے لئے نہایت مفی
اور ضروری تھا۔ اس موقع پر شاید یہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسی سال یعنی ۸۷۹ھ میں
کے اندر زار کا وہ خاندان برسر حکومت ہوا جس نے ہمارے زمانہ کی مشہور جنگ عظیم تک روس
زور شور کے ساتھ حکومت کی اور آخری زار دوران جنگ میں معزول ہو کر مقتول ہوا اور اُس
بعد روس میں سویٹ حکومت یعنی جمہوری سلطنت قائم ہوئی۔ کریمیا اور یافہ کا حکومت عثمانیہ
شامل ہو جانا ایران کے پادشاہ حسن طویل کو بہت ہی ناگوار گذرا اور اب اُس نے علانیہ سلطنت عثمانیہ
کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ ۸۸۰ھ میں سلطان فاتح نے اپنے بیٹے بایزید کو ایشیا
کوچک کی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر بھیجدیا کہ اُس طرف کے معاملات کا نگران رہے اور خود یورپ
کی طرف مصروف رہا۔ البانیا اور ہرزیگونیا پر سلطان کا قبضہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب سلطان
جنیوا اور وینس کے قبضے سے بحر روم کے جزیروں کو یکے بادیگرے فتح کرنا شروع کیا۔ اس کے
۸۸۴ھ میں سلطان فاتح کا سپہ سالار عمر پاشا اپنی فتحمند فوج لئے ہوئے وینس کے دارالسلط
تک پہنچ گیا اور وہاں کی پارلیمنٹ نے ترکی فوجوں کو اپنے شہر کی دیواروں کے نیچے دیکھ کر نہایت
عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست پیش کی اور وعدہ کیا کہ سلطان کو جب ضرورت ہوگی تو ہم
جہازوں کے بیڑے سے سلطانی فوج کی مدد کریں گے۔ چنانچہ عمر پاشا اپنے حسب منشا شرائط
صلح کر کے سالماً غانماً وینس سے واپس آیا۔ ۷۰۸ھ سے جزیرہ رہوڈس میں صلیبی مجاہدین کے
ایک گروہ نے قبضہ کر کے ایک خود مختار حکومت قائم کر لی تھی قریباً ڈیڑھ سو سال سے یہ لوگ
جزیرہ پر قابض و متصرف اور ارد گرد کے جزیروں اور شام و ایشیائے کوچک کے بندرگاہوں
بحری ڈاکے ڈالتے رہا کرتے تھے۔ وینس و جنیوا والوں نے بھی ان کو کبھی نہیں چھیڑا تھا بلکہ ان
صلیبی مجاہدین کی یادگار سمجھ کر ان سے اتحاد رکھتے ان کی ڈاکہ زنیوں کو جو عموماً مسلمانوں کے لئے باعث
تکلیف ہوتی تھیں بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ اب جبکہ ساحل شام سے لیکر بحیرۂ ایڈریاٹک تک
سلطان کی حکومت و سیادت قائم ہو چکی تھی اور قریباً تمام جزیرے سلطان کے قبضے میں آچکے تھے
روڈس کی عیسائی حکومت کا وجود سخت تکلیف دہ ثابت ہوا چنانچہ ۸۸۵ھ میں سلطان نے اس
جزیرہ کے فتح کرنے کے لئے ایک بحری جنگی مہم روانہ کی مگر یہ مہم ناکام واپس آئی۔ اس کے بعد سلطان
فاتح نے دوسری مہم روانہ کی جس کا سپہ سالار ایک تجربہ کار شخص تھا۔ جزیرہ کے تمام مقامات پر
قبضہ کرنے کے بعد اُس کے دارالسلطنت کا محاصرہ کیا گیا شہر فتح ہو چکا تھا مگر عین اُس وقت جب

سلطانی فوج شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار میں مصروف ہونا چاہتی تھی سپہ سالار نے حکم جاری کیا کہ کوئی شخص کسی برابر چیز پر تصرف کرنے کا حقدار نہیں ہے اس سے فوج میں بددلی پیدا ہوئی اور لوگوں نے خدمات کو انجام دینے میں پہلوتہی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور اس کے سپہ سالار کی ناچاقی نے وہ صورت اختیار کی کہ جزیرہ کو چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔ اور روڈس سلطانی مقبوضات میں شامل ہوتے ہوتے بچ گیا۔ جب روڈس کی جانب مہم روانہ کی گئی تھی تو اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے وزیر اعظم احمد قیدوق فاتح کریمیا کو ایک فوج دیکر جہازوں کے ذریعہ اٹلی کے جنوب کی جانب روانہ کیا کہ وہ ملک اٹلی میں داخل ہو کر وہاں فتوحات شروع کرے چنانچہ احمد قیدوق نے ساحل اٹلی پر اتر کر متعدد مقامات کو فتح کر کے اٹلی کے شہر آرٹینٹو کا محاصرہ کر لیا جو اٹلی کا باب الفتح کہلاتا تھا یعنی اس شہر کے فتح ہونے کے بعد ملک اٹلی اور شہر روما کا فتح کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ آخر ۸۸۵ھ مطابق ۱۴۸۰ء بتاریخ ۱۱ر اگست احمد قیدوق نے اس شہر کو بزور شمشیر فتح کر لیا اور بیس ہزار کے قریب محصورین کو گرفتار و قتل کیا۔ اس مستحکم مقام کے قبضے میں آجانے کے بعد شہر روما کا فتح کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ تمام ملک اٹلی میں گھبراہٹ اور سراسیمگی طاری ہو گئی یہاں تک کہ روما کا پوپ اپنا بوریا بستر باندھ کر ملک اٹلی سے بھاگ جانے پر آمادہ ہو گیا۔ شہر آرٹینٹو یا اوٹرانٹو کی فتح اور روڈس کی مہم کے ناکام ہونے کا حال سلطان فاتح کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً فوجوں کے فراہم کرنے اور سامان جنگ کی تیاری کا اہتمام کیا۔ بظاہر سلطان بایزید یلدرم کی اس خواہش کے پورا ہونے میں کوئی امر مانع نہ رہا تھا کہ عثمانی سلطان فاتحانہ شہر روما میں داخل ہو کر اپنے گھوڑے کو روما کے بڑے گرجا میں دانہ کھلائے۔ اس مرتبہ سلطان فاتح نے بڑی سرگرمی کے ساتھ فوجی تیاری کی اور آبنائے باسفورس پر سمندر کے کنارے فوجی علم نصب کرا دیئے جو اس بات کی علامت تھی کہ سلطان اپنی جرار فوج کے ساتھ بہت جلد روانہ ہونے والا ہے۔ اس وقت سلطان کے سامنے تین مہمیں موجود تھیں ایک ایران کے بادشاہ حسن طویل کو سزا دینا کیونکہ اس نے شہزادہ بایزید کے مقابلہ میں چھیڑ چھاڑ اور لڑائی شروع کر دی تھی۔ دوسرے جزیرہ روڈس کو فتح کرنا۔ تیسرے ملک اٹلی کو تمام و کمال فتح کر کے شہر روم میں فاتحانہ داخل ہونا۔ سلطان نے کسی دوسرے شخص کو یہ نہیں بتایا کہ وہ اول کس طرف متوجہ ہو گا۔ سلطان فاتح کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی مہم پر خود روانہ ہوتا تھا تو فوج کے کسی افسر حتیٰ کہ اس کے وزیر اعظم تک کو بھی یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ سلطان کا ارادہ کس طرف کا ہے۔ ایک مرتبہ کسی سپہ سالار نے سلطان سے پوچھا تھا کہ آپ کا ارادہ کس طرف کا ہے اور آپ کا مقصد کیا ہے۔ تو سلطان نے اس کو جواب دیا تھا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میری داڑھی کے ایک بال کو میرے ارادے کی اطلاع ہو گئی ہے تو میں اپنی داڑھی کے اس بال کو نوچ کر فوراً آگ میں ڈال دوں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان کو جنگی معاملات میں کس قدر احتیاط ملحوظ تھی۔ بہرحال قسطنطنیہ میں ہر طرف سے فوجیں آ آکر جمع ہو رہی تھیں اور سلطان فاتح سامان جنگ اور ضروریات لشکر کی فراہمی میں مصروف تھا۔ یہ تیاری بہت ہی عظیم الشان اور غیر معمولی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ بہت جلد براعظم یورپ اور براعظم ایشیا میں عظیم الشان فتوحات سلطنت عثمانیہ کو حاصل ہونے والی ہیں ان تیاریوں میں ۸۸۶ھ شروع ہو گیا اور لشکر کے کوچ کرنے کا وقت قریب آ گیا سلطان فاتح نے قسطنطنیہ سے کوچ کیا اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اول شاہِ ایران کو سزا دیکر بہت جلد وہاں سے واپس ہو کر روڈس کو فتح کرے گا۔ اور

روڈس سے فارغ ہو کر ملک اٹلی میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ داخل ہو گا جہاں شہر اوٹرانٹو پر اس کا بہا
سپہ سالار احمد قیدوق قابض و متصرف اور اپنے سلطان کی تشریف آوری کا منتظر تھا۔ اور پوپ سکٹس چہا
روما میں منتظر تھا کہ سلطان کے حدود اٹلی میں داخل ہونے کی خبر سنتے ہی وہ روما سے فرار ہو جائے۔ مگر قضا و قد
کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔ خدائے تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ یورپی ممالک سے عیسائیوں کا نام و نشا
گم ہو۔ قسطنطنیہ سے روانہ ہوتے ہی سلطان پر درد نقرس کا حملہ ہوا اور اسی مرض میں بروز پنج شنبہ
بتاریخ ۳ ربیع الاول ۸۸۶ھ مطابق ۳ مئی ۱۴۸۱ء سلطان فاتح نے وفات پائی اور یہ عظیم الشان فتوحا
ملتوی رہ گئیں۔ سلطان کی لاش کو قسطنطنیہ میں لا کر دفن کیا گیا۔ یوم الخمیس مادۂ تاریخ وفات ہے۔ ۵۲ یا ۵۳ سال
کی عمر پائی اور قریباً ۳۱ سال حکمرانی کی۔ سلطان فاتح کی وفات سلطنت عثمانیہ کے لیے بہت مضر ثابت ہو
سلطان فاتح جس سال ایڈریانوپل میں اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا ہے اسی سال ہندوستان
میں سلطان بہلول لودی تخت نشین ہوا تھا۔ بہلول لودی اور سلطان فاتح دونوں ہمعصر تھے بہلول لودی نے
سلطان فاتح کی وفات کے بعد بھی چند سال تک ہندوستان میں حکومت کی۔ کشمیر کا مشہور علم دوست اور
روشن خیال بادشاہ زین العابدین بھی سلطان فاتح کا ہمعصر تھا مگر وہ کئی سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ اسی
سال یعنی ۵ صفر ۸۸۶ھ کو ملک دکن میں ملک التجار خواجہ جہاں محمود گاوان وزیر سلطان محمد شاہ بہمنی
مقتول ہوا۔ سلطان فاتح کی وفات سے پورے گیارہ سال بعد یعنی یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ کو اندلس میں اسلامی
حکومت کا چراغ گل ہوا اور غرناطہ پر عیسائیوں نے قبضہ پایا یوں سمجھنا چاہیے کہ جب سلطان فاتح کا
انتقال ہوا ہے تو اندلس میں اسلامی حکومت دم توڑ رہی تھی کاش سلطان فاتح اور چند سال زندہ رہتا اور
اٹلی کا ملک فتح ہو کر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو جاتا تو پھر یقیناً عیسائیوں کو یہ موقع نہیں مل سکتا تھا کہ
وہ غرناطہ کی اسلامی سلطنت کا نام و نشان مٹا سکتے بلکہ غرناطہ کی اسلامی سلطنت جو دم بدم کمزور ہوتی
چلی جاتی تھی عثمانیہ سلطنت سے امداد پا کر یکایک تمام جزیرہ نمائے اسپین پر چھا جاتی اور پھر تمام براعظم
یورپ اسلامی جھنڈے کے سایہ میں ہوتا۔ غرض کہ سلطان فاتح کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک مصیبت
عظمیٰ تھی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کا عہد حکومت مسلسل جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے پر ہے اس نے
اپنے عہد سلطنت میں بارہ سلطنتیں اور ریاستیں اور دو سو سے زیادہ شہر و قلعے فتح کر کے سلطنت
عثمانیہ میں شامل کیے۔ سلطان فاتح کے عہد سلطنت میں آٹھ لاکھ مسلمان سپاہی شہید ہوئے مگر
اس کی باقاعدہ فوج کی تعداد لاکھ سوا لاکھ سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ اس نے ینگ چری یعنی فوج
جان نثار کی ترتیب و تنظیم کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی جو سلطان کی باڈی گارڈ کی فوج کہلاتی
تھی اور اس کی تعداد عموماً بارہ ہزار کے قریب ہوتی تھی۔ اس نے ایسے قوانین جاری کیے جس سے ہر قسم
کی بدنظمی فوجی اور انتظامی محکموں سے دور ہو گئی۔ سلطان فاتح نے جو قوانین جاری کیے ان سے سلطنت
عثمانیہ کو بہت نفع پہنچا۔ ایک ایسے سلطان سے جس کا تمام عہد حکومت لڑائیوں اور چڑھائیوں میں گذرا
ہو ہرگز یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک اعلیٰ درجہ کا مقنن بھی ہو گا۔ مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا
جا سکتا کہ سلطان محمد خان فاتح ایک اعلیٰ درجہ کا مقنن تھا۔ اس نے اپنے دربار میں وزراء، سپہ سالار
بیگلر وغیرہ اراکین سلطنت کے ساتھ علماء دین کی ایک جماعت کو لازمی قرار دے کر ان کا مرتبہ اراکین سلطنت

میں سب سے بالا قرار دیا۔ تمام ممالک محروسہ میں شہروں۔ قصبوں اور گاؤں کے اندر مدرسے جاری کئے
ان مدارس کے تمام مصارف سلطنت کے خزانے سے پورے کئے جاتے تھے ان مدرسوں کا نصاب تعلیم
بھی خود سلطان فاتح ہی نے مقرر و تجویز کیا۔ ہر مدرسہ میں باقاعدہ امتحان ہوتے تھے اور کامیاب طلباء کو
سندیں دی جاتی تھیں۔ ان سندوں کے ذریعہ سے ہر شخص کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا تھا اور اُسکی قابلیت
کے موافق ہی اُس کو نوکری یا جاگیر دی جاتی تھی۔ نصاب تعلیم میں تمام ضروری اور دین و دُنیا کے لئے مفید
و نفع رساں علوم شامل تھے سلطان محمد خان خود ایک زبردست اور جید عالم تھا۔ قرآن و حدیث اور تاریخ
و سیر نیز ریاضی و طبیعات میں اُس کو دستگاہ کامل حاصل تھی۔ اسی لئے اُس نے بہترین نصاب تعلیم
مدارس میں جاری کیا۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ لاطینی۔ یونانی بلگیرین وغیرہ بہت سی زبانوں میں سلطان
فاتح بلا تکلف نہایت فصاحت کے ساتھ گفتگو کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی قلمرو کے اندر جو قانون جاری کیا
تھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ سب سے قرآن مجید کی موافق عملدرآمد ہو اُس کے بعد سنت ثابتہ اور
احادیث صحیحہ کی پیروی کی جائے۔ اس کے بعد فقہائے اربعہ سے امداد لی جائے۔ ان تینوں مرحلوں کے
بعد چوتھا مرتبہ احکام سلطانی کا تھا۔ سلطان اگر کوئی حکم جاری کرتا اور وہ حکم قرآن و حدیث کے خلاف
ہوتا تو علماء کو اجازت تھی کہ وہ بلا تامل اُس حکم کا خلاف شروع ہونا ثابت کر دیں تاکہ سلطان فوراً اپنے
حکم کو واپس لے لے۔ اُس نے اپنے ممالک مقبوضہ کو صوبوں۔ کمشنریوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا
ضلع کے کلکٹر کو بیلر بیگ اور کمشنر کو سنجق اور صوبہ وار کو پاشا کا لقب دیا گیا تھا۔ اسی سلطان نے
قسطنطنیہ یعنی دربار سلطنت کو باب عالی کے نام سے موسوم کیا جو اس ہمارے زمانے تک باب عالی کے
نام سے مشہور رہا۔ سخت حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا جنگجو اور فاتح سلطان علمی مشاغل کے لئے کس
طرح وقت نکال لیتا تھا۔ سلطان فاتح کو اپنے وقار اور رعب کے قائم رکھنے کا یہاں تک خیال تھا۔
کہ اپنے وزیر اعظم سے بھی کبھی خوش طبعی یا بے تکلفی کی گفتگو نہ کرتا تھا۔ ضرورت کے بغیر کبھی دربار یا مجلس
جما کر نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اُس کو اپنی فرصت کے اوقات کا بالکل تنہائی میں گذارنا بہت محبوب تھا۔ اُس کی
کوئی بات لغو اور حکمت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ ایک طرف وہ علماء کا بیحد قدردان اور اُن کی عزت و وقار
کے بڑھانے کا خواہاں تھا لیکن دوسری طرف وہ عالم نما جاہلوں اور کٹھ ملاؤں سے سخت متنفر تھا۔ نماز
روزے کا سخت پابند اور جماعت نمازیں ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید سے اُس کو بیحد محبت تھی۔ عیسائیوں
اور دوسرے غیر مذاہب والوں کے ساتھ اُس کا برتاؤ نہایت کریمانہ اور روادارانہ تھا۔ پابندی شرع
میں بیجا سختی اُس کو پسند نہ تھی الدین لیسر اُس کا خصوصی عقیدہ تھا۔ وہ اس راز سے واقف تھا۔ کہ
کٹھ ملاؤں نے دین کے معاملہ میں بیجا سختی اور تشدد کو کام میں لاکر اور ذرا ذرا سی بے حقیقت باتوں پر
نامناسب زور دیکر دین اسلام کو لوگوں کے لئے موجب وحشت بنا دیا ہے اس لئے وہ دین اسلام کی
ہر ایک رُخصت سے فائدہ اُٹھا لینے کو جائز جانتا تھا چنانچہ اُس کے دربار میں وینس سے ایک مشہور
مصور و نقاش آیا اور اپنے کمال کا اظہار کرنے کے لئے سلطان کے دربار کی کئی تصویریں تیار کیں
سلطان نے اُس کو اجازت دے دی اور پھر اُس کی تصویروں کو دیکھ کر اُن کے نقائص اُس کو بتائے۔
اسی قسم کی معمولی آزاد خیالیوں کو دیکھ کر اُس زمانے کی فتوے باز پیدا وار یعنی پیشہ ور مولویوں نے
سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ پر کفر کا فتویٰ لگا اور سلطان کو لامذہب اور دہریہ ٹھہرایا۔ ان تنگ خیال

پست حوصلہ۔ تنگ ظرف۔ دشمن اسلام فتوے بازوں کی نسل بہت پرانی ہے۔ یہ لوگ کچھ اسی زمانے یا سلطان فاتح ہی کے زمانے میں نہ تھے بلکہ اس سے بہت پہلے بھی دُنیا میں موجود تھے جن کا ذکر اسی تاریخ کی گذشتہ جلدوں میں غالباً آچکا ہے۔ سلطان فاتح کی نظر اپنی سلطنت کے ہر ایک صیغے اور ہر محکمے پر رہتی تھی۔ مجرموں کو سزا دینے میں وہ بہت چست اور کار گذار اہلکاروں کی قدر دانی میں بہت مستعد تھا اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سلطان فاتح کو اپنا وقار قایم رکھنے اور تنہائی میں رہنے کا بہت شوق تھا لیکن لڑائی کے ہنگامے میں وہ اپنے معمولی سپاہیوں کی مدد کرنے اور دلسوزی کے ساتھ اُن کا ہاتھ بٹانے میں بالکل بے تکلف دوست اور معمولی لشکری کی مانند نظر آتا تھا۔ اُس کے سپاہی اُس پر جان قربان کرتے اور اُس کو اپنا شفیق باپ جانتے تھے۔ سلطان فاتح کا قد درمیانہ۔ رنگ گندمی اور چہرہ عموماً اُداس سا نظر آتا تھا مگر غصہ و غضب کے وقت نہایت دہشت ناک ہوتا تھا۔ دیانت و امانت اور عدل و انصاف کے خلاف کوئی حرکت کسی اہلکار سے سرزد ہوتی تو اُس کو عبرت ناک سزا دیتا۔ سلطان فاتح کی حدود سلطنت میں چوری اور ڈاکہ زنی کا نام و نشان تک باقی نہ تھا۔ اس قدر عظیم الشان سلطنت اور وسیع مملکت میں سرکشی و بغاوت کے تمام فاسد مادوں اور بدامنی و بد چلنی کے تمام امکانات کا فنا ہو جانا سلطان فاتح کو ایک اعلیٰ درجہ کا مدبر و ملک دار فرمانروا ثابت کرتا ہے حالانکہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کا فاتح اور جنگجو سپہ سالار بھی تھا پھر تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فاتح کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا اور وہ مختلف و متعدد زبانوں میں بلند پایہ اشعار کہہ لیتا تھا۔

سولھواں باب

سلطان فاتح کے بعد خانہ جنگی اور شہزادہ جمشید کی حیرت ناک داستان

سلطان فاتح کی وفات کے وقت اُس کے دو بیٹے بایزید و جمشید تھے بایزید ایشیائے کوچک کے صوبہ کا گورنر اور مقام اماسیہ میں مقیم تھا۔ جمشید کرمیا کی گورنری پر مامور تھا۔ سلطان فاتح کی وفات کے وقت بایزید کی عمر ۳۵ سال کی اور جمشید کی ۲۲ سال کی تھی۔ بایزید کسی قدر سست اور دھیمی طبیعت رکھتا تھا بخلاف اُس کے جمشید نہایت چست اور مستعد و جفاکش شہزادہ تھا۔ سلطان فاتح کی وفات کے وقت ان دونوں شہزادوں میں سے ایک بھی قسطنطنیہ میں موجود نہ تھا۔ سلطان فاتح نے اپنے وزیر اعظم احمد قیدوق فاتح کرمیا کو اٹلی کی جانب فوجکشی کرنے سے پیشتر سپہ سالاری پر مامور کر کے اُس کی جگہ محمد پاشا کو وزیر اعظم بنا لیا تھا۔ محمد پاشا وزیر اعظم کی خواہش تھی کہ سلطان فاتح کے بعد شہزادہ جمشید کو تخت پر بٹھایا جائے چنانچہ اُس نے سلطان فاتح کی وفات کا حال پوشیدہ رکھنا چاہا اور جمشید کے پاس خبر بھیجی کہ فوراً قسطنطنیہ کی طرف آؤ۔ مگر یہ خبر پوشیدہ نہ رہ سکی۔ جان نثار فوج نے فوراً بغاوت کر کے وزیر اعظم محمد پاشا کو قتل کر دیا اور اُس کی جگہ محمد پاشا کو وزیر اعظم بنایا اور بایزید کے پاس خبر بھیجی کہ سلطان فاتح کا انتقال ہو گیا ہے فوراً قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اس ینگ چری یعنی جان نثاری فوج نے

خودسری کی راہ سے قسطنطنیہ میں بڑی بدنظمی پیدا کر دی - سوداگروں اور مالدار لوگوں سے زبردستی روپیہ حاصل کیا اور تمام محکموں پر قابض و متصرف ہو گئے - اُدھر سپہ سالار احمد قیدوق جو اٹلی کے شہر اوٹرانٹو پر قابض و متصرف ہو کر آئندہ موسم بہار میں روما پر فوجکشی کی تیاریاں کر چکا تھا اور اوٹرانٹو کو ہر طرح قلعہ بند اور مضبوط بنا چکا تھا تاکہ آئندہ چڑھائیوں اور لڑائیوں کے وقت یہ شہر ایک مستقل اور مضبوط مرکزی مقام کا کام دے سکے سلطان کی خبر وفات کو سُن کر بہت مغموم ہوا - اُس نے فوراً اوٹرانٹو میں ہر قسم کی ضروریات فراہم کر کے اپنے ایک ماتحت سردار کو اوٹرانٹو کا حاکم اور وہاں کی فوج کا سپہ سالار بنایا مناسب ہدایات کیں اور خود قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا تاکہ وہاں نئے سلطان کی خدمت میں اٹلی کی فتح کے متعلق تمام باتیں عرض کر کے اور اجازت لیکر واپس آئے یا خود سلطان ہی کو اٹلی کی طرف لائے - سلطان فاتح کی وفات کا حال بایزید کو اماسیہ میں پہلے معلوم ہو گیا اور وہاں سے صرف چار ہزار فوج لیکر دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا قسطنطنیہ پہونچ گیا - یہاں آتے ہی تخت سلطنت پر جلوس کیا مگر جان نثاری فوج نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور اُس کے سرداروں نے سلطان سے عرض کیا کہ ہماری تنخواہوں اور جاگیروں میں بیش قرار اضافہ کیجئے اور خوب انعام و اکرام دلوایئے ورنہ ہم ابھی آپ کو قتل کر دیں گے - بایزید فوج کے اس خود سرانہ رویہ سے مرعوب ہو گیا - اور اُس نے جان نثاری فوج کے مطالبات کو منظور کر کے آئندہ کے لئے اس رسم کی بنیاد رکھدی کہ جب کوئی نیا سلطان تخت نشین ہو تو فوج کو انعام و اکرام دے کر خزانہ شاہی کا ایک بڑا حصہ اس طرح ضائع کر دے - بایزید کی اس پہلی کمزوری نے بتا دیا تھا کہ وہ کوئی زبردست اور قوی بازو سلطان اور اپنے باپ کا نمونہ نہ ہو سکے گا لیکن ایک طرف اُس کا اپنے بھائی جمشید سے عمر میں بڑا ہونا دوسرے وزیر اسحٰق پاشا اور جان نثاری فوج کا طرفدار [illegible] باعث اس کا ہوا کہ اراکین سلطنت کو باوجود اس احساس کے کہ وہ قوی دل سلطان نہیں ہے اُس کی مخالفت کی جرأت نہ ہو سکی - چند ہی روز کے بعد سپہ سالار احمد قیدوق بھی اٹلی سے قسطنطنیہ پہونچ گیا - چونکہ اُس کا رقیب وزیر اعظم محمد پاشا بایزید کا مخالف اور جمشید کا طرفدار تھا لہٰذا احمد قیدوق نے بھی بلا پس و پیش آتے ہی سلطان بایزید ثانی کی بیعت کر لی -

جمشید کو باپ کے مرنے کی خبر کسی قدر دیر سے پہونچی اُس وقت بایزید ثانی قسطنطنیہ میں آ کر تخت نشین ہو چکا تھا جمشید نے ایشیائے کوچک میں شہروں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور شہر بروصہ پر قابض ہو کر اپنے بھائی بایزید کو لکھا کہ سلطان فاتح نے آپ کو اپنا ولیعہد نہیں بنایا تھا اس لئے آپ کا تنہا کوئی حق نہیں ہے کہ تمام سلطنت کے مالک و فرمانروا بن جائیں مناسب یہ ہے کہ ایشیائی مقبوضات میرے تحت حکومت میں رہیں اور یورپی ملکوں پر آپ حکمرانی کریں - بایزید نے اس درخواست کو رد کر دیا اور جواباً کہا کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں - قسطنطنیہ میں سلطان فاتح کی بہن اور ان دونوں بھائیوں کی پھوپی موجود تھی اُس نے اپنے بھتیجے سلطان بایزید ثانی کے پاس جا کر اُس کو سمجھایا کہ دونوں بھائیوں کا لڑنا اچھا نہیں ہے اور مناسب یہی ہے کہ جمشید کو ایشیائے کوچک کا تمام علاقہ دیدیا جائے مگر بایزید نے پھوپی کی نصیحت پر کوئی التفات نہ کیا اور یہی جواب دیا کہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ جمشید معہ اہل و عیال بیت المقدس میں جا کر سکونت اختیار کرے اور میں اس کے پاس صوبۂ کرمیا کی آمدنی کا ایک حصہ اس کے گذارہ کیلئے بھجواتا رہوں گا - بہر حال مصالحت کی کوئی شکل پیدا نہ ہو سکی - جمشید اس بات سے واقف تھا کہ اگر میں

تخت سلطنت حاصل نہ کر سکا تو بایزید مجھ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیگا لہذا وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے بھی مجبور ہو گیا کہ بایزید کا مقابلہ کرے اور تخت سلطنت کے حصول کی کوشش میں کوتاہی نہ کرے۔ غرض سلطان بایزید نے اپنے سپہ سالار احمد قیدوق کی قابلیت و تجربہ کاری سے فائدہ اُٹھایا اور اپنے بھائی جمشید کے مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔ چنانچہ ۸۸۶ھ مطابق ۲۰ رجون ۱۴۸۱ء دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جمشید کی فوج کے اکثر سردار معہ اپنی اپنی جمعیتوں کے عین معرکۂ جنگ میں بایزید کی طرف چلے آئے اور اس طرح جمشید کو بایزید کی فوج سے شکست کھانی پڑی۔ ادھر یہ دونوں بھائی ایشیائے کوچک میں مصروف جنگ تھے اُدھر روما کا پوپ جو روما سے بھاگنے کی تیاریاں کر چکا تھا سلطان فاتح کی خبر وفات سُن کر روما میں ٹھہرا رہا اور پوپ کے عیسائی ملکوں سے صلیبی مجاہدین کو دعوت دی کہ آکر اٹلی کو بچاؤ اور اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اٹرانٹو سے ترکوں کو نکال دو چنانچہ ہسپانیہ اور فرانس و آسٹریا تک کے عیسائی دوڑ پڑے اور عیسائی فوجوں نے اٹرانٹو پر چڑھائی کر کے اُس کا محاصرہ کر لیا۔ ایشیائے کوچک میں جب بایزید و جمشید کی فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل پہنچ چکی تھیں تو اسی زمانہ میں اٹرانٹو پر حملہ آوری کی تیاریاں عیسائیوں نے کرلی تھیں قسطنطنیہ سے کوئی مدد اٹرانٹو کی فوج کو نہ مل سکی ترکوں نے خوب جم کر عیسائی فوجوں کا مقابلہ کیا لیکن جب اُن کو قسطنطنیہ کی طرف سے مایوسی ہو گئی تو اُنہوں نے عیسائیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم مدافعت کی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ہم کو مغلوب کرنا تمہارے لئے آسان کام نہیں ہے۔ مگر ہم اب دیر تک لڑنا اور خون بہانا مناسب نہیں سمجھتے اگر تم صلح کے ساتھ اس شہر کو لینا چاہتے ہو تو ہم تمہارے سپرد کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہم کو یہاں سے عزت و اطمینان کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف چلے جانے کی اجازت دو۔ عیسائیوں نے فوراً اس [illegible] منظور کر کے شرائط صلح کی دستاویز لکھ کر ترکی سردار کے پاس بھیجی جس کی رو سے عثمانیہ لشکر کے ہر فرد کی جان و مال کو امن دیگئی تھی۔ اس طرح صلحنامہ کی تکمیل کے بعد ترکوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا اور عیسائیوں کا قبضہ شہر پر کرا کر خود وہاں سے روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگے لیکن عیسائی سرداروں نے بد عہدی کر کے تمام اسلامی فوج کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ شہر کی گلیاں میدانِ جنگ بن گئیں اور عیسائیوں نے ہر طرف سے گھیر کر نہایت ہی ظالمانہ اور غیر شریفانہ طور پر قریباً تمام ترکوں کو قتل کر ڈالا اور اٹرانٹو کی گلیاں ترکوں کے خون سے لالہ زار بن گئیں۔ بایزید ثانی کی تخت نشینی کے بعد ہی سلطنت عثمانیہ کو یہ نہایت سخت و شدید نقصان پہنچا کر جو میخ ملک اٹلی میں گڑ گئی تھی وہ اُکھڑ گئی اور ملک اٹلی کی فتح کا دروازہ جو ترکوں نے کھول لیا تھا وہ پھر بند ہو گیا۔ اور روما کے گرجے پر جو حسرت و مایوسی کے بادل چھا گئے تھے وہ یک لخت دور ہو گئے۔ اور اندلس کے ضعیف مسلمانوں کو جو زبردست امداد پہنچنے والی تھی اُس کا امکان جاتا رہا احمد قیدوق کو پھر اتنی فرصت ہی نہ ملی کر وہ بایزید سے رخصت ہو کر اس طرف آتا اور اٹلی والوں سے اپنے مقتول سپاہیوں کا انتقام لیتا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جمشید شکست کھا کر ایشیائے کوچک میں نہیں ٹھہرا اور اپنے ہمراہیوں کی غداری کا معائنہ کرنے کے بعد اُس نے ایشیائے کوچک کے کسی ترکی سردار و صوبہ دار پر بھی اعتماد کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ اُس کی مآل اندیش نظر نے اپنی حفاظت اور آئندہ مقابلہ پر مستعد ہونے کے لئے سلطنت مصر کو سب سے بہتر خیال کیا مصر میں مملوکیوں کی حکومت تھی اور خاندان چراکسہ کا بادشاہ ابو سعید قایتبگ حکمران تھا۔ چونکہ مصر میں عباسی خلیفہ بھی رہتا تھا اس لئے عالم اسلام میں مصر کی سلطنت خاص طور پر

تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ بایزید سے شکست کھا کر چند جان نثار ہمراہیوں اور اپنی والدہ اور بیوی کے ساتھ جمشید مصر کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی حدود سلطنت عثمانیہ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ایک ترک سردار نے اُس کے قافلہ پر چھاپا مارا اور تمام ساز و سامان جو جمشید کے ساتھ تھا لوٹ لیا۔ جمشید اپنا سامان لٹا کر جلد حدود سلطنت عثمانیہ سے نکل گیا اور وہ ترک سردار اُس کا لوٹا ہوا سامان لیکر اس پر اُمید پر قسطنطنیہ پہنچا کہ بایزید خوش ہوگا۔ اُس نے جب بایزید کی خدمت میں جمشید کا سامان پیش کیا تو بایزید نے اس ترک سردار کو جس نے ایک شکست خوردہ اور تباہ حال قافلہ کو لوٹا تھا قتل کرا دیا۔ جمشید کے قریب پہونچنے کا حال جب مصر کے چرکسی سلطان نے سُنا تو اُس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اُس کا استقبال کیا اور پادشاہوں کی طرح اپنا مہمان رکھ کر اُس کی تسلّی و دلجوئی کی۔ جمشید چار مہینے ابو سعید قائد بیگ کا مہمان رہا اُس کے بعد وہ مصر سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اور مکہ و مدینہ کی حاضری سے سعادت اندوز ہو کر جمشید مصر میں آیا۔ اس عرصہ میں بایزید اور سلطان مصر کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور سلطان مصر نے مہمان شہزادہ کے خلاف کوئی حرکت کرنے پر مطلق رضا مندی نہ ہوا بلکہ اُس نے جمشید کو ہر قسم کی امداد دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھا۔ آخر جمشید نے مصر پہنچکر جنگی تیاری شروع کی اور سلطان مصر نے اُس کو فوج اور روپیہ سے مدد دی۔ جمشید اپنی حالت درست کر کے اور اپنی ماں اور بیوی کو مصر ہی میں چھوڑ کر بایزید کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ فلسطین و شام کے ملک میں ہوتا ہوا ایشیائے کوچک کے جنوبی و مغربی حصہ سے داخل ہوا۔ بایزید یہ خبر سنتے ہی اپنے تجربہ کار سپہ سالار احمد قیدوق کو ہمراہ لیکر مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اس مرتبہ خوب زور شور کی لڑائی ہوئی مگر جمشید کو پھر شکست اُٹھانی پڑی۔ یہ لڑائی ۸۸۷ھ مطابق جون ۱۴۸۲ء میں ہوئی۔ اس لڑائی میں بھی جمشید کو ایشیائے کوچک ہی کے بعض سرداروں کی وجہ سے شکست ہوئی ان لوگوں نے جمشید کے ساتھ مل کر بایزید سے لڑنے کا وعدہ کر کے جمشید کو مصر سے بلایا تھا اور اُس کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں آئے تھے لیکن لڑائی کے وقت بایزید سے جا ملے اور اس طرح اُس کی باقی فوج کو بھی بد دل کر کے بایزید کی فتح کا موجب ہو گئے۔ اس مرتبہ شکست کھا کر جمشید کو مصر کی طرف جاتے ہوئے شرم دامنگیر ہوئی اور اُس نے کہا کہ اب سلطان مصر اور اپنی بیوی اور والدہ کو منہ دکھانے کا موقع نہیں رہا۔ اگر وہ مصر چلا جاتا تو یقیناً چند ہی روز کے بعد ایسا وقت آجاتا کہ سلطنت عثمانیہ کے تمام سپہ سالاران افواج متفقہ طور پر اُس کو مصر سے قسطنطنیہ لیجانے کی کوشش کرتے اور تخت سلطنت پر بٹھاتے مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جمشید نے بجائے مصر کے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصے میں پہنچکر اور وہاں کے سرداروں نیز سرحد کے عیسائی سلاطین سے امداد حاصل کر کے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری کر دے۔ اس شکست کے بعد بھی اُس کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی اور تیس چالیس سے زیادہ رفیق اُس کے ساتھ نہ تھے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ دم لینے اور اپنی حالت کے درست کا موقع ملے۔ موقع اُس کو مصر ہی میں خوب مل سکتا تھا جہاں سلطان مصر اُس کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار تھا مگر اس نے روڈس کے حکمران عیسائیوں کی پارلیمنٹ کو لکھا کہ کیا تم اس بات کی اجازت دے سکتے ہو کہ اس ملک سے گزر کر میں چند روز قیام کر کے پھر یونان و البانیا کی طرف چلا جاؤں اور اپنے آپ کو ... کے حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ اس پیغام کو سنتے ہی روڈس کے لوگ ... کھڑے ہو گئے۔

کا اجلاس منعقد کیا اور ان مقدس عیسائیوں نے جمشید کے اس ارادہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر عیسائی
کے چہروں پر رذالت و کمینگی کا سیاہ پوڈر ملنے کے لئے ایک شیطانی منصوبہ سوچا۔ جمشید ممکن تھا کہ
روڈس جانے کے ارادے پر نظر ثانی کرتا اور ملک شام میں مقیم رہ کر چند روز انجام اور عواقب امور کو
سوچتا اور اس عرصہ میں سلطان مصر باصرار اس کو مصر بلاتا اور اس کی ماں اور بیوی کی محبت
اس کو مصر کی طرف کھینچتی لیکن روڈس کی پارلیمنٹ کے صدر مسمی ڈابسن نے فوراً جمشید کو لکھا کہ ہم آپ کو
سلطنت عثمانیہ کا سلطان تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے موجب عزت و افتخار
ہوگی اور میں اپنی پارلیمنٹ کی جانب سے آپ دعوت دیتا ہوں کہ آپ ہماری عزت افزائی کے لئے ضرور
روڈس میں قدم رنجہ فرمائیں۔ ہماری تمام فوج۔ تمام جہاز۔ تمام خزانہ اور تمام طاقتیں آپ کی خدمتگذاری
اور اعانت کے لئے وقف ہیں اور یہاں آپ کے لئے ہر قسم کا ضروری سامان اور طاقت موجود و مہیا کر دی
جائے گی۔ اس جواب کو سن کر جمشید تامل نہیں کر سکتا تھا وہ بلا توقف تیس آدمیوں کو ہمراہ لیکر روڈس کی
طرف چل دیا۔ جزیرہ کے ساحل پر اتر کر اس نے دیکھا کہ استقبال کے لئے آدمی موجود ہیں وہاں سے
تزک و احتشام کے ساتھ دار السلطنت میں پہونچایا گیا ڈی آبس یا ڈابسن نے جو پارلیمنٹ کا پریسیڈنٹ
تھا فوج کے ساتھ شاندار استقبال کیا اور شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرایا۔ لیکن بہت جلد شہزادہ جمشید کو
معلوم ہوگیا کہ وہ مہمان نہیں بلکہ ایک قیدی ہے۔ ڈابسن نے سب سے پہلے جمشید سے ایک اقرار نامہ اس
مضمون کا لکھایا کہ اگر میں سلطنت عثمانیہ کا سلطان ہوگیا تو فرقہ نائٹس یعنی روڈس کے حاکموں کو ہر قسم
کی مراعات عطا کر دوں گا۔ اس کے بعد اس نے سلطان بایزید کو لکھا کہ جمشید ہمارے قبضہ میں موجود ہے
اگر آپ ہم سے صلح رکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے تمام بندرگاہوں میں آنے جانے اور تجارت کرنے کی
آزادی دیجئے ہر قسم کے محصول ہم کو معاف کئے جائیں اور آپ کا کوئی اہلکار ہم سے کسی جگہ کسی قسم کا محصول
طلب کرے نیز پینتالیس ہزار عثمانی سکے سالانہ ہم کو دیئے جائیں تاکہ ہم جمشید کو اپنی حفاظت اور قید میں رکھیں
اور اگر آپ نے ہماری ان شرائط کو منظور نہ کیا تو ہم اس شہزادے کو آزاد چھوڑ دیں گے تاکہ وہ آپ سے
تخت سلطنت کے چھین لینے کی کوشش کر سکے۔ بایزید نے بلا تامل ڈابسن کے تمام مطالبات کو منظور
کر لیا اور ۴۵ ہزار ڈاکٹ یعنی تین لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ سالانہ رقم روڈس والوں کے پاس بھجوانا شروع کیا۔
ادھر ڈی آبسن پریسیڈنٹ روڈس نے مصر میں جمشید کی دکھیا غریب الوطن ماں کے پاس پیغام بھیجا
کہ اگر ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ ہمارے پاس بھیجتی رہوگی تو ہم تمہارے بیٹے جمشید کو بایزید کے سپرد نہ
کرینگے اور اس کو بحفاظت آرام سے اپنے پاس رکھیں گے ورنہ سلطان بایزید اس سے بھی زیادہ روپیہ
ہم کو دینا چاہتا ہے ہم مجبوراً اس کے سپرد کر دیں گے اور ظاہر ہے کہ وہ جمشید کو قتل کر کے اطمینان حاصل
کرے گا۔ اس پیغام کو سنتے ہی جمشید کی ماں نے جس طرح ممکن ہو سکا ڈیڑھ لاکھ روپیہ ڈابسن کے پاس
بھیجا اور لکھا کہ میں ہمیشہ یہ رقم بھیجتی رہوں گی۔ غرضکہ روڈس والوں نے جمشید کو جلب منفعت
کا بہترین ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعہ سے فائدہ اٹھانے میں جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے
سے مطلق پرہیز نہیں کیا۔ اس طرح جلب منفعت کی تدابیر کام میں لاکر روڈس والوں نے سوچا کہ
کہیں ایسا نہ ہو بایزید یا سلطان مصر جمشید کے حاصل کرنے کے لئے ہمارے ملک پر حملہ کر دیں اور یہ
سونے کی چڑیا ہاتھ سے جاتی رہے لہٰذا انہوں نے جمشید کو روڈس میں رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کو

سلطنت فرانس کی حدود میں شہر نائس کی طرف روانہ کر دیا اور ایک جمعیت اُس کی نگرانی اور دیکھ بھال پر مامور کر دی۔ نائس سے پھر دوسرے مختلف شہروں میں اُس کو تبدیل کرتے رہے اور اس عرصہ میں شہزادے کے ہمراہیوں کو بھی بادیگرے جدا کرتے رہے یہاں تک کہ جمشید تنہا رہ گیا۔ فرانس کے ایک شہر میں جب جمشید ٹھہرایا گیا تو اتفاقاً حاکم شہر کی لڑکی فلیپائن ہلنیا اُس پر عاشق ہو گئی۔ چند روز کے بعد اس شہر سے بھی اُس کو جدا کر کے اُس کو ایک خاص مکان میں جو اُسی کے لئے فرانس کے بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا لیجا کر رکھا۔ اب گویا شہزادہ پر بادشاہ فرانس نے اپنا قبضہ کر لیا کیونکہ وہ ایک نہایت قیمتی مال تھا اور ہر شخص اُس پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ یہ مکان کئی منزل کا تھا۔ نیچے اور اوپر کی منزل میں تو محافظ اور چوکیدار رہتے تھے بیچ کی منزل میں شہزادے کو رکھا جاتا تھا۔ اس عرصہ میں شاہ فرانس۔ پوپ روما۔ اور دوسرے عیسائی سلاطین نے ڈی ابسن سے خط و کتابت کر کے شہزادہ جمشید کو اپنے اپنے قبضہ میں لینے کی درخواست کی۔ شہزادہ گویا ایک ایسا مال تھا جو نیلام کے میدان میں رکھا ہو اور ہر شخص اُس پر بولی بول رہا ہو۔ ڈی آبسن چونکہ شہزادے کے ذریعہ خوب نفع اُٹھا رہا تھا اور وہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے کی قیمت پہچانتا تھا لہٰذا اُس نے نہ تو کسی کو صاف جواب دیا نہ اس کے دینے پر رضامند ہوا بلکہ خط و کتابت کے طول دینے اور شرائط کے طے کرنے میں وقت کو ٹالتا رہا۔ ۸۹۵ھ تک شہزادہ جمشید ملک فرانس میں رہا اور روڈس والے برابر سلطان بایزید ثانی سے روپیہ وصول کرتے رہے۔ جب ڈی آبسن کو یقین ہو گیا کہ عیسائی سلاطین بالخصوص فرانس کا بادشاہ جمشید پر قبضہ کر لے گا کیونکہ وہ اُسی کے ملک میں فروکش ہے تو اُس نے جمشید کو بلا لینے کی تجویز کی اور اُدھر جمشید کی ماں کو لکھا کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ سفر کے لئے بھیجدو تو میں تمہارے بیٹے کو فرانس سے بُلا کر تمہارے پاس مصر میں پہنچا دوں اُس بیچاری نے فوراً یہ روپیہ بھجوا دیا اور ڈی ابسن نے اپنے آدمیوں کو لکھا کہ جمشید کو فرانس کے ملک سے اب اٹلی میں لے آؤ۔ یہ حال جب فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم کو معلوم ہوا تو اُس نے مخالفت کی اور کہا کہ میں جمشید کو ہرگز اپنی عملداری سے باہر نہ جانے دوں گا آخر بڑی رد و کد کے بعد چارلس ہشتم نے اس شرط پر جمشید کو اٹلی جانے کی اجازت دی کہ پوپ دس ہزار روپیہ بطور ضمانت جمع کرے کہ اگر دربار فرانس کی اجازت کے بغیر جمشید کو اٹلی سے باہر جانے دیا تو یہ دس ہزار روپیہ ضبط ہو جائیں گے۔ اُدھر پوپ نے ایک ضمانت روڈس کے حاکموں کو دی جس کا منشا یہ تھا کہ اگر وہ فوائد جو روڈس کی حکومت کو جمشید کے ذریعہ پہنچ رہے ہیں جمشید کے اٹلی آنے سے رُک گئے تو پوپ اُن نقصانات کی تلافی کرے گا۔

غرض ۸۹۵ھ میں شہزادہ جمشید شہر روما میں داخل ہوا اور یہاں اُس کا شاندار استقبال کیا گیا اور پوپ کے شاہی محل میں اُس کو ٹھہرایا گیا۔ فرانسیسی سفیر شہزادے کے ہمراہ تھا۔ جب فرانسیسی سفیر اور جمشید پوپ سے ملنے گئے تو وہاں پوپ کے نائبوں نے جو دربار میں موجود تھے شہزادہ کو پوپ کے سامنے اُسی طرح جھکنے کے لئے بار بار کہا جس طرح فرانسیسی سفیر اور دوسرے عیسائی سردار پوپ کے سامنے جھکتے تھے لیکن سلطان فاتح کے بیٹے نے یہ ذلت کسی طرح گوارا نہ کی

اور وہ نہایت بے پرواہی اور فاتحانہ انداز سے پوپ کے پاس جا بیٹھا اور نہایت بے پرواہی اور شاہانہ جرأت کے ساتھ پوپ سے گفتگو کی ابتدا اسی گفتگو میں کہا کہ میں آپ سے کچھ باتیں تخلیہ میں بھی کرنی چاہتا ہوں۔ پوپ نے اس بات کو منظور کیا اور جب تخلیہ ہو گیا تو جمشید نے عیسائی سرداروں کی بد عہدی اور غیر شریفانہ برتاؤ کی شکایت اور اپنے مصائب کی داستان سنائی اور اپنی ماں اور بیوی کی جدائی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس داستان غم کو سن کر پوپ کے دل پر بھی بڑا اثر ہوا اور وہ بھی چشم پُر آب ہو گیا مگر کچھ سوچ کر اس نے کہا کہ تمہارا مصر جانا تمہارے لئے مفید نہ ہوگا اور تم اپنے باپ کا تخت حاصل نہ کر سکو گے تم کو شاہ ہنگری نے بھی بلایا ہے تم اگر ہنگری کی طرف چلے جاؤ گے تو تمہارا مقصد بآسانی پورا ہو سکے گا۔ اور سب سے بہتر تو تمہارے لئے یہ بات ہے کہ تم دین اسلام کو چھوڑ کر دین عیسوی قبول کر لو پھر تمام یورپ تمہارے ساتھ ہوگا اور نہایت آسانی سے تم قسطنطنیہ کے تخت پر جلوس کر کے سلطنت عثمانیہ کے شہنشاہ بن جاؤ گے۔ پوپ اسی قدر کہنے پایا تھا کہ جمشید نے فوراً اس کو روک کر کہا کہ ایک سلطنت عثمانیہ کیا اگر ساری دنیا کی حکومت و شہنشاہی بھی مجھ کو ملنے والی ہو تو میں اس پر ٹھوکر مار دوں گا لیکن دین اسلام کے ترک کرنے کا خیال تک بھی دل میں نہ لاؤں گا۔ پوپ نے یہ سنتے ہی اپنے کلام کا پیرایہ بدل دیا اور معمولی جوبجولی کی باتیں کر کے جمشید کو رخصت کر دیا اور وہ جس طرح فرانس میں زیر حراست رہتا تھا اسی طرح روما میں بطور قیدی کے رہنے لگا۔ جمشید کے روما میں آجانے کا حال سن کر سلطان مصر نے اپنا ایلچی روما میں بھیجا اس کو یقین تھا کہ روما سے جمشید کو اب مصر پہنچایا جائے گا اس لئے یہ ایلچی استقبال کے لئے بھیجا گیا تھا اُدھر سلطان بایزید ثانی نے جمشید کے اٹلی آنے کی خبر سن کر اپنا سفیر تحف و ہدایا کے ساتھ پوپ کی خدمت میں روانہ کیا کہ پوپ سے معاملہ طے کرے کیونکہ پوپ کی نسبت خیال تھا کہ وہ اپنے اختیار سے جمشید کو جہاں چاہے بھیج سکتا ہے اور روڈس والوں کے منشا کو پورا کرنا پوپ کے لئے ضروری نہیں ہے۔ شاہ مصر کے سفیر نے روما میں داخل ہو کر اول جمشید کو تلاش کیا اور جب اس کی خدمت میں پہنچا تو اسی طرح آداب بجا لایا جیسے کہ سلطان قسطنطنیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجا لاتا۔ اس سفیر نے جمشید کو یہ حال بھی سنایا کہ آپ کی والدہ سے کس قدر روپیہ سفر خرچ کے لئے ڈی آبسن نے منگایا ہے یہ سن کے جمشید پوپ کی خدمت میں مع سفیر پہنچا اور اس دھوکہ بازی کا استغاثہ دائر کیا۔ پوپ نے بہت سی تھوڑے سے روپیے ڈی آبسن کے وکیل سے جمشید کو دلوا کر اس قصے کو ختم کر دیا۔ مصر کا سفیر ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ بایزید کے سفیر نے پوپ سے مل کر قریباً اسی قدر رقم جو ڈی آبسن کو بایزید دیا کرتا تھا معاملہ طے کر لیا اور اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے قسطنطنیہ کو واپس چلا گیا۔ اور پوپ نے جمشید کی نگرانی کا معقول انتظام کر دیا اور وہ بدستور قیدیوں کی طرح رہنے لگا۔ اس کے تین سال بعد پوپ جس کا نام شنیوس تھا فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اسکندر ثانی پوپ مقرر ہوا یہ جدید پوپ پہلے پوپ سے شرارت میں بدرجہا فائق تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی سلطان بایزید کے دربار میں ایلچی روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ چالیس ہزار ڈاکٹ سالانہ جو پہلے سے مقرر ہے وہ آپ بدستور بھیجتے رہیں اور تین لاکھ ڈاکٹ یکمشت اب بھیج دیں تو میں ہمیشہ کے لئے آپ کو جمشید کے خطرہ سے نجات دے سکتا یعنی اس کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ پوپ اسکندر کے اس سفیر کا نام جارج تھا۔

حجاج نے دربار قسطنطنیہ میں بڑے سلیقہ کے ساتھ گفتگو کی اور اپنی قابلیت کا اس خوبی کے ساتھ اظہار کیا کہ سلطان بایزید نے پوپ کو اس سفیر کی سفارش لکھی کہ یہ ایسا لائق ہے کہ اس کو اپنا نائب بنائیں یہ سفیر ابھی قسطنطنیہ ہی میں مقیم تھا کہ سنہ ۹۰۱ھ میں فرانس کے بادشاہ چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کیا۔ اس حملہ آوری کا سبب بھی بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ شہزادہ جمشید کو اب جار یا پوپ اسکندر کے قبضے میں نہ رہنے دیا جائے اور گوہر گرانمایہ کو اپنے قبضے میں لے لیا جائے چارلس ہشتم کے حملہ آور ہونے پر پوپ اسکندر نے روما سے بھاگ کر سینٹ انجلو کے قلعہ میں پناہ لی اور بھاگتے ہوئے شہزادہ جمشید کو بھی جسے وہ خزانہ سے زیادہ قیمتی سمجھتا تھا اپنے ساتھ لیتا گیا۔ گیارہ روز کے بعد پوپ اور شاہ فرانس کے درمیان شرائط صلحنامہ کے طے کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد ہوئی سب سے پہلی شرط جو چارلس نے پیش کی وہ یہ تھی کہ جمشید میرے قبضے میں رہے گا۔ آخر ایک مکان میں پوپ۔ چارلس۔ جمشید صرف تین شخص جمع ہوئے اور پوپ نے جمشید کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ کیوں شہزادے تم یہاں رہنا چاہتے ہو یا پادشاہ فرانس کے پاس۔ جمشید نے کہا کہ میں شہزادہ نہیں رہا بلکہ ایک قیدی ہوں مجھ کو جہاں چاہو رکھو میں کچھ نہیں کہتا۔ بہرحال چارلس ہشتم شاہ فرانس جمشید کو اپنے ساتھ نیپلز میں لے آیا اور وہاں اس کو رکھ کر ایک سردار مناسب جمعیت کے ساتھ اس کا نگران مقرر کیا گیا۔ اب پوپ اسکندر کی تمام امیدیں بایزید سے روپیہ وصول کرنے کی خاک میں مل گئیں۔ حالانکہ سلطان بایزید تین لاکھ ڈاکٹ ادا کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا اور پوپ کے سفیر سے معاملہ طے کر لیا تھا۔ پوپ کو چونکہ روپیہ کا لالچ تھا اس لئے اس نے سلطان کو لکھا کہ اگرچہ جمشید یہاں سے نیپلز چلا گیا ہے مگر میں ضرور اس کا کام تمام کرادوں گا اور آپ سے روپیہ پانے کا مستحق ہوں گا جیسا کہ طے ہو چکا ہے اس کے بعد پوپ اسکندر نے ایک یونانی حجام کو اس کام کے لئے انتخاب کیا۔ یہ یونانی حجام اول مسلمان ہو چکا تھا اور اس کا نام مصطفےٰ رکھا گیا تھا اس کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور اٹلی میں آکر اپنے پیشۂ حجامی کی بدولت پوپ تک پہنچ گیا۔ پوپ نے اس مصطفےٰ حجام کو نیپلز کی جانب روانہ کیا اور زہر کی ایک پڑیا دی کہ کسی طرح یہ پڑیا جمشید کو کھلا دی جائے۔ اس زہر کا اثر یہ تھا کہ آدمی فوراً نہیں مرتا تھا بلکہ چند روز کے بعد بیمار ہو کر مرتا تھا اور کوئی دوا کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ مصطفےٰ نیپلز میں پہنچا اور رفتہ رفتہ رسوخ پیدا کر کے شہزادہ جمشید تک پہنچنے لگا ایک حجام کو ایسے معزز قیدی تک پہنچنے سے پاسبانوں نے بھی روکنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر مصطفےٰ نے موقع پا کر وہ زہر کی پڑیا شہزادہ جمشید کو کسی طرح دھوکے سے کھلا دی اور شہزادہ لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس قدر کمزور و ناتوان ہو گیا کہ اسی حالت میں مصر سے اس کی ماں کا خط اس کے پاس پہنچا تو وہ اس خط کو کھول کر پڑھ بھی نہ سکا اور اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ الٰہی اگر یہ کفار میرے ذریعہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں تو تو مجھ کو آج ہی اٹھا لے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لے مصطفےٰ اگرچہ نامعلوم طریقہ سے زہر کھلا چکا تھا مگر اس نے اس پر اکتفا نہ کر کے اور یہ بھی مزید کارروائی کی کہ زہر میں بجھے ہوئے استرے سے جمشید کی حجامت بنائی اور اس طرح بھی اس کی جلد کے نیچے زہر کا اثر پہنچا دیا تھا۔ جس روز جمشید نے یہ مذکورہ دعا مانگی اسی روز اس کی روح نے اس جسم خاکی کو چھوڑ کر عالم باقی کی طرف پرواز کی یہ واقعہ سنہ ۹۰۱ھ کا ہے جمشید نے ۳۶ سال کی عمر میں تیرہ برس قید فرنگ

کے مصائب جمیل کر وفات پائی۔ اُس کی لاش بایزید کی درخواست کی موافق عیسائیوں نے بایزید کے پاس بھیجدی اور بایزید نے اُس کو بروصہ میں دفن کرایا۔ سلطان بایزید نے پوپ اسکندر کو بھی وعدہ کے موافق روپیہ ادا کر دیا اور اس حجام مصطفےٰ نامی کو بُلا کر اپنے یہاں نوکر رکھا اور پھر ترقی دیکر اُس کو وزارت کے عہدۂ جلیلہ تک پہونچادیا۔ تعجب ہے کہ بایزید نے ابتدائی ایام میں تو اُس ترکی سردار کو قتل کرا دیا تھا جس نے جمشید کو راستے میں لوٹ لیا تھا مگر اب بارہ تیرہ سال کے بعد اُس نے اُس حجام کی ایسی قدر و عزت بڑھائی جس نے جمشید کو قتل کر کے اُس ترکی سردار سے زیادہ سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ سلاطین عثمانیہ کے سلسلہ میں شہزادہ جمشید کی دلخراش داستان کو اس لئے مناسب تفصیل کے ساتھ اس جگہ درج کر دیا گیا ہے کہ اس داستان سے اُس زمانے کے عیسائی پادشاہوں کی اخلاقی حالت پر ایک تیز روشنی پڑتی ہے اور صاف طور پر اُن عیسائی فرمانرواؤں کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح شہزادۂ جمشید پر انہوں نے قبضہ کیا اور کس طرح اُس سے فوائد حاصل کئے اور کس طرح اُس کے قابو میں رکھنے پر حریص تھے اور اپنے ان مادی اور نفسانی اغراض کے پورا کرنے میں کسی کو شرافت انسانیت اور اپنے شاہانہ مرتبہ کے وقار کی پرواہ نہ تھی۔ ان کے دل میں رحم کا مادہ بھی نہ تھا اور اُن پر سلطنت عثمانیہ کا اس قدر رعب طاری تھا اور وہ ایسے خائف و ترساں تھے کہ شہزادۂ جمشید کے ذریعہ سلطان عثمانی کو اپنے اوپر فوجکشی کرنے سے روکنے کی ذلت آمیز کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ شہزادۂ جمشید کی داستان کو یہاں ختم کر کے اب ہم کو سلطان بایزید ثانی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جو اپنے باپ سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ کے بعد تخت نشین ہوا۔

سلطان بایزید ثانی

سلطان بایزید ثانی کی تخت نشینی کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس سلطان نے سنہ ۸۸۶ھ میں تخت نشین ہو کر سنہ ۹۱۸ھ تک یعنی ۳۲ سال حکومت کی اس کو تخت نشین ہوتے ہی اپنے بھائی جمشید کا مقابلہ کرنا پڑا۔ دو مرتبہ جمشید سے لڑائی ہوئی اور دونوں مرتبہ بایزید کامیاب ہوا۔ لیکن یہ کامیابی سلطنت عثمانیہ کے لئے کچھ مفید ثابت نہیں ہوئی۔ جمشید کا عیسائیوں کی قید اور قبضہ میں چلا جانا باعث اس کا ہوا کہ بایزید ثانی کو ملک اٹلی اور روڈس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اُدھر مصر کی مملوکی سلطنت سے تعلقات کشیدہ ہو گئے شہزادہ جمشید چونکہ اول مصر ہی کی سلطنت میں پناہ گزین ہوا تھا اور جمشید کے متعلقین آخر تک مصر میں موجود تھے لہذا مملوکیوں نے ایشیائے کوچک کے جنوبی و مشرقی حصہ پر حملہ آوری کا سلسلہ جاری کر دیا اور سنہ ۸۹۰ھ میں بایزید کی فوج کو شکست فاش دے کر بعض سرحدی مقامات پر قبضہ کر لیا۔ آخر بایزید نے مملوکیوں سے متواتر شکستیں کھانے کے بعد صلح کی اور اس صلح میں بایزید کا دب جانا اس طرح ثابت ہوا کہ اُس نے وہ قلعے اور وہ شہر جن پر مملوکی قبضہ کر چکے تھے انہیں کے قبضے میں رہنے دیئے مگر یہ اقرار مملوکیوں سے ضرور لے لیا کہ اس نو مفتوحہ علاقے کی تمام آمدنی حرمین شریفین کی خدمت گذاری میں صرف کی جائیگی۔ سلطان بایزید کے پاس احمد قیدوق ایک نہایت قیمتی اور تجربہ کار سپہ سالار تھا اگر یزید چاہتا تو اس سے خوب کام لے سکتا تھا۔ مگر اُس نے اس جوہر قابل سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ احمد قیدوق فوج میں بہت ہر دلعزیز تھا اور بایزید ثانی کو اُس کی غلط کاریوں پر نصیحت بھی کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنی صاف بیانی اور فاش گفتاری میں کسی شاہی سطوت اور سلطانی رُعب کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا۔ حقیقتاً ایسا نصیحت گر جو محبت کی وجہ سے غلطیوں پر تنبیہ کرے بہت ہی غنیمت

ہوتا ہے لیکن بایزید زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ ۸۹۵ھ میں بایزید ثانی نے جان نثاری فوج کے بڑھتے ہوئے زور کو توڑنا چاہا اور اس فوج کے خلاف سخت احکام صادر کرنے پر آمادہ ہوا۔ فوج میں چونکہ پہلے ہی سے شورش برپا تھی احمد قیدوق نے بایزید کو برسر دربار سمجھایا کہ آپ اس زمانے میں جبکہ ہر طرف ہم کو فوج سے کام لینے کی ضرورت ہے فوج کو بددل اور افسردہ خاطر نہ کریں۔ اس کام کو کسی دوسرے وقت پر ملتوی رکھیں ورنہ پھر اندیشہ ہے کہ مشکلات پر قابو پانا دشوار ہوگا اور اپنی سلطنت کا بچانا آپ کے لئے آسان نہ رہے گا۔ بظاہر بایزید نے احمد قیدوق کی بات کو مان لیا مگر اس کو احمد قیدوق کا اس طرح دخل در معقولات ہونا سخت گراں گذرا۔ اس نے چند روز کے بعد احمد قیدوق کے قتل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ احمد قیدوق کو اسی لئے گرفتار کر لیا گیا۔ فوج نے اپنے ہر دلعزیز سردار کے قتل کی خبر سن کر ایوان سلطانی کا محاصرہ کر لیا اور سلطان کو دھمکی دی کہ اگر ہمارے سردار احمد قیدوق کو قتل کر دیا گیا ہے تو ہم اس کے معاوضے میں سلطان بایزید کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ بایزید نے مجبور ہو کر احمد قیدوق کو جو ابھی تک قتل نہیں کیا گیا تھا جان نثاری فوج کے سپرد کر دیا اور بظاہر اس کی عزت و تکریم بھی کی مگر چند ہی روز کے بعد تمام جان نثاری فوج کو کسی مہم کے بہانے سے دور و دراز کے سرحدی مقام پر بھیجکر اور دار السلطنت کو فوج سے خالی پا کر احمد قیدوق کو قتل کر دیا۔ اس سردار کا قتل ہونا سلطنت عثمانیہ کے لئے نہایت مضر ثابت ہوا۔ ۸۹۶ھ میں سلطنت عثمانیہ اور سلطنت روس کے درمیان تعلقات قائم ہوئے یعنی زار ماسکو نے اپنا سفیر مناسب تحف و ہدایا کے ساتھ سلطان کی خدمت میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا۔ اس سفیر کے ساتھ دربار قسطنطنیہ میں معمولی برتاؤ ہوا اور وہ چند روز رہ کر ماسکو کی جانب رخصت ہوا۔ سلطان بایزید کے عہد حکومت میں سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت میں بہت ترقی ہوئی۔ سلطان کی توجہ بحری طاقت کے بڑھانے کی طرف اس لئے زیادہ منعطف ہوئی کہ اس کو شہزادہ جمشید کی وجہ سے اندیشہ تھا روڈس واٹلی و فرانس کی حکومتیں ملکر بحری حملہ کی تیاری پر آمادہ ہونگی۔ ایک طرف اس نے ان سلطنتوں اور دوسری عیسائی حکومتوں سے صلح قائم رکھی اور دوسری طرف ان کے حملہ سے محفوظ رہنے کی تدابیر سے بھی غافل نہیں رہا اور اپنی بحری طاقت کو بڑھانے میں مصروف رہا۔ جس زمانے میں جمشید عیسائیوں کے قبضے میں پہنچ چکا تھا اندلس کے مسلمانوں یعنی شاہ غرناطہ نے سلطان بایزید سے امداد طلب کی کہ بحری فوج اور جنگی بیڑہ سے ہماری مدد کی جائے۔ بایزید اندلسی مسلمانوں کی درخواست پر ان کو بہت بڑی مدد دے سکتا تھا لیکن وہ محض اس وجہ سے کہ کہیں پوپ اور دوسرے عیسائی سلاطین جمشید کو آزاد کر کے میرے مقابلے پر کھڑا نہ کر دیں متامل رہا اور جیسی کہ چاہیئے تھی ویسی مدد اندلس والوں کی نہ کر سکا۔ بایزید کی یہ کوتاہی ضرور قابل شکایت اور موجب افسوس ہے تاہم ہم کو یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ اس نے ایک معمولی سا بیڑہ جس میں چند جنگی جہاز شامل تھے اپنے امیر البحر کمال نامی کی قیادت میں اسپین کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس بیڑہ نے ساحل اسپین پر پہنچکر عیسائیوں کو تھوڑا سا نقصان پہنچایا مگر کوئی ایسا کارنمایاں انجام نہ دے سکا جس سے اسپین کے مسلمانوں کو کوئی قابل تذکرہ امداد پہنچتی۔ جب جمشید کا کام تمام ہو گیا اور بایزید کو اس کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو اس نے ان جزیروں اور ان ساحلی مقاموں پر جو یونان واٹلی کے درمیان ریاست وینس کے تصرف میں تھے قبضہ کرنے کی کوشش کی اور وینس کے ساتھ بحری لڑائیوں کا سلسلہ جاری

ہوا ۹۰۵ھ میں وینس کی بحری طاقت کو ترکی بیڑہ نے شکست فاش دی اور تمام جزیرے اس کے قبضے
سے چھین لئے ۹۰۶ھ میں وینس پوپ رونا۔ اسپین اور فرانس کے متحدہ بیڑہ سے عثمانیہ بیڑہ
مقابلہ ہوا۔ ان مذکورہ عیسائی طاقتوں نے عثمانیہ بحری طاقت کی ترقی دیکھکر آپس میں اتفاق کرکے
یہ فیصلہ کیا کہ بحر روم سے ترکی اثر کو بالکل فنا کر دینا چاہیئے۔ ترکی بیڑہ کا افسر یعنی امیر البحر کمال تھا جو سلط
بایزید کا غلام تھا۔ اس بحری لڑائی میں کمال نے وہ کمال دکھایا کہ متحدہ عیسائی بیڑے کو شکست فاش
دی بہت سے جہازوں کو غرق بعض کو گرفتار کیا اور باقی فرار ہونے پر مجبور ہوئے۔ اس بحری معرکہ کے
بعد کمال کی بہت شہرت ہوگئی اور بحر روم میں ترکی بیڑے کی دھاک بیٹھ گئی۔ مگر افسوس ہے کہ ترکی
بیڑہ کی فتح نمایاں سے چند سال پہلے یعنی ۸۹۷ھ میں اندلس سے اسلامی حکومت کا نام و نشان مٹ
چکا تھا بایزید ثانی کی ہنگری اور پولنڈ والوں سے بھی متعدد لڑائیاں ہوئیں مگر وہ کچھ زیادہ مشہور او
قابل تذکرہ نہیں ہیں نتیجہ ان لڑائیوں کا یہ ہوا کہ پولنڈ والوں نے سلطان سے صلح کرلی اور پولنڈ کے
بعض شہروں پر جو سرحد پر واقعہ تھے ترکوں نے قبضہ کرلیا۔ چونکہ سلطان بایزید ثانی صلح کی جانب
زیادہ مائل تھا لہذا سلطنت عثمانیہ کی وسعت اور شوکت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکا۔ سلطان محمد خان
فاتح کے زمانے میں اس قدر دھاک عیسائیوں کے دل پر بیٹھ گئی تھی کہ انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے
اس صلح پسند طرز عمل کو بہت غنیمت سمجھا اور خود حملہ آوری کی جرأت نہ کرسکے سلطان بایزید ثانی کی ہم
زیادہ مذمت بھی نہیں کرسکتے کیونکہ اُس کے عہد حکومت میں بحری طاقت سلطنت عثمانیہ کی بہت
بڑھ گئی تھی اور بعض جزیرے اور ساحلی مقامات ترکوں کے قبضے میں آگئے تھے جنہوں نے اس کم
کی تلافی کردی جو بری معرکہ آرائیوں کے کم اور بلا نتیجہ ہونے کے سبب ظاہر ہوئی۔ سلطان بایزید
ثانی نے کوئی ایسا عظیم الشان کام بھی نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ خاص طور پر مدح و ستائش
کا حقدار سمجھا جائے۔ اُس کی نسبت مشہور ہے کہ صلح جو اور نیک طینت شخص تھا۔ لیکن عام طو
پر کند ذہن اور سست مزاج لوگوں کی نسبت ایسا ہی مشہور ہوجایا کرتا ہے جس سال سلطان با
ثانی تخت نشین ہوا ہے اُسی سال مولانا عبدالرحمن جامی نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب کو تصنیف
کرکے سلطان بایزید کے نام پر معنون کیا۔ مولانا جامی اسی بادشاہ کے زمانے میں ۱۸ محرم ۸۹۸ھ
کو فوت ہوکر ہرات میں مدفون ہوئے۔ اسی سال کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا حالانکہ اس سے
پہلے مسلمانان اندلس امریکہ کو دریافت کرچکے تھے مگر یہ شہرت کولمبس ہی کے حصے کی تھی۔ بایزید
ثانی کے زمانے میں ۹۰۲ھ میں پرتگال کے بادشاہ عمانویل نے اپنے دار السلطنت لسبن سے
واسکوڈی گاما کو تین جہاز دیکر ہندوستان کے تلاش کرنے کے لئے روانہ کیا وہ ۲۰ رمضان
۹۰۳ھ کو ملابار کے بندرگاہ قندرینہ علاقہ کالیکٹ میں پہنچکر لنگر انداز ہوا۔ اسی سلطان کے
عہد حکومت یعنی ۹۰۶ھ میں اسمعیل صفوی بانی خاندان صفویہ چودہ سال کی عمر میں ایران کے
تخت پر بیٹھا مذہب ناحق اس کی تاریخ جلوس ہے۔ سلطان بایزید خان ثانی کا ہمعصر ہندوستان
میں سلطان سکندر لودی تھا مگر سلطان سکندر لودی بایزید ثانی سے تین سال پیشتر ۹۱۵ھ
میں فوت ہوگیا تھا۔ ۲۹ شعبان ۹۱۶ھ کو شیبانی خان بادشاہ ترکستان اسمعیل صفوی بادشاہ
ایران کے مقابلہ میں مارا گیا اور اس سے ایک ماہ بعد سلطان محمود بیگڑہ بادشاہ گجرات احمد آباد میں فو

ہوا۔ سلطان بایزید خان ثانی کا ۳۲ سالہ عہد حکومت چونکہ اہم اور دلچسپ واقعات سے خالی تھا لہٰذا دوسرے ملکوں کے واقعات جو اُس کے زمانے میں ہوئے قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں سلطان بایزید ثانی کے عہد کا ایک اور واقعہ بھی قابل تذکرہ ہے جس سے اس زمانے کے عیسائیوں کی سنگدلی و نامردی پر تیز روشنی پڑتی ہے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہنگری کے ساتھ بھی سلطان بایزید کی فوجوں کی معرکہ آرائی ہوئی تھی ان لڑائیوں کے سلسلہ میں ایک مرتبہ سلطان بایزید ثانی کا ایک سپہ سالار مسمی غازی مصطفٰے اور اُس کا حقیقی بھائی ہنگری فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا ہنگری کے سرداروں نے ان بہادر سرداروں کے ساتھ یہ شریفانہ سلوک کیا کہ غازی مصطفٰے کے بھائی کو لوہے کی سیخ سے چھید کر دو انجالیکہ وہ زندہ تھا نرم آنچ پر رکھ کر کباب کی طرح بھنوایا۔ سب سے بڑھ کر قابل تعریف بات یہ تھی کہ غازی مصطفٰے کو سیخ کے پھیرتے رہنے اور اپنے بھائی کو خود اپنے ہاتھ سے کباب بنانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس کے بعد غازی مصطفٰے کے تمام دانت توڑ کر اور انواع و اقسام کی اذیتیں پہونچا کر اور فدیہ لیکر چھوڑا۔ چند برس بعد وہی ہنگری سردار جس نے یہ ظلم و ستم روا رکھا تھا غازی مصطفٰے کے قبضے میں آ گیا۔ تو غازی مصطفٰے نے اُس کو قتل کر دیا مگر اور کسی قسم کا عذاب نہیں پہنچایا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں کی قساوت قلبی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی اور ترکوں میں کس قدر شرافت اور پابندی مذہب موجود تھی۔ سلطان بایزید ثانی کے آخر عہد حکومت میں کچھ اندرونی بدنظمی اور پیچیدگی پیدا ہوئی یہ پیچیدگی ولی عہدی کے مسئلہ کی وجہ سے تھی جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سلطان بایزید ثانی کے آٹھ بیٹے تھے جن میں سے پانچ تو چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے تین بیٹے جوان ہوئے جن کے نام احمد۔ قرقود اور سلیم تھے۔ ان میں قرقود سب سے بڑا اور سلیم سب سے چھوٹا تھا۔ سلطان بایزید منجھلے بیٹے احمد کی جانب زیادہ مائل تھا اور اُسی کو اپنا ولیعہد بنانا چاہتا تھا۔ احمد اور قرقود دونوں اُن کے بیٹے ایشیائے کوچک میں عامل و فرمانروا تھے۔ علاقہ طرابزون کی حکومت سلیم سے تعلق رکھتی تھی سلیم اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ بہادر و جفاکش اور سلیم الفطرت تھا۔ اُس کی بہادری و جفاکشی کے سبب تمام فوج اور فوجی سردار سلیم کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران نے ایران پر قابض و متسلط ہو کر شیعوں کے گروہ ایشیائے کوچک یعنی عثمانیہ سلطنت میں پھیلا دیئے تھے کہ وہ لوگوں کو شیعیت کی ترغیب دیکر شاہ ایران کا ہمدرد و معاون بنائیں۔ اس تدبیر کا اثر خاطر خواہ ظہور پذیر ہوا اور ایشیائے کوچک میں واقعہ پسند لوگ شاہ ایران کی شہ پاکر قزاقی و غارتگری پر مستعد ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس بدامنی و غارتگری کے فرو کرنے کے لئے قرقود احمد نے جو ایشیائے کوچک کے غالب حصوں پر حکمران تھے فوجیں استعمال کیں اور غارت گر گروہوں سے بار بار لڑائیاں ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ان قزاقوں اور باغیوں نے سلطان عثمانی کی غفلت اور شہزادوں کی سستی و غلط روی سے فائدہ اُٹھایا اور ان باغیوں کی ٹولیاں شاہ قلی نام ایک شخص کی قیادت میں مجتمع و منتظم ہو کر ایک زبردست فوج کی شکل میں تبدیل ہو گئیں۔ شاہ قلی ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کا مرید و ہواخواہ تھا اُس نے سلطنت عثمانیہ کو مشکلات میں مبتلا کرنے کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں کی بالآخر جب قسطنطنیہ میں ایشیائے کوچک کی بدامنی کے حالات مشہور ہوئے تو سلطان بایزید اس امر پر مجبور ہوا کہ اپنے وزیر اعظم کو فوج دیکر مقابلہ پر بھیجے چنانچہ وزیر اعظم نے پہنچ کر مقام سرمشک پر شاہ قلی سے جس کو ترک شیطان قلی کہتے تھے کا مقابلہ کیا۔ سخت خونریز جنگ ہوئی۔ اور لڑائی میں سلطانی

وزیر اعظم اور شاہ قلی دونوں مارے گئے یہ واقعہ ۹۱۷ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس بغاوت اور بدامنی کا اثر انہی علاقے میں زیادہ تھا جو قرقود اور احمد کے زیر حکومت تھا۔ سلیم جس صوبے کا حاکم تھا اُس صوبہ یعنی طرابزون کے علاقے میں باغیوں کو بدامنی پھیلانے کا کوئی موقع نہیں ملا جو دلیل اس بات کی تھی کہ سلیم بہت مستعد اور مآل اندیش تھا۔ سلیم نے اپنے علاقے میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے زاید فوج بھرتی کر لی تھی اور جب باغیوں کی طرف سے اس کو اطمینان حاصل ہوا تو اُس نے اس فوج کو لیکر سرکیشیا کے علاقے پر حملہ کیا اور فتوحات حاصل کیں یہ خبر سُن کر بایزید ثانی نے قسطنطنیہ سے امتناعی حکم جاری کیا کہ تم غیر علاقے پر حملہ آور ہو کر اپنے دائرۂ حکومت کو وسعت نہ دو۔ سلیم نے لکھا کہ اگر مجھ کو اسطرف فتوحات حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے تو یہاں سے تبدیل کر کے کسی یورپی صوبہ کی حکومت پر نامزد فرما دیجئے تاکہ اُس طرف عیسائیوں پر جہاد کرنے کا موقع ملے۔ میں خاموش بیٹھنا اور میدان جنگ سے جدا رہنا پسند نہیں کرتا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ سلطان بایزید ثانی احمد کو اپنی جانشینی اور قایم مقامی پر نامزد کرنے اور ولیعہد بنانے کا ارادہ کر چکا تھا سلطان کے اس ارادے سے مطلع ہوکر جان نثاری فوج اور دوسرے فوجی افسروں نے مخالفت کا اظہار کیا ان میں سے بعض تو قرقود کو اس لئے ترجیح دیتے تھے کہ وہ بڑا بیٹا ہے اور بعض سلیم کو اس لئے ولیعہدی کا مستحق جانتے تھے کہ وہ بہادر اور مآل اندیش ہے۔ اس کشمکش سے احمد اور قرقود کو اطلاع ہوئی تو وہ بجائے خود اس فکر میں مبتلا ہوئے کہ کس طرح تخت حکومت حاصل کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تینوں بھائی الگ اپنی طاقتوں کے بڑھانے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ سلطان بایزید ثانی نے اراکین سلطنت اور خود سلیم کی خواہش کے موافق سلیم کو ایک یورپی صوبے موسومۂ سمندرا پر نامزد کر دیا۔ سلطان بایزید کے بیٹے چونکہ آپس میں مصروف مسابقت ہو چکے تھے لہٰذا سلیم نے بھی اپنے بھائیوں کے خلاف سلطنت کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی ضروری سمجھی اور وہ اراکین سلطنت اور فوجی سرداروں کے ایما پر یورپ میں داخل ہوکر ایڈریانوپل پر قابض ہو گیا۔ سلیم کے ایڈریانوپل آنے کی خبر سُن کر بایزید مقابلہ کے لئے روانہ ہوا جب سلطان بایزید مقابلہ پر پہنچ گیا تو سلیم کی ہمراہی فوج کے بہت سے آدمی اُس کا ساتھ چھوڑ کر سلطانی فوج میں شامل ہو گئے بایزید کی فوج نے سلیم کو شکست دی اور وہ بمشکل اپنی جان بچا کر اور ساحل سمندر پر پہنچکر بذریعہ جہاز اپنے خسر خان کریمیا کے پاس چلا گیا اور وہاں تاتاریوں اور ترکوں کی فوجیں فراہم کرنی شروع کیں ادھر ایشیائے کوچک میں احمد نے فوجیں فراہم کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور بایزید کو تخت سلطنت سے اُتار دینے کی تیاری کر لی تھی۔ سلطان بایزید اپنے چھوٹے بیٹے سلیم کو ایڈریانوپل سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ احمد حملہ آور ہونے والا ہے یہ حالت دیکھ کر بایزید بہت گھبرایا اور اراکین سلطنت میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں کہ سلطان واقعی اس قابل نہیں رہا کہ تخت حکومت پر قائم رہے۔ اراکین سلطنت کے مشورے سے یا خود ہی بایزید نے سلیم کے پاس پیغام بھیجا کہ تم اپنی فوج لیکر قسطنطنیہ چلے آؤ اور احمد کے حملے کو روکنے میں سلطانی فوج کے شریک ہو جاؤ۔ سلیم اس حکم کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا اور تین چار ہزار آدمی ہمراہ لیکر نہایت سخت مقامات ودروں کو طے کرتا ہوا بحیرۂ اسود کے کنارے کنارے چل کر ایڈریانوپل اور وہاں سے قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ سلیم کے اس طرح پہنچنے کی خبر سُن کر بایزید نے اس کے پاس حکم بھیجا کہ اب تمہاری

ضرورت نہیں ہے تم کو چاہیئے کہ جہاں تک پہنچ چکے ہوں وہیں سے واپس ہوکر صوبہ سمندرا کی طرف چلے جاؤ جس پر تم نامزد کیئے گئے ہو۔ ادھر سے ارکین سلطنت اور فوجی افسروں کے پیغام پہنچے کہ اب آپ ہرگز واپس نہ ہوں بلکہ سیدھے قسطنطنیہ چلے آئیں۔ اس سے بہتر موقع پھر کبھی آپ کے ہاتھ نہ آئیگا چنانچہ سلیم قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ سلیم کے قسطنطنیہ پہنچتے ہی تمام رعایا۔ ارکین سلطنت اور سپہ سالاران افواج نے اس کا استقبال کیا اور قصر سلطانی کے دروازے پر پہنچکر سب نے بایزید ثانی کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ دربار عام میں ہماری درخواست سُن لیں۔ چنانچہ بایزید ثانی نے تخت پر بیٹھ کر دربار عام منعقد کیا۔ ارکین سلطنت۔ علماء وفقہا۔ رعایا کے وکلاء۔ فوج کے سردار سب نے مل کر عرض کیا کہ ہمارا سلطان اب بوڑھا ضعیف اور ناتوان ہوگیا ہے ہم سب کی خواہش یہ ہے کہ سلطان اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت سلطنت کو چھوڑ دے۔ بایزید نے اس درخواست کو سنتے ہی بلا تامل فرمایا کہ میں نے تم سب کی خواہش کو منظور کر لیا اور میں سلیم کے حق میں تخت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر تخت سے اُتر آیا سلیم نے فوراً آگے بڑھ کر باپ کے شانہ کو بوسہ دیا۔ بایزید نے اُس کو بہت سی نصیحتیں کیں اور پالکی میں سوار ہوکر چلا سلیم پالکی کا پایہ پکڑے ہوئے ساتھ ساتھ چلا۔ بایزید اپنی خواہش کی موافق شہر ڈیموٹیکا میں رہنے اور قیام کرنے کے ارادے سے قسطنطنیہ کو چھوڑ کر چلا کہ بقیہ ایام زندگی اسی شہر میں عبادت و خاموشی کی حالت میں گذار دے۔ سلیم شہر کے دروازے تک بطریق مشایعت پیدل آیا اور باپ سے رُخصت ہوکر واپس ہوا اور تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ بایزید ابھی شہر ڈیموٹیکا تک نہ پہنچا تھا کہ راستے ہی میں فوت ہوگیا۔ سلطان بایزید نے اپنی وفات کے وقت تین بیٹے اور نو پوتے چھوڑے ان پوتوں میں سلیم کا اکلوتا بیٹا سلیمان بھی شامل تھا۔ بایزید نے ۲۵ اپریل ۱۵۱۲ء مطابق ۹۱۸ھ میں تخت سلطنت کو چھوڑا اور ۲۹ اپریل ۱۵۱۲ء کو فوت ہوا سلطان سلیم ابن بایزید ثانی نے قسطنطنیہ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

سلطان سلیم عثمانی | سلطان سلیم جب قسطنطنیہ میں فوج اور رعایا کی خوشی اور رضامندی سے تخت نشین ہوا تو اُس کے دونوں بھائیوں کو جو ایشیائے کوچک میں برسر حکومت تھے مخالفت کی جرأت نہ ہوئی اور انہوں نے بظاہر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور سلیم کی اطاعت کا اقرار کیا مگر درپردہ مخالفت اور مقابلہ کی تیاری مصروف رہے۔ سلیم بھی ایسا بیوقوف نہ تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کے عزائم اور خیالات سے بے خبر رہتا مگر اُس نے خود اُن کے خلاف کوئی جنگی کاروائی ابتداءً نہیں کی یہاں تک کہ احمد نے اماسیہ میں فوجیں فراہم کیں اور رعایا پر بڑے بڑے محصول لگا کر خزانہ فراہم کیا ادھر اُس کے بیٹے علاؤ الدین نے بروصہ میں باپ کے ایما پر اسی قسم کی تیاریاں کر کے خود مختاری کا اعلان کیا۔ سلطان سلیم نے یہ خبریں سُن کر ضروری سمجھا کہ خود ایشیائے کوچک میں جا کر اس بغاوت و سرکشی کا علاج کرے چنانچہ وہ خود فوج لیکر ایشیائے کوچک میں آبنائے باسفورس کو عبور کر کے داخل ہوا اور بعض جنگی جہاز سمندر کے کنارے کنارے روانہ کیئے۔ بروصہ کے قریب علاؤ الدین کو مغلوب و گرفتار کر کے بروصہ پر قبضہ اور علاؤ الدین اور اُس کے بھائی کو قتل کیا۔ یہاں اور بھی شہزادے یعنی سلطان سلیم کے بھتیجے موجود تھے وہ بھی گرفتار ہوکر مقتول ہوئے یہ خبر سنتے ہی احمد فوج لیکر مقابلہ پہ آیا اس لڑائی میں احمد سلیم سے شکست کھا کر فرار ہوا۔ احمد نے اس شکست کے بعد اپنے دو بیٹوں کو ایران کے بادشاہ اسمعیل

صفوی کے پاس بھیجدیا کہ وہاں حفاظت سے رہ سکیں گے اور خود ایشیائے کوچک میں اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا پھرا۔ احمد اور اُس کے بیٹے کا یہ انجام دیکھ کر بڑا بھائی قرقود بھی جو ایشیائے کوچک کے شمالی و مشرقی حصے پر حکمران تھا چوکس ہو گیا۔ سلطان سلیم نے تامل و تساہل کو ضروری نہ سمجھ کر دس ہزار سواروں کے ساتھ اچانک قرقود کے علاقے پر حملہ کیا قرقود معمولی مقابلے کے بعد گرفتار ہو گیا سلطان سلیم نے اس تخت سلطنت کے دعویدار کو زندہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر قتل کرا دیا لیکن اس کو اپنے بھائی کے اس طرح مقتول ہونے کا سخت صدمہ ہوا کئی روز تک سوگوار رہا اور کھانا پینا ترک رکھا عثمانی خاندان کے شہزادوں کا اس طرح قتل ہونا عام طور پر لوگوں کے جذباتِ ہمدردی کو بھڑکا سکتا تھا اسی لئے اس عرصہ میں احمد نے ایک جمعیتِ کثیر فراہم کر لینے میں کامیابی حاصل کی اور سلیم کے مقابلہ پر صف آرا ہو کر کئی مرتبہ اُس کی فوج کو شکست بھی دی لیکن سلیم اپنے بھائیوں کی طرح جلد ہمت ہارنے اور استقلال کا دامن چھوڑنے والا نہ تھا۔ اُس نے ایک طرف فوج کی بھرتی جاری کر دی اور دوسری طرف اپنے فوجی نظام کو مضبوط کرنے اور فتح حاصل کرنے کی تدابیر کو کام میں لانے کے لئے مصروف عمل رہا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ احمد کو بھی مغلوب ہو کر گرفتار ہونا پڑا۔ یہ آخری لڑائی جس میں احمد ہزیمت پا کر گرفتار ہوا سلیم کی تخت نشینی سے پورے ایک سال بعد یعنی ۲۴ را پریل ۱۵۱۳ء مطابق ۹۱۹ھ کو ہوئی۔ احمد بھی گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔

سلطان سلیم کے عادات و اطوار اور طرزِ عمل سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی کہ وہ اپنے باپ سے زیادہ بہادر اور اپنے دادا کی طرح اولوالعزم اور بہادر شخص ہے۔ عیسائی سلاطین بجائے خود خائف و ترساں تھے کہ دیکھئے یہ نیا سلطان ہمارے سر پر کیسی مصیبت لائے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ سلطان سلیم عیسائیوں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اپنے ہم قوم مسلمانوں کی طرف زیادہ مصروف و متوجہ رہنا چاہتا ہے تو انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ صلح کے عہد ناموں پر عملدر آمد جاری رکھا اور سلطان کی مغربی حدود سلطنت پر کسی قسم کی کشمکش پیدا نہ ہوئی۔ سلطان سلیم کو اپنے بھائیوں سے فارغ ہوتے ہی ایران کی شیعہ سلطنت اور ایشیائے کوچک کے شیعوں سے اُلجھنا پڑا اور حقیقت یہ ہے سلطان سلیم اگر شیعوں کے خلاف مستعدی کا اظہار نہ کرتا تو سلطنت عثمانیہ کے درہم برہم ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایران کا پادشاہ اسمٰعیل صفوی شیعہ مذہب رکھتا تھا اور اس کو اہل سُنت والجماعت سے سخت نفرت تھی۔ ایران جب سے مجوسیوں کی حکومت سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آیا تھا اُسی وقت سے اس ملک میں شیعیت کے تخم کو جڑ پکڑنے کا موقع مل گیا تھا اور شیعوں کو بار بار ایرانیوں سے فائدہ اُٹھانے اور کام لینے کا موقع ملتا رہا تھا جیسا کہ اس تاریخ کے گذشتہ ابواب میں بار بار ذکر آچکا ہے۔ اسمٰعیل صفوی اپنے آپ کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی اولاد میں بتاتا تھا اس لئے ایرانی رعایا اور بھی زیادہ اُس کی گرویدہ ہو گئی تھی شام اور ایشیائے کوچک میں بھی شیعہ سنی کے ہنگامے کم نہیں ہو چکے تھے ان ملکوں میں شیعہ مذہب کو قبول کرنے کا کچھ نہ کچھ مادہ موجود تھا۔ نیز بہت سے شیعہ ان ملکوں میں سکونت پذیر تھے۔ اسمٰعیل صفوی کی نانی ایک عیسائی عورت اور طرابزون کے عیسائی پادشاہ کی بیٹی اور حسن طویل کی بیوی تھی لہٰذا اسمٰعیل صفوی کی خواہش تھی کہ طرابزون میرے قبضے میں آئے حالانکہ وہ عرصہ سے سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ تھا اسمٰعیل صفوی کو چونکہ اسی شیعہ عصبیت کے ذریعہ سلطنت تک پہنچنے کا موقعہ ملا تھا اور اُس کو معلوم تھا کہ کس طرح شیعوں نے خلافت بغداد کو مغلوں کے

ہاتھ سے برباد کرایا۔ لہٰذا اسمٰعیل صفوی جیسے اولوالعزم اور زبردست بادشاہ کا سلطنت عثمانیہ کو نفرت و عداوت کی نظر سے دیکھنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی اُس نے ایران کا تخت حاصل کرنے کے بعد بایزید ثانی کے عہد حکومت میں ایشیائے کوچک کے اندر بدامنی پھیلانے اور شیعہ مذہب کی تلقین کر کے لوگوں کو خفیہ طور پر اپنی طرف مائل کرنے میں کوتاہی نہیں کی ان کارروائیوں کا پُورا پُورا سدِباب بایزید ثانی کی حکومت نے نہیں کیا اور اُس کے دونوں بیٹوں نے جو ایشیائے کوچک میں بطور عامل حکمران تھے اس خفیہ اشاعتی کام کا مطلق احساس نہیں کیا۔ مگر سلیم جو طرابزون کا حاکم تھا اسمٰعیل صفوی کی ریشہ دوانیوں کو خوب محسوس کر چکا تھا اور اسی لئے اُس نے اپنے ماتحت صوبے میں اسمٰعیل صفوی کی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا اسمٰعیل صفوی سلطان بایزید ثانی ہی کے عہد حکومت میں بعض سرحدی علاقوں پر قبضہ کر چکا تھا اور عثمانیہ سلطنت کے عمال جب ان علاقوں کو واپس نہ لے سکے تو بایزید ثانی نے کچھ زیادہ التفات اس طرف نہیں کیا۔ جب سلطان سلیم اپنے بھائیوں اور بھتیجوں سے ایشیائے کوچک میں برسرِ پیکار تھا تو شاہ اسمٰعیل صفوی اس خانہ جنگی کو بڑے اطمینان سے دیکھ رہا تھا اور اُس نے شہزادہ احمد برادر سلطان سلیم کو سلیم کے خلاف اپنے اُن داعیوں کے ذریعہ جو ایشیائے کوچک میں کام کر رہے تھے خوب امداد پہنچائی تھی اسی لئے احمد اس قابل ہو گیا تھا کہ اس نے سلطان سلیم کی فوج کو شکست بھی دیدی تھی۔ اب سلطان سلیم نے دیکھا کہ اسمٰعیل صفوی کے پاس شہزادہ احمد کا بیٹا مراد یعنی سلیم کا بھتیجا موجود ہے اور اسمٰعیل اس کوشش میں مصروف ہے کہ مراد کو اپنی زبردست فوج دیکر ایشیائے کوچک پر حملہ کرائے اور خود اُس کا شریک ہو کر اُس کو قسطنطنیہ کے تخت پر بٹھائے تو وہ اس خطرہ سے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسری طرف اُس نے دیکھا کہ ایشیائے کوچک کے قصبوں شہروں اور گاؤں میں بڑے زور شور سے شیعہ سنی مذہب کے جھگڑے برپا ہیں جو اسمٰعیل صفوی کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ سلطان سلیم نے بھائیوں کے قتل سے فارغ ہو کر اور قسطنطنیہ واپس آکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایشیائے کوچک میں ایک زبردست محکمہ خفیہ پولیس کا قائم کیا اور حکم دیا کہ اُن لوگوں کی ایک نہایت صحیح اور مکمل فہرست تیار کی جائے جو اسمٰعیل صفوی کے منادوں کی تعلیم سے اپنے پرانے عقیدہ کو ترک کر کے شیعہ مذہب اختیار کر چکے ہیں اور ساتھ ہی اسمٰعیل صفوی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے اور اُس پر نثار ہونے کے لئے تیار رہیں۔ یہ فہرست بہت جلد تیار ہو کر سلطان کی خدمت میں پیش ہوئی تو معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں ستر ہزار آدمی ایسے موجود ہیں جو اسمٰعیل صفوی کے حملہ آور ہوتے ہی بلا توقف مسلح ہو کر بغاوت پر آمادہ اور سلطان عثمانی کے خلاف شمشیر زنی میں مطلق کوتاہی نہ کرینگے جب اس عظیم الشان سازش اور اس کے خطرناک نتائج پر سلیم نے نظر ڈالی تو اُس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی مگر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور مطلق اظہار بیتابی نہ کیا بلکہ نہایت احتیاط اور انتظام کے ساتھ تمام اُن مرکزی مقاموں پر جہاں جہاں اِن غداروں اور باغی لوگوں کی کثرت تھی باغیوں کی تعداد کے مساوی فوج بھیجدی اور ہر جگہ کی فوج کے افسروں کو وہاں کے غداروں کی فہرست دیکر حکم دیا کہ فلاں تاریخ کو ہر ایک باغی کے لئے ایک ایک سپاہی کو نامزد کر دو اور سمجھا دو کہ تاریخ و وقت مقررہ پر اس شخص کو قتل کر دینا تمہارا فرض ہے۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی سخت تاکید کی کہ قبل از وقت یہ راز افشا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس حکم کی پوری

احتیاط کے ساتھ تعمیل ہوئی اور ایک ہی تاریخ اور ایک ہی وقت مقررہ پر ایشیائے کوچک کے طول وعرض میں چالیس پچاس ہزار کے قریب باغی اس طرح قتل ہوئے کہ کسی عثمانی سپاہی کو کوئی چشم زخم نہیں پہنچا۔ تمام شیعہ غداروں کا بیک وقت اس طرح ہلاک ہونا شیعوں کے لئے بڑا ہیبت ناک واقعہ تھا۔ جو لوگ باقی رہ گئے ہوں گے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور وہ مرعوب وخائف ہو کر اپنے فاسد خیالات سے خود بخود ہی تائب ہو گئے۔ اسمٰعیل صفوی کی سازش کو اس طرح ناکام بنانا سلطان سلیم کی بڑی عظیم الشان فتح تھی لیکن اسمٰعیل صفوی اس خبر کو سُن کر بہت ہی پیچ وتاب میں آیا مگر صاف لفظوں میں کوئی شکایت نہ کر سکا آخر وہ ضبط نہ کر سکا اور اُس نے فوجوں کی فراہمی اور سامان جنگ کی درستی کا حکم عام جاری کر کے اعلان کیا کہ ہم ایشیائے کوچک پر اس لئے حملہ آور ہونے والے ہیں کہ شہزادہ مراد بن احمد عثمانی کو اُس کا آبائی تخت دلائیں اور سلیم عثمانی کو گرفتار کر کے معزول کر دیں۔ یہ خبر سُن کر سلیم عثمانی نے دربارِ عام میں اپنے اراکین سلطنت اور فوجی سرداروں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم ملک ایران پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اُس زمانے میں اسمٰعیل صفوی کی طاقت وہیبت کے افسانے اس قدر مشہور ہو چکے تھے اور خود ترکی فوج بھی اُس سے شکست پائے ہوئی تھی نیز ترکستان کے بادشاہ شیبانی خان کو اسمٰعیل صفوی قتل کر چکا تھا لہٰذا حاضرین دربار اسمٰعیل صفوی پر چڑھائی کرنے کو بہت ہی خطرناک اقدام تصور کرتے تھے چنانچہ سب کے سب خاموش اور دم بخود رہے۔ سلطان نے تین مرتبہ یہی لفظ کہے اور ہر مرتبہ خموشی کے سوا کوئی لفظ کسی سے نہ سُنا آخر اس خموشی کو عبداللہ نامی ایک دربان نے جو سامنے اپنی خدمت پر مامور وموجود تھا اس طرح قطع کیا کہ وہ آگے بڑھا اور سلطان کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر مودبانہ عرض کیا کہ میں اور میرے ساتھی سلطانی جھنڈے کے نیچے ایران کے بادشاہ سے لڑیں گے اور خوب داد شجاعت دیکر ایرانیوں کو شکست فاش دیں گے یا میدان میں مارے جائیں گے۔ سلطان عبداللہ کے اس کلام کو سُن کر بہت خوش ہوا اور اُسی وقت اُس کو دربانی کے عہدے سے ترقی دیکر ایک ضلع کا کلکٹر بنا دیا۔ اس کے بعد دوسرے سرداروں کو بھی جرأت ہوئی اور انہوں نے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی اور سلطان سلیم عثمانی کی لڑائی کا حال لکھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل صفوی اور اس کے بادشاہت تک پہنچنے کا حال بیان کر دیا جائے۔

اسمٰعیل صفوی کا حال: اسمٰعیل صفوی کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے اسمٰعیل بن حیدر بن جنید بن ابراہیم بن خواجہ علی بن صدر الدین بن شیخ صفی الدین بن جبرئیل۔ اس خاندان میں سب سے پہلے جس شخص نے شہرت وناموری حاصل کی وہ شیخ صفی الدین تھے جو اردبیل میں سکونت پذیر اور پیری مریدی کرتے تھے اُنہیں کے نام سے اس خاندان کا نام صفوی خاندان مشہور ہوا۔ جب شیخ صفی الدین کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے صدر الدین نے باپ کا خرقہ سنبھالا اور اپنے باپ کے مریدین اور حلقہ اثر میں پیر طریقت تسلیم کئے گئے شیخ صدر الدین سلطان بایزید یلدرم اور تیمور کے ہمعصر تھے۔ تیمور نے ۸۰۴ھ میں سلطان بایزید یلدرم کو شکست دیکر گرفتار کیا تو اُس کے ساتھ اور بھی بہت سے ترک سپاہی اس لڑائی میں قید ہوئے۔ تیمور اس فتح کے بعد اردبیل پہنچا تو وہاں عقیدۃً یا مصلحۃً شیخ صدر الدین کی خانقاہ میں بھی گیا اور شیخ سے کہا کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی کام میرے کرنے کا ہو تو فرمایئے میں اُس کو ضرور پورا کر دوں گا۔ شیخ صدر الدین نے کہا کہ جنگ انقرہ میں جس قدر

ترک سپاہی تم نے قید کئے ہیں اُن سب کو رہا کر دو۔ تیمور نے فوراً اُن کے آزاد کر دینے کا حکم دیا۔ یہ ترک قیدی آزاد ہوتے ہی شیخ کے مرید ہو گئے اور اردبیل ہی میں طرح اقامت ڈال کر شیخ صدر الدین کی خدمتگزاری میں مصروف رہنے لگے۔ شیخ صدر الدین نے چونکہ سفارش کر کے اُن کو آزاد کرایا تھا اس لئے انھوں نے اس احسان کا بدلہ یہی مناسب سمجھا کہ شیخ کے مریدوں میں شامل ہو کر اپنی بقیہ زندگی شیخ کی خدمت میں گذار دیں۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان ترک قیدیوں کی اولاد بڑھتی گئی اور ساتھ ہی اُن کی عقیدت و فرمانبرداری شیخ اور شیخ کی اولاد کے ساتھ ترقی کرتی گئی۔ تیمور کی وفات کے بعد تیموری سلطنت اُس کی اولاد میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہو گئی تھی بحیرۂ قزوین اور بحیرہ اسود کے درمیانی علاقے یعنی آذربائیجان میں ترکمانوں کے قبیلۂ قراقونیلو نے تیمور کے بعد ہی اپنی حکومت دوبارہ قائم کر لی تھی۔ اسی طرح کردستان یعنی عراق کا شمالی حصہ ترکمانوں کے دوسرے قبیلہ آق قونیلو کے حصے میں آ گیا۔ ترکمانان آق قونیلو کردستان میں تیمور ہی کے زمانے سے بطور باجگذار فرمانروا تھے۔ قراقونیلو کا سردار قرا یوسف ترکمان تیمور سے برسرِ پرخاش اور اُس کی زندگی میں مصر وغیرہ کی طرف فرار رہا۔ تیمور کی وفات کا حال سنتے ہی واپس آ کر آذربائیجان پر بآسانی قابض و متصرف ہو گیا۔ اردبیل آذربائیجان کا حاکم نشین شہر تھا اور کردستان کا دارالسلطنت دیار بکر تھا۔ شیخ صدر الدین کا پڑپوتا شیخ جنید تھا۔ شیخ جنید کے زمانے میں مریدوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ جہانشاہ ابن قرا یوسف ترکمان بادشاہ آذربائیجان نے متوہم ہو کر شیخ جنید کو حکم دیا کہ آپ اردبیل سے تشریف لیجائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں شیخ جنید اپنے مریدوں کے ساتھ جو قریباً سب اُنہیں مذکورہ ترک قیدیوں کی اولاد تھے اردبیل سے رخصت ہو کر دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ دیار بکر یعنی کردستان کا بادشاہ اُس زمانے میں حسن طویل آق قونیلو تھا اُس نے جب شیخ جنید کی اس طرح تشریف آوری کا حال سُنا تو بہت خوش ہوا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ شیخ کا استقبال کیا اور عزت و آرام کے ساتھ شیخ اور اُس کے مریدوں کو ٹھہرایا۔ چند روز کے بعد حسن طویل نے اپنی بہن کی شادی شیخ جنید سے کر دی۔ ترکمانوں کے ان دونوں قبیلوں یعنی آق قونیلو اور قراقونیلو میں قدیمی رقابت چلی آتی تھی۔ اب چونکہ شیخ جنید ایک درویش گوشہ نشین کی حیثیت سے تبدیل ہو کر شاہی خاندان کے قریبی رشتہ دار بن چکے تھے اور ریاست و حکومت اُن کے گھر میں داخل ہو چکی تھی لہٰذا اُنھوں نے اپنے مریدوں کو جو ترک سپاہیوں کی اولاد تھے۔ درویشوں سے سپاہیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا اور ایک فوج ترتیب دیکر حسن طویل کے مشورے سے اردبیل پر حملہ کیا چونکہ اردبیل کے بادشاہ نے شیخ کو اردبیل سے خارج کیا تھا اس لئے یہ حملہ آوری اور فوجکشی انتقاماً بھی تھی اور شیخ کے مریدوں یا دوسرے لوگوں کو زیادہ عجیب نہ معلوم ہوئی۔ شیخ کا جب جہان شاہ سے مقابلہ ہوا تو شیخ کو جو ایک ناتجربہ کار سپہ سالار تھا فرار ہونا پڑا۔ وہاں سے فرار ہو کر شیخ حاکم شروان پر جا چڑھے جو جہانشاہ کا حلیف اور دوست تھا۔ مگر جب شاہ شروان کی فوج سے مقابلہ ہوا تو شیخ کو پھر شکست ہوئی اور اسی افراتفری میں کہ شیخ اپنی جان بچا کر لیجانے کی فکر میں تھا ایک تیر آ کر لگا اور شیخ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ شیخ جنید کے مارے جانے پر اُس کا بیٹا حیدر جو سلطان حسن طویل کا بھانجا تھا باپ کی جگہ گدی نشین اور زہد و ارشاد کے سلسلہ کا پیر تسلیم کیا گیا۔ حیدر

ماں کی جانب سے شہزادہ اور باپ کی جانب سے درویش تھا اس میں امارت و طریقت دونوں چیز
جمع ہوگئیں اس کے گرد شیخ جنید سے بھی زیادہ مریدوں کا ہجوم ہوگیا۔ شیخ جنید کی وفات کے بعد
امیر حسن طویل نے جہان شاہ سے عارضی صلح کر لی اور مرزا ابو سعید تیموری کو قتل کر کے خراسان کا ملک
اپنی حکومت میں شامل کر لیا اس کے بعد ہی امیر حسن طویل نے جہانشاہ سے آذر بائیجان کا ملک بھی
چھین لیا اور تمام ملک ایران کا ایک زبردست بادشاہ بن گیا اس کے بعد حسن طویل شہنشاہ ایران نے
اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھانجے شیخ حیدر سے کر دی اس طرح شیخ حیدر شاہ ایران کا ہمشیرزادہ تھا اور
داماد بھی بن گیا۔ حسن طویل نے طرابزون کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی تھی طرابزون کی حکومت
کا ذکر اوپر آچکا ہے اس عیسائی حکومت کو سلطان محمد خان ثانی فاتح قسطنطنیہ نے ۸۶۶ھ میں
فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ حسن طویل کی اس عیسائی بیوی کے پیٹ سے یہ لڑکی پیدا ہوئی
تھی جس کا نام پارسا اور بقول بعض شاہ بیگم رکھا گیا تھا اسی کی شادی شیخ حیدر سے کی گئی تھی
جس کے پیٹ سے شیخ حیدر کے تین بیٹے علی۔ ابراہیم اور اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ حسن طویل کی
زندگی میں شیخ حیدر بالکل خاموش رہا لیکن جب حسن طویل فوت ہوا اور اس کا بیٹا امیر یعقوب
ایران کے تخت پر بیٹھا تو شیخ حیدر نے اپنے مریدوں کی ایک فوج تیار کی اور دوسرے لوگوں کو
بھی اپنی فوج میں بھرتی کرنے کے لئے ترغیب دی تاکہ شاہ شروان سے اپنے باپ کے خون کا
بدلہ لے۔ حسن طویل کی زندگی میں خاموش رہنے کا سبب یہ تھا کہ شیخ جنید کے مارے جانے کے بعد
حسن طویل نے جس طرح جہانشاہ سے چند روزہ صلح کر لی تھی اسی طرح شاہ شروان سے بھی اس نے
صلح کی تھی اور شاہ شروان نے ابو سعید مرزا تیموری کے قتل کرنے میں حسن طویل کی بہت مدد کی
تھی اس لئے حسن طویل کی زندگی تک شروان کے بادشاہ سے اس کی صلح قائم رہی اور اسی وجہ سے
شیخ حیدر شاہ شروان کے خلاف کسی کارروائی پر آمادہ نہیں ہو سکا۔ اب شیخ حیدر نے شروان پر
حملہ کیا۔ شروان میں کئی سو سال ایک ایرانی خاندان کی حکومت چلی آتی تھی جو اپنے باپ کو بہرام
چوبین کی اولاد میں بتاتے تھے۔ شروان کے بادشاہ کا نام فرخ یسار تھا۔ فرخ یسار نے جب
سنا کہ شیخ حیدر اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے آرہا ہے تو وہ بھی مقابلہ پر مستعد ہوگیا اور ۸۹۳ھ
میں جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو شیخ حیدر بھی باپ کی طرح ہزیمت پا کر مارا گیا۔ اس کی لاش
کو لوگوں نے اردبیل میں لیجا کر دفن کر دیا۔ شیخ حیدر کے بعد اس کے مریدوں نے اس کے بڑے
بیٹے علی کو جو جوان ہو چکا تھا اپنا پیر بنایا اور باپ کی گدی پر بٹھایا۔ علی کے گرد بھی مریدوں کا
بہت ہجوم رہنے لگا امیر یعقوب نے جو حسن طویل کے بعد ایران کا فرمانروا تھا یہ دیکھ کر کہ
علی بھی اپنے باپ اور دادا کی طرح شروان پر چڑھائی کرنے کی تیاری کرے گا اور اس طرح ملک
میں خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا فرخ یسار شاہ شروان سے حسن طویل کے زمانہ کی صلح کو قائم رکھنا
مناسب سمجھا اور علی اور اس کے بھائیوں کو اصطخر کے علاقے میں ایک قلعہ کے اندر نظر بند
کر دیا۔ یہ تینوں بھائی چار سال سے زیادہ عرصہ تک اس قلعہ میں قید رہے۔ جب امیر یعقوب
فرمانروائے ایران فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا الوند بیگ تخت نشین ہوا تو علی مع اپنے
بھائیوں کے قید خانہ سے فرار اور اردبیل پہنچ کر مریدین کی فراہمی میں مصروف ہوا۔ الوند

نے یہ خبر سُن کر اور علی کو آمادۂ بغاوت دیکھ کر اُس کی تادیب اور گرفتاری کے لئے فوج بھیجی علی نے اس فوج کا مقابلہ کیا اور اپنے باپ دادا کی طرح شکست کھا کر مارا گیا۔ اُس کے دونوں چھوٹے بھائی ابراہیم و اسمعیل لباس بدل کر اردبیل سے گیلان کی طرف بھاگے۔ ابراہیم گیلان پہنچکر فوت ہو گیا۔ صرف اسمعیل جو سب سے چھوٹا اور ابھی بچہ ہی تھا باقی رہ گیا۔ الوند بیگ نے اسمعیل کو عمر اور کم حوصلہ سمجھکر اُس کے حال سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ آزاد رہنے دیا۔ اسمعیل کے گرد اُس کے خاندان کے با وفا مرید پھر آ آکر جمع ہو گئے سنہ ۹۰۶ھ میں جبکہ اسمعیل کی عمر چودہ سال کی تھی اُس کے مریدوں کا جو ہمہ اوقات مسلح رہتے تھے اس قدر ہجوم ہو گیا کہ ایک نہایت زبردست اور شائستہ فوج مرتب ہو سکی۔ اسمعیل اپنے مریدوں کی اس زبردست فوج کو لیکر یکایک شروان پہ حملہ آور ہوا اور اتفاقاً فرخ یسار فرمانروائے شروان اس لڑائی میں مارا گیا اسمعیل اور اس کے ہمراہیوں کے حوصلے اب دہ چند ہو گئے۔ اسمعیل کی اس فتح کا حال الوند بیگ نے سُنا تو وہ چونکہ پڑا اور اُس نے اسمعیل کے خطرہ کو فوراً دور کرنا ضروری سمجھکر اپنی حاضر رکاب تھوڑی سی فوج لیکر بلا توقف کوچ کر دیا۔ الوند بیگ سے یہ بہت بڑی غلطی ہوئی کہ اُس نے اسمعیل کی طاقت کا صحیح اندازہ کرنے اور اپنی طاقت کو مجتمع کرنے کے لئے مطلق توقف نہیں کیا۔ اس عجلت اور شتاب زدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اسمعیل سے مقابلہ ہوا تو الوند بیگ بھی مارا گیا۔ اس کے بعد قبیلہ آق قونیلو کے ایک اور سردار مراد بیگ نے ہمدان کے قریب اسمعیل کا مقابلہ کیا مگر وہ بھی مغلوب ہوا۔ ان پیہم فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام عراق و ایران و آذربائیجان وغیرہ اسمعیل کے قبضے میں آ گئے۔ چار برس پہلے ۹۰۳ھ میں جو شخص گیلان کے اندر ایک خستہ حال فقیر کی زندگی بسر کرتا تھا اب صاحب گنج و اورنگ اور مالکِ ملک و لشکر ہو گیا۔ ترکی سپاہیوں کی اولاد نے بھی خوب ہی حق وفاداری ادا کیا اور اپنے محسن صدر الدین اردبیلی کی اولاد کو بادشاہی بنا کر چھوڑا۔ کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ جن لوگوں کی مسلسل بامردی و جوانمردی نے اسمعیل بن حیدر صفوی کو ایران کا بادشاہ بنایا اُنہیں کی ہم قوم سلطنت عثمانیہ کا اسمعیل صفوی بلا وجہ دشمن بن گیا۔ اسمعیل صفوی کو چونکہ ابتدا ہی سے پیہم فتوحات حاصل ہوئی تھیں اس لئے آئندہ فتوحات اور لڑائیوں میں یہ شہرت بہت مفید ثابت ہوئی اور عام طور پر لوگ اُس سے مرعوب نظر آنے لگے۔ اگر اسمعیل صفوی سلطان سلیم ثانی کے ملک اپنی خفیہ سازشوں کا جال نہ پھیلاتا اور سلطان عثمان سے صلح و صفائی رکھنا ضروری سمجھتا تو یقیناً سلیم یورپ کی طرف متوجہ ہوتا اور اُس طویل زمانے کی مہلت کو جو بایزید ثانی کے عہد حکومت میں عیسائی بادشاہوں کو حاصل رہی ختم کر کے تمام یورپ کو فتح کرتا ہوا اندلس تک جا پہنچتا لیکن اسمعیل صفوی نے سلیم کو یورپ والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے عیسائی سلاطین کے ساتھ صلح کے عہدناموں کی تجدید کر کے اُس طرف سے اطمینان حاصل کیا اور یورپ والوں کو اور بھی آٹھ دس سال کی مہلت مل گئی جس میں وہ اپنے آپ کو خوب طاقتور بنا کر اپنی حفاظت کی تدابیر سوچ سکے۔

جنگ خالدران اسمعیل صفوی کی جنگی تیاریوں کا حال سُن کر یوم پنجشنبہ ماہ ربیع الاول سنہ ۹۲۰ھ مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۱۵۱۴ء کو سلطان سلیم نے مقام ینی شہر سے جہاں فوجیں جمع ہوئی تھیں معہ

کوچ کوچ کیا۔ یہ شہر غالباً دردانیال کے یورپی ساحل پر ایک مقام کا نام ہے ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر
ایک ہفتہ کے بعد ۲۷ر اپریل کو سلطان سلیم کی خفیہ پولس نے شاہ اسمٰعیل صفوی کے ایک جاسوس کو
گرفتار کیا۔ یہ جاسوس جب سلطان سلیم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے اُس کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ ایک
خط شاہ اسمٰعیل کے نام لکھ کر اُس جاسوس کو دیا کہ یہ خط اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دو اُسی کے ساتھ اپنا
ایلچی بھی ایران کی طرف روانہ کیا۔ سلطان سلیم نے اس خط میں حمد و نعت کے بعد لکھا تھا کہ

مَیں سلطنت عثمانیہ کا سلطان۔ بہادروں کا سردار۔ بُت پرستوں اور سچے مذہب کے دشمنوں کا
تباہ و برباد کرنے والا سلیم خان بن سلطان بایزید خان بن سلطان محمد خان بن سلطان مراد خان
تجھ لشکرِ ایران کے سردار امیر اسمٰعیل سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کا کلام تغیر
اور سفاہت سے بری ہے مگر اُس میں بے انتہا راز ہیں جس کو انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی
اُس باریتعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا کیونکہ انسان ہی میں روحانی اور جسمانی قوتیں
مجتمع ہیں اور انسان ہی ایسا حیوان ہے جو خدا کی صفات کو سمجھ سکتا ہے اور اُس کی اعلیٰ
خوبیوں کی وجہ سے پرستش کرتا ہے۔ انسان کو سوائے دین اسلام کے اور کسی مذہب
میں سچا اور صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلعم کی پیروی و اطاعت کے بغیر
کامیابی کا راستہ ہاتھ نہیں آ سکتا۔ اے امیر اسمٰعیل یاد رکھ تو ہرگز فوز و فلاح کو نہیں پہنچ
سکتا کیونکہ تو نے طریقۂ نجات کو چھوڑ کر اور احکام شرع کی خلاف ورزی کر کے اسلام
کے پاک اُصولوں کو ناپاک کر دیا ہے۔ تو نے عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا۔ ناجائز اور
خلاف شرع تدبیروں سے تو نے مشرق میں تخت حکومت حاصل کیا۔ تو صرف مکر اور
حیلوں سے اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔ تو نہایت ذلیل حالت سے اس جاہ حشمت تک
پہنچا ہے۔ تو نے مسلمانوں پر بیرحمی اور ظلم کے دروازے کھول دیئے تو نہ صرف جھوٹا
بیرحم اور مرتد ہے بلکہ بے انصاف بدعتی اور کلام الٰہی کی بے عزتی کرنے والا ہے۔ تو نے
کلام الٰہی میں ناجائز تاویل کو دخل دیکر اسلام میں نفاق اور تفرقہ ڈالا۔ تو نے ریاکاری
کے پردہ میں ہر طرف فتنہ و فساد اور معصیت کے بیج بو دیئے اور بیدینی کا علم بلند
کر دیا ہے تو نے نفس امارہ سے مغلوب ہو کر بہت بڑی زیادتیاں اور معیوب باتیں کی
ہیں اور سچے خلفاء یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ پر تبرا
کہنے کی تو نے سب کو اجازت دے رکھی ہے ہمارے علماء دین نے تیرے قتل کا فتویٰ
دیدیا ہے کیونکہ تو کفریہ کلمات اور کفریہ حرکات کا مرتکب ہے علماء دین نے یہ بھی فتویٰ دیا
ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حفاظت مذہب کے لیے مستعد ہو اور تجھ میں اور تیری
معتقدین میں جو ناپاکی ہے وہ نیست و نابود کر دی جائے۔ علمائے دین کے اس ارشاد
پر جو عین قرآن کریم کے موافق ہے نیز اس خیال سے کہ دین اسلام کو تقویت ہو اور
اُن ملکوں اور اُن لوگوں کو جو تیرے ہاتھوں سے نالاں ہیں کسی طرح رہائی ملے ہم نے یہ
ارادہ کر لیا ہے کہ لباس شاہانہ کو اُتار کر زرہ بکتر پہن لیں اور اپنے جھنڈے کو جو آج تک
ہمیشہ فتحیاب رہا ہے میدان جنگ میں نصب کر دیں اور انتقام لینے والی تلوار کو غیظ و غضب

کے میان سے نکالیں اور ان سپاہیوں کو فیکر جن کی تلواریں زخم کاری لگاتی اور جن کے تیر اعداء کے جگر کو توڑ کر پار نکل جاتے ہیں تجھ پر حملہ آور ہوں۔ ہم نے آبنائے کو عبور کر لیا ہے اور امید کامل ہے کہ خدائے تعالے کی دستگیری سے تیرے ظلم و فساد کو کو بہت جلد فرو کر دیں گے اور فخر و رعونت کی بو جو تیرے دماغ میں سمائی ہے اور جس کے سبب سے تو آوارگیوں میں مبتلا اور کبائر کا مرتکب ہؤا ہے نکال باہر کریں گے۔ تیری خوف زدہ رعایا کو تیرے ظلم سے بچائیں گے اور تیرے برپا کئے ہوئے فتنہ و فساد کے بگولوں میں تجھ کو برباد کر دیں گے۔ مگر باوجود اس کے چونکہ ہم لوگ احکام شرع کے پابند ہیں اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے تیرے سامنے قرآن مجید رکھیں اور سچا دین قبول کرنے کی تجھ کو نصیحت کریں اس لئے ہم یہ خط تجھ کو تحریر کر رہے ہیں برائی سے بچنے کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرے اپنے عیبوں کو نظر غور سے دیکھے اور خدائے تعالے کے سامنے سچے دل سے توبہ کرے۔ ہم تجھ سے خواہاں ہیں کہ تو اپنے اعمال بد کا خود محاسبہ کر کے صدق دل سے تائب ہو اور آئندہ کے لئے اپنی بداعمالیاں ترک کر دے نیز جو ملک تو نے ہماری سلطنت سے نکال کر اپنی سلطنت میں ملا لیا ہے اس سے دست بردار ہو کر ہمارے صوبہ داروں کو اس پر قبضہ دلا دے۔ اگر تجھ کو اپنی حفاظت اور اپنا آرام منظور ہے تو ان احکام کو تعمیل کرنے میں ہرگز تاخیر نہ کر لیکن اگر تو شامت اعمال کی وجہ سے اپنے باپ دادا کی طرح ان بداعمال اور اس غلط طریقہ کو نہ چھوڑے گا اور اپنی بہادری اور قوت کے گھمنڈ میں شیوہ ظلم و ناانصافی کو ترک نہ کرے گا تو تو دیکھ لینا تھوڑے ہی دنوں میں تمام میدان ہمارے خیموں سے پٹ جائیں گے اور ہم اپنی شجاعت کے عجیب و غریب تماشے تجھے دکھائیں گے اس وقت دنیا دیکھ لے گی کہ خدائے تعالے جو سب سے بڑا منصف ہے کیا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

جیساکہ سلطان سلیم کے اس خط میں اشارہ موجود ہے شاہ اسمٰعیل نے یہ بھی سخت نامعقول حرکت کی تھی کہ اپنی رعایا کے تمام سُنّی لوگوں کے مقبرے اور مسجدیں مسمار کر کے سُنّیوں کو حد سے زیادہ ذلیل اور تنگ کر رکھا تھا۔ خود اسمٰعیل کے باپ دادا شیعہ نہ تھے بلکہ وہ عثمانیوں کی طرح سُنّت و جماعت طریقہ پر عامل اور صوفی لوگ تھے شیخ جنید کے زمانے سے جبکہ جنگی کارروائیوں کا سلسلہ اس خاندان نے شروع کیا تو لوگوں کو محبت اہلبیت کی ترغیب دینی شروع کی کیونکہ اس طرح ان کو کامیابی کی زیادہ توقع تھی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ بہت جلد اسی شیعہ مسلک پر سیاسی اغراض کی وجہ سے قائم ہو گئے جو ان سے پہلے شیعوں نے اپنا دستور العمل بنایا تھا۔ اسمٰعیل صفوی نے اس معاملہ میں سب سے زیادہ غلو اختیار کیا اور بادشاہ ہو کر اپنی تمام قلمرو میں شیعہ مذہب کی اشاعت شروع کر دی چونکہ ایرانیوں میں پہلے سے اس مذہب کے قبول کرنے کا مادہ موجود تھا اس لئے اس کو بڑی کامیابی ہوئی۔ جن راسخ العقیدہ مسلمانوں نے شیعیت سے انکار کیا ان پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔ اور

ساتھ ہی یہ اشاعتی کام قلمرو عثمانی میں بھی شروع کر دیا گیا۔ سلطان بایزید نے تو کوئی انتظام نہ کیا لیکن سلطان سلیم نے اس طرف فوری توجہ مبذول کر کے اس فتنہ کا استیصال کر دیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ سلطان سلیم عثمانی نے مذکورہ خط کے ساتھ اپنا ایک ایلچی بھی بھیجا اور اُس کو سمجھا دیا کہ اگر شاہ اسمٰعیل راہ راست پر آجائے اور ہماری باتوں کو مان لے تو اُس سے کہا جائے کہ وہ شہزادہ مُراد کو جو اُس کے پاس پناہ گزیں ہے ہمارے پاس بھیجدے۔ اسمٰعیل صفوی نے اس خط کو پڑھ کر سلطان سلیم کے ایلچی کو فوراً شہزادہ مراد کے سپرد کر دیا اور اُس نے اسمٰعیل صفوی کے اشارہ کی موافق اس ایلچی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہ حرکت اسمٰعیل صفوی کی بہت ظالمانہ اور مراسم شاہانہ کے خلاف تھی۔ پھر اسمٰعیل نے سلطان سلیم کے خط کا جواب لکھ کر اس کے پاس روانہ کیا اس خط میں اسمٰعیل صفوی نے لکھا کہ

"میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ اس قدر ناخوش اور برافروختہ کیوں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افیم کے نشے میں یہ خط لکھا گیا ہے۔ آپ کو اگر لڑنا ہی منظور ہے تو میں بھی ہر طرح سے تیار ہوں۔ جو کچھ خدا کی مرضی ہے اُس کا بہت جلد ظہور ہو جائیگا۔ اور جب میدان میں مقابلہ ہوگا تب آپ کو قدر عافیت معلوم ہوگی"

اس خط کے ساتھ اسمٰعیل صفوی نے افیون کا ایک ڈبہ بطور تحفہ سلطان سلیم کے پاس بھیجا جس سے مقصود یہ تھا کہ تم افیون کھانے کے عادی ہو اور اُسی کے نشے میں ایسی بہکی باتیں کرتے ہو لہٰذا افیون کے تحفہ کو بہت پسند کرو گے سلطان سلیم اس خط اور افیون کو دیکھ کر بہت غیظ و غضب میں آیا اور اپنے ایلچی کے قصاص میں اُس نے اسمٰعیل صفوی کے ایلچی کو قتل کرا دیا اور اپنے لشکر کا خوب بندوبست کر کے تبریز کی جانب (جو اسمٰعیل صفوی کا دارالسلطنت تھا) روانہ ہوا۔ شہر سیواس میں پہنچکر سلیم نے اپنی فوج کی موجودات لی تو اسّی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل تھے اُس نے سیواس سے قیصریہ تک چالیس ہزار پیادوں کو تقسیم کر کے ہر منزل پر ایک مناسب تعداد متعین کر دی اور حکم دیا کہ جب سلطانی لشکر قیصریہ سے ایک منزل آگے بڑھے تو ہر منزل کی متعینہ فوج ایک ایک منزل آگے بڑھ جائے اور سب سے پچھلا دستہ جو سیواس میں متعین ہے وہ سیواس کو چھوڑ کر اگلی منزل میں پہنچ جائے۔ یہ انتظام اُس نے اس لئے کیا تھا کہ سامان رسد کے پہنچنے میں آسانی رہے لیکن جونہی سلطان سلیم اپنی حدود سلطنت سے نکلکر ایرانی قلمرو میں داخل ہؤا اُس نے دیکھا کہ اسمٰعیل صفوی کے حکم سے ایرانیوں نے تمام علاقے کو ویران اور کھیتوں کو برباد کر دیا ہے۔ اسمٰعیل صفوی نے بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ اپنے علاقے کو ویران کرانا شروع کر دیا تھا تاکہ عثمانی لشکر کو گھاس کا ایک تنکا اور غلہ کا ایک دانہ نہ مل سکے۔ سبز درختوں اور ہر قسم کی نباتات کو جلا کر خاک سیاہ بنا دینے کے کام پر اُس نے بہت بڑی فوج متعین کر دی تھی۔ اس فوج کا یہی کام تھا کہ عثمانی لشکر کے آگے آگے ملک کو برباد اور خاک سیاہ بناتی جائے۔ پہلے سے ان علاقوں میں اشتہار دے دیا گیا تھا کہ تمام باشندے اپنے اپنے سامان کو جو اُٹھا سکتے ہیں اُٹھا کر اور باقی کو آگ لگا کر اندرون ملک کی طرف چلے آئیں ورنہ شاہی فوج اُن کو زبردستی جلاوطن کر دیگی اور اُن کی تمام املاک و سامان کو جلا ڈالے گی۔ اسمٰعیل صفوی کے اس انتظام و اہتمام کا یہ اثر ہؤا کہ مملکتِ ایران کی حدود میں داخل ہوتے ہی سلطان سلیم عثمانی کو مشکلات کا

مقابلہ کرنا پڑا۔ اگرچہ سلطان سلیم عثمانی نے پہلے ہی سے یہ بھی انتظام کر لیا تھا کہ طرابزون کے بندرگاہ پر قسطنطنیہ اور یورپی صوبوں سے سامان رسد کے جہاز آتے رہیں اور وہاں سے خچروں اور اونٹوں پر لاد لاد کر لشکر سلطانی میں سامان رسد کے پہنچنے کا انتظام رہے۔ اس کام کے لئے اُس نے پانچ ہزار سپاہی اور بہت سے اونٹ اور خچر مقرر کر دیئے تھے مگر پھر بھی جس علاقے میں اُس کو سفر کرنا پڑ رہا تھا اُس علاقے سے کسی چیز کا بھی دستیاب نہ ہونا بیحد موجب تکلیف تھا۔ شاہ اسمعیل صفوی خود بھی فوج لیکر اپنے صوبوں کی اس مکمل بربادی میں مصروف تھا اور پیچھے ہٹتا چلا جاتا تھا۔ سلیم عثمانی کو توقع تھی کہ اسمعیل صفوی اپنے ملک کی سرحد پر سدراہ ہوگا لیکن اُس نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ سلیم عثمانی خود ہی اتنے بڑے لشکر کو دور تک نہ لا سکے گا اور تنگ آکر پیچھے ہٹ جائیگا۔ اسمعیل صفوی کا یہ منصوبہ بلا نتیجہ نہ رہا سلطان کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور سرداران لشکر نے سلطان کو رائے دی کہ اسمعیل صفوی چونکہ مقابلہ پر نہیں آتا اور پیچھے بھاگتا جاتا ہے لہٰذا اب ہم کو بھی واپس ہو جانا چاہیئے مگر سلطان سلیم نے اس بات کو ناپسند کیا۔ اور آگے ہی بڑھتا گیا۔ اس حالت میں سلطان نے فوج کے لئے ضروریات مہیا کرنے اور رسد رسانی کے انتظام کی طرف توجہ مبذول رکھنے میں بڑی قابلیت کا اظہار کیا۔ سلطان دیار بکر ہوتا ہوا آذر بائیجان کے علاقے میں داخل ہوا۔ ایک منزل پر سلطان کے ایک سپہ سالار ہمدان پاشا کو جو سلطان کا بچپنے کا دوست اور ہم سبق بھی تھا دوسرے سرداروں نے ترغیب دی کہ آپ سلطان کو واپس ہونے پر آمادہ کریں ہمدان پاشا نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ اس حملہ آوری میں اپنی فوج کو ناراض نہ کریں اور موجودہ حالات اسی کے متقاضی ہیں کہ اب واپس چلیں۔ سلطان سلیم نے یہ سنتے ہی ہمدان پاشا کی گردن اُڑا دی اور کسی کو چون وچرا کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ایک منزل پر جان نثاری فوج نے جو سب سے زیادہ جری اور با حوصلہ سمجھی جاتی تھی متفقہ آواز بلند کی کہ ہم اب ہرگز آگے قدم نہ بڑھائیں گے اور یہیں سے واپس ہونا چاہتے ہیں۔ سلطان سلیم نے جب دیکھا کہ ساری کی ساری فوج سرکشی پر آمادہ ہے تو وہ اگلے دن صبح کو گھوڑے پر سوار ہو کر جان نثاری فوج کے درمیان آکر کھڑا ہوا اور تمام فوج کو اپنے گرد جمع کر کے ایک تقریر کی کہ

"میں اس لئے یہاں نہیں آیا ہوں کہ ناکام واپس جاؤں۔ جو لوگ بہادر ہیں اور اپنی شرافت کی وجہ سے بزدلی و نامردی کے عیب کو اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور تیر و شمشیر کے زخموں سے نہیں ڈرتے وہ یقیناً میرا ساتھ دیں گے لیکن جو لوگ نامرد ہیں اور اپنی جان کو اپنی عزت سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں اور اپنے گھروں کو واپس پہنچنا چاہتے ہیں۔ اور صعوبات کے برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے میری طرف سے ان کو اجازت ہے کہ وہ اسی وقت بہادروں اور جوانمردوں کی صفوں سے جدا ہو جائیں اور اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اگر تم میں سے ایک شخص نے بھی میرا ساتھ نہ دیا اور تم سب کے سب ہی نامردوں میں شامل ہو گئے تو میں تنہا آگے بڑھونگا اور بغیر معرکۂ قتال وجدال گرم کئے ہوئے ہرگز واپس نہ ہوں گا۔"

یہ کہکر سلطان سلیم نے حکم دیا کہ نامرد لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں اور جو بہادر و غیرت مند ہیں وہ

اسی وقت کوچ پر آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ فوراً تمام فوج وہاں سے سلطان کے ساتھ چل پڑی اور
ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو وہاں سے واپس ہونے کی جرأت کرتا۔ سلطان کی اس ہمتِ مردانہ
کی برکت تھی کہ اگلی منزل پر فوج جاکر مقیم ہوئی تو گرجستان یعنی کاکیشیا کے ایک عیسائی سردار
کی طرف سے بافراط سامان رسد سلطانی فوج کے لئے پہنچا جو سلطان کی خوشنودی مزاج کے لئے بطور
مہمان نوازی بھیجا گیا تھا۔ اب اسمٰعیل صفوی کا دارالسلطنت تبریز کچھ زیادہ دور نہ رہا تھا سلطان سلیم
کوچ و مقام کرتا ہوا وادی خالدران میں پہنچا اور اس وادی کے مغربی جانب کے ایک ٹیلہ پر چڑھا تو
سامنے میدان میں اُس کو ایرانی فوج نظر آئی جس کو دیکھ کر وہ بہت ہی خوش ہوا۔ اثنائے دوران سفر میں
سلطان سلیم نظم ونثر کے کئی خطوط اسمٰعیل صفوی کے نام بھیج چکا تھا جن میں سے ہر ایک خط میں اُس نے
کوشش کی تھی اسمٰعیل صفوی کو غیرت دلا کر مقابلہ پر آنے کی ترغیب دے۔ سلطان سلیم شاہ صفوی کے
مقابلہ پر نہ آنے سے بہت ہی افسردہ خاطر اور رنجیدہ تھا اور اسی لئے وہ جلد جلد منزلیں طے کرتا ہوا بڑھتا
چلا جاتا تھا کہ اسمٰعیل صفوی کو اُس کے دارالسلطنت میں پہنچکر مقابلہ پر للکارے۔ اسمٰعیل صفوی اگر اپنے
دارالسلطنت کو بھی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتا تو ممکن تھا کہ اُس کا منصوبہ کارگر ثابت ہو جاتا اور سلطان سلیم
تبریز سے آگے نہ بڑھتا لیکن وہ سلطان عثمانی کی پیشقدمی کو اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ وادی
خالدران تبریز سے بیس کوس کے فاصلہ پر تھی اور اسمٰعیل صفوی نے مقابلہ کے لئے اسی مقام کو سب سے
زیادہ موزون مقام سمجھا تھا۔ اسمٰعیل صفوی کی فوج سلطان سلیم کی فوج کے برابر ہی تھی مگر اس فرق کو
نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ سلطان سلیم کی فوج پیہم بڑی بڑی کڑی منزلیں طے کرتی ہوئی پہنچی تھی اور بہت
ہی تھکی ہاری ہوئی تھی لیکن اسمٰعیل صفوی کی فوج خوب تازہ دم اور ہر طرح ہر قسم کے سامان سے آراستہ
وپیراستہ تھی۔ اسمٰعیل صفوی اور اُس کی فوج کو کامل یقین تھا کہ ہم سلیم عثمانی اور اُس کی فوج کو ضرور
شکست فاش دینگے۔ اسمٰعیل صفوی نے مقابلہ کرنے میں جو دیر اور توقف کیا وہ اُس کی نہایت ہی زبردست
سپاہانہ چال تھی اور اُس کی تجربہ کاری نے عثمانی لشکر کو صعوباتِ سفر سے کمزور و ستوہ کر کے ایسے مقام
پر لا ڈالا تھا جہاں وہ تمام و کمال برباد ہونے کے لئے گویا صفوی لشکر یا موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا۔ اس
موقع پر پہنچکر سلطان سلیم کا فرض تھا کہ وہ اپنے لشکر کو کم از کم ایک دن یا چند ہی گھنٹے آرام دینے کی
کوشش کرتا اور سستانے کا موقع دیتا لیکن وہ چونکہ تمام سفر میں اسی بات کی دعائیں مانگتا ہوا آیا تھا۔
کہ کسی طرح اسمٰعیل صفوی مقابلہ پر آجائے لہذا خالدران کے میدان میں اسمٰعیل صفوی اور اُس کے لشکر کو
سامنے دیکھ کر وہ تامل نہیں کر سکتا تھا اُدھر اسمٰعیل صفوی کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ پہلے سے
معلوم تھا کہ عثمانی لشکر سامنے سے نمودار ہونے والا ہے لہذا وہ پہلے ہی سے حملہ آوری پر مستعد اور
اپنے میمنہ و میسرہ کو درست کر چکا تھا اور اس بات پر مستعد تھا کہ عثمانی لشکر کو جو تھکا ہوا آرہا ہے
آرام کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اسمٰعیل صفوی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان سلیم کے ساتھ ایک
ایک ہلکا توپخانہ بھی ہے اُس کو سلطانی فوج کی تعداد اور ہر حصۂ فوج کی حالت سے بخوبی آگاہی حاصل تھی
شاہ صفوی نے اپنے اسّی ہزار سواروں کے دو حصے کئے ایک حصہ تو اپنی ماتحتی میں رکھا اور دوسرا
حصہ اپنے سپہ سالار ابوعلی کے سپرد کیا اور یہ قرار دیا کہ عثمانی فوج جس وقت لڑائی شروع کرے تو ایرانی
فوج کی سامنے کی صف مصروف جنگ ہو اور یہ دونو حصے جو چالیس چالیس ہزار سواروں پر مشتمل تھے

وہنے بائیں جانب کترا کر اور گھوم کر عثمانی فوج کے عقب میں پہنچ جائیں اور پیچھے سے حملہ کر کے ترکوں کا قافیہ تنگ کریں ادھر سلطان سلیم نے ایرانی فوج کو سامنے مستعد دیکھتے ہی ایشیائے کوچک کی تمام فوج اپنے سپہ سالار سنان پاشا کے سپرد کی اور یورپی علاقے کی فوج حسین پاشا کو دی۔ سنان پاشا کو میمنہ پر اور حسین پاشا کو میسرہ پر رکھا۔ خود اپنے جان نثار دستہ کو لیکر قلب میں قائم ہوا اور آگے جاگیرداروں اور رضا کاروں کے غول کو بطور ہراول بڑھایا۔ توپخانہ ایک مناسب موقع پر نصب کر دیا گیا۔ اسمٰعیل صفوی کو چونکہ توپخانہ کا حال معلوم تھا اور وہ جانتا تھا کہ لڑائی شروع ہونے کے بعد توپوں کا رُخ جلد نہیں بدلا جا سکے گا۔ لہٰذا اُس نے ترکوں کی توپوں کو بیکار کرنے کے لئے ہی اپنے اسی ہزار سواروں سے وہ کام لینا چاہا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اسمٰعیل صفوی کی یہ تدبیر جنگ بڑی عاقلانہ اور قابل تعریف تھی۔ چنانچہ طرفین سے فوجیں بڑھیں اور معرکۂ کارزار کے گرم ہوتے ہی اسمٰعیل صفوی نے اپنے چالیس ہزار سوار لیکر عثمانیہ لشکر کے میمنہ کی سمت کو کتراتے اور گھومتے ہوئے حملہ کیا دوسری طرف ابو علی نے اپنے چالیس ہزار سواروں سے ترکی لشکر کے میسرہ کا ارادہ کیا لڑائی کے شروع ہوتے ہی عثمانیہ لشکر سے تکبیر کی آوازیں بلند تھیں اور ایرانی لشکر سے شاہ شاہ کی آوازیں آرہی تھیں یعنی ایرانیوں کا نعرۂ جنگ اپنے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کا نام لینا تھا اور عثمانی لشکر کا نعرۂ جنگ اللہ اکبر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دونوں لشکروں کی ان آوازوں نے صاف طور پر بتا دیا تھا کہ ان میں کون موحد ہے اور کون مشرک۔ بہرحال اسمٰعیل صفوی توپوں کی زد سے صاف بچ کر اپنے ارادے میں کامیاب ہوا یعنی اُس نے حسین پاشا کی فوج کے عقب سے پہنچ کر سخت حملہ کیا اور یورپی دستوں کے اکثر سردار اور سپاہی اس معرکۂ عظیم میں مارے گئے۔ دوسری طرف ابو علی نے سنان پاشا کی فوج پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن ابو علی اپنے منصوبہ میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا بلکہ اُس کی فوج کا ایک حصہ توپخانہ کی زد میں آگیا اور ابو علی مارا گیا۔ سنان پاشا نے بآسانی ابو علی کی فوج کو مغلوب کر لیا لیکن حسین پاشا کی حالت بہت نازک ہوگئی کیونکہ اس طرف ایرانی بہت چیرہ دستی دکھا رہے تھے۔ سلطان سلیم بڑی احتیاط کے ساتھ میدان جنگ کا نگران تھا۔ اُس نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ وہ سلطان بایزید یلدرم کی طرح اپنے سپہ سالاری کے منصب کو فراموش کر کے ایک شمشیر زن سپاہی کی حالت میں تبدیل ہو جائے۔ جب سلطان سلیم کو یہ یقین ہوگیا کہ سنان پاشا کو کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے حریف کو مغلوب کر چکا ہے تو وہ اپنے رکابی دستہ کو لیکر فوراً حسین پاشا کی مدد کو پہنچا اور ایک ایسا زبردست اور رستمانہ حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اسمٰعیل صفوی نے فرار کی عار گوارا کی۔ اسمٰعیل کو عثمانی سپاہی گرفتار ہی کر چکے تھے کہ اسمٰعیل کے ایک ہمراہی مرزا سلطان علی نے کہا کہ میں شاہ اسمٰعیل ہوں عثمانی سپاہی اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اسمٰعیل صفوی کو بھاگ کر جان بچانے کا موقع مل گیا۔ تمام میدان ایرانیوں سے خالی ہوگیا اور سلطان سلیم کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ سلطان نے آگے بڑھ کر اسمٰعیل صفوی کے لشکر گاہ پر قبضہ کیا تو معلوم ہوا کہ اسمٰعیل اس سراسیمگی کے ساتھ فرار ہوا ہے کہ اپنا صفری خزانہ اور اپنی پیاری بیوی بھی اپنے خیمہ ہی میں چھوڑ گیا ہے سلطان سلیم نے عورتوں اور بچوں کو قید بحراست میں رکھ کر جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا اور میدان جنگ معائنہ کرنے سے معلوم کہ اس لڑائی میں چودہ عثمانی اور چودہ ہی ایرانی صاحب علم سپہ سالار مارے گئے۔ سلیم کو اپنے ان سرداروں کے مارے جانے کا سخت ملال ہوا اور اُس نے بڑی عزت کے ساتھ اُن کی تجہیز و تکفین سے فراغت پا کر تبریز کا ارادہ کیا۔ یہ لڑائی مقام خالدراں میں ۲۳ / اگست ۱۵۱۴ء مطابق ۲۰ / ماہ رجب ۹۲۰ھ کو ہوئی۔ اس لڑائی سے تیرہ دن

کے بعد سلطان سلیم تبریز دارالسلطنت ایران میں داخل ہوا۔ اسمٰعیل صفوی خالدران سے بھاگ کر تبریز میں پہنچا تھا لیکن جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان سلیم تبریز کی طرف آرہا ہے تو وہ تبریز سے خراسان کی طرف بھاگ گیا۔ اور اپنی سلطنت کے مشرقی حصہ پر اپنا قبضہ قائم رکھا۔ سلطان نے تبریز میں آٹھ روز قیام کیا اُس کے بعد قرہ باغ کی طرف بڑھا۔ جب سلطان تبریز میں مقیم تھا تو اس کے پاس مرزا بدیع الزمان جو تیموری نسل کا شہزادہ تھا ملنے آیا سلطان نے اُس کی بہت عزت و تکریم کی۔ سلطان سلیم کا ارادہ تھا کہ قرہ باغ سے آگے بڑھ کر آذربائیجان ہی کے میدانوں میں موسم سرما بسر کرے اور موسم بہار کے شروع ہونے پر مشرقی ممالک کی فتوحات کے لئے بڑھے لیکن اُس کی فوج نے اب پھر سرکشی پر آمادگی ظاہر کی اور سلطان کو مجبور کیا کہ وطن کی طرف واپس ہو۔ یہ واپسی سلطان سلیم کی ایسی ہی تھی جیسی کہ سکندر کی واپسی دریائے ستلج کے کنارے سے مجبوراً ہوئی تھی۔ سکندر کو بھی اُس کی فوج ہی نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا تھا سلطان سلیم قرہ باغ سے واپس تو ہوا مگر وہ سیدھا قسطنطنیہ نہیں چلا گیا بلکہ اُس نے واپس ہو کر ایشیائے کوچک کے شہر اماسیہ میں مقام کیا اور یہیں موسم سرما بسر کر کے موسم بہار کے شروع ہونے پر پھر فوجکشی کر کے ارمینیا و جارجیہ اور کوہ قاف کا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ آذربائیجان کا صوبہ پہلے ہی اُس کے قبضہ میں آچکا تھا اب اس کے بعد سلطان کا ارادہ تھا کہ کردستان اور عراق یعنی دوابہ دجلہ و فرات کو بھی فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کرے جس پر ابتک اسمٰعیل صفوی کا اقتدار باقی تھا لیکن سلطان کے پاس قسطنطنیہ سے خبر پہنچی کہ وہاں کی فوج سرکشی پر آمادہ ہے اور قسطنطنیہ کے والیسرائے کے ساتھ گستاخی سے پیش آئی ہے اس لئے اُس کو مجبوراً اپنے دارالسلطنت قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا لیکن اس طرف جنگی کارروائیاں اور فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے اُس نے تجربہ کار سردار مامور کئے جنہوں نے چند ہی روز کے بعد کردستان۔ عراق اور ساحل خلیج فارس تک کے تمام صوبے فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر دیئے۔ اور اسمٰعیل صفوی کی قریباً آدھی سلطنت عثمانیہ سلطنت میں شامل ہو گئی۔ اسمٰعیل صفوی نے بار بار پاؤں مارے لیکن عثمانیہ سرداروں سے ہمیشہ شکست کھائی۔

سلطان سلیم فتح خالدران کے بعد جب تبریز میں داخل ہوا تو اُس نے تبریز سے جو سب سے بڑا فائدہ حاصل کیا وہ یہ تھا وہاں کے ایک ہزار معماروں اور کاریگروں کو بیش قرار روزینے اور جاگیریں دیکر قسطنطنیہ میں آباد ہونے کے لئے بھیج دیا۔ اُس زمانے میں تبریز کے معمار ساری دنیا میں مشہور اور اپنے فن میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے سلطان نے ان لوگوں کو قسطنطنیہ بھیجکر قسطنطنیہ کی ایک بڑی اور اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے اس شکست کے بعد کئی مرتبہ سلطان سلیم کے پاس صلح کی درخواستیں بھیجیں اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح سلطان سلیم کی طرف سے مطمئن ہو لیکن سلطان سلیم کو اسمٰعیل صفوی سے ایسی نفرت تھی کہ اُس نے اس طرف مطلق التفات نہ کیا اور حالت جنگ کو اُس کے ساتھ قائم رکھنا ہی مناسب سمجھا اگر اس کے بعد سلطان سلیم کو شام و مصر کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ ملتا تو وہ ضرور ایک مرتبہ پھر ایران پر فوجکشی کر کے اسمٰعیل صفوی سے بقیہ ملک بھی چھین لیتا اور ترکستان تک فتح و فیروزی کے ساتھ چلا جاتا مگر اسکے بعد سلیم کو خود ایران کی طرف آنیکا موقع نہیں ملا اور اُسکے سرداروں نے مفتوحہ ملک کو اپنے قبضے سے نہیں نکلنے دیا اس حملہ اور اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرق کی جانب سلطنت عثمانیہ کی حدود بہت وسیع ہو گئیں اور نہایت زرخیز اور سیر حاصل صوبوں کا اضافہ ہوا اور آئندہ کے لئے مشرق کی جانب سے کسی حملہ کا خطرہ باقی نہیں رہا۔ اسی

سلسلہ میں یہ بات بھی بیان کر دینے کی قابل ہے کہ اسمٰعیل صفوی کی چہیتی بیوی جب سلطان سلیم کے قبضے میں آ گئی تو شاہ اسمٰعیل صفوی نے سلطان سلیم کے پاس اپنے ایلچی بھیجے کہ میری بیوی کو میرے پاس بھیج دو یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان سلیم ایشیائے کوچک کے شہر اماسیہ میں قرہ باغ سے آ کر مقیم اور موسم سرما کا زمانہ بسر کر رہا تھا۔ سلطان سلیم سے یہی توقع تھی کہ وہ شاہ صفوی کی بیوی کو اس کے پاس بھیج دیگا لیکن سلطان چونکہ شاہ صفوی کو مرتد اور بے دین خیال کرتا تھا اور اُس کے اعمال ناشائستہ کی وجہ سے بہت ناراض تھا لہٰذا سلطان نے اُس کے ساتھ کسی قسم کی مروت کا برتاؤ کرنا نہیں چاہا۔ ابتک شاہ صفوی کی بیوی عزت و احترام کے ساتھ نظربند تھی سلطان نے اُس کے بھیجنے سے صاف انکار کر دیا اور جنگ خالدران سے پانچ چھ مہینے کے بعد شاہ اسمٰعیل کی بیگم کا نکاح اپنے ایک سپاہی جعفر چلپی کے ساتھ کر دیا۔ اسمٰعیل صفوی کو یہ سُن کر کہ اُس کی بیوی ایک ترک سپاہی کی بیوی بن کر اُس کے گھر میں مسرت و شادمانی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے سخت صدمہ ہوا اور جب تک زندہ رہا اسی حسرت اور حزن و ملال میں مبتلا رہا۔

فتح مصر و شام اوپر کسی باب میں ذکر آ چکا ہے کہ خاندان ایوبیہ کے ساتویں بادشاہ ملک الصالح نے مصر میں مملوکی فوج قائم کی تھی جس کو غلاموں کی فوج کہنا چاہیئے۔ بہت جلد ان غلاموں نے مصر کے تخت پر قبضہ کر لیا اسی زمانے کے قریب ہندوستان میں بھی غلاموں کا خاندان فرمانروا تھا۔ لیکن یہاں ہندوستان میں غلاموں کے خاندان کے صرف دو بادشاہ غلام تھے باقی انہیں غلاموں کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ تخت نشین ہوتی رہی مصر میں اس کے خلاف یہ دستور قائم ہوا تھا کہ ایک فرمانروا کے فوت ہونے پر غلاموں ہی میں سے کسی کو منتخب کر کے تخت حکومت پر بٹھایا جائے۔ مصر کے یہ غلام بادشاہ مملوکی کہلاتے تھے۔ سلطان سلیم کے زمانہ تک ان کی سلطنت مصر میں قائم تھی اور انہیں سلاطین مصر کی حفاظت میں عباسی خلفا مصر کے اندر رہتے تھے۔ مصر کی مملوکی سلطنت بھی بڑی معزز اور شاندار سلطنت تھی ان مملوکیوں نے عالم اسلام کی دو سب سے بڑی اور اہم خدمات انجام دی تھیں ایک تو انہوں نے فلسطین و شام کو عیسائیوں کے حملوں سے بچایا اور ہمیشہ کے لئے صلیبی چڑھائیوں کا استیصال کر دیا دوسرے انہوں نے مغلوں کے سیلاب عظیم کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور چنگیز و ہلاکو وغیرہ کی فوجوں کو شکست دے دیکر بھگا دیا۔ عجیب بات ہے کہ ان نحمن مغلوں نے مصر کے غلاموں انہی مملوکیوں سے جس طرح شکست کھائی اسی طرح ہندوستان کے غلام خاندان سے انہوں نے ہمیشہ نیچا دیکھا گویا ان کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کے معزز ترین اور اعلیٰ خاندانوں کو برباد کر دیں لیکن جب مسلمانوں کے غلاموں سے معرکہ آرا ہوں تو شکست کھا کر بھاگیں۔ بہرحال مصر کی مملوکی سلطنت مصر و شام و حجاز پر حکمران اور قدیم سے سلاطین عثمانیہ کے ساتھ کوئی پرخاش نہیں رکھتی تھی۔ سلطان فاتح کی وفات کے بعد جب سلطان بایزید ثانی تخت نشین ہوا اور شہزادہ جمشید شکست کھا کر مصر پہنچا تو دربار قاہرہ کے تعلقات دربار قسطنطنیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ کشیدہ ہوئے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جنگ و پیکار تک نوبت پہنچی اس موقع پر سلطنت عثمانیہ کو مملوکیوں سے نیچا دیکھنا اور نقصان اٹھانا پڑا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اب سلطان سلیم کے تخت نشین ہونے کے بعد مثل دوسری سلطنتوں کے مملوکی بھی اس نئے سلطان کے حرکات کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے جب اسمٰعیل صفوی کی شکست اور سلیم کی فتوحات کا حال سُنا تو ان کو یہ فکر ہوئی کہ سلیم اب ہم سے چھیڑ چھاڑ کئے بغیر نہ رہے گا اس لئے کہ دیار بکر وغیرہ صوبے جو سلطنت عثمانیہ شامل ہو چکے تھے اُنہوں نے مملوکیوں کے مقبوضہ ملک یعنی شام کو سلطنت عثمانیہ سے اور بھی زیادہ قریب

کر دیا تھا۔ اُن کو یہ بھی محسوس ہو چکا تھا کہ سلطان سلیم ضرور ان شہروں اور قلعوں کے واپس لینے کی کوشش کرے گا جو مملوکیوں نے سلطان بایزید ثانی سے چھین لیئے تھے۔ ادھر شاہ اسمٰعیل صفوی نے سلطان سلیم شکست فاش کھانے کے بعد اپنے ایلچی مصر کے سلطان قالصو غازی کے پاس بھیجے اور عہد نامہ صلح قائم چاہا مملوکی امیر کو اسمٰعیل صفوی کے سفیر کی مدارات کرنے اور معاہدہ صلح کے قائم کرنے میں کوئی تامل ہؤا۔ اسمٰعیل کے سفیر نے قالصوہ غازی کو اور بھی زیادہ ان خطرات کی طرف توجہ دلائی جو سلطان سلیم سے سلطنت مصر کے لئے پیدا ہو سکتے تھے۔ ان مذکورہ وجوہات سے یا اور کسی سبب سے یہ ضرور ہؤا کہ امیر کبیر قالصو غازی سلطان مصر خود شہر حلب میں آکر مقیم ہؤا اور اس نے سرحد شام پر مناسب فوجیں فراہم و متعین کر دیں جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سلطان سلیم ملک شام پر حملہ نہ کرسے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ موقع پا کر مملوکی سلطنت خود ایشیائے کوچک کے مشرقی حصے پر حملہ آور ہو بہرحال سلطان سلیم کا غالباً یہ خیال تھا کہ وہ مملوکی سلطنت پر حملہ کرے کیونکہ مملوکی بہت پابند شرع اور سلطان سلیم کے ہم عقیدہ و ہم مذہب تھے۔ مگر اسمٰعیل صفوی کی خفیہ تدابیر نے اس جگہ بخوبی کامیابی حاصل کی اور مملوکی بیچارے شاہ ایران چالاکی کے فریب میں آکر ناحق دھوکے گئے۔ سلطان سلیم ایران کی طرف سے واپس آکر قسطنطنیہ میں مقیم اور ملکی انتظامات میں مصروف تھا اب اس کے لئے سوائے مغربی حدود اور عیسائی سلطنت کے اور کوئی چیز جاذب توجہ نہ تھی۔ اس کے باپ دادا کئی پشتوں سے یورپ کے عیسائیوں سے دست گریبان چلے آتے تھے۔ سلیم کے لئے سوائے یورپی ممالک کے اور کوئی علاقہ اب ایسا نہ تھا کہ وہ اس کا لالچ کرتا لیکن ۹۲۲ھ میں اُس کے پاس یکایک اُس کے گورنر سنان پاشا کی ایک تحریر پہنچی (سنان پاشاہ ایشیائے کوچک کے مشرقی حصہ کا حاکم و سپہ سالار تھا) کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں وادیٔ فرات کی جانب فوج لیجانے سے لئے قاصر ہوں کہ سرحد شام پر مملوکی فوجیں موجود ہیں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ میرے یہاں سے غیر حاضر ہوتے ہی وہ شاید ایشیائے کوچک کے مشرقی حصہ پر حملہ آور ہو جائیں اس تحریر کو پڑھ کر سلطان سلیم نے قسطنطنیہ میں تمام سرداروں عالموں اور وزیروں کو جمع کر کے ایک مجلس مشورت منعقد کی اور ان سے پوچھا کہ ہم کو مملوکیوں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے اس مسئلہ پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی آخر اس کے میر منشی محمد پاشا نے ایک پرجوش اور زبردست تقریر میں بیان کیا کہ سلطان عثمانی کو ضرور اپنی طاقت کا اظہار کرنا چاہیئے اور حقیقت یہ کہ مملوکی سلطان عثمانی کے سامنے ہرگز اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ وہ حرمین شریفین کے خادم ہوں اور ملک حجاز کو اپنے قبضے میں رکھیں۔ سلطان عثمانی کو یہ شرف ضرور حاصل کر لینا چاہیئے اور اس کا حاصل کرنا عین خدمت اسلامی ہے اور اس کے لئے مملوکیوں سے لڑنا بالکل جائز اور مناسب ہے چنانچہ سلطان نے اس رائے کو بہت ہی پسند کیا اور اپنے میر منشی کو اسی وقت وزیر اعظم بنا دیا۔

سلطان سلیم نے مصر کی سلطنت مملوکیہ سے جنگ کا مصمم ارادہ کر کے اول ایک سفارت امیر قالصو غازی کے پاس روانہ کی اور پیغام بھیجا کہ تم ہماری اطاعت و فرمانبرداری قبول کر کے اظہار اطاعت کے لئے خراج گذاری قبول کرو ورنہ ہم فوجکشی کر کے تم سے تمام ملک چھین لیں گے۔ سلطان کے سفیر جب حلب میں قالصو غازی کے پاس پہنچے تو وہ بہت افروختہ ہوا اور سفیروں کو قید کر لیا۔ بس اتنا بہانہ فوجکشی کے لئے کافی تھا۔ سلطان فوراً قسطنطنیہ سے فوج لیکر روانہ ہوا۔ جب عثمانیہ لشکر قریب پہنچا تو مملوکی سلطان گھبرایا اور اس نے مصلحت مصالحت ہی میں دیکھی چنانچہ عثمانی سفیروں کو آزاد کر کے اُن کے ہاتھ صلح کا پیغام بھیجا مگر اب یہ کوشش بے سود تھی سلطان سلیم برابر بڑھتا

چلا گیا۔ حلب کے قریب میدان مرج دابق میں جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر ہے دونوں فوجیں جنگ خالد زمان سے پورے دو سال کے بعد ۲۴ اگست ۱۵۱۶ء مطابق ۹۲۲ھ کو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں مملوکی اپنی شجاعت و بہادری میں ہرگز عثمانیوں سے کم نہ تھے اُن کی بہادری کی عام طور پر ہر ملک کے مورخین نے تعریف کی ہے لیکن اس زمانے میں اُن کے اندر آپس کے اختلافات پیدا ہو چکے تھے اور اندرونی رقابتوں نے انکی مشہور و مسلم بہادری کے اظہار کا موقع ضائع کر دیا تھا چنانچہ سلطان سلیم کی کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں مملوکی لشکر پر آثار ہزیمت نمایاں ہوئے اور مملوکی سلطان جو بہت بوڑھا شخص تھا نہایت جرأت و ہمت کے ساتھ لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا مملوکی سلطان کے مارے جانے کی خبر جب مملوکی کے لشکر میں مشہور ہوئی تو اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور سلطان سلیم آگے بڑھ کر حلب پر قابض ہو گیا۔ اس شکست سے مملوکیوں کی ہمت مطلق پست نہیں ہوئی کیونکہ وہ عثمانیوں کو اپنی برابر بہادر نہیں جانتے تھے۔ قانصو غازی کے مارے جانے پر تمام سرداران لشکر قاہرہ کی طرف اس لئے چلے گئے کہ وہاں جدید سلطان کا انتخاب کریں۔ مملوکیوں میں چوبیس سردار اعلیٰ درجہ کے ہوا کرتے تھے جو اس بات کا حق رکھتے تھے کہ ایک سلطان کے فوت ہوتے پر اتفاق رائے سے کسی شخص کو اپنا سلطان منتخب کریں۔ اور چوبیس سرداروں کا ایسے انتخاب کے موقع پر دارالسلطنت قاہرہ میں موجود ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا مملوکیوں کے ایسے بڑے بڑے تمام سرداروں کو فوراً قاہرہ کی طرف جانا ضروری ہو گیا کہ جلد از جلد نیا سلطان منتخب ہو سکے۔ بڑے بڑے سرداروں کی غیر موجودگی میں شام کا ملک سلطان سلیم کے لئے خود بخود خالی تھا لہٰذا اُس کی اس فرصت میں شام کے شہروں پر قبضہ کرنے کا خوب موقع مل گیا اور دمشق و بیت المقدس وغیرہ سب سلطان کے قبضے میں آ گئے۔ جنگ حلب کے بعد کوئی بڑی مزاحمت مملوکیوں کی طرف سے ملک شام میں نہ ہو سکی۔ اُدھر قاہرہ میں مملوکیوں نے طومان بے کو اپنا سلطان منتخب کیا اُس نے سلطان منتخب ہوتے ہی ایک زبردست فوج مصر و شام کے سرحدی مقام قلعہ غزا کی طرف بھیجدی کہ سلیم کو مصر کی طرف پیشقدمی کرنے سے روکے اور خود قاہرہ کے قریب تمام افواج کو فراہم کرنے میں مصروف ہوا۔ اس فرصت میں سلطان سلیم کی خوش قسمتی کا دمشق و شام میں یہ اظہار ہوا کہ مصری سلطنت کا ایک بہت بڑا خزانہ جو شہر دمشق میں جمع تھا سلطان کے ہاتھ آ گیا۔ بڑے بڑے شہروں سے جو مال غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا تھا اُس کے علاوہ صرف دمشق کے اس خزانہ میں ستر لاکھ روپیہ سے زیادہ موجود تھا۔ یہ خزانہ سلطان کی آئندہ فتوحات کے لئے بہت مفید ثابت ہوا اور سلطان نے اس سے فائدہ اُٹھانے اور اس کے صحیح استعمال کرنے میں کسی بخل و کنجوسی کو مطلق دخل نہیں دیا۔ اہل شام کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کی سلطان نے بہت ہی با موقع کوشش کی اور عالموں۔ خطیبوں۔ درویشوں۔ قاضیوں کو انعام و اکرام سے مالامال کر دیا مساجد۔ مدارس۔ پل اور رفاہ رعایا کے لئے بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔ اور مصر پر حملہ آور ہونے کے لئے باربرداری کے اونٹ اور ہر قسم کا ضروری سامان فراہم کر لیا۔ مصریوں کی فوج شہر غازہ پر جو مصر کی سرحد سمجھا جاتا تھا آ گئی۔ اودھر سلطان سلیم اپنی فوج کو لئے ہوئے شام کے آباد اور سرسبز مقامات سے گذرتا ہوا جب ریگستان میں داخل ہونے لگا تو بڑی احتیاط اور دور اندیشی کے ساتھ اونٹوں پر پانی لاد کر ساتھ لیا اور سپاہیوں کو انعامات تقسیم کر کے اُن کا دل بڑھایا۔ سنان پاشا کو توپخانہ دیکر ایک زبردست دستہ فوج کا سپہ سالار بنایا اور بطور ہراول آگے روانہ کیا اور خود بقیہ تمام فوج لیکر بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہ ریگستان کا سفر دس روز کا تھا جو بحسن و خوبی طے ہوا۔ سنان پاشا نے مقام غزہ میں پہنچ کر سرعت

فوج کا جو سپہ سالار غزالی کے ماتحت صف آرا تھی مقابلہ کیا۔ مملوکی لشکر بڑی بے جگری اور بہادری کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر سنان پاشا نے اپنی توپوں کو میدان میں جما کر ایسی سخت گولہ باری کی اور اس طرح توپوں میں گراب بھر بھر کر چلایا کہ مصری لشکر عثمانی لشکر تک پہنچنے سے پہلے ہی میدان میں بھون ڈالا گیا۔ مملوکی توپوں کے استعمال سے ناواقف اور اپنے پاس کوئی توپخانہ نہ رکھتے تھے۔ اس طرح جبکہ باروت کی طاقت جوانمردوں کے قلب کی طاقت یعنی بہادری پر غالب آ گئی اور میدان عثمانیہ لشکر کے ہاتھ آیا تو اُن کے دل بہت بڑھ گئے اور مملوکیوں کی جو ہیبت عثمانیہ لشکر پر چھائی ہوئی تھی یکلخت دور ہو گئی۔

مصر میں مملوکیوں اور عثمانیوں کی معرکہ آرائی

غزہ کے معرکہ میں غزالی بے شکست کھا کر قاہرہ کی جانب واپس اور طومان بے نے ترکی توپخانے کی ہلاکت آفرینی کے حالات سُنے تو اُس کی ہمت و شجاعت میں بجائے اس کے کمی ہوتی اَور بھی اضافہ ہو گیا اُس نے قاہرہ کے متصل شام کی طرف جانیوالی سڑک کے کنارے موضع رضوانیہ کے قریب فوج کو جمع کیا اور سلیم کی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ سلطان طومان بے ایک اعلیٰ درجہ کا بھلو اور شریف شخص تھا مگر بعض اوقات نہایت شریف اور نیک آدمیوں کے خلاف بھی سازشیں بارآور ہو جایا کرتی ہیں اور بھلے آدمیوں کے خلاف حاسدوں اور شریروں کی ایک جماعت ضرور ہی مصروف کار رہا کرتی ہے چنانچہ طومان بے جو بڑا ہی لائق فائق۔ بہادر۔ پاک طینت اور ہر طرح قابل تعریف شخص تھا جب مصر کا سلطان منتخب ہوا تو مملوکی سرداروں ہی میں سے بعض سرداروں کو یہ انتخاب ناپسند ہوا مگر وہ کچھ نہ کہہ سکے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہے۔ اگر طوفان بے کو اطمینان کا زمانہ میسر ہوتا تو وہ اپنے اخلاق فاضلہ سے رفتہ رفتہ ان لوگوں کی سوزش قلبی کو فرو کر دیتا لیکن اُس کو برسر حکومت ہوتے ہی لڑائیوں کا بندوبست کرنا پڑا۔ ان حسد پیشہ سرداروں میں دو شخص خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں ایک غزالی بے اور دوسرا خیر بے ان دونوں نے طومان بے کو مصر کے بچانے اور عثمانیہ لشکر کو شکست دینے کی کوششوں میں مصروف دیکھکر یہ کوشش درپردہ شروع کر دی کہ طومان بے کو اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل نہ ہو۔ چنانچہ ان غداروں نے سلطان سلیم سے خفیہ سلام پیام اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر کے طومان بے کی تمام تیاریوں اور تدبیروں سے سلطان عثمانی کو مطلع کر دیا۔ طومان بے نے سلیم کے توپخانہ کو بیکار کر دینے کے لئے یہ بہترین تدبیر سوچی تھی کہ جس وقت سلیم کا لشکر کوچ کرتا ہوا قریب پہونچے تو اسی حالت میں اُس کے فرو کش ہونے سے پہلے دونوں بازوؤں کی طرف سے مصری سواروں کے دستے حملہ آور ہوں اور توپخانہ پر قابض ہو کر دست بدست تلوار و خنجر کی لڑائی شروع کر دیں۔ ان دونوں غداروں نے سلیم کو طوفان بے کے اس ارادے کی بھی عین وقت پر اطلاع کر دی اور طومان بے کی یہ تدبیر بھی پوری نہ ہونے پائی۔ سلطان سلیم عثمانی کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ خود مملوکیوں کے سرداروں میں اُس کے ہوا خواہ پیدا ہو گئے۔ ۲۲؍ جنوری ۱۵۱۷ء مطابق ۹۲۲ھ میں مقام رضوانیہ کے متصل جہاں مصری فوج خیمہ زن تھی دو فوجوں کا مقابلہ ہوا چونکہ سلیم پہلے ہی سے واقف ہو چکا تھا لہٰذا طومان بے کو اپنی سوچی ہوئی تدبیر کے موافق لڑائی کے لئے اچھا موقع نہ مل سکا اور اُس کو عین توپخانہ کو لڑانا پڑا۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی خیر بے اور غزالی یہ دونوں غدار مملوکی سلطان سلیم کے پاس کے چلے آئے۔ توپوں کے گولوں کی

[illegible]

موقع نہیں ملا ہوگا۔ طومان بے نے اپنے مملوک شہ سواروں کی ایک جماعت لیکر جو خود و زرہ و جوشن وغیرہ میں سر سے پاؤں تک غرق فولاد تھی ایک حملہ عثمانیوں کے قلب لشکر پر کیا۔ سلطان طومان بے کے ہمراہ دو اور بہادر مملوکی سردار الآن بے اور قرط بے بھی تھے ان دونوں سرداروں نے قسم کھائی کہ ہم سلطان سلیم کو یا تو زندہ گرفتار کرلیں گے ورنہ اُس کو قتل کر دینگے۔ مملوکیوں کی اس مختصر جماعت کا یہ حملہ ایک زلزلہ تھا جس نے تمام عثمانی لشکر میں تزلزل برپا کر دیا۔ مملوکیوں کا سلطان طومان بے اور اُس کے ساتھی بھیڑ ہی گویا شیر تھے جو بکریوں کے گلے میں داخل ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو قلب لشکر تک پہنچنے سے عثمانیہ لشکر کی کوئی طاقت نہ روک سکی۔ کائی سی پھاڑتے اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے یہ لوگ ٹھیک اُس مقام تک پہنچ گئے جہاں سلیم کھڑا ہؤا اپنی فوج کے مختلف دستوں کو احکام بھیج رہا تھا مگر حسن اتفاق سے طومان بے نے سنان پاشا کو جو سلطان سلیم کے قریب کھڑا تھا سلیم سمجھا اور اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہؤا کہ اُس نے آتے ہی سنان پاشا کو سلیم کہکر للکارا اور ایک ایسا چپا تلا ہؤا نیزہ کا وار کیا ہؤا کہ نیزہ سنان پاشا کو چھید کر پار نکل گیا اور بغیر اس کے کہ وہ خود کوئی حرکت کر سکے یا کوئی اُس کو بچانے کی کوشش کرے مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا اسی طرح الآن بے اور قرط بے نے بھی دو اور عثمانی سپہ سالاروں کو قتل کیا مگر سلطان سلیم کو کوئی شناخت نہ کر سکا اس طرح یہ تینوں مملوکی سردار تین عثمانی سپہ سالاروں کو سلطان سلیم کے سامنے عین قلب لشکر میں قتل کر کے صاف نکل گئے اور کسی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اُن کو روک سکے اپنی پندار میں وہ سلطان سلیم کو قتل کر کے قصہ پاک کر چکے تھے مگر خوبی قسمت سے سلطان سلیم بچ گیا اور میدان کارزار بدستور گرم رہا۔ اس حملہ میں صرف الآن بے کے پاؤں میں بندوق کی ایک گولی لگی جس سے وہ زخمی ہؤا مگر کوئی اُس کو گرفتار نہ کر سکا صاف بچکر نکل گیا۔ سلطان سلیم مملوکیوں کی اس بہادری کو دیکھ کر حیران و ششدر رہتا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ اگر آج میرے پاس توپخانہ اور بندوقوں سے مسلح دستے نہ ہوتے تو مملوکیوں کے مقابلے میں لشکر کی کثرت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ سلطان سلیم نے بڑی ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ برق انداز دستوں اور توپوں کو مصروف کار رکھا۔ مملوکیوں کی حالت یہ تھی کہ اُن کا ایک ایک سردار اپنا اپنا ماتحت دستہ لیکر حملہ آور ہوتا تھا اور گولوں اور گولیوں کی بارش میں عثمانیوں کی صف اول تک پہنچنے سے پہلے پہلے یہ سب ختم ہو جاتے تھے مگر ان میں سے کوئی شخص پیچھے ہٹنے اور بھاگنے کا نام نہ لیتا تھا۔ یہ لڑائی اس اعتبار سے دُنیا کی بے نظیر لڑائی تھی کہ اس میں مملوکیوں نے محض اپنی بہادری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو توپوں اور بندوقوں کے منہ میں جھونک دیا مگر اس عار کو گوارہ نہ کیا کہ بارود کی طاقت بہادروں کی بہادری کو بزدلی سے تبدیل کر سکتی ہے۔

آخر نتیجہ یہ ہؤا کہ پچیس ہزار مملوک رضوانیہ کے میدان کھیت رہے اور صرف چند شخص باقی رہے جو باصرار تمام سلطان طومان بے کو اس میدان سے لوٹا کر مقام عصوبیہ کی طرف لیگئے۔ اس لڑائی میں جس قدر مملوک مارے گئے وہ سب کے سب توپ کے گولوں اور بندوق گولیوں سے مرے لیکن عثمانیہ لشکر کے جس قدر آدمی کام آئے وہ سب تلواروں اور برچھوں سے مارے گئے کیونکہ مملوکیوں کے پاس قسم کھانے کو ایک بھی بندوق نہ تھی اور وہ بندوق کو ہاتھ لگانا بھی نامردی کی بات سمجھتے تھے چونکہ سلطان طومان میدان رضوانیہ سے مقام عصوبیہ میں چلا گیا تھا۔ اور قاہرہ خالی تھا لہذا جنگ رضوانیہ سے ساتویں روز سلطان سلیم نے آگے بڑھکر قاہرہ پر قبضہ کیا۔ اس عرصہ میں مملوکی سپاہی جو ادھر اُدھر ملک میں منتشر تھے آآ کر عصوبیہ میں طومان بے کے پاس جمع ہوئے اور ایک مختصر سی فوج پھر تومان بے کے ماتحت فراہم ہو گئی۔ یہ سُن کر کہ سلطان سلیم نے قاہرہ پر قبضہ کر لیا ہے طومان بے نے اس مختصر سی فوج کو لیکر قاہرہ پر حملہ کیا سلیم احتیاطاً شہر سے باہر اپنے

فوج کیمپ میں مقیم تھا طومان بے نے دوسری طرف سے یکایک شہر میں داخل ہو کر ترکوں کو جو فاتحانہ شہر پر قابض
و متصرف تھے قتل کرنا شروع کیا۔ اس دارو گیر میں ایک بھی عثمانی سپاہی جو اُس وقت شہر کے اندر تھا زندہ نہ بچا
سب کے سب قتل کر دیئے گئے اور طومان بے نے شہر پر دوبارہ قابض ہو کر کوچوں گلیوں اور شہر کے مکانوں کے
ذریعہ مورچہ بندی کی شہر قاہرہ کی کوئی فصیل نہ تھی جو اس حالت میں مدد پہنچاتی سلطان سلیم نے اپنی فوج لیکر
شہر میں داخل ہونا چاہا تو ہر ایک گلی کوچہ مورچہ بند اور سد راہ نظر آیا۔ سلیم کو اب بڑی مشکلات کا سامنا
تھا اور ایک ایسا شہر بھی جو اپنی کوئی فصیل نہیں رکھتا فتح نہ ہو سکتا سلطان سلیم کے لئے بڑی ہی ذلت کی بات
تھی اور اُس کی شہرت کو یقیناً سخت صدمہ پہنچتا اگر وہ قاہرہ کو چھوڑ کر واپس چلا آتا۔ غرضکہ یہ ایسا گرم دودھ
تھا جس کو نہ نگل سکتا تھا نہ اُگل سکتا تھا تین دن تک برابر قاہرہ کی گلیوں یعنی بیرونی محلوں میں جنگ و پیکار
کا بازار گرم رہا مگر سلیم قاہرہ کے کسی محلہ میں اپنے قدم نہ جما سکا سلطان سلیم نے جب دیکھا کہ طومان بے کو قاہرہ
سے بیدخل کرنا دشوار ہے اور مشکلات بڑھتی چلی جاتی ہیں تو اُس نے مملوکی غدار خیربے کو جو جنگ رضوانیہ
ہی میں اُس کے پاس چلا گیا تھا بلوایا اور کہا کہ اب تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ خیر بے نے کہا کہ آپ اب یہ اعلان
کرا دیجئے کہ جو مملوکی ہتھیار رکھ دیگا اور ہمارے پاس چلا آئے گا اُس کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں
پہنچایا جائیگا اور اُس کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا جائیگا اس اعلان کے ہوتے ہی لڑائی رُک گئی اور سلیم نے
بھی اپنی فوج شہر کے اطراف سے واپس اپنے کیمپ میں بُلالی بعض مملوکی خود اس معافی کے وعدے پر اعتماد کر کے
سلیم کے لشکر میں آکر حاضر ہو گئے اور بعض کو شہر والوں نے باصرار لشکر سلطانی میں حاضر ہو جانے پر مجبور کیا
اس طرح آٹھ سو مملوکی سلطان سلیم کے لشکر میں حاضر ہو کر سلطان کے قیدی بن گئے ان کو توقع تھی کہ اپنے وعدہ
کی موافق سلطان ہمارے ساتھ نیک سلوک کریگا۔ لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہی آٹھ سو مملوکی سردار قاہرہ
کی سب سے بڑی طاقت تھے تو خیر بے کے مشورہ کی موافق سلطان سلیم نے اُن سب کو قتل کرا دیا اور اُسکے
بعد شہر قاہرہ میں قتل عام کا حکم دیا طومان بے یہ دیکھ کر کہ اب مقاومت اور مدافعت کی طاقت موجود نہیں
رہی قاہرہ سے نکلکر ریگستان کی طرف عربی قبائل میں چلا گیا اور سلطانی فوج نے شہر میں قتل عام شروع
کیا۔ اس قتل میں پچاس ہزار آدمی مارے گئے۔ قرط بے جو طومان بے کا دست راست اور بڑا ہی بہادر
شخص تھا قاہرہ کے اندر ایک مکان میں روپوش رہا۔ قتل عام سے فارغ اور شہر والوں کو کافی طور پر کمزور و خائف
بنا کر سلطان نے طومان بے اور قرط بے کے تلاش کرنے کا حکم دیا۔ آخر معلوم ہوا کہ طومان بے تو قاہرہ سے نکل گیا ہے
لیکن قرط بے ابھی تک قاہرہ میں موجود اور روپوش ہے سلیم نے قرط بے کے پاس پیغام بھیجا کہ اب مملوکیوں کی
طاقت ٹوٹ چکی ہے ہم تمہاری بہادری دیکھ چکے ہیں تم بلا تامل ہمارے پاس چلے آؤ تم کو جان کی امان دیجاتی ہے۔
قرط بے نے جب دیکھا کہ اب اگر سلیم کے اس وعدۂ معافی کو قبول نہیں کرتا ہوں تب بھی گرفتار ہو کر اُس کے سامنے پیش
ہونگا فوراً سلطان سلیم کے پاس چلا آیا۔ سلیم نے اُس کو دیکھ کر کہا کہ جنگ رضوانیہ کے دن میں نے تجھکو گھوڑے پر
سوار دیکھا تھا تو بڑی بہادری اور دلیری کا اظہار کرتا تھا مگر اس وقت تو تو بہت خاموش نظر آتا ہے قرط بے نے کہا
کہ میں اب بھی ویسا ہی بہادر ہوں لیکن تم عثمانی بڑے بزدل اور نامرد ہو تمہاری ساری بہادری اور فتحمندی بندوق کی
بدولت ہے۔ ہمارے سلطان قانصوہ غازی کے زمانے میں ایک فرنگی بندوق لیکر آیا اور اُس سلطان قانصوہ غازی کی
خدمت میں عرض کیا کہ تمام مملوکی فوج کو بندوقیں فراہم کر دیجائیں تو ہمارے سلطان اور تمام اراکین دربار نے کہا کہ
لڑائی میں بندوقوں سے کام لینا بڑی نامردی کی بات ہے ہم اس کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتے اُس وقت اُس فرنگی نے

سر دربار یہ کہا تھا کہ تم دیکھ لو گے ایک روز انہیں بندوقوں کی بدولت سلطنت مصر تمہارے قبضے سے نکل جائے گی۔ ہم نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تم نے بڑی نامردی کے ساتھ محض ان بندوقوں کی بدولت ہم پر فتح پالی لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ بندوق فتح و شکست کا اصل سبب ہرگز نہیں ہو سکتی فتح و شکست کے لئے تلوار و تیر ہی سب سے زیادہ موثر چیزیں ہیں ہم کو یہ شکست اس لئے ہوئی ہے کہ ہماری حکومت و سلطنت خدائے تعالیٰ کو اس سے زیادہ رکھنی منظور نہ تھی اسی طرح تمہاری حکومت و سلطنت بھی ایک روز ضرور ختم ہو جائیگی دنیا میں جس طرح انسانوں کی عمریں محدود ہوتی ہیں اسی طرح سلطنتوں اور حکومتوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے جس کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہیں تم ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ ہم سے زیادہ بہادر ہونے کی وجہ سے تم نے فتح پائی۔ سلطان سلیم نے کہا کہ اگر تو ایسا ہی بہادر ہے تو اس وقت میرے سامنے ایک قیدی کی حیثیت سے کیوں موجود ہے؟۔ قرط بے نے کہا کہ بخدا میں اپنے آپ کو تیرا قیدی نہیں سمجھتا میں تو صرف تیرے وعدے پر اعتماد کر کے اپنی خوشی سے تیرے پاس چلا آیا ہوں اور اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھ رہا ہوں۔ سلطان سلیم اور قرط بے کی گفتگو یہیں تک ہونے پائی تھی کہ قرط بے کی نظر خیری بے پر پڑی جو سلیم کے ہوا خواہوں اور امیروں میں شامل ہو چکا تھا اس نے فوراً خیری بے کی طرف متوجہ ہو کر اُس کو سخت لعنت ملامت کی جس سے اُس کی اُس مجلس میں بڑی بے عزتی ہوئی اور پھر سلطان سلیم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ اس دغاباز کا سر اُڑا دے اور اس کو اس کی غداری و مکاری کی سخت سزا دے ورنہ یہ تجھ کو بھی اپنے ساتھ دوزخ میں لیجائیگا۔ یہ سُن کر سلطان سلیم نے طیش اور غصہ کے لہجے میں جواب دیا کہ میرا ارادہ تھا کہ تجھ کو آزاد کر کے کوئی بڑا جنگی عہدہ تجھ کو عطا کروں مگر تو نے ابتک بڑی ہی بد تہذیبی کی گفتگو کی ہے اور آدابِ دربارِ سلطانی کو مطلق ملحوظ نہیں رکھا کیا تو نہیں جانتا کہ جو شخص دربار سلطانی میں بد تہذیبی کا مرتکب ہوتا ہے وہ ذلت و نقصان اُٹھاتا ہے۔ قرط بے نے نہایت آزادانہ اور بیباکانہ لہجہ میں جواب دیا کہ خدا وہ دن نہ لائے کہ میں تیرے نوکروں اور ہوا خواہوں میں شامل ہوں۔ یہ سُنتے ہی سلطان سلیم کا طیش و غضب بھڑک اُٹھا اور اُس نے جلادوں کو آواز دی۔ قرط بے نے کہا کہ تو تنہا میرے سر کو کٹوا کر کیا کریگا جبکہ مجھ جیسے اور بھی ہزاروں بہادر ابھی تیرے سر کی تلاش و فکر میں موجود ہیں اور طومان بے بھی ابھی زندہ اور تجھ سے بدلہ لینے کی کوشش مصروف ہے جلاد آئے اور اُنہوں نے تلوار نکال کر قرط بے کی طرف اُس کا سر اُڑانے کے لئے حملہ کیا تو قرط بے نے خیری بے کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ لے اب میرے سر کو لیجا کر اپنی جورو کی گود میں رکھ دے۔ یہ الفاظ اُس کی زبان سے نکل رہے تھے کہ تلوار نے اُس بہادر کے سر کو جسم سے جُدا کر دیا۔

طومان بے نے قاہرہ کے دوبارہ مفتوح ہونے پر قاہرہ سے نکلکر عربی قبائل کو بھرتی کرنا شروع کیا اور ایک معقول جمعیت فراہم کر کے سلیم کی فوج پر حملے شروع کئے سلیم نے فوج کے دستے اُس کے مقابلہ پر روانہ کرنے شروع کئے اور طومان بے نے ہمیشہ اُن کو شکست دے دیکر بھگا دیا۔ طومان بے کی فوج دو حصوں میں منقسم تھی یعنی کچھ تو بقیۃ السیف مملوکی اُسکے پاس آ گئے تھے اور کچھ عرب قبائل شامل ہو گئے تھے۔ مملوکیوں اور عربوں کو عثمانیوں یعنی اپنے نئے فاتحوں سے یکساں نفرت تھی اور اسی لئے وہ ملکر عثمانی فوج کے دستوں کو بار بار شکست دے چکے تھے لیکن خود عربوں اور مملوکیوں کے درمیان بھی رقابت موجود تھی اور یہ سب سے بڑی مصیبت طومان بے کے لئے تھی۔ سلطان سلیم نے طومان بے کی بار بار کی حملہ آوریوں سے مجبور ہو کر اُسکے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرو تو میں تم کو ملک مصر کا بادشاہ تسلیم کر کے یہاں سے چلا جاؤنگا اور اس ملک کی حکومت تمہارے لئے چھوڑ دونگا۔ لیکن چونکہ سلطان سلیم مملوکیوں کے نہایت محبوب سردار قرط بے کو قتل کرا چکا تھا اور اُسنے قاہرہ میں قتل عام کرایا تھا لہٰذا سلطان سلیم کا سفیر جب طومان بے کے پاس پہنچا

جب یہ پیغام لیکر طومان بے کے پاس پہنچا تو مملوکیوں نے سلیم کے اس سفیر اور اُس کے ہمراہیوں کو جوش غضب میں فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سلطان کو جب یہ حال معلوم ہؤا تو اُس نے اس کے عوض تین ہزار قیدیوں کو قتل کرا دیا اور طومان بے کے مقابلہ کو ایک نہایت زبردست فوج معہ توپخانہ روانہ کی طرفین میں اہرام مصری کے قریب جنگ عظیم برپا ہوئی۔ عین معرکہ جنگ میں مملوکی اور عرب لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑے۔ ادھر مملوکی عربوں کو اور عرب مملوکیوں کو قتل کر رہے تھے اُدھر عثمانی توپخانہ دونوں کی صفائی کر رہا تھا لہٰذا طومان بے کی فوج کے برباد ہونے میں وقت کچھ زیادہ صرف نہیں ہؤا۔ اس طرح اس فوج کی بربادی کے بعد طومان وہاں سے چلدیا اور ایک عرب سردار کے پاس جس پر اُس نے بڑے بڑے احسانات کئے تھے چلا گیا۔ اس محسن کش نے اس بہادر اور شریف مملوکی سلطان کو گرفتار کر کے سلطان سلیم کے پاس بھیجدیا جسوقت سلطان سلیم کے پاس یہ خبر پہنچی کہ طومان بے گرفتار ہو گیا ہے تو اُس نے جوش مسرت میں کہا کہ اب مصر کا ملک فتح ہو گیا۔ جس وقت طومان بے قریب پہنچا تو سلطان سلیم نے اُس کا پادشاہوں کی طرح استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ اور نہایت عزت و توقیر کے ساتھ بطور ایک معزز مہمان کے ٹھہرایا۔ سلطان سلیم کا یہ برتاؤ طومان بے کے ساتھ دیکھ کر خیری بے اور غزالی بے کو سخت فکر ہوئی یہ دونوں غدار طومان بے کے جانی دشمن تھے۔ اُدھر سلطان سلیم کا یہ ارادہ تھا کہ طومان بے کو بدستور ملک مصر کا پادشاہ بنا کر اس پر احسان کرے اور اس ملک کی حکومت اُس کو سپرد کر کے خود قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جائے۔ غزالی بے اور خیری بے نے اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اُنہوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ سلطان تک ایسی خبریں پہنچائیں اور پہنچوائیں کہ ایک بڑی زبردست سازش طومان بے کو چھوڑ لینے اور مصر کا سلطان بنانے کے لئے ہو رہی ہے اور طومان بے بہت جلد آزاد ہو کر سلطان کے لئے سخت خطرہ کا موجب بننے والا ہے۔ چونکہ سلطان سلیم ابتک طومان بے کی وجہ سے سخت مشکلات کا مقابلہ کر چکا تھا اس لئے اُس نے فوراً طومان بے کے قتل کئے جانے کا حکم دیدیا اور اس طرح ۱۷ اپریل ۱۵۱۷ء مطابق ۹۲۳ھ مملوکیوں کا یہ آخری سلطان مقتول ہؤا۔

طومان بے کے قتل ہونے پر سلطان سلیم کو مصر کی حکومت کے متعلق کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ مصر کو فتح کر لینے کے بعد اُس پر قبضہ قائم رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ کئی سو برس سے مملوکی مصر پر فرمانروا تھے مملوکی مصر کے اصلی باشندے نہ تھے وہ ہمیشہ سرکیشیا و کوہ قاف کے علاقوں سے غلام خرید خرید کر منگاتے اور اپنی تعداد کو پورا رکھتے تھے مصر میں اُنکی نسلیں بھی بڑھ گئی تھیں اور اب وہ ایک حکمران قوم کی حیثیت سے مصر میں کافی اقتدار رکھتے تھے۔ دوسری طرف عربوں کی تعداد بھی مصر میں اس قدر موجود تھی کہ مصر کا ملک ایک عربی ملک سمجھا جاتا تھا۔ دینی و مذہبی اعتبار سے عربوں کی عزت و سرداری عام پر مسلم تھی اور مصر کے عرب باشندے شام و حجاز کے عربوں سے تعلقات رکھنے کے سبب ایک زبردست سیاسی اہمیت رکھتے تھے۔ مصر کے قدیم باشندے یعنی قبطی قوم اور یہودی نسلیں بھی زراعت پیشہ اور دفتروں میں حساب کے کاموں پر مامور ہونے کی وجہ سے بہت کچھ اثر رکھتے تھے۔ اُدھر مصر کے مغربی و جنوبی سمتوں کے سرحدی صوبوں اور علاقوں کی قومیں بھی مصر پر چڑھائی کرنے اور قابض ہونیکی استعداد رکھتی تھیں۔ اندریں صورت اگر سلطان سلیم کسی گورنر کو مصر کی حکومت پر مامور کرتا تو وہ موقع رکھتا تھا کہ شام و حجاز اور مغربی ممالک کی قوموں کو اپنے ساتھ شریک کر کے خود مختاری کا اعلان کر دے اگر ایسا حاکم مقرر کرتا جو عالی حوصلہ اور اولو العزم نہ ہوتا اور بغاوت کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتا تو اُس سے ملک کے اندر امن و امان قائم نہ رہ سکتا تھا۔ سلطان سلیم اگر مصر کو فتح کرنے کے بعد فوراً ہی

واپس چلا جاتا تو یقیناً ملک مصر فوراً اپنی خود مختاری کا پھر اعلان کر دیتا اور دوبارہ سلطان کو پھر اسی قدر زحمت گوارا کرنی پڑتی۔ سلطان نے مصر کو فتح کرنے کے بعد مصر میں بہت دنوں قیام رکھا اور یہاں کے حالات کو بغور مطالعہ کرتا رہا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ طرابلس وغیرہ کی طرف بڑھ کر تمام شمالی افریقہ کو مراقش تک فتح کر لے اگر ایسا ہوتا تو بہت ہی خوب ہوتا کیونکہ پھر اندلس کا فتح کر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کیا اور سلطان سلیم کو مجبوراً قسطنطنیہ کی طرف واپس ہونا پڑا۔ مملوکیوں سے مصر کی حکومت چھین نے کے بعد سلطان سلیم کے لئے بہت ہی آسان تھا کہ وہ مملوکیوں کی قوم کو مصر سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس نے بڑی دانائی اور نہایت عقلمندی کے ساتھ مملوکیوں کی طاقت و تعداد کو قائم رکھا اور اپنی طرف سے مملوکیوں کے سردار یعنی خیر بے کو مصر کی گورنری پر مامور کیا اور اجازت دی کہ جس طرح مملوکیوں کی کونسل یا پارلیمنٹ چوبیس سرداروں پر مشتمل ہوا کرتی تھی وہ اب بھی اسی طرح قائم ہے۔ مملوکیوں میں دستور تھا کہ چوبیس مملوکی سردار جو اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوا کرتے تھے اپنے سلطان کے فوت یا قتل یا معزول ہونے پر اپنی کثرت رائے سے کسی ایک سردار کو سلطان منتخب کر لیا کرتے تھے۔ ان سرداروں کی تعداد بدستور قائم رکھی گئی اور ان کے عہدے بھی بدستور بحال رہے مگر مصر کا حاکم سلطان عثمانی کی منظوری سے مقرر ہونا تجویز ہوا۔ ساتھ ہی یہ اصلاح بہت ہی معقول کی گئی کہ قاضی القضاۃ اور مفتی وغیرہ تمام مذہبی عہدے عرب سرداروں کے ساتھ مخصوص کئے گئے۔ روپیہ کی تحصیل و وصول کا کام اور مالی عہدے قبطیوں اور یہودیوں کو دیئے گئے اس طرح یہ دخل بلکہ سہ عملی انتظام قائم کر کے پانچ ہزار سوار اور پانسو پیدل سلطان سلیم نے اپنی فوج میں سے تا شہر میں تعینات کئے اور خیر الدین نامی سردار کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے حکم دیا کہ شہر قاہرہ اور مرکزی قلعوں پر تم اپنا قبضہ رکھنا ہے اور کسی حالت میں بھی تم کو شہر سے باہر جانیکی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح تمام خطرات کا سدباب ہو گیا سلطان نے قاہرہ کی فتح کے بعد جب جمعہ کا دن آیا تو مصر کی مسجد جامع میں نماز جمعہ ادا کی۔ سلطان کے لئے پہلے سے نہایت قیمتی قالین مسجد میں بچھا دیا گیا تھا۔ جب سلطان سلیم مسجد میں پہنچا تو اس نے اس امتیازی مصلے کو فوراً اٹھوا دیا اور تمام نمازیوں کی طرح نماز ادا کی اور نماز میں سلطان پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ اس کے آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ فتح مصر کے بعد سلطان نے مصر سے اعلیٰ درجہ کے معماروں اور صناعوں کی ایک تعداد بذریعہ جہاز قسطنطنیہ روانہ کر دی تھی جیسا کہ اس نے تبریز سے بھی وہاں کے کاریگروں کو قسطنطنیہ بھیج دیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان سلیم کی نظر کس قدر وسیع و عمیق تھی اور اپنے دارالسلطنت کی رونق و عظمت کے بڑھانے کا اس کو کس قدر خیال تھا۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ مصر میں اس قدر زیادہ مدت رہنے کے باوجود اس نے اہرام مصری کی طرف مطلق التفات نہ کیا نہ ان کی سیر کے لئے گیا۔ [illegible] اور مدرسوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول رکھی علماء کی عزت بڑھائی ان کے [illegible] میں اسباب کو سوچ لیا تھا کہ ملک عرب پر بھی قبضہ و تسلط کا ہونا ضروری ہے۔ ملک عرب کے [illegible] میں عرب سرداروں کی سیادت قائم تھی ان شہروں میں کسی جنگی نمائش اور فوجی [illegible] ضرورت ان شہروں کے باشندوں کو رضامند کرنے اور ان کے قلوب پر قبضہ کرنے کی تھی چنانچہ سلطان [illegible] حاصل کرنے میں مطلق دھوکا نہیں کھایا اور اس نے احسانات کی بارشوں سے عرب سرداروں [illegible] اس سے پیشتر عرب یعنی حجاز کے شہنشاہ مملوکی سمجھے جاتے تھے [illegible] بادشاہ سمجھا گیا لیکن اگر عرب سردار چاہتے تو سلطان سلیم کو اپنا بادشاہ [illegible] کو عربوں پر مہربان دیکھ کر عرب سرداروں نے خود بخود اس کے [illegible] الشریفین کا خطاب دیا [illegible]

عزت کے ساتھ رہتے تھے جیسے روما میں پوپ یا دہلی میں اکبر ثانی اور بہادر شاہ آخری سلاطین مغلیہ رہا کرتے تھے ان عباسی خلفا کی حکومت تو کچھ نہ تھی نہ کسی ملک پر ان کا قبضہ تھا نہ کوئی فوج ان کے ماتحت تھی مگر نہ صرف مصر کے مملوکی سلاطین بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے فرمانروا بھی اُن سے خطابات اور سند حکومت حاصل کرنے کو موجب فخر جانتے تھے اور وہ مذہبی پیشوا سمجھے جاتے تھے سلطان سلیم نے خلفائے عباسیہ کی اس اہمیت اور عہدۂ خلافت کے اثر کو بخوبی محسوس کر لیا تھا اُس نے مصر کے موجودہ آخری خلیفہ کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ خود ہی عہدۂ خلافت سے دست بردار ہو کر اُن چند تبرکات کو جن کو وہ بطور نشان خلافت وراثتاً اپنے قبضے میں رکھتا تھا سلطان سلیم کے سپرد کر دے اور سلطان سلیم کو مسلمانوں کا خلیفہ مان لے ان تبرکات میں ایک علم ایک تلوار اور ایک چادر تھی یہ چیزیں عباسی خلیفہ نے سلطان سلیم کو دیکر اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح مسلمانوں میں ایک نام کے خلیفہ کی جگہ حقیقی معنوں میں خلیفہ موجود ہو گیا۔ خلیفہ کے معنی درحقیقت مسلمانوں کے سب سے بڑے شہنشاہ اور بادشاہ کے ہیں سلطان سلیم کے سوا اُس وقت کی اسلامی دنیا میں کوئی شخص خلافت کا مستحق بھی نہ تھا سنہ ۹۲۳ھ کے آخر ایام میں سلطان سلیم مصر سے ایک ہزار اونٹ چاندی سونے سے لدے ہوئے لیکر روانہ ہوا اور آخری عباسی خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ روانگی کے وقت جبکہ ابھی سلطان کے لشکر نے قاہرہ سے کوچ کر کے چند ہی میل کا فاصلہ طے کیا تھا سلیم عثمانی نے اپنے وزیر اعظم یونس سے جو اس کی برابر گھوڑے پر سوار باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا کہا کہ اب بہت جلد ہم سرحد شام میں پہنچ جائیں گے وزیر نے کہا کہ ہم اس سفر میں اپنی نصف فوج ضائع کر کے واپس ہو رہے ہیں اور مصر کا ملک پھر انہیں لوگوں کو دیئے جاتے جنسے اس قدر محنت کے بعد فتح کیا تھا وزیر یونس نے یہ بھی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ مصر پر حملہ آور ہو کر ہم نے کیا نفع حاصل کیا۔ یہ سنتے ہی سلطان نے اپنے ہمراہی سواروں کو حکم دیا کہ اس کا سر اُڑا دو چنانچہ فوراً یونس پاشا کا سر اُڑا دیا گیا۔ سلطان سلیم اپنے وزیروں اور مصاحبوں کے لئے بڑا سخت گیر تھا مگر بخلاف اس کے وہ علماء کی ہر ایک گستاخی اور سختی کو بخندہ پیشانی برداشت کر لیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یونس شروع ہی سے مصر کی فتح کے خلاف تھا۔ اور اُس نے مصر پر حملہ آوری کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی تھی اب بھی اُسنے اپنی اُسی رائے کا اظہار کیا حالانکہ سلطان سلیم نے مصر کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کی عظمت کو بہت ترقی دیدی تھی۔ اس حملہ آوری اور مصر سے واپس آنے تک سلطان کے قریباً دو سال صرف ہوئے لیکن شام، عرب اور مصر تینوں ملکوں کا اضافہ سلطنت عثمانیہ میں ہو گیا اس سے بھی بڑھ کر یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ سلطان سلیم عثمانی حملہ آوری کے وقت محض سلطان سلیم تھا اور اب واپسی کے وقت وہ خلیفۃ المسلمین سلطان سلیم تھا۔ اور خلیفۃ المسلمین ہونیکی وجہ سے تمام عالم اسلامی میں وہ مقتدا اور پیشوا سمجھے جانے کا استحقاق حاصل کر چکا تھا۔

مصر سے واپس آ کر سلطان سلیم نے دمشق میں کئی مہینے قیام کیا۔ بعض روایتوں کے موافق وہ دمشق سے حج بیت اللہ کے لئے گیا مگر عام طور پر یہی مشہور ہے کہ سلطان سلیم یا اَور کوئی عثمانی سلطان حج بیت اللہ کے لئے کبھی نہیں گیا۔ دمشق میں رہکر سلطان سلیم نے عرب سرداروں سے اطاعت کے اقرار لئے اور اُن کے ساتھ تعلقات بڑھائے۔ دمشق سے روانہ ہو کر حلب میں آیا اور یہاں بھی بہت دنوں مقیم رہا۔ اس سفر یعنی واپسی میں اُس نے حجاز و شام کے متعلق اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام کی تدبیروں سے خوب کام لیا۔ اور ملک شام کو بہت سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کمشنری یا ضلع میں الگ الگ عامل مقرر کئے جس سے کسی خطرناک بغاوت کا امکان جاتا رہا۔ یہاں سے فارغ ہو کر سنہ ۹۲۴ھ میں سلطان سلیم قسطنطنیہ واپس پہنچا۔
سلطان سلیم نے قسطنطنیہ واپس آ کر ریاست وینس سے جزیرہ قبرس (سائپرس) کا خراج وصول کیا وینس والے

اس جزیرہ کا خراج مصر کے مملوکی سلطان کو ادا کیا کرتے تھے اب جبکہ مصر سلطان عثمانی کے قبضے میں آ گیا تو سلطان نے
اُن سے وہ خراج وصول کرنا شروع کیا۔ اور وینس والوں نے اقرار کیا کہ ہم ہمیشہ سلطان عثمانی کی خدمت میں خراج
ادا کرتے رہیں گے۔ اندلس کی عیسائی سلطنت نے سلطان کی خدمت میں ایک سفارت بھیجکر درخواست کی کہ جو عیسائی شام
و فلسطین کے مقدس شہروں کی زیارت کو جائیں اُن کی حفاظت کی جائے۔ سلطان سلیم نے اس درخواست کو فوراً
منظور کر لیا اور حکم دیا کہ عیسائی زائرین کو میرے حدود سلطنت میں کوئی آزار نہ پہنچایا جائیگا۔ شاہ ہنگری سے جو صلح
قائم تھی اُس کی میعاد قریب الختم ہونے کے سبب شاہ ہنگری نے میعاد صلح کی توسیع چاہی اور سلطان نے اس خواست کو
بلا تامل منظور کر لیا۔ سلطان سلیم کی فتوحات جو اس کو ایشیا و افریقہ میں حاصل ہوئی تھیں ایسی نہ تھیں کہ ان کا اثر
یورپ والوں پر نہ ہوتا۔ سلطان سلیم نے ایک طرف اپنی حدود سلطنت کو بہت وسیع کیا دوسری طرف خلیفۃ المسلمین
ہو جانے کی وجہ سے اُس کی عظمت و شوکت میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ یورپ کے تمام سلاطین لرز رہے تھے کہ یہ ابر باراں
کہیں ہم پر نہ برس پڑے اور یہ برق جہندہ کہیں یورپ میں ہمارے خرمن ہستی کو نہ جلا دے۔ سلطان سلیم کے مصر سے
واپس آنے کے بعد ہی عیسائی سلاطین نے پیغامات صلح بھیجنے شروع کئے اور سفارش کے ذریعہ اپنی نیاز مندی کا
یقین دلانے لگے۔ سلطان سلیم اگرچہ بہت سخت گیر و خشمناک شخص تھا مگر انتہا درجہ کا مآل اندیش اور دوربین بھی تھا
وہ ایسا بیوقوف نہ تھا کہ ان خوشامدی لوگوں کی باتوں میں آ کر عواقب امور سے غافل رہتا۔ وہ عیسائیوں کی شرارتوں
اور ریشہ دوانیوں سے خوب واقف تھا اس نے مصر و شام و حجاز و عراق و مغربی ایران کو اپنی حدود سلطنت
میں داخل کر کے ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر لی تھی جو ایشیا و افریقہ و یورپ تینوں براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی
اس کے بعد اب اُس کے لئے یورپی عیسائی ممالک ہی باقی تھے اور وہ ان ملکوں کی فتح کے خیال سے [illegible]
رہ سکتا تھا جنکی فتح کے لئے اُس کے بزرگوں نے مسلسل کوششیں جاری رکھی تھیں۔ سلطان سلیم کے بزرگوں کی لڑائیاں
زور آزمائیاں عیسائی سلاطین کے ساتھ رہی تھیں۔ تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان سلیم اپنی [illegible]
تھا اور اُس میں دینی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن حیرت ہوتی ہے کہ سلطان سلیم نے [illegible] مسلمانوں [illegible]
لڑائیاں کیں اور مسلمانوں ہی کے قبضے سے ملک نکالے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ سلیم نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا
کہ مسلمانوں کے اندر خالص دینی جذبہ بہت کمزور ہو گیا ہے اور روافض نے مسلمانوں کے اخلاق میں گھس کر [illegible]
برباد کر دیا ہے۔ تیمور و بایزید کی جنگ اس خطرہ کا سب سے بڑا اعلان تھا سلطان محمد خان ثانی نے قسطنطنیہ کو
فتح کر کے اور عیسائی سلطنت کو مٹا کر ایک حد تک اطمینان کی شکل پیدا کر دی تھی مگر پھر بھی [illegible] سلطان
عثمانی کو پریشان رکھتی تھیں۔ اسمٰعیل صفوی کی ریشہ دوانیوں اور شرارت انگیزیوں نے سلیم عثمانی کی توجہ [illegible]
طرف متوجہ کر لیا تھا۔ لہٰذا اُس نے سب سے پہلے تو ایران کی شیعہ سلطنت کو سزا دیکر اور اُس کے [illegible]
میں شامل کر کے مشرقی خطرے کا بندوبست کیا۔ اب ایرانیوں کی طرف سے کسی حملہ آوری [illegible]
اور شیعوں کے ایشیائے کوچک میں قتل کرا دینے سے کسی خطرناک سازش کا بھی اندیشہ [illegible]
چونکہ شہزادہ مصطفےٰ کے معاملے میں سلطنت عثمانیہ کے خلاف طاقت [illegible]
سے کم نہ تھا۔ سلطان سلیم نے مناسب نہ سمجھا [illegible]
سلاطین مصر [illegible] سلاطین کو عثمانیہ سلطنت کے خلاف ابھارنے کی کوششیں [illegible]
سلیم کے لئے اصل کام یعنی یورپ کا فتح کرنا باقی [illegible]
مصر سے واپس آ کر عیسائی ممالک پر حملہ آور ہونے [illegible] سلطنت [illegible]

مصروف ہوکر ساتھ ہی ساتھ جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگیا اور اس حالت میں جب عیسائی پادشاہ نے صلح کی خواہش ظاہر کی فوراً اُس سے صلح کر لی۔ مگر جنگی تیاریاں اس سرگرمی اور عجلت کے ساتھ جاری تھیں کہ اس سے پیشتر ایسی تیاریاں کبھی نہ دیکھی گئی تھیں۔ مصر سے واپس آکر سلطان سلیم نے جنگی جہازوں کے بننے کا حکم دیا۔ کئی کارخانے جہاز سازی کے جاری کیے گئے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو جنگی جہاز جن میں سے ہر ایک کا وزن سات سات سو ٹن تھا تیار ہوگئے ان سب کے علاوہ تین سو چھوٹے جہاز بھی تیار ہوئے۔ ان جہازوں کو تیار ہونے کے بعد باہر سمندر میں نکلنے اور گشت لگانے کی سخت ممانعت تھی بلکہ تیار ہوکر کارخانے ہی میں بند رکھے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان نے ایک جنگی جہاز کو ساحل قسطنطنیہ کے قریب سمندر میں گشت لگاتے اور چلتے پھرتے ہوئے دیکھا تو سخت ناراض ہؤا اور قریب تھا کہ وہ امیر البحر کو قتل کرنے کا حکم دیتا مگر دوسرے سرداروں اور وزیروں نے بمشکل سلطان کے غصہ کو یہ کہہ کر فرو کیا کہ یہ جہاز ابھی تیار ہوکر تکمیل کو پہنچا ہے اور قاعدہ کی موافق اس کو سمندر میں چلا کر دیکھنا اور اس کی رفتار کا اندازہ کرنا ضروری تھا۔ اسی لئے اس کو سمندر میں نکالا گیا ہے۔

جہازوں کے علاوہ سلطان سلیم نے توپوں اور بندوقوں کے بہت سے کارخانے جاری کئے۔ بارود بنانے کے کارخانے بھی بڑی تیزی اور مستعدی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ فوجی بھرتی بھی برابر جاری تھی۔ ایشیائے کوچک میں ایک جدید مسلح فوج اس طرح مستعد رکھی گئی تھی کہ حکم سنتے ہی ایک منٹ کا توقف کئے بغیر کوچ یا جنگ میں مصروف ہوجائے۔ سلطان سلیم کے وزراء اس بحری و بری طاقت کی روز افزوں ترقی کو دیکھ دیکھ کر منتظر تھے کہ کوئی بہت بڑی مہم پیش آنے والی ہے مگر اُن مطلق اطلاع نہ تھی کہ یہ تیاریاں کس لئے ہورہی ہیں۔ سلطان سلیم اپنے وزیروں اور مشیروں سے مشورے بھی لیتا تھا لیکن وہ اپنے خاص الخاص اور اہم ارادوں کی کسی کو اطلاع نہ دیتا تھا۔ وہ شتاب زدگی اور جلد بازی کے ساتھ کوئی قدم نہیں اُٹھاتا تھا لیکن جب کوئی ارادہ مصمم کر لیتا تھا تو پھر فسخ عزم کرنا اور قدم پیچھے ہٹانا ممکن نہ تھا۔ وہ اپنے ارادے کا پختہ اور ہمت و شجاعت کا دھنی تھا جو کوئی اُس کو فسخ عزم پر مجبور کرنا چاہتا تھا وہ اپنی جان گنوا دیتا تھا۔ اس ذی حوصلہ اور باہمت سلطان نے اپنے مسلمان بھائیوں کو نیچا دکھلانے اور اُن کے خطرے کو مٹانے کے بعد اب یہ جنگی تیاریاں یقیناً عیسائیوں کے خلاف شروع کی تھیں اور اس کے نزدیک یہ تیاریاں ابھی بہت ناقص و ناتمام تھیں کیونکہ وہ یورپ پر ایک ایسا حملہ کرنا چاہتا تھا جس میں شکست و ناکامی کو مطلق دخل نہ ہوسکے۔

سلطان سلیم اپنی جنگی تیاریوں میں بڑی مستعدی کے ساتھ مصروف تھا کہ ۶ شوال ۹۲۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۵۲۰ء شب جمعہ کو اُس نے وفات پائی اور عیسائی ملکوں کی فتح کا کام اپنے بیٹے سلطان سلیمان اعظم کے لئے چھوڑ گیا۔ سلطان سلیم نے یکم شوال ۹۲۶ھ کو قسطنطنیہ سے ایڈریانوپل کی طرف کوچ کیا۔ ابھی وہ ایڈریانوپل تک نہیں پہنچا تھا بلکہ راستے میں اُس مقام پر خیمہ زن تھا جہاں وہ ایک مرتبہ اپنے باپ سے لڑا تھا کہ مرض کے اشتداد سے آگے نہ بڑھ سکا اور وہیں فوت ہوگیا۔ سلطان سلیم کی ران میں ایک پھوڑا نکلا تھا۔ طبیبوں نے گھوڑے کی سواری سے منع کیا لیکن سلطان نے گھوڑے کی سواری ترک نہ کی اور پھوڑا دم بدم خطرناک شکل اختیار کرتا گیا حتیٰ کہ سلطان کی موت کا باعث ہؤا۔

سلطان سلیم نے صرف آٹھ سال آٹھ مہینے اور آٹھ دن سلطنت کی۔ اس قلیل مدت میں اُس نے جس قدر فتوحات حاصل کیں کسی بڑے سے بڑے سلطان کو بھی حاصل نہیں ہوسکیں۔ سلطان کی خصوصیات میں سب سے بڑی قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ وہ انتہائی طیش و غضب کے عالم میں بھی علماء دین کی تکریم کو مدنظر رکھتا تھا۔

وزیروں اور سپہ سالاروں کو معمولی لغزشوں پر قتل کر دینا اُس کے لئے معمولی بات تھی اور اسی لئے اکابر سلطنت اکثر خائف و ترساں رہتے تھے لیکن دینی پیشوا اور علماء اُس کے طیش و غضب سے بیخوف اور آزاد تھے۔ سلیم کا خیال تھا کہ ملک کے اندر سخت گیری اور سیاست کے ذریعہ ہی امن و امان قائم رہ سکتا ہے اور ایک حد تک اُس کا یہ خیال درست بھی تھا لیکن چونکہ وہ اعلیٰ درجہ کا مذہبی شخص تھا اس لئے علمائے دین کی تحقیر و تذلیل وہ کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ سلطان سلیم نے محکمۂ مال کے ڈیڑھ سو اہلکاروں کو کسی بات پر ناراض ہو کر گرفتار کرا لیا اور حکم دیا کہ سب کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ قسطنطنیہ کے قاضی جمالی نے جب یہ حکم سُنا تو فوراً سلطان سے کہا کہ آپ نے یہ حکم غلطی سے دیا ہے آپ اس حکم کو واپس لے لیں اور ان لوگوں کے سر قلم نہ کرائیں کیونکہ وہ مستحق قتل نہیں ہیں۔ سلطان نے کہا کہ انتظام ملکی میں آپ کو دخل نہیں دینا چاہیئے قاضی صاحب نے کہا کہ آپ اس دُنیا کے ملک کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہیں اور میں آپ کی عالم آخرت میں بھلائی چاہتا ہوں۔ [illegible] یہ حکم کیسے ہی مصالح ملکی پر مبنی ہو لیکن عالم آخرت میں آپ کے نقصان و زیان اور خسران و ہلاکت کا موجب ہے کیونکہ خدا تعالےٰ رحم کرنے والے پر انعام و بخشش کرتا اور ظالم کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ سلطان کو قاضی جمالی کے منشاء کے موافق سب کو معاف و آزاد کرنا پڑا اور [illegible] عہدوں پر اُن کو بدستور مامور کر دیا اسی طرح ایک مرتبہ سلطان سلیم نے حکم دیا کہ ہمارے ملک سے ایران کے ملک میں ریشم قطعاً نہ جانے پائے ساتھ ہی اُن سوداگروں کو جو قسطنطنیہ میں موجود اور [illegible] تھے گرفتار کرا لیا۔ ان سوداگروں کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ ان کی [illegible] کا حکم ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان سلیم ایڈریانوپل کی طرف روانہ ہو رہا تھا [illegible] اُس نے سلطان سے ان سوداگروں کی سفارش کی سلطان نے جواب دیا کہ [illegible] اور بھلائی کے لئے ایک تہائی کو قتل کر دینا جائز ہے قاضی صاحب نے [illegible] سلطان نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے کہ اپنے بادشاہ کے [illegible] نے فرمایا کہ ان لوگوں تک حکم سلطانی ابھی نہیں پہنچا تھا اس لئے یہ مجرم نہیں [illegible] وزیر اعظم کرتا تو فوراً قتل ہو چکا ہوتا مگر سلطان نے نہایت غصہ [illegible] میں دخل نہ دو۔ قاضی صاحب یہ جواب سُن کر بہت [illegible] ہوئے ناراضی کے ساتھ چل دیئے اور سلطان سلیم تخت حیرت [illegible] سلطان نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر [illegible] اور ان کا تمام مال و اسباب واپس دے دیا گیا۔ اس کے بعد قاضی [illegible] تمام ممالک یعنی ایشیا و یورپ کے علاقوں کا قاضی القضاۃ [illegible] قبول کرنے سے انکار کر دیا تاہم سلطان نے اُن [illegible]

سلطان سلیم کا عہد حکومت دنیا میں [illegible]

اسلامیہ خاندان عباسیہ سے نکل کر خاندان عثمانیہ میں آئی [illegible] خلفاء اسلام میں ہوتے [illegible] کام شروع کیا جو درحقیقت عثمانیوں کے یورپ [illegible] کبیر و اس نے اپنا ایک نیا [illegible]

جو سلطان سکندر لودی کا ہمعصر تھا۔ اسی سلطان کے عہد حکومت یعنی سنہ ۹۲۳ھ میں جیب گھڑی ایجاد ہوئی
سلطان سلیم عثمانی نے چاہا تھا کہ عیسائی ممالک پر حملہ آور ہونے سے اپنی حدود سلطنت کے رہنے
والے تمام عیسائیوں کو اوّل مسلمان بنا کر اپنے ملک کو غیر مسلم عنصر سے قطعاً پاک و صاف کر دے چنانچہ
اُس نے عیسائیوں کے گرجوں کو مسجدیں بنا لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ خبر جب عیسائیوں کو پہنچی تو وہ سلطان
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ سلطان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے وقت ہم کو ہر قسم کی مذہبی
آزادی عطا کی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ تمہارے گرجوں کی حفاظت کی جائیگی اور تمہارے مذہبی معاملات میں قطعی
مداخلت نہ ہوگی۔ عیسائیوں کے اس بیان کی علمائے دربار نے تائید کی اور قاضی جمالی بھی عیسائیوں کے سفارشی
ہوئے چنانچہ سلطان کو مجبوراً اس ارادے سے باز رہنا پڑا۔ عیسائی مورخ سلطان سلیم سے بہت ناراض
معلوم ہوتے ہیں اور وہ سلطان کی مذہبی دلچسپی کو ایک عیب بتلاتے ہیں مگر یہ اُن کی نابینائی اور تعصب ہے۔
سلطان سلیم کے باخدا اور نیک ہونے کی ایک یہ بھی سب سے بڑی دلیل ہے کہ جس قدر ممالک پر سلطان
سلیم نے قبضہ کیا تھا وہ تمام ملک سب سے آخر تک ترکوں کے قبضے یا کم از کم اُن کی سیادت میں رہے۔ اس
سلطان نے حکومت کا زیادہ موقع نہ پایا اور بہت جلد ۵۲ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اگر کچھ دنوں اور زندہ
رہتا تو یقیناً تمام یورپ کو فتح کئے بغیر نہ رہتا۔ سلطان سلیم خاندان عثمانیہ میں سب سے پہلا خلیفہ تھا۔ اور اسی
پر ہم اس جلد کو ختم کرتے ہیں۔



خاتمہ

تاریخ اسلام کی اس تیسری جلد کو ختم کرنے کے بعد ہم مسلمانوں کی بہت سی قدیم سلطنتوں کے حالات سے واقف
ہو چکے ہیں اور اب ایسے زمانے میں پہنچ گئے ہیں جس کو ماضی قریب کہہ سکتے ہیں۔ اب آئندہ چوتھی جلد تیمور کے
حالات سے شروع ہوگی۔ مغولان چنگیزی اور مغولان تیموری کو عیسائیوں سے بہت کم واسطہ پڑا۔ اور یہ سب کے سب
دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے خادم بن گئے۔ ایرانیوں یعنی مجوسیوں نے شروع ہی میں مسلمانوں کا مقابلہ
کیا اور جب اُن کی سلطنت برباد ہو گئی تو پھر مجوسی آج تک مسلمانوں کے مقابلے میں طاقت کا اظہار نہیں کر سکے۔
آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں بُت پرستوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن اس کے بعد
وہ اس قابل نہ رہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں شمشیر بکف ہو سکیں۔ یہودیوں کی طاقت و سلطنت خلافت اسلامیہ کے
قائم ہونے سے پہلے ہی فنا ہو چکی تھی اور آج تک بھی یہودیوں کو حکومت و سلطنت حاصل نہیں ہوئی۔ ہندوستان
میں محمد بن قاسم کو پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر بودھوں کی حکومت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا جو سندھ پر حکمران تھی
لیکن اس کو بمشکل بودھ سلطنت کہا جا سکتا ہے اس کے بعد بودھوں سے مسلمانوں کا کوئی قابل تذکرہ مقابلہ
نہیں ہوا۔ ہندوستان کے بت پرستوں نے محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کا مقابلہ کیا مگر وہ بہت
جلد مسلمانوں سے مغلوب ہو گئے اور ہندوستان میں بھی حکومت اسلامیہ قائم ہو گئی۔ مگر مسلمانوں اور عیسائیوں
کی معرکہ آرائیاں جو آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد سے شروع ہوئیں وہ آج تک جاری ہیں اور نہیں کہا
جا سکتا کہ اور کب تک جاری رہینگی۔ تاریخ اسلام کی ان تینوں جلدوں نے جو حالات آپ کے سامنے پیش کئے
ہیں اُن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلسل خون کے دریاؤں میں تیرنے اور تلواروں کی بجلیوں میں سفر

کرنے کا موقع ملا ہے۔ توپ کے گولوں کے اولوں اور تیروں کی بارشوں میں مسلمانوں نے پرورش پائی ہے [illegible]
ہمیشہ دو طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا ہے اور اس دوگونہ مصیبت نے کبھی مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ایک تو
عیسائی قوم کی مخالفت اور دوسرے آپس کی نا اتفاقی۔ آج تک اس سطح ارضی پر جس قدر مسلمانوں کا خون بہا ہے
اس خون کو اگر اقسام خونریزی کی رعایت سے الگ الگ جمع کیا جائے تو بہت سے چھوٹے بڑے خون کے [illegible]
ان میں دو دریا سب سے بڑے ہوں گے انسان کی روانی و تیزی [illegible] نظر آتی [illegible]
کی مانند ایک دوسرے کے متوازی بہتے ہوئے نظر آتے ہیں [illegible] آخر میں [illegible]
ایک ہی ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کا سب سے زیادہ خون آپس کی لڑائیوں میں بہا ہے اور ان آپس کی لڑائیوں
ہی نے مسلمانوں کو کمزور و ناتوان کر کے عیسائیوں کا مقابل [illegible]
مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کا خون نہ بہاتیں تو عیسائی طاقت کا [illegible]
جس طرح یہودیوں اور مجوسیوں کی طاقت کا نام و نشان گم ہو چکا ہے۔ مسلمانوں [illegible]
ہمیشہ اپنے آپ کو کمزور بنایا اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی [illegible]
خانہ جنگی کو مسلمانوں کے مزاج سے بہت ہی سازگار پایا [illegible]
کرتے مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور ان کو آپس میں لڑا [illegible]
زیادہ کام لیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اب مسلمانوں کی خانہ جنگی [illegible]
مقابلے میں بہت ہی کمزور نظر آنے لگے۔ غرضکہ دنیا میں [illegible]
کوئی نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ملتی کہ دو قوموں [illegible]
گرم رہا ہو۔ جس طرح یہ پیشگوئی نہیں کی جا سکتی کہ [illegible]
اسی طرح یہ پیشگوئی بھی نہیں کی جا سکتی کہ کب تک مسلمانوں اور عیسائیوں [illegible]
اس کا تو وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کی قوم [illegible]
ہے۔ بقا و فنا کا مسئلہ تو [illegible]
تنزل اور قوت و ضعف کا مسئلہ [illegible]
دنیا میں سب سے بڑی طاقت [illegible]
میں سب سے بڑی طاقت دیکھتے ہیں [illegible]
ہیں غالباً وہ زمانہ شروع ہو جائے گا جبکہ [illegible]

اب جبکہ آپ تیسری جلد ختم کر چکے ہیں [illegible]
نقصان و زیان و خسران کا سبب ان کی خانہ جنگی ہے [illegible]
نظر ڈالو اور سوچو کہ مسلمانوں کو اس نا اتفاقی کے [illegible]
سبب اگر تلاش کرنا چاہو تو بجز قرآن کے [illegible]
غافل رہیں گے آماجگاہ مصائب [illegible]
بن جاؤ۔ [illegible]

مُناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الٰہی! آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں میری طرف سے ایسی درود
لوٰۃ وسلام و برکات بھیج جو آج تک کسی نے بھی نہ بھیجی ہو۔ الٰہی آنحضرت صلعم کے تمام اصحاب
م ازواج مطہرات اور اولاد امجاد کی خدمات میں بھی میری جانب سے سلام و برکات بھجوا۔

الٰہی! اگر تیرا کرم و فضل میری دستگیری نہ کرے تو میں اس دنیا میں نہ ایک سکنڈ زندہ
رہ سکتا ہوں نہ ایک قدم اٹھا سکتا ہوں نہ ایک حرف لکھ سکتا اور نہ ایک حرف پڑھ سکتا
ہوں۔ میرا دل۔ میرا دماغ۔ میرا جسم۔ میری رُوح۔ میرا ارادہ۔ میرا اختیار اور میری
ہر ایک چیز تیرے ہی انعام و احسان کا طفیل ہے۔ مجھ پہ کوئی ساعت ایسی نہیں گذر سکتی
ں میں تیرے فضل و کرم کی مجھ کو ضرورت نہ ہو۔ میں نے اس کتاب میں جو کچھ اب تک لکھا
یری ہی مدد سے لکھا اور آئندہ بھی ہر ایک کام میں مجھ کو تیری ہی مدد کی ضرورت ہے۔

الٰہی! میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں تیری راہ میں شہید ہو کر جان دُوں
لٰہی! بظاہر کوئی ایسا سامان اور ایسا موقع نظر نہیں آتا کہ میں تیری راہ میں لڑ کر مارا جاؤں
یکن تو بڑا قادر و توانا ہے تو اپنے اس عاجز گنہگار بندے کو اُسکی آرزو میں کامیاب بنا سکتا ہے
لٰہی! تیری راہ میں میری گردن کاٹی جائے اور بستر پر ملک الموت میرے پاس رُوح قبض
کرنے نہ آئے۔ الٰہی تو مجھ کو شہدائے بدر میں شامل کرلے۔ اے میرے خدا میری اس التجا
قبول کرلے۔ آمین!

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

(مُصنّف)

(عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر طبع ہوئی)